

فتاویٰ رضویہ

مع تخریج و ترمیم مولانا عبدالحق صاحب دہلی

امام احمد رضا بریلوی صاحب دہلی

۱۷

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

انڈرون لوہاری دروازہ لاہور

پاکستان (۱۵۲۰۰۰)

فتاویٰ رضویہ

مع تخریج و ترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور

پاکستان (۵۲۰۰۰)

مَنْ يُرِدِ اللَّهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ (المحدث)

العطاء النبوي

الفتاوى الضوية

مع تخریج و ترجمہ عربی عبارتاً

جلد ہفتم

تحقیقاتِ نادہ پر مشتمل چودھویں صدی کا عظیم الشان فقہی انسا ئیکلو پیڈیا

لوم احمد رف برہوی فکرس سرہ لاہوریز

۱۳۳۰ھ ————— ۱۲۶۲ھ
۱۹۲۱ء ————— ۱۸۵۶ء



رضا فاؤنڈیشن
جامعہ نظامیہ رضویہ
اندرون لوہاری دروازہ لاہور پاکستان (۵۴۰۰۰)
فون نمبر: ۶۵۶۳۱۴

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب	فتاویٰ رضویہ جلد ۱۷
تصنیف	شیخ الاسلام امام احمد رضا قادری بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
ترجمہ عربی عبارت	حافظ محمد عبدالستار سعیدی ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور
پیش لفظ	" " " " " " " "
ترتیب فہرست	" " " " " " " "
تخریج و تصحیح	مولانا نذیر احمد سعیدی ، مولانا محمد اکرام اللہ بٹ ، مولانا محمد عبداللہ
باہتمام و سرپرستی	حضرت مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی صدر تنظیم المدارس اہلسنت پاکستان
کتابت	محمد شریف گل ، کریال کلاں (گوجرانوالا)
پیسٹنگ	مولانا محمد منشا تابش قصوری معلم شعبہ فارسی جامعہ نظامیہ رضویہ ، لاہور
صفحات	۷۱۵
اشاعت	ذیقعدہ ۱۴۲۰ھ / فروری ۲۰۰۰ء
مطبع	
ناشر	رضا فاؤنڈیشن ، جامعہ نظامیہ رضویہ ، اندرون لوہاری دروازہ ، لاہور
قیمت	



منے کے پتے

- جامعہ نظامیہ رضویہ ، اندرون لوہاری دروازہ ، لاہور
- مکتبہ تنظیم المدارس ، جامعہ نظامیہ رضویہ ، اندرون لوہاری دروازہ ، لاہور
- مکتبہ ضیائیہ ، بوہڑ بازار ، راولپنڈی
- ضیاء القرآن پبلیکیشنز ، گنج بخش روڈ ، لاہور

اجمالی فہرست

۵	پیش لفظ ○
۸۱	کتاب البیوع ○
۱۲۱	باب بیع الباطل والفساد ○
۱۸۹	باب البیع المکروہ ○
۱۹۳	باب بیع الفضولی ○
۲۱۷	باب الاقالہ ○
۲۱۹	باب المراجحة ○
۲۲۳	باب التصرف فی المبیع والتمن ○
۲۶۹	باب القرض ○
۲۹۱	باب الربو ○
۵۶۱	باب الاستحقاق ○
۵۶۹	باب بیع السلم ○
۵۹۷	باب الاستصناع ○
۶۰۱	باب الصرف ○
۶۲۹	باب بیع التجیة ○
۶۲۳	باب بیع الوفاء ○

٦٢٩ _____

٦٥٣ _____

٤٠٣ _____

○ باب متفرقات البيع

○ كتاب الكفالة

○ كتاب الحوالة

فهرست رسائل

○ كفل الفقيه الفاهم ٣٩٥ _____

○ كاسر الفقيه الواهم ٥٠٥ _____

○



پیش لفظ

الحمد لله! اعلیٰ حضرت امام المسلمین مولانا الشاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خزانہ علمیہ اور ذخائر فقہیہ کو جدید انداز میں عہد حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق منظر عام پر لانے کیلئے دارالعلوم جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں رضا فاؤنڈیشن کے نام سے جو ادارہ ماہ مارچ ۱۹۸۸ء میں قائم ہوا تھا وہ انتہائی کامیابی اور برق رفتاری سے مجوزہ منصوبہ کے ارتقائی مراحل کو طے کرتے ہوئے اپنے ہدف کی طرف بڑھ رہا ہے، اب تک یہ ادارہ امام احمد رضا کی متعدد تصانیف شائع کر چکا ہے مگر اس ادارے کا عظیم ترین کارنامہ العطا یا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ المعروف بہ فتاویٰ رضویہ کی تخریج و ترجمہ کے ساتھ عمدہ و خوبصورت انداز میں اشاعت ہے۔ فتاویٰ مذکورہ کی اشاعت کا آغاز شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ / مارچ ۱۹۹۰ء میں ہوا تھا اور بفضلہ تعالیٰ جل مجدہ و بعنایت رسولہ الکریم تقریباً دس سال کے مختصر عرصہ میں سترہ سو جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس سے قبل کتاب الطہارۃ، کتاب الصلوٰۃ، کتاب الجنائز، کتاب الزکوٰۃ، کتاب الصوم، کتاب الحج، کتاب النکاح، کتاب الطلاق، کتاب الایمان، کتاب الحدود و التعزیر، کتاب السیر، کتاب الشریک اور کتاب الوقف پر مشتمل سولہ جلدیں شائع ہو چکی ہیں جن کی تفصیل سنین، مشمولات، مجموعی صفحات اور ان میں شامل رسائل کی تعداد کے اعتبار سے حسب ذیل ہے:

جلد نمبر	عنوانات	اسئلہ جوابات	رسائل تعداد	سنین اشاعت	صفحت
۱	کتاب الطہارت	۲۲	۱۱	شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ — مارچ ۱۹۹۰ء	۸۳۸
۲	"	۳۳	۷	ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ — نومبر ۱۹۹۱ء	۷۱۰
۳	"	۵۹	۶	شعبان المعظم ۱۴۱۲ھ — فروری ۱۹۹۲ء	۷۵۶
۴	"	۱۳۲	۵	رجب المرجب ۱۴۱۳ھ — جنوری ۱۹۹۳ء	۷۶۰
۵	کتاب القلوۃ	۱۴۰	۶	ربیع الاول ۱۴۱۴ھ — ستمبر ۱۹۹۳ء	۶۹۲
۶	"	۴۵۷	۴	ربیع الاول ۱۴۱۵ھ — اگست ۱۹۹۴ء	۷۳۶
۷	"	۲۶۹	۷	رجب المرجب ۱۴۱۵ھ — دسمبر ۱۹۹۴ء	۷۲۰
۸	"	۳۳۷	۶	محرم الحرام ۱۴۱۶ھ — جون ۱۹۹۵ء	۶۶۴
۹	کتاب الجنائز	۲۷۳	۱۳	ذیقعدہ ۱۴۱۶ھ — اپریل ۱۹۹۶ء	۹۴۶
۱۰	کتاب الزکوٰۃ، صوم، حج	۳۱۶	۱۶	ربیع الاول ۱۴۱۷ھ — اگست ۱۹۹۶ء	۸۳۲
۱۱	کتاب النکاح	۴۵۹	۶	محرم الحرام ۱۴۱۸ھ — مئی ۱۹۹۷ء	۷۳۶
۱۲	کتاب النکاح، طلاق	۳۲۸	۳	رجب المرجب ۱۴۱۸ھ — نومبر ۱۹۹۷ء	۶۸۸
۱۳	کتاب الطلاق، ایمان، حد و تعزیر	۲۹۳	۲	ذیقعدہ ۱۴۱۸ھ — مارچ ۱۹۹۸ء	۶۸۸
۱۴	کتاب السیر (ا)	۳۳۹	۷	جمادی الاخریٰ ۱۴۱۹ھ — ستمبر ۱۹۹۸ء	۷۱۲
۱۵	" (ب)	۸۱	۱۵	محرم الحرام ۱۴۲۰ھ — اپریل ۱۹۹۹ء	۷۴۴
۱۶	کتاب الشریکۃ، کتاب الوقف	۴۳۲	۳	جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ — ستمبر ۱۹۹۹ء	۶۳۲

ترہویں جلد

یہ جلد فتاویٰ رضویہ قدیم جلد ہفتم مطبوعہ سنی دارالاشاعت مبارکپور عظیم گدھ بھارت کے شروع سے صفحہ ۲۹۰ تک ۲۹۸ سوالوں کے جوابات پر مشتمل ہے۔ رسالہ کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قسطاس الدرہم کے علاوہ اس جلد کی عربی و فارسی عبارت کا ترجمہ راقم الحروف نے کیا ہے اس سے قبل گیارہویں بارہویں، تیرہویں اور سو لہویں جلد بھی راقم کے ترجمے کے ساتھ شائع ہو چکی ہیں جبکہ کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قسطاس الدرہم کا نہایت شاندار اور زوردار ترجمہ مصنف علیہ الرحمۃ کے فرزند ارجمند حجۃ الاسلام حضرت علامہ مولانا محمد حامد رضا خان بریلوی نور اللہ مرقدہ کا ہے۔

یاد رہے کہ رسالہ مبارکہ کفل الفقیہ الفاہم جو نوٹ سے متعلقہ تمام مسائل پر محیط ہے مصنف علیہ الرحمہ نے مکہ مکرمہ میں ایک دن اور چند گھنٹوں میں علماء مکہ کی طرف سے پیش کردہ بارہ سوالات کے جواب میں تحریر فرمایا۔ رسالہ میں مذکور تحقیقات و تدقیقات کو دیکھ کر علماء مکہ بہت مسرور و محظوظ ہوئے اور مصنف علیہ الرحمہ کو انتہائی شاندار الفاظ میں خراج تحسین پیش فرمایا، رسالہ مذکورہ کی تصنیف کے بعد جب آپ حرمین شریفین سے وطن واپس تشریف لائے تو مولوی رشید احمد گنگوہی اور مولوی عبدالحی لکھنوی صاحب کے نوٹ سے متعلق فتوے نظر سے گزریں جن کے رد میں مصنف علیہ الرحمہ نے رسالہ کا سرالسفیہ الواہم فی ابدال قرطاس الدراہم“ ملقب بلقب تاریخی“ الذیل المنوط لرسالة النوط“ تحریر فرمایا۔ پیش نظر جلد بنیادی طور پر کتاب البیوع، کتاب الکفالمہ اور کتاب الحوالہ کے مباحث جلیلہ پر مشتمل ہے تاہم متعدد ابواب فقہیہ و کلامیہ وغیرہ کے مسائل ضمناً زیر بحث آئے ہیں، مسائل و رسائل کی مفصل فہرست کے علاوہ مسائل ضمنیہ کی انگ فہرست بھی قارئین کرام کی سہولت کے لئے تیار کر دی گئی ہے، انتہائی وقیع اور گرانقدر تحقیقات و تدقیقات پر مشتمل مندرجہ ذیل دو رسائل بھی اس جلد کی زینت ہیں :

(۱) کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم (۱۳۲۴ھ)

کاغذی نوٹ کے بارے میں علماء مکہ مکرمہ کے بارہ سوالوں کا تحقیقی جواب۔

(۲) کا سرالسفیہ الواہم فی ابدال قرطاس الدراہم

ملقب بلقب تاریخی

الذیل المنوط لرسالة النوط (۱۳۲۴ھ)

کاغذی نوٹ سے متعلق مولوی رشید احمد گنگوہی اور مولانا عبدالحی لکھنوی کے فتوؤں کا تفصیلی رد۔



حافظ محمد عبدالستار سعیدی

ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

شوال المکرم ۱۴۲۰ھ

جنوری ۲۰۰۰ء

فہرست مضامین مفصل

کتاب البیوع

شرع میں ایجاب و قبول کے لئے ماضی کا صیغہ
درکار ہے۔

وہ صورت کہ ایجاب و قبول کے بغیر بھی بیع تام
ہو جائے۔

ان عقود میں مقصود معنی ہے نہ کہ لفظ۔

بیع میں اصل مدار تراضی طرفین ہے قولاً ظاہر ہو
خواہ فعلاً۔

تعاملی مثل ایجاب و قبول لزوم بیع کا سبب
ہوتی ہے۔

بیع تعاملی میں ایجاب و قبول فعلی ہوتا ہے۔

کسی دوسرے کے مکان کو اپنی ملکیت ظاہر کر کے
کسی کے ہاتھ بیچنا اور مشتری کو قبضہ و لادینا غصب ہے

مغضوب کو غاصب کے علاوہ کسی دوسرے کے
ہاتھ بیچنے کا حکم۔

کسی شے کی ملکیت کے شرعی گواہ گزریں تو قبضہ
حکماً قرار دیا جائے گا۔

صحت بیع کے لئے بیع کا حکماً مقدور التسلم ہونا
کافی ہے۔

حقیقۃً فی الحال بیع کا مقدور التسلم ہونا کسی
کے نزدیک ضروری نہیں۔

غلام جس کو مالک نے کسی کام سے بھیجا حالت غیبت
میں اس کی بیع صحیح ہے۔

احکام عرف و عادت میں خلاف کے احتمالات عقلیہ
کا لحاظ نہیں ہوتا۔

چلے ہوئے کبوتر جو شام کو واپس آجاتے ہیں
حالت غیبت میں ان کی بیع صحیح ہے۔

- غاصب مالک کی ملکیت کا اقرار کرے تو منصوب کی بیع صحیح ہے۔
- ۸۲۔ اقرار بنیہ سے قوی حجت ہے۔
- بھاگا ہوا غلام اور نیا کبوتر غیر مقدور التسلیم ہے قدرۃ علی التسلیم کو بعض ائمہ نے شرط انعقاد بیع قرار دیا اور بعض نے شرط صحت بیع، اور دونوں قول باقوت ہیں، قول اول پر بیع باطل اور ثانی پر فاسد ہوگی۔
- بیع منصوب غیر مقدور التسلیم قول ثانی پر بیع فاسد ہے، اور یہی موقوف بھی ہے۔
- اجنبی محض کو دعویٰ کا اختیار نہیں ہوتا۔
- بیع فاسد میں مشتری بے قبضہ مالک نہیں ہوتا۔
- بیع فاسد میں ارتفاع مفسد بیع کو صحیح کر دیتا ہے۔ ایسی صورت میں صحت بیع کے لئے قبضہ مشتری یا اقرار غاصب یا بائع کے گواہان عادل ضروری ہیں۔
- مقدور التسلیم حکما کی بیع میں قبضہ سے پہلے بیع ہلاک ہو جائے تو بیع فسخ ہو جاتی ہے۔
- کتب فقہ سے مسائل مذکورہ بالا کے جزئیات کے نصوص۔
- ۸۲۔ تمامیت بیع کے بعد بھی خیار رویت اور خیار عیب حاصل رہتا ہے۔
- ۸۲۔ مال نمونہ کے موافق نہ ہو اور رویت کے بعد مشتری سے کوئی امر رضا مندی کا صادر نہ ہو تو مال واپس کر سکتا ہے۔
- ۸۳۔ ایجاب و قبول کے بعد بیع مشتری کی ملک میں داخل ہو جاتی ہے قیمت ادا کرے یا نہ کرے۔
- ۸۳۔ مشتری نے کل یا جز قیمت ادا کئے بغیر بیع پر قبضہ کر لیا تو بیع کا منافع اس کے لئے حلال ہے۔
- ۸۳۔ بائع قیمت وصول کرنے کے لئے بیع روک سکتا ہے۔
- ۸۳۔ سود حرام قطعی ہے کسی سے سود لیا پھر لینے والے کی کوئی رقم دینے والے کو ملی تو اس کو دئے ہوئے سود میں مجرا کر سکتا ہے۔
- ۸۳۔ خیار شرط
- ۸۳۔ کسی مکان کو دو سال کے لئے خیار شرط پر بیع کرنا پھر بائع کا اسی مکان کو کرایہ پر حاصل کرنا سودی کاروبار ہے۔
- ۸۳۔ یہ معاملہ حقیقۃً رہن کا ہے اور رہن بے قبضہ باطل ہے۔
- ۹۰۔ مالک اپنی ملک غیر مالک سے کرایہ پر نہیں لے سکتا۔
- ۹۰۔ سود کی ملک خبیث ہے۔
- ۹۰۔ اجارہ باطلہ کے ذریعہ جو رقم حاصل ہو غصب ہے۔
- ۹۰۔ پوری رقم واپس کرنا ضروری ہے۔
- ۸۴۔ ایجاب و قبول کے بعد بیع کا بازار بھاؤ بڑھ گیا، بائع کو طے شدہ نرخ پر مال دینے پر مجبور کیا جائیگا۔
- ایجاب و قبول کے بعد بیع تمام ہو جاتی ہے بائع و مشتری سے کسی کو ایک طرف کرنے کا حق نہیں۔

گیارہ سوالوں پر مشتمل ایک استفارہ۔

خیار شرط کی تعریف۔

خیار شرط کی کم سے کم اور زائد سے زائد مقدار

کا بیان۔

خیار شرط کی مدت کے اندر مخیر کو فسخ بیع کا حق حاصل

ہے اور انقضائے مدت کے بعد بیع لازم ہو جاتی ہے

بیع بالوفا کی تعریف۔

بیع بالوفا حقیقہ رہن ہے۔

راہن شے مرہونہ پر قبضہ نہ کرے تو رہن باطل

ہے، اور قبضہ ہونے پر بھی شے مرہونہ سے انتفاع

حرام ہے۔

حدیث کل قرض جرنفعاً فهو حرام کی

ایک مثال۔

سادہ قرض کی ادائیگی کے لئے کوئی میعاد ٹھہرائی

تب بھی اس کی پابندی لازم نہیں، وائے جب

چاہے قرض وصول کر سکتا ہے۔

بیع بالوفا حقیقہ بیع نہیں تو انقضائے مدت

کے بعد بھی مشتری کی ملک ثابت نہ ہوگی۔

بیع بالوفا کو ختم کرنے کی مختلف شرعی صورتیں۔

بیع مرہون مرہن کی اجازت پر موقوف ہے۔

خیار تعیین

مقبوض علی سوم الشراہ ہلاک ہو جائے تو قابض

سے تاوان وصول کر سکتے ہیں۔

بیع مطلق

۹۳ مرض الموت کے تصرفات غیر نافذ ہیں۔

۹۳ لزوم بیع کے بعد ورثہ کو فسخ کا اختیار نہیں۔

۹۳ خیار رویت کا حق صرف مشتری کو ہے۔

۹۱ خیار عیب بائع کو بھی حاصل ہے لیکن بائع خیار عیب

کی وجہ سے بیع فسخ نہیں کر سکتا، ثمن ردی کو

۹۱ جید سے بدل سکتا ہے، خیار رویت میں امام حسب

۹۳ کا قول قدیم۔

بیع میں بیع اصل ہے، اس کے رد سے بیع

۹۲ فسخ ہو جائے گی، ثمن کے رد سے فسخ نہ ہوگی۔

بیع نہ ہونے کی شکل میں بیع نہ روک لینا ظلم ہے

۹۲ چاہے زیادتی مشتری کی ہی کیوں نہ ہو۔

۹۲ بیع توڑنے کے لئے طرفین کی رضا ضروری ہے۔

عدم بیع کی صورت میں بیع نہ مشتری کو واپس

۹۲ ملے گا۔

ایجاب و قبول کے لئے ماضی کا صیغہ ضروری ہے۔

۹۵ وعدہ کوئی عقد نہیں۔

۹۵ وفائے وعدہ پر جبر نہیں کیا جاسکتا۔

۹۲ میت کے ترکہ سے قرض کی ادائیگی تقسیم پر

۹۵ مقدم ہوگی۔

عقد بیع زبانی ایجاب و قبول سے مکمل ہو جاتا ہے

رجسٹری کچھ ضروری نہیں، اسی طرح تحریر بیع نہ

۹۳ کے بعد لفظی ایجاب و قبول ضروری نہیں۔

تکمیل بیع کے بعد بائع مشتری کی اجازت کے

- ۹۶ فضولی غیر کی ملک کو اپنی بنا کر بیچے تو مذہب ضعیف پر یہ بیع باطل ہے، اور ظاہر الروایہ یہ ہے کہ یہ بیع موقوف ہے۔ ۱۰۰
- ۹۶ بیع فضولی میں مالک کا مشتری سے قیمت طلب کرنا یا بائع سے کہنا تو نے بُرا کیا یا اچھا کیا، اجازت متصور ہوگا۔ ۱۰۲
- ۱۰۲ آئین پر بلا تعدی و تقصیر فی الحفظ ضمان نہیں۔ ۱۰۲
- ۹۷ بیع فضولی میں قیمت پر بائع کا قبضہ قبضہ امانت ہے ۱۰۲
- ۹۷ بیع فضولی میں مالک کا مشتری کو زرمین ہبہ کرنا یا صدقہ کرنا رضا ہے۔ ۱۰۲
- ۹۷ خبر بیع سن کر مالک کا خاموش رہنا شرعاً اجازت نہیں ہے۔ ۱۰۲
- ۱۰۳ ایک جائداد کے وارثوں کے حصص کی شرعی تعیین اور تفصیل۔ ۱۰۳
- ۹۸ جائداد مشترکہ بیع فضولی میں مشتری کو پوری بیع کے رد کرنے یا بقدر حصہ باقی رکھنے کا اختیار ہوتا ہے۔ ۱۰۳
- ۱۰۳ نیلام کی ایک خاص صورت سے متعلق سوال۔ ۱۰۳
- ۹۹ آجکل کچھ لوگوں میں عام طور سے جو نیلام ہوتا ہے بیع غاصب کے حکم میں ہے جو مالک کی اجازت پر موقوف ہوگی۔ ۱۰۴
- ۹۹ قاضی کا دیون کے مال کو انکار کی صورت میں زبردستی بیچا اور مکہ کی بیع فاسد ہے۔ ۱۰۴
- ۹۹ بیع فضولی کے مشتری نے بیع کسی دوسرے کے ہاتھ بیچ دی یہ بھی بیع فضولی ہوتی اور اصل مالک
- بغیر بیع کو کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت نہیں کر سکتا۔
- مرض الموت سے قبل آدمی کا اس کی ملک میں ہر طرف نافذ ہوگا۔
- زوجہ نے جائداد مشترکہ مالک بن کر بیچ دی دیگر ورثہ کل بائع تھے بیع کی اطلاع پا کر اسے پسند کیا اور قیمت میں سے حصہ لیا اب کسی کو اس بیع سے انکار کا حق نہیں۔
- بحر اور درر کے ایک جزئیے کی تضعیف۔
- نقد اور ادھار کے بھاد میں تفاوت حرام اور ناجائز نہیں۔
- جائداد مشترکہ کے کچھ ورثہ نابالغ ہوں یا بیع پر راضی نہ ہوں تو ان کے حصہ کی بیع نافذ نہ ہوگی، ایسی بیع میں مشتری کو اختیار ہوگا کہ پوری بیع رد کر دے یا حصص غیر بیع کی قیمت واپس لے بقیہ بیع جائز رکھے۔
- جو آب ثانی بالتفصیل ہے۔
- باپ کو نابالغ لڑکے کی ختنہ اور اس کے مال کے بیع و شراہ کی ولایت حاصل ہے چچا اور ماں کو نہیں صرف مال کی حفاظت اور قبول ہبہ کا حق حاصل ہے۔
- ایک شریک دوسرے شریک کے حصہ میں فضولی قرار پاتے گا۔
- بیع فضولی میں وقت عقد کوئی مجیزہ ہو، مثلاً بیع نابالغ کی ملک ہو تو عقد باطل ہوگا۔

- ۱۰۵ ڈگری میں بے رضا کے مالک جائداد کا نیلام بیع فضولی ہے۔
- ۱۰۹ کسی شے کی چند در چند بیع فضولی ہو تو اصل مالک جس عقد کی اجازت دے گا صرف وہی جائز ہوگا۔
- ۱۰۹ بیع فضولی میں بیع کے اندر جو اضافہ ہوگا اگرچہ قبل اجازت کا ہو، بعد اجازت سب کا مالک مشتری ہوگا۔
- ۱۰۹ بیع منصوب میں بیع سے قبل کی ساری توقیر کا منصوب منہ مالک ہوگا۔
- ۱۰۹ مدیون کو دین کا ہبہ جائز اور غیر کونا جائز، البتہ بطور قبضہ غیر کو ہبہ جائز ہے۔
- ۱۰۹ ہبہ میں رجوع کے حق سے دستبرداری صحیح نہیں، ہاں کچھ لے کر دست برداری ہو تو یہ ہبہ بالعوض قرار دیا جائے گا۔
- ۱۰۹ عوام کی جائداد کا سرکاری نیلام مالک کی اجازت سے (سابقہ یا لاحقہ) ہو تو جائز۔
- ۱۰۶ اجازت لاحقہ کی ایک صورت۔
- ۱۰۹ نیلام بے اجازت عقد فضولی اور عقد موقوف ہے۔
- ۱۰۹ عقد موقوف میں اجازت سے قبل بیع میں مشتری کا تصرف حلال نہیں۔
- ۱۰۶ نابالغ کی ملک فضولی نے بیع باطل ہوگی۔
- ۱۰۶ کوئی چیز جب عقد صحیح شرعی سے خریدی گئی تو بالغ کا ثمن کو کار معصیت میں خرچ کرنے کا وبال مشتری پر نہیں، نہ بیع میں کوئی خلل واقع ہوگا۔
- ۱۰۸ آئی اس معصیت میں اعانت کی نیت سے خریدی تو اس بڑی نیت کا وبال ضرور مشتری پر ہوگا۔
- ۱۰۵ شوہر نے قرض خواہوں کو تحریر دی کہ میں ادا نہ کر سکوں تو میری جائداد سے وصول کیا جائے اور اپنی جائداد اپنی زندگی میں زوجہ کی مہر کے عوض لکھ دیا تو قرض خواہ اس جائداد سے اپنا قرض وصول نہیں کر سکتا۔
- ۱۰۹ حقوق مجروحہ صالح تملیک و معاوضہ نہیں۔
- ۱۰۹ عقد جب اہل سے محل میں بسلامت ارکان واقع ہو تو اس کے عدم بطلان میں کوئی شبہ نہیں اور اپنے ثمرات کو اگرچہ بعد القبض بالیقین مٹا ہوگا۔
- ۱۰۹ شوہر نے زوجہ کو مہر کے بدلہ جائداد دی یہ عقد تعبیر کے اعتبار سے تین طرح ہو سکتا ہے،
- ۱۰۶ (۱) صلح عن المہر
- ۱۰۶ (۲) زوج یا زوجہ کی طرف سے ہبہ بالعوض
- ۱۱۰ (۳) ہبہ بشرط العوض
- ۱۰۶ عاقد نے عین اور حق ایک ہی عقد میں جمع کیا تو یہ ہبہ بشرط العوض کی صورت میں ابتداء ہبہ ہے اور عین کے ساتھ حق جمع کر دینے میں ہبہ باطل نہ ہوگا، اور بقیہ دونوں صورتوں میں معنی بیع ہے اور بیع کا حکم مذہب مختار پر صحت و قبول ہے۔
- ۱۰۸ حقوق کی بیع ہیں دو مذہب ہیں، صحت و فساد، اور دونوں باقوت ہیں۔
- ۱۱۱ جو حقوق اطلاقاً ثابت ہوں (جیسے حق موصیٰ لہ بالحدیثہ

- حق قصاص، حق نکاح، حق غلامی، ان کا عوض لینا جائز ہے۔
- جو حقوق اصالتہ ثابت نہ ہوں (جیسے حقوق شفعہ و قسم زوجہ و خیار مخیرہ فی النکاح) ان کا عوض ناجائز ہے۔
- کم من یصح ضمناً ولا یصح قصداً۔
- حق مرور، حق شرب، حق تعلق وغیرہ کی بیع اصالتہ جائز نہیں۔
- جن کے نزدیک حقوق کی بیع جائز نہیں وہ بھی بطلان کو مضموم الیہ تک ساری نہیں مانتے۔
- حرو و میتہ کو عبد اور غلام کے ساتھ ملایا تو بھی بیع فاسد ہوتی ہے باطل نہیں۔
- اس مسئلہ میں تعبیرات علماء کا اختلاف اور ان میں تطبیق بیع فاسد کی بیع قبضہ کے بعد ملوک ہو جاتی ہے
- بیع فاسد کی بیع مشتری ثانی کے لئے حلال ہو جاتی ہے
- فالسہ کی ٹہنیوں کی بیع میں علماء کا اختلاف ہے
- اہل جواز کا مستدل تعامل یا مقام قطع کا ٹھیک معلوم ہونا ہے۔
- بیع قبضہ مشتری سے پہلے ہلاک ہو جائے تو بیع باطل ہے اور قیمت واپس کرنی واجب ہوتی ہے۔
- بیع کو بائع نے غضب کر لیا تب بھی بیع صحیح ہے اور مشتری کی ملک ثابت ہے۔
- غضب کی ایک صورت۔
- عقار کا غضب متحقق نہیں۔
- بیع میں ہبہ کی طرح قبضہ شرط نہیں ہے۔
- حالت صحت میں کسی وارث کے ہاتھ جائیداد بیع کر دی
- بیع صحیح ہو گئی، دوسرے وارثوں کا جائیداد میں کوئی حق نہیں، ہاں زرٹمن پانے یا معاف کرنے کا اقرار نہ کیا ہو تو بقیہ ورثہ زرٹمن کا دعویٰ کر سکتے ہیں زرٹمن کی عدم ادائیگی کا ثبوت قرآن سے نہ ہوگا۔
- ادائے ٹمن نہ تو شرائط صحت بیع میں داخل ہے نہ شرائط نفاذ بیع میں۔
- تکمیل عقد کے بعد بائع کل زرٹمن معاف کر سکتا ہے بیع میں خلل نہ ہوگا۔
- المرء موأخذ باقرارہ۔
- مال آنے جانے والی چیز ہے۔
- مزروعہ زمین کی بیع میں زراعت کا مالک مشتری ہوگا۔
- اس امر کا تفصیلی بیان کہ بیع میں کب زمین کے تابع لھیتی ہے اور کب نہیں۔
- جن صورتوں میں زراعت بائع کی ہے مشتری چاہے تو بائع کو زمین خالی کرنا ہوگا، اور مشتری کی اجازت سے باقی رکھی تو مشتری حسب عرف کرایہ لے سکتا ہے۔
- مورث نے اپنے وارث کے حصہ کو جو مورث کی موت کے بعد سے ملے گا، ایک ایسی عورت کے مہر کے بدلہ میں لکھا جس کا نکاح ابھی وارث سے نہیں تو کیا حکم ہے۔
- مہر کے عوض جائیداد دینا ابتداءً و انتہاءً بیع ہے۔
- بیع مبادلہ مال بمال کا نام ہے۔
- مہر قبل از نکاح نہ عین ہے نہ دین، تو یہ مال ہی نہیں۔

- ۱۲۱۔ خون، مردار اور مٹی اشیاء تو ہیں مگر مال نہیں ہیں۔
- ۱۲۲۔ حکم کو سبب پر مقدم کرنا جائز نہیں۔
- ۱۲۲۔ دین معدوم کے بدلے رہن لینا جائز نہیں۔
- ۱۲۲۔ باطل قرار دیا جائے گا۔
- ۱۲۲۔ آرٹھت میں مال جمع کر کے اس کی قیمت پیشگی
- ۱۲۲۔ آرٹھت دار سے لینا کہ جب مال بکے گا حساب ہوگا
- ۱۲۲۔ حرام ہے، البتہ قرض آرٹھت دار کی مرضی سے لے
- ۱۲۳۔ سکتا ہے۔
- ۱۲۳۔ بیع آج کی اور بیع نامہ میں لکھا کہ اس کا نفاذ فلاں
- ۱۲۴۔ تاریخ سے ہوگا بیع فاسد ہوگی۔
- ۱۲۴۔ متعاقدین پر بیع فاسد کا توڑ دینا واجب ہے۔
- ۱۲۳۔ بیع فاسد میں مشتری رضائے بائع سے کوئی تصرف
- ۱۲۴۔ از قسم بیع، ہبہ، دین، وقف، وصیت کرے تو
- ۱۲۴۔ بیع نافذ ہو جائے گی مگر مشتری گنہ گار ہوگا۔
- ۱۲۴۔ جس چیز کو بیع فاسد سے خریدا اور اس کو دوسرے
- ۱۲۴۔ کے ہاتھ پانچ سو میں بیچا اور اس کا بازار میں
- ۱۲۴۔ چار سو ہی بھاؤ ہے تو اس کو چار سو ہی دے جائیں۔
- ۱۲۵۔ بیع مطلق ہوتی اور شرط فاسد بعد میں لگائی، تو
- ۱۲۵۔ شرط کا لعدم ہوگی اور بیع بلا شرط صحیح ہوگی۔
- ۱۲۵۔ بیع و شرار کے وقت بھاؤ تاؤ کرنا سنت ہے
- ۱۲۵۔ سفر حج کے لئے خریدی جانے والی چیز کا
- ۱۲۸۔ استثناء ہے۔
- ۱۲۸۔ شرع میں خرید و فروخت کی گفتگو کا اعتبار ہے۔
- ۱۲۶۔ زمین زبانی اپنے لئے خریدی بیع نامہ لڑکوں کا نام
- ۱۲۶۔ لکھایا، لڑکیوں کی نہ ہوتی، البتہ بیع نامہ ہبہ
- خون، مردار اور مٹی اشیاء تو ہیں مگر مال نہیں ہیں۔
- حکم کو سبب پر مقدم کرنا جائز نہیں۔
- دین معدوم کے بدلے رہن لینا جائز نہیں۔
- قبل از نکاح مہر کی ادائیگی سے شبہ اور اس کا
- جواب۔
- آئندہ ملنے والی تنخواہ یا عطیہ منصب کو مہر کے عوض کیا
- تویہ خود معدوم اور باطل ہے لہذا اس کا ہبہ اور بیع
- دونوں باطل ہے۔
- اراضی کے بیع نامہ میں جو چوحدی لکھائی گئی کل مشتری
- کی ہوتی، اگر چوحدی میں غلطی سے کسی دوسرے کی
- مملوکہ زمین آگئی تو اصل مالکوں کی چارہ جوئی کے بعد
- وہ حصہ وگزار کر دیا جائے گا۔
- چوحدی میں اگر زمین کی مکسر پیمائش میں اختلاف
- تحریر ہوا تو بھی چوحدی کا اعتبار نہ ہوگا۔
- مکسر پیمائش کے ساتھ ساتھ اگر یہ بھی تحریر ہو کہ
- فی گزارنا تو اب چوحدی کا نہیں پیمائش کا اعتبار
- ہوگا۔
- زبانی بیع اور طرح ہوتی اور تحریر اس کے خلاف ہو تو
- اعتبار زبانی ایجاب و قبول کا ہوگا۔
- زمین کا جز بیعہ متعین نہ ہو تو بسبب جہالت بیع
- فاسد ہوگی۔
- زمین کا جز بیعہ متعین نہ ہو تو بسبب جہالت بیع
- فاسد ہوگی۔
- زمین کا جز بیعہ متعین نہ ہو تو بسبب جہالت بیع
- فاسد ہوگی۔
- اس کی جہت اور جہت کا تعین بھی وقت عقد یا مجلس
- عقد میں ضروری ہے، اور مجلس عقد کے بعد متعین کر کے
- قبضہ دیا تو یہ بیع تعاطی قرار دی جائیگی۔

- قراردیا جائے گا اور مشاع ہونے کی وجہ سے ہمہ باطل ہوگا۔
- ۱۲۸ یہ بیع نہیں بلکہ بیع وہ تحریر ہوگی جو بیع نامہ کے نام سے لکھی جائے گی، اسی میں خریدم فروختم تحریر ہوتا ہے
- ۱۲۸ اسی نے تحریر لکھوائی تو بیع تام و نافذ ہوگئی، دوسرے نے لکھوایا تو اس کی اجازت پر موقوف ہوگی مختلف کتب فقہ سے مسئلہ کی جزئیات کا بیان۔ ۱۳۲
- ۱۲۸ بیع غریبان ممنوع ہے۔ ۱۳۳
- ۱۳۳ ایجاب و قبول کا معنی۔
- ۱۲۸ ایجاب و قبول زبانی کا اعتبار ہے تحریر کا اعتبار نہیں ۱۳۴
- ۱۲۵ الکتاب کا الخطاب۔
- ۱۲۹ مسجد کی آمدنی بڑھانے کے لئے کسی کی زمین زبردستی مسجد پر خریدی نہیں جاسکتی۔ ۱۳۶
- ۱۳۰ زید نے مال خریدنے کے لئے ایک شخص کو وکیل بنایا، اس پر قبضہ کرنے کے بعد زید کا اس مال کو اسی وکیل کے ہاتھ میں بچھپا جائز ہے۔ ۱۳۷
- ۱۳۰ ایک شریک نے تقسیم کے بعد دوسرے شریک کا مال کم داموں پر خریدنا تراخی طرفین ہو تو جائز ہے۔ ۱۳۷
- ۱۳۸ مورث نے جو جائداد اپنے روپے سے خریدی وہ اسی کی ملک قرار پائے گی۔
- ۱۳۰ دوسرے کے روپے سے خریدی خواہ بیوی ہی کیوں نہ ہو، اور عقد بیع اپنے لئے کیا تب بھی جائداد اپنے لئے قرار دی جائے گی۔ ۱۳۸
- ۱۳۲ اور اس صورت میں دوسرے نے اس کو روپیہ کا مالک بنا دیا تھا تو اس روپے کا مالک بھی مورث پر نہیں، اور دوسرے نے قرض دیا ہو یا
- قراردیا جائے گا اور مشاع ہونے کی وجہ سے ہمہ باطل ہوگا۔
- لڑکوں میں سے کسی نے اس زمین کو دوسرے کے ہاتھ بیچا تو باپ کی رضا سے بیع نافذ ہوگی۔
- زبانی اور تحریر دونوں میں لڑکوں کے لئے خریدنا تو قبول نابالغ کی طرف سے باپ کرے اور بالغ اپنی طرف سے خود قبول کرے۔
- بالغ نے اپنا جز حصہ بیچ دیا تو بقیہ جز کے حصہ کا مالک رہے گا اور نابالغ اپنے پورے حصہ کا حرام مال سے کوئی چیز خریدی، اگر عقد و نقد دونوں حرام مال سے ہوئے تو بیع خبیث ہے ورنہ نہیں۔
- جائداد غیر منقولہ بغیر قبضہ کئے ہوئے بھی جاسکتی ہے کوئی چیز ایک معین مقدار میں خریدی، وزن کم نکلا تو جتنا کم نکلا اتنی قیمت مشتری وضع کرے۔
- فصل میں اس نیت سے غلہ خریدنا کہ جب بھلاؤ چرٹھ جیسا بیگا بچوں کا جائز ہے۔
- بیع مزابجہ میں معمولی خرچ جو عادت تجارت میں مال پر ڈالا جاتا ہے منافع کے ساتھ یہ حشر ج بھی مشتری سے لیا جائے گا، اور نقصان کو بھی اسی پر ڈالنے کا رواج ہو تو وہ بھی مشتری سے لیا جائیگا۔
- ایک مشتری کہ خاندان کے نام جائداد کی خریداری کی مختلف صورتوں کا بیان اور اس کا حکم۔
- ایک کثیر الاشکال مسئلہ کے دو بیان۔
- بیان اول۔
- خریداری تین طرح ہوتی ہے۔

جبراً اس سے روپیہ لے لیا ہوتا اس روپیہ کا تاوان مورث پر ہوگا۔

زید نے اپنی بیوی کے دین مہر سے جائداد خریدی اس کی دو صورتیں،

(۱) عورت نے دین مہر پر قبضہ کر لیا تھا پھر شوہر نے اس روپیہ سے جائداد خریدی، اس صورت میں دوسرے کے روپیہ سے جائداد خریدنے والی شکل کے احکام جاری ہوں گے۔

(۲) مہر پر عورت نے قبضہ نہیں کیا تھا، خود شوہر نے کہا یا عورت نے فرمائش کی مہر کے بدلے جائداد خرید دو، اس صورت میں جائداد عورت کی ہوگی۔

بیوی نے کہا میرا مہر جو تم پر ہے اس کے بدلے جائداد خرید لو، تو جائداد شوہر کی ہوگی اور شوہر سے روپیہ کا مطالبہ بھی ساقط ہوگا۔

مذکورہ بالا صورت میں اقتضائاً مہر کا ہبہ ثابت ہوگا۔ دوسرے نے اپنا روپیہ تجارت میں لگانے کے لئے کہا اور روپوں کی تملیک نہ کی تو شرکت یا قرض قرار دیا جائیگا اور عوض لازم ہوگا۔

جھوٹ نہ بولے تو زیادہ دام کہہ کر گھٹانا یا دگنی قیمت لینا جائز ہے۔

باب بیع الباطل والفساد

ناجائز بیع کی تین قسمیں ہیں: باطل، فاسد، مکروہ تحریمی۔

بیع باطل کی تعریف اور اس کی مثال۔

خلل عقد و خلل محل میں نسبت کا بیان اور مصنف کی تحقیق۔

۱۴۲

۱۴۳

۱۴۴

کسی کا مال بے اس کی رضا کے لینے پر قرآن و حدیث کی وعیدیں۔

۱۴۴

۱۴۵

۱۴۶

۱۴۶

اختیار اور رضا میں عام خاص کا فرق ہے۔ اختیار کا مقابل جبر ہے اور رضا کا مقابل کراہتہ۔ اگر اہل طہی و غیر طہی سے رضا معدوم ہو جاتی ہے۔ عقود مثلاً بیع و شراہ و ہبہ جس طرح عدم اختیار سے فاسد ہوتے ہیں عدم رضا سے بھی فاسد ہوتے ہیں۔

۱۴۶

اسٹامپ آدمی اپنے اختیار سے خریدتا ہے مگر اس پر راضی نہیں ہوتا۔

۱۴۶

۱۴۷

ظلم و جور میں اہل دنیا کے حال کا بیان۔ کسی امر مکروہ کے عادی ہونے سے وہ دائرہ رضا مندی میں نہ آئیگا۔

۱۴۷

گورنمنٹ کے اشیاء کا نرخ مقرر کرنے کا حکم۔ اسٹامپ کی خریداری کی چھ جائز صورتیں۔

۱۴۸

ایک کثیر الوقوع صورت جس میں عدم کراہت ہے، لیکن دیگر وجوہ معصیت کی وجہ سے وہ بھی ممنوع ہے، گناہ پر مدد گناہ و ممنوع ہے جیسے اہل فتنہ کے ہاتھ ہتھیار کی بیع مصنوعی گھی کی تجارت جائز ہے جبکہ مشتری اس سے کما حقہ واقف ہو۔

۱۴۹

۱۵۰

بازاری دودھ کا حکم۔

۱۴۱

۱۴۲

- بیع میں ملاوٹ کا علم تین طرح ہوتا ہے خود بخود ظاہر ہو جیسے گھیوں چنے میں کھساری عرف بن گیا ہو جیسے دودھ میں پانی۔
- ۱۵۵ پھل کا پھول بیجا حرام ہے، عاقدین پر ایسی بیع سے توبہ اور دست کشی لازم ہے۔
- ۱۵۱ زبانی عقد بیع شرط فاسد سے پاک ہو اور بیع نامہ
- ۱۵۱ میں اس کا ذکر ہو تو بیع فاسد نہ ہوگی۔
- ۱۵۶ مال کی تعریف
- ۱۵۴ مٹھوری سی چیز جیسے ایک مشتبہ خاک کی بیع جائز نہیں، اور کثیر کی جائز ہے۔
- ۱۵۴ ماں، بھائی، چچا کو نابالغ پر ولایت مالیہ نہیں۔
- ۱۵۴ درر کی ایک عبارت کی توضیح اور شامی سے استشہاد
- ۱۵۴ ایجاب غائب عن المہلس کے قبول پر موقوف نہیں ہوتا بلکہ باطل ہو جاتا ہے۔
- ۱۵۴ معدوم کی بیع کی ایک صورت اور اس کا حکم۔
- ۱۵۸ سوائے سلم کے معدوم کی بیع باطل ہے۔
- ۱۵۹ کھیت میں کھڑے گتے کے رس کی اندازاً بیع کا حکم۔
- ۱۵۲ اندازہ سے کم ہوا تو دو پیسہ فی من کے حساب سے سو من کا منافع مشتری واپس کرے گا۔ ایسی شرط لگانے کا حکم۔
- ۱۶۰ ربو کی تعریف۔
- ۱۵۳ بیع فاسد کی ایک اور صورت کا حکم جس شرط میں احد المتعاقدين کا فائدہ ہو وہ شرط فاسد ہے۔
- ۱۶۰ ہر شرط فاسد مفسد بیع ہے۔
- ۱۶۰ ہر بیع فاسد حرام و واجب الفسخ ہے۔
- ۱۶۰ اگر عاقدین بیع فاسد کو فسخ نہ کریں تو قاضی جبراً فسخ کر دے۔
- ۱۶۱ قمار کی ایک صورت اور اس کی حرمت کا بیان۔
- ۱۶۱ یہ سمجھا کہ معاہدہ کی طرفین میں سے خو خلاف ورزی کوے گا ہر جانہ دے گا یہ شرط ناجائز ہے۔
- ۱۵۵ بیع فاسد کا فسخ کرنا متعاقدين پر واجب ہے۔ ان میں جو فسخ کر دے گا ہو جائے گی متعاقدين خود فسخ نہ کریں تو حاکم جبراً فسخ کر دے۔
- ۱۵۳ معدوم کی بیع ناجائز ہے۔
- ۱۵۵ زید سے عمر نے سوشیشیوں کی بات دس آنہ سیکڑہ کے حساب سے کی اور آٹھ سو کے چھ روپے دے دئے، شیشیاں زید کے پاس نہ تھیں دوسری جگہ سے خرید کر اپنی دکان پر رکھ دیں اس میں سوشیشیاں ٹوٹی نکلیں نقصان زید کا ہوا۔

- ۱۶۳ بیع معدوم کی ایک اور شکل اور اس کا حکم۔
- ۱۶۳ جتنے مال کی بیع ہوئی بائع نے اس سے کم دیا تو اب پورا کرے۔
- ۱۶۳ البائین علی الباطل باطل۔
- ۱۶۳ الباطل لا حکم لہ۔
- ۱۶۳ ہبہ بعوض مہر مشروط بشرط الفاسد سے حاصل ہونے والے مکان کو کسی نے غصب کر لیا شوہر نے نالش کر کے اس پر قبضہ کر لیا تو ہبہ بعوض المہر والا عقد باطل ہو گیا اور شوہر اس کا مالک ہو گیا۔
- ۱۶۱ شوہر ہبہ جدید کے ذریعہ عورت کو دے تو عورت مالک ہو جائے گی اور اس کا مہر بھی شوہر کے ذمہ رہے گا اور پہلے والے عقد کے تحت لوٹائے۔
- ۱۶۱ شوہر عورت مالک نہ ہوگی۔
- ۱۶۲ مسجد کے درخت سے جو سوکھی لکڑی گرے اس کے بدلے کھار لوٹا دیتا رہے یہ عقد جہالت مقدار بدین کی وجہ سے ناجائز ہے، دونوں کی تعیین ہونی چاہئے۔
- ۱۶۵ مال مسروقہ کو جان کر خریدنا حرام ہے۔
- ۱۶۵ لاعلمی میں خریدنا ناجائز ہے۔
- ۱۶۵ خریدنے کے بعد مسروقہ ہونے کا علم ہو تو اس کا استعمال حرام مالک کو دیا جائے اس کا پتہ نہ چلے تو فقراء پر صرف کیا جائے۔
- ۱۶۵ اپنی جگہ کسی دوسرے کو نوکر رکھو اگر اس کا پیسہ لینے سے بچنا چاہئے۔
- ۱۶۳ پرائیسری نوٹ کا روپیہ گورنمنٹ کبھی واپس نہیں کرتی، یہ قرض مردہ ہے۔
- ۱۶۶ قرض کی بیع خریدار کو قبضہ کے لئے مدیون پر مسلط کئے بغیر حرام و فاسد ہے۔
- ۱۶۱ بائع نے اگر مال مبیعہ کو دوسرے کے ہاتھ بیچ دیا تو سخت گنہگار ہوا، مال دوسرے مشتری کے پاس موجود ہو تو مشتری اول اس کو واپس لے اور موجود نہ ہو تو اتنے مال کا تاوان اس وقت کے بازار کے بھاؤ سے مشتری بائع سے وصول کرے۔
- ۱۶۱ مردار کی کھال پکا کر یا سکھا کر بیچنا جائز ہے ورنہ حرام ہے۔
- ۱۶۱ ہڈی پر چکنائی نہ ہو تو اس کی بیع جائز ہے۔
- ۱۶۲ سور کی کھال یا ہڈی کی کسی حال میں بیع جائز نہیں۔
- ۱۶۲ زندہ جانور کا گوشت خرید اور کھال کا استثنا ہو یہ ناجائز ہے۔
- ۱۶۲ دین مہر کا عوض دینا ہبہ بالعوض ہے، جو فی الحقیقت بیع ہے اور صحت بیع کے لئے قبضہ ضروری نہیں۔
- ۱۶۳ آئندہ بھی جو جائداد پیدا ہو اسی دین مہر کے بدلہ میں دینے کی شرط لگائی تو یہ شرط باطل ہے، اور اس کی وجہ سے پہلا عقد بیع بھی فاسد ہو گیا۔
- ۱۶۳ آئندہ پیدا ہونے والی جائداد پر اسی شرط فاسد کی بنیاد پر بیوی کا قبضہ کر دیا تب بھی وہ اس کی مالک نہ ہوگی۔
- ۱۶۳ بیع فاسد کے ذریعہ حاصل ہونے والی چیز کو مشتری نے بیچ دیا، تو یہ بیع ثانی صحیح ہے، لیکن باہم طے شدہ دام نہیں دلایا جائے گا بلکہ

- ۱۶۰ قرض مردہ کی تعریف۔
- ۱۶۱ بیع باطل کی ایک جدید شکل کا بیان۔
- ۱۶۱ اس بیع میں ٹکٹ بیچنے کے بعد کمیٹی جو کپڑا دیتی ہے وہ معاوضہ نہیں، بلکہ انعام ہوتا ہے تو اس کا لینا جائز ہے، اور اس سے نماز درست ہے۔
- ۱۶۱ زمین پر ناجائز قبضہ کرنے والوں کی انفرادی سزا کا بیان۔
- ۱۶۱ وکیل کو چیز کے متعین دام بتا کر کہنا اس سے کم زیادہ بچو تو تم جانو ہم وہی متعینہ دام لیں گے اور اس میں دو فیصدی تمہیں دلالی دیں گے، ایسا معاملہ وکیل اور موکل دونوں کے لئے ناجائز ہے۔
- ۱۶۱ متعین چیز کے کسب حرام ہونے کا علم نہ ہو تو اسے کھا سکتے ہیں۔
- ۱۶۱ شرط فاسد عقد میں نہ ہو، نہ پہلے سے قرارداد کر کے اسی کے موافق عتد ہو تو بیع جائز ہے۔
- ۱۶۱ شامی کے قول کی توضیح۔
- ۱۶۲ حکم دیا نہ۔
- ۱۶۹ گھڑا کھیت خریدنا اس وقت جائز ہوگا کہ کھیتی تیار ہو اور فوراً کاٹ لی جائے ورنہ ناجائز ہے۔
- ۱۶۵ کچی کھیتی خریدنے کا حیلہ۔
- ۱۶۵ بیج یا پھول پر فصل کی بیع ناجائز ہے۔
- ۱۶۵ پھل کھانے کے لائق ہو جائیں تو جائز، لیکن پکنے تک درخت پر رہنے کی شرط سے بیع فاسد ہے۔
- ۱۶۶ فصل کی بیع میں ڈالی کی شرط فاسد ہے۔
- ۱۶۶ ان بیوع کے جواز کی تدبیر۔
- ۱۶۱ بیع کی صحت کے لئے بدلین کا معلوم معین ہونا ضروری ہے۔
- ۱۶۶ جہالت سے بیع فاسد ہو جاتی ہے اور مجلس عقد
- مردہ چھوکنے والوں کے ہاتھ لکڑی بیچنا جائز ہے اس کام میں اس کی اعانت کی نیت نہ کرے۔
- بھنگ پینے والوں کے ہاتھ اس کی بیع ناجائز ہے البتہ دوا کے طور پر اس کی بیع جائز ہے۔
- حقوق زوجیت مال ہے اس کو کسی چیز کا ثمن قرار دینا جائز ہے جبکہ حقوق ثابت اور معلوم ہوں آئندہ جو نفعہ واجب ہوگا اسکو ثمن قرار دیا تو بیع فاسد ہوگی۔
- بیع سلم میں یہ شرط لگائی کہ وقت موعود پر بیع ادا نہ کیا تو اس وقت بیع کا جو بازار بھاؤ ہوگا اس حساب سے بائع روپیہ واپس کرے گا حرام و فاسد ہے۔
- صحت اور جواز میں فرق ہے، ممکن ہے ایک چیز صحیح تو ہو لیکن حرام ہو۔
- افیون کی بیع دواً خارجی استعمال کے لئے جائز ہے اور کھانے کے لئے حرام ہے۔
- مردار کی بیع حرام ہے۔
- قبرستان کی بیع حرام، بائع کو قیمت لینا حرام، واپس کرنا ضروری، اور مشتری کو قبرستان سے انتفاع

- ۱۸۷ کے بعد جہالت زائل ہونا کچھ مفید نہیں۔
- ۱۸۷ عبارت فتح کی توجیہ اور شامی پر تفضل
- ۱۸۸ شامی پر دوسرا تفضل
- ۱۸۸ شامی پر تیسرا تفضل
- ۱۸۹ ایک روپیہ دو روپیے کو بیچے اور قبل افتراق ایک روپیہ ساقط کر دے تب بھی یہ بیع جائز نہیں۔
- ۱۸۹ صلب عقد میں فساد ہو یا شرط انعقاد معدوم ہو دووں صورتوں میں مجلس عقد میں اصلاح مفید صحت نہیں۔
- ۱۸۹ مصنف کی تحقیق کہ شرط انعقاد کا عدم مبطل عقد ہے اور جہالت بدین مفید ہے۔
- ۱۸۹ فساد قوی ہو تو مجلس عقد کے اندر اس کے ازالہ سے عقد صحیح ہو جائیگا بعد مجلس فساد مستقر ہو جائیگا اور ازالہ سے عقد صحیح نہ ہوگا۔
- ۱۸۹ فساد ضعیف بعد مجلس عقد بھی ازل ہو جائے تو عقد صحیح ہو جائیگا بہر صورت فساد مستقر ہو جانے کے بعد فسخ عقد کے سوا کوئی چارہ نہیں۔
- ۱۸۹ قدوم حجاج اور بیہوش ریاچ کی تاخیر میں فرق کا بیان مذکورہ بالا احکام کے جزئیات۔
- ۱۸۹ صحت بیع کی شرائط میں بیع کا بائع کو ضرر دے بغیر مقدور تسلیم ہونا ہے۔
- ۱۸۹ غیر مقدور تسلیم ہونے کی وجہ سے جو بیع فاسد ہوئی اس میں مشتری کے بیع فسخ کرنے سے پہلے بائع جب بھی قبضہ دلا دے گا بیع صحیح ہو جائیگی اور مشتری کو بیع قبول کرنے پر مجبور کیا جائیگا۔
- ۱۸۹ غلطی اتصال اور عارضی اتصال میں فساد کے فرق
- ۱۸۷ کا بیان۔
- ۱۸۷ ایک اور فرق کا بیان۔
- ۱۸۸ چھت کی معین شہتیر اور غیر معین شہتیر کی بیع کا فرق۔
- باب بیع المکروہ**
- ۱۸۹ احتکار کی تعریف اور اس کا حکم۔
- ۱۸۹ بھاؤ چڑھنے کے انتظار میں غلہ روک کر بیچنا جائز ہے بشرطیکہ صارفین کو اس سے ضرر نہ ہو۔
- ۱۹۰ غلہ بیچنے کے لئے بھاؤ چڑھنے کا انتظار۔
- ۱۹۱ زبانی عقد کی تمامیت کے بعد حبسٹری ضروری نہیں۔
- ۱۹۱ مکان کی زبانی بیع ہوگئی اور اس پر قبضہ مشتری ہو گیا جس کو حق شفعہ تھا وہ اس مکان کی خریداری سے انکار کر چکا تھا اب اس کو حق شفعہ نہیں۔
- ۱۹۱ مشتری کو ایسے مکان سے اب بے دخل کرنا حرام ہے۔
- ۱۹۱ ہمسایہ پر ظلم کی مذمت۔
- ۱۹۱ بھائی کے بھاؤ پر بھاؤ بڑھانے کا حکم۔
- ۱۹۱ فصل پر غلہ خرید کر بیچنا یا مناسب موقع پر بازار بھاؤ بیچنا جائز ہے۔ ایسی بیع کو حرام کہنے والا شرع پر جرات کر رہا ہے۔
- ۱۹۱ احتکار کا بیان۔
- ۱۹۲ بیع مکروہ کی چند صورتوں کا حکم۔
- باب بیع الفضولی**
- ۱۹۲ میکہ کے زیور اور جہیز کا سامان عورت کی اجازت

- ۲۰۵ کے بعد زید کا دوسرا بھائی عمر مدعی ہوگا کہ اس میں میرا پیسہ لگا تھا۔ ۱۹۳
- ۲۰۵ عقد بیع خالد کے نام ہوا تو عقد فضولی ہے، اور قبضہ کے بعد وہ تمام وکمال خالد کی ملک ہے۔ ۱۹۴
- ۲۰۶ اس مکان کی قیمت بطور خود بے اذن خالد ادا کر دی تو زید متبرع ہوا اور خالد سے کچھ نہیں لے سکتا۔ ۱۹۴
- ۲۰۷ عمر نے بھی قیمت میں بطور خود شرکت کی تو وہ بھی متبرع ہے اور زید نے مانگا ہو تو عمر کا مطالبہ زید سے ہوگا نہ کہ خالد سے۔ ۱۹۷
- ۲۰۷ اگر عقد کے وقت زید نے اپنا نام لیا ہو اگرچہ بیع نامہ میں خالد کا نام درج کر لیا ہو تو مکان زید کا ہوا۔ ۲۰۷
- ۲۰۰ عمر کا پیسہ قیمت میں لگا ہو تب بھی عمر کی ملک ہوگا حسب سابق یا تو تبرع یا زید پر قرض ہوگا۔ ۲۰۷
- ۲۰۱ عقد کے وقت عمر زید دونوں کا نام لیا ہو تو برابر کے دونوں حصہ دار ہوں اگرچہ عمر نے کچھ پیسہ نہ دیا ہو۔ ۲۰۱
- ۲۰۸ اس صورت میں زید نے خالد کو جوہہ کیا وہ باطل ہے۔ ۲۰۸
- ۲۰۲ مرض الموت میں وارث کے ہاتھ حب مداد کی بیع بے اجازت دیگر وارثان باطل ہے ثلث یا کسی حصہ میں نافذ نہ ہوگی۔ ۲۰۹
- ۲۰۱ عقد بیع نہ حصہ قرار دیا جاسکتا ہے نہ وقف۔ ۲۰۹
- ۲۱۰ مولیٰ خانہ کے جانوروں کی خریداری کا حکم۔ جو بیع مرض الموت میں کسی وارث کے نام کی گئی
- ۲۰۵ کے بغیر شوہر بیچے تو بیع فضولی ہوئی، عورت راضی نہ ہو تو مشتری پر اس کا پھیرنا واجب ہے۔
- مرض الموت میں کم قیمت پر سامان بیچا تو بیع جائز نہیں اور وارث کے ہاتھ تو برابر پر جائز نہیں۔
- ایک غلط فتویٰ کے وجہ خلل کا بیان اور مسئلہ کا صحیح حکم۔
- غیر کے جس دین کو ادا کرنے پر آدمی مجبور ہو بے اسکی اجازت کے بھی ادا کر دیا تو ادا کنندہ اپنے اس فعل میں متبرع نہیں قرار دیا جائے گا۔
- زید نے ایک مکان خریدنے کے وقت یوں عقد کیا کہ اس کو میں دوسروں کے لئے خریدتا ہوں یہ بیع فضولی ہوئی، اور اجازت سے قبل مرگیا تو بیع باطل ہوگی۔
- قاضی نے غلط فیصلہ کیا تو دوسرا قاضی اس کو رد کر سکتا ہے۔
- فضولی نے بیع کو بطور تعاطی کسی دوسرے کے ہاتھ بیچا یہ دوسری بیع بھی فضولی ہوئی۔
- فضولی نے خریدتے وقت یہ تشریح نہیں کی کہ کس کے لئے خرید رہا ہوں یا یہ کہا کہ اپنے لئے خرید رہا ہوں، تو بیع کا فضولی مانک ہوگا۔
- زید نے کوئی چیز خریدی اور اس کے بارے میں یہ اقرار کیا کہ یہ فلاں کی ہے، تو وہ فلاں کی ہوگی، اور اس چیز کی قیمت فلاں پر واجب نہ ہوگی۔
- زید نے اپنے روپے سے ایک مکان اپنے بھائی خالد کے لئے خریدا اور خالد کا قبضہ کر لیا۔ وہیں سال

- ۲۱۱ نہ تو اپنے لئے خرید سکتا ہے نہ دوسرے کے لئے،
ہاں موکل کی فرمائش کے خلاف خرید تو وکیل کی
ملک ہوگا۔ ۲۱۸
- ۲۱۲ پنچوں کے فیصلہ کے لئے طرفین سے رقم جمع کرنا باطل
اور دونوں کی رقم کسی ایک کو دے دینا مزید ظلم اور
ایک فریق کو دوسرے کا یہ پیسہ لینا حرام۔ ۲۱۸
- ۲۱۳ کسی کام کے لئے پنچوں کا اصرار اگر شرعی نہیں،
ایسے اکراہ کی صورت میں مشتری نے بیع توڑی
اور بائع نے قبول کی تو بیع کا اقالہ ہو گیا۔ ۲۱۸
- ۲۱۳ بیعانہ کا واپس کرنا بھی اقالہ کی ایک صورت ہے۔ ۲۱۸
- ۲۱۳ جنین ضرور مومن ہے۔

باب المراجحہ

- ۲۱۴ عقد مراجحہ ادھار بھی ہو سکتا ہے ایسے قرض کی وجہ
سے دام میں اضافہ مستحسن نہیں۔ ۲۱۹
- ۲۲۰ عقد مراجحہ کی وہ تعریف جو متون میں مذکور ہے۔
تعریف مذکور میں لفظ عقد و ثمن پر شرح کا تعریف
کے جامع و مانع نہ ہونے سے اعتراض۔ ۲۲۰
- ۲۱۵ درر کی تعریف جس میں ان دونوں لفظوں کے استعمال
سے احتراز کیا گیا ہے لیکن یہ بھی نقص سے خالی نہیں۔ ۲۲۰
- ۲۱۵ علامہ بجر نے ایک جامع اور مانع تعریف کی کوشش
کی لیکن وہ بھی سالم نہیں۔ ۲۲۰
- ۲۱۶ علامہ بجر کی تعریف میں لفظ بسا بتعین کی
تصحیح سے متعلق مصنف کی تحقیق۔ ۲۲۲

کفایہ، عنایہ، سعدی آفندی، جامع الرموز اور
در مختار تفضل۔ ۲۲۳

- وہیت کے حکم میں ہے اور بے اجازت دیگر
ورثہ باطل ہے۔
دیگر ورثہ کی اجازت کا وقت مورث کی وفات متصل
ہے نہ قبل نہ بعد۔
مورث کی موت کے وقت اس کی عورت حاملہ ہو
تو اجازت متحقق ہونے کی کوئی صورت نہیں۔
جنین پر اللہ و رسول کے علاوہ کسی کی ولایت نہیں۔
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولایت پر
آیت و حدیث سے سند۔ (حاشیہ)
عمل کی کوئی چیز بہرہ نہیں کی جا سکتی۔
جنین ضرور مومن ہے۔

عقد فضولی کا عقد کے وقت کوئی مجیز نہ ہو تو
عقد باطل ہوتا ہے۔

بیع کے انعقاد و بطلان میں اختلاف ہو تو مدعی
النعادہ گواہ پیش کرے۔ گواہ نہ ہوں تو مدعی بطلان
کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا جب صحت و مرض
میں اختلاف ہو تو مدعی مرض کا قول مذکورہ تفصیل
کے ساتھ بقسم معتبر ہوگا جس پر قسم ہے وہ حلف
سے انکار کرے تو خصم کا حق ثابت ہوگا۔
وارث کی بیع اپنے حصہ میں صحیح ہوگی جبکہ وارث
کے ہاتھ نہ ہو۔

ایک ترکہ میں وارثوں کے حصص کی تقسیم

باب الاقالہ

شئی معین کے معین قیمت پر خریدنے کا وکیل بیع کو

مراجہ میں بیع سے متعلق مصنف کی تحقیق اور کلام اللہ میں تطبیق۔

مراجہ کی دو لازم شرطیں، اول بیع کا متعین ہونا، دوسری شرط ایسا ربوی مال نہ ہو جو اپنی جنس کے بدلے لیا گیا ہو۔

ہدایہ کی تعریف پر عنایہ کا اعتراض، اور اس اعتراض پر مصنف کی گرفت۔

مراجہ میں ثمن ثانی اول کے ہم جنس ہونا ضروری ہے، ربح تو کسی جنس سے بھی ہو سکتا ہے۔

دینار و درم باب مراجہ میں جنس واحد سے ہیں۔ بحر الرائق میں لفظ مسایعین کے بعد غیر ربوی قابل بجنسہ کے اضافہ کی ضرورت تھی۔

حسن شربلالی کے ایک اعتراض کا جواب۔ نوٹ مال ربوی نہیں۔

نوٹ بذاتہ ثمن نہیں مگر بذریعہ اصلاح اس کو ثمنیت عارض ہے۔

مراجہ میں بیع کا ملک اول کے وقت اور بیع مراجہ کے وقت دونوں وقت متعین ہونا ضروری ہے۔ ثمن اصطلاحی کی ثمنیت متعاقبین کے باطل کر دینے سے باطل ہو جاتی ہے، اور وہ شے متعین ہو جاتی ہے۔

نوٹ کو مراجہ بیچنا اس امر کی دلیل ہے کہ ثمنیت ختم کر کے اس کو بیع متعین کر رہے ہیں۔

ہبہ، وصیت، ترکہ غضب کا تاوان امانت کے بعد تاوان کے ذریعہ حاصل ہونے والا ثمن خلعتی بھی

متعین ہو جاتا ہے تو نوٹ بدرجہ اولے متعین ہوگا اور اس کی بیع مراجہ جائز ہوگی۔

۲۲۴ بعد والی دونوں صورتوں میں جو کچھ تاوان دینا پڑا ہو وہ بتا کر اس پر نفع لگائیں، اور پہلی چار صورتوں میں بازار بھاؤ پر نفع لگائیں۔

۲۲۵ بیع سلم کے ذریعے نوٹ خریدا، تو جتنے میں لیا اتنے پر منافع زاد لے۔

۲۲۸ نوٹ کو متعین کر کے خریدا تو اس کا مراجہ بھی ہو سکتا ہے۔

۲۳۰ نوٹ کی عام طور پر جس طرح بیع ہوتی ہے وہ متعین نہیں ہوتا، تو اس کا مراجہ بھی جائز نہ ہوگا۔

۲۳۳ ثمن مہر میں متعین نہیں ہوتا۔

۲۳۳ امانت معاوضات میں متعین نہیں ہوتے۔

۲۳۴ امانات و تبرعات بعد تسلیم میں متعین ہوتے ہیں نذر میں متعین نہیں ہوتے۔

۲۳۸ نوٹ کی بیع ابتداءً کم و بیش پر ہو سکتی ہے۔

۲۴۰ مراجہ کی صورت میں مشتری کو نوٹ کا دام اور منافع دونوں معلوم ہونا چاہئے ورنہ بعد جہ بیع عقد فاسد و حرام ہوگا۔

باب التصرف فی ایب و الثمن

بعض مہر نقد، بعض کے بدلے میں زمین و مکان اور بعض کی قسط بندی جائز ہے۔

۲۴۳ قرعہ محل میں بت دیوں کا حق ہوتا، وہ وقت سے پہلے قرض ادا کرنا چاہئے تو دائن قبول کرنے پر

- مجبور کیا جائیگا۔
- ۲۴۴ تو نکاح باطل اور دل میں ہے تو جائز۔ ۲۴۸
- قضائے دین تو یہی ہے کہ جس کا مطالبہ ہے وہی چیز ادا کرے لیکن سلم اور صرف کے سوا باہمی تراضی سے دوسری چیز سے بھی معاوضہ ہو سکتا ہے۔
- ۲۴۴ کسی کو ہیبت کیا، اور اس کا زرتھمن اس شخص نے صاحب مکان کو ہیبت کر دیا شرعاً یہ ہیبت ہوا شفعہ نہیں چل سکے گا۔ ۲۴۸
- ۲۴۴ دین معجل کو موجل، غیر منجم کو منجم کر سکتے ہیں۔
- ۲۴۵ اگر کوئی شخص کسی کو مشاع ہیبت کرنا چاہے تو بازار بھاؤ سے مہر کے بدلے مکان دیتے وقت بازار بھاؤ معلوم ہونا ضروری ہے۔
- ۲۴۵ موہوب لہ کے ہاتھ بیع کر دے اور ثمن معاف کر دے۔ ۲۴۹
- ۲۴۵ بوجہ جہالت ثمن بیع فاسد ہوتی ہے۔
- ۲۴۹ درمختار کی ایک عبارت کی توضیح اور علامہ شامی کی تائید۔ ۲۴۹
- ۲۴۵ بیع فاسد میں عاقدین بسبب ارتکاب عقد فاسد گنہگار ہوتے ہیں۔
- ۲۴۵ ثمن کا جبر۔ حصہ معاف کیا تو یہ سمجھا جائے گا کہ کہ بقیہ ثمن پر بیع ہوتی اور کل ثمن معاف کر دیا تو بیع پورے ثمن پر صحیح ہوگی اور ثمن علیحدہ معاف ہوگا۔ ۲۵۰
- ۲۴۵ الی المنازعة ہو صحت بیع سے مانع ہے۔
- ۲۴۵ جزیے پر مختلف کتب فقہیہ سے استناد ان کتابوں کی سندی حیثیت اور مصنفین کے مرتبہ کا بیان۔ ۲۵۱
- ۲۴۵ معلومیت ثمن شرائط صحت بیع میں سے ہے۔
- ۲۵۱ صاحب درمختار سے علماء کبار سلفاً خلفاً استناد کرتے آئے ہیں۔ ۲۵۱
- ۲۴۵ بائع مشتری سے اسی مجلس میں یا دوسری مجلس میں ثمن معاف کر سکتا ہے، ثمن کے ابرار سے بیع ہیبت نہیں ہوگا۔
- ۲۴۶ ذخیرہ ایک عمدہ اور مستند فتاویٰ ہے۔ ۲۵۱
- ۲۴۶ لفظ ثمن تحقق بیع کا مقصود ہے۔
- ۲۴۶ بدائع تصنیف امام ابو بکر بن مسعود بن احمد کا شافی جلیل الشان کتاب ہے۔ ۲۵۱
- ۲۴۶ اس مسئلہ پر حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث جمل سے استشہاد۔
- ۲۵۱ محیط کا اعتبار آفتاب نیروز ہے۔ ۲۵۱
- ۲۴۸ علامہ شامی کی تائید و توثیق۔ ۲۵۳
- ۲۵۳ بے حواشی کے درمختار سے فتویٰ دینا جائز نہیں۔ ۲۵۳
- ۲۴۸ بازار بھاؤ سے مہر کے بدلے مکان دیتے وقت بازار بھاؤ معلوم ہونا ضروری ہے۔
- ۲۴۹ بوجہ جہالت ثمن بیع فاسد ہوتی ہے۔
- ۲۴۹ بیع فاسد میں عاقدین بسبب ارتکاب عقد فاسد گنہگار ہوتے ہیں۔
- ۲۴۹ بیع فاسد کا فسخ واجب ہے۔
- ۲۴۹ مجلس عقد میں فساد کا ازالہ ہو جائے یعنی جہالت ثمن دور ہو جائے تو بیع صحیح ہو جاتی ہے۔
- ۲۴۹ ثمن کا اس طرح مجہول ہونا کہ وہ جہالت مفضی الی المنازعة ہو صحت بیع سے مانع ہے۔
- ۲۴۹ معلومیت ثمن شرائط صحت بیع میں سے ہے۔
- ۲۴۹ بائع مشتری سے اسی مجلس میں یا دوسری مجلس میں ثمن معاف کر سکتا ہے، ثمن کے ابرار سے بیع ہیبت نہیں ہوگا۔
- ۲۴۹ لفظ ثمن تحقق بیع کا مقصود ہے۔
- ۲۴۹ اس مسئلہ پر حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث جمل سے استشہاد۔
- ۲۴۹ شرع مطہر میں عاقدین کے الفاظ کے معانی پر مدار کار ہے۔
- ۲۴۸ بے حواشی کے درمختار سے فتویٰ دینا جائز نہیں۔

- بیع کے قبول سے قبل بائع زر ثمن معاف کر دے
تو عقد صحیح نہیں۔ عالمگیری کا یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ ۲۵۳
قاضی خاں رحمۃ اللہ علیہ نے ایسی بیع کے جواز کو
ترجیح دی ہے۔
- ۲۵۹ حکم کرے گا۔
عاقین کے صحت و فساد عقد میں اختلاف ہو تو
قول مدعی صحت کا تسلیم ہوگا۔ ۲۵۳
- ۲۵۹ بائع فساد کا دعویٰ کرے اور مشتری صحت کا، تو
قسم کے ساتھ مشتری کا قول معتبر ہوگا تا قصد عوی
قابل تسلیم نہیں۔ ۲۵۳
- ۲۵۹ قاضی خاں کا کسی قول کی دلیل دینا اسکی قوت کی دلیل ہے۔
قاضی خاں کو رتبہ اجتہاد حاصل تھا۔ ۲۵۳
- ۲۶۱ زر ثمن معاف کر دیا تو معاف ہو گیا۔
بائع اپنی مرضی سے بیع پر کچھ اضافہ کر دے تو
لینا جائز ہے۔ ۲۵۶
- ۲۶۱ بائع کا فر ہو تو مسلمان کو زائد کا سوال نہ چاہئے
کہ وہ احسان تصور کرے گا۔ ۲۶۲
- ۲۶۳ کٹوتی ناراضگی کی حالت میں حرام ہے۔
۲۵۶ مال جتنے کو پڑا بیوپاری کو اس سے زائد بتا کر
بیچنا ناجائز ہے۔ ۲۶۳
- ۲۶۳ مشتری ثمن کی ادائیگی کے لئے مدت کا طالب ہو
تو ثمن میں زیادتی بکراہت درست ہے۔ ۲۶۳
- ۲۵۷ بیوپاری کو مال بیچا اس کی رقم کھاتہ میں جمع
نہ کی دو سال کے بعد وہ رقم بیوپاری نے اس
شرط پر دی کہ اسے خیرات کر دو اس رقم کا اپنی ہونا
معلوم نہیں تو اس کا اپنے صرف میں لانا حرام ہے
اور یقین ہو تو اپنے صرفہ میں لاسکتے ہیں لیکن خیرات
کا وعدہ کر کے پھر نادوبال کا سبب ہے۔ ۲۶۴
- ۲۵۸ عبارت تجویز عدالت بعد ضرورت۔ ۲۶۵
- ۲۵۶ ایک مسلمان کی نصرانیہ عورت نے دعویٰ کیا میں
اپنے شوہر کی موت سے پہلے اسلام لائی اور وارثوں
نے کہا بعد موت، تو وارثوں کا قول معتبر ہے کہ یہ
اقرب وقت ہے۔
- ۲۵۶ ہبہ زر ثمن قبل قبول بیع اور بعد قبول بیع میں اختلاف ہو
تو بعد والوں کا قول معتبر ہوگا۔
- ۲۵۷ عقد میں شرط فاسد کے بارے میں اختلاف ہو تو
منکرین شرط کے قول کا اعتبار ہوگا۔
- ۲۵۷ ثمن کے معافی کی شرط نفس عقد بیع میں ہو اور مرضی
کے لفظ سے تو بیع فاسد نہ ہوگی، فساد مستقبل
کے لفظ سے ہوتا ہے۔
- ۲۵۸ عقد کی صحت اور عدم صحت سے بحث ہو تو روشن
دلیل کے بغیر فساد ثابت نہ ہوگا، عمل صحت پر
ہوگا۔

ادائے ثمن کے لئے اجل معین کی شرط اصل عقد میں ہو تب بھی مفسد عقد نہیں۔

سال کے اندر ادا کرنے کی شرط اجل معین کی شرط ہے، سال اور مہینہ اجل معین ہیں فتاویٰ خیرہ کی مسئلہ سے غیر متعلق تحریر کی توضیح اردو میں سال کے اندر اور سال تک دونوں کا حاصل ایک ہے۔

بائع اپنا سودا ادھار بازار بھاؤ سے زائد دے تو سود نہیں مشتری کی رضا سے جائز ہے، ہاں خلاف اولیٰ ہے۔

باب القرض

پانچ سو روپے پر پچیس روپے سالانہ زائد شرط لگانا حقیقی سود ہے۔

سود خور شخص کا امام بنانا گناہ، اس کے پیچھے نماز پڑھ لی تو دہرائیں۔

مالک نے نوکر سے کسی سے قرض لانے کے لئے کہا اس نے کسی مہاجن سے قرض لے کر رسید خود لکھ دی، اگر قرض مانگتے وقت یہ کہا تھا میرے مالک کو قرض دے تو قرض مالک پر ہوا، اور اپنے لئے مانگا تو نوکر پر ہوا۔

استقراض کا وکیل بنانا جائز نہیں۔
اقراض کا وکیل بنانا جائز ہے۔

قرض ابتداء تبرع ہے اور اس میں نیابت جائز نہیں۔

مذکورہ بالا صورت میں جب قرض نوکر پر ہوا اگر نوکر ۲۶۵ یہ روپیہ مالک کو دے دیتا تو یہ عقد حبسید ہوا اور مالک نوکر کا قرضدار ہوگا۔

۲۷۱

۲۶۵ نوکر یہ کہہ کر مہاجن سے روپیہ لایا کہ میرے مالک کو پچاس روپیہ قرض دے دو، مالک نے نوکر کو پچاس روپے مہاجن کو دینے کے لئے دئے، اس نے وہ روپیہ خود خرچ کر دیا، مالک نوکر سے پچاس

۲۷۲ روپے وصول کر کے مہاجن کو پچاس ادا کرے۔

نوکر مالک کے واسطے خود قرض کر کے لایا اور

۲۷۷ صورت مذکورہ بالا ہوئی تو مہاجن نوکر سے وصول

۲۷۳ کرے، مالک نے اپنا ادا کر دیا۔

بازار بھاؤ اناج ادھار دیا فصل کے وقت پچاس روپیہ کا اناج واپس کیا اگر عقد کے وقت اس کی

۲۷۹ شرط لگانا جائز ہوتا ورنہ جائز۔

۲۷۹ ہزار روپے کا نوٹ قرض دیا اور پسیہ اوپر ہزار لینا

۲۷۳ ٹھہرا تو حرام ہے اور سود ہے۔

اگر ہزار روپے کا نوٹ گیارہ سو روپے کو بیچا

اور ادائے ثمن کا وعدہ دس ماہ کا قرار پایا جب

وعدہ کا دن آیا بائع نے زر ثمن کا مشتری سے مطالبہ

کیا اس نے کہا میرے پاس روپے نہیں گیارہ سو

۲۷۰ روپے کے نوٹ زر ثمن کے بدلے لے لو، بائع

۲۷۱ نے قبول کیا تو یہ جائز ہے۔

۲۷۱ مسئلہ شرار القرض من المستقرض۔

۲۷۴ غلہ قرض لینے کے ایک تعامل کا حکم۔

۲۷۴ قرض کے ساتھ کوئی چیز کم قیمت کی بطور شرط

- ۲۷۲ قرض سے زائد دینے کی کچھ جائز اور ناجائز صورتیں۔ ۲۷۹
- ۲۷۹ کسی بیع کا مشتری ایک اور مشتری لہ چند ہو سکتے ہیں۔
- ۲۸۰ مشتری کا مال سے من ادا کرنے کے باوجود بیع صرف ایک شخص کے لئے ہو سکتی ہے۔
- ۲۷۵ مورث کے دین کے بدلہ میں کسی ایک وارث نے دیوں کی کوئی جائداد خریدی اس کی چند صورتوں کے احکام کا بیان۔
- ۲۸۲ اگر بدلین مال ہوں تو ہر ایک من وجہ بیع اور من وجہ ثمن ہے۔
- ۲۸۲ کسی غیر کی جائداد کو ثمن قرار دے کر کوئی چیز خریدی بیع تام ہو جائیگی۔
- ۲۸۳ مشتری کہ دین جس کا سبب مشترک ہو ایک فریق نے دیوں سے اپنا حصہ وصول کر لیا تو دوسرے فریق کو اختیار ہے چاہے دیوں سے اپنا پورا حصہ وصول کرے یا دوسرے فریق کے وصول کردہ سے حصہ رسی لے اور بقیہ دیوں سے وصول کرے۔
- ۲۸۴ مورث کے دین کے بدلہ جائداد خریدنے کی مزید صورتوں کا بیان۔
- ۲۸۴ آج کل بہت سے تہیوں کا ولی کامل نہیں ہوتا۔
- ۲۸۶ عقد فضولی کا حکم۔
- ۲۸۶ اختلاف ایجاب و قبول کا حکم۔
- ۲۸۶ تفریق صنفہ قبل تمام بیع کا حکم۔
- ۲۸۶ چند فقہی عبارتوں کے حوالے۔
- ۲۷۲ قرضدار کے ہاتھ بھی گئی تو حرام۔
- ۲۷۲ جو چیز عرفاً طے شدہ ہو وہ شرط لگانے کی طرح ہے قرض کے ساتھ بیع عقد میں مشروط نہ ہو تو بعض علماء اسے حلال اور بعض حرام فرماتے ہیں راجح قول یہی ہے۔
- ۲۷۵ بیع بشرط القرض اور قرض بشرط البیع میں فرق۔ جس قرض کے ذریعے قرض دینے والا کوئی منفعت حاصل کرے وہ ناجائز ہے۔
- ۲۷۵ نوٹ کو کم و بیش پر بیچا جا سکتا ہے۔
- ۲۷۵ قرض کی وجہ سے کسی چیز کو زائد قیمت پر خریدنا مکروہ۔
- ۲۷۶ کاشتکار نے کھیت رہن رکھا تو رہن نہ ہوگا۔
- ۲۷۶ رہن اور اجارہ آپس میں متنافی ہیں جمع نہیں ہو سکتے۔
- ۲۷۶ ایسے کھیت کا مرتب زمیندار سے کہہ کر لگان ادا کرے پیداوار اس کے لئے حلال ہوگی۔
- ۲۷۶ خراب اناج اس شرط پر ادھار دینا کہ اس کے بدلہ اچھایا زیادہ فصل پر لوں گا حرام ہے۔
- ۲۷۶ روپیہ دے کر اس کے بدلے فصل پر اناج لینا بیع سلم ہے جو اپنے شرائط کے ساتھ جائز ہے۔
- ۲۷۶ فصل پر بیع وصول نہ ہونے کی صورت میں اس المال سے زیادہ لینا حرام ہے۔
- ۲۷۶ قرض دینے کے وقت زائد لوٹانے کی شرط سود ہے اور قرضدار کا ادائیگی کے وقت از خود زائد ادا کرنا جائز و احسان ہے۔
- ۲۷۶ سود کی وعیدوں کے بیان کی احادیث۔

بیع سلم میں بائع بیع نہ ادا کر کے تو مشتری کو
راس المال سے زائد لینا حرام ہے۔

باب الربو

باب ربو میں اندازہ شرعی کیل وزن ہے۔

حلت و حرمت کے قاعدہ کلیہ کا بیان چار صورتوں میں۔

صورتِ اولیٰ۔

اتحاد قدر و جنس کی صورت میں کم و بیش اور ادھار
سود ہے۔

عدم برابری کی متعدد صورتوں کا بیان۔

صورتِ ثانیہ۔

جنس متحد ہو اور قدر متحد نہ ہو، خواہ قدر معہود سے
خارج ہو یا ان میں داخل ہو تو کمی بیشی جائز اور

ادھار ناجائز۔

صورتِ ثالثہ۔

قدر متحد ہو مگر جنس مختلف تو تفاضل جائز اور ادھار منع
البتہ سونے چاندی کا استثناء ہے۔

صورتِ رابعہ۔

اختلاف قدر و جنس کی صورت میں تفاضل اور ادھار
دونوں جائز ہے۔

نقدین کے تبادلہ میں قبضہ ضروری ہے۔

دیگر مختلف الجنس متحد القدر اشیا کے تبادلہ

میں بدلین کا معلوم و متعین ہونا ضروری ہے

قبضہ ضروری نہیں۔

صلی اللہ علیہ وسلم نے چار

چیزوں کو کیلی اور نقدین کو وزنی قرار دیا تو یہ ہمیشہ
ایسی ہی رہیں گی۔

۲۹۲

دیگر اشیا کے کیلی یا وزنی ہونے میں عرف کا

۲۹۳

اختیار ہوگا۔

۲۹۱ سود کے زنا سے ۳۳ درجہ بدتر ہونے کی

۲۹۳

تین حدیں۔

۲۹۱ اس مضمون کی تین حدیں کہ سود کا ایک درم

۲۹۴

۳۶ بار زنا کے گناہ کے برابر ہے۔

۲۹۱ دس حدیں کہ سود کے ستر سے زیادہ گناہ جن میں

۲۹۴

۲۹۱ ادنیٰ گناہ ماں سے زنا کے برابر۔

۲۹۸

۲۹۲ سود سے متعلق چار آدمیوں پر لعنت۔

ضرورت شرعی کا بیان اور چند مصنوعی ضرورتوں
کی تفصیل۔

۲۹۹

۲۹۲ قرض کی ادائیگی کے لئے کب سودی قرض لینا

۲۹۹

جائز ہے۔

حفظ نفس، تحصیل قوت، تحفظ عن الذل و

۳۰۰

۲۹۲ الطعن ضرورت شرعیہ ہے۔

۲۹۲ اپنی آبرو بچانے کے لئے، جو گو شاعروں کو رشوت

۳۰۰

دینا جائز ہے۔

۲۹۲ شاعر کو دیا ہو اکون سارو پیر رشوت ہے اور

۳۰۰

۲۹۲ کون سا انعام ہے۔

مفلس کو قرض خواہ کی طرف سے تقاضا کا خطرہ نہ ہو

تو صرف مواخذہ آخرت کے خیال سے سودی قرض

۳۰۱

۲۹۲ لینا حرام ہے۔

ادائیگی قرض کے لئے اپنی جیبی کوشش کی اور ادا

- ۳۰۱ نہ ہو سکا تا آنکہ قرضدار مر گیا تو امید مغفرت ہے۔
- ۳۰۲ اس موضوع پر متعدد حدیثیں۔
- ۳۰۳ بے نماز عورت سے صحبت پر وعید اور اس کو طلاق دینے کا حکم۔
- ۳۰۴ بے نمازی عورت کے ساتھ رہنے سے اس کے مہر کا قرضدار ہو کر مرنا بہتر ہے۔
- ۳۰۵ سودی کاروبار میں معاونت کرنا بھی گناہ ہے۔
- ۳۰۶ سود سے توبہ کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ ندامت اور آئندہ نہ لینے کے عزم کے ساتھ ساتھ جو لیا ہے وہ واپس کرے۔
- ۳۰۷ گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہی ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہ ہو۔
- ۳۰۸ سود کے بارے میں چھ سوالات پر مشتمل ایک استفتاء۔
- ۳۰۹ مورث نے سود پر روپیہ دیا، وارث کو سود لینا حرام ہے۔
- ۳۱۰ اللہ تعالیٰ نے تحریم سود کی آیت اترنے سے پہلے کے سود کو بھی وصول کرنا حرام ٹھہرایا۔
- ۳۱۱ سودی قرض کی ڈگری پر بھی شرح سود گورنمنٹ کی طرف سے مقرر ہوتی ہے، تو دونوں ہی طرح کا سود وصول کرنا حرام ہے۔
- ۳۱۲ پرائیسری نوٹوں کا سود اس لئے بھی وصول کرنا حرام ہے کہ اس کو گورنمنٹ مقرر کردہ کسی مصرف میں صرف کرینگے۔
- ۳۱۳ مالِ مباح یا اپنا حق عقد فاسدہ کے ذریعہ بھی
- ۳۰۱ وصول کر سکتے ہیں۔
- ۳۰۲ پرائیسری نوٹوں کو دوسرے کے ہاتھ بچپنا جائز نہیں۔
- ۳۰۳ ممنوعہ رقم مدرسہ اسلامیہ میں بھی صرف کرنا منع ہے۔
- ۳۰۴ سود لینا کسی سے بھی جائز نہیں۔
- ۳۰۵ حقیقتاً سود لینا یا سود لینے کا قصد کرنا حرام و گناہ ہے۔
- ۳۰۶ شربت بھی شراب سمجھ کر پینا حرام ہے۔
- ۳۰۷ اپنا حق جس کے وصول پر قادر نہ ہو عقد فاسدہ کے ذریعہ وصول کر سکتا ہے تصحیح نیت البتہ ضروری ہے۔
- ۳۰۸ مالک اور غلام کے درمیان سود نہیں۔
- ۳۰۹ شرکت معاوضہ اور شرکت عنان کے شرکار کے درمیان بھی سود نہیں۔
- ۳۱۰ مباح مال صاحب مال کی رضامندی سے عقود فاسدہ کے ذریعہ لے سکتا ہے۔
- ۳۱۱ مسئلہ دائرہ میں حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عمل سے استدلال۔
- ۳۱۲ اصل حکم حقائق پر ہے الفاظ پر نہیں۔
- ۳۱۳ ربو کی تعریف۔
- ۳۱۴ کسی حلال معاملہ کو کسی نے حرام یقین کیا اور حرام سمجھ کر ہی اسے برتا تو وہ اللہ تعالیٰ کا مجرم ہوگا۔
- ۳۱۵ دور سے کسی کپڑے کو اجنبی عورت سمجھ کر اس کو نظربد سے دیکھا گنہگار ہوا۔

- ۳۱۶ سے نہیں، مسئلہ کی مکمل تحقیق۔
- ۳۱۱ اختلاف دار سے کوئی شے حرام سے حلال نہیں ہوتی۔
- ۳۱۲ عورت کو ماں، بیٹی، کہنا ظہار نہیں۔
- ۳۱۴ مذہبِ معتمد میں کفار مخاطب بالفروع ہیں۔
- ۳۱۲ دار الحرب میں قدر اور رباہر بالاتفیق حرام ہیں۔
- ۳۱۴ کسی امرِ مباح کا حصول بھی مصلحتِ شرعی میں داخل ہے۔
- ۳۱۳ شرمگاہِ حلال ہونے کا شرع نے ایک مخصوص طریقہ بتایا ہے۔
- ۳۱۴ مسائلِ مولیٰ والعبد وشرکائے عمان وغیرہ میں سود نہ ہونے کا معاملہ ماخوذ منہ کے حربی اور محل کا دار الحرب ہونے پر موقوف نہیں، ہاں حقیقی ربا کا منتفی ہونا اور قصد ربا کا نہ ہونا ضروری ہے۔
- ۳۱۴ مالِ صاحبِ مال کی رضا سے حلال ہے۔
- ۳۱۳ مسلمان جو دار الحرب میں گیا اس سے سودِ حرام ہے مسلم غیر مہاجر سے حلال ہے۔
- ۳۱۸ احکامِ قضا، دار الحرب اور دار البغاة میں نافذ نہیں جہاں حکمِ قضا نہیں۔
- ۳۱۴ قرضدار کو مالِ زکوٰۃ دے کر اپنا قرض مانگیں نہ دے تو زبردستی چھین سکتے ہیں۔
- ۳۱۹ مالِ مباح کا غضب و سرقہ جائز ہے۔
- ۳۱۹ عقودِ فاسدہ اور غضب و سرقہ کا فرق۔
- ۳۱۴ قرض دیتے وقت زائد دینے کی شرط نہ ہو لفظاً نہ عرفاً، تو زائد دینا جائز ہے۔
- ۳۲۰ قرض سے زائد دینے پر حدیثِ جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے استدلال۔
- ۳۱۵ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیثوں سے استدلال۔
- ۳۱۶ زائد قابلِ تقسیم ہو تو اس کو علیحدہ سے دینا چاہئے مخلوط رہے گا تو ہیبت صحیح نہ ہوگا۔
- ۳۱۴ بقرہ کسی مصلحت کے کسی حلال چیز کا حرام نام رکھنا مکروہ ہے۔
- ۳۱۲ مصلحتِ شرعی سے بیوی کو بہن کہنے کی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فعل سے سند۔
- ۳۱۴ کسی امرِ مباح کا حصول بھی مصلحتِ شرعی میں داخل ہے۔
- ۳۱۳ مسائلِ مولیٰ والعبد وشرکائے عمان وغیرہ میں سود نہ ہونے کا معاملہ ماخوذ منہ کے حربی اور محل کا دار الحرب ہونے پر موقوف نہیں، ہاں حقیقی ربا کا منتفی ہونا اور قصد ربا کا نہ ہونا ضروری ہے۔
- ۳۱۴ حربی کے مال میں ربا نہ ہونے کی شرط میں دار الحرب کی قیدِ تاسم کے نکالنے کے لئے ہے، حربی تاسم کا مال دارالاسلام میں بھی حلال ہے۔
- ۳۱۴ حقیقتِ ربا اموالِ محظورہ میں مستحق ہوتی ہے اور مالِ اصحابِ دیون و مظالم بقدر دیون و مظالم محظور نہیں۔
- ۳۱۴ مفتی بہ یہ ہے کہ مستحق اپنا حق بہر حال لے سکتا ہے جنسِ حق سے خواہ خلاف جنس سے۔
- ۳۱۴ جس ودیعت کا مالک فوت ہو گیا اور کوئی وارث نہیں تو اس کو اپنی یا دوسرے کی ضروریات میں صرف کر سکتے ہیں۔
- ۳۲۰ ہمارے ائمہ پر جوازِ ربا کا قول غیر مقلدوں کا افتراء ہے۔
- ۳۲۱ دارالاسلام میں ربا کی حرمت شرفِ دار کی وجہ

صدقہ مشاع جائز ہے۔

عام حالت میں سود ناجائز ضرورت شرعی کے وقت

جائز ہے۔

سود کسی کے ساتھ جائز نہیں۔

دستاویز میں سود کی تحریر تا جائز اگرچہ نیت

لینے کی نہ ہو۔

بیچ کے وقت غلہ ادھا رو دیا اور ثمن متعین کر دیا،

بعد میں اس ثمن کا غلہ بازار بھاؤ سے زائد لیا،

اگر زائد رضا سے بلا کسی جبر کے دیا تو حلال

ورنہ حرام۔

سود ہر ایک سے حرام، اپنا کوئی حق کسی جائز حیلہ

شرعی سے لینا اور بات ہے۔

سود کی تحریم میں اللہ تعالیٰ نے کوئی تخصیص نہیں

فرمائی کہ فلاں سے لینا حلال اور فلاں سے حرام

بلکہ مطلقاً حرام فرمایا اور وہ مطلقاً حرام ہے کافر

سے ہو یا مسلم سے۔

بنک کے منافع کو سود سمجھ کر لینے کا حکم۔

دس روپے کا مال کسی کو دلوادیا اور گیارہ لینے

کی شرط لگا دی، سود ہوا۔

قرض بیع سے علیحدہ ایک معاملہ ہے جس کو

شرع شریف نے لوگوں کو احتیاج کی حکمت سے

مشروع فرمایا۔

روپیہ قرض لینا جائز ہے۔

غلہ قرض لینا جائز اور حدیث صحیح سے ثابت ہے۔

اموال ربوبیہ میں وصف کا اعتبار ساقط ہے۔

اتحاد قدر و جنس کی صورت میں تفاضل اور نسیبہ

حرام ہونے پر بیع متساوی بھی فائدے سے خالی

نہیں اس کی چند مثالیں۔

شرع مطہر نے دست بدست برابر برابر بیع کرنا

واجب نہیں کیا بلکہ محض جائز قرار دیا ہے۔

سود قرار دے کر کسی سے لے حرام ہے۔

غیر مسلم جو ذمی اور ستامن نہ ہو اپنی رضا سے

کسی غدر کے بغیر عقود فاسدہ کے نام سے جو

رقم دے اس کا لینا جائز ہے۔

ہر شخص کی نیت خود اس کے لئے معتبر ہے نہ کہ

دوسرے کے لئے۔

جس طرح بڑے کام سے بچنا ضروری ہے بڑے

نام سے بچنا بھی ضروری ہے۔

بابائی رضامندی سے حرام حلال نہ ہو جائے گا۔

سود کی تعریف اور حکم۔

پنواڑی کو قرض دے کر منافع میں پان کھاتے

رہنا سود ہے۔

کم و بیش پر نوٹ کی بیع ہندو مسلمان سب سے

جائز ہے۔

نوٹ قرض دے کر زیادہ لینا قرار پایا تو مسلمان

سے منع اور ہندو سے جائز، مگر وہ سود نہیں،

اور اس کو سود سمجھ کر لینا منع ہے۔

شرعی مجبوری پر سودی قرض لے سکتے ہیں۔

کسی نے دس روپے قرض مانگے اس نے روپے

کے بجائے اتنے کے گھوں دے دئے، اب

اس سے زائد وصول کرنا سود ہے۔

- روپیہ قرض دے کر غلہ کی صورت میں ادائیگی کی شرط باطل ہے۔
- روپیہ دے کر غلہ کی خریداری کا معاملہ کیا یہ سلم ہوتی۔ جوئے کی ایک نئی صورت کا تفصیلی بیان اور اس کا شرعی حکم۔
- نقل اشتہار متعلقہ صورت جو۔
- ترجمہ متعلقہ ٹکٹ۔
- جوئے کی تعریف۔
- اس قسم کا اعلان کہ ایک روپیہ میں ہم پانچ ٹکٹ بھجیں گے ان ٹکٹوں کو پانچ روپے میں بیچ کر روپیہ ہم کو بھیج دو تو ہم فلاں سامان دیں گے، وعدہ ہے بیع نہیں ہے۔
- عقد بیع اور وعدہ عقد میں بڑا فرق ہے۔
- علمائے صبی لا یعقل کی یہ پہچان بتاتی کہ بیع لے کر پیسہ بھی واپس مانگے۔
- خوف اور طمع انسان کو جدوجہد پر ابھارتے ہیں۔
- اکل مال باطل اور ضرر و ضرار کی تفصیل۔
- چھٹی بھی قمار کی ایک صورت ہے۔
- قمار میں غش و ضرر ہوتا ہے۔
- مسلمان کی بدخواہی اور ضرر رسانی پر احادیث و عید۔
- مال کی تعریف۔
- بیع اور اس کے ساتھ شرط حرام ہے۔
- معاملہ باطل کو ایمانداری کا نام دینا حرام ہے۔
- چھٹی کے ذریعہ مال کی فروخت جو ہے۔
- بنک میں جمع کی ہوتی رقم پر جو زائد پیسے ملتے ہیں
- اس کی صورت سود کی ہے، اس کو سود جان کر لینا حرام ہے، ہاں اپنا کوئی حق یا مال مباح سمجھے تو اس طرح وصول کرنا جائز ہے۔
- نقد قرض دے کر اس کا غلہ وصول کرنے کی شرط باطل ہے۔
- بیع سلم کے طور پر پیشگی دے تو شرائط کے ساتھ جائز ہے۔
- روپیہ قرض دے کر منافع میں ادھا سا بھا رکھنا سود ہے اور بطور مضاربت یہ معاملہ جائز ہے۔
- سودی کاروبار پر قرآن و حدیث کی وعیدیں۔
- حالت سدھارنے کی نیت سے بھی یہ کاروبار حرام ہے۔
- سودی لین دین میں دین و دنیا کی بربادی کا بیان۔
- قرض خواہ کے ساتھ بطور بروصلہ کسی کو ایہ کے معاملہ میں رعایت جائز ہے۔
- اختلاف جنس کی صورت میں تفاضل جائز ہے اور بطور بیع سلم ہو تو شرائط کے ساتھ اجل بھی جائز ہے۔
- ترخ بازار سے کم پر ادھار بیچنا جائز ہے۔
- سود کو اضافہ کا نام دے دینے سے حرام ہونے سے نہ بچے گا۔
- سونے چاندی کے معاملہ میں جڑ یا کُل رستم

- ۳۳۸ ادھار رکھنا حرام ہے۔
- ۳۳۸ جان کر ایسا کرنا کفر و ارتداد ہے۔
- ۳۳۸ روپیہ اور پیسوں کے معاملہ میں ایک طرف سے قبضہ کافی ہے۔
- ۳۳۸ مال مباح جو بلا غدر عقد فاسد کے ذریعہ حاصل ہوا حلال ہے۔
- ۳۳۸ زید نے ایک روپے کی دو چوتیاں اور آٹھ آنے پیسے مانگے تو ادھار حرام ہے۔
- ۳۳۸ کافر کو دھوکا دینا جائز نہیں۔
- ۳۳۸ روپیہ بھنانے کے معاملہ میں چاندی کی اٹھنیاں ہوں تو طرفین کی فوری ادائیگی ضروری ہے۔
- ۳۳۸ مسلمانوں کے کوآپریٹو بینک کا سودی کاروبار حرام ہے اور ایسے بینک کا ممبر بننا اعانت علی الاثم ہے۔
- ۳۳۸ سود لینا دینا ضرور برابر ہے لیکن ضرورت شرعیہ کے وقت دینے میں حرج نہیں۔
- ۳۳۹ عوام کے افعال سے سند جہالت ہے۔
- ۳۳۹ ایسا شخص امامت کے لائق نہیں۔
- ۳۳۹ سود کسی قوم سے لینا جائز نہیں، البتہ مال مباح عقود فاسدہ سے حاصل کرنا جائز ہے۔
- ۳۳۹ مسلمانوں کے ذمہ داری نہ ہو جائز نہیں۔
- ۳۳۹ سودی فرود واحد سے بھی یہ معاملہ حرام ہے۔
- ۳۳۹ سود کی متعدد صورتوں کا بیان۔
- ۳۳۹ ایک فقہی عبارت کا مطلب۔
- ۳۳۹ کیلی یا وزنی بیع کو بائع نے مشتری یا اس کے وکیل کے سامنے ناپ تول دی تو دوبارہ ناپنے یا تولنے کی ضرورت نہیں۔
- ۳۳۹ مسلمان زمیندار کے ہندو کارندوں کو مسلمان کاشتکاروں سے مالگذاری کا سود وصول کرنا حرام ہے۔
- ۳۳۹ سود گیرندہ سود گیرندہ بھی ہو تو ڈبل ملعون ہے۔
- ۳۳۹ حرام جان کر سود لینا دینا فسق و فجور اور حلال

- ۳۴۸۔ غدر اور بد عہدی مطلقاً ہر کافر سے بھی حرام ہے۔
- ۳۴۹۔ مرتد اور حربی سے عقد فاسدہ کا حکم۔
- ۳۴۹۔ مال مباح کو عقد فاسدہ سے حاصل کرنے میں اگر بدنامی کا ڈر ہو کہ جاہل عوام سود خور مشہور کریں تو اس سے بچنا چاہئے۔
- ۳۴۹۔ بڑے کام اور بڑے نام دونوں سے بچنا چاہئے۔
- ۳۵۰۔ عقد فاسدہ مع الحربی کی مزید چند صورتیں۔
- نوٹ کی بیع تفاضل و نسبیہ ہر طرح ہر ایک سے جائز ہے۔
- ۳۵۰۔ جو نوٹ بائع نے فروخت کیا اگر مشتری نے بعینہ وہی نوٹ قیمت میں لوٹا دیا تو بیع نہ ہوگی۔
- ۳۴۷۔ سود حرام قطعی ہے اس کی آمدنی حرام اور خبیث محض ہے۔
- ۳۴۷۔ اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاک ہی کو قبول فرماتا ہے۔
- ۳۵۱۔ ربا زنا سے بدرجہا بدتر ہے۔
- ۳۴۸۔ ربا تہتر گنا ہوں کا مجموعہ ہے جن میں سے کمتر یہ ہے کہ آدمی اپنی ماں سے زنا کرے۔
- ۳۴۸۔ فقیر کو معلوم ہو کہ اس کو مال حرام دیا گیا پھر وہ دینے والے کے لئے دعا کرے اور دینے والا آمین کہے دونوں تجدید اسلام اور تجدید نکاح کریں۔
- ۳۴۸۔ بیاج کی حرمت کا قائل ہوتے ہوتے بیاج لیا تو حرام ہی ہوگا۔
- ۳۴۶۔ حرام اور زمیندار کا علم کے باوجود اس پر خاموش رہنا گناہ۔
- ۳۴۶۔ ہندو آسامیوں سے ایسا معاملہ کیا جاسکتا ہے خواہ زمیندار خود کرے یا اس کے کارندے، لیکن سود جان کر نہیں مال مباح جان کر۔
- زید نے لڑکی کی شادی یا بیوی کی فاتحہ کے لئے سودی قرض لیا، عمر نے گروی رکھنے کے لئے زید کو زیور دے کر مدد کی، خالد جان بوجھ کر اس کام کے لئے زید کے ساتھ ہوا، بکر لائے میں، یہ معاملہ حرام ہوا، اور بکر کے علاوہ سب گناہ گار ہوئے، اور علم کے بعد بکر الگ نہ ہوا تو وہ بھی گناہ گار۔
- گیہوں، جو، چنا سے آلو، شکر قند اور میووں کی بیع کمی بیشی کے ساتھ جائز ہے۔
- گیہوں اور جو سے بقیہ کی جنس کے ساتھ قدر بھی مختلف ہیں۔
- گیہوں گیہوں، جو جو میں تفاضل اور ادھار دونوں حرام۔ اور جنس میں اختلاف ہو تو تفاضل حلال اور ادھار حرام۔
- معاملہ فاسدہ کی دو صورتیں۔
- بوتہ پرے رافضی مرتد ہیں۔
- ہر مرتد کافر بلکہ کافروں کی بدتر قسم ہے۔
- کفار ہندی ذمی و مستامن نہیں۔
- ذمی اور مستامن کی تعریف۔
- کس کس کافر کا مال کس کس صورت میں مسلمان کو لینا جائز ہے۔

- ۳۵۲ بیاج کی آمدنی مسجد میں لگانا منع ہے۔
- ۳۵۲ مال حرام فقیر کو دے کر ثواب کی امید رکھنا کفر ہے۔
- ۳۵۶ روپیہ قرض دے کر زائد کی شرط کی یہ سود ہے،
- ۳۵۶ فقیر نے یہ معلوم ہوتے ہوئے کہ اس نے مال حرام
- ۳۵۶ نزول قرآن کے وقت یہی راجح تھا۔
- ۳۵۶ دس کانٹ سو کو بیچا یہ سود نہیں۔
- ۳۵۶ دیا اس کے لئے دعا کی تو وہ بھی تجدید اسلام کرے۔
- ۳۵۶ مال حرام کا حکم یہ ہے کہ اصل مال کو واپس ہو
- ۳۵۶ سود کے ابتلائے عام سے متعلق ایک سوال۔
- ۳۵۶ احکام الہی کی وجہ دریافت کرنے کا کسی کو
- ۳۵۶ حق نہیں۔
- ۳۵۶ وہ نہ ملے تو فقیر کو دے دے بطور توبہ نہ بطور
- ۳۵۶ احسان۔
- ۳۵۶ رعایا آج ملکی قانون پر حرف گیری کی جرأت
- ۳۵۶ ملک بدلنے سے مال کا حکم بدل جاتا ہے۔
- ۳۵۶ سود لینا مطلقاً گناہ کبیرہ ہے۔
- ۳۵۶ روپیہ قرض دے کر زائد لینا سود ہے۔
- ۳۵۶ بضرورت شرعی سود دینا جائز ہے۔
- ۳۵۶ روپیہ کو، ارآنہ میں بیچنا اور دام بعد میں لینا اس
- ۳۵۶ صورت میں جائز ہے کہ روپیہ اسی مجلس میں دے یا ہو
- ۳۵۶ سود خوروں کے یہاں کھانا نہ کھانا چاہئے۔ لیکن
- ۳۵۶ ایک مہینہ سے کم کے لئے بیع سلم نہیں۔
- ۳۵۶ حرام اس وقت تک نہیں جب تک یہ معلوم
- ۳۵۶ آج روپیہ دے کر بعد میں بیع لینا بیع سلم ہے۔
- ۳۵۶ نہ ہو کہ یہ کھانا بعینہ سود ہے۔
- ۳۵۶ سود کی ایک الجھی ہوئی صورت کا حکم۔
- ۳۵۵ آج کل کی بے قید تجارت میں وہی گرفتار ہو گا جو
- ۳۵۵ بلاوجہ شرعی آپس میں ایک دوسرے کا مال کھانا
- ۳۵۵ کل قیامت کی فکر سے بے نیاز ہو گا۔
- ۳۵۵ از روئے قرآن ممنوع ہے۔
- ۳۵۵ مسلمانوں کو کافروں کی آسائش کی طرف نگاہ
- ۳۵۵ قرض پر جو کچھ زیادہ لیا جائے وہ سود ہے۔
- ۳۵۵ نہ اٹھانے کا پہلے ہی حکم دیا گیا ہے۔
- ۳۵۵ سود کو اپنا حق بتانے سے توبہ تجدید اسلام و
- ۳۵۵ جس چیز کا بعینہ مال حرام ہونا معلوم نہ ہو چنہ
- ۳۵۵ تجدید نکاح لازم ہے۔
- ۳۵۵ میں لیا جاسکتا ہے۔
- ۳۵۵ فصل پر غلہ خریدنا کہ بیچ کر گراں بکے گا اس میں کوئی
- ۳۵۵ قرض ادا کرتے وقت اپنی طرف سے بروصلہ
- ۳۵۵ حرج نہیں۔
- ۳۵۶ کے طور پر زائد ادا کرنا سود نہیں ہے۔
- ۳۵۶ جس روکنے سے شہروالوں پر تنگی ہو وہ منع ہے۔
- ۳۵۶ یہاں غیر مسلموں سے مال مباح عقود فاسدہ
- ۳۵۶ ہندوستان دارالاسلام ہے البتہ یہاں کے
- ۳۵۶ سے حاصل کرنا جائز ہے۔
- ۳۵۶ غیر مسلم حربی ہیں، ان سے نفع حاصل کرنا جائز ہے۔
- ۳۵۶ ہندی میں غیر مسلموں سے بھی احتیاط برتی جائے۔
- ۳۵۶ کپتی کے حصص کی بیع شرار کا حکم۔
- ۳۵۶ حصص شرعاً کوئی چیز نہیں، کپتی میں جتنا روپیہ

- ۳۶۷ دارالاسلام کی تعریف
سود کسی سے حلال نہیں، سود خور، اس کا تمسک
لکھنے والا، اس کی دلالی کرنے والا سب
گنہگار ہیں۔
- ۳۶۸ حرام مال پر عقد و نقد و نون جمع نہ ہوں تو حلال۔
غلط کاروں سے غلط ملار نامناسب ہے۔
- ۳۶۸ ہندوستان دارالاسلام ہے۔
سود کے نام سے کسی سے کچھ لینا حرام ہے۔
- ۳۶۸ اہل حرب کا مال غیر معصوم ہے۔
مالِ مباح کا عقد فاسدہ کے ذریعہ حاصل کرنا
ربا نہیں ہے۔
- ۳۶۸ جو کافر دارالحرب میں ایمان لایا اور دارالاسلام
کی طرف ہجرت نہ کی اس کا مال بھی غیر معصوم ہے۔
مستامن کافر ہی کیوں نہ ہو اس کا مال
محفوظ ہے۔
- ۳۶۹ دارالاسلام میں بھی حربی غیر مستامن کا مال
غیر محفوظ ہے۔
مسئلہ کی تصدیق عمل صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ
سے تہمت کی جگہوں سے بچنا چاہئے۔
- ۳۶۹ مباح صورتوں میں سے کچھ صورتیں قانوناً مجرم ہیں
ان سے بھی بچنا چاہئے۔
- ۳۷۰ کپڑے کو عورت سمجھ کر نظر بد سے دیکھنا گناہ ہے۔
بیمہ کمپنی یا ریلوے اور طوں کے حصہ سے سوال۔
- ۳۷۱ ایسے معاملات کے قبائح کا تفصیلی بیان۔
ایسے معاملات میں روپیہ لگانے کی چار صورتیں
- جمع کیا وہ جمع کرنے والے کی ملک میں، اور ایسے
روپوں کی بیع بیع صرف ہے جس میں تقابض بدین
ضروری ہے اور کمی بیشی حرام ہے۔
حصص کے منافع کا سود حرام ہے۔
جتنار روپیہ کمپنی میں جمع کیا یا اس کا جو مال ہو اس
پر زکوٰۃ فرض ہے۔
حرمتِ سود کی وعیدیں۔
سود کے کاروبار میں شریک چار قسم کے آدمیوں
پر لعنت ہے۔
کسی کو اسراف اور فضول خرچی سے روکنے کیلئے
اس سے لیا ہوا سود واپس نہ کرنا حرام ہے۔
غریبوں کی مدد کی خاطر بھی سودی کاروبار حرام ہے۔
بیمہ سے متعلق سوال جو بیمہ کی چار صورتوں پر
مشتمل ہے۔
بیمہ عقد شرعی نہیں یہ جو ہے، غیر مسلم کمپنی سے
یہ معاملہ اس شرط کے ساتھ مقید ہے کہ کوئی غیر شرعی
پابندی نہ ہو اور ہر طرح اپنا نفع ہو۔
غلط بطور قرض بازار بھاؤ سے کم باہمی تراضی کے
ساتھ بچنا جائز ہے جبکہ نرخ و قیمت و وعدہ
ادائے قیمت سب وقت بیع متعین کرنے جائیں۔
مذکورہ بالا بیع غلہ کے بدلہ کیا جائز نہ ہوگی۔
بیع کے وقت قرض کا ذکر نہ ہوا، اور جو دام
مشتری کے ذمہ آیا اس کے لئے عقد کے بعد
یہ طے ہوا کہ ذرئین کے بدلہ غلہ لے لیں گے، یہ
جائز ہے۔

ممکن ہیں۔

- ۳۸۲ سود خور سے مقاطعہ۔ ۳۷۱
- ۳۸۲ مستقرض سے انتفاع کی ایک صورت۔ ۳۷۱
- ۳۸۲ رہن اور اجارہ دونوں عقد منافی ہیں۔ ۳۷۱
- ۳۸۲ شے واحد پر وقت واحد میں دو مختلف قبضے محال ہیں۔ ۳۷۱
- ۳۸۲ مستقرض اپنی کسی جائیداد سے مقرض کو فائدہ پہنچانا چاہیے تو مقرض کو نوکر رکھ لے اور معمول سے زیادہ معاوضہ دے۔ ۳۷۱
- ۳۸۳ مستقرض سے انتفاع کی چند شرعی صورتیں۔ ۳۷۲
- ۳۸۳ مستقرض سے انتفاع کی چند جائز صورتیں۔ ۳۷۲
- ۳۸۳ کسی نے سو روپے کا نوٹ سوا سو میں ایک سال کے لئے بیچا عقد جائز ہوا، چھ مہینہ بعد قیمت دے دے تو صرف ساڑھے بارہ لے سکتا ہے ۳۷۲
- ۳۸۳ زائد حرام ہوگا۔ ۳۷۲
- ۳۸۳ نوٹ کے علاوہ کوئی چیز جس کو ادھار کی وجہ سے بازار بھاؤ سے زائد پر بیچا مشتری وقت سے پہلے دام ادا کرے تو گزشتہ ایام کی مقدار سے زائد حرام ہے۔ ۳۷۲
- ۳۸۵ قرضخواہ کے پاس قرضدار اپنی کوئی چیز امانت رکھے اور اس کی حفاظت و نگرانی کا ماہانہ کچھ مقرر کر دے، مگر یہ خیال رہے کہ اجرت اس چیز کی قیمت سے زائد نہ ہونا چاہئے، مستقرض سے ۳۷۹
- ۳۸۵ انتفاع کی یہ بھی ایک صورت ہے۔ ۳۸۰
- ۳۸۶ وقتی رہن سود ہے، سود سے بچنے کے طریقے۔ ۳۸۱
- ۳۸۷ سود لینا حرام اور ضرورت شرعیہ کے وقت دینا منع۔ ۳۸۱
- ۳۷۱ قرض و عاریت ان دونوں کا ایک حکم ہے، ان پر نفع حقیقی سود ہے۔
- ۳۷۱ بطور شرکت شرعاً اس میں نفع اور نقصان دونوں میں شرکت ضروری ہے، اور ان معاملات میں صرف نفع میں شرکت ہوتی ہے۔
- ۳۷۲ ہبہ کی ایک ناممکن صورت۔
- ۳۷۵ بینک کی زائد رقم کا حکم۔
- ۳۷۶ سیونگ بینک کی زائد رقم کا حکم۔
- ۳۷۷ بینک کے ایک معاملہ کا حکم۔
- ۳۷۸ بینک میں کوئی مسلمان شریک ہو تو زائد رقم وصول کرنا منع ہے۔
- ۳۷۸ بینک سے کئی بار قرض لیا، اس نے سود وصول کیا اب وہ زائد رقم دے تو اپنے حق کی وصولی سمجھ کر لے سکتے ہیں۔
- ۳۷۹ سود کا مال ملک خبیث ہے۔
- ۳۷۹ ملک خبیث اس کے اصل مالک کو، وہ نہ ہو تو فقیر کو دینا ضروری ہے، خود کھانا حرام ہے۔
- ۳۷۹ ورثہ کو مال متعین کے بارے میں ملک خبیث ہونا معلوم ہو تو وہ بھی وہی کریں اور معلوم نہ ہو یا سب مخلوط ہوں تو ورثہ کے لئے جائز ہے۔
- ۳۸۰ علانیہ سود خور کا مقاطعہ کرنا چاہئے۔
- ۳۸۱ شادی اور زندگی کے ہمہ کی حرمت۔
- ۳۸۱ کابلی مسلمان جو یہاں غیر مسلموں سے عقد و فاسدہ کا معاملہ کرتے ہیں ان سے معاشرتی برتاؤ کا حکم۔

○ کفل الفقیہ الفاہم فی احکام

۳۹۵ قرطاس الدرہم (کاغذی نوٹ کے بارے

۳۹۶ میں علماء مکہ مکرمہ کے بارے سوالوں کا تحقیقی جواب ہے

حقیقت نوٹ کا بیان اور یہ کہ وہ خود مال ہے

۳۹۸ نہ کہ مال کا تمسک ہے۔

۳۹۸ بارے سوالات پر مشتمل استفسار۔

۳۹۸ نوٹ کی حقیقت۔

۳۹۸ نوٹ کاغذ کا ایک ٹکڑا ہے۔

۳۹۸ کاغذ مال متقوم ہے۔

۳۹۸ مال کا معنی۔

۳۹۸ تعویم مالیت کو مستلزم ہے۔

۳۹۹ کلام ائمہ میں نوٹ کا جزیہ۔

۳۹۹ گنگوہی صاحب کا رد۔

۴۰۲ نوٹ کی بھاری قیمتوں کا بیان۔

۴۰۳ مکتوب کی مالیت نہیں ہے۔

۴۰۴ مال کی چار قسمیں اور ان میں فقہی مباحث

۴۰۴ قسم اول۔

۴۰۵ قسم دوم۔

۴۰۵ معروضہ علی الشامی۔

۴۰۶ قسم سوم۔

۴۰۶ تطفل علی تنویر الابصار۔

۴۰۸ قسم چہارم۔

نوٹ ایک متاع یعنی مال ہے سند نہیں کیونکہ

۴۰۸ ایک چہرہ کاغذ ہے۔

نوٹ اصطلاح میں ٹمن ہے کیونکہ اس کے ساتھ

۳۸۷ سود سے بچنے کی سبیل۔

گورنمنٹ قرض پر جو منافع دے سود سمجھ کر لینا

۳۸۸ جائز نہیں۔

اہل تقویٰ کو اس سے بھی احتراز چاہئے کہ

۳۸۹ جاہل متہم نہ کریں۔

فصل پر بازار بھاؤ سے تین سیر زائد فی روپیہ

کے حساب سے چنے کا معاملہ ہوا، روپیہ دے دیا،

۳۸۹ اب چنے کے بجائے زائد روپیہ لینا جائز نہیں۔

قانوناً کوئی قرض بے سود نہیں دیا جاسکتا نالاش

کے ذریعہ اصل مع سود وصول ہوا تو حکم شرعی

یہ ہے کہ قرض خواہ اپنی اصل رقم لے کر باقی قرضدار

۳۹۰ کو واپس کرے۔

۳۹۰ جواب دیوبندی۔

نالاش کے اخراجات کے برابر سود سے وضع کرنے

۳۹۰ کے ایک دیوبندی فتوے کی تردید۔

۳۹۱ سود لینے پر وعیدیں۔

زید کا روپیہ کسی پر باقی تھا عمرو نے ضمانت لی،

زید کے مطالبہ پر عمرو نے انکار کیا، زید نے قاضی

کے یہاں دعویٰ کیا اب عمرو نے مہلت چاہی اس

نے اس شرط پر مہلت دی کہ کچھری کی دوڑ دھوپ

میں میرا جو خرچ ہوا عمرو ادا کرے، اس نے ادا

کر دیا، پھر اصل قرض بھی دے دیا تو اب عمرو

زید سے کچھری کی دوڑ دھوپ والا تاوان پانے

۳۹۱ کا حقدار ہے۔

مسجد کی رقم سے پراہیسری نوٹوں کی خریداری کا حکم

- ۴۰۸ قنینہ جب قواعد کی مخالفت کرے تو مقبول نہ ہوگی۔
- ۴۰۹ جب تک اس کی تائید میں کوئی اور نقل معتمد نہ پائی جائے۔
- ۴۱۵
- ۴۰۹ اعتبار منقول عنہ کا ہوتا ہے نہ کہ ناقل کا۔
- ۴۱۵
- ۴۱۰ نقلوں کی کثرت سے مسئلہ کی غرابت دفع نہیں ہوتی جبکہ ایک ہی منقول عنہ ان سب کا منہتی ہو۔
- ۴۱۶
- ۴۱۰ عبارات فقہاء میں لفظ کاغذہ میں تار وحدت لانے کا فائدہ۔
- ۴۱۶
- ۴۱۰ دلیل نقلی سے فرع قنینہ کا رد۔
- ۴۱۶
- ۴۱۰ فرع قنینہ کا دلیل عقلی سے رد۔
- ۴۱۶
- ۴۱۱ ملک ہند کی وسعت اور اس کے طول و عرض کی حدیں۔
- ۴۱۸
- ۴۱۱ عادت کا چھوڑنا خود اپنے ساتھ عداوت کرنا ہے۔
- ۴۲۰
- ۴۲۰ بھیک مانگنا ذلت و حرام ہے۔
- ۴۱۲ دوسروں کا مال چھیننے میں سخت غضب اور سزا ہے۔
- ۴۲۰
- ۴۱۲ بیع کی مشروعیت میں مکلف محتاجوں کی بقا اور عمدہ انتظام کے ساتھ ان کی حاجتوں کو پورا کرنا ہے۔
- ۴۲۱
- ۴۱۵ مالیت بعض کے مال بنانے سے بھی ثابت ہو جاتی ہے۔
- ۴۲۲
- ۴۲۲ مسئلہ قنینہ کی ایک توجیہ۔
- ۴۲۴
- ۴۱۵ جواب سوال ہفتم۔
- ۴۲۴
- ۴۲۴ نوٹ کو متاع سے بدلنا مطلق ہے۔
- ۴۲۴
- ۴۱۵ جواب سوال ہشتم۔
- شمن جیسا معاملہ کیا جاتا ہے۔
- جواب سوال اول۔
- جواب سوال دوم۔
- نوٹ پر زکوٰۃ ہے۔
- جواب سوال سوم۔
- نوٹ مہر ہو سکتا ہے۔
- جواب سوال چہارم۔
- نوٹ کی چوری پر حاکم اسلام ہاتھ کاٹے گا۔
- جواب سوال پنجم۔
- نوٹ کا تادان نوٹ دیا جائے گا۔
- جواب سوال ششم۔
- نوٹ داموں سے بیچا جائز ہے۔
- عمدہ فقہی مسائل و مباحث و تنقیحات۔
- مصنف کی تحقیق کہ صحت بیع کے لئے کم سے کم ایک پیسہ کی قیمت ہونا کچھ ضرور نہیں۔
- تقوم میں شہسی کی موجودہ حالت دیکھی جاتی ہے، یہ نہیں دیکھا جاتا کہ اصل میں کیا تھا۔
- مالیت کے لئے ضروری نہیں کہ وہ چیز ہر جگہ مال سمجھی جائے۔
- تنویر تفضل۔
- آداب مفتی کے بعض فوائد۔
- قنینہ مشہور ہے کہ اس کی روایتیں ضعیف ہوا کرتی ہیں۔
- قنینہ جب مشہور کتابوں کی مخالفت کرے تو مقبول نہ ہوگی۔

۴۲۲	فتح القدير پر تفضل۔	۴۲۲	نوٹ قرض دینا جائز ہے۔
۴۲۵	جواب سوال یازدہم۔	۴۲۵	جواب سوال نہم۔
۴۲۵	نوٹ کو کم اور زیادہ بچپنا جائز ہے۔	۴۲۵	روپیہ کے بدلے میں نوٹ قرض بچپنا جائز ہے۔
۴۲۵	ایک عام قاعدہ جس پر باب ربار کے تمام مسائل کا مدار ہے۔	۴۲۵	روپوں کے بدلے نوٹ بچپنا بیع صرف نہیں کہ تقابض طرفین شرط ہو۔
۴۲۶	مولوی عبدالحی لکھنوی صاحب کی عادت۔	۴۲۵	بیع صرف کی تعریف۔
۴۲۶	مولانا لکھنوی کا رد ۱	۴۲۵	نوٹ اور پیسوں میں ٹمن ہونا اصطلاح کے سبب سے عارض ہوا۔
۴۲۶	۲ " " "	۴۲۵	دین کو دین سے بچپنا ممنوع ہے۔
۴۲۶	۳ " " "	۴۲۵	اس امر کی تحقیق کہ فلوس کو نقدین سے بدلنا جبکہ ایک ادھار ہو جائز ہے اور قاری الہدیہ رحمہ اللہ علیہ کے مسئلہ کی تضعیف۔
۴۲۸	اموال ربویہ میں مالیت کی کمی ہمیشی جائز ہے۔	۴۲۹	اس معنی کی تضعیف جو علماء نے جامع صغیر کی عبارت سے سمجھا اور علامہ شامی نے قاری الہدیہ کی اس سے تائید کی، اور ذخیرہ و بکر وغیرہ پر تفضل۔
۴۲۸	لکھنوی صاحب کے شبہ کے تین جواب۔	۴۲۹	تفضل ۲
۴۲۹	ایک درم کو ۱۲ اشرفی بلکہ ہزار اشرفی کے بدلے بیچ سکتے ہیں۔	۴۳۰	تفضل ۳
۴۲۹	ایک شبہ کا بیان۔	۴۳۰	معرضہ بر علامہ شامی ۱
۴۲۹	ربوی کا اپنی جنس سے بدلنا جب کم والے نقد کے ساتھ اور کوئی چیز ہو مسئلہ آخری ہے۔	۴۳۱	" " " ۲
۴۳۰	مالیت میں تفاضل کے ساتھ کراہت تیز یہی ہے،	۴۳۱	علامہ قاری الہدیہ پر تفضلات۔
۴۵۲	پہلا جواب۔	۴۳۱	جواب سوال دہم۔
۴۵۲	دوسرا جواب۔	۴۳۱	نوٹ میں سلم جائز ہے۔
۴۵۳	تیسرا جواب۔	۴۳۱	اس مسئلہ کی تحقیق اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تفتیح۔
۴۵۵	فتویٰ مطلقاً امام کے قول پر ہے۔	۴۳۱	
۴۵۵	چوتھا جواب۔	۴۳۱	
۴۵۶	کراہت کے مختلف اطلاقات۔	۴۳۱	
۴۳۱	اس امر کے دلائل کہ مالیت میں تفاضل مکروہ تحریمی		

۴۵۹	مالیت میں تفاضل کے مکروہ تحریمی نہ ہونے کی	۴۵۹	نہیں ہے۔
۴۶۰	مالیت میں تفاضل کے مکروہ تحریمی نہ ہونے کی	۴۶۰	سود سے بچنے کی تدبیر ۱
۴۶۱	پانچویں دلیل۔	۴۶۱	۲ " " "
۴۶۲	مکروہ تحریمی گناہ صغیرہ ہے اور تیز یہی گناہ	۴۶۲	۳ " " "
۴۶۳	نہیں ہے۔	۴۶۳	۴ " " "
۴۶۴	فاضل لکھنوی کی لغزش کی طرف اشارہ۔	۴۶۴	۵ " " "
۴۶۵	مالیت میں تفاضل کے مکروہ تحریمی نہ ہونے کی	۴۶۵	خانہ پر تطفل۔
۴۶۶	چھٹی دلیل۔	۴۶۶	بیع عینہ کا بیان۔
۴۶۷	ایک پیسہ سومعین پیسہ کے بدلے میں بیچنا	۴۶۷	سود سے بچنے کی تدبیر ۶
۴۶۸	جانز ہے۔	۴۶۸	" " " "
۴۶۹	مالیت میں تفاضل کے مکروہ تحریمی نہ ہونے کی	۴۶۹	بیع عینہ مکروہ تیز یہی ہے۔
۴۷۰	ساتویں دلیل۔	۴۷۰	علم اصول فقہ اور علم حدیث میں مرسل کی
۴۷۱	تطفل علی الفتح۔	۴۷۱	تعریفوں میں فرق ہے۔
۴۷۲	مالیت میں تفاضل کے مکروہ نہ ہونے کی	۴۷۲	حدیث عینہ کی پرکھ۔
۴۷۳	" " " " " " " " " " " "	۴۷۳	مجتہد کا کسی کو سند میں ذکر کرنا اس حدیث کی
۴۷۴	فہرستیں دلیل۔	۴۷۴	صحت کی دلیل ہے۔
۴۷۵	دسویں دلیل۔	۴۷۵	سب سے افضل کسب کون سا ہے۔
۴۷۶	شیخ عبد الحلیم کے کلام کا پہلا جواب۔	۴۷۶	خرید و فروخت میں کشش کرنا سنت ہے۔
۴۷۷	کسی چیز کا خود واجب ہونا اور بات ہے اور	۴۷۷	مالیت میں تفاضل کے مکروہ تحریمی نہ ہونے کی
۴۷۸	دوسری چیز کے لئے واجب ہونا اور بات ہے۔	۴۷۸	دوسری دلیل۔
۴۷۹	کبھی مستحب کو بھی واجب کہتے ہیں۔	۴۷۹	مقدار میں کمی بیشی کی چار صورتیں ہیں، اور اختلاف
۴۸۰	دوسرا جواب۔	۴۸۰	جنس کی صورت میں چاروں حلال ہیں۔
۴۸۱	حدیث "مسلمانوں کے مسلمان پر چھ حق واجب ہیں"	۴۸۱	مالیت میں تفاضل کے مکروہ تحریمی نہ ہونے کی
۴۸۲	میں واجب سے کیا مراد ہے۔	۴۸۲	تیسری دلیل۔
۴۸۳	شیخ عبد الحلیم کے کلام کا تیسرا جواب۔	۴۸۳	چوتھی دلیل۔
۴۸۴	دولت عثمانیہ کے واقعہ کا ذکر۔	۴۸۴	
۴۸۵	فاضل لکھنوی کا پانچواں رد۔	۴۸۵	

- ۵۰۵ فاضل لکھنوی پر مزید سنت رُو۔ ۴۸۳ کے فتووں کا تفصیلی رُو
- ۵۰۶ فاضل لکھنوی کے وہم کا تیرھواں عظیم رُو۔ ۴۸۴ رُو سفاہت۔
- ۵۰۷ اس امر کا بیان کہ مختلف نقد جب مالیت اور چلن میں برابر ہوں تو اختیار ہے جس میں چاہے قیمت ادا کیے اور اس میں یہ لازم نہیں آتا کہ ان کی جنس یا قدر مختلف ہونے پر ان میں باہم کمی بیشی پر بدلنا منع ہے۔ ۴۸۶ گنگوہی کے ایک فتویٰ کا رُو۔
- ۵۰۸ چودھواں رُو اس امر کے بیان میں کہ فاضل لکھنوی کے قول پر لازم آتا ہے کہ سود حلال ہو۔ ۴۹۰ پتلا رُو۔
- ۵۰۹ پندرھواں رُو۔ ۴۹۱ عقد میں ایسی تصحیح بالاجماع باطل ہے جس سے اصل عاقدین کی تغیر ہوتی ہو۔
- ۵۰۹ جواب سوال دوازدہم۔ ۴۹۳ بیع کو مراجم سے تولیہ قرار دینا جائز نہیں۔
- ۵۰۹ دس روپے کا نوٹ بارہ کے بدلے سال بھر کے وعدہ پر قسط بندی سے بچنا جائز ہے سود نہیں ہے۔ ۴۹۳ دوسرا رُو۔
- ۵۰۹ قرض ادا کرتے وقت اپنی طرف سے زائد دینا۔ ۴۹۴ تمسک ایک معین سے دوسرے معین کے لئے ہوتا ہے۔
- ۵۰۹ قرض لینے والے کا قرضخواہ سے قرض خرید لینا۔ ۴۹۴ نوٹ بالیقین مال ہے اس کو تمسک کہنا
- ۵۱۱ سود سے بچنے کی ترکیبیں۔ ۴۹۴ اندھاپن ہے۔
- ۵۱۱ ایسی تدبیروں کا قرآن و حدیث سے ثبوت۔ ۴۹۴ تیسرا رُو۔
- ۵۱۱ حضرت مولانا ارشد حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ جس کا حوالہ مصنف نے جواب سوال یازدہم میں دیا۔ ۵۰۲ تمسک کے وجود و عدم پر دین کا وجود و عدم موقوف نہیں ہوتا۔
- ۵۱۲ حوالہ میں مدیون محیل کہلاتا ہے اور دائن محتمل، اور جس پر قرض اتارا گیا کہ اس سے وصول کر لینا اس کو محتمل علیہ یا حویل کہتے ہیں۔ ۵۱۴
- ۵۱۶ گیارھواں رُو۔
- ۵۱۷ بارھواں رُو۔
- ۵۱۷ پچیسوں میں نیت تجارت کی ضرورت اس وقت ہے

○ کاسر السفیہ الواہم فی ابدال

قرطاس الدراہم، الذیل المنوط

لرحمالة النوط (کاغذی نوٹ سے متعلق)

مہدی رشید احمد گنگوہی اور مولانا عبدالحی لکھنوی

- ۵۲۴ متحد کا متحد متحد ہوتا ہے۔
- ۵۲۵ قبول ذی حق اور اتحاد جنس میں عموم و خصوص من وجہ ہے۔
- ۵۲۵ عذر نہ ہونا عذر نہ ہو سکنے کو مستلزم نہیں۔
- ۵۲۵ نرے اتحاد جنس سے تفاضل حرام نہیں ہوتا
- ۵۲۶ بلکہ اتحاد قدر بھی لازم ہے۔
- ۵۱۸ نوٹ سرے سے قدر ہی نہیں رکھتا کہ نہ مکمل ہے
- ۵۱۸ نہ موزوں بلکہ معدود ہے۔
- ۵۲۰ الشجرة تنبئ عن الثمرة۔
- ۵۲۰ ثمن ایک جنس ہے جس کے تحت دو جنسیں ہیں خلقی اور اصطلاحی۔
- ۵۲۸ ثمن اصطلاحی کی نوعیں نوٹ، پیسے اور کوڑیاں ہیں۔
- ۵۲۰ ثمن خلقی ایک جنس ہے جس کے تحت دو جنسیں ہیں سونا اور چاندی۔
- ۵۲۰ شرع میں جنس وہ کلی ہے جس کے افراد مختلفہ الاغراض ہوں۔
- ۵۲۱ نوٹ نوع حقیقی ہے جس کے سب افراد متفقہ الاغراض ہیں۔
- ۵۲۲ نوع حقیقی کسی جنس کا عین نہیں ہو سکتا۔
- ۵۲۲ تغیر لازم نافی عینیت ملزوم ہے۔
- ۵۲۲ لطیفہ جلیلہ۔
- ۵۲۲ نوٹ اور روپے ایک جنس نہیں۔
- ۵۲۲ روپوں میں اور نوٹ میں قدر مشترک نہیں۔
- ۵۲۲ نوٹ کے ساتھ اہل عرف کا معاملہ اثمان برتنا سے ثمن اصطلاحی کرے گا نہ کہ خلقی۔
- ۵۲۳ جب وہ ثمن ہو کر نہ چلتے ہوں ورنہ ثمن میں ہرگز نیت تجارت کی حاجت نہیں اگرچہ ثمن اصطلاحی ہو۔
- ۵۱۸ تیرھواں رد۔
- ۵۱۸ چودھواں رد۔
- ۵۱۸ پندرھواں رد۔
- ۵۱۹ سولھواں رد۔
- ۵۱۹ سترھواں رد۔
- ۵۱۹ اٹھارھواں رد۔
- ۵۲۰ رد وہم۔
- ۵۲۰ فاضل لکھنوی پر ایک سو بیس رد۔
- مولوی لکھنوی صاحب ہر جواب کے شروع میں ہوا المصوب لکھتے ہیں جو تین وجوہ سے غیر صحیح ہے۔
- مصوب اور تصویب کا لغوی معنی۔
- منکر یا ناپسندیدہ پر اطلاع دینا مناسب ہوتا ہے۔
- ثمن خلقی و اصطلاحی میں شرعاً فرق ہے۔
- حکم شئی میں ہونا جنس و قدر شئی میں شئی سے اتحاد نہیں۔
- نوٹ بدابنہ ثمن اصطلاحی ہے۔
- ثمن خلقی و اصطلاحی متبائن ہیں۔
- متبائن میں عینیت محال ہوتی ہے۔
- شرع مطہر عندیہ کا مذہب جنوں روا نہیں رکھتی۔
- ثمن خلقی دو قسم ذہب و فضہ میں منحصر ہے۔
- قیمتی و مثلی ایک نہیں ہو سکتے۔

- ۵۶۳ شے بیعہ پر کسی کا حق نکلے تو مشتری قیمت واپس پانے کا مستحق ہے۔
- ۵۶۳ مشتری کا خریدی ہوئی زمین پر جدید تعمیر کر لینا استحقاق کے منافی نہیں۔
- ۵۶۳ دوسرے کی زمین پر مکان تعمیر کر لینا صاحب تعمیر کو حکم ہوگا کہ اپنی تعمیر ہٹا کر زمین خالی کرے یا باہمی تراضی سے زمین والا تعمیر کا معاوضہ دے۔
- ۵۶۳ مشتری نے ایک بسوہ زمین بائع سے خریدی ناپنے پر زمین کم ثابت ہوئی، مشتری کو اختیار کہ اتنی ہی قیمت پر وہ ناقص زمین لے یا بیع توڑ دے اور اپنی قیمت واپس لے نقصان کا معاوضہ نہیں ملے گا۔
- ۵۶۴ ارض بیعہ کا جبر حصہ بطور استحقاق نکل جائے تو اتنے حصہ کی قیمت بائع سے وصول کر سکتا ہے۔
- ۵۶۵ مسئلہ استحقاق میں زرٹمن کے بارے میں مثل، قیمی، مذروع و معدود سب برابر ہیں۔
- ۵۶۵ کپڑا قیمی اور مذروع ہے۔
- ۵۶۶ بیع میں حرجہ خرچہ بذمہ بائع لگانے کی شرط یا درخت بیع ہو تو کچھ مدت تک باقی رکھنے کی شرط فاسد ہے۔
- ۵۶۶ بیع فاسد کا حکم فسخ بیع ہے۔
- ۵۶۹ باب بیع السلم
- ۵۶۹ بیع السلم کی بارہ شرطیں ہیں کسی ایک کا فقدان اس عقد کو سؤدا اور ناجائز بنا دیتا ہے۔
- ۵۳۴ روپوں سے اندازہ قیمت نے نوٹ کو روپیہ نہیں کر دیا ہر اصطلاحی کا اندازہ خلقی سے ہی ہوتا ہے۔
- ۵۳۴ اصطلاح کی پیروی عاقدین پر لازم نہیں وہ اپنی تراضی سے جو چاہیں کم و بیش کریں۔
- ۵۳۴ علمائے نے کاغذ کا ٹکڑا ہزار روپے کو بیچنا جائز فرمایا۔
- ۵۳۴ پیسوں میں اصطلاح عام کی مخالفت علمائے نے جائز فرمائی۔
- ۵۳۴ علمائے نے ثمن خلقی روپے اشرفی میں مخالفت عرف عام کی اجازت دی۔
- ۵۳۶ تنبیہ -
- ۵۳۶ تسجیل جلیل۔
- ۵۵۷ فتویٰ مصنف علیہ الرحمہ کے مویدات۔
- ۵۵۷ موید اول۔
- ۵۵۸ موید دوم۔
- ۵۵۸ موید سوم۔
- ۵۵۸ موید چہارم۔
- باب الاستحقاق
- ۵۶۲ مہر ترکہ سے زیادہ ہو تو پورا ترکہ مہر میں محسوب ہوگا دیگر ورثہ کا اس میں کوئی حق نہیں۔
- ۵۶۲ ادائے قرض تقسیم ترکہ پر مقدم ہے۔
- ۵۶۲ آج کل فتویٰ اس پر ہے کہ خلاف جنس پر بھی قہریت ہونا پنے آتے ہوئے حق کے بدلہ اس پر قبضہ جائز ہے۔

- ۵۷۹ بیع سلم میں بھاؤ متعین نہیں کیا تو بیع جائز نہیں۔ ۵۷۰ مستقبل سے عقد نہیں منعقد ہوتا۔
- ۵۷۹ فصل پر جو نرخ ہو یہ عقد فاسد ہے۔ ۵۷۱ گتے کے رس کی بیع رس نکالے جانے سے پہلے بطور سلم بھی ناجائز ہے۔
- ۵۷۹ بازاری بھاؤ سے کم پڑے یا زیادہ۔ ۵۷۲ بیع سلم میں وقت پر بیع نہ دے سکا تو اس کے حساب سے زائد روپیہ لینا سود ہے۔
- ۵۷۹ دیں گے لیں گے کہنے سے عقد نہیں ہوتا، یہ بیع سلم میں بائع نے وقت پر کچھ دیا کچھ نہ دے سکا بقیہ کے لئے تفصیلی حکم۔
- ۵۸۰ ادھار کی ادھار سے بیع منع ہے۔ ۵۷۴ بیع وقت پر منقطع ہو گیا تو مشتری کو صرف یہ اختیار ہے کہ اس المال واپس لے یا آئندہ فصل کے لئے بیع کا انتظار کرے۔
- ۵۸۰ ادھار کی ادھار سے بیع منع ہے۔ ۵۷۵ متعاقبین میں سے کسی کو قبضہ سے پہلے تصرف جائز نہیں۔
- ۵۸۱ سوال۔ ۵۷۵ بیع سلم کے دو سوال۔
- ۵۸۱ بیع سلم کی مختلف ناجائز قسموں کا حکم۔ ۵۷۶ بیع سلم میں ادائیگی کے وقت وہی اوصاف ملحوظ ہوں گے جن کا ذکر عقد کے وقت ہوا ہو۔
- ۵۸۱ بیع قبل القبضہ کی ایک صورت۔ ۵۷۷ اینٹ کی بیع سلم کا ذکر۔
- ۵۸۲ بیع سلم میں قبضہ کی ایک صورت۔ ۵۷۸ بیع سلم کی بیع سلم کی کچھ ناجائز صورتیں۔
- ۵۸۳ بیع سلم میں وقت پر بائع بیع نہ دے سکے تو مشتری بیع کی جنس کسی تیسرے کو ہبہ کرے، اور بائع اس سے خرید کر مشتری کو دے اس میں کچھ حرج نہیں۔ ۵۷۹ بیع سلم میں میعاد کی تعیین ضروری ہے۔
- ۵۸۳ ایک قبضہ سے پہلے تصرف جائز نہیں۔ ۵۸۰ ایک ایسے معاملہ کا بیان جس میں قرض و سلم دونوں کا امکان ہے۔
- ۵۸۵ ایک قبضہ سے پہلے تصرف جائز نہیں۔ ۵۸۱ بیع سلم کی شرائط سے متعلق۔
- ۵۸۵ ایک قبضہ سے پہلے تصرف جائز نہیں۔ ۵۸۲ بارہ شرطوں میں سے کوئی ایک بھی رہ گئی سلم فاسد ہو جائے گی۔
- ۵۸۵ ایک قبضہ سے پہلے تصرف جائز نہیں۔ ۵۸۳ ایک قبضہ سے پہلے تصرف جائز نہیں۔
- ۵۸۵ ایک قبضہ سے پہلے تصرف جائز نہیں۔ ۵۸۴ ایک قبضہ سے پہلے تصرف جائز نہیں۔
- ۵۸۵ ایک قبضہ سے پہلے تصرف جائز نہیں۔ ۵۸۵ ایک قبضہ سے پہلے تصرف جائز نہیں۔

اور وہ جگہ اتنی دُور ہے کہ وہاں سے منگنا کرنے میں سخت مشکل ہو تو ایسی صورت میں بیع سلم جائز نہیں۔

۵۹۲ فاسد ہے۔

۵۹۳ بیع کی ایک فاسد صورت کا سوال۔

۵۸۶

۵۸۶

باب الاستصناع

استصناع میں بھی نقد و ادھار ایک ہی صفت میں

بیع سلم کے ایک غلط معاملہ کا بیان۔

ایک ایسی بیع کا بیان جو ابتداءً وعدہ ہے اور

انتہاءً تعاطی ہے۔

فصل پر غلہ یا رس وغیرہ لینے کے لئے بالفاظ

وعدہ جو پیسہ دیا ہے اس میں وہ قرض ہے

جس کے ساتھ انتفاع کی شرط ہے۔

شرط فاسد سے قرض فاسد نہیں ہوتا لیکن

اس طرح قرض دینا معصیت ہے۔

المعروف کا المشروط۔

معاملہ بالاک کی ایک جائز صورت۔

کسی قول میں دونوں طرف تصحیح ہو تو جس پر چاہو

عمل کرو۔

بیع بشرط فاسد میں شرط مقارن عقد ہو تو

فساد پیدا کرے گی۔

بعد عقد کی شرط میں امام صاحب کے دو قول ہیں۔

وعدہ کی وفاء پر قضا جبر نہیں۔

عقد بلا شرط ہو اور شرط بطور وعدہ ہو تو وعدہ

کی وفاء پر جبر ہو سکتا ہے۔

نفع کے علاوہ تمام ایسے قرضے جو طرفین پر مساوی

قدر و حیثیت کے ہوں ادل بدل ہو کر ساقط

ہو جاتے ہیں۔

منقول کی بیع قبضہ سے پہلے بائع کے ہاتھ

۵۹۷

۵۹۷

۵۹۷

۵۹۸

۵۹۹

۵۹۹

۵۹۹

۵۹۹

۵۹۹

۶۰۰

۶۰۰

۶۰۰

۶۰۰

۶۰۰

۶۰۰

۶۰۰

۶۰۱

۶۰۱

۶۰۱

۶۰۱

۶۰۱

تاجائز ہے۔

عقد فاسد گناہ اور گناہ کا ازالہ فرض ہے۔

استصناع کی تعریف اور اس کے فرائض۔

استصناع ایک مہینہ سے کم میں زائد ہوگا، زائد

کی شرط لگادی جائے تو یہ عقد بیع سلم ہو جائے گا۔

استصناع حقیقۃً بیع ہے۔

استصناع میں معقود علیہ عین ہے عمل نہیں ہے۔

معدوم کبھی موجود کے حکم میں ہو جاتا ہے۔

زید کے دوست نے سرمہ لگایا اور زید نے سرمہ

بنانے والے کی ترغیب سے سرمہ لے کر بھیج دیا،

سرمہ والا زید سے تقاضا کر سکتا ہے۔

بیع میں حقوق وکیل کی طرف راجع ہوتے ہیں اور

نکاح میں زوجین کی طرف۔

بائع کے کہنے سے خریدنا بائع کی طرف سے خریدنا

نہیں ہوگا۔

نوٹ کی کم و بیش بیع سے متعلق سوال۔

نوٹ ایک نوپیدا چیز ہے فقہاء مصنفین کے

زمانہ میں اس کا وجود نہ تھا۔

- نظر فقہی میں نوٹ کی کم و بیش سے بیع جائز معلوم ہوتی ہے۔
- ۶۰۱ جبکہ تراضی طرفین سے ہو۔
- ۶۰۱ سونے اور چاندی کی بیع میں تقابض بدلیں ضروری ہے۔
- ۶۰۲ آرزائی کے وقت روپیہ سے اشرفی خرید کر گرائی کے وقت زائد پر بچنا جائز ہے۔
- ۶۰۲ نوٹ کی بیع کم و بیش پر جائز ہے اور قرض دے کر ایک پیسہ زائد لینا حرام ہے۔
- ۶۰۲ روپیہ کو پیسہ کے عوض کم و بیش بچنا جائز ہے ادھار میں کمی بیشی کرنا خلاف اولیٰ ہے۔
- ۶۰۲ قرض دینے سے اعراض خلاف اولیٰ ہے۔
- ۶۰۲ نوٹ قرض دے کر ایک پیسہ زائد لینا حرام ہے۔
- ۶۰۲ بیع کی صورت میں کم و بیش، نقد و ادھار ہر طرح جائز ہے۔
- ۶۰۳ نوٹ چاندی کا عین نہیں ورنہ دس کا نوٹ دس روپیہ میں بچنا رہا ہوگا۔
- ۶۰۳ شرع نے ربا میں مالیت کا لحاظ نہیں رکھا ہے وزن اور کھل میں برابری کا حکم دیا ہے۔
- ۶۰۴ نوٹ اگر عین چاندی ہو تو عین سونا نہ ہوگا اور نوٹ کی بیع سونے کے ساتھ متفاضلاً جائز ہوگی۔
- ۶۰۴ ایک روپیہ دو اشرفی کے بدلے بچنا جائز ہے۔
- ۶۰۵ فتح القدر کا جزئیہ ایک لاکھ ہزار روپے میں بیچ سکے ہیں، چاندی کا روپیہ پیسوں سے۔ اور پیسے کا عندہ فصل پر یہ بیع سلم ہے، اس کی شرائط اور کاریں۔
- ۶۰۱ حرمت ربا کی علت اتحاد قدر و جنس ہے۔
- ۶۰۱ نوٹ مکمل ہے نہ موزوں اور یہ چاندی کی بھی جنس نہیں اس لئے اس کی بیع میں اتحاد قدر و جنس مفقود ہے۔
- ۶۰۲ ایک شبہہ کا ازالہ۔
- ۶۰۲ نوٹ دراصل ثمن اصطلاحی ہے، تو یہ حقیقہ ثمن نہ ہوگا۔
- ۶۰۲ نوٹ کی طرح پیسہ بھی ثمن اصطلاحی ہے۔
- ۶۰۲ فلس کی بیع کم و بیش جائز ہونے کا جزیئہ۔
- ۶۰۲ جو چیز اصطلاحی ثمن ہو متعاقبین کی اصطلاح جدید اس کو سامان قرار دے سکتی ہے۔
- ۶۰۳ قرض کے طور پر ننانوے دے کر سولینا سو ہے۔
- ۶۰۳ ہینڈی کے عدم جواز کا سبب انتفاع امن طریق ہے بقال کے پاس روپے رکھنا اسی انتفاع حفاظت کی وجہ سے ممنوع ہوا۔
- ۶۰۳ روپیہ کا پیسہ بھنانے میں تقابض بدلیں شرط نہیں، روپیہ پر قبضہ کافی ہے۔
- ۶۰۳ ایک روپیہ کا پیسہ کسی بار کر کے لینے میں حرج نہیں ہے۔
- ۶۰۳ ایک روپیہ کے آدھے پیسے وصول کئے کہ پیسہ کا چلن جاتا رہا بقیہ پیسہ میں بیع فاسد ہوگی۔
- ۶۰۵ مذکورہ بالا سوال بزبان اردو۔
- ۶۰۵ نوٹ کی کم و بیش میں بیع کا سوال۔

روپیہ اور فلوس میں اگر فلوس بھی کچھ چاندی کے ہوں تو ادھار ناجائز رہے گا۔

نوٹ کی بیع کا سوال -
عرفی تعین اور ثمن اصطلاحی ہونا عاقدین پر کمی و بیشی کو حرام نہیں کرتا۔

پیسے اور روپے میں کمی و بیشی حلال ہے۔
روپے اور اشرفی میں کمی و بیشی حلال ہے۔
جنس طرح عام اشیاء کی قیمت کا اندازہ روپیہ سے کرنے سے وہ روپیہ یا چاندی نہیں ہوتا، اسی طرح ثمن اصطلاحی بھی ہے۔

اشرفی کا اندازہ بھی روپے سے کیا جاتا ہے۔
علت ربا اتحاد قدر و جنس ہے۔

کمی و بیشی حرام ہونے کی صورت میں وزن کی یکسانیت ضروری ہے، مالیت کی نہیں۔
چاندی سے چاندی کی بیع میں ردی اور جیتہ نہیں دیکھا جائے گا۔

ایک کاغذ ہزار روپیہ کو بیچ سکتے ہیں، یہ نوٹ کا صریح جزئیہ ہے۔

نوٹ چاندی کا عین ہو تو دس کا نوٹ دس روپیہ میں بیچار بار ہو گا کہ وزن میں غیبہ معمولی تفاوت ہے۔

نوٹ بیک وقت چاندی اور سونے دونوں کا عین نہیں ہو سکتا۔

بطور قرض دس کا نوٹ دے کر بارہ لینا حرام اور سود ہے۔

کافروں نے یہ اعتراض کیا تھا کہ سود اور بیع میں کیا فرق ہے۔

۶۱۰ کیا فرق ہے۔

نوٹ کی بیع کمی و بیشی اور ادھار دونوں طرح جائز ہے البتہ بطور قرض دے کر زیادہ لینا حرام ہے۔

۶۱۱ حرام ہے۔

استغراق بے قبضہ کچھ نہیں، اور قبضہ کے بعد رہن ہے اس سے انتفاع حرام ہے۔

۶۱۱ رہن ہے اس سے انتفاع حرام ہے۔

ایک پیسہ کی دو پیسہ کے بدلے بیع کا بیعانہ نوٹ کی بیع کا حکم۔

۶۱۲ نوٹ کی بیع کا حکم۔

نوٹ کی بیع کمی و بیشی سے جائز البتہ قرض فروخت کرنا مکروہ ہے یہ بیع بھی شروط فاسدہ سے

۶۱۱ کرنا مکروہ ہے یہ بیع بھی شروط فاسدہ سے

فاسدہ ہوگی۔

۶۱۲ فاسدہ ہوگی۔

نوٹ کی بیع کا حکم۔

۶۱۲ نوٹ کی بیع کا حکم۔

ایک روپیہ کے پیسے نصف آج اور نصف کل لینے کا حکم۔

۶۱۲ ایک روپیہ کے پیسے نصف آج اور نصف کل لینے کا حکم۔

ثمن کی بیع میں اختلاف جنس کی صورت میں ایک طرف قبضہ ضروری ہے۔

۶۱۲ ثمن کی بیع میں اختلاف جنس کی صورت میں ایک طرف قبضہ ضروری ہے۔

تانبہ کے دو پیسے جن کا وزن کم و بیش ہو ان کا باہم تبادلہ جائز نہیں۔

۶۱۲ تانبہ کے دو پیسے جن کا وزن کم و بیش ہو ان کا باہم تبادلہ جائز نہیں۔

اس مسئلہ میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول اقرب الی الصواب ہے۔

۶۱۳ اس مسئلہ میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول اقرب الی الصواب ہے۔

ایک دو پیسہ کی بیع کو حنفیہ اور حنفیہ پر قیاس کرنا ضعیف ہے۔

۶۱۳ ایک دو پیسہ کی بیع کو حنفیہ اور حنفیہ پر قیاس کرنا ضعیف ہے۔

زید نے عمرو کے ہاتھ نوٹ ادھار بیچا، نوٹ پر عمرو نے قبضہ کر لیا، پھر جب ادا کا وقت آیا

۶۱۳ زید نے عمرو کے ہاتھ نوٹ ادھار بیچا، نوٹ پر عمرو نے قبضہ کر لیا، پھر جب ادا کا وقت آیا

- ۶۲۵ بھر کے کلام کی نفیس تقریر۔
- ۶۲۶ مختصر کرنی کے کلام کی تفسیر و توجیہ۔
- ۶۲۷ بیع الکائی بالکائی کی ایک صورت اور اس کے جواز کا پہلو۔
- ۶۲۸ کلابتو میں ہونے کا صرف رنگ ہوتا ہے اعتبار اس کا ہے کہ گلانے سے علیحدہ ہو جائے۔
- ۶۲۸ کلابتو کو چاندی کے ساتھ بچیں تو تماثل اور تقابض دونوں ضروری ہیں۔
- ۶۲۸ سونے سے کلابتو بچنے کی صورت میں تفاضل جائز اور تقابل فی الحال ضروری ہے۔
- ۶۲۸ چاندی کو مخلوط چاندی کے ساتھ بچنے کا حکم۔
- ۶۲۸ اللہ تعالیٰ جب گنہ گاروں کا رزق نہیں بند کرتا تو شریعت پر عمل کرنے والوں کا رزق کیسے بند کرے گا۔
- ۶۲۹ کلابتو کی جائز بیع کا آسان طریقہ۔
- ۶۲۹ بیع صرف کی تعریف۔
- ۶۲۹ خلقی و غیر خلقی اثمان کی بیع کے وقت ایک طرف سے قبضہ ضروری ہے۔
- ۶۳۱ عین کو دین کے بدلہ بچا جاسکتا ہے۔
- ۶۳۱ اونٹ کو گھوڑوں یا روپے کے بدلے بچا تو اس کے بجائے اور چیز بھی لے سکتے ہیں۔
- ۶۳۱ مہر، اجرة، ضمان، بدل خلع، عتیق بمال، مورث اور موصی یہ سب کا یہی حکم ہے۔
- ۶۲۵ روپیہ ہی مجلس میں دینا ضروری ہے ورنہ ادھار
- ۶۲۰ نمونے نوٹ لاکر زید ہی سے روپیہ لیا اور زید ہی کو ادا کر دیا یہ جائز ہے۔
- ۶۲۰ ہاں جس نوٹ کو نمونے زید سے خریدنا تھا بعینہ وہی لاکر زید سے کم روپیہ پر بدلا تو جائز نہیں۔
- ۶۲۰ اس مسئلہ پر الاثمان لاتعین سے مشبہ اور اس کا جواب۔
- ۶۲۰ یہاں بیع و شرار کی حرمت کا مدار جس کا پہلے مالک تھا دوبارہ اسی کا عقد کرنا ہے۔
- ۶۲۰ نوٹ کو دوبارہ کم دام پر بچنے کی حرمت کا مدار ربح مالم یضمن ہے۔
- ۶۲۲ نمونہ خواہ خلقی ہو خواہ اصطلاحی، عقد میں متعین نہیں ہوتے ملک میں متعین ہوتے ہیں۔
- ۶۲۲ ودیعت میں اسی روپیہ کا باقی رکھنا ضروری ہے۔
- ۶۲۲ زید نے عمرو کے ہاتھ ایک ہزار کا نوٹ گیارہ سو میں آٹھ ماہ کے وعدہ پر بچا، اور تمسک لکھوایا پھر بکر کو وہ تمسک دے دیا کہ تم روپیہ وصول کر لو، زید نے بجائے گیارہ سو روپیہ کے گیارہ سو کے نوٹ دئے، زید نے بکر کو اپنا وکیل بنایا ہو یا گیارہ سو کا بکر کو مالک بنا دیا ہو تو جائز ہے اور صرف قاصد بنایا ہو تو ناجائز ہے۔
- ۶۲۳ اور جواز کی صورت میں بعینہ وہی نوٹ سو ملا کر واپس کرنا بھی جائز۔
- ۶۲۳ کتبِ فقہ سے مسئلہ کی جزئیات۔
- ۶۲۳ حضرت علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ایک وہم کا بیان۔

- ۶۳۱ کی بیع ادھار سے ہو جائے گی۔
 ۶۳۱ ہیبتہ سے بھی بیع تلجیہ کا ضرر ختم ہو سکتا ہے۔
 ۶۳۲ بیع فلوس بالدرہم بیع صرف نہیں ہے۔
 ۶۳۱ مشتری بیع کا مالک نہ ہوگا۔

باب بیع الوفار

- ۶۳۲ رواج ختم ہو جانے پر سامان کے حکم میں ہیں۔
 ۶۳۲ روپیہ فلوس سے بدلیں تو احد البدلین کا قبضہ ضروری ہے۔
 ۶۳۳ مذکورہ بالا صورت میں ایک جانب سے تعابض کی شرط اکثر کا قول ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کافرمان ہے۔
 ۶۳۴ بیع وفار حقیقت میں رہن ہے۔
 ۶۳۵ ذی اعتبار اہل فتویٰ کے فتویٰ کے ظاہر ہو جانے کے بعد غیر مفتیوں کے بلا دلیل اختلاف کا اعتبار نہیں۔
 ۶۳۶ بیع وفار میں آٹھ قول ہیں، اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ یہ رہن ہے۔
 ۶۳۷ علامہ شامی پر تفضل۔
 ۶۳۸ مذہب راجح پر بیع الفلوس بالدرہم میں ایک ہی جانب کا قبضہ کافی ہے۔
 ۶۳۹ جو عرفاً معہود ہو وہ شرعاً معہود ہے۔
 ۶۴۰ بیع وفار کی تشریح۔
 ۶۴۱ بیع وفار کا حکم۔
 ۶۴۲ بیع کب قطعی ہے اور کب بیع وفار ہے، اور ہر ایک کا حکم۔

باب متفرقات البیع

- ۶۳۹ بیع تلجیہ کی تعریف اور اس کا حکم۔
 ۶۳۹ کبھی واقع بمعنی میقع بھی ہوتا ہے۔
 ۶۴۰ بیع موقوف متعاقدین یا عاقلہ کے انتقال سے باطل ہو جاتی ہے۔
 ۶۴۰ بیع موقوف کو مالک کے ورثہ جواز نہیں کر سکتے۔
 ۶۴۰ بیع تلجیہ میں دیانہ مشتری کو چاہئے کہ اس بیع کا فرضی ہونا ظاہر کر دے۔
 ۶۴۰ ہیبتہ میں عدم مانع کی صورت میں اختیار رجوع ہوتا ہے۔
 ۶۴۰ اسٹامپ کی بیع کراہت سے خالی نہیں۔
 ۶۵۰ جائداد مبیعہ کی آمدنی ناجائز ہے۔
 ۶۵۰ خدمت محضہ اور خدمت معطل بالغرض میں فرق کا بیان اور دونوں کا حکم۔
 ۶۵۰ وعدہ توڑنے پر آدمی گنہگار ہوتا ہے مگر ایفائے وعدہ پر شرع کی جانب سے جو نہیں۔
 ۶۵۰ گناہ کا حکم۔

کتاب الکفالت

۶۵۶ کہ اس تاریخ کے بعد ضمانت ختم ہوگئی۔

۶۵۶ فتویٰ عرف پر ہوتا ہے۔

۶۵۶ جو اہل زمانہ کو نہ جانے جاہل ہے۔

۶۵۳ ۱۸ تاریخ سے ضامن ہوں، بھاگ گیا تو مطالبہ

میں دوں گا“ اگر ۱۸ تاریخ کے اندر بھاگ گیا

۶۵۶ مطالبہ دینا ہوگا۔

۶۵۳ دوبارہ مفصل سوال۔

۱۸ تاریخ تک میں مدعا علیہ کا حاضر ضامن ہوں

۶۵۴ اگر بھاگ گئے مطالبہ مدعیہ کا میں ذمہ دار ہوں“

اور مطالبہ کی ضمانت کو مدعیہ یا مدعی کے وکیل

۶۵۴ نے قبول نہ کیا تو نہ مال کے مطالبہ کا حتیٰ نہ ۱۸ کے

۶۵۸ بعد نفس کی ضمانت باقی۔

کفیل نے کفالت بالمال میں مال یا زر مطالبہ کا

۶۵۵ ذکر نہ کیا صرف مطالبہ کا لفظ کہا تو مال دینا

۶۵۹ لازم نہیں۔

مطالبہ اور دین میں فرق ہے مطالبہ کے حقیقی

معنی طلب اور تقاضا کے ہیں، مال تو معنی

۶۵۹ مجازی ہے۔

امام اعظم کے نزدیک جب تک معنی حقیقی بن سکیں

۶۵۹ مجازی پر حمل جائز نہیں۔

مدعی علیہ بھاگ گیا تو مدعی کے مطالبہ کا میں ذمہ دار

ہوں یہ مدعا علیہ سے قرض مانگنے کا وعدہ ہے

۶۵۶ اس کو کفالت بالمال سے علاقہ نہیں۔

۶۵۹ کفالت بالمال کی تعلیق صحیح ہے۔

۶۶۱ آذافات الشروط المشروط قاعدہ کلیہ ہے۔

”میں عمرو کا قرض ادا کر دوں گا“ یہ وعدہ ہے اس

سے کفالت ثابت نہیں ہوتی۔

قرضخواہ نے کہا عمرو بری ہوا میں تجھ سے لوں گا،

اور کفیل خاموش رہا، اس سے بھی زیادہ سے

زیادہ وعدہ ثابت ہوتا ہے۔

کفالت کے لئے التزام کے الفاظ جیسے کفالت،

ضمنت، علی، رالی ضروری ہے۔

وعدہ جب تعلیق کی صورت میں ہو جیسے ”زید نہ دے گا“

تو میں دوں گا“ لازم ہو جاتا ہے۔

اصیل کو مطالبہ سے بری کرنا کفیل کو بری نہ کریگا۔

ہاں اصل قرض سے بری کرتا تو کفیل مطالبہ سے

بھی بری ہو جاتا۔

کفالت قرضدار کے حکم یا اس کی رضا سے ہو تو

کفیل اس سے رجوع کر سکتا ہے ورنہ نہیں۔

کفالت بالنفس مع کفالت بالمال کا ایک

سوال۔

کسی نے یہ کہا کہ ۱۸ تاریخ تک فلاں کا ضامن

ہوں“ تو ظاہر الروایہ یہ ہے کہ ۱۸ تاریخ کے

بعد بھی ضمانت باقی ہے اور اگر فلاں تاریخ سے

فلاں تاریخ تک تو بعد والی تاریخ کو ضمانت

غنتی ہوگئی۔

آج کل کا عرف یہ ہے کہ دونوں میں کچھ فرق نہیں

اور ان دونوں صورتوں کا مطلب یہی لیتے ہیں

- ۶۶۷ مسئلہ مذکورہ پر نصوص کتب فقہیہ۔
- ۶۶۸ ایک مہینہ، ایک مہینہ تک، آج سے ایک مہینہ تک، یہ تینوں الفاظ ہم معنی ہیں۔
- ۶۶۹ عقد کرنیوالے، منت ماننے والے، قسم کھانیوالے اور وقف کرنیوالے سب کا کلام ان کے عرف پر محمول ہوگا۔
- ۶۷۰ ظاہر الروایۃ کو ہمارے عرف دائرہ و سائر سے سے اصلاً تعلق نہیں۔
- ۶۷۱ صورتِ مسئلہ میں ایک حکم دیانت کا بھی ہے۔
- ۶۷۲ کفالت بالمال کفالت بالنفس کے تابع ہو تو اصل کے ختم ہوتے ہی تابع بھی ختم ہو جائیگی۔
- ۶۷۳ کفالت بالمال کے ایک فیصلہ کے بارے میں ایک سوال۔
- ۶۷۴ سات گواہوں میں ۲۰ وجوہ نقائص کا تفصیلی بیان۔
- ۶۷۵ اس حکم کی گواہی نامقبول اور کفالت بالمال ساقط۔
- ۶۷۶ شہادت اور دعویٰ میں مطابقت ضروری ہے اختلاف کی صورت میں گواہی نامقبول ہوتی ہے۔
- ۶۷۷ ظاہر مدعا علیہ کو مفید ہوتا ہے مدعی کو نہیں۔
- ۶۷۸ کفالت کی ایک غیر شرعی صورت سے سوال۔
- ۶۷۹ کفالت بالمال شرعاً جائز ہے۔
- ۶۸۰ کفالت بالمال کی تعریف۔
- ۶۸۱ کفالت بالمال میں ایک ہی مطالبہ دائن اور کفیل دونوں پر ہوتا ہے۔
- ۶۸۲ ظاہر الروایۃ کے مطابق کفالت میں جو ابتدائے غایت مذکور نہ ہوں تو کفالت تاریخ مذکور کے بعد شروع ہوتی ہے۔
- ۶۸۳ تابع مقبوع پر مقدم نہیں ہوتا، اور مقبوع معدوم ہو تو تابع بھی متحقق نہیں ہوتا۔
- ۶۸۴ کفالت بالمال جب کفالت بالنفس کی تابع ہو، ثانی سے برابرت ہو تو اول بھی مرتفع ہوتی ہے مجلس کفالت میں ایجاب و قبول دونوں ہونا رکن کفالت ہے، تو مکفول لہ کی غیر حاضری بھی کفالت کو باطل کر دے گی۔
- ۶۸۵ مکفول لہ مجلس ایجاب میں نہ ہو مگر اطلاع کے بعد کفالت قبول کرے پھر بھی کفالت باطل ہے۔
- ۶۸۶ مکفول لہ کی غیبت کے مسئلہ میں فتویٰ طرفین کے قول پر ہے۔
- ۶۸۷ محبوبی اور نسفی اصحاب ترجیح سے نہیں۔
- ۶۸۸ فتویٰ مختلف ہو تو عدم اختلاف زمانہ کی صورت میں فتویٰ امام کے قول پر ہوتا ہے۔
- ۶۸۹ راجح سے عدول جائز نہیں۔
- ۶۹۰ مکفول لہ مجلس ایجاب سے غائب ہو اور کوئی اس کی جانب سے قبول کرے، تو یہ قبول مکفول لہ کی اجازت پر موقوف ہوگا۔
- ۶۹۱ صورتِ مسئلہ میں کفالت بالمال عدم قبول فی مجلس ایجاب کی وجہ سے باطل ہے۔
- ۶۹۲ کفالت بالنفس میں عرف حال ہی ہے کہ تاریخ انتہا کے بعد کفالت ختم ہے۔

- ۶۸۱ ضروری نہیں۔
- ۶۸۱ جائداد مکفولہ کا دعویٰ شرعاً قابلِ سماعت نہیں۔
- ۶۸۱ زید کی خواہش کے بغیر عمرو نے اس کی کفالت کی اور زر کفالت ادا کر دیا تو زید سے وہ رقم پانے کا حقدار نہیں۔
- ۶۸۱ کفالت میں کفیل مطلوب سے مطالبہ وصول کرنے کا تب مجاز ہوگا کہ اس کے کہنے سے کفالت کی ہو یا مجلس ایجاب میں اس نے رضا ظاہر کر دی ہو ورنہ نہیں۔
- ۶۸۲ اگر طالب و مطلوب دونوں موجود ہوں اور کفیل نے از خود کفالت کا ایجاب کیا، اگر پہلے مطلوب نے رضا ظاہر کی، مطالبہ وصول کرنے کا کفیل مجاز ہوگا اور طالب نے پہلے منظوری دے دی تو نہیں۔
- ۶۸۲ اوپر والا مسلک طرفین کا ہے، مفتی بہ قول پر کفالت صرف کفیل کے قول سے تام ہو جاتی ہے۔ البتہ رجوع مطالبہ کا حق مطلوب کے امر پر مبنی ہوگا۔
- ۶۸۳ ایسی کفالت جس میں مکان مکفول کیا جائے دیون کے امر سے ہو تب بھی کفیل کو رجوع کا حق نہیں۔
- ۶۸۵ جو آدمی اس خیال سے کسی کو کچھ دے کہ یہ مجھ پر اس کا حق ہے، تو خیال غلط ثابت ہونے پر اس کو واپس لے سکتا ہے۔
- ۶۸۵ کفالت صحیح و شرعی با مر دیون ہو، اور کفیل نے اس میں جائداد قرق ہونے سے بچانے کیلئے
- کفالت بالنفس کے الفاظ کفالت بنفسہ علق، رالی۔
- کفالت بالمال کے الفاظ کفالت بمالك علیہ بما یدرک فی ہذا البیع۔
- کسی جائداد کو مال میں مکفول کرنا کہ جائداد قبضہ مالک میں رہتی ہے، مگر مالک اس میں بیع و ہبہ وغیرہ تصرفات سے روک دیتے ہیں تاکہ اتن اس سے اپنا مطالبہ وصول کر سکے۔ یہ سب غیر شرعی طریقہ ہے۔
- شرع نے توثیق دین کے دو طریقے مقرر فرمائے: کفالت اور رہن۔
- رہن کے لئے شے مرہون پر مرہن کا قبضہ ضروری ہے کفالت کے لئے آدمی کا ہونا ضروری ہے، جائداد کفیل نہیں ہو سکتی۔
- جائداد کا استغراق اکثر اپنے قرض میں ہوتا ہے کوئی شخص خود اپنا کفیل نہیں ہو سکتا۔
- جانوروں پر کوئی ذمہ داری نہیں۔
- ذمہ کے لغوی معنی عہد کے اور شرعاً وہ عہد جو بند اور خدا کے درمیان ہوا یا وہ وصف جس سے آدمی مکلف ہو۔
- کفالت میں پانچ امور کی تشریح۔
- جائداد کے مکفول کرنے کا رد اور دلائل کی تفصیل۔
- کفالت کا مقتضی حجر عن التصرفات نہیں۔
- اگر اس طرح شرط کی کہ میں اس مکان کی قیمت سے زر کفالت ادا کروں گا تب بھی گھر کا بیچنا

- ۶۸۹ رہن دین واجب و ظاہر میں ہوتی ہے۔
- ۶۸۵ مدیون کی جائداد دین سے مستغرق ہوتی ہے بھی
- ۶۸۶ مدیون اپنی جائداد میں تصرف سے شرعاً روکا نہیں
- ۶۸۶ جاسکتا۔
- ۶۹۰ قاضی کے حجر کے بعد بھی اس کو تصرف کا حق
- ۶۹۰ رہتا ہے۔
- ۶۹۰ صاحبین کے نزدیک "مدیون مستغرق فی الدین"۔
- ۶۸۷ قضائے قاضی کے بعد بشرط اطلاع اپنے
- موجودہ اموال میں بعض تصرفات سے ممنوع
- ۶۸۷ ہوگا۔
- ۶۸۷ جائداد مستغرقہ کے موہوب لہ کو یہ پابندی لگانا
- کہ جائداد پر جو تاوان آئے یہ ادا کرے، شرط
- فاسد ہے، لیکن ہبہ پر اس سے اثر نہیں
- ۶۸۷ پڑے گا۔
- ۶۸۸ شرط مالا یقتضیہ العقد اور مالا یقتضیہ العقد
- کی تشریح۔
- ۶۸۸ ہبہ، صدقہ، کتابت سب کا یہی حکم ہے۔
- ۶۸۸ جائداد مکفولہ پر شرعاً کوئی حق قائم نہیں ہوتا تو
- اس کو قبول کرنا امر محال کو قبول کرنا ہے۔
- ۶۸۹ ایسے امور مستقلاً قبول کرنے سے بھی لازم
- ۶۸۹ نہیں ہوتے۔
- ۶۸۹ دیہات کا ٹھیکہ جس میں زمین اجارہ مزارعاں
- میں رہتی ہے اور توفیر ٹھیکہ پر دی جاتی ہے،
- ۶۸۹ قطعاً باطل ہے۔
- ۶۸۹ ناجائز مطالبہ جس پر جبر ہوا سکی کفالت ہو سکتی ہے
- ۶۸۹ نقد سے مطالبہ پورا کر دیا، تو مدیون سے مطالبہ
- لے سکتا ہے۔
- ۶۸۶ کفالت بالمال بلاشبہ شرعاً جائز ہے۔
- ۶۸۶ ناجائز مطالبوں کی کفالت بھی صحیح ہے۔
- ۶۸۶ دیہات کی رائج مستاجر ناجائز ہے مگر اس
- کی کفالت ہو سکتی ہے۔
- ۶۸۷ مطلوب کے حکم سے کفالت ہو تو کفیل ادا کے
- بعد مطلوب سے مطالبہ وصول کر سکتا ہے۔
- ۶۸۷ جائداد کا دین میں مکفول کرنا شرعاً کچھ نہیں، ایسی
- جائداد کا ہبہ ہو سکتا ہے۔
- ۶۸۷ مستغرق جائداد کے ہبہ میں یہ شرط لگانا کہ
- مطالبہ کی ادائیگی موہوب لہ کے ذمہ ہے
- شرط فاسد ہے، لیکن شرط فاسد سے ہبہ
- فاسد نہیں ہوتا۔
- ۶۸۷ کفالت کی دو تعریفیں اور راجح کا بیان۔
- ۶۸۷ مطالبہ موجود اور متوقع دونوں کی کفالت
- ہو سکتی ہے۔
- ۶۸۸ بعض باتیں تعامل سے بھی جائز ہو جاتی ہیں۔
- ۶۸۸ کفالت میں مطالبہ ذمہ پر رہتا ہے، کفیل کی
- جائداد تلف ہو جائے تب بھی کفیل مطالبہ سے
- بری نہیں ہوتا۔
- ۶۸۸ رہن میں مطالبہ مرہون پر ہوتا ہے، وہ تلف ہو
- تو اتنا ہی دین ساقط ہو جائے گا۔
- ۶۸۸ شے مرہون کی قیمت قبضہ کے دن کی لگائی
- جائے گی۔

۴۰۶	حوالہ کی تعریف۔	کفالت کا رکن ایجاب قبول دونوں ہیں اور ان کا مجلس کفالت میں ہونا ضروری ہے۔
۴۰۸	حوالہ میں اصل قرضدار دین سے بری ہو جاتا ہے۔	فتویٰ مختلف ہو تو قولِ امام پر عمل واجب ہے۔
۴۰۹	حوالہ کے بعد اصل قرضدار سے معافی نہیں ہو سکتی۔	اجنبی کفالت قبول کرے تو مکفول لہ کی اجازت پر موقوف ہوگی۔
۴۱۰	حوالہ کے بعد اصل قرضدار اپنی کوئی چیز دین کے بدلے رہن رکھے صحیح نہیں۔	خوشدامن کے نفقہ کا ذمہ ایک احسان کا وعدہ ہے جس پر جبر نہیں کیا جاسکتا۔
۴۱۰	حوالہ کے بعد راہن رہن واپس لے لے گا۔	ایسے وعدہ کی ضمانت بھی باطل ہے۔
۴۱۰	محال علیہ حوالہ کا انکار کرے مجلس مرجعے تو حوالہ باطل ہو کر دین اصل پر لوٹ آتا ہے، اس قول کی تصحیح مروی ہے۔	کفالت کی شرط ہے کہ مطالبہ اصل پر لازم ہو۔
۴۱۰	اپنے قرض کی وصولی کے لئے کسی کو وکیل بنانا، اور اس پر تصرف کا اختیار دینا جائز ہے۔	اخلاقاً ایفائے وعدہ کرنا چاہئے۔
۴۱۲	حوالہ اور ادھار دام زیادہ لینے کا ملاحظہ مسئلہ۔	سوال کے اختلاف سے جواب میں اختلاف ہوتا ہے جس کی ذمہ داری سائل پر ہے۔
۴۱۲	حوالہ اور بعض نقد ادھار اور بعض کا مسئلہ۔	مفتی کو معلوم ہو کہ سائل نے غلط سوال کیا ہے تو جواب نہ دے۔
۴۱۲	ہندسی کی تعریف۔	
۴۱۲	ہندسی کے بجائے نوٹ کی بیع پھر اس کے ثمن کا حوالہ ایک عمدہ طریقہ ہے جس سے ہندسی کا فائدہ بھی حاصل ہوتا ہے۔	
۴۱۲	خود عقد بیع میں قیمت فلاں شہر میں ادا کرنے کی شرط لگانا تو عقد فاسد ہو جائے گا۔	
۴۱۵	ہندسی کا معاملہ اہل حرب سے ہو تو جائز ہے۔	
۴۰۱		کتاب الحوالہ
۴۰۳		مہاجن سے سودی قرض مجبوراً لیا اصل قرض کسی دوسرے مہاجن کو دے کر اپنا قرض اس مہاجن پر حوالہ کرنا جائز ہے۔
۴۰۵		معصیت سے بچنے کی جدوجہد کرنا لازم ہے۔

فہرست ضمنی مسائل

		<u>فوائد حدیثیہ</u>
۲۷۸	حدیث ”مسلمانوں کے مسلمان پر چھوٹی واجب ہیں“ میں واجب سے کیا مراد ہے۔	
۱۳۶	<u>احکام مسجد</u>	۹۱
۳۵۲	مسجد کی آمدنی بڑھانے کے لئے کسی کی زمین بروستی مسجد پر خریدی نہیں جاسکتی۔	۲۴۷
۳۵۳	بیاج کی آمدنی مسجد میں لگانا منع ہے۔	۳۲۰
۲۶۹	مسجد کی رقم سے پرامیسری نوٹوں کی خریداری کا حکم۔	۳۲۰
	<u>امامت</u>	۲۶۷
	سو دشو شخص کا امام بنانا گناہ، اس کے بیچے نماز پڑھ لی تو دہرائیں۔	۲۶۸
		۲۶۸
		۲۶۹
		۲۷۰
		۲۷۱
		۲۷۲
		۲۷۳
		۲۷۴
		۲۷۵
		۲۷۶
		۲۷۷
		۲۷۸
		۲۷۹
		۲۸۰
		۲۸۱
		۲۸۲
		۲۸۳
		۲۸۴
		۲۸۵
		۲۸۶
		۲۸۷
		۲۸۸
		۲۸۹
		۲۹۰
		۲۹۱
		۲۹۲
		۲۹۳
		۲۹۴
		۲۹۵
		۲۹۶
		۲۹۷
		۲۹۸
		۲۹۹
		۳۰۰
		۳۰۱
		۳۰۲
		۳۰۳
		۳۰۴
		۳۰۵
		۳۰۶
		۳۰۷
		۳۰۸
		۳۰۹
		۳۱۰
		۳۱۱
		۳۱۲
		۳۱۳
		۳۱۴
		۳۱۵
		۳۱۶
		۳۱۷
		۳۱۸
		۳۱۹
		۳۲۰
		۳۲۱
		۳۲۲
		۳۲۳
		۳۲۴
		۳۲۵
		۳۲۶
		۳۲۷
		۳۲۸
		۳۲۹
		۳۳۰
		۳۳۱
		۳۳۲
		۳۳۳
		۳۳۴
		۳۳۵
		۳۳۶
		۳۳۷
		۳۳۸
		۳۳۹
		۳۴۰
		۳۴۱
		۳۴۲
		۳۴۳
		۳۴۴
		۳۴۵
		۳۴۶
		۳۴۷
		۳۴۸
		۳۴۹
		۳۵۰
		۳۵۱
		۳۵۲
		۳۵۳
		۳۵۴
		۳۵۵
		۳۵۶
		۳۵۷
		۳۵۸
		۳۵۹
		۳۶۰
		۳۶۱
		۳۶۲
		۳۶۳
		۳۶۴
		۳۶۵
		۳۶۶
		۳۶۷
		۳۶۸
		۳۶۹
		۳۷۰
		۳۷۱
		۳۷۲
		۳۷۳
		۳۷۴
		۳۷۵
		۳۷۶
		۳۷۷
		۳۷۸
		۳۷۹
		۳۸۰
		۳۸۱
		۳۸۲
		۳۸۳
		۳۸۴
		۳۸۵
		۳۸۶
		۳۸۷
		۳۸۸
		۳۸۹
		۳۹۰
		۳۹۱
		۳۹۲
		۳۹۳
		۳۹۴
		۳۹۵
		۳۹۶
		۳۹۷
		۳۹۸
		۳۹۹
		۴۰۰

زکوٰۃ

جتناروپید کمپنی میں جمع کیا یا اس کا جو مال ہو اس پر زکوٰۃ فرض ہے۔
نوٹ پر زکوٰۃ ہے۔

جنین پر اللہ ورسول کے علاوہ کسی کی ولایت نہیں۔

۲۱۳

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولایت پر

آیت و حدیث سے سند۔ (حاشیہ) ۲۱۳

آج کل بہت سے تمیموں کا ولی کامل نہیں ہوتا۔ ۲۸۴

مہر

شوہر نے زوجہ کو مہر کے بدلہ جا مذاد دی یہ عقد تعبیر کے اعتبار سے تین طرح ہو سکتا ہے۔ ۱۱۰

مورث نے اپنے وارث کے حصہ کو جو مورث کی

موت کے بعد اسے ملے گا ایک ایسی عورت کے

مہر کے بدلہ میں لکھا جس کا نکاح ابھی وارث سے

نہیں تو کیا حکم ہے۔ ۳۰۳

مہر کے عوض جب مذاد دینا ابتداءً و انتہاءً

بیع ہے۔ ۱۲۱

مہر قبل از نکاح نہ عین ہے نہ دین، تو یہ

مال ہی نہیں۔ ۹۶

قبل از نکاح مہر کی ادائیگی سے شبہ اور

اس کا جواب۔ ۱۲۲

آئندہ ملنے والی تنخواہ یا عطیہ منصب کو مہر کے

عوض کیا تو یہ خود معدوم اور باطل ہے، اس

کا ہیہ اور بیع دونوں باطل ہے۔ ۱۲۳

بعض مہر نقد، بعض کے بدلے میں زمین و مکان

اور بعض کی قسط بندی جائز ہے۔ ۲۲۳

نوٹ مہر ہو سکتا ہے۔ ۱۵۱

نکاح

دو دن کے لئے نکاح کیا وقت کی قید عفت میں ہے تو نکاح باطل اور دل میں ہے تو جائز۔ ۲۴۸

طلاق

بے نماز عورت سے صحبت پر وعید اور اس کو طلاق دینے کا حکم۔

ولایت

مرض الموت سے قبل آدمی کا اس کی ملک میں ہر تصرف نافذ ہوگا۔

باپ کو نابالغ لڑکے کی خدمت اور اس کے مال کے

بیع و شراہ کی ولایت حاصل ہے چچا اور ماں

کو نہیں صرف مال کی حفاظت اور قبول ہیہ کا

حق حاصل ہے۔

زانی ولد الزنا کا ولی نہیں تو اس کا ولی بن کر بیع

کے قبول کرنے کا بھی حق نہیں رکھتا۔

ماں، بھائی، چچا کو نابالغ پر ولایت

مالیہ نہیں۔

- ۱۶۳ المبنی علی الباطل باطل۔
- ۱۶۳ الباطل لا حکم لہ۔
- ۱۸۳ مصنف کی تحقیق کہ شرط انعقاد کا عدم مبطل عقد ہے اور جہالت بدین مفسد ہے۔
- ۲۲۶ لفظ ثمن تحقق بیع کا مقتضی ہے۔
- ۲۲۸ شرع مطہر میں عاقدین کے الفاظ کے معانی پر مدار کار ہے۔
- ۲۵۶ امر حادث میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ اقرب وقت کی طرف منسوب ہوگا۔
- ۲۵۸ عقد کی صحت اور عدم صحت سے بحث ہو تو روشن دلیل کے بغیر فساد ثابت نہ ہوگا، عمل صحت پر ہوگا۔
- ۲۷۵ جو چیز عرفاً طے شدہ ہو وہ شرط لگانے کی طرح ہے۔
- ۲۷۶ رسن اور اجارہ آپس میں متنافی ہیں جمع نہیں ہو سکتے۔
- ۱۱۸ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چار چیزوں کو کیلی اور نقدین کو وزنی قرار دیا تو یہ ہمیشہ ایسی ہی رہیں گی۔
- ۲۹۲ دیگر اشیاء کے کیلی یا وزنی ہونے میں عرف کا اختیار ہوگا۔
- ۳۱۰ اصل حکم حقائق پر ہے الفاظ پر نہیں۔
- ۳۱۳ کسی امر مباح کا حصول بھی مصلحت شرعی میں داخل ہے۔
- ۱۶۰ دارالاسلام میں ربا کی حرمت شرف دار
- مہر ترکہ سے زیادہ ہو تو پورا ترکہ مہر میں محسوب ہوگا دیگر ورثہ کا اس میں کوئی حق نہیں۔
- ۵۶۱
- ۳۱۲ عورت کو ماں، بیٹی کہنا ظہار نہیں۔
- ان عقود میں مقصود معنی ہے نہ کہ لفظ۔
- احکام عرف و عادت میں خلاف کے احتمالات عقلیہ کا لحاظ نہیں ہوتا۔
- حقوق مجردہ صالح تملیک و معاوضہ نہیں۔
- عقد جب اہل سے محل میں بسلامت ارکان واقع ہو تو اس کے عدم بطلان میں کوئی شبہ نہیں اور اپنے ثمرات کو اگرچہ بعد القبض بالیقین مٹا ہوگا۔
- کم من یصح ضمناً ولا یصح قصداً۔
- المراء مواخذ باقراسہ۔
- حکم کو سبب پر مقدم کرنا جائز نہیں۔
- الکتاب کا الخطاب۔
- ایجاب غائب عن المجلس کے قبول پر موقوف نہیں ہوتا بلکہ باطل ہو جاتا ہے۔
- جس شرط میں احد المتعاقدين کا فائدہ ہو وہ شرط فاسد ہے۔
- مہر شرط فاسد مفسد بیع ہے۔
- مہر بیع فاسد حرام و واجب الفسخ ہے۔

ظہار

فوائد اصولیہ

- کی وجہ سے نہیں، مسئلہ کی مکمل تحقیق۔
- ۳۱۶ بیع کی مشروعیت میں مکلف محتاجوں کی بعت اور
عقدہ انتظام کے ساتھ ان کی حاجتوں کو پورا
کرنا ہے۔ ۳۱۶
- ۴۲۱ مذہبِ معتمد میں کفار مخاطب بالفروع ہیں۔
- ۳۱۷ مالیات بعض کے مال بنانے سے بھی ثابت
ہو جاتی ہے۔ ۳۲۲
- ۴۲۲ اموالِ ربویہ میں وصف کا اعتبار ساقط ہے۔
ہر شخص کی نیت خود اس کے لئے معتبر ہے
نہ کہ دوسرے کے لئے۔
- ۳۱۸ ایک عام قاعدہ جس پر بابِ ربا کے تمام مسائل کا
مدار ہے۔ ۳۲۵
- ۴۲۵ باہمی رضامندی سے حرام حلال نہ ہو جائے گا۔
- ۳۱۹ کراہت کے مختلف اطلاقا ت۔ ۳۲۰
- ۴۲۶ احکامِ الہیہ کسی کی ترمیم سے بدل نہیں سکتے۔
- ۳۲۰ اس امر کے دلائل کی مالیت میں تفاضل مکروہ
تحریمی نہیں ہے۔ ۳۵۲
- ۴۲۷ دارالاسلام کی تعریف۔
- ۳۲۱ علمِ اصولِ فقہ اور علمِ حدیث میں مرسل کی تعریفوں
میں فرق ہے۔ ۳۵۸
- ۴۲۸ ہندوستان دارالاسلام ہے۔
- ۳۲۲ مکروہِ تحریمی گناہِ صغیرہ ہے اور تنزیہی گناہ
نہیں ہے۔ ۳۸۲
- ۴۲۹ رهن اور اجارہ دونوں عقد منافی ہیں۔
- ۳۲۳ کسی چیز کا خود واجب ہونا اور بات ہے اور
دوسری چیز کے لئے واجب ہونا اور
بات ہے۔ ۴۰۳
- ۴۳۰ مکتوب کی مالیت نہیں ہے۔
- ۴۲۴ کتبھی مستحب کو بھی واجب کہتے ہیں۔
- ۴۳۱ عقود میں میعانی کا اعتبار ہے۔
- ۴۲۵ عقد میں ایسی تصحیح بالاجماع باطل ہے جس سے
اصل عاقدین کی تغیر ہوتی ہو۔ ۴۱۳
- ۴۲۶ تمسک ایک معین سے دوسرے معین کے لئے
ہوتا ہے۔ ۴۱۵
- ۴۲۷ اعتبار منقول عنہ کا ہونا ہے نہ کہ ناقل کا۔
- ۴۲۸ اصل عاقدین کی تغیر ہوتی ہو۔
- ۴۲۹ تمسک کے وجود و عدم پر دین کا وجود و عدم
موقوف نہیں ہوتا۔ ۴۱۶
- ۴۳۰ مال سمجھی جائے۔
- ۴۳۱ نقلوں کی کثرت سے مسئلہ کی غرابت دفع
نہیں ہوتی جبکہ ایک ہی منقول عنہ ان سب کا
غنتی ہو۔

حکم شے میں ہونا جنس و قدر شے میں شے سے اتحاد نہیں۔

ثمن خلقی و اصطلاحی متباہنین ہیں۔

متباہنین میں عینیت محال ہوتی ہے۔

قیمتی و مثلی ایک نہیں ہو سکتے۔

متحد کا متحد متحد ہوتا ہے۔

عذر نہ ہونا عذر نہ ہو سکے کو مستلزم نہیں۔

الشجرة تنبئ عن الثمرة۔

تغیر لازم نافی عینیت ملزوم ہے۔

نوٹ اور روپے ایک جنس نہیں۔

روپوں میں اور نوٹ میں قدر مشترک نہیں۔

نوٹ کے ساتھ اہل عرف کا معاملہ اٹمان برتنا

اسے ثمن اصطلاحی کرے گا نہ کہ خلقی۔

روپوں سے اندازہ قیمت نے نوٹ کو روپیہ نہیں

کر دیا ہر اصطلاحی کا اندازہ خلقی سے

ہی ہوتا ہے۔

اصطلاح کی پیروی عاقدین پر لازم نہیں وہ

اپنی تراضی سے جو چاہیں کم و بیش کریں۔

شرط فاسد سے قرض فاسد نہیں ہوتا لیکن اس

طرح قرض دینا معصیت ہے۔

المعروف كالمشروط۔

کسی قول میں دونوں طرف تصحیح ہو تو جس پر چاہو

عمل کرو۔

بیع بشرط فاسد میں شرط متعارف عقد ہوتا

نیبا د پیدا کرے گی۔

۵۹۹ معدوم کبھی موجود کے حکم میں ہو جاتا ہے۔

۵۲۲ بیع میں حقوق و کیل کی طرف راجع ہوتے ہیں اور

۵۲۲ نکاح میں زوجین کی طرف۔

۵۲۳ عرفی تعین اور ثمن اصطلاحی ہونا عاقدین پر

۵۲۴ کمی و بیشی کو حرام نہیں کرتا۔

۵۲۵ ایک دو پیسہ کی بیع کو حفنہ اور حفنتین پر قیاس

۵۲۸ کرنا ضعیف ہے۔

۵۲۹ جو عرفاً محمود ہو وہ شرعاً محمود ہے۔

۵۳۴ امام اعظم کے نزدیک جب تک معنی حقیقی بن سکیں

۵۳۴ مجازی پر حمل جائز نہیں۔

۶۶۱ اذا فأت الشرط فأت المشروط قاعدة کلیہ ہے

۵۳۴ تابع مقبوع پر مقدم نہیں ہوتا، اور مقبوع معدوم

۶۶۳ ہو تو تابع بھی متحقق نہیں ہوتا۔

کفالت بالمال جب کفالت بالنفس کی تابع

۵۳۴ ہوتانی سے برابرت ہو تو اول بھی مرتفع ہو جاتی ہے۔

افکار و رسم لمفتی

۲۵۱ ذخیرہ ایک عمدہ اور مستند فتاویٰ ہے۔

۵۸۸ بدائع تصنیف امام ابو بکر بن مسعود بن احمد

۲۵۱ کاشانی جلیل الشان کتاب ہے۔

۲۵۱ محیط کا اعتبار آفتاب نیمروز ہے۔

۲۵۳ علامہ شامی کی تائید و توثیق۔

بے حواشی کے درمختار سے فتویٰ دینا

۲۵۳ جائز نہیں۔

- فتویٰ مختلف ہو تو عدم اختلافِ زمانہ کی صورت
 ۲۵۳ میں فتویٰ امام کے قول پر ہوتا ہے۔ ۶۶۵
 رائج سے عدول جائز نہیں۔ ۶۶۶
 عقد کرنے والے، منت ماننے والے، قسم
 ۲۵۹ کھانے والے اور وقف کرنے والے سب کا
 ۳۴۴ کلام ان کے عرف پر محمول ہوگا۔ ۶۶۹
 فتویٰ مختلف ہو تو قولِ امام پر عمل واجب ہے۔ ۶۹۴
 ۴۱۵ سوال کے اختلاف سے جواب میں اختلاف
 ہوتا ہے جس کی ذمہ داری سائل پر ہے۔ ۶۹۸
 ۴۱۵ مفتی کو معلوم ہو کہ سائل نے غلط سوال کیا ہے
 تو جواب نہ دے۔ ۷۰۱

مناظرہ و ردِ بد مذہبیاں

- ۴۱۵ فتویٰ مطلقاً امام کے قول پر ہے۔ ۲۵۵
 ذی اعتبار اہل فتویٰ کے فتویٰ کے ظاہر ہو جانے
 کے بعد غیر مفتیوں کے بلا دلیل اختلاف کا
 اعتبار نہیں۔ ۶۴۴
 آج کل کا عرف یہ ہے کہ دونوں میں کچھ فرق نہیں
 اور ان دونوں صورتوں کا مطلب یہی لیتے ہیں
 کہ اس تاریخ کے بعد ضمانت ختم ہوگئی۔ ۶۵۶
 فتویٰ عرف پر ہوتا ہے۔ ۶۵۶
 جو اہل زمانہ کو نہ جانے جاہل ہے۔ ۶۶۵
 مکتقولہ کی غیبت کے مسئلہ میں فتویٰ
 طرفین کے قول پر ہے۔ ۶۶۵
 ۶۶۵ چودھواں رد اس امر کے بیان میں کہ فاضل لکھنوی

- ۲۶۶ حاصل ایک ہے۔ ۴۹۰ کے قول پر لازم آتا ہے کہ سود حلال ہو۔
 ۵۲۰ مقصوب اور تصویب کا لغوی معنی۔ ۴۹۱ پندرہواں رد۔
 ۵۰۷ دیں گے لیں گے کھنے سے عقد نہیں ہوتا، یہ صرف ۵۰۷ گنگوہی کے ایک فتویٰ کا رد۔
 ۵۲۰ وعدہ ہے، وقت پر بائع کو مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ ۵۰۹ فاضل لکھنوی پر ایک سو بیس رد۔

فوائد فقہیہ

- ۵۲۰ شرع میں ایجاب و قبول کے لئے ماضی کا صیغہ غیر صحیح ہے۔
 ۸۱ درکار ہے۔
 ۱۹۴ تعاطی مثل ایجاب و قبول لزوم بیع کا سبب مسئلہ کا صحیح حکم۔
 ۳۹۹ ہوتی ہے۔ گنگوہی صاحب کا رد۔
 ۴۱۷ بیع میں بیع اصل ہے، اس کے رد سے بیع فسخ دلیل نقلی سے فرع قنیہ کا رد۔
 ۴۱۷ ہو جائے گی، ثمن کے رد سے فسخ نہ ہوگی۔
 ۴۴۶ ایجاب و قبول کے لئے ماضی کا صیغہ ضروری ہے۔
 ۴۴۸ وعدہ کوئی عقد نہیں۔
 ۴۷۳ اجازت لاحقہ کی ایک صورت۔
 ۱۰۷ حقوق کی بیع میں دو مذہب ہیں: صحت و فساد، اور دونوں باقوت ہیں۔

- ۱۱۱ حق مرور، حق شرب، حق تعلی وغیرہ کی بیع من وجہ ہے۔
 ۱۱۲ اصالتاً جائز نہیں۔
 ۱۱۲ جن کے نزدیک حقوق کی بیع جائز نہیں وہ بھی بطلان شرع میں جنس وہ کلی ہے جس کے افراد مختلفہ الاغراض ہوں۔
 ۱۱۲ کو مضموم الینک ساری نہیں مانتے۔
 ۱۱۲ حرومیۃ کو عید اور غلام کے ساتھ ملایا تو بھی بیع فاسد ہوتی ہے باطل نہیں۔
 ۱۱۸ ادائے ثمن نہ شرائط صحت بیع میں داخل ہے نہ شرائط نفاذ بیع میں۔

منطق

قبول ذی حق اور اتحاد جنس میں عموم و خصوص

من وجہ ہے۔

شرع میں جنس وہ کلی ہے جس کے افراد مختلفہ الاغراض ہوں۔

نوٹ نوع حقیقی ہے جس کے سب افراد متفقہ الاغراض ہوں۔

نوع حقیقی کسی جنس کا عین نہیں ہو سکتا۔

لغت

تینوں میں سال کے اندر اور سال تک دونوں کا

۱۸۷	فرق کا بیان۔	۱۲۱	بیع مبادلہ مال ببال کا نام ہے۔
۱۸۹	اختیار کی تعریف اور اس کا حکم۔		چوحدی میں اگر زمین کی مکسر پیمائش میں اختلاف
۲۲۰	عقد مراحہ کی وہ تعریف جو متون میں مذکور ہے۔	۱۲۲	تحریر ہوا تو بھی چوحدی کا اعتبار نہ ہوگا۔
۲۲۰	تعریف مذکور میں لفظ عقد و ثمن پر شرح کا تعریف		مکسر پیمائش کے ساتھ ساتھ اگر یہ بھی تحریر ہو
۲۲۰	کے جامع و مانع نہ ہونے سے اعتراض۔		کہ فی گزارتا، تو اب چوحدی کا نہیں پیمائش کا
	درر کی تعریف جس میں ان دونوں لفظوں کے استعمال	۱۲۲	اعتبار ہوگا۔
	سے احتراز کیا گیا ہے لیکن یہ بھی نقص سے خالی	۱۳۲	حسب بیداری تین طرح ہوتی ہے۔
۲۲۰	نہیں۔	۱۳۳	ایجاب و قبول کا معنی۔
	علامہ بقرنے ایک جامع اور مانع تعریف کی		ناجائز بیع کی تین قسمیں ہیں: باطل، فاسد،
۲۲۰	کوشش کی لیکن وہ بھی سالم نہیں۔	۱۴۱	مکروہ تحریمی۔
	مراحہ میں بیع سے متعلق مصنف کی تحقیق اور	۱۴۲	بیع باطل کی تعریف اور اس کی مثال۔
۲۲۲	کلام ائمہ میں تطبیق۔	۱۵۵	معدوم کی بیع ناجائز ہے۔
	دینار و درم باب مراحہ میں جنس واحد	۱۵۷	مال کی تعریف۔
۲۳۰	سے ہیں۔	۱۶۰	ربو کی تعریف۔
	نوٹ بذاتہ ثمن نہیں مگر بذریعہ اصلاح اس کو		پراپیسری نوٹ کا روپیہ گورنمنٹ کبھی واپس
۲۳۲	ثمنیت عارض ہے۔	۱۶۶	نہیں کرتی، یہ قرض مردہ ہے۔
	ثمن اصطلاحی کی ثمنیت متعاقدین کے باطل	۱۶۷	قرض مردہ کی تعریف۔
	کھدینے سے باطل ہو جاتی ہے، اور وہ شے	۱۶۷	بیع باطل کی ایک جدید شکل کا بیان۔
۲۳۲	متعین ہو جاتی ہے۔		صحت اور جواز میں فرق ہے، ممکن ہے ایک
۲۳۸	ثمن مہر میں متعین نہیں ہوتا۔	۱۷۰	چیز صحیح تو ہو لیکن حرام ہو۔
۲۳۸	اثمان معاوضات میں متعین نہیں ہوتے۔	۱۷۲	حکم دیانتہ۔
	امانات و تبرعات بعد تسلیم میں متعین ہوتے ہیں		صلب عقد میں فساد ہو یا شرط انعقاد و
۲۳۸	نذر میں متعین نہیں ہوتے۔		معدوم ہو، دونوں صورتوں میں مجلس عقد
	دین معجل کو موبل، غییر منجم کو منجم	۱۸۳	میں اصلاح مفید صحت نہیں۔
۲۴۳	کر سکتے ہیں۔		خلقی اتصال اور عارضی اتصال میں فساد کے

۳۱۱	ربو کی تعریف۔		
۳۱۹	عقود فاسدہ اور غضب و سرکہ کا بیان۔	۲۲۵	بوجہ جہالت ثمن بیع فاسد ہوتی ہے۔
	قرض بیع سے علیحدہ ایک معاملہ ہے جس کو	۲۲۵	بیع فاسد کا نسخ واجب ہے۔
	شرع شریف نے لوگوں کو احتیاج کی حکمت سے	۲۲۵	معلومیث ثمن شرائط صحت بیع میں سے ہے۔
۳۲۴	مشروع فرمایا۔		ثمن کے معافی کی شرط نفس عقد بیع میں ہو اور ماضی
۳۲۶	سود کی تعریف اور حکم۔		کے لفظ سے تو بیع فاسد نہ ہوگی، فساد
۳۳۰	جوزے کی تعریف۔	۲۵۸	مستقبل کے لفظ سے ہوتا ہے۔
۳۳۰	عقد بیع اور وعدہ عقد میں بڑا فرق ہے۔	۲۷۵	بیع بشرط القرض اور قرض بشرط البیع میں فرق۔
	علماء نے صبی لایعقل کی یہ پہچان بتائی کہ بیع		
۳۳۰	لے کر پیسہ بھی واپس مانگے۔		
۳۳۲	مال کی تعریف۔		کسی بیع کا مشتری اور مشتری لہ چہند
۳۳۸	معاملہ فاسدہ کی دو صورتیں۔	۲۷۹	ہو سکتے ہیں۔
۳۳۸	ذمی اور مستامن کی تعریف۔		مشترک مال سے ثمن ادا کرنے کے باوجود بیع
۳۵۳	ایک مہینہ سے کم کے لئے بیع سلم نہیں۔	۲۸۰	صرف ایک شخص کے لئے ہو سکتی ہے۔
۳۵۵	سود کی ایک الجھی ہوئی صورت کا حکم۔	۲۸۷	تفریق صنفہ قبل تمام بیع کا حکم۔
۳۶۲	کمپنی کے حصص کی بیع شرعاً کا حکم۔	۲۹۱	باب ربو میں اندازہ شرعی کیل و وزن ہے۔
			حلت و حرمت کے قواعد کلیہ کا بیان
		۲۹۱	چار صورتوں میں۔
	حقیقت نوٹ کا بیان اور یہ کہ وہ خود مال ہے		ضرورت شرعی کا بیان اور چند مصنوعی ضرورتوں
۳۹۸	نہ کہ مال کا تمسک ہے۔	۲۹۹	کی تفصیل۔
۳۹۸	نوٹ کاغذ کا ایک ٹکڑا ہے۔		حفظ نفس، تحصیل قوت، تحفظ عن الذلہ
۳۹۸	کاغذ مال متقوم ہے۔	۳۰۰	والطعن ضرورت شرعیہ ہے۔
۳۹۸	مال کا معنی۔	۳۰۹	مالک اور غلام کے درمیان سود نہیں۔
۴۰۴	مال کی چار قسمیں اور ان میں فقہی مباحث۔		شرکت معاوضہ اور شرکت عنان کے شرکار کے
	نوٹ ایک متاع یعنی مال ہے سند نہیں کیونکہ	۳۰۹	درمیان بھی سود نہیں۔

- ۲۰۸ ثمن ایک جنس ہے جس کے تحت دو جنسیں ہیں
۵۲۸ خلقی اور اصطلاحی۔
- ۲۰۸ پسیوں میں اصطلاح عام کی مخالفت علمائے
۵۳۲ جائز فرمائی۔
- ۲۱۱ علمائے ثمن خلقی روپے اشرفی میں مخالفت
۵۳۲ عرف عام کی اجازت دی۔
- ۲۱۲ کپڑا قیمتی اور مذروع ہے۔
۵۶۵ بیع فاسد کا حکم فسخ بیع ہے۔
- ۲۱۴ بیع فاسد کا حکم فسخ بیع ہے۔
۵۶۶ انعقاد عقد کے لئے ماضی کا صیغہ ضروری ہے،
۵۷۹ مستقبل سے عقد نہیں منع نہیں ہوتا۔
- ۲۲۵ ایک ایسی بیع کا بیان جو ابتداءً وعدہ ہے اور
۲۲۵ انتہاءً تعاطلی ہے۔
- ۲۴۱ منقول کی بیع قبضہ سے پہلے بائع کے ہاتھ
۵۹۴ فاسد ہے۔
- ۵۰۹ استصناع کی تعریف اور اس کے فرائض۔
۵۹۴ استصناع حقیقہ بیع ہے۔
- ۵۱۴ بائع کے کہنے سے خریدنا بائع کی طرف سے خریدنا
۶۰۰ نہیں ہوگا۔
- ۵۲۱ نظر فقہی میں نوٹ کی کم و بیش سے بیع جائز
۶۰۱ معلوم ہوتی ہے۔
- ۵۲۲ حرمت ربار کی علت اتحاد قدر و جنس ہے۔
۶۰۱ نوٹ کی طرح پیسہ بھی ثمن اصطلاحی ہے۔
- ۵۲۲ نوٹ بدایہ ثمن اصطلاحی ہے۔
۶۰۲ ثمن خلقی دو قسم ذہب و فضہ میں منحصر ہے۔
- ۵۲۴ ترے اتحاد جنس سے تفاضل حرام نہیں ہوتا
بلکہ اتحاد قدر بھی لازم ہے۔
- ۵۲۶ نوٹ سرے سے قدر ہی نہیں رکھتا کہ نہ ٹکلی ہے
نہ موزوں بلکہ معدود ہے۔
- ۵۲۸ ایک پرچہ کاغذ ہے۔
نوٹ اصطلاح میں ثمن ہے کیونکہ اس کے ساتھ
ثمن جیسا معاملہ کیا جاتا ہے۔
- ۵۳۲ عمدہ فقہی مسائل و مباحث و تنقیحات۔
مصنف کی تحقیق کہ صحت بیع کے لئے کم سے کم
ایک پیسہ کی قیمت ہونا کچھ ضرور نہیں۔
- ۵۶۵ عبارات فقہار میں لفظ کاغذہ میں تار و شد
لانے کا فائدہ۔
- ۵۶۶ روپوں کے بدلے نوٹ بیچنا بیع صرف نہیں
کہ تقابض طرفین شرط ہو۔
- بیع صرف کی تعریف۔
مقدار میں کمی بیشی کی چار صورتیں ہیں اور اختلاف
جنس کی صورت میں چاروں حلال ہیں۔
- نوٹ بالیقین مال ہے اس کو تمسک کہنا
اندھاپن ہے۔
- حوالہ میں مدیون محیل کہلاتا ہے اور دائن محال،
اور جس پر قرض اتارا گیا کہ اس سے وصول کر لینا
اس کو محال علیہ یا حویل کہتے ہیں۔
- ثمن خلقی و اصطلاحی میں شرعاً فرق ہے۔
نوٹ بدایہ ثمن اصطلاحی ہے۔
- ثمن خلقی دو قسم ذہب و فضہ میں منحصر ہے۔
ترے اتحاد جنس سے تفاضل حرام نہیں ہوتا
بلکہ اتحاد قدر بھی لازم ہے۔
- نوٹ سرے سے قدر ہی نہیں رکھتا کہ نہ ٹکلی ہے
نہ موزوں بلکہ معدود ہے۔

	۶۳۱	عین کو دین کے بدلہ بیچا جاسکتا ہے۔
	۶۳۷	مذہب راجح پر بیع الفلوس بالدرہم میں ایک ہی جانب کا قبضہ کافی ہے۔
۱۰۶	۶۳۹	بیع تلجیہ کی تعریف اور اس کا حکم۔
	۶۵۰	خدمت محضہ اور خدمت معلل بالغرض میں فرق کا بیان اور دونوں کا حکم۔
۱۰۶	۶۵۲	کفالت کے لئے التزام کے الفاظ جیسے کفالت، ضمت، علی، ائی ضروری ہے۔
	۶۵۴	وعدہ جب تعلیق کی صورت میں ہو جیسے "زید نہ دے گا تو میں دوں گا" لازم ہو جاتا ہے۔
	۶۶۷	کفالت بالنفس میں عرف حال یہی ہے کہ تاریخ انتہا کے بعد کفالت ختم ہے۔
۱۱۰	۶۷۷	کفالت بالمال کی تعریف۔
	۶۷۷	کفالت بالمال میں ایک ہی مطالبہ دائن اور کفیل دونوں پر ہوتا ہے۔
۱۲۸	۶۷۷	شرع نے توثیق دین کے دو طریقے مقرر فرمائے: کفالت اور رہن۔
	۶۷۹	جانوروں پر کوئی ذمہ داری نہیں۔
	۶۷۹	ذمہ کے لغوی معنی عہد کے اور شرعاً وہ عہد جو بندے اور خدا کے درمیان ہوا، یہ وہ وصف جس سے آدمی مکلف ہو۔
	۶۸۰	کفالت میں پانچ امور کی تشریح۔
۱۶۳	۶۸۸	کفالت کی دو تعریفیں اور راجح کا بیان۔
	۶۹۱	شرط مالا یقتضیہ العقد اور مالا یقتضیہ العقد کی تشریح۔
	۶۹۱	شوہر ہبہ جدید کے ذریعہ عورت کو دے تو عورت مالک ہو جائیگی اور اس کا مہر بھی شوہر کے ذمہ

ہبہ

مدیون کو دین کا ہبہ جائز اور غیر کو ناجائز، البتہ بطور قبضہ غیر کو ہبہ جائز ہے۔

ہبہ میں رجوع کے حق سے دست برداری صحیح نہیں ہاں کچھ لے کر دست برداری ہو تو یہ ہبہ بالعوض قرار دیا جائے گا۔

عاقہ نے عین اور حق ایک ہی عقد میں جمع کیا تو یہ ہبہ بشرط العوض کی صورت میں ابتداء ہبہ ہے اور عین کے ساتھ حق جمع کر دینے میں ہبہ باطل نہ ہوگا، اور بقیہ دونوں صورتوں میں معنی بیع ہے اور بیع کا حکم مذہب مختار پر صحت و قبول ہے۔

زمین زبانی اپنے لئے خریدی بیع نامہ لڑکوں کا نام لکھوایا، لڑکیوں کی نہ ہوئی، البتہ بیع نامہ ہبہ قرار دیا جائے گا اور مشاع ہونے کی وجہ سے ہبہ باطل ہوگا۔

دین مہر کا عوض دینا ہبہ بالعوض ہے، جو فی الحقیقت بیع ہے اور صحت بیع کے لئے قبضہ ضروری نہیں۔

ہبہ بعوض مہر مشروط بشرط الفاسد سے حاصل ہونے والے مکان کو کسی نے غصب کر لیا شوہر نے ناش کر کے اس پر قبضہ کر لیا تو ہبہ بعوض المہر والا عقد باطل ہو گیا اور شوہر اس کا مالک ہو گیا۔

شوہر ہبہ جدید کے ذریعہ عورت کو دے تو عورت مالک ہو جائیگی اور اس کا مہر بھی شوہر کے ذمہ

رہے گا اور پہلے والے عقد کے تحت لوٹائے تو عورت مالک نہ ہوگی۔

حجر

۱۶۴
۲۱۳
مدیون کی جائداد دین سے مستغرق ہو تب بھی مدیون اپنی جائداد میں تصرف سے شرعاً روکا نہیں جاسکتا۔ ۶۹۰
قاضی کے حجر کے بعد بھی اس کو تصرف کا حق رہتا ہے۔ ۶۹۰

حمل کی کوئی چیز ہیبت نہیں کی جاسکتی۔

شفیع کے ڈر سے صاحب مکان نے اپنا مکان کسی کو ہیبت کیا اور اس کا زرعین اس شخص نے صاحب مکان کو ہیبت کر دیا شرعاً یہ ہیبت ہوا شفعہ نہیں چل سکے گا۔ ۲۲۸

اگر کوئی شخص کسی کو مشاع ہیبت کرنا چاہے تو موہوب لہ کے ہاتھ بیع کر دے اور زمین معاف کر دے۔ ۲۲۹

قبول بیع سے پہلے زمین ہیبت کیا تو بیع صحیح اور ہیبت باطل ہے۔

۲۵۶
زائد قابل تقسیم ہو تو اس کو علیحدہ سے دینا چاہئے مخلوط رہے گا تو ہیبت صحیح نہ ہوگا۔

۳۲۱
۳۷۲
ہیبت کی ایک ناممکن صورت۔

ہیبت میں عدم مانع کی صورت میں اختیار رجوع ہوتا ہے۔

۶۲۰
۶۲۱
ہیبت سے بھی بیع تلجیہ کا ضرر ختم ہو سکتا ہے۔ جائداد کا دین میں مکفول کرنا شرعاً کچھ نہیں، ایسی جائداد کا ہیبت ہو سکتا ہے۔

۶۸۷
مستغرق جائداد کے ہیبت میں یہ شرط لگانا کہ مطالبہ کی ادائیگی موہوب لہ کے ذمہ شرط فاسد ہے۔

۶۸۷
لیکن شرط فاسد سے ہیبت فاسد نہیں ہوتا۔

میراث

۹۵
۳۲۱
میت کے ترکہ سے قرض کی ادائیگی تقسیم پر مقدم ہوگی۔

۱۰۳
۲۱۶
ایک جائداد کے وارثوں کے حصص کی شرعی تعیین اور تفصیل۔

۵۶۲
۶۲۰
ایک ترکہ میں وارثوں کے حصص کی تقسیم۔

۹۳
۶۲۱
ادائے قرض تقسیم ترکہ پر مقدم ہے۔

وصیت

۹۳
مرض الموت کے تصرفات غیر نافذ ہیں۔

اجارہ

۹۰
مالک اپنی ملک غیر مالک سے کرایہ پر نہیں لے سکتا۔

۹۰
۲۱۸
اجارہ باطلہ کے ذریعہ جو رقم حاصل ہو غصب ہے پوری رقم واپس کرنا ضروری ہے۔

اکراہ

کسی کام کے لئے بچوں کا اصرار اکراہ شرعی نہیں۔

جن صورتوں میں زراعت بائع کی ہے مشتری
چاہے تو بائع کو زمین خالی کرنا ہوگا اور مشتری کی
اجازت سے باقی رکھی تو مشتری حسب عرف
کرایہ لے سکتا ہے۔

دیہات کی راجہ مستاجری ناجائز ہے مگر اس کی
کفالت ہو سکتی ہے۔

دیہات کا ٹھیکہ جس میں زمین اجارہ مزارعاں
میں رہتی ہے اور توفیر ٹھیکہ پر دی جاتی ہے
قطعاً باطل ہے۔

زراعت

مزروعہ زمین کی بیع میں زراعت کا مالک مشتری
ہوگا۔

اس امر کا تفصیلی بیان کہ بیع میں کب زمین کے
تابع کھیتی ہے اور کب نہیں۔

وکالت

زید نے مال خریدنے کے لئے ایک شخص کو وکیل
بنایا اس پر قبضہ کرنے کے بعد زید کا اس مال کو
اسی وکیل کے ہاتھ مابجہ بحینہ جائز ہے۔

وکیل کو چیز کے متعین دام بتا کر کہنا اس سے کم
زیادہ بچو تو تم جانو ہم وہی متعینہ دام لیں گے
اور اس میں سے دو فیصدی تمہیں دلالی دینگے

ایسا معاملہ وکیل اور موکل دونوں کیلئے ناجائز ہے۔
مشئی معین کے معین قیمت پر خریدنے کا وکیل بیع

کو نہ تو اپنے لئے خرید سکتا ہے نہ دوسرے
کے لئے، ہاں موکل کی فرمائش کے خلاف خریدنا
تو وکیل کی ملک ہوگا۔

۲۱۸

۲۷۱

۲۷۱

استقراض کا وکیل بنانا جائز نہیں۔

اقراض کا وکیل بنانا جائز ہے۔

رہن

یہ معاملہ حقیقۃً رہن کا ہے اور رہن بے قبضہ
باطل ہے۔

۹۰

۹۱

بیع بالوفاء حقیقۃً رہن ہے۔

رہن شئی مرہونہ پر قبضہ نہ کرے تو رہن باطل ہے
اور قبضہ ہونے پر بھی شئی مرہونہ سے انتفاع

۹۱

۱۲۲

۲۷۶

حرام ہے۔

دین معدوم کے بدلے رہن لینا جائز نہیں۔

کاشتکار نے کھیت رہن رکھا تو رہن نہ ہوگا۔

۶۴۴

۶۷۷

بیع وفا حقیقت میں رہن ہے۔

رہن کے لئے شے مرہون پر مرہن کا قبضہ
ضروری ہے۔

رہن میں مطالبہ مرہون پر ہوتا ہے وہ تلف ہو
تو اتنا ہی دین ساقط ہو جائے گا۔

۶۸۹

۶۸۹

۶۸۹

شئی مرہون کی قیمت قبضہ کے دن کی
لگائی جائے گی۔

رہن دین واجب و ظاہر میں ہوتی ہے۔

غصب

کسی دوسرے کے مکان کو اپنی ملکیت ظاہر کر کے

۳۱۸ احکام قضاہ دار الحرب اور دار البغاة میں نافذ نہیں جہاں حکم قضا نہیں۔ ۸۲

دعویٰ

۸۳ اجنبی محض کو دعویٰ کا اختیار نہیں ہوتا۔
۱۰۴ حالتِ صحت میں کسی وارث کے ہاتھ بابت داد بیع کر دی بیع صحیح ہوگئی، دوسرے وارثوں کا جائداد میں کوئی حق نہیں، ہاں زرمین پانے یا معاف کرنے کا اقرار نہ کیا ہو تو بقیہ ورثاء زرمین کا دعویٰ کر سکتے ہیں زرمین کی عدم ادائیگی کا ثبوت قرآن سے ۱۱۷ نہ ہوگا۔

۱۱۷ اراضی کے بیعنامہ میں جو چوحدی لکھائی گئی کل مشتری کی ہوتی، اگر چوحدی میں غلطی سے کسی دوسرے کی مملوکہ زمین آگئی تو اصل مالکوں کی چارہ جوتی

۱۲۳ کے بعد وہ حصہ و اگر زار کر دیا جائے گا۔
۸۲ بائع ارضِ مبیعہ کے جز حصہ کو بیع سے خارج ہونے کا مدعی ہے لیکن سالہا سال سے ارضِ مبیعہ پر مشتری کا تصرف دیکھ کر خاموش رہا تو بائع کا دعویٰ باطل قرار دیا جائے گا۔ ۱۲۶

بیع کے انعقاد و بطلان میں اختلاف ہو تو مدعی انعقاد گواہ پیش کرے، گواہ نہ ہوں تو مدعی بطلان کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا جب صحت و مرض میں اختلاف ہو تو مدعی مرض کا قول ۱۶۰ مذکورہ تفصیل کے ساتھ بقسم معتبر ہوگا جس پر قسم ہے وہ حلف سے انکار کرے تو خصم کا حق ۲۰۱

کسی کے ہاتھ بیچنا اور مشتری کو قبضہ دلا دینا غصب ہے۔

مغضوب کو غاصب کے علاوہ کسی دوسرے کے ہاتھ بیچنے کا حکم۔

آج کل کچھ لوگوں میں عام طور سے جو نیلام ہوتا ہے بیع غاصب کے حکم میں ہے جو مالک کی اجازت پر موقوف ہوگی۔

بیع مغضوب میں بیع سے قبل کی ساری توفیق کا مغضوب منہ مالک ہوگا۔

بائع کو بائع نے غصب کر لیا تب بھی بیع صحیح ہے اور مشتری کی ملک ثابت ہے۔

غصب کی ایک صورت۔

عقار کا غصب متحقق نہیں۔

شہادت

کسی شہادی کی ملکیت کے شرعی گواہ گزریں تو قبضہ حکماً قرار دیا جائے گا۔

شہادت اور دعویٰ میں مطابقت ضروری ہے اختلاف کی صورت میں گواہی نامقبول ہوتی ہے۔ ۶۷۶

قضا

اگر عاقدین بیع فاسد کو فسخ نہ کریں تو فاسد بیع فسخ کر دے۔

قاضی نے غلط فیصلہ کیا تو دوسرا قاضی اس کو زد کر سکتا ہے۔

شُرکت

بطور شرکت شرعاً اس میں نفع اور نقصان دونوں میں شرکت ضروری ہے، اور ان معاملات میں صرف نفع میں شرکت ہوتی ہے۔

۳۷۱

شفعہ

مکان کی زبانی بیع ہوگئی اور اس پر قبضہ مشتری ہو گیا جس کو حق شفوع تھا اور وہ اس مکان کی خریداری سے انکار کر چکا تھا اب اس کو حق شفوع نہیں۔ ۱۹۱

ضمان و تاوان

مقبوض علی سوم الشراہ ہلاک ہو جائے تو قابض سے تاوان وصول کر سکتے ہیں۔

۹۳

ایمن پر بلا تعدی و تقصیر فی الحفظ ضمان نہیں۔

۱۰۲

بائع نے اگر مال بیعہ کو دوسرے کے ہاتھ بیچ دیا تو سخت گنہگار ہوا، مال دوسرے مشتری کے پاس موجود ہو تو مشتری اول اس کو واپس لے اور موجود نہ ہو تو اتنے مال کا تاوان اس وقت کے بازار کے

۸۲

۸۲

بھاؤ سے مشتری بائع سے وصول کرے۔

۱۶۱

زید کاروپہ کسی پر باقی تھا عمرو نے ضمانت لی، زید کے مطالبہ پر عمرو نے انکار کیا، زید نے قاضی کے

یہاں دعویٰ کیا اب عمرو نے مہلت چاہی، اس نے اس شرط پر مہلت دی کہ کچھری کی دوڑ دھوپ میں

۳۳۵

میرا جو خرچ ہوا عمرو ادا کرے، اس نے ادا کر دیا

ثابت ہوگا۔

۲۱۵ ایک مسلمان کی نصرانیہ عورت نے دعویٰ کیا میں اپنے شوہر کی موت سے پہلے اسلام لائی، اور وارثوں نے کہا بعد موت، تو وارثوں کا قول معتبر ہے کہ یہ اقرب وقت ہے۔

۲۵۶

عقد میں شرط فاسد کے بارے میں اختلاف ہو تو منکرین شرط کے قول کا اعتبار ہوگا۔

۲۵۷

عاقین کے صحت و فساد عقد میں اختلاف ہو تو قول مدعی صحت کا تسلیم ہوگا۔

۲۵۹

بائع فساد کا دعویٰ کرے اور مشتری صحت کا، تو قسم کے ساتھ مشتری کا قول معتبر ہوگا،

۲۵۹

تناقض دعویٰ قابل تقسیم نہیں۔

۶۷۶

ظاہر مدعا علیہ کو مفید ہوتا ہے مدعی کو نہیں۔

۶۸۱

جائداد مکفولہ کا دعویٰ شرعاً قابل سماعت نہیں۔

اترار

غاصب مالک کی ملکیت کا اقرار کرے تو مغبوب کی بیع صحیح ہے۔

اقرار بنیہ سے قوی حجت ہے۔

مضاربت

روپیہ قرض دے کر منافع میں آدھا سا جھا رکھنا سود ہے اور بطور مضاربت یہ معاملہ جائز ہے۔

پھر اصل قرض بھی دے دیا تو اب عمر و زید سے کپہری
کی دوڑ دھوپ والا تاوان پانے کا حقدار ہے۔ ۳۹۱
نوٹ کا تاوان نوٹ دیا جائے گا۔ ۴۱۰

نے گناہ کیا ہی نہ ہو۔

حظر و اباحت

۳۰۴

مشتری نے گل یا جڑ قیمت ادا کئے بغیر بیع پر قبضہ
کر لیا تو بیع کا منافع اس کے لئے حلال ہے۔ ۳۹
سود کی ملک خبیث ہے۔ ۹۰

۳۹

۹۰

بیع نہ ہونے کی شکل میں بیعاً نہ روک لینا ظلم ہے
چاہے زیادتی مشتری کی ہی کیوں نہ ہو۔ ۹۲

۹۲

۹۵

وقائے وعدہ پر جبر نہیں کیا جاسکتا۔
نقد اور ادھار کے بھاؤ میں تفاوت حرام اور
ناجائز نہیں۔ ۹۷

۹۷

عوام کی جائداد کا سرکاری نیلام مالک کی اجازت
سے (سابقہ یا لاحقہ) ہو تو جائز۔ ۱۰۷

۱۰۷

عقد موقوف میں اجازت سے قبل بیع میں مشتری
کا تصرف حلال نہیں۔ ۱۰۷

۱۰۷

کوئی چیز جب عقد صحیح شرعی سے خریدی گئی تو
بائع کا ثمن کو کارِ معصیت میں خرچ کرنے کا وبال

۱۰۸

مشتری پر نہیں، نہ بیع میں کوئی خلل واقع ہوگا۔
جو حقوق اصالة ثابت ہوں (جیسے موصیٰ لہ بالحد

حق قصاص، حق نکاح، حق غلامی) ان کا عوض
لینا جائز ہے۔ ۱۱۱

۱۱۱

جو حقوق اصالة ثابت ہوں (جیسے حقوق شفعہ و
قسم زوجہ و خیارِ مخیرہ فی النکاح) ان کا عوض

۱۱۱

ناجائز ہے۔
اڑھت میں مال جمع کر کے اس کی قیمت پیشگی

کسی نے یہ کہا کہ "۸ تاریخ تک فلاں کا ضامن
ہوں" تو ظاہر الروایہ یہ ہے کہ ۸ تاریخ کے بعد
بھی ضمانت باقی ہے اور اگر فلاں تاریخ سے فلاں
تاریخ تک تو بعد والی تاریخ کو ضمانت منہتی ہوگئی۔ ۶۵۶
"۸ تاریخ سے ضامن ہوں، بھاگ گیا تو مطالبہ
میں دوں گا" اگر ۸ تاریخ کے اندر بھاگ گیا
مطالبہ دینا ہوگا۔

۶۵۶

"۸ تاریخ تک میں مدعا علیہ کا حاضر ضامن ہوں
اگر بھاگ گئے مطالبہ مدعیہ کا میں ذمہ دار ہوں"
اور مطالبہ کی ضمانت کو مدعیہ یا مدعی کے وکیل نے
قبول نہ کیا تو نہ مال کے مطالبہ کا حق نہ ۸ کے
بعد نفس کی ضمانت باقی۔

۶۵۸

عمت و کلام

جتنیں ضرور مومن ہے۔

۲۱۳

شرع مطہر عنذیہ کا مذہب جنوں روا نہیں کھتی۔ ۵۲۲

۵۲۲

توبہ و استغفار

سود سے توبہ کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ ندامت اور
آئندہ سے نہ لینے کے عزم کے ساتھ ساتھ
جو لیا ہے وہ واپس کرے۔

۳۰۴

گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہی ہے جیسے اس

- ۱۷۱ لینا حرام۔
 ۱۷۱ معین چیز کے کسب حرام ہونے کا علم نہ ہو تو اسے کھا سکتے ہیں۔
- ۱۷۲ بھائی کے بھاؤ پر بھاؤ بڑھانے کا حکم۔
 ۱۷۱ فصل پر عتہ خرید کر بیچنا جائز ہے، ایسی بیع کو حرام کہنے والا شرع پر جرات کر رہا ہے۔
- ۱۷۱ مویشی خانہ کے جانوروں کی خریداری کا حکم۔
 ۲۰۲ پنچوں کے فیصلہ کے لئے طرفین سے رقم جمع کرانا باطل اور دونوں کی رقم کسی ایک کو دے دینا مزید ظلم اور ایک فریق کو دوسرے کا یہ پیسہ لینا حرام۔
- ۲۱۸ بیع فاسد میں عاقدین بسبب ارتکاب عقد فاسد گنہگار ہوتے ہیں۔
 ۲۲۵ بائع اپنی مرضی سے بیع پر کچھ اضافہ کر دے تو لینا جائز ہے۔
- ۲۶۱ بائع کافر ہو تو مسلمان کو زائد کا سوال نہ چاہئے کہ وہ احسان تصور کرے گا۔
 ۲۶۲ کٹوتی ناراضگی کی حالت میں حرام ہے۔
- ۲۶۳ بائع اپنا سود ادھار بازار بھاؤ سے زائد دے تو سود نہیں مشتری کی رضا سے جائز ہے، ہاں خلاف اولیٰ ہے۔
- ۲۶۷ قرض کی وجہ سے کسی چیز کو زائد قیمت پر خریدنا مکروہ۔
 ۲۷۵ اپنی آبرو بچانے کے لئے ہجو گو شاعروں کو رشوت دینا جائز ہے۔
- ۱۲۶ آڑھت دار سے لینا کہ جب مال بکے گا حساب ہو گا حرام ہے، البتہ قرض آڑھت دار کی مرضی سے لے سکتا ہے۔
 ۱۳۹ جھوٹ نہ بولے تو زیادہ دام کہہ کر گھٹانا یا ڈگنی قیمت لینا جائز ہے۔
 ۱۴۱ مردار کی کھال پکا کر یا سکھا کر بیچنا جائز ہے ورنہ حرام ہے۔
 ۱۴۱ ہڈی پر چکنائی نہ ہو تو اس کی بیع جائز ہے۔
 ۱۴۱ سورا کی کھال یا ہڈی کی کسی حال میں بیع جائز نہیں۔
- ۱۴۲ مال مسروقہ کو جان کر خریدنا حرام ہے۔
 ۱۴۵ اپنی جگہ کسی دوسرے کو نوکر رکھو اگر اس کا پیسہ لینے سے بیچنا چاہتے۔
 ۱۴۵ نزول کی زمین کو سرکار سے خریدنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔
- ۱۶۸ مردہ پھونکنے والوں کے ہاتھ لکڑی بچپنا جائز ہے اس کام میں اس کی اعانت کی نیت نہ کرے۔
 ۱۶۸ بھنگ پینے والوں کے ہاتھ اس کی بیع ناجائز ہے البتہ دوا کے طور پر اس کی بیع جائز ہے۔
- ۱۶۸ اقیون کی بیع دوا کے خارجی استعمال کے لئے جائز ہے اور کھانے کے لئے حرام ہے۔
 ۱۷۰ مردار کی بیع حرام ہے۔
 ۱۷۱ قبرستان کی بیع حرام، بائع کو قیمت

- ۳۲۲ صدقہ مشاع جائز ہے۔
- ۳۲۵ جس طرح بڑے کام سے بچنا ضروری ہے بڑے نام سے بچنا بھی ضروری ہے۔
- ۳۲۶ کم و بیش پر نوٹ کی بیع ہندو مسلمان سب سے جائز ہے۔
- ۳۲۷ شرعی مجبوری پر سودی قرض لے سکتے ہیں۔
- ۳۳۳ معاملہ باطل کو ایما نذاری کا نام دینا حرام ہے۔
- ۳۳۹ پراویڈنٹ فنڈ میں کٹی ہوئی رقم پر جو زائد رقم بنام سود ملتی ہے غیر مسلم لوگوں سے مال مباح سمجھ کر لینے میں حرج نہیں۔
- ۳۴۰ کوآپریٹو بینک بنا کر سود پر چلانا حرام ہے۔
- ۳۴۲ کافر کو دھوکا دینا جائز نہیں۔
- مسلمانوں کے کوآپریٹو بینک کا سودی کاروبار حرام ہے اور ایسے بینک کا ممبر بننا اعانت علی الاثم ہے۔
- ۳۴۳ مسلم بینک سے زائد رقم نہ اپنے لئے وصول کر سکتے ہیں نہ کسی انجمن کے لئے۔
- ۳۴۴ جس میں صرف منافع سے واسطہ رہے نقصان کی ذمہ داری نہ ہو جائز نہیں۔
- ۳۴۸ کس کس کافر کا مال کس کس صورت میں مسلمان کو لینا جائز ہے۔
- ۳۴۸ غدر اور بدعہدی مطلقاً ہر کافر سے بھی حرام ہے۔
- ۳۴۸ مال مباح کو عقد فاسد سے حاصل کرنے میں اگر بدنامی کا ڈر ہو کہ جاہل عوام سود خور مشہور کریں گے تو اس سے بچنا چاہئے۔
- ۳۰۱ لینا حرام ہے۔
- ۳۰۲ مال مباح یا اپنا حق عقود فاسدہ کے ذریعہ بھی وصول کر سکتے ہیں۔
- ۳۰۳ ممنوعہ رقم مدرسہ اسلامیہ میں بھی صرف کرنا منع ہے۔
- ۳۰۹ شربت بھی شراب سمجھ کر پینا حرام ہے۔
- ۳۱۱ کسی حلال معاملہ کو کسی نے حرام یقین کیا اور حرام سمجھ کر ہی اسے برتا تو وہ اللہ تعالیٰ کا مجرم ہوا۔
- ۳۱۱ دور سے کسی کپڑے کو اجنبی عورت سمجھ کر اس کو نظر بد سے دیکھا گنہ گار ہوا۔
- ۳۱۱ بغیر کسی مصلحت کے کسی حلال چیز کا حرام نام رکھنا مکروہ ہے۔
- ۳۱۲ مصلحت شرعی سے بوی کو بہن کہنے کی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فعل سے سند۔
- ۳۱۲ مفتی بیریہ ہے کہ مستحق اپنا حق بہر حال لے سکتا ہے جنس حق سے خواہ خلاف جنس سے۔
- ۳۱۴ دار الحرب میں غدر اور رباہر بالاتفاق حرام ہیں۔
- ۳۱۴ شرمگاہ حلال ہونے کا شرع نے ایک مخصوص طریقہ بتایا ہے۔
- ۳۱۴ مال صاحب مال کی رضا سے حلال ہے۔
- ۳۱۹ مال مباح کا غضب و سرقہ جائز ہے۔
- ۳۲۰ قرض دیتے وقت زائد دینے کی شرط نہ ہو نہ لفظاً نہ عرفاً، تو زائد دینا جائز ہے۔

- ۳۸۱ برے کام اور بڑے نام دونوں سے بچنا چاہئے۔
- ۳۸۲ فوط کی بیع تفاضل و نسبہ ہر طرح ہر ایک سے جائز ہے۔
- ۳۵۰ بلا وجہ شرعی آپس میں ایک دوسرے کا مال کھانا از روئے قرآن ممنوع ہے۔
- ۳۵۵ اشکریا یا ناپسندیدہ پر اطلاع دینا مناسب ہوتا ہے۔
- ۳۵۸ وعدہ کی وفا پر قضاء جبر نہیں۔
- ۳۵۹ عقد بلا شرط ہو اور شرط بطور وعدہ ہو تو وعدہ کی وفا پر جبر ہو سکتا ہے۔
- ۳۵۹ نفع کے علاوہ تمام ایسے قرضے جو طرفین پر مساوی قدر و حیثیت کے ہوں ادل بدل ہو کر ساقط ہو جاتے ہیں۔
- ۳۶۰ عقد فاسد گناہ اور گناہ کا ازالہ فرض ہے۔
- ۳۶۰ ارزانی کے وقت روپیہ سے اشرافی خرید کر گرانی کے وقت زائد پر بیچنا جائز ہے۔
- ۳۶۳ فوط کی بیع کم و بیش پر جائز ہے اور ترض دے کر ایک پیسہ زائد لینا حرام ہے۔
- ۳۶۹ قرض دینے سے اعراض خلاف اولیٰ ہے۔
- ۳۶۹ بطور قرض دس کا نوٹ دے کر بارہ لینا حرام اور سود ہے۔
- ۳۷۰ استغراق بے قبضہ کچھ نہیں، اور قبضہ کے بعد رہن ہے اس سے انتفاع حرام ہے۔
- ۳۷۹ وعدہ توڑنے پر آدمی گنہگار ہوتا ہے مگر ایفائے عہد پر شرع کی جانب سے جبر نہیں۔
- ۳۷۹ کفالت بالمال شرعاً جائز ہے۔
- ۳۷۹ معصیت بچنے کی جدوجہد کرنا لازم ہے۔
- ۳۷۹ برے کام اور بڑے نام دونوں سے بچنا چاہئے۔
- ۳۷۹ فوط کی بیع تفاضل و نسبہ ہر طرح ہر ایک سے جائز ہے۔
- ۳۷۹ بلا وجہ شرعی آپس میں ایک دوسرے کا مال کھانا از روئے قرآن ممنوع ہے۔
- ۳۷۹ اشکریا یا ناپسندیدہ پر اطلاع دینا مناسب ہوتا ہے۔
- ۳۷۹ وعدہ کی وفا پر قضاء جبر نہیں۔
- ۳۷۹ عقد بلا شرط ہو اور شرط بطور وعدہ ہو تو وعدہ کی وفا پر جبر ہو سکتا ہے۔
- ۳۷۹ نفع کے علاوہ تمام ایسے قرضے جو طرفین پر مساوی قدر و حیثیت کے ہوں ادل بدل ہو کر ساقط ہو جاتے ہیں۔
- ۳۷۹ عقد فاسد گناہ اور گناہ کا ازالہ فرض ہے۔
- ۳۷۹ ارزانی کے وقت روپیہ سے اشرافی خرید کر گرانی کے وقت زائد پر بیچنا جائز ہے۔
- ۳۷۹ فوط کی بیع کم و بیش پر جائز ہے اور ترض دے کر ایک پیسہ زائد لینا حرام ہے۔
- ۳۷۹ قرض دینے سے اعراض خلاف اولیٰ ہے۔
- ۳۷۹ بطور قرض دس کا نوٹ دے کر بارہ لینا حرام اور سود ہے۔
- ۳۷۹ استغراق بے قبضہ کچھ نہیں، اور قبضہ کے بعد رہن ہے اس سے انتفاع حرام ہے۔
- ۳۷۹ وعدہ توڑنے پر آدمی گنہگار ہوتا ہے مگر ایفائے عہد پر شرع کی جانب سے جبر نہیں۔
- ۳۷۹ کفالت بالمال شرعاً جائز ہے۔
- ۳۷۹ معصیت بچنے کی جدوجہد کرنا لازم ہے۔
- ۳۷۹ اس سے لیا ہوا سود واپس نہ کرنا حرام ہے۔
- مسئلہ کی تصدیق عمل صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
- تہمت کی جگہوں سے بچنا چاہئے۔
- مباح صورتوں میں سے کچھ صورتیں قانوناً جرم ہیں ان سے بھی بچنا چاہئے۔
- کپڑے کو عورت سمجھ کر نظر بد سے دیکھنا گناہ ہے۔
- ملک خبیث اس کے اصل مالک کو، وہ نہ ہو توفیق کو دینا ضروری ہے، خود کھانا حرام ہے۔
- ورثہ مال متعین کے بارے میں ملک خبیث ہونا معلوم ہو تو وہ بھی وہی کریں اور معلوم نہ ہو یا سب مخلوط ہوں تو ورثہ کے لئے جائز ہے۔

حیل

- غیر مسلم جو ذمی اور مستامن نہ ہو اپنی رضا سے کسی
عذر کے بغیر عقود فاسدہ کے نام سے جو رقم
- ۳۲۵ دے اس کا لینا جائز ہے۔ ۹۲
- ۱۷۵ حرام جان کر سود لینا دینا فسق و فجور اور حلال جان کر
۳۸۲ ایسا کرنا کفر و ارتداد ہے۔
- ۳۴۱ بوہرے رافضی مرتد ہیں۔
- ۳۴۸ ہر مرتد کافر بلکہ کافروں کی بدتر قسم ہے۔
- ۳۴۸ کفار ہندی ذمی و مستامن نہیں۔ ۳۸۳
- ۳۴۹ مرتد اور حربی سے عقود فاسدہ کا حکم۔ ۳۸۳
- ۳۵۰ عقود فاسدہ مع الحربی کی مزید چند صورتیں۔
- ۳۵۲ مال حرام فقیر کو دے کر ثواب کی امید رکھنا
کفر ہے۔
- فقیر نے یہ معلوم ہوتے ہوئے کہ اس نے مال حرام
دیا اس کے لئے دعا کی تو وہ بھی تجدیداً اسلام کرے۔ ۳۸۵
- ۳۸۶ ہندوستان دارالاسلام ہے البتہ یہاں کے
غیر مسلم حربی ہیں، ان سے نفع حاصل کرنا
جائز ہے۔ ۴۹۴
- ۳۵۶ اہل حرب کا مال غیر معصوم ہے۔ ۶۲۹
- ۳۶۸ جو کافر دارالحرب میں ایمان لایا اور دارالاسلام
کی طرف ہجرت نہ کی اس کا مال بھی غیر معصوم ہے۔ ۳۶۸
- مستامن کافر ہی کیوں نہ ہو اس کا مال
محفوظ ہے۔ ۳۶۹
- دارالاسلام میں بھی حربی غیر مستامن کا مال
غیر محفوظ ہے۔ ۳۶۹
- ۳۱۴
- بیع بالوفا کو ختم کرنے کی مختلف شرعی صورتیں۔
کچی کھیتی خریدنے کا حیلہ۔
مستقرض سے انتفاع کی ایک صورت۔
مستقرض اپنی کسی جائداد سے مقرض کو فائدہ
پہنچانا چاہے تو مقرض کو نوکر رکھ لے اور معمول
سے زیادہ معاوضہ دے۔
مستقرض سے انتفاع کی چند جائز صورتیں۔
قرضخواہ کے پاس قرض دار اپنی کوئی چیز امانت
رکھے اور اس کی حفاظت و نگرانی کا ماہانہ کچھ
مقرر کر دے مگر یہ خیال رہے کہ اجرت اس چیز
کی قیمت سے زائد نہ ہونا چاہئے، مستقرض سے
انتفاع کی یہ بھی ایک صورت ہے۔
وقفی رہن سود ہے۔
سود سے بچنے کی تدبیر۔
سود سے بچنے کی ترکیبیں۔
ایسی تدبیروں کا قرآن و حدیث سے ثبوت۔
کلابتو کی جائز بیع کا آسان طریقہ۔
- حربی کے مال میں ربا نہ ہونے کی شرط میں دارالحرب
کی قید مستامن کے نکلنے کے لئے ہے، حربی
مستامن کا مال دارالاسلام میں بھی
حلال ہے۔

سیر

۳۴۱ لعنت آتی ہے۔

۳۴۱ سود ہندہ سود گیرندہ بھی ہو تو ڈبل ملعون ہے۔

۳۵۱ ربا زنا سے بدرجہا بدتر ہے۔

ربا تہتر گنا ہوں کا مجموعہ ہے جن میں سے کتر

۳۵۱ یہ ہے کہ آدمی اپنی ماں سے زنا کرے۔

۳۶۳ حرمت سود کی وعیدیں۔

سود کے کاروبار میں شریک چار قسم کے

۳۶۳ آدمیوں پر لعنت ہے۔

۳۷۹ سود کا مال ملک خبیث ہے۔

۳۹۱ سود لینے پر وعیدیں۔

حدود و تعزیر

۳۸۰ علانیہ سود خور کا مقاطعہ کرنا چاہیے۔

۴۱۰ نوٹ کی چوری پر حاکم اسلام ہاتھ کاٹے گا۔

فضائل و مناقب

صاحب درمختار سے علماء کبار سلفاً خلفاً

۲۵۱ استناد کرتے آئے ہیں۔

۲۵۳ قاضیخان کو رتبہ اجتہاد حاصل تھا۔

۳۵۱ اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاک ہی کو قبول فرماتا ہے۔

۴۶۹ سب سے افضل کسب کون سا ہے۔

تاریخ و تذکرہ

۴۴۶ مولوی عبدالحی لکھنوی صاحب کی عادت۔

۴۷۹ دولت عثمانیہ کے واقعہ کا ذکر۔

نوٹ ایک نوپیدا چیز ہے فقہائے مصنفین کے زمانہ

ایک اونٹنی نذر کے بدلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چھ ناکے عطا فرمائے۔

ترغیب و ترہیب

زمین پر ناجائز قبضہ کرنے والوں کی اخروی سزا کا بیان۔

ہمسایہ پر ظلم کی مذمت۔

سود کی وعیدوں کے بیان کی احادیث۔

سود کے زنا سے ۳۳ درجہ بدتر ہونے کی تین حدیثیں۔

اس مضمون کی تین حدیثیں کہ سود کا ایک درم ۳۶ بار زنا کے گناہ کے برابر ہے۔

دس حدیثیں کہ سود کے ستر سے زیادہ گناہ

جن میں ادنیٰ گناہ ماں سے زنا کے برابر۔

سود سے متعلق چار آدمیوں پر لعنت۔

بے نمازی عورت کے ساتھ رہنے سے اس کے مہر کا قرضدار ہو کر مرنا بہتر ہے۔

سودی کاروبار میں معاونت کرنا بھی گناہ ہے۔

مسلمان کی بدخواہی اور ضرر سانی پر

احادیث وعید۔

سودی کاروبار پر قرآن و حدیث کی وعیدیں۔

سودی لین دین میں دین و دنیا کی بربادی کا بیان۔

سود کھانے والے، کھلانے والے، لکھنے والے

اور اس پر گواہی دینے والے پر حدیث میں

میں اس کا وجود نہ تھا۔

امانت

- ۱۲۱ مال نہیں ہیں۔ ۶۰۱
 ۱۵۱ بیع میں ملاوٹ کا علم تین طرح ہوتا ہے۔
 درر کی ایک عبارت کی توضیح اور شامی سے
 ۱۵۴ استشہاد۔ ۱۰۲
 ۱۷۴ شامی کے قول کی توضیح۔
 ۱۷۹ عبارت فتح کی توجیہ اور شامی پر تطفل۔
 ۱۸۱ شامی پر دوسرا تطفل۔ ۳۱۵
 ۱۸۲ شامی پر تیسرا تطفل۔

قمار

- علامہ بکر کی تعریف میں لفظ بمایتعین کی تصحیح
 سے متعلق مصنف کی تحقیق۔ ۱۶۱
 ۲۲۲ کفایہ، عنایہ، سعدی آفندی، جامع الرموز
 اور درمختار پر تطفل۔ ۲۲۳
 ۳۲۹ ہدایہ کی تعریف پر عنایہ کا اعتراض، اور اس
 ۲۲۸ اعتراض پر مصنف کی گرفت۔ ۳۳۱
 ۳۳۱ بحر الرائق میں لفظ مسایتعین کے بعد غیر ربوی
 ۲۳۳ قبل بجنسہ کے اضافہ کی ضرورت تھی۔ ۳۳۲
 ۲۳۳ حسن شرنبلالی کے ایک اعتراض کا جواب۔ ۲۳۳
 ۲۳۴ نوٹ مال ربوی نہیں۔
 درمختار کی ایک عبارت کی توضیح اور علامہ شامی
 کی تائید۔ ۳۶۵
 ۲۶۶ فتاویٰ خیریہ کی مسئلہ سے غیر متعلق تحریر کی توضیح۔
 ۳۳۰ خوف اور طمع انسان کو جدوجہد پر ابھارتے ہیں۔
 ۳۴۵ ایک فقہی عبارت کا مطلب۔
 ۴۰۵ معروضہ علی الشامی۔
 قسم سوم۔

قمار کی ایک صورت اور اس کی حرمت کا بیان۔
 روپیہ دے کر غلہ کی خریداری کا معاملہ کیا یہ مسلم ہوئی،
 جوئے کی ایک نئی صورت کا تفصیلی بیان اور
 اس کا شرعی حکم۔

چھٹی بھی قمار کی ایک صورت ہے۔

قمار میں غش و ضرار ہوتا ہے۔

چھٹی کے ذریعہ مال کی فروخت ہوا ہے۔

بیمہ عقد شرعی نہیں، یہ ہوا ہے، غیر مسلم کمپنی

سے یہ معاملہ اس شرط کے ساتھ مقید ہے

کہ کوئی غیر شرعی پابندی نہ ہو اور ہر طرح اپنا

نفع ہو۔

متفرقات

- بحر اور درر کے ایک جزئیے کی تضعیف۔ ۹۷
 مال آنے جانے والی چیز ہے۔
 خون، مردار اور مٹی اشیار تو ہیں مگر
 ۱۱۸ معروضہ علی الشامی۔
 قسم سوم۔

۴۴۱	معروضہ بر علامہ شامی ۲۔	۴۰۶	تطفل علی تنزیر الابصار۔
۴۴۱	علامہ قاری ہدایہ پر تفضلات۔	۴۱۵	تنزیر پر تطفل۔
۴۴۲	فتح القدير پر تطفل۔		ملک ہند کی وسعت اور اس کے طول و عرض
۴۶۴	خانہ پر تطفل۔	۴۱۸	کی حدیں۔
۴۷۵	تطفل علی الفتح۔	۴۲۰	عادت کا چھوڑنا خود اپنے ساتھ عداوت کرنا ہے۔
	حضرت علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے	۴۲۲	مسئلہ فنیہ کی ایک توجیہ۔
۶۲۵	ایک وہم کا بیان۔		اس معنی کی تضعیف جو علماء نے جامع صغیر
۶۲۵	بحر کے کلام کی تفسیر تقریر۔		کی عبارت سے سمجھا اور علامہ شامی نے
۶۲۶	مختصر کرخی کے کلام کی تفسیر و توجیہ۔		قاری ہدایہ کی اس سے تائید کی ، اور ذخیرہ
۶۳۶	مبسوط اور جامع صغیر کی عبارتوں سے دفع تدافع	۴۳۰	بکر وغیرہ پر تطفل۔
۶۳۶	علامہ شامی پر تطفل۔	۴۴۱	معروضہ بر علامہ شامی ۱۔

کتابُ البیوع

(خرید و فروخت کا بیان)

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیانِ شرع متین اس صورت میں کہ زید نے کہا میں اپنا مکان بیچتا ہوں، عمرو نے کہا میں خرید کروں گا، دونوں آپس میں راضی ہوئے قیمت قرار پاگئی، زید نے عمرو سے بیعانہ بھی لے لیا اور کاغذ واسطے تحریر بیعنامہ کے خرید کر لایا، اس صورت میں شرعاً بیع تمام ہوگئی یا نا تمام رہی؟ **بَيِّنُوا تَوْجَرُوا** (بیان کیجئے اجر پائے۔ ت)

الجواب

ہر چند صورتِ مستفسرہ میں الفاظِ ایجاب و قبول نہ پائے گئے کہ خرید کروں گا صیغہ استقبالی ہے اور یہاں درکار ماضی یا حال، لیکن اگر متعارف ان بلاد و امصار میں یوں ہے کہ بعد گفتگوئے مساومت و قرارداد قیمت بیعانہ دینا اور لینا مستلزم تمام بیع ٹھہرتا ہے اور بعد اس کے تنہا ایک عاقد عقد سے رجوع نہیں کر سکتا اگرچہ الفاظِ ایجاب و قبول درمیان نہ آئے ہوں تو بیع تمام ہوگئی کہ مقصود ان عقود میں معنی ہیں نہ کہ لفظ، اور اصل مدائرتراضی طرفین قولاً ظاہر ہو خواہ فعلاً، اسی لئے تعاطی مثل ایجاب و قبول لزوم بیع کا سبب قرار پائی، گویا عاقدین زبان سے کچھ نہ کہیں کہ عادت محکم ہے اور تعارف معتبر، اور جو حکم عرف پر مبنی ہوتا ہے اس کے ساتھ دائر رہتا ہے، جب یہ فعل مثل الفاظِ مظهر تراضی ہوا تو انھیں کی طرح موجب تمام بیع ہوگا،

فی الهدایة والمعنی هوالمعتبر فی هذه
العقود ولهذا ینعمد بالتعاطی

ہدایہ میں ہے کہ ان عقود میں معنی ہی کا اعتبار ہوتا ہے
اسی لئے بڑھیا اور گھٹیا چیزوں میں بیع تعاطی منعقد

فی النفیس والخیس هو الصحیح لتحقق
المرضاة۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلیہ التم۔

ہو جاتی ہے اور یہی صحیح ہے کیونکہ باہمی رضامندی
متحقق ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلیہ التم (ت)

مسئلہ از ریاست رامپور محلہ سبز منڈی مرسلہ سید مقبول حسین صاحب وکیل ۲۱ محرم ۱۳۳۲ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین بیچ اس مسئلہ کے کہ زید نے ایک مکان متروکہ چھوڑا
مسمیٰ عمر و اس کا پسروارث مع الحصر ہے مگر وہ نابالغ تھا دیگر شخص غیر وارث نے بہ زمانہ نابالغی مسمیٰ عمر و مکان
مذکور کو اپنی ملکیت قرار دے کر بدست بکر بیع کر دیا بکر نے قبضہ کر لیا بعد بلوغ مسمیٰ عمر و نے بحالت غیر قابض مکان
مذکور بدست خالد بیع کر دیا خالد بذریعہ دستاویز بیعنامہ اقراری عمر و بنام بکر و نیز عمر و دعویٰ اربعہ و خلیابی
مکان مذکور ہے عمر و کو بیع کر دینا تسلیم ہے اور دعویٰ سے اقبال ہے بکر قابض مکان بیع موسومہ خود کو حجت
گردان کر منکر دعویٰ ہے اور مسئلہ شرعی مقدور التسلیم کا عذر کرتا ہے۔ کیا صورت مذکورہ بالا میں مسئلہ مقدور
التسلیم شرعاً متعلق ہو سکے گا اور مسئلہ مذکور کے حقیقی معنی اور اس کی مثال بھی تحریر فرمائیے تاکہ عام فہم
ہو جائے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

عمر و نے جس وقت خالد کے ہاتھ بیع کی اگر عمر و اس وقت گواہان عادل شرعی اس امر پر رکھتا تھا کہ یہ
مکان میری ملک ہے بکر و بالغ بکر غاصب ہیں جب تو بیع عمر و بدست خالد صحیح و تام و نافذ واقع ہوئی مکان
ملک خالد ہو گیا، خالد کا دعویٰ صحیح ہے بوجہ وجود بنیہ عادلہ، عمر و کو حکماً قدرۃ علی التسلیم حاصل تھی اور اسی
قدر صحت و نفاذ بیع کے لئے کافی ہے حقیقتہً مقدور التسلیم فی الحال ہونا کسی کے نزدیک ضرور نہیں، غلام کو
کسی کام کے لئے ہزار کوس پر بھیجا اور یہاں اُسے بیع کر دیا، بیع صحیح ہوگی کہ عادتاً اس کا واپس آنا منطون
ہے اگرچہ احتمال ہے کہ سرکشی کرے اور بھاگ جائے، کیونکہ بے ہوشی کے صبح اڑائے جاتے اور شام کو گھر پلٹ
آتے ہیں، ان کی غیبت میں بیچے بیع صحیح ہے کہ رجوع مرجوح ہے تو قدرۃ علی التسلیم حکماً حاصل ہے یوں ہی
جب بنیہ عادلہ موجود ہے تو ڈگری ملنے کی امید قوی ہے تو یہاں بھی قدرۃ حکمیہ حاصل، اور یہی بس ہے،
اسی طرح اگر غاصب مقرر غصب و ملک مالک ہوتا جب بھی بیع مالک صحیح و نافذ ہوتی کہ اقرار بھی حتی مقرر میں مثل
بنیہ حجت ملزمہ ہے بلکہ اس سے بھی اقوی، ولہذا اگر منکر بعد اقامت بنیہ اقرار کر دے حکم بر بنائے اقرار
ہوگا نہ کہ بر بنائے بنیہ، ہاں اگر وقت بیع عمر و نہ بکر مقرر ملک عمر و تھا، نہ عمر و کے پاس بنیہ شرعیہ، تو اب

ضرور مسئلہ اشتراط قدرۃ علی التسلیم عامہ ہوگا، ظاہر ہے کہ اس صورت میں عمر کو نہ حقیقتاً قدرۃ تسلیم ہے نہ حکم کہ بے اقرار و بینہ ڈگری ملنا ہرگز منظون نہیں، تو یہ غلام آبی کی مانند ہوا جو سرکشی کر کے بھاگ گیا اور غائب ہے، مالک اگر اسے بیع کرے گا ہرگز صحیح نہ ہوگی، یونہی نیا کبوتر کہ اڑ گیا اور پلا ہوا نہیں کہ واپسی منظون ہو اس کی بیع بھی جائز نہیں کہ قدرۃ علی التسلیم مفقود ہے، اگر یہ صورت تھی تو خالد کو دعویٰ کا کوئی حق نہیں، قدرۃ تسلیم میں ہمارے ائمہ کے دو قول ہیں، دونوں باقوت، اول یہ کہ وہ شرط انعقاد ہے کہ بے اس کے بیع باطل محض ہے، دوم شرط صحت بیع ہے کہ بے اس کے بیع فاسد ہے، پہلے قول پر تو ظاہر ہے کہ نہ خالد مشتری ہے نہ عمر و بائع، اجنبی محض کو دعویٰ کا کیا اختیار اور قول ثانی پر جبکہ بیع فاسد ہے اور بیع فاسد میں مشتری بے قبضہ مالک نہیں ہوتا پھر جبکہ فساد بوجہ عدم قدرۃ تسلیم ہے اور بیع فاسد میں ارتفاع مفید بیع کو صحیح کر دیتا ہے تو صحت بیع اس پر موقوف ہوتی کہ بکر مقرر ہو جائے یا کوئی بینہ عادلہ ہاتھ آئے لہذا یہ بیع موقوف بھی ہوتی جیسے بیع مکروہ فاسد بھی ہے اور موقوف بھی اور بیع موقوف بھی مفید ملک مشتری نہیں ہوتی تو بہر طور اس صورت میں خالد کے لئے مکان میں ملک نہیں، نہ اسے مکان پر دعویٰ پہنچے۔ عالمگیر یہ میں ہے :

اذا باع المصوب من غیر الغاصب فهو موقوف هو الصحیح فان اقر الغاصب تم البیع ولزمه . وان جهد و للمصوب منه بینة فکذا کذا فی الغیاشۃ وان لم یکن له بینة ولم یسلمه حتی هلك انتقض البیع کذا فی الذخیرۃ

مالک نے مفسوب کو غاصب کے غیر کے ہاتھ بیچا تو صحیح یہ ہے کہ وہ بیع موقوف ہوگی، اگر غاصب نے اقرار کیا تو بیع تام و لازم ہوگی، اگر اس نے انکار کیا اور مفسوب منہ کے پاس گواہ موجود ہیں تب بھی یہی حکم ہے یونہی غیاشیہ میں ہے، اگر اس کے پاس گواہ موجود نہیں اور وہ بیع کو مشتری کے حوالے نہ کر سکا حتی کہ بیع ہلاک ہو گیا تو بیع ٹوٹ گئی یونہی ذخیرہ میں ہے۔ (د ت) در مختار میں ہے :

وقف بیع المالك المصوب علی البینة لو اقر اس الغاصب۔ مالک کا مفسوب کو فروخت کرنا غاصب کے اقرار یا گواہوں کے موجود ہونے پر موقوف ہوگا (ت)

۱۱۱/۳ نوری کتب خانہ پشاور کتاب البیوع الباب التاسع الفصل الثالث
۳۱/۲ مطبع مجتہاتی دہلی فصل فی الفضولی

خانیہ میں قبیل فصل شرط مفسدہ ہے :

باع المصوب من غیر الغاصب ان كان
الغاصب جا حدا يدعى انه له ولم يكن
للمصوب منه بينة لا يجوز بيعه وان
كان له بينة جائز بيعه

تتویر میں ہے :

فسد بيع طير في الهواء لا يرجع وان يطير
ويرجع صح

ردالمحتار میں ہے :

قال في الفتح لات المعلوم عادة
كالواقع وتجويز كونها لا تعود او
عرض عدم عودها لا يمنع
جواز البيع كتجويز هلاك المبيع
قبل القبض ثم اذا عرض الهلاك
الفسخ كذا هنا وفي النهر
فيه نظرات من شروط
صحة البيع القدسية على
التسليم عقبه ولذا لم
يجز بيع الأبت اه قال
ح فرق ما بين الحمام و
والأبق فان العادة لم تقض بعودة

مالک نے مغبوب کی بیع غیر غاصب کے ہاتھ کر دی
در انحالیکہ غاصب منکر غصب ہے اور اپنی ملکیت
کا دعویٰ دار ہے اور مغبوب منہ کے پاس گواہ بھی
نہیں ہیں تو بیع جائز نہیں اور اگر اس کے پاس
گواہ موجود ہیں تو بیع جائز ہے (ت)

ہوا میں اس پرندے کی بیع فاسد ہے جو واپس
نہ آئے اور اگر وہ اڑتا ہے اور پھر واپس آجاتا
ہے تو ہوا میں اس کی بیع جائز ہے (ت)

فتح میں فرمایا اس لئے کہ معلوم عادی واقع کی
مثل ہے محض اس بات کا امکان کہ وہ (پرنے)
واپس نہ آئیں گے یا عدم رجوع کا انھیں عارض
ہو جانا جواز بیع سے مانع نہیں جیسا کہ قبضہ سے
قبل ہلاک مبیع کا امکان مانع بیع نہیں پھر اگر
مبیع کو ہلاکت عارض ہوگئی تو بیع فسخ ہو جائیگی
ایسا ہی یہاں بھی ہوگا اھ۔ اور نہر میں ہے کہ
اس میں نظریہ ہے کیونکہ صحت بیع کی شرطوں میں سے
ہے کہ بیع کے بعد تسلیم مبیع پر قدرت ہو، اسی لئے
بھاگے ہوئے غلام کی بیع ناجائز ہے اھ۔
ح نے فرمایا کہ صاحب نہر نے کبوتر اور غلام
میں فرق کیا ہے کہ عادت بھاگے ہوئے غلام کے

۱۔ فتاویٰ قاضی خاں کتاب البیوع فصل فی بیع اباطل مطبع نوکشتور کھنؤ ۳۲۲/۲
۲۔ الدر المختار شرح تنویر الابصار باب البیع الفاسد مطبع مجتہبائی دہلی ۲۴/۲

واپس آنے کا حکم غالباً نہیں کرتی بخلاف کبوتر کے، اور بیع کے بعد بیع کے مقدور التسليم ہونے کے اشتراط کا جو دعویٰ صاحب نہر نے کیا ہے اس سے مراد اگر قدرت تسلیم حقیقتاً ہے تو یہ ممنوع ہے ورنہ بیع کا مجلس عقد میں حاضر کرنا ضروری ہوگا حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے اور اگر حکماً ہے جیسا کہ اس کے بعد خود انھوں نے ذکر کیا تو ہمارا زیر بحث مسئلہ بھی ایسا ہی ہے کیونکہ عادی کبوتر کے ٹوٹ آنے کا حکم کرتی ہے اور یہی کہتا ہوں یہ قوی ہے پس یہ اس غلام کی نظر ہے جسے مالک کے کام کے لئے کہیں بھیجا گیا ہو کیونکہ اس کی بیع جائز ہے، اور فقہانے اس جواز

کی علت یہ بیان کی وہ غلام بوقت بیع حکماً مقدور التسليم ہے کیونکہ ظاہر اس کا ٹوٹ آنا ہے (ت) درمختار میں ہے :

اگر بھاگے ہوئے غلام کو فروخت کیا پھر وہ ٹوٹ آیا اور اس کو مشتری کے حوالے کر دیا تو اس قول کے مطابق بیع تام ہو جائے گی جس قول میں اس بیع کو فاسد قرار دیا گیا اور کمال نے اس کو ترجیح دی اور جس قول میں اس بیع کو باطل قرار دیا گیا اس کے مطابق بیع تام نہ ہوگی اور یہی زیادہ ظاہر

روایت ہے، ہدایہ وغیرہ نے اس کو اختیار کیا اور تلخی وغیرہ اس پر ہی فتویٰ دیتے تھے، بحر، ابن کمال (ت) ہندیہ میں محیط سے ہے :

اسی کو اخذ کیا ہے ہمارے مشائخ کی ایک جماعت نے، اور اسی پر ابو عبد اللہ بلخی فتویٰ دیتے

غالباً بخلاف الحمام، وما ادعاه من اشتراط القدرة على التسليم عقبه ان اس اذ به القدرة حقيقة فهو ممنوع والا لاشترط حضور المبيع مجلس العقد واحد لا يقول به، وان اس اذ به القدرة حكما كما ذكره بعد هذا فما نحن فيه كذلك لحكم العادة بعودة المثلت وهو وجيه فهو نظير العبد المرسل في حاجة المولى فانه يجوز بيعه وعلوه بانه مقدور التسليم وقت العقد حكما اذا الظاهر عودة.

لوبياعه (امى الأبق) ثم عاد وسلمه يتم البيع على القول بفساده ورجحه الكمال وقيل لا يتم على القول ببطلانه وهو الاظهر من الرواية واختاره في الهداية وغيرها وبه كان يفتى البلخي وغيره، بحر و ابن كمال

وبه اخذ جماعة من مشايخنا وبه كان يفتى ابو عبد الله البلخي وهكذا ذكر شيخ

لہ ردالمحتار کتاب البیوع باب البیع الفاسد دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۰۴/۲
مطبع مجتہبی دہلی ۲۵/۲

شیخ الاسلام نے یونہی ذکر فرمایا ہے۔ (ت)
 نیز غیاثیہ میں ہے، قالوا المختار هذا (مشائخ نے فرمایا یہی مختار ہے۔ ت) ردالمحتار
 میں ہے،

قال في الفتح والحق ان الاختلاف فيه
 بناء على الاختلاف في انه باطل او فاسد
 وانك علمت ان ارتفاع المفسد في
 الفاسد يرد صحاحالات البيع قائم
 مع الفساد ومع البطلان لم يكن قائما
 بصفة البطلان بل معدوما، فوجه
 البطلان عدم قدرة التسليم، ووجه
 الفساد قيام المالية والملك، والوجه
 عندى ان عدم القدرة على التسليم
 مفسد لا يبطل

فتح میں فرمایا، حتیٰ یہ ہے کہ اس میں اختلاف اس
 اختلاف پر مبنیٰ ہے کہ یہ بیع باطل ہے یا فاسد،
 اور بیشک تو جانتا ہے کہ ازالہ مفسد سے بیع
 فاسد صحیح ہو جاتی ہے کیونکہ فساد کے باوجود بیع
 قائم رہتی ہے جبکہ بطلان کے سبب صفت بطلان
 کے بیع قائم نہیں رہتی بلکہ معدوم ہو جاتی ہے،
 پس بطلان کی وجہ قدرت تسلیم کا نہ ہونا ہے جبکہ
 فساد کی وجہ سے مالیت و ملک کا قیام ہے، اور
 میرے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ تسلیم بیع پر قادر
 نہ ہونا بیع کو فاسد کرنے والا ہے نہ کہ باطل
 کرنے والا۔ (ت)

ہندیہ میں محیط سے ہے،

وبه اخذ الكرخي وجماعة من مشايخنا
 وهكذا ذكر القاضي الاسبيجاني في
 شرحه

اور اسی کو اخذ کیا ہے کرخی اور ہمارے مشائخ
 کی ایک جماعت نے، اور قاضی اسپجانی نے
 اپنی شرح میں یونہی ذکر فرمایا ہے (ت)

نیز اسی سے بحوالہ غیاثیہ گزرا،

هو موقوف هو الصحيح أه وهو تصحيح

۱۱۲/۳	نورانی کتب خانہ پشاور	الفصل الثالث	الباب التاسع	كتاب البيوع	فتاویٰ ہندیہ
۱۴۳	مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ	الفصل الثاني			کے الفتاویٰ الغیاثیہ
۱۱۳/۴	دار احیاء التراث العربی بیروت	باب بیع الفاسد		كتاب البيوع	کے ردالمحتار
۱۱۲/۳	نورانی کتب خانہ پشاور	الفصل الثالث	الباب التاسع		کے فتاویٰ ہندیہ
۱۱۱/۳	"	"	"	"	کے

للقول بالفساد كما يتنا على هاشمها ولا غرو
جمع الفساد والتوقف في رد المحتار عن
البحران بيع المكره فاسد موقوف الخ
وتامه فيه وبه يحصل الجمع بين قول
الخانية في مسائلتنا لا يجوز بيعه وقول غيره
موقوف، والله سبحانه وتعالى اعلم وعلمه
جل مجده اتم واحكم عز شانہ احکم۔

کی تصحیح ہے جیسا کہ ہم نے اس کے حاشیہ پر
بیان کیا اور فساد و توقف کے جمع ہونے میں کوئی
تعجب نہیں۔ پس رد المحتار میں بکر کے حوالے سے
ہے کہ مکروہ کی بیع فاسد موقوف ہے الخ اور
اس کی مکمل بحث اس میں ہے اور اسی سے ہمارے
مسئلہ میں خانیہ کے قول کہ اس کی بیع ناجائز ہے
اور اس کے غیر کے قول کہ بیع موقوف ہے کے
درمیان تطبیق حاصل ہوگئی۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ واعلم جل مجدہ اتم واحکم عز شانہ احکم۔ (ت)

مسئلہ از شہر کہنہ ۲ محرم الحرام ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک شے کو فروخت کیا اس شرط پر کہ نصف
روپیہ وقت خریداری مال لیا اور نصف روپیہ وقت جانے مال کے کہ جو پہلی مرتبہ جائے گا ہم اپنا
آدمی بھیج کر منگالیں گے، زید نے آدمی نہ بھیجا، خریدار نے وہ نصف روپیہ اپنے طور پر اپنے آدمی کے
ہاتھ بھیج دیا، اب چونکہ نرخ اس مال کا بموجب فروخت حال کے دو چند ہو گیا لہذا زید کی اب یہ نیت
ہے کہ یہ روپیہ جو نصف مال کی قیمت کا آیا ہے واپس کرے اور مال نہ دے، اور یہ بھی واضح ہو کہ جو مال
زید سے لینا قرار پایا تھا وہ مال بھی نہ دیا اس سے کم قیمت کا دیا ہے۔ بیٹنوا تو جروا۔

الجواب

بیع ایجاب و قبول سے تمام ہو جاتی ہے، اور جب بیع صحیح شرعی واقع ہو لے تو اس کے بعد
بائع یا مشتری کسی کو بے رضا مندی دوسرے کے اس سے یوں پھر جاناروا نہیں، نہ اس کے
پھرنے سے وہ معاہدہ جو مکمل ہو چکا ٹوٹ سکتا ہے۔ زید پر لازم ہے کہ مال فروخت شدہ تمام و کمال
خریدار کو دے، ہدایہ میں ہے:

جب ایجاب و قبول حاصل ہو جائے تو بیع لازم ہو جاتی ہے
اور بائع و مشتری میں سے کسی کو فسخ کا اختیار حاصل
نہیں ہوتا سوائے اس کے کہ بیع میں کوئی عیب ظاہر
ہو جائے یا مشتری نے بوقت بیع اس کو دیکھا نہ ہو۔ (ت)

إذا حصل الإيجاب والقبول لزم البيع
ولا خيار لو احدى منهما الا من عيب
وعدم مهوية۔

۲/۴

دار احیاء التراث العربی بیروت

کتاب البیوع

رد المحتار

۲۵/۴

مطبع یوسفی بکنو

کے الہدیٰ

مال ناقص جو خلاف قرار داد زید نے بھیجا مشتری اسے واپس پہنچا کر اپنی اصل خریداری کا مال لے سکتا ہے جب کہ مشتری سے کوئی امر بائع واپسی نہ ہوا ہو مثلاً اسے دیکھنے کے بعد وہ قول یا فعل جو اسی مال پر راضی ہو جانے کی دلیل ہو۔ در مختار میں ہے :

(لہ) ای للمشتري (ان يردہ اذا سراه) الا اذا حملہ البائع لبیت المشتري فلا يردہ اذا سراه الا اذا اعاده الى البائع اشباه (و يثبت الخيار) للرؤية (مطلقاً غير موقت) بمدة هو الاصح، عناية، لاطلاق النص ما لم يوجد مبطله وهو مبطل خيار الشرط مطلقاً ومفيد الرضا بعد الرؤية لا قبلها، درر، اھ مختصراً، والله تعالى اعلم۔

اس کو یعنی مشتری کو اختیار ہے کہ بیع کو رد کر دے جب بیع کو دیکھے مگر جب بائع بیع کو مشتری کے گھراٹھا لایا ہو تو اب مشتری اسے دیکھنے پر رد نہ کیا ہو، ہاں اگر مشتری نے بیع کو بائع کی طرف لوٹا دیا تو رد ہو جائے گا۔

(اشباہ) اور خيار رویت مطلقاً ثابت ہوتا ہے کسی مدت کے ساتھ مقید نہیں ہوتا یہی زیادہ صحیح ہے (عناية) کیونکہ نص میں اطلاق ہے جب تک مبطل خيار رویت نہ پایا جائے اور اس کا مبطل وہی ہے جو خيار شرط کا مبطل ہے مطلقاً یعنی قولی ہو یا فعلی، اور وہ فعل یا قول بھی مبطل ہے جو مفید رضا ہو جبکہ وہ رویت کے بعد پایا جائے نہ کہ رویت سے پہلے، درر اھ مختصراً، والله تعالى اعلم (ت)

مسئلہ مسئلہ عظیم الدین افسر مدرس مدرسہ مسعودیہ درگاہ شریف حضرت سید مسعود غازی صاحب سالار، بروز شنبہ، ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کسی اراضی کا بیع کامل کب ہو سکتا ہے جبکہ مشتری پورا زرمن ادا کرے، اگر مشتری پورا نہ ادا کرے تو تا ادا کے زرمن کے اس اراضی کا حاصلات مشتری کو حلال اور مباح ہے یا نہیں اس صورت میں کہ اس نے زرمن پورا ادا نہیں کیا بائع سے کچھ روپیہ زرمن سود کا مشتری نے زرمن مجرایا ہے کچھ روپیہ مشتری بائع کو زائد زرمن دینا ظاہر کرتا ہے حالانکہ بائع کہتا ہے کہ یہ روپیہ بوجہ بذاقراری مجھے دیا گیا ہے یا بطور خیرات، پس یہ روپیہ زرمن سود میں جو مشتری نے بائع سے لیا ہے وضع ہو سکتا ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب

بیع ایجاب و قبول سے تمام ہو جاتی ہے، چیز بائع کے ملک سے نکل کر مشتری کی ملک میں داخل ہو جاتی ہے ہاں پہلے مشتری کو چاہئے کہ ثمن ادا کرے، بائع کو اختیار ہے کہ جب تک ثمن نہ لے بیع سپرد نہ کرے لیکن اگر اس نے بعض یا کل ثمن لینے سے پہلے بیع اس کے قبضہ میں دے دی تو اس سے جو کچھ منافع حاصل ہوں ملک مشتری ہیں مشتری کے لئے حلال ہیں مشتری نے بائع سے جو سود لیا وہ حرام قطعی ہے اور بیداقراری کے معاوضہ میں کچھ روپیہ برمانہ لینا بائع کو حرام ہے لیکن بائع یہ روپیہ اس سود میں مجرا لے سکتا ہے جو مشتری نے اس سے لیا تھا جبکہ اس کی مقدار سے زائد نہ ہو۔
واللہ تعالیٰ اعلم۔

مشکلہ از شہر گوندہ انجمن اسلامیہ مرزا محمود بیگ صاحب وکیل و سکریٹری
انجمن اسلامیہ گوندہ ۳ رمضان ۱۳۳۲ھ

خدمت مبارک میں نقل دستاویزات مورخہ ۶ فروری ۱۹۰۸ء و ۱۲ جنوری ۱۹۰۹ء بھیج کر استدعی ہوں کہ براہ مہربانی مطلع فرمائیے کہ آیا دستاویزات جائز ہیں بموجب دستاویزات مذکور الصدر کے انجمن اسلامیہ گوندہ نے مکانات سید مقبول احمد و سید منظور احمد بیع بالخیار لئے ہیں اور قبضہ انجمن کا اس طور پر ہے کہ علیحدہ سرخط کرایہ نامہ لکھا لیا ہے اور کرایہ مبلغ ۷۷۷ ماہ بہ ماہ انجمن وصول کرتی آئی ہے جو کرایہ وصول ہوتا ہے وہ مصارف انجمن پر خرچ ہوتا ہے، آیا یہ رقم کرایہ شرعاً جائز ہے اور انجمن اس کو جائز طور پر صرف کر سکتی ہے؟

الجواب

دونوں دستاویزیں ملاحظہ ہوئیں دونوں باطل محض ہیں، دو برس کے لئے بیع بالخیار شریعت مطہرہ میں کہیں نہیں، کرایہ کہ الٹا مالکان مکان سے غیر مالکوں نے لیا سب حیلہ باطلہ اور زرا سود ہے، انجمن پر فرض ہے کہ جتنا کرایہ اس وقت تک وصول کیا ہو مالکوں کو واپس دے یا اپنے دے ہوئے قرض میں مجرا کر کے اتنی رسید مالکوں کو دے دے۔ حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

كل قرض جر منفعة فهو ربا ولو یلہ ہر قرض جو منفعت کو کھینچے وہ سود ہے (ت)

یہ صورت حقیقہ رہن کی ہے خود باتوں نے دوسری دستاویز میں اُسے جائداد مستفرد کہا اور میعاد دو سال سے مکفول لکھا بس حقیقت اس قدر ہے باقی بیع کا بے معنی نام محض حیلہ خام ہے اور رہن بے قبضہ باطل ہے، قال اللہ تعالیٰ فرھن مقبوضۃ (اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تو رہن ہو قبضہ میں دیا ہوا۔ ت) نیز مالکوں کا اپنی ملک غیر مالکوں سے کرایہ پر لینا شدید باطل ہے تو اس ماہوار کی اصل حقیقت سود ہے اور بنام اجارہ باطلہ لینا اتنا بھی اثر نہ دے گا جو سود مردود کی ملک خبیث سے ہوتا بلکہ مالکوں کو تمام و کمال واپس دینا فرض ہے لعدم الملك فكان غصبا فوجب الرد و الضمان ہالکا (ملک نہ ہونے کی وجہ سے لہذا وہ غصب ہوگا تو اس کا لوٹانا اور ہلاکت کی صورت میں ضمان واجب ہوگا۔ ت) واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۶ از قبضہ سیون محلہ میرزا دکان بمقام مسجد میرزا دکان ضلع اناؤ مرسلہ قادر علی صاحب
۱۶ جمادی الآخر ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں،

(۱) بیع خیار کی تعریف کیا ہے؟

(۲) کیا شرائط اس میں ضروری ہیں اور انتہائے مدت اس کی کیا ہے؟

(۳) کیا بیع خیار میں شئی مبیعہ پر فوراً قبضہ ہونا چاہئے؟

(۴) اگر شئی مبیعہ پر قبضہ نہ ہوا تو بیع خیار قائم رہی یا نہیں؟

(۵) اگر شئی مبیعہ پر قبضہ تو نہیں ہوا بلکہ روپیہ کا منافع جس حساب سے باہمی ٹھہرا تھا وہ ملا کیا

تو بیع خیار قائم رہی یا نہیں؟

(۶) اگر بعد میعاد گزر جانے کے یہی مشتری بیع خیار طے شدہ منافع اپنا لیتا رہا جائداد پر قبضہ

نہیں کیا تو یہ منافع سود ہوا یا نہیں، جائز ہے یا ناجائز؟

(۷) کیا بالغ اندر میعاد بیع خیار جائداد کو اسی شخص یا کسی غیر شخص سے بیع کر کے روپیہ واپس

کر کے جائداد واپس لے سکتا ہے؟

(۸) کیا بعوض روپیہ واپس کرنے کے ایک جزو اسی جائداد کا مشتری بیع خیار کو بیع قطع کر کے

بقیہ اپنی جائداد واپس کر سکتا ہے؟

(۹) کیا مشتری بیع خیار بخرشی خاطر خود ایک جزو جائداد کا بائع کو واپس کر کے بقیہ جائداد کو بیع قطعی کرتا ہے تو اس صورت میں کوئی ملزم شرعی ہوگا؟

(۱۰) اگر بعد انعقاد میعاد متعینہ بیع خیار کوئی کارروائی فیما بین بائع و مشتری نہیں ہوتی بلکہ تین سال اور زائد تک وہی عملدرآمد یعنی وہی طے شدہ منافع اسی روپیہ کا لیتا رہتا تو اس صورت میں یہ رقم وصول شدہ مشتری سود ہے اور مشتری سود خور ہوا یا نہیں اس کا استقرار تاریخ تحریر دستاویز سے ہو گا یا انعقاد میعاد کے بعد سے؟

(۱۱) اس قسم کی دستاویز مع خیار جس کا شئی مبیعہ پر قبضہ نہیں ہوا صرف روپیہ کا منافع طے شدہ ملتا رہا، بعد ختم میعاد بھی کوئی کارروائی نہیں ہوتی تو اس شکل میں دستاویز بیع قطع لکھانا بہتر ہے یا بدستور وہی دستاویز بیع خیار قائم رکھنا؟

الجواب

بیع خیار شرع میں تو اسے کہتے ہیں کہ بائع ایک چیز اس شرط پر بیچے یا مشتری اس شرط پر خریدے کہ مجھے تین دن تک اختیار ہے کہ بیع قائم رکھوں یا نہیں خواہ دونوں اپنے لئے تین دن اختیار ہونے کی قید لگالیں، یہ اختیار تین دن سے زیادہ کا نہیں لگا سکتے اور کم میں ایک دن یا ایک گھنٹہ جو چاہیں مقرر کریں، اس مدت کے اندر ایک یا دونوں جس کا خیار شرط کیا گیا ہے اسے اختیار ہوگا کہ بیع نامنظور کرے و دفع ہو جائیگی اور اگر مدت مقرر کردہ گزر گئی تو بیع لازم ہو جائے گی مگر سائل نے بیع بالفار کو بیع بالخیار کہا ہے، اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ زید نے ایک چیز عمرو کے ہاتھ بیچی اور سال دو سال یا کم بیش باہم ایک مدت طے کر لی کہ اس مدت میں زید زرمین نہ دے گا تو بیع قطعی ہو جائے گی اس صورت میں اکثر تو یہ کہتے ہیں کہ وہ چیز قبضہ مشتری میں دے دیتے ہیں مشتری اس سے نفع حاصل کرتا رہتا ہے بذریعہ سکونت یا کرایہ یا زراعت وغیرہ یہ حرام ہے کہ صحیح و معتد مذہب میں بیع و فایع نہیں رہیں ہے مشتری زرمین کو رہن سے نفع حاصل کرنا حرام ہے، حدیث میں ہے،

كل قرض جر منفعة هو ربا ولو

جو بھی قرض نفع دے وہ سود ہے (ت)

اور پورے بیابک یہ کہتے ہیں کہ چیز بھی بائع کے قبضہ میں رہتی ہے اور اس سے اپنے روپیہ کا نفع اٹھایا جاتا ہے یہ رہن بھی نہ ہوا کہ رہن بے قبضہ باطل ہے۔

قال الله تعالى فرهن مقبوضة (اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو رہن ہو قبضہ میں دیا ہوا۔ ت)

یہ نفع جو اس پر بٹھا رکھا سود اور زراعت حرام و مردود ہے۔

بالجملہ یہ بیع کسی صورت میں نہیں ہے، مشتری کا قبضہ نہ ہوا، جب تو اسے جائیداد سے کوئی تعلق ہی نہیں، جتنا روپیہ دیا ہے جب چاہے واپس لے سکتا ہے میعاد گزری ہو یا نہیں کہ بوجہ عدم رہن سادہ قرض رہ گیا اور قرض کے لئے شرعاً کوئی میعاد نہیں، اگر مقرر بھی کی ہے اس کی پابندی نہیں۔ اس دئے ہوئے روپیہ سے ایک جبہ زائد اس کو حرام ہے، نہ میعاد گزرنے پر اس جائیداد میں اس کا کوئی حق ہے اور اگر مشتری کا قبضہ ہو گیا ہے تو وہ رہن ہے مشتری کو اس سے نفع لینا حرام ہے، اور بائع ہر وقت روپیہ دے کر جائیداد واپس لے سکتا ہے اگرچہ میعاد گزر گئی ہو، اور یہ بھی کر سکتا ہے کہ اسی جائیداد کا کوئی حصہ باہمی رضامندی سے مشتری کے ہاتھ بیع قطعی بعوض دین کر دے اور باقی جائیداد واپس لے لے، رہا بائع یا مشتری کا دوسرے کے ہاتھ اس جائیداد کا کل یا بعض بچپنا، اگر قبضہ مشتری نہیں ہوا ہے جب تو بائع کو اس کا اختیار کامل ہے کہ وہ اس کی ملک خالص ہے، اور مشتری کو اصلاً اختیار نہیں کہ اسے جائیداد سے کوئی تعلق نہیں اور اگر قبضہ مشتری ہو گیا ہے تو اگر بائع بیچے تو یہ بیع مشتری کی اجازت پر موقوف رہے گی کما حقہ حکم بیع المرہون (جیسا کہ مرہون کی بیع کا حکم ہے۔ ت)

سوال اخیر کا جواب یہ ہے کہ اس صورت میں نہ بیع ہے نہ رہن ہے قائم کس چیز کو رکھا جائے اور بیع قطعی کرنا نہ کرنا بائع کو اختیار ہے مشتری کو اپنے روپیہ کے سوا کوئی دعویٰ اس پر نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ از شہر محلہ سبزی منڈی بازار مرسلہ ولایت حسین صاحب مورخہ ۸ ربیع الاول ۱۳۳۷ھ
زید بکر کے پاس آیا اور یہ کہا کہ ایک صاحب کو کپڑا کی ضرورت ہے اور اس کو کچھ کپڑا سلوانا بھی ہے، بکر سلاخی کا کام بھی کرتا ہے، بکر نے تین دکانات پر سے مختلف قسم کے پارچہ مالکان مال سے ان کی قیمت طے کر کے زید کے ساتھ صاحب کے یہاں چلا گیا، زید نے یہ کہا کہ میں ان صاحب کو کپڑا دکھانے جاتا ہوں اور وہ کپڑے کو لے کر چلا گیا، بکر کو نہ وہ شخص ملا نہ کپڑا ملا، اب مالکان مال کو شرعاً بکر سے اس پارچہ کی قیمت لینے کا حق ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب

بیچنے والے اپنے کپڑوں کا تاوان بکر سے لے سکتے ہیں،

لان المقبوض علی سوم الشراء مضمون۔ جس چیز پر بھاؤ طے کرنے کے لئے قبضہ کیا جائے
واللہ تعالیٰ اعلم۔ وہ قابل ضمان ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ت)

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی حیات میں
کسی وارث کو بیعنامہ اپنی جائداد کا مثل باغ یا اراضی و تالاب وغیرہا کے لکھ دیا اس کی موت کے
بعد دوسرا وارث اگر فسخ بیع چاہے تو اسے شرعاً اختیار ہے یا نہیں؟ اور بائع کو بوجہ خیار عیب یا
رویت اختیار فسخ حاصل ہے یا نہیں؟ بیٹنوا توجروا۔

الجواب

صورت مستفسرہ میں بیع اگر مرض موت میں نہیں تو بعد لزوم و تکمیل بائع اور اس کے ورثاء
کو کسی طرح اختیار فسخ نہیں اور خیار رویت خاص مشتری کے لئے ہے اور خیار عیب اگر بائع کو
حاصل بھی ہے تو صرف بایں معنی کہ ثمن ناقص جید سے بدل سکتا ہے نہ یہ کہ اس کی وجہ سے فسخ
بیع کر سکے، پس خیار رویت مطلقاً اور خیار عیب کہ سبب فسخ ہے مشتری کے لئے خاص ہیں بائع کو ہرگز
حاصل نہیں،

در مختار میں ہے جب ایجاب و قبول دونوں
پائے گئے تو بیع بلا خیار لازم ہو گئی سوائے
خیار عیب اور رویت کے۔ ہدایہ میں ہے
جس نے ایسی چیز کو بیچا جسے اس نے دیکھا
نہیں تو اسے خیار رویت نہیں۔ امام ابو حنیفہ رضی اللہ
تعالیٰ عنہ پہلے کہا کرتے تھے کہ اسے خیار رویت
ہے اور وہ اس کو خیار عیب اور خیار شرط پر قیاس
کرتے تھے۔ عنایہ میں ہے کہ خیار عیب پر قیاس کرنا

فی الدس المختار و اذا وجد الزم البیع
بلا خیار الالعیب اور رویۃ، فی الہدایۃ
ومن باع مالہ میرۃ فلا خیار لہ و کات
ابو حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقول
اولا لہ الخیار اعتبارا ابخیار العیب و
خیار الشرط، فی العنایۃ اعتبارا بخیار
العیب فانہ لا یختص بجانب مشتری
بل اذا وجد البائع الثمن تریفاً

۵/۲

۲۰-۲۱/۳

مطبع مجتہاتی دہلی

مطبع یوسفی لکھنؤ

کتاب البیوع

باب خیار الرویۃ

کتاب البیوع

لے در مختار

جلد الہدایۃ

فہو بالخيار ان شاء جوز وان شاء سادة
 كالمشتری اذا وجد المبيع معيبا لکن
 العقد لا ینفسخ برد الثمن وینفسخ برد
 المبيع لانه اصل دون الثمن والعلم
 عند واهب العلوم عالم کل سر
 مکتوم۔

اس لئے درست ہے کہ وہ فقط مشتری کے ساتھ
 مختص نہیں بلکہ اگر بائع نے ثمنوں کو کھوٹا پایا تو
 اسے اختیار ہے چاہے تو جائزہ قرار دے دے
 اور چاہے تو رد کر دے جیسا کہ بیع کو معیوب
 پاکر مشتری کو اختیار ہوتا ہے لیکن ثمن کو رد
 کرنے سے عقد فسخ نہیں ہوتا اور بیع کو رد کرنے
 سے عقد فسخ ہو جاتا ہے کیونکہ بیع اصل ہے نہ کہ ثمن۔ اور علم در حقیقت علم عطا فرمانے والے کے

پاس ہے جو ہر چھپے راز کو جاننے والا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۱ رجب، ۱۳۰۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ معاہدہ ما بین زید و عمرو کے قرار پایا اور زید
 نے عمرو کو عس بیس روپے بطور بیعانہ کے دئے اب زید اپنی بدبختی سے بلا قصور عمرو کے معاہدہ مذکورہ
 سے منحرف ہو گیا تو اس صورت میں زید واپسی زرد کور کا مستحق ہے یا نہیں؟ بیئوا تو جروا۔

الجواب

بیشک واپس پائے گا، بیع نہ ہونے کی حالت میں بیعانہ ضبط کر لینا جیسا کہ جاہلوں میں
 رواج ہے ظلم صریح ہے،

قال اللہ تعالیٰ لا تاکلوا اموالکم بینکم
 بالباطل ۛ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا، آپس میں ایک دوسرے
 کا مال ناحق تمت کھاؤ (ت)

ہاں اگر عقد بیع باہم تمام ہو لیا تھا یعنی طرفین سے ایجاب و قبول واقع ہو لیا اور کوئی موجب تنہا
 مشتری کے فسخ بیع کر دینے کا نہ رہا، اب بلا وجہ شرعی زید مشتری عقد سے پھرتا ہے تو بیشک عمرو کو
 رد ہے کہ اس کا پھر نمانے اور بیع تمام شدہ کو تمام و لازم جانے، اس کے یہ معنی ہوں گے کہ
 بیع بلکہ زید اور ثمن حتی عمرو۔ در مختار کے باب الاقالہ میں ہے،

من شرا اظہا رضا المتعاقدين۔ اقالہ کی شرطوں میں سے بائع و مشتری کا باہم

رضامند ہونا ہے (ت)

لہ الغایۃ علی ہامش فتح القدر کتاب البیوع باب خیار الرویۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکر ۵/۵۳۳

لہ القرآن الکریم ۱۸۸/۲

لہ در مختار کتاب البیوع باب الاقالہ مطبع مجتہبی دہلی ۲/۳۳

یہ کبھی نہ ہوگا کہ بیع کو فسخ ہو جانا مان کر بیع زید کو نہ دے اور اس کے روپے اس جرم میں کہ تو کیوں پھر گیا ضبط کرے، ہل هذا الاظلم صریح (کیا یہ ظلم صریح نہیں ہے۔ ت) واللہ تعالیٰ اعلم
مسئلہ از پبلی بھیت ۵ ذیقعدہ ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور فضلاء شرع میں اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک عورت زینب کو بمواجر چند عورات مستورات اور چند مردمان کے کچھ روپیہ اس وعدہ پر دیا کہ ہم فلاں مکان یا زمین اسی عورت زینب کا اس قدر تعداد روپیہ پر لیں گے اور بقدر عسبیس روپیہ مثل بیعانہ دے ہیں اور اس عورت زینب نے اس روپیہ کو لے کر صرف ما یحتاج کر لیا اور سب گواہان کے سامنے اقرار کر دیا بعد اقرار کے کچھ دنوں بعد زینب فوت ہو گئی لہذا شرعاً بیع ہوئی یا نہیں؟ اور از روئے شرع شریف کے زید اپنا قبضہ کر سکتا ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب

”لیں گے صرف وعدہ ہے اور وعدہ کوئی عقد نہیں، نہ وفائے وعدہ پر خود وعدہ کرنے والے کو جبر کیا جاسکتا ہے کما نص علیہ فی الہندیۃ والخیریۃ وغیرہما من الکتب الفقہیۃ (جیسا کہ ہندیہ اور خیریہ وغیرہ کتب فقہ میں اس پر نص کی گئی ہے۔ ت) تو اس کی موت کے بعد وارثوں پر کیا جبر ممکن ہے پس زید کو قبضہ کرنے کا اصلاً اختیار نہیں وہ صرف ان روپوں کا مستحق رہا جو اس نے پیشگی دئے تھے ترکہ زینب سے قبل تقسیم ورثہ وصول کئے جائیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم
مسئلہ ۲۵ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنا حق حقوق ۲ بسوانسی کچھ کچوانسی بکر کے ہاتھ فروخت کیا مبلغ ۱۵۰ روپیہ کو اور بیع نامہ لکھ کر اپنے دستخط کئے اور بیعانہ لیا اور رجسٹری کرادینے کا معاہدہ کیا اور بعد کو خالد اپنے چچا زاد بھائی کو ۳۹۵ روپیہ کا بیع نامہ لکھ کر رجسٹری کرادی، اب بکر کہتا ہے کہ درحقیقت یہ بیع نامہ مصنوعی لکھا ہے شفیع کے ڈر سے اور یہ حقیقت اصل میں وہی ۱۵۰ کو بموجب بیع بکر کے فروخت کی ہے اور بکر یہ بھی کہتا ہے کہ میں اس میں شفیع ہوں کیونکہ میری پندرہ پستے ہیں تو اس صورت میں بکر بموجب شرع شریف کے شفاعت سے اس حقیقت کو اور نیز بموجب معاہدہ کے اس قیمت کو پاسکتا ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب

بیع عقد لازم ہے، بعد تمامی ہرگز بائع کو اختیار نہیں کہ دوسرے کے ہاتھ بیع کرے جب

وہ بدست بکریج چکا بیعنامہ لکھ دیا اس پر اپنے دستخط کر دئے تو تمامی عقد میں اصلاً کوئی شبہ نہ رہا ، رجسٹری نہ شرعاً ضروری نہ اسے تکمیل عقد میں اصلاً کچھ دخل ، بلکہ شرعاً تو صرف ایجاب و قبول کا نام بیع ہے اگرچہ بیعنامہ بھی نہ لکھا جائے یونہی تنہا بیعنامہ بطریق معروف و معروف لکھ کر دستخط کرنا مشتری کا اسے قبول کر لینا بھی عقد تام و کافی ہے اگرچہ زبانی الفاظ مقررہ فریدم و فروختم (میں نے خریدا ، میں نے بیچا۔ ت) کا ذکر نہ آیا ہو۔ ایشاہ میں ہے ،

الکتابۃ یصح البیع بها قال فی الہدایۃ
والکتاب کا لخطاب لے
ہدایہ میں ہے :

المعنی هو المعتبر فی ہذا العقود ولہذا
ینعقد بالتعاطی فی النفیس والخسبیس
هو الصحیح لتحقق المرادۃ لے

ان عقود میں معنی کا اعتبار ہوتا ہے اسی لئے بڑھیا اور گھٹیا چیزوں میں بیع تعاطی منعقد ہو جاتی ہے اور یہی صحیح ہے کیونکہ باہمی رضامندی متحقق ہوتی ہے (ت)

غرض حقیقت مذکورہ ملک زید سے خارج ہو کر ملک بکر میں داخل ہو گئی ، زید بکر سے صرف مائے ۱۵۰ کا مطالبہ کر سکتا ہے بیع ثانی کہ بدست خالد کی بے اجازت بکر مردود ہے ، بکر کو اپنی ملک میں دعویٰ شفعہ کی کوئی حاجت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ جل مجدہ اتم و احکم۔

مسئلہ ۲۲ علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ زید کی دو زوجہ ہیں ، اب زید اپنا حق حقوق ایک زوجہ کے نام بیع کرتا ہے تو زید کو اپنی حیات میں بیع کرنے کا اختیار ہے یا نہیں؟ بیٹنوا تو جردوا۔

الجواب

اگر یہ بیع زید سے قبل مرض موت کے بحالت صحت نفس و ثبات عقل واقع ہوئی تو قطعاً نافذ ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۳ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک زوجہ اور ایک ہمیشہ اور ایک بھتیجا وارث اور تین بسوہ جائداد متروکہ چھوڑ کر انتقال کیا تو زوجہ نے وہ کل حقیقت اپنی طرف سے بدست خالد فروخت کی مگر وہ بیعنامہ سب و رثا کی اطلاع سے لکھا گیا اور وہ سب بالغ ہیں اور سب نے اپنی گواہیاں

اس بیعنامہ پر لکھیں اور یہ کہہ دیا کہ یہ بیع صحیح ہے اس میں کچھ دعویٰ بیع نہیں ہے کل زر ثمن مشتری نے ادا کر دیا اور سب ورثا نے باہم تقسیم کر لیا، اب بعد نو دس برس کے ہمشیرہ زید مدعیہ ہے کہ یہ بیع میں نے نہیں کی فقط زوجہ زید نے بطور مالکانہ کل حقیقت بیع کی حالانکہ وہ کل کی مستحق نہیں، اس صورت میں وہ بیع شرعاً صحیح و نافذ، اور دعویٰ مدعیہ ناحق و باطل قرار پائے گا یا نہیں؟ بیٹو اتوجروا۔

الجواب

صورت مستفسرہ میں وہ بیع صحیح و نافذ ہے اور دعویٰ مدعیہ محض ناحق و باطل کہ اگرچہ زوجہ زید کل حقیقت کی مالک نہ تھی اور اس نے ساری جائداد اپنی طرف سے بیع کی مگر جبکہ یہ امر باطلاع و زاہد دیگر واقع ہوا اور انہوں نے پسند رکھا اور انکار نہ کیا یہاں تک کہ زر ثمن سے حصہ لیا اور وہ سب بالغ تھے تو اب وہ بیع ایسے ہی قرار پائے گی کہ گویا ان سب نے خود اپنا اپنا حصہ بیع کیا اور ثمن لیا اب کسی طرح سے انہیں محل دعویٰ و اعتراض باقی نہیں۔

تنویر الابصار اور درمختار میں ہے کہ مالک کا مشتری سے ثمن وصول کر لینا یا اس سے ثمن مانگنا اجازت بیع ہے مخلصاً۔ اور وہ جو بحر پھر در میں آیا ہے کہ بیع باطل ہے اگر فضولی نے اپنے لئے بیع کی وہ وہم ہے اور فروع مذہبیہ کے مخالف اور ظاہر الروایہ کے خلاف ہے جیسا کہ حضرت مولانا خیر الدین رحلی پھر علامہ شامی آفندی نے تحقیق فرمائی، پس اس سے باخبر ہونا چاہئے۔
واللہ تعالیٰ اعلم (ت)

فی تنویر الابصار والدر المختار اخذ
المالك الثمن او طلبه من المشتري
اجازة مخلصاً واما ما وقع في البحر
ثم الدر من البطلان ان باع الفضولي
لنفسه موهم مخالف للفروع المذهبية
ومضاد للظواهر الرواية كما حققه المولى
خير الملة والدين الرحلى ثم العلامة
الشامى آفندى فليتنبه ، والله تعالى
اعلم۔

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جب غلہ بازار میں نقدوں ۱۶ سیر کا ہو تو قرضوں ۱۵ یا ۱۲ سیر کا بیچنا جائز ہے یا حرام یا مکروہ؟ بیٹو اتوجروا۔

الجواب

یہ فعل اگرچہ نرخ بازار سے کیسا ہی تفاوت ہو حرام یا ناجائز نہیں کہ وہ مشتری پر جبر نہیں کرتا

نہ اُسے دھوکا دیتا ہے اور اپنے مال کا ہر شخص کو اختیار ہے چاہے کوڑی کی چیز ہزار روپیہ کو دے، مشتری کو غرض ہو لے، نہ ہونہ لے۔

فی سداد المختار لو باع کاغذاً بالف یجوز
ردالمحتار میں ہے اگر کسی نے کاغذ کا ٹکڑا ہزار
کے بدلے میں بیچا تو جائز ہے اور مکروہ نہیں
ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ت)

مسئلہ ۲۵ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شیخ خضریٰ و کریم اللہ و محمد بشارت و شاہ محمد چار بھائیوں نے ایک جائداد بشمول ہمدگہ پیدا کی اور تادم مرگ خور و نوش اُن کا یکجا رہا، بعدہ خضریٰ نے دو دختر فوجو اور ابو اور ایک پسر محمد بخش جس کی وارث اس کی زوجہ امیرن ہے، اور دوسری فوجو جس کے ورثار اس کے زوج کلو اور علی بخش و حسین بخش و سلیمین اولاد ہیں، اور شاہ محمد نے زوجہ نورن و ابن محمد علی و بنت بلاقن اور کریم اللہ نے زوجہ منگو اور ابن یاد علی اور امیرن منیرن بگا بنات اور محمد بشارت نے زوجہ چھوڑی، اور محب اللہ و کلن پسران اور عمدہ دختر اپنے اپنے ورثار چھوڑ کر وفات پائی، بعد ان کے انتقال کے ان سب وارثوں نے وہ جائداد مشترکہ غیر منقسمہ ایک عقد میں ایک شخص کے ہاتھ بعوض آٹھ سو روپیہ کے بیع کی اور اسے قابض و متصرف کرادیا مگر کلن اور علی حسین اور حسین بخش اور سلیمین وقت بیع نابالغ تھے کہ ان کی ماں کلونے ولایت ان کی جانب سے بھی بیع کی اور یاد علی کی بی بی نے بے اجازت اطلاع یاد علی با اختیار خود حصہ اس کا مالکانہ بیع ڈالا، اب یہ پانچوں وارث دعویٰ کرتے اور نقص بیع چاہتے ہیں، پس اس صورت میں بیع مذکور صحیح و نافذ اور حصہ ان ورثار کا انھیں واپس ملے گا یا نہیں؟

الجواب

صورت مسئلہ میں اگر یاد علی سے بعد از علم بالبیع کوئی قول یا فعل ایسا صادر ہوا کہ دال اجازت و تسلیم بیع پر تھا تو وہ بیع صحیح و نافذ ہوگی اور دعویٰ اس کا ہرگز نہ سنا جائے گا اور جو قولاً و فعلاً کوئی امر ایسا نہ ہوا کہ اجازت پر دلالت کرے اگرچہ بعد خبر پہنچنے بیع کے چپ رہا اور کچھ نہ کہا تو اس صورت میں دعویٰ اس کا مسموع اور بیع بقدر اس کے حصہ کے ناجائز مشتری حصہ اس کا واپس کرے اور باقی بقدر اس ثمن کے کہ مقابل اس کے ہے مقبول رکھے خواہ اسے بھی بالعیین رد کر دے اور اپنا کل ثمن پھیر لے، اور اگر جائداد اولاد صغار بیع کر دی گئی تو یہ بیع ہرگز صحیح نہ ہوگی اور مشتری اس کا

کسی طرح مالک نہیں ہو سکتا مشتری اس جائداد میں سے کلن و علی حسین و حسین بخش و سلیمان کو بقدر ان کے حصص کے واپس کرے اور باقی کی نسبت مختار ہے چاہے سب بیع ترک کر دے اور کل ٹمن واپس لے لے یا بیع نسبت باقی کے قائم رکھے اور اسی قدر حصہ ٹمن کا کہ مقابل جائداد رد شدہ کے تھا پھر لے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب الثانی بالتفصیل : مال اولاد نابالغ میں ماں کو کسی طرح کی ولایت حاصل نہیں سوا اس کے کہ حفظ و نگہبانی کرے یا ضروری چیزیں انھیں خریدے،

فی الاشباہ والنظائر لا ولاية للام في مال الصغير الا الحفظ وشراء ما لا بد منه للصغير اه وفي فتاوی قاضیخان من کتاب الحظر والاباحة باب ما يكره من النظر والمس للرجل ان يختن ولده الصغير ويقبض له الهبة وليشترى و يبيع ولا يجوز ذلك لوصى العم الا انه يقبض له الهبة وكذا الام اه ملخصاً۔

الاشباہ والنظائر میں ہے کہ نابالغ اولاد کے مال میں ماں کو سوائے حفاظت و اشیاء ضروریہ کی خریداری کے کوئی ولایت حاصل نہیں اھ۔ فتاوی قاضیخان کتاب الحظر والاباحة باب ما يكره من النظر والمس میں مذکور ہے کہ مرد کو اپنے نابالغ بیٹے کے ختنے کرنے، اس کے لئے ہبہ پر قبضہ کرنے اور اس کے لئے خرید و فروخت کا اختیار ہے اور چچا کے وصی کے لئے یہ جائز

نہیں سوا اس کے کہ اس کے لئے ہبہ پر قبضہ کر سکتا ہے اور یہی حکم ماں کا بھی ہے اھ (ت)

پس کلونے کہ جائداد کلن اور علی حسین اور حسین بخش اور سلیمان نابالغوں کی ان کی جانب سے بیع ڈالی، بیع فضولی قرار پائے گی، اور اس سبب سے کہ حالت عقد کوئی مجیز یعنی قابل اجازت نہ تھا محض ناجائز و باطل ہوگی حتیٰ کہ اگر نابالغان مذکورین بعد از بلوغ اجازت دیتے تاہم صحیح نہ ہوتی کہ باطل کسی کی اجازت پر موقوف نہیں رہتا اور اس کی تصحیح غیر متصور۔

فی الدر المختار من فصل الفضولی کل تصرف صدر منه وله مجیز ای لهذا التصرف من يقدر علی

در مختار میں فصل فضولی میں ہے کہ جو تصرف فضولی سے صادر ہو اور انحالیکہ اس تصرف کے وقوع کے وقت کوئی ایسا شخص موجود ہو جو اس تصرف

لہ الاشباہ والنظائر الفن الثالث احکام المحارم ادارة القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/۱۸۸
لہ فتاوی قاضیخان کتاب الحظر والاباحة فصل فيما يكره من النظر والمس نوکشور لکھنؤ ۲/۷۸۳

اجازت نہ حال وقوعہ العقد موقوفاً و مالاً
مجيز له حالة العقد لا ینعقد اصلاً
ملخصاً، وفيه وقف بیع مال الغير لـ
الغیر بالغاً عاقلاً فلو صغیراً او مجنوناً
لم ینعقد اصلاً كما فی التزواہر معزياً
للحاوی ۲

کی اجازت دے سکتا ہو تو اس کا العقد اس
شخص کی اجازت پر موقوف ہو جائے گا اور اگر
بوقت تصرف فضولی کوئی ایسا اجازت دینے
والا موجود نہ ہو تو یہ تصرف سرے سے منعقد ہی
نہ ہوگا اھ ملخصاً۔ اسی میں ہے کہ مال غیر کی
بیع موقوف ہوتی ہے اگر وہ غیر عاقل و بالغ ہو
اور اگر وہ غیر نابالغ یا مجنون ہو تو بیع سرے سے منعقد نہ ہوگی جیسا کہ حاوی کی طرف منسوب کرتے ہوئے
ذواہر میں ہے اھ (ت)

پس سہم نابالغان مذکورین کہ کل جائداد بیعہ کے دسویں حصہ سے کچھ زائد ہے یعنی چہارم جائداد
کہ متروکہ شیخ خضریٰ تھی اس ایک سو بانوے سہام سے ستر سہام مشتری پر لازم ہے کہ ان نابالغوں
کو واپس کر دے اور ۳۳ پہ زرمین ان سہام کا ان کی ماں کلو سے وصول کر لے اسی طرح حرمت
زوجہ یا دعلی نے کہ ان کا سہام بلا اذن اس کے اپنی جانب سے بطریق مالکانہ بیع ڈالا حسب حکم
بدائع و بحر الرائق و اشباہ و ظاہر متن تنویر الابصار بیع باطل و غیر صالح اجازت ہے۔

در مختار میں ہے کہ فضولی کی اپنی ذات کے لئے
بیع باطل ہے جیسا کہ بحوالہ بدائع، بحر اور
اشباہ میں ہے اشباہ کی عبارت یوں ہے کہ
فضولی کی بیع موقوف ہوتی ہے مگر جب وہ اپنی
ذات کے لئے بیع کرے تو باطل ہوگی (بدائع
اھ مع تلخیص و تغیر) اسی میں ہے کہ غیر کے
مال کی بیع موقوف ہوتی ہے جبکہ یہ سمجھ کر بیچے کہ

فی الدر المختار بیعہ لنفسہ باطل كما فی
البحر والاشباہ عن البدائع و عبارة
الاشباہ بیع الفضولی موقوف الا اذا باع
لنفسہ فباطل بدائع ۳ مع التلخیص
بالتغیر، وفيه ایضاً وقف بیع مال الغير
ان باعہ علی انہ لمالکہ اما لو باعہ علی
انہ لنفسہ فالبیع باطل اھ ملخصاً۔

وہ مالک کے لئے ہے اور اگر اپنے لئے بیچے تو بیع باطل ہے اھ تلخیص۔ (ت)

مگر مولانا محمد بن عبداللہ غزالی قمر تاشی مصنف تنویر الابصار اس مذہب کی بوجہ مخالفت
فریح مذہب تضعیف فرماتے ہیں فضولی اگر مال غیر کو اپنا ٹھہرا کر بیچے تو ظاہر الروایت یہی ہے کہ

مستحق کو اختیار اجازت حاصل ہے یعنی بیع باطل نہ ہوگی اور اجازت مالک پر موقوف رہے گی،
 في الدر المختار، لكن ضعف المصنف
 الاولى (اي بطلان بيعه اذا باعه لنفسه)
 لمخالفتها لفروع المذهب لتصریحهم
 بان بيع الغاصب موقوف، وبان المبيع
 اذا استحق فللمستحق اجازته على
 الظاهر مع ان البائع باع لنفسه لا للمالك
 الذي هو المستحق مع انه توقف على
 الاجازة اه في غمر عيون البصائر
 شرح الاشباه والنظائر للعلامة الحموي
 تحت قوله بيع الفضولي موقوف الا
 في ثلث فباطل اذا شرط الخيار فيه
 للمالك وهي في التلقيح وفيما اذا باع
 لنفسه وهي في البدائع قوله وفيما اذا
 باع لنفسه يعنى لا يتوقف على اجازة
 المالك لانه لم ينعقد اصلا قال بعض
 الفضلاء ويشكل عليه ما قالوا من
 ان المبيع اذا استحق لا يفسخ العقد
 في ظاهر الرواية بقضاء القاضى
 بالاستحقاق وللمستحق اجازته اه
 ووجه اشكاله ان البائع باعه لنفسه
 لا للمالك الذي هو المستحق اه

در مختار میں ہے مگر مصنف نے صورت اولیٰ (یعنی
 فضولی کی اپنے لئے بیع باطل ہے) کو فروع
 مذہب کے مخالف ہونے کی وجہ سے ضعیف
 قرار دیا، کیونکہ ائمہ نے تصریح کی کہ غاصب کی
 بیع موقوف ہے اور یہ کہ بیع میں اگر استحقاق
 ثابت ہو جائے تو ظاہر روایت مستحق کو اجازت کا اختیار
 حاصل ہے باوجودیکہ بائع نے اپنے لئے بیع کی
 نہ کہ اس مالک کے لئے جو کہ مستحق ہے اس کے
 باوجود اس کی اجازت پر موقوف ہو گئی اھ
 غمر عیون البصائر شرح اشباه والنظائر تصنیف
 علامہ حموی میں مآئن کے اس قول "فضولی کی بیع موقوف
 ہے مگر تین صورتوں میں باطل ہے۔ جب مالک
 کے لئے اس میں شرطِ خيار رکھے اور یہ تعلق میں ہے،
 اور جب وہ اپنے لئے بیچے اور یہ بدائع میں ہے اھ"
 کے تحت مذکور ہے۔ مآئن کا قول کہ جب فضولی اپنے
 لئے بیع کرے (تو باطل ہے) یعنی مالک کی اجازت
 پر موقوف نہ ہوگی کیونکہ وہ سرے سے منعقد ہی
 نہیں ہوتی۔ بعض فضلاء نے کہا کہ اس پر مشائخ
 کے اس قول سے اشکال وارد ہوتا ہے کہ بیع میں
 اگر استحقاق ثابت ہو جائے تو قاضی کے استحقاق کا
 فیصلہ کرنے کے باوجود بیع فسخ نہیں ہوتی اور مالک

مستحق کو اس کی اجازت کا اختیار حاصل ہوتا ہے اھ اشکال کی وجہ یہ ہے کہ بائع نے اپنی ذات کیلئے بیچا ہے

۳۱/۲

فصل فی الفضولی مطبع مجتہبی دہلی

کتاب البیوع

۳۲۹/۱

ادارة القرآن کراچی

الفن الثانی کتاب البیوع

نہ کہ اس مالک کے لئے جو مستحق ہے (ت)

پس اگر قبل اس دعویٰ کے یا دَعْلٰی سے کوئی قول یا فعل ایسا صادر ہوا ہو جو شرعاً اجازت بیع قرار پائے مثلاً زر ثمن مشتری سے مانگا ہو یا اس کو ہبہ کر دیا ہو یا اپنی عورت سے کہا ہو تو نے بُرا کیا یا اچھا کیا علی مذہب محمد و ہوا الاستحسان عالمگیری و ہوا المختار فتح القدر (مذہب محمد پر اور یہی استحسان ہے، عالمگیری، اور یہی مختار ہے، فتح القدر۔ ت) تو اب یہ دعویٰ اس کا نہ سنا جائے گا اور اسکے حصہ میں بیع نافذ ہو چکی اس کے سهم کا زر ثمن کہ معہ روپے ہیں اس کی زوجہ کے پاس امانت رہا بشرطیکہ بلا قصور اس کے پاس سے تلف نہ ہو گیا ہو اس سے وصول کر لے اور اگر زوجہ نے حفظ مبلغ میں کچھ تقصیر نہ کی نہ اپنے تصرف میں لائی اور کسی طرح تلف ہو گیا تو اس سے بھی نہیں لے سکتا کہ وہ امانت تھی اور امین پر بلا تعدی و تقصیر فی الحفظ ضمان نہیں،

در مختار میں یعنی فضولی کی بیع کا حکم مالک کی اجازت کو قبول کرنا ہے جبکہ بائع، مشتری اور بیع قائم ہو اور اسی طرح ثمن بھی جبکہ بصورت سامان ہوں اگر ثمن سامان نہ ہوں تو وہ مالک مجیز کی ملک ہیں اور فضولی کے قبضہ میں بطور امانت ہیں، ملتقی، اگر مالک ثمن وصول کرے یا مشتری سے ثمن طلب کرے تو یہ اجازت ہے، عمادیہ، اور مالک کا یہ کہنا کہ تو نے بُرا کیا، نہر، یا جو تو نے کیا بُرا ہے یا تو نے اچھا کیا یا تو نے درست کیا قول مختار کے مطابق، فتح القدر، اور مشتری کو ثمن ہبہ کر دینا یا اس پر صدقہ کر دینا اجازت ہے (تخصیص ت)

فی الدر المختار ای بیع الفضولی قبول الاجارة من المالك اذا كان البائع والمشتري والمبيع قائماً وكذا الثمن لو كانت عرضاً وغير العرض ملك للمجيز امانة في يد الفضولی ملتقى، وان اخذ المالك الثمن او طلبه من المشتري يكون اجارة، عمادية، وقوله اسأت نهر بئس ما صنعت او احسنت او اصبت على المختار، فتح، وهبة الثمن من المشتري والتصدق عليه به اجارة آھ ملخصاً۔

اور اگر قبل از دعویٰ کوئی قول یا فعل اس سے صادر نہ ہو بلکہ بیع کی خبر بھی نہ ہوئی یا سن کر چپ رہا اور کچھ نہ کہا تو دعویٰ اس کا مسموع اور اسے اختیار استرداد حاصل کہ خبر بیع سن کر مالک کا خاموش رہنا شرعاً اجازت نہیں،

۱۔ فتاویٰ ہندیہ کتاب البیوع الباب الثانی عشر فی احکام البیع الموقوف نوری مکتب خانہ پشاور ۱۵۲/۳
۲۔ در مختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی دار اجیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱/۴
۳۔ در مختار کتاب البیوع مطبع مجتبائی دہلی ۳۲/۲

فی الفتاویٰ الہندیۃ بلغہ البائع ان فضولیا
باع ملکہ فسکت لایکون اجازتہ اھ

فتاویٰ ہندیہ میں مالک کو خبر پہنچی کہ فضولی نے تیری
ملوک چیز فروخت کر دی اور وہ خاموش رہا تو
یہ اجازت نہ ہوگی اھ (ت)

اس صورت میں مشتری پر لازم ہے کہ مثل حصہ نابالغان یا دعلی کا حصہ بھی یعنی چہارم جائداد کے
چالیس سہام سے چودہ سہم یا دعلی کو واپس کر دے اور ثمن اس حصہ کا کہ معہ روپے ہے اس کی
زوجہ سے وصول کر لے۔ رہا یہ کہ در صورت اولیٰ بعد واپسی صرف حصہ نابالغان و در صورت ثانیہ پس
از رد ہر دو سہم یا دعلی و نابالغان جو باقی بچے اس کا کیا حکم ہے اس کی نسبت بوجہ اس بات کے کہ
بیع ذوات القیم سے اور استحقاق نسبت یا دعلی بعد قبض کل واقع ہوا مشتری کو اختیار ہے خواہ عوض
باقی زر ثمن کے کہ پہلی تقدیر پر لے ہے اور دوسری تقدیر پر لے ہے اپنے پاس رکھے یا کل
بیع سب بالغوں کو واپس کر دے اور اپنے پورے آٹھ سو اُن سے وصول کر لے، واللہ تعالیٰ اعلم۔
مثلاً ۱۳۰۳ھ جمادی الاولیٰ ۱۳۰۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک گاؤں میں تین شریک ہیں زید اور خالد اور زید
کا بیٹا عمرو۔ عمرو پر کچھری انگریزی سے ایک معاملہ میں ہندہ کی بقدر آٹھ سو روپیہ کی ڈگری ہوئی ہندہ نے
جائداد عمرو نیلام پر چڑھائی کچھری انگریزی سے پانچ بسوہ عمرو کے بتفریق اس طرح نیلام ہوئے کہ
۲۴ رمضان ۱۳۰۱ھ مطابق ۲۱ جولائی ۱۸۸۴ء و ۱۳ ساون ۱۲۹۲ فصلی کو تین بسوہ پھر یکم صفر ۱۳۰۲ھ
مطابق ۲۰ نومبر ۱۸۶۸ء و ۱۱ اگست ۱۸۸۵ء فصلی کو ایک بسوہ پھر ۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۰۲ھ مطابق ۲۰ فروری
۱۸۸۵ء و ۲۱ مچاگن ۱۲۹۲ فصلی کو ایک بسوہ، اور یہ سب نیلام خود ہندہ ڈگری دار نے خرید لئے، بعد
ہفتم رجب ۱۳۰۲ھ مطابق ۲۳ اپریل ۱۸۸۵ء و ۲۴ مچاگن ۱۲۹۲ فصلی کو ہندہ نے یہ کل جائداد
یعنی پانچوں بسوے بنام خالد شریک سوم بیع کر دئے، خالد نے باحیاط بحکم شرع اصل مالک یعنی عمرو سے
اپنے نام جو انتقال ہوا اس کی اجازت چاہی عمرو نے بخوشی اجازت دی پھر مزید وثوق کے لئے ۱۶ جمادی الاولیٰ
۱۳۰۳ھ مطابق ۲۱ فروری ۱۸۸۶ء و ۳ مچاگن ۱۲۹۳ فصلی کو عمرو مذکور نے ایک دستاویز بدیں
مضمون لکھ دی کہ یہ پانچوں بسوہ جو ہندہ مشتریہ نیلام نے بدست خالد بیع کئے میں نے یہ انتقال
بخوشی جائز رکھا اور زر ثمن خالد کو معاف کیا اور روز نیلام سے کہ ابتدائے زراعت خریف ۱۲۹۲ فصلی تھی

لے فتاویٰ ہندیۃ کتاب البیوع الباب الثانی عشر نورا فی کتب خانہ پشاور ۱۵۳/۳

ریح ۱۲۹۲ تک جس قدر توفیر ان پانچوں بسووں کے ہوتی اس کی نسبت صریحاً لکھ دیا کہ توفیر ان پانچوں بسووں کے میں نے خالد مذکور کو اس شرط پر کہ موہوب لہ میرے حق رجوع کے عوض مجھے دس من خام گندم دے ہبہ کے خالد اس توفیر کو قبض و وصول کرے اور میں نے گندم مذکور خالد سے وصول پالی، اب میرا کوئی حق اس توفیر میں نہیں اور نہ مجھے اس سے رجوع کا اختیار باقی رہا، اب شرع شریف سے سوال ہے کہ صورت مذکورہ میں اس تمام توفیر کا استحقاق خالد خریدار کو ہے یا زید پدر عمر کو؟ بیتوا و توجروا۔

الجواب

صورت مستفسرہ میں زید پدر عمر و کسی طرح اس توفیر کا مالک نہیں بلکہ وہ کل توفیر پانچوں بسوہ کی بابت سال تمام ۱۲۹۲ فصلی کی محض خالد کا حق ہے اور صرف اور صرف اسی کو ملنا چاہئے،

والفقہ فی ذلک ان بیع من یزید
الصادر من حکام الزمان لیس
بیع المالك وهو ظاهر ولا باذنہ فانہم
لا یسألونہ ولا یترضونہ بل
سبما باعوا ما یساوی الف
بماتۃ او اقل ولا باذن الشرع
المطہر کما لا یخفی علی من لہ
ادنی مسکة فلا یسوغ تفریعه
علی قول صاحبین فی
بیع القضاة مال المدیون
کرہا علیہ ان ابی
ولا بیع المکرہ حتی یجعل فاسدا
لان المالك لا یتولی الا یجاب
بل سبما لا یشہد العقد و انما ہم
یبیعون بانفسہم جبرا علیہ
فاذن لیس الا کبیع الغاصب ینعقد
موقوفا علی اجازۃ المالك

اس میں فقہ یہ ہے کہ بولی لگا کر بیع (نیلامی) جیسا کہ آج کل کے حکمران کرتے ہیں وہ مالک کی طرف سے بیع نہیں اور یہ ظاہر ہے اور نہ مالک کی اجازت سے ہے کیونکہ حکمران نہ تو مالک سے پوچھتے ہیں اور نہ ہی اس کی رضا معلوم کرتے ہیں بلکہ بعض دفعہ تو ہزار کی مالیتی چیز سو یا اس سے بھی کم پر فروخت کر دیتے ہیں اور نہ ہی یہ بیع شرع مطہر کے اذن سے ہوتی ہے جیسا کہ شریعت سے ادنیٰ سا تعلق رکھنے والے پر مخفی نہیں، اور بیع مذکور کو بیع مکرہ اور مدیون کے انکار کے باوجود حکام کی طرف سے جبراً اس کے مال کو فروخت کرنے سے متعلق قول صاحبین پر متفرع کر کے بیع فاسد قرار دینے کی گنجائش نہیں کیونکہ یہاں مالک کی طرف سے ایجاب نہیں ہوتا بلکہ بعض اوقات تو مالک بوقت عقد حاضر ہی نہیں ہوتا بلکہ حکام اس پر جبر کرتے ہوئے از خود بیع کر دیتے ہیں لہذا یہ تو محض بیع غاصب کی مثل ہے جس کا انعقاد مالک کی اجازت پر

فان اجازت جازوالابطل فی الدرالمختار
 وقف بیع الغاصب علی اجازتة المالك اه
 واذا كان الامر كذلك فلم
 یثبت الملك فی المبیع لهتندة
 المشترية من الحکام فبیعها
 من خالد ایضا بیع الفضولی
 لعدم الملك واذن المالك
 فیتوقف ایضا علی اجازتہ، فی ردالمختار
 بیع المشتری من الغاصب موقوف^{تہ}
 فایما عقد منہما صادفته الاجازة
 نفذ بخصوصة، فی الحاشية
 الشامية عن جامع الفصولین
 عن المبسوط لوباعه المشتری
 من غاصب ثم و ثم حق تد اولته
 الایدی فاجازت مالکہ عقد امن
 العقود جاز ذلك العقد خاصة
 لتوقف کلها علی الاجازة فاذا
 اجازت عقد امنها جاز
 ذلك خاصة اه و ههنا
 قد لحقت الاحیازة
 العقد الاخر فنقد و ثبت

موقوف ہوتا ہے اگر اجازت دے دے تو نافذ
 ورنہ باطل ہو جائیگی۔ درمختار میں ہے کہ غاصب
 کی بیع اجازت مالک پر موقوف ہوتی ہے اور
 جب صورت حال یہ ہے تو حکام سے خریدنے
 والی ہندہ کی بیع میں ملک ہی ثابت نہ ہوتی،
 چنانچہ اس کا خالد کے ہاتھ بیچنا بھی ملک اور اذن
 مالک کے نہ ہونے کی وجہ سے بیع فضولی ہوا تو یہ
 بھی اجازت مالک پر موقوف ہوگا۔ ردالمختار میں
 ہے کہ غاصب سے خریدار کی بیع موقوف
 ہوتی ہے تو ان دونوں عقود میں سے جس کو
 اجازت لاتی ہوگی وہ بطور خاص نافذ ہوگی۔
 حاشیہ شامیہ بحوالہ مبسوط، جامع الفصولین سے
 منقول ہے کہ اگر غاصب خریدنے والے نے کسی کے ہاتھ
 فروخت کیا اس نے آگے پھر اس نے آگے فروخت
 کر دیا حتیٰ کہ وہ کئی جگہ فروخت ہوا، اب مالک نے
 ان عقود میں سے کسی ایک عقد کی اجازت دے دی
 تو خاص وہ عقد نافذ ہو جائے گا کیونکہ یہ تمام
 عقود مالک کی اجازت پر موقوف تھے تو جس کی
 اجازت اس نے دی وہی بطور خاص نافذ
 ہو گیا، اور یہاں (صورت مستولہ میں) اجازت
 آخری عقد کو لاتی ہوتی تو وہ نافذ ہو گیا، چنانچہ

۳۱/۲

مطبع مجتہاتی دہلی

۱۰ درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی

۱۴۲/۴

دار احیاء التراث العربی بیروت

"

۱۰ ردالمختار

۱۴۲/۴

"

"

۱۰ "

الملك لخالد في المبيع و
 نمائه وغلالة منذ شري مت
 الهندة ، في تنوير الابصار وشرحه
 كل ما يحدث من المبيع كالکسب
 والولد والعقر ولوقبل الاحبانة
 يكون للمشتري لان الملك
 تم له من وقت الشراء بخلاف الغاصب
 واما ما تحصل من المزاج قبل
 شراء خالد فلاحق لخالد فيه و
 لا للهندة بل لعمر وخاصة لانه بدل
 منافع ملكه المعد للاستغلال وهبة
 الدين من ليس عليه باطلة الا ان
 يسلط على القبض ، في شرح العلائي
 اما تمليك الدين من غير
 من عليه الدين فان
 امره بقبضه صحت لرجوعها الى
 هبة العين اه وفي مسألتنا
 هذه قد وقع التسليط
 كما ذكر في السؤال فصحت
 الهبة وصح التعويض ،
 في شرح التنوير عن الجواهر
 لا يصح الابرأء عن الرجوع ولو صالحه

مبيع اور اس سے حاصل شدہ آمدنی میں اس
 دن سے خالد کی ملک ثابت ہوگی جس دن اس نے
 ہندہ سے خریدا ، تنویر الابصار اور اس کی شرح میں
 ہے کہ جو کچھ مبيع سے حاصل ہو جیسے کمائی ، اولاد
 اور عقر ، تو وہ مشتری کا ہے اگرچہ اجازت سے
 قبل ہو کیونکہ خریداری کے وقت سے ہی اس کو
 ملک تام حاصل ہوگی بخلاف غاصب کے اہ ،
 اور جو کچھ خالد کی خریداری سے قبل کھیتوں سے
 حاصل ہوا اس میں خالد اور ہندہ کا کوئی حق
 نہیں بلکہ وہ خاص عمر و کا ہے کیونکہ یہ اس کی ایسی
 ملک کے منافع کا بدل ہے جو غلہ حاصل کرنے کے
 قابل ہے ، اور دین کا ہبہ اس شخص کو جس پر دین
 نہیں باطل ہے سوائے اس کے کہ اس کو قبضہ کا
 اختیار دے شرح علائی میں ہے کہ ایسے شخص کو
 دین کا مالک بنایا جس پر دین نہیں ، اب اگر
 صاحب دین نے مدیون کو دین پر قبضہ کا حکم
 دے دیا تو یہ ہبہ صحیح ہو گیا کیونکہ یہ (ہبہ دین)
 ہبہ عین کی طرف راجع ہو گا اہ ، ہمارے زیر بحث
 مسئلہ میں چونکہ قبضہ کا اختیار دیا ہے جیسا کہ سوال
 میں مذکور ہے لہذا ہبہ صحیح ہو گیا اور عوض دینا بھی
 درست ہو گیا ، شرح تنویر میں جو الہ جو اہر منقول
 ہے کہ کسی کو حق رجوع سے بری کر دینا صحیح نہیں

۱۰ در مختار شرح تنویر الابصار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتہبائی دہلی ۳۲/۲
 ۱۰ در مختار کتاب الہبۃ ۱۵۸/۲

من حق الرجوع على شئ صحم وكاف
عوضا عن الهبة لله۔ اور اگر حق رجوع کے عوض کسی شئی پر صلح کر لی تو صحیح ہے اور یہ ہبہ کا عوض ہو جائے گا (ت)

بالجملہ جس روز سے خالد نے وہ جائداد ہندہ سے خریدی اس دن سے تو اس کی توفیر خود ملک خالد ہے اور اس سے پہلے جو توفیر روز نیلام سے اس وقت تک تھی وہ عمر و کے ہبہ کرنے سے اس کا حق ہو گئی اب پانچوں بسووں کی توفیر سال ۱۲۹۲ فصلی میں سوا خالد کے کسی کا حق نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ جل مجدہ اتم و حکمہ عز شانہ احکم۔

(مہر مولوی عبدالقادر صاحب بدایونی) (مہر مولوی عبدالمقدر صاحب بدایونی)

مسئلہ از ستار گنج ۲۶ ربیع الآخر ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اکثر باغ و جائداد منقولہ و غیر منقولہ سرکار نیلام کرتی ہے اس کا خریدنا جائز ہے یا ناجائز ہے اور اشیاء روز بروز ہے فقط۔

الجواب

جو نیلام با اجازت مالک ہو مطلقاً جائز ہے یا بعد بیع مالک اجازت دے دے مثلاً سو روپے قرض تھے ایک سو دس میں نیلام ہوا، دس کہ زائد تھے مالک کو دے گئے اس نے قبول کر لے تو یہ اب جائز ہو گیا اگرچہ ابتداءً ناجائز تھا فان الاجازة اللاحقة كالوكالة السابقة (کیونکہ اجازت لاحقہ، وکالت سابقہ کی مثل ہے۔ ت) اور جہاں یہ دونوں صورتیں نہ ہوں وہ عقد فضولی ہے اجازت مالک پر موقوف رہے گا اگر جائز کر دے جائز ہو جائے گا رد کر دے باطل ہو جائے گا، اور جب تک اجازت نہ دے اس شے میں مشتری کو تصرف حلال نہ ہوگا۔

فان العقد الموقوف لا يفيد الحل - كما
کیونکہ بیع موقوف مفید حل نہیں ہوتی جیسا کہ
نص علیہ فی رد المحتار وغیرہ۔ رد المحتار وغیرہ میں اس پر نص کی گئی ہے (ت)

پھر یہ بھی اس صورت میں ہے کہ اس عقد کے ہوتے وقت کوئی ایسا شخص قائم ہو جسے شرعاً اس کی اجازت کا اختیار ہے ورنہ سرے سے باطل ہوگا مثلاً نابالغ کا مال نصف قیمت کو نیلام کیا گیا کہ اسے تمام دنیا میں اجازت دینے والا کوئی نہیں تو ایسا عقد موقوف نہ رہے گا ابتداءً باطل و مردود ہوگا،

۱۶۱ / ۲ مطبع مجتہبائی دہلی باب الرجوع فی الهبة
۱۳۹-۲۰ / ۲ دار احوار التراث العربی بیروت فضل فی القضوی
۱۳۹-۲۰ / ۲ دار احوار التراث العربی بیروت

کیونکہ فضولی کا تصرف جہاں اس کی اجازت دینے کا اختیار رکھنے والا کوئی نہ ہو سہ سے باطل ہے جیسا کہ اس پر دروغیرہ میں نص کی گئی ہے۔
واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم (ت)

فان تصرف الفضولی حیث لا مجیز باطل
اصلاً کما نص علیہ فی الداس وغیرہ
واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۸ ۱۱ ذی الحجہ ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس ڈگری میں اصل روپیہ اور اس کا سود بھی شامل ہے اس میں اگر کوئی جائداد حاکم ہند جو فی الحال ہے نیلام بغرض ادا کے دین و سود کرے تو اس جائداد کو خریدنا شخص مسلمان کو جائز ہے یا نہیں؟ جائز ہے تو بقدر زرِ اصل کے ہے یا بالکل ہے؟ بتینوا تو جروا۔

الجواب

مشری جب عقد صحیح شرعی سے کوئی شے خریدے تو بائع کے فعل کا کہ وہ اس زرِ ثمن کو طاعت میں خرچ کرے گا یا معصیت میں مشتری سے کچھ مطالبہ نہیں،
لاتوس وانارة ونارا خری۔ کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ (ت)

زرِ ثمن کا معاذ اللہ سود میں دیا جانا تمامی عقد بیع کے بعد ہوگا تو مشتری سے کیا تعلق، اور اس وقت اگر ہے تو بائع کی نیت کہ ثمن لے کر وہاں دے گا، اس نیت کو بھی عقد سے علاقہ نہیں، بہر حال مشتری اس الزام سے بری ہے لتخلل فعل فاعل مختاس (کہ درمیان میں فاعل مختار کا فعل ہے۔ ت) ہاں اگر کوئی صورت خاصہ ایسی ہو کہ بائع سود وغیرہ مصارف حرام میں صرف کرنے کے لئے بیچتا ہے اور مشتری شراب سے نیت کرے کہ اس امر حرام میں اس کی اعانت کرے تو فساد نیت کے باعث خود اپنے اوپر الزام شرعی لے گا شمول ربا کا جواب تو یہ ہے مگر یہاں محل نظریہ امر ہے کہ نیلام ایک بیع ہے اور بیع بے رضائے مالک شرعاً جائز نہیں،

قال اللہ تعالیٰ یا ایہا الذین امنوا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اے ایمان والو! آپس میں

لا تاكلوا اموالكم بينكم بالباطل الا ان تكون
تجارتاً عن تراض منكم

ایک دوسرے کا مال ناحق مت کھاؤ سوائے اس کے
کہ تمہارے درمیان باہمی رضا مندی سے تجارت ہو۔

پس اگر نیلام جائز صحیح شرعی خود مالک کرے یا باذن مالک ہو تو اس کے جواز میں کلام نہیں وہ بیع
فضولی ہے کہ اگر اس وقت اس کا کوئی نافذ کر نیوالا نہیں مثلاً نابالغ کا مال نصف قیمت کو نیلام ہوا کہ اسے تمام
جہان میں کوئی نافذ نہیں کر سکتا جب تو وہ بیع سرے سے باطل و بے اثر ہے اور خریداری حرام اور اگر
نافذ کرنے والا ہے مثلاً نابالغ کا مال کتنی ہی کم قیمت کو نیلام ہوا تو وہ عقد اس کی اجازت پر موقوف رہے گا،
اگر رد کر دیا باطل ہو گیا، اور اگر جائز کر دیا نافذ ہو گیا، اور اجازت کی صورتوں میں ایک یہ بھی ہے کہ ذرمن
قدر مطالبہ سے زائد قرار پایا مثلاً پانسو روپے کی ڈگری میں یا ہزار کا مال پانسو روپے کو نیلام ہوا
پانسو روپے کو گئے دس مالک کو دئے اس نے لے لئے تو یہ لینا بیع کو نافذ کر دینا ہو گا لان قبولہ
تنفیذ کما نصوا علیہ (کیونکہ مالک کا قبول کرنا اس کی طرف سے نافذ کرنا متصور ہوتا ہے۔ ت) واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۹ مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہ سواروں میں نوکر تھا اس نے اپنی زوجہ
ہندہ کے مہر میں بحالتِ صحت مکان اور اپنی اسامی دے دی اور دستاویز میں دونوں چیزوں کا ذکر
لکھ کر داخل خارج کر دیا بعد ایک عرصہ کے زید کا انتقال ہو گیا، زوجہ نے مکان عمرو کے ہاتھ فروخت کیا
اب خالد جس کا زید پر کچھ قرض آتا تھا اس مکان کو ملوک زید قرار دے کر اپنا قرضہ اس سے وصول کرایا جاتا
ہے کہ زید نے اسے لکھ دیا تھا اگر میں ادا نہ کروں میری جائداد سے وصول کر لے، آیا یہ اقرار شرعاً روا اور
وہ دستاویز جس میں مکان کے ساتھ اسامی کا بھی ذکر ہے شرعاً صحیح اور یہ مکان بوجہ عقد زید ملوک ہندہ
پھر بسبب عقد ہندہ ملوک عمرو ہو گیا یا نہیں؟ بیٹو! تو جروا۔

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں بیشک وہ مکان بوجہ عقد زید ملوک ہندہ پھر بسبب بیع ہندہ ملوک عمرو
ہو گیا، اب سوائے عمرو کسی کا اس میں کچھ حق نہیں، نہ کوئی قرض خواہ زید اس سے اپنا قرضہ وصول
کر سکتا ہے، محلِ تامل و امر تنقیح طلب یہاں اس قدر کہ زید نے عقدہ واحدہ میں عین یعنی مکان اور حق
مجرد یعنی اسامی میں جمع کیا حالانکہ حقوق مجردہ صالح تملیک و معاوضہ نہیں، کلیۃً فقہ ہے کہ جب عقد اہل
سے محل میں بسلامت ارکان واقع ہو تو اس کے عدم بطلان میں کوئی شبہ نہیں اور اپنے ثمرات کو اگرچہ

بعد القبض بالیقین مٹ ہوگا مگر وقت نظر حاکم کہ وہ عقد جو درمیان زید و زوجہ زید واقع ہوا عام ازین کہ صلح عن المہر ٹھہرے خواہ ہندہ یا زید کی طرف سے ہبہ اور ہبہ ہو تو بالعیوض خواہ بشرط العوض او یہ اختلاف سے اختلاف لفظ عاقین سے ناشی ہوگا، بہر تقدیر امر مذکور نفس مکان کے تملک پھر ہندہ کی صحت بیع میں ہرگز محل نہیں کہ اگر صورت اخیرہ یعنی ہبہ بشرط العوض تو وہ تو ابتداء ہبہ ہے اور اسی کے احکام اس پر جاری، اگرچہ انتہاء بدستیاری معاوضہ جانب بیع منتقل ہو جائے، اور ہبہ میں اگر شے صالح التملیک وغیر صالح یکجا کی جائیں تو اس کا فساد اسی پر متقرر رہتا اور اس قدر میں ہبہ قطعاً صحیح ہو جاتا ہے۔

الاشباہ والنظائر میں ایک قاعدہ مذکور ہے کہ جب حلال و حرام مجتمع ہوں تو حرام غالب ہوگا فرمایا کہ اسی میں سے ہبہ بھی ہے اور وہ شرط فاسد سے باطل نہیں ہوتا لہذا جائز کی طرف متعدی نہیں ہوگا (ت)

فی الاشباہ والنظائر من قاعدة اذا اجتمع الحلال والمحرام غلب الحرام قال ومنها الهبة وهي لا تبطل بالشرط الفاسد فلا يتعدى الى الجائز

اور صورت باقیہ میں اگرچہ یہ عقد باس ہبہ یا صلح میں ہو مگر معنی بیع و شرا ہے زید بائع ہندہ مشتریہ مکان و اسامی بیع مہر ثمن،

لیکن صہبہ بالعیوض میں تو یہ ظاہر ہے اور صلح میں اس لئے جیسا کہ عالمگیر یہ میں بحوالہ محیط آیا ہے کہ اگر صلح دین پر واقع ہو تو اس کا حکم وہی ہے جو بیع میں ثمن کا ہے اور اگر صلح عین پر واقع ہو تو اس کا حکم وہی ہے جو بیع میں بیع کا ہے، چنانچہ جو چیز بیع میں ثمن یا بیع بن سکتی ہے وہ

اما فی الهبة بالعیوض فظاہر و اما فی الصلح فلما فی العلمگیریة عن المحیط اذا وقع الصلح عن دین فحکمہ حکم الثمن فی البیع وان وقع علی عین فحکمہ حکم البیع فما یصلح ثمن فی البیع او مبیعا یصلح بدلا فی الصلح وما لا لا یصلح

صلح میں بدل بھی بن سکتی ہے اور جو بیع میں ثمن یا بیع نہیں بن سکتی وہ بدل صلح بھی نہیں بن سکتی۔ (ت) اب یہ کلام مسئلہ اعتیاض عن الوطائف کے طرف منجر ہوگا وہاں ہر حینہ علماء کو اختلاف ہے

اور یہ بحث معرکہ الآراء ہے مگر مرضی و مختار جہاں ہیر فحول و نثار بر عدول صحت و قبول ہے اور وہی ہنگام اعتبار و ملاحظہ نظر ان شارح اللہ تعالیٰ اظہر، اگرچہ دوسرا پلہ بھی بہت ثقیل و گراں ہے،
 فی الدر المختار من الاشباہ المذہب
 عدم اعتبار العرف الخاص لکن افقی
 کثیر باعتبارہ و علیہ فیفتی بجواز
 النزول من الوظائف بہا الخ قال
 العلامة السید احمد الطحاوی فی
 حاشیہ و قد تعارف ذلك الفقہاء عرفا
 قدیمارضیہ العلماء و الحکام الی ان
 قال عن ابی السعود عن السید احمد
 الحموی من بعض الفضلاء عن
 العلامة بدر الدین العینی ان
 النزول عن الوظائف صحیح قیاسا
 علی ترک المرأة قسہا لصاحبہا
 لان کل منہما مجرد استقاط الخ۔

در مختار میں بحوالہ اشباہ مذکور ہے کہ مذہب
 کہ عرف خاص کے عدم اعتبار کا ہے لیکن
 کثیر علمائے اس کے اعتبار کرنے کا فتویٰ دیا،
 اسی بنیاد پر مال کے بدلے وظائف سے
 دستبر داری جواز کا فتویٰ دیا گیا الخ علامہ سید
 احمد طحاوی نے اپنے حاشیہ میں کہا کہ فقہائے اس کو
 عرف قدیم سمجھا اور علماء و حکام نے اس کو پسند کیا
 یہاں تک کہ علامہ طحاوی نے کہا کہ ابو سعود نے
 بعض فضلاء کا قول بحوالہ علامہ بدر الدین عینی،
 سید احمد حموی سے نقل کیا کہ وظائف سے دستبر داری
 صحیح ہے قیاس کرتے ہوئے عورت کے اپنی باری
 اپنی سوکن کے لئے چھوڑ دینے پر، کیونکہ ان دونوں
 میں سے ہر ایک محض استقاط ہے الخ (ت)

علامہ سید احمد حموی غزعمیون البصائر میں علامہ نور الدین علی مقدسی سے بعض فروع مبسوط
 سرخصی پر اس مسئلہ کا اعتبار اور صحت کا استظهار نقل کر کے فرماتے ہیں،
 فلیحفظ فانه نفیس جداً (اس کو یاد رکھنا چاہئے کیونکہ یہ بہت عمدہ ہے۔ ت)

خاتم المحققین علامہ ابن عابدین شامی رد المحتار میں کلام علامہ بیری شارح اشباہ سے
 اس کی تائید نقل اور حقوق موصی لہ بالخدمہ و قصاص و نکاح و رق کا حقوق شفعہ و قسم زوجہ و خیار
 مخیرہ فی النکاح سے بدیں وجہ کہ صورت اولیٰ میں حق اصالة ثابت ہے تو ان سے اعتیاض جائز

۲/۲ مطبع مجتہاتی دہلی کتاب البیوع لہ در مختار
 ۹/۳ دار المعرفۃ بیروت کتاب البیوع پلہ حاشیہ الطحاوی علی الدر المختار
 ۱۳۹/۱ ادارۃ القرآن و العلوم الاسلامیہ کراچی القاعدۃ الاولیٰ جگہ غزعمیون البصائر

بخلاف اخیرہ کے کہ وہاں ثبوتِ حق صرف بر بنائے ضرر ہے جب صاحبِ حق اعیاض پر راضی ہوا معلوم ہوا مستضر نہ تھا راستاً حق باطل ہو ایہ عوض کیسا فرق بیان کر کے فرماتے ہیں :

ولا ینحی ان صاحب الوظیفۃ ثبت له الحق فیہ بتقریر القاضی علی وجہ الاصلۃ لاعلی رفع الضرر (ینقل الی ما قال) و ان کان الاظهر فیہا ما قلنا۔

اور محضی نہ رہے کہ بیشک صاحبِ وظیفہ کے لئے حق قاضی کی تقریر سے بطور اصل ثابت ہوا نہ کہ رفع ضرر کے طور پر (نقل کرتے ہوئے یہاں تک کہا) اگرچہ اس میں زیادہ ظاہر وہی ہے جو ہم نے کہا۔

اس تقدیر پر تو وہ شبہ کہ صفحہ واحدہ میں صالح و غیر صالح کو جمع کیا راستاً مقطوع اور اگر مذہب آخر اختیار کیجے تاہم فقیہ پر روشن کم من شئی یصح ضمناً ولا یصح قصدا (بہت سی اشیاء ضمناً صحیح ہوتی ہیں اور قصداً صحیح نہیں ہوتیں۔ ت) آخر مرور و شرب و نقل بھی تو حقوق مجردہ ہیں مگر بہ تبعیات رقبات طریقی و نہر و علوان کی بیع بالاتفاق جائز، یہاں بھی اسامی بیچنا صرف اس حق مجرد کے بیع نہیں بلکہ اس کے ساتھ اسپ و لباس بھی ہے کما لا ینحی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ ت) پھر استقلال و محض کہاں جو بطلان مقطوع ہو معہذا اگر ایک مذہب پر بیع اسامی مطلقاً باطل ہی مانی جائے، تاہم اس قدر تو یقینی کہ یہ بطلان مختلف فیہ ہے، پس صرف اتنا ثابت ہو گا کہ زید نے صفحہ واحدہ میں ایک شے صالح البیع بالاتفاق اور شے دوسری مختلف الصلاحتہ کو ضم کیا اور ایسی صورت میں قائلین بالبطالان کے نزدیک اگرچہ اس مضمون کی بیع باطل، مگر اس کا فساد مضمون الیہ تک ساری نہیں ہوتا اس کی بیع بالاتفاق صحیح رہتی ہے، خلاصہ یہ کہ مانعین کے نزدیک بھی حل و وظیفہ مثل اوقاف ہے نہ کہ مانند حرومیہ کہ اس کے بطلان سے بیع مکان بھی فاسد ٹھہرے،

در مختار میں ہے کہ فقہانے بیع فاسد کے باب میں سرایت فساد کو فساد قوی متفق علیہ کے ساتھ مقید کیا تو وہ فساد تمام عقد میں سرایت کرے گا جیسے آزاد اور غلام کو عقد واحد میں جمع کرنا بخلاف فساد ضعیف اختلافی کے کہ وہ اپنے محل پر بند رہتا ہے اور اس

فی الدر المختار وقید و اسرایۃ الفساد فی باب البیع الفاسد بالفاسد القوی المجمع علیہ فیسری کجمع بین حرو عبد بخلاف الضعیف المختلف فیقتصر علی محله ولا یتعدا کجمع بین عبد ومدبر الخ و فی الشامیۃ

لہ رد المختار کتاب البیوع مطلب فی النزول عن الوطائف دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۵/۴
لہ الدر المختار کتاب الاجارہ مطبع مجتہبی دہلی ۱۶/۴

الفساد غیر قوی لعدم الاتفاق علیہ
فلا یسری

تجاوز نہیں کرتا جیسے غلام اور مدبر کو عقد واحد
میں جمع کرنا الخ اور شامی میں ہے کہ یہ فساد غیر قوی
ہے کیونکہ اس پر اتفاق نہیں لہذا یہ ہر ایت نہیں کریگا۔

اور بالفرض اگر اس سے بھی تنزل کیجئے اگرچہ یہ تنزل کے قابل نہیں لیکن تاہم غایت یہ ہے کہ اس سے
بیع مکان میں فساد لازم آئے گا، نہ بطلان کہ وجہ فساد مسئلہ حرومیۃ میں قبول غیر صالح سے مشروط ہوتا
ہے اور بیع شروط فاسدہ سے فاسد ہو جاتی ہے نہ کہ باطل،

میں کہتا ہوں اگرچہ اس میں علماء کی تعبیریں ایک
طرز پر واقع نہیں ہوتیں، ان میں سے بعض نے
اس کو فساد قرار دیا اور بعض نے بطلان سے
تعبیر کیا جس سے مراد فساد ہی ہے کیونکہ ان دونوں
لفظوں یعنی فساد و بطلان میں سے ہر ایک دوسرے
کی جگہ استعمال ہوتا رہتا ہے جیسا کہ کلمات
قوم کو مد نظر رکھنے والے پر مخفی نہیں، اور قہستانی
نے باطل کے بیان میں کہا کہ بسا اوقات اس پر
فساد کا اطلاق ہوتا ہے اور اسی طرح اس کے
برعکس بھی یعنی فساد پر باطل کا اطلاق ہوتا ہے اور
اس پر قوی ترین دلیل امام ہمام فقیہ لئفس فخر الدین
خان قاضی کا کلام ہے کیونکہ انھوں نے فتاویٰ
خانہ میں فرمایا بیع کی کئی قسمیں ہیں باطل، فاسد،
موقوف، لازم اور مکروہ۔ پھر بیع باطل کے
بارے میں فصل قائم کی اور اس میں بیع باطل کے

اقول وان كانت تعبيرات العلماء في ذلك
لم ترد على نسق واحد فمنهم
وهم بالفساد ومنهم من عبر
بالبطلان والفساد هو المراد لانهما
لفظان متعاوران يرد كل واحد
منهما مشرب صاحبه كما لا يخفى
على الناظر في كلمات القوم وقال
القہستانی في بيان الباطل كشيء
ما يطلق الفاسد عليه وبالعكس اه
ومن اقوى الدليل على ذلك
كلام الامام الهمام فقيه النفس
فخر الدين خات القاضي اذ قال في
المخانية البيع انواع باطل وفساد و
موقوف ولائهم ومكروه ثم عقد
فصلا في البيع الباطل

۵/۵

دار احیاء التراث العربی بیروت

کتاب الاجارہ

لہ ردالمحتار

۳۳/۳

مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران

کتاب البیوع

کتاب جامع الرموز

۳۳۵/۲

لوکسور بکھنو

کتاب البیوع

کتاب فتاویٰ قاضی خان

وذكر مسألة ثم قال باب البيع الفاسد
المفسد للبيع انواع وهذا الباب
يشتمل على فصول ، الفصل
الاول في فساد البيع لجهالة احد
البدلين وفيه الجمع بين الموجود
والمعدوم والجمع بين المال
وغير المال اه فهذا كما ترى
نص صريح لا يقبل صرفا و
لا تاويل قلت و به اوضح عمدة المذهب
امانا المجتهد سيدنا محمد في المحيط و
المبسوط وغيره في غيرهما كما في جامع الرهوت
والكفاية وعليه يدور كلام الامام البرهان
الدين المرغيناني في الهداية والعلامة
المحقق على الاطلاق في الفتح والفاضل
نزين الدين المصري في الاشباة والسيد
احمد الحموي في غمز العيون والعلامة نوح
افندي والفاضل سيد احمد الطحطاوي
وغيرهم رحمة الله تعالى عليهم اجمعين
فعليه المعول و به الاعتماد كما حققته
في فتاوى الملقية بالعتايا النبوية في
الفتاوى الرضوية خلافا لما فهم العلامة
ابو عبد الله محمد بن
عبد الله الغزالي من وقوع لفظ البطلان في

مسائل کو ذکر کیا۔ بعد ازاں بیع فاسد کا باب قائم
کر کے فرمایا کہ مفسدات بیع متعدد قسموں کے ہیں
اور یہ باب کئی فصلوں پر مشتمل ہے، پہلی قسم
بدلین میں سے کسی ایک کی جہالت کی وجہ سے فساد
بیع کے بارے میں ہے اور اس میں معدوم و
موجود کو اور مال و غیر مال کو عقد واحد میں جمع کرنا
داخل ہے الخ تو یہ جیسا کہ تو دیکھ رہا ہے صریح نص
ہے جو مجاز و تاویل کو قبول نہیں کرتی، میں کہتا ہوں اور سہی
واضح فرمایا ہے عمدة المذہب امام مجتہد ہمارے
سردار امام محمد نے محیط اور مبسوط میں، اور دیگر
ائمہ نے دوسری کتابوں میں جیسا کہ جامع الرموز اور
کفاہ میں ہے، اور اسی پر دائرہ ہے امام برہان الدین
مرغینانی کا کلام ہدایہ میں، امام علامہ محقق علی الاطلاق
کا کلام فتح میں، فاضل زین الدین مصری کا کلام
الاشباہ میں، سید احمد حموی کا کلام غمز العيون
میں، اور اسی پر دائرہ ہے علامہ نوح آفندی اور
فاضل سید احمد طحطاوی وغیرہ ائمہ کا کلام، اللہ
تعالیٰ ان تمام پر رحمت نازل فرمائے، پس اسی
پر بھروسہ اور اعتماد ہے، جیسا کہ اس کی تحقیق میں
نے "العتایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ" کے
لقب سے ملقب، فتاوی میں کر دی ہے، برخلاف
اس کے جو بعض کلمات قوم میں لفظ بطلان کے
واقع ہونے سے علامہ ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ غزالی

نے سمجھایا تا مل کا حکم دے کر سیدی محمد امین الدین
آفندی نے احتیاط برتی، چنانچہ وضاحت و
ثبوت کے بعد مقام تحقیق کی طرف رجوع کئے بغیر
چارہ نہیں اور جو اس کے خلاف کا ارادہ کرے
اس کے ذمے دلیل پیش کرنا ہے (ت)

بعض کلمات القوم او استظہرہ سیدی
محمد امین الدین آفندی امرا
بالتامل فلا محید الا الی المقام بعد
ما اوضح و تحقق و من اراد فعلی ایراد
الدلیل۔

اور بیع بالبیع الفاسد بعد القبض مملوک ہو جاتی ہے کما فی عامۃ الکتب (جیسا کہ عام
کتابوں میں ہے۔ ت) ہاں حق مشتری میں اس کی خباثت رہتی ہے لہذا تفسیح واجب، مگر
اس کی بیع کے بعد مشتری ثانی کے لئے وہ بھی نہیں رہتی۔

فی الدر المختار بخلاف بیع الفاسد فانہ
لا یضیّب لہ لفساد عقدہ ویطیب للمشتري
منہ لصحة عقدہ۔

در مختار میں ہے بخلاف بیع فاسد کے کہ اس میں
مشتری کو حلال نہیں اس عقد کے فساد کے
سبب سے اور جس نے اس سے خرید اس سے
حلال ہے بسبب اس کی صحت عقد کے (ت)

پس بہر حال اب یہ مکان بالیقین مملوک عمر ہے، زید یا زوجہ زید یا قرضخواہان زید کا اس میں
کچھ حق نہیں، نہ قرضہ زید اس سے کوئی وصول کر سکتا ہے ہذا ینبغی التحقیق و اللہ ولی
التوفیق، واللہ سبحنہ و تعالیٰ اعلم و علمہ جل مجدہ اتم و احکم (یونہی تحقیق چاہئے اور
اللہ تعالیٰ ہی توفیق کا مالک ہے، اور اللہ سبحنہ و تعالیٰ خوب جاننے والا ہے اور اس کا علم
اتم و اعلم ہے۔ ت)

مسئلہ ۳ از کمپ لال کرتی مرسلہ شیخ کریم بخش صاحب ۸ رمضان ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے مکان میں ایک درخت فالسہ کا تھا اور
بکر کے ہاتھ فروخت کئے ہوئے ایک مہینہ گزر گیا، بعدہ زید کے مکان میں آگ لگ گئی، درخت مذکور
جل گیا، قیمت اس کی بکر کو واپس دینا چاہئے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب

بعد استفسار واضح ہوا کہ گھنڈ ساریوں کے ہاتھ فالسہ کی ٹہنیاں بچی جاتی ہیں وہ انھیں کاٹ

لیتے ہیں اور پڑ بدستور قائم رہتا ہے، یہ بیع بھی انھیں ٹہنیوں کی تھی اور مشتری ہنوز کاٹنے نہ پایا تھا کہ مکان میں آگ لگ گئی، پڑ جل گیا، اس صورت میں قطع نظر اس سے کہ صرف ٹہنیوں کی بیع جائز و صحیح ہونے میں بہت نزاع طویل ہے،

و انما حکم من حکم بالجوانا مستندا الى
التعامل اوان كان موضع القطع معلوما
بالعرف كما فصله في الدرر حواشيه

اور جس نے جواز کا حکم کیا اس نے تعامل کی بنیاد پر
جواز کا حکم کیا یا اس بنیاد پر کہ از روئے عرف
کاٹنے کی جگہ معلوم ہو جیسا کہ در اور اس کے حواشی
میں اس کی تفصیل ہے (ت)

جب شے بیع قبل قبضہ مشتری دست بائع میں ہلاک ہو گئی بیع جاتی رہی اور جو قیمت لی تھی وہ واپس دینی
واجب،

ردالمحتار میں بحوالہ فتح اور در منتقے ہے کہ اگر فعل
بیع یا فعل بائع یا کسی امر سماوی سے بیع
(بائع کے ہاتھ میں) ہلاک ہو جائے تو بیع باطل
ہو جائے گی اور ٹہنیوں پر اگر بائع قبضہ کر چکا ہے
تو لوٹائے جائیں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ت)

في رد المحتار عن الفتح والدر المنتقى
لو هلك المبيع بفعل البائع او بفعل
المبيع او بامر سماوي بطل البيع ويرجع
بالمثلن لو مقبوضا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ از شہر کہنہ ۲ محرم الحرام ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنا مکان مسکونہ لے کر بیع و اجازت عورت تاحیات یعنی سوا برس اس مکان میں رہتا رہتا رہتا بسبب رہنے زید کے اس مکان میں تکمیل بیع نامہ جائز ہے یا نہیں؟
بَيِّنُوا تَوَجُّرًا۔

الجواب

بیع مذکور تمام و کامل ہے اور زید کا رہنا بے اجازت عورت ہوتا ناہم اصلاً تمامی بیع میں خلل

نہ لانا،

۱۔ در مختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مجتہاتی دہلی ۲۳/۲
۲۔ ردالمختار کتاب البیوع دار احوار التراث العربی بیروت ۴۲/۴

فان غاية الغضب والبيع اذا تم افتاد
الملك والملك بالغضب لا يزول على ان
الغضب لا يتحقق في العقار والبيع ليس
كالهبة حتى يشترط فيه القبض والتخلية
وهذا ظاهر جدا، والله تعالى اعلم۔

کیونکہ غایت اسکی غضب اور بیع جب تمام ہو جائے
تو مفید ملک ہوتی ہے اور غضب سے ملک
زائل نہیں ہوتی، علاوہ ازیں غضب غیر منقولہ
اشیاء میں متحقق نہیں ہوتا اور بیع ہبہ کی مثل
نہیں حتیٰ کہ اس میں قبضہ اور فارغ کرنا شرط
قرار دیا جاتا اور یہ خوب ظاہر ہے۔ واللہ اعلم

مسئلہ ۳۲۔ مرسلہ ابوالاثیم محمد ابراہیم بریلی خواجہ قطب المحرم ۱۳۲۳ھ یوم دو شنبہ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے انتقال کیا دو بھتیجے
حقیقی اور ایک دختر چھوڑی اور بڑا بھتیجا اس لڑکی کا شوہر، لیکن باہم زوجین میں ایک مدت سے
نا اتفاقی ہے حتیٰ کہ نان و نفقہ تک نہیں دیتے۔ زید نے اپنی حیات میں اپنی کل جائداد دو ہزار روپیہ
میں اپنی دختر کے ہاتھ بیع کر دی لیکن قیمت جائداد تخمیناً چھ ہزار روپے ہے اور بیعنامہ بھی قانونی کر دیا
لیکن معلوم ہوتا ہے کہ روپیہ شریہ نے بائع کو کچھ نہیں دیا وہ کہاں سے دیتی اس کا نان و نفقہ بھی
باپ کے ذمہ تھا، ایک مرتبہ زید نے کسی موقع پر اپنے چھوٹے بھتیجے سے کہا کہ میری حق تلفی مجھ سے ہوگئی
تیرے بڑے بھائی کی وجہ سے وہ میری زندگی میں تو اپنی زوجہ (یعنی میری لڑکی) کو کچھ دیتے نہیں ہیں
بعد میرے مرنے کے کیا دیں گے، اس کے جواب میں بھتیجے نے یہ کہا کہ آپ میری حق تلفی کیوں کرتے ہیں
اس کے جواب میں زید نے یہ کہا کہ جو کچھ ہوتا تھا ہو گیا، پس صورت مذکورہ میں اس جائداد و بیع کا
کیا حکم ہے؟ آیا دونوں بھتیجوں کو بھی شرعی حصہ پہنچتا ہے یا نہیں؟ بیتوا مع الدلیل و
البرهان توجروا عند الحنان المنان (دلیل و برهان کے ساتھ بیان کرو احسان و مہربانی
فرمانے والے سے اجرا و تہات)

الجواب

یہ بیع صحیح و تام و نافذ ہوگئی جبکہ زید کی حالت صحت میں تھی،

جیسا کہ سائل نے مجھے زبانی بتایا اور یہ حکم اس
لئے ہے کہ یہ ایک ایسا عقد ہے جو اہل سے
صادر ہو کر محل میں واقع ہوا تو اس میں کوئی
رکاوٹ نہیں۔ (ت)

كما ذكر لي السائل بلسانه و ذلك لانه
عقد صدر عن اهل في محله فلا
مرد له۔

ادائے ثمن شرائط صحت یا نفاذ بیع سے نہیں ولہذا اگر بائع بعد تمامی عقد زر ثمن تمام و کمال معاف کر دے معاف ہو جائیگا اور بیع میں کوئی خلل نہ آئے گا کما نص علیہ فی فتاویٰ الامام قاضی خان و بینہ فی رد المحتار و حققناہ فی فتاویٰنا (جیسا کہ فتاویٰ امام قاضی خان میں اس پر نص کی گئی اور رد المحتار میں اس کو بیان کیا اور ہم نے اپنے فتاویٰ میں اس کی تحقیق کی۔ ت) یہاں اگر معافی ثابت ہو فہما، اور اگر زید نے وصول پالینے کا اقرار کیا جب بھی مشتریہ پر ثمن کا دعویٰ اسے نہ رہا لان المرء مواخذ باقرارہ (کیونکہ شخص اپنے اقرار سے پکڑا جاتا ہے۔ ت) اور یہ قرآن کہ وہ کہاں سے دیتی اس کا نفقہ بھی تو باپ کے ذمہ تھا بینہ ابرار کے مقابل مسموع نہ ہوتا تو ظاہر اقرار وصول کے سامنے بھی قابل التفات نہیں،

لان المال عاد و سائر و قد یكون لبعض الناس لاسیما النساء مال خفی قل ما یطلع علیہ الاخرون و عسی ان یكون لہا من حلی جہازہا و امتعة ما یفی بذلک۔

کیونکہ مال آنے جانے والی چیز ہے اور کبھی بعض لوگوں خصوصاً عورتوں کے پاس کچھ پوشیدہ مال ہوتا ہے جس پر دوسرے لوگ بہت کم مطلع ہوتے ہیں، شاید اس عورت کے پاس جہیز کا کوئی زیور یا سامان ہو جس سے وہ ادائیگی کرتی ہو۔

اور جب خود زید کا دعویٰ نہ سنا جاتا تو ورنہ اگر خلافت اسی طرف سے مدعی ہوں گے ان کا دعویٰ کیونکہ مقبول ہو سکتا ہے زید کا ایک بھتیجے سے کہنا کہ مجھ سے تیری حق تلفی ہو گئی صحت بیع کا منافی نہیں بلکہ موکد ہے کہ اگر بیع صحیح نہ ہوتی تو حق تلفی کیونکہ ہوتی باقی براہ دیانت حق تلفی حکم قضا میں صحت بیع پر اثر نہیں ڈالتی بیع صحیح ہو گئی، بھتیجوں کا جائداد میں کچھ حق نہ رہا، ہاں ثمن کا دعویٰ ممکن ہے اگر زید نے معاف یا وصول پالینے کا اقرار نہ کیا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ از پیگما مستولہ مولوی حاجی نذیر احمد صاحب ۲۴ ذی القعدہ ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفسیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ زید نے نصف اراضی زمینداری عمرو کی جس میں اس کی سیر و خود کاشت کی کچھ زراعت تیار شدہ کچھ تخم زری شدہ بھی تھی بایں شرط خرید کی کہ جو اراضی عمرو کی کاشت میں ہے وہ بھی نصف کاشت سے چھوڑ دینا ہوگی، عمرو نے اس شرط کو قبول کر لیا تھا اور اس اراضی کی اس پیداوار موجودہ اور مزروعہ کا وقت بیع کے کچھ تذکرہ اور تصفیہ نہ ہوا تھا کہ آیا کل عمرو کا ہو گا یا نصف زید کا بھی؟ اب زید نصف پیداوار بھی اس اراضی کی جو عمرو نے کاشت کرائی تھی طلب کرتا ہے کہ میرا تو عمرو کی ہر چیز میں نصف کھڑا ہے، عمرو کہتا ہے

میں نے اراضی زمینداری اور حقوق زمینداری بیع کئے ہیں نہ حقوق کاشتکاری، پس حق زمینداری اس اراضی زراعت تیار شدہ اور مزروعہ کا چوتھائی حصہ ہے اس کا نصف لے لو جیسی کہ مخلوق میں سامیان سے جو نصفی یا چوتھائی یا پیکر وغیرہ پر کاشت کرتے ہیں حصہ لیا جاتا ہے اسی طرح سے ورنہ تمھاری ہر چیز کے اعتبار سے تو میں اثاث البیت وغیرہ بھی دے کر نہ چھوٹوں گا، لہذا استفسار ہے کہ فریقین میں سے زید حق پر ہے یا عمرو؟ زید کا مطالبہ کرنا کیسا ہے اور عمرو کا نہ دینا کیسا؟ بیٹنوا تو جسد ۱۔

الجواب

زراعت تیار شدہ تمام وکمال ملک عمرو ہے بلکہ اگر وقت بیع تک صرف اسی قدر اُگی ہوتی جسے جانور اپنے لبوں کے ذریعہ سے زمین سے لے سکے جب بھی اس پر زید کا دعویٰ بالاتفاق باطل تھا، ہاں اگر پٹیا بالکل باہر نہ آتا جسے جانور چرسکے نری رنگت ہی رنگت زمین پر ظاہر ہوتی ہوتی ایسی حالت میں زمین بھی جاتی تو ایک قول پر نصف زراعت بھی ملک زید قرار پاتی تجنیس میں اسی کو صواب اور شرح الجمع و در مختار میں اصح بتایا اور دوسرے قول پر اب بھی وہ تمام وکمال ملک عمرو رہتی فتح القدیر میں اسی کو اوجہ اور سراج الوہاج میں صحیح فرمایا، اور اکثر کارحمان رائے قول اول کی طرف ہے اور جس قدر میں تخم ریزی ہوتی ہے اُسے دیکھا جائیگا کہ آیا ہنوز بیج تازہ پڑا ہے کہ زمین میں گل نہ گیا ہوگا تو اس صورت میں بھی بالاتفاق جو زراعت اس سے پیدا ہوگی تمام وکمال عمرو کی ہوگی اور اگر ایسے وقت بیع ہوئی کہ بیج گل چکا تھا زمین کھود کر اگر اسے نکالنا چاہتے تو کچھ نہ ملتا تو اس صورت میں بھی اختلاف علماء ہے، بعض نے کہا اب نصف زراعت مشتری نصف زمین کی ہوگی، اسی کو امام فضلی و صاحب ذخیرہ نے اختیار فرمایا اور بعض نے فرمایا اب بھی تمام وکمال بائع کی ہے اسی کو امام ابواللیث و امام برہان الدین صاحب ہدایہ نے اختیار فرمایا اور اسی پر در مختار میں اعتماد کیا بلکہ امام فقیہ ابواللیث و امام برہان الدین صاحب ہدایہ کا مختاریہ ہے کہ مطلقاً چاروں صورتوں میں تمام وکمال زراعت بائع کی ہی ہے خواہ تھوڑی اُگی ہو یا بہت بیج گل گیا ہو یا نہیں، اور یہی متون تنویر الابصار وغیرہ کا مفاد ہے، بالجملہ ان تمام صورتوں میں زراعت ملک عمرو ہے، زید کا دعویٰ نصف باطل ہے مگر صرف اس حالت میں کہ بیع کے وقت زمین سے کھیتی ظاہر تو ہوتی ہو اور اس قابل نہ ہو کہ جانور اپنے لب سے اُسے نکال سکے کہ اس تقدیر پر قول راجح میں آدھی زراعت مشتری نصف زمین کی ہوگی پھر جن صورتوں میں زراعت صرف عمرو کی ٹھہری زید کو اختیار ہے کہ زمین تقسیم کر کے اپنا

حصہ زراعت عمرو سے خالی کرالے اسے فوراً خالی کرنا ہوگا اگرچہ زراعت ہنوز قابلِ ورد نہ ہوتی ہو اگر رضائے زید باقی رکھی تو حسب دستور زید کو حتی زمینداری یعنی جو اتنی زمین کی اس قدر مدت تک استعمال رکھنے کی لگان وغیرہ ہوتی ہے ادا کرے، درمختار میں ہے،

(لايدخل النزع في بيع الارض بلا تسمية)

الاذا نبت ولا قيمة له فيدخل في الاصح

شرح المجمع، ويؤمر بالبائع بقطع النزع

وتسليم الارض عند وجوب تسليمها فلولم

ينقد الثمن لم يؤمر به خانية، وما في

الفصولين النزع للبائع باجبر مثلها

محمول على ما اذا رضى المشتري نهرا

ملتقطا - والله تعالى اعلم

زمین کی اجرت مثلی کے ساتھ تو وہ اس صورت پر محمول ہے کہ مشتری اس پر راعنی ہو، نہراہ ملتقطا

والله تعالى اعلم (ت)

مسئلہ ۳۴ از ریاست جاوہر، ڈونگر پور دروازہ

مرسلہ ہدایت نورخاں صاحب برادر نواب

جاوہر، رمضان المبارک ۱۳۲۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین ان مسائل ذیل میں :

(۱) زید و ہندہ نے بروقت خواستگاری یعنی لگنی پسرخود مسمی بکر کے ماہ ستمبر ۱۹۰۲ء میں ایک

تحریر بدیں مضمون لکھی کہ پندرہ روپیہ چار آنہ ماہوار کہ بعد مایان بکھہ بر خور دار بکر رسید سے بعد وفات

ہمارے جو حصہ بکر میں پہنچیں گے اور ایک منزل مکان بجد و دار بکھہ بعض مبلغ پنجاہ ہزار روپیہ

از جملہ مہرش کہ کفیل و ضامن اس کے ہم ہیں مسماۃ ہاجرہ کو دیا ہم نے، اور اس پر قابض و متصرف

کہ دیا ہم نے، مگر اس تحریر کے ایک سال آٹھ ماہ کے بعد مئی ۱۹۰۴ء میں نکاح ہاجرہ کا بکر کے ساتھ ہوا

جلسہ نکاح میں تکمیل تحریر مسطور بالا کی نہیں ہوئی اور نہ دستخط قاضی وقت کے کہ جس نے نکاح پڑھایا

اس پر ہوئے ہیں، نہ تاریخ یوم نکاح ہی، نہ منظور شدہ زوج ہی، پس ایسی حالت میں اگر زوجہ بکر

اس تحریر کی رو سے زید و ہندہ یا بکر پر دعویٰ کرے تو عند الشرح اس جائداد منقولہ و غیر منقولہ کے پانے کی مستحق ہے یا نہیں؟ اور قبضہ بھی اس جائداد پر مسماۃ ہاجرہ کو مالکانہ نہ اصالتاً نہ وکالتاً دلایا گیا کیونکہ زید و ہندہ سزا سے ابھی تک بقید حیات ہیں اور اسی جائداد منقولہ و غیر منقولہ پر خود قابض و متصرف ہیں پس ایسی حالت میں ہاجرہ شرعاً اس جائداد مذکورہ کے پانے کی مستحق ہے یا نہیں؟

(۲) زید نے سخاہ عطیہ شاہی جو کہ آئندہ آنے والی ہے اس کو بنام مسماۃ ہاجرہ بالعوض مہربع و ہبہ کی اور قبضہ بھی نہیں دیا تو ایسی آنے والی سخاہ کا بیع و ہبہ از روئے شرع شریف معتبر ہے یا نہیں؟ بینوا تو جبروا۔

الجواب

(۱) ہاجرہ اس جائداد کا اصلاً مطالبہ نہیں کر سکتی، ظاہر ہے کہ زید و ہندہ کی طرف سے یہ تصرف مہر کے عوض ایک جائداد دینا ہے اور تمذیک عین بالعوض، اگرچہ بلفظ ہبہ یا عطا ہو ابتداءً و انتہاءً ہر طرح بیع ہے۔

فی الدر المختار اما لوقال و هبتك بكذا
فہو بیع ابتداءً و انتہاءً
در مختار میں ہے اگر کہا میں نے تجھے اس چیز کے بدلے ہبہ کیا تو یہ ابتداءً اور انتہاءً بیع ہے (ت)

اور بیع مبادلہ مال بمال ہے کما فی الكنز و المنتقى وغیرہما (جیسا کہ کنز اور ملتقى وغیرہ میں ہے۔ ت) اور مال عین ہے یا دین، اور مہر قبل از نکاح نہ عین ہے نہ دین، تو اصلاً مال ہی نہیں، تو اس کے عوض کسی شے کا دینا محض باطل ہے،

وصارکالبیع بالدم او المیتة او التراب
بل ادون لانها اشياء وان لم تکن اموالا
وهذا لیس بشئ اصلاً۔
اور یہ خون یا مردار یا مٹی کے بدلے بیع کی مثل ہو گیا بلکہ اس سے بھی کمتر کیونکہ یہ چیزیں اگرچہ مال تو نہیں مگر اشیاء تو ہیں جبکہ مہر قبل از نکاح تو شے ہی نہیں (ت)

العقاد سبب وجوب سے پہلے ادا باطل ہے،
فی فتح القدير لا يجوز تعجيله
فتح القدير میں ہے کہ اس کی تعجیل جائز نہیں

کیونکہ اس طرح سبب پر اس کا مقدم ہونا لازم
آئے گا (ت)

لانه يكون قبل السبب^۱

عنايہ میں ہے:

تقديم الحكم على السبب لا يجوز^۲۔
علماء تصریح فرماتے ہیں کہ دین معدوم کے بدلے رہن لینا بھی جائز نہیں،
في الہندیۃ الرهن بدین معدوم فلا یصح
اذ حکمہ ثبوت ید الاستیفاء والاستیفاء
یتلو الوجوب کذا فی الکافی^۳۔
ہندیہ میں ہے کہ معدوم دین کے بدلے رہن لینا
صحیح نہیں کیونکہ رہن کا حکم یہ ہے کہ دین وصول
کرنے کی قدرت حاصل رہے اور وصول کرنا وجوب
کے بعد ہوتا ہے جیسا کہ کافی میں ہے (ت)

اور اس پر ان اشیاء کا اعتراض وارد نہیں ہوتا
جو کسی نے اپنی منگیتر کو بطور مہر بھجیں کیونکہ ان
اشیاء پر نکاح ہونے کی صورت میں وہ عورت ان
کی مالک ہو جاتی ہے

اور یہ اس لئے کہ یہاں ان اشیاء
میں ثبوت ملک نکاح اور مہر مقرر کرنے کے بعد ہے
نہ کہ اس سے پہلے، اسی لئے عورت اگر نکاح سے
انکاری ہو تو ان اشیاء کو واپس کرے گی چاہے
وہ اشیاء موجود ہوں یا ضائع ہو گئی ہوں جیسا کہ

توفی الحال اس کا ادا کرنا کیونکر صحیح ہوگا،
ولا یرد ما اذابعت الی المخطوبۃ اشیاء مہرا
لہا فانہا تمسکها اذ اتزوجت علیہا و ذلك
لان الملك انما یثبت فیہا بعد التزوج
والامہار ما قبلہا فلا ولذا تردھا ان
ابت قائمۃ او ہالکۃ کما فی الدار المختار
وغیرکے اما ہرہنا فالزوج انما وقع علی
الدر اہم ثم لم یکن بعد ذلك مت
الکفیلین تعویض وما تقدم لا یجیدی
کہا تقدم۔

در وغیرہ میں ہے مگر یہاں تو نکاح در اہم پر واقع ہوا پھر اس کے بعد دونوں کفیلوں کی طرف سے عوض

۱۵۴/۲	فصل ویس فی الفصلان الخ	مکتبہ نوریہ رضویہ سکر	۱۵۴/۲
۱۵۴/۲	فصل ویس فی الفصلان الخ	مکتبہ نوریہ رضویہ سکر	۱۵۴/۲
۲۳۱/۵	الفصل الاول	نورانی کتب خانہ پشاور	۲۳۱/۵
۲۰۳/۱	باب المہر	مجتبائی دہلی	۲۰۳/۱

دینا بھی نہیں پایا گیا اور جو کچھ پہلے ہو چکا وہ نفع نہیں دے گا جیسا کہ پہلے گزر گیا ہے (ت)
یہ حال تو مکان کا ہے، رہے وہ پندرہ روپے چار آنے ماہوار، اس سے اگر مراد اپنی کوئی جائداد
اتنی توفیر کی ہو تو اس کا حال مثل حال مکان ہے، گزرا اور اگر کوئی تنخواہ مراد ہو جو ان کو کسی نوکری کی اجرت میں
ملتی ہے تو اس کا حال حال مکان سے بدتر ہے کہ وہ خود ہنوز معدوم ہے تو یہ بیع معدوم بالمعدوم
ہوتی اور اگر وہ تنخواہ محض عطیہ حاکم بطور منصب و جاگیر ہے تو اس سے بھی بدتر حالت ہے کہ وہ خود ان
کے اختیار ہی کی نہیں، بہر حال یہ معاوضہ باطل محض ہے، اور ہاجرہ کو اس کے ذریعہ سے کوئی استحقاق
مطالبہ نہیں، دستاویز کہ زید و ہندہ نے لکھی اس کی پوری نقل سائل نے نہ بھیجی جس سے یہ معلوم ہوتا کہ
انہوں نے مہر کی جو کفالت کی ہے وہ بھی شرعاً صحیح ہوئی یا نہیں، نہ اس سے سائل کا سوال ہے لہذا
اس سے بحث کی حاجت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) آئندہ تنخواہ کی بیع و ہبہ دونوں کو باطل کہ وہ معدوم ہے اور معدوم نہ بیع ہو سکتا ہے نہ ہبہ۔
تنویر الابصار میں ہے: بطل بیع المعدوم (معدوم کی بیع باطل ہے۔ ت) فتاویٰ خیرہ میں ہے:
وبهذا علم عدم صحة هبة ما سيحصل
من محصول القریتین بالاولی لان
الواهب نفسه لم يقبضه بعد فكيف يملكه
وهذا ظاهر۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔
اور اس سے معلوم ہو گیا کہ دو قریوں کی آمدنی سے
حاصل شدہ شئی کا ہبہ بدرجہ اولیٰ صحیح نہیں
کیونکہ خود واہب نے ابھی قبضہ نہیں کیا تو وہ
اس کا مالک کیسے بنا سکتا ہے اور یہ ظاہر ہے،
اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے (ت)

مسئلہ ۳۶ از ریاست رامپور محلہ راجدوارہ متصل مسجد مولوی حیدر علی صاحب مرحوم
مرسلہ مظہر حسین خاں ولد مولوی عبدالعلی خاں صاحب مرحوم ۶ رجب ۱۳۲۸ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرح متین اس باب میں کہ زید نے ایک قطعہ اراضی تعدادی
چوبیس درعہ جس کا طول جنوباً شمالاً چھ درعہ و عرض شرقاً غرباً چار درعہ اراضی مکسرہ ملک کہ خود جس کا طول
شرقاً غرباً سولہ گز و عرض جنوباً شمالاً چھ گز ہے بقیمت مبلغ نو روپیہ کے بدست عمر بیع کر کے بیعنامہ
تصدیق کرادیا بوقت تحریر بیعنامہ حد شرعی میں بجائے بقیہ اراضی بائع کے صریح غلط طور پر دروازہ مکان

۱۔ درمختار شرح تنویر الابصار کتاب البیوع باب البیع الفاسدہ مجتہائی دہلی ۲۳/۲
۲۔ فتاویٰ خیرہ کتاب الحبۃ دار المعرفہ بیروت ۱۱۱/۲

خالہ تحریر ہو گیا حالانکہ دروازہ مکان خالد محکم و صحیح کل قطعہ مملوکہ بائع کی بھی نہیں ہو سکتی ہے کیونکہ منتہائے کل قطعہ اراضی مملوکہ بائع تعدادی چھیانوئے درعہ کے حد پر بھی اراضی مرور مکانات ہے دروازہ مکان خالد بعد اراضی مرور کے ہے، اور حد شمالی میں بجائے مرور مکانات کے صریح طور پر بھی غلط کچھیت مکان خالد دروازہ مکان ہندہ تحریر ہو گیا حالانکہ کچھیت مکان خالد بعد اراضی مرور کے اور دروازہ مکان ہندہ بہت فاصلہ پر واقع ہے اس غلطی تحریر حدود سے جبکہ بیعنامہ میں پیمائش و عرض و طول اراضی مبیعہ کی صراحت و تعیین ہے اور شرح مقام اراضی موجودہ وقت اور اقرار یافتہ کے اس نور و پیرہ قیمت صرف چوبیس درعہ کے ہو سکتی ہے نہ کہ چھیانوئے درعہ کے اور حدود کے اعتبار سے علاوہ اراضی بائع کے راہ مرور مشترکہ محلہ داران بھی داخل مبیعہ ہوا جاتا ہے جس کی بیع شرعاً جائز نہیں ہے پس صورت بلا شرعاً مبیعہ وہی چوبیس درعہ اراضی قرار پائے گی یا کہ کل قطعہ چھیانوئے درعہ اراضی مملوکہ بائع مع اراضی مرور شرقی و شمالی محلہ داران۔ بیٹو اتوجروا۔

الجواب

بیعنامے اور عرضی دعویٰ و جواب دعویٰ ملاحظہ ہوئے، اگر بیعناموں پر نظر ہو تو ان میں حدود بالاتفاق یکساں صاف صاف مکتوب ہیں، اور ان میں شرح ۶ گز کا کہیں ذکر نہیں، ایسی حالت میں کل زمین مذکور کہ بائع اول کو اس کے ماموں سے وراثتاً پہنچی بیع سمجھی جائے گی، حدود میں اگر مکانات دیگر کے راستے بھی داخل ہو گئے ہیں مالکوں کی چارہ جوتی پر واگزا اشت ہو جائیں گے بائع اس سے استدلال نہیں کر سکتا نہ بیعناموں میں مقدار بیع ۴ گز اور اس کا طول ۶ گز عرض ۴ گز لکھا ہونا کچھ مفید ہو سکتا ہے جبکہ فی گز ۶ کی قید بیعنامہ میں کہیں نہیں۔ درمختار میں ہے:

ان باع المذروع علی انه ماثۃ ذراع
 اخذ المشتري الاقل بكل الثمن او ترك
 واخذ الاكثر بلاخيار للبائع لان
 الذراع وصف لتعيبه بالتبعيض ضد
 القدر والوصف لا يقابله شئ من
 الثمن الا اذا كان مقصود بالتناول
 كما افاده بقوله وان
 قال كل ذراع بدسهم

اگر مذروع کو اس شرط پر بیچا کہ مثلاً یہ سو گز ہے تو
 مشتری اقل کو پوری قیمت سے لے یا چھوڑ دے
 اور اکثر کو بلاخيار بائع لے لے گا ذراع یعنی گز
 وصف ہے کیونکہ سالم نہ رکھنے پر وہ عیب قرار پاتا ہے
 یہ حکم قدر یعنی کیل و وزن کے برعکس ہے اور
 وصف کے مقابلے میں ثمن کا کوئی حصہ نہیں ہوتا
 مگر جبکہ وصف تناول سے مقصود ہو جیسا کہ مصنف نے
 اپنے اس قول سے اس کو بیان فرمایا کہ اگر بائع

اخذ كل ذراع بدس اهرم او فسخ (ملتقطاً) نے یوں کہا کہ ہرگز ایک درہم کے بدلے میں ہے
تو مشتری ہرگز درہم کے بدلے میں لے لے یا بیع فسخ کہ دے (ملتقطاً)۔ (ت)
مگر شرع مطہر میں عقد معتبر وہ ہے جو عاقدین نے باہم زبان سے کہا کاغذ میں اس کے خلاف
کچھ لکھا جائے معتبر نہ ہوگا۔ فتاویٰ خیرہ میں ہے :

العبرة بما تلفظ به الواقف لا لما كتب الكاتب
اعتبار اس کا ہے جو واقف نے زبان سے کہا
نہ اس کا جو کاتب نے لکھا (ت)

تو اگر گواہانِ عادل سے ثابت ہو جائے کہ عقد زبانی میں فی گز ۶ کی تصریح تھی اور اسی حساب سے
۲۴ گز ۹ لبر روپے کو بیع ہوئی تو اگر ۲۴ گز بیع کی تعیین سمت بھی ہو گئی تھی جیسا کہ اب عرضی دعویٰ کے بعض
بیانوں سے مستفاد ہے تو یہی ۲۴ گز جانبِ غربی سے بیع ہوئی باقی پر مشتری کا قبضہ باطل ہے اور اگر
تعیین نہ تھی جیسا کہ بیانِ بیع میں کہ عرضی دعویٰ میں ہے اس وقت تک نہیں تو یہ بیع بوجہ جہالت
فاسد ہوئی،

لان الذراع انما يحل في المعين فهو معين
لكنه مجهول الموضع لامشاع كما
في رد المحتار
اس لئے کہ ذراع تو معین میں جاری ہوتا ہے اور
مذروع معین ہے لیکن مجهول الموضع ہے نہ کہ غیر معین
جیسا کہ رد المحتار میں ہے (ت)

تنویر الابصار میں ہے :

فسد بیع عشرة اذراع من مائة
ذراع من دار
گھر کے سو گز میں سے دس گز کی بیع فاسد
ہے (ت)

ہاں اگر مجلس عقد کے اندر تعیین کر دی تھی تو بیع صحیح ہو گئی لان المجلس يجمع الكلمات (کیونکہ مجلس
جامع کلمات ہوتی ہے۔ ت) اسی طرح اگر بعد مجلس اس عقد فاسد کو ترک کر کے ایک طرف سے ۲۴ گز
معین بائع نے مشتری کو دینے اور اس نے لئے تو بھی صحیح ہو گئی۔ در مختار میں ہے :

۸۹۷/۲	مطبع مجتہاتی دہلی	کتاب البیوع	لے در مختار
۱۳۹-۴۰/۱	دار المعرفۃ بیروت	کتاب الوقف	لے فتاویٰ خیرہ
۳۱-۳۲/۴	دار احیاء التراث العربی بیروت	کتاب البیوع	لے رد المختار
۸/۲	مطبع مجتہاتی دہلی	”	لے الدر المختار شرح تنویر الابصار

وينبغي انقلابه صحيحا لوفى المجلس ولو
بعده فبيع بالتعاطى، نهـ

اور لائق ہے کہ بیع صحت کی طرف منتقل ہو جائے
اگر تعیین مجلس عقد میں ہو، اور اگر تعیین مجلس کے
بعد ہو تو بیع بالتعاطی ہوگی، نہر۔ (ت)

ان صورتوں میں بھی وہی ۲۴ گز معین بیع ہوئی باقی پر مشتری کا قبضہ باطل ہے یہ سب یعنی بائع
سے گواہ لینا اور ان کی گواہی پر اعتماد کرنا اس حالت میں ہے کہ بقیہ ۲ گز میں مشتری ثانی کے تصرفات
مدت دراز سے بائع نے دیکھ کر سکوت نہ کیا ہو، اور اگر ایسا ہے جیسا مشتری ثانی کا بیان ہے کہ اسی
وقت سے اس نے دالان اور کھیریل اور چوتراہ کل زمین میں بنو الیا اور بالعوں نے خود کھڑے ہو کر بنیاد
وغیرہ قائم کرادی جس کو عرصہ قریب آٹھ سال کا ہو گیا تو اس صورت میں دعویٰ بائع اصلاً قابل سماعت
نہ ہوگا،

لما ائق به العلماء قطعاً للتزوير والاطماع
الفاسدة كما فى العقود الدرية ومعين
المفتى وغيرهما - والله تعالى اعلم -

علماء کے اس فتویٰ کی وجہ سے تو انہوں نے
دھوکہ دہی اور فاسد خواہشوں کو منقطع کرنے
کے لئے دیا ہے جیسا کہ عقود الدریرہ اور معین لمفتی
وغیرہ میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ت)

مسئلہ ۳ از پبلی بھیت محلہ محمد شیر مستولہ جناب قمر الدین صاحب ۱۷ صفر المظفر ۱۳۳۱ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اپنا مال آرٹھت
میں لے کر دکان میں بچنا چاہتا ہے اور اس سے روپیہ مال جمع شدہ کا پیشگی چاہتا ہے اور کہتا ہے کہ
جب فروخت ہو جائے گا تو اس وقت کا ہم اور تم حساب کئے لیں گے یہ روپیہ پیشگی دینا جائز ہے
یا نہیں؟

الجواب

اگر علی الحساب بطور قرض لیتا ہے تو دکاندار کی مرضی سے لے سکتا ہے اس پر جبر نہیں کر سکتا
اور اگر دکاندار سے اس مال کی قیمت لیتا اور یہ شرط کرتا کہ فروخت پر کمی بیشی کا حساب ہو جائے گا تو
یہ حرام ہے، واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۳۸ مستولہ نواب وزیر احمد خان صاحب بہاری پورہ بریلی ۱۴ جمادی الآخر ۱۳۳۱ھ
 کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی شے کا بیعنامہ معمولی رواجی الفاظ کے ساتھ تحریر
 ہو کر آخر میں یہ فقرہ لکھ دیا جائے کہ نفاذ اس بیع نامہ کا فلاں مدت کے بعد عمل میں آئے گا مشتری کو
 قبضہ لینے اور داخل خارج کرنے کا مجاز بعد انعضائے مدت مذکورہ حاصل ہوگا اگر مشتری درمیان اس
 مدت کے قبضہ لے کر داخل خارج کرے گا تو اس مدت کا حاصل توفیر ذرٹمن کے علاوہ ادا کرنے کا
 مستوجب ہوگا تو درمیان دستاویز میں جو بیعت لکھ چکا ہے وہ غالب رہے گا یا آخر کا یہ فقرہ ؟
 بیٹنوا توجروا۔

الجواب

دونوں جملے اپنا اپنا عمل کرینگے بیعت کا یہ عمل ہوا کہ بیع ہوگی اور اس شرط فاسد کا یہ عمل ہوا
 کہ بیع فاسد و حرام ہوئی ان دونوں پر واجب ہے کہ اسے فسخ کریں اگر نہ کریں گے تو حاکم شرع جبراً
 فسخ کر دے گا، نہ مشتری بیع لے سکتا ہے نہ بائع ثمن، اور اگر بائع کی رضا سے مشتری بیع پر قبضہ
 کر لے تو بحکم جملہ اولی اس کا مالک ہو جائے گا مگر بحکم جملہ ثانیہ وہ ملک خبیث ہوگی اور اب بھی اس پر
 واجب ہوگا کہ بیع فسخ کرے اور بیع واپس دے، ہاں اگر مشتری بعد قبضہ برضا سے بیع کسی دوسرے
 کے ہاتھ بیع صحیح یا ہبہ یا دین یا وقف یا وصیت کر دے تو اگرچہ مشتری گنہگار ہوگا مگر اب وہ بیع نافذ
 ہو جائے گی اور اس کا فسخ نہ ہو سکے گا اور اب بھی مشتری اس سے بیع کے ثمن کا مستحق نہ ہوگا یعنی جو
 معاوضہ باہم قرار پایا تھا بلکہ قیمت لے گا یعنی بازار کے بھاؤ سے وہ مال جتنے کا ہو مثلاً ایک شے
 ساڑھے پانچ ہزار کو خریدی اور بازار کے نرخ سے وہ چار ہزار کی ہے تو چار ہزار ہی دینا آئیں گے بائع
 اس سے زائد نہیں لے سکتا، یہ سب اس صورت میں ہے کہ اصل بیع اسی شرط پر ہوئی ہو اور اگر
 پہلے فروخت خریدم زبانی ہوئے تھے اور اس میں یہ عدم نفاذ تا مدت مذکورہ کی شرط نہ تھی بعد کو کاغذ بیعنامہ
 میں لکھی گئی ہو تو اس کا کچھ اعتبار نہیں بیع صحیح و نافذ و لازم ہوگی فوراً وقت عقد اس کا نفاذ ہو گیا اسی
 وقت سے مشتری کو اختیار ہو گیا کہ زرٹمن جتنا باہم قرار پایا ہے دے کر بیع پر قبضہ کر لے اگرچہ بائع کی
 رضائے ہو اور وہ شرط کہ اتنی مدت کی توفیر دینی آئے گی محض باطل و مردود و نامسموع ہے زرٹمن سے
 زیادہ ایک کوڑی دینی نہ ہوگی۔ واللہ اعلم

مسئلہ ۳۹ از سرنیاں ضلع بریلی مرسلہ امیر علی صاحب قادری ۲ رجب ۱۳۳۱ھ

سودا خریدنے میں حجت کر کے بھاؤ بڑھانا کیسا ہے ؟

الجواب

بھاؤ کے لئے حجت کرنا بہتر ہے بلکہ سنت۔ سو اس چیز کے جو سفر حج کے لئے خریدی جائے اس میں بہتر یہ ہے کہ جو مانگے دے دے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک مکان اپنے دو لڑکوں عمرو و بکر کے نام سے بچھہ مساوی لیا اور اس کا بیعنامہ بھی انھیں دونوں کے ناموں سے ہے ان میں عمرو بالغ ہے اور بکر نابالغ، بعد ازاں زید نے اسی مکان میں سے ایک رُبع اپنے بھائی خالد کو اس طرح دلایا کہ عمرو سے بیعنامہ لکھا دیا تو بقیہ مکان میں عمرو و بکر کا حصہ شرعاً کس طرح رہا؟ بتینوا تو جروا۔

الجواب

شرع میں گفتگوئے خرید و فروخت کا اعتبار ہے اس کے آگے بیعنامہ کا اعتبار نہیں، اگر زبانی خریداری لڑکوں کے نام نہ ہوئی یعنی یہ نہ کہا کہ مکان عمرو و بکر کے ہاتھ بیع کر دے، اس نے کہا میں نے ان کے ہاتھ بیع کیا بلکہ صرف اپنے نام زبانی خریدایا یا زبانی خریدیم و فروختم (میں خریدتا ہوں اور میں فروخت کرتا ہوں۔) میں کسی کا نام نہ آیا تو اس صورت میں شرعاً وہ مکان زید کا ہوا، پھر زید نے جو اپنے بیٹوں کے نام بیعنامہ لکھا یا یہ ان کے نام ہبہ ہوا اور ہبہ مشاع بلا تقسیم ہے لہذا عمرو و بکر اس کے مالک نہ ہوتے، بیعنامہ کہ بنام خالد جانب عمرو سے ہے لغو ہے کہ غیر مالک کی طرف سے ہے مگر یہ بیع اجازت زید پر موقوف رہی کہ اصل مالک زید ہے جبکہ زید نے اسے جائز رکھا تو بیع نافذ ہوگئی، چہارم مکان خالد کا ہوا تین رُبع بدستور زید کے ہیں، باقی اگر اصل خریداری زبانی ہی بنام عمرو و بکر ہوئی یا زبانی خریدیم و فروختم کے الفاظ یا ان کے معنی ادا ہی نہ کئے گئے صرف قیمت کی گفتگو ہو کر یہ ٹھہرا کہ بیعنامہ بنام عمرو و بکر کر دو، تو یہ بیع بنام عمرو و بکر ہوئی، نابالغ کی طرف سے اس کے باپ کا قبول کافی تھا، عمرو نے بھی اسے مقبول رکھا تو اس کے نام بھی بیع تام ہوگئی اور دونوں لڑکے اس مکان کے مالک ہو گئے، اب کہ اس کا رُبع عمرو نے بیع کیا وہ نصف حصہ عمرو بیع ہوا باقی مکان میں ایک ثلث عمرو کا رہا و ثلث بکر کے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ از کلمہ ڈاکخانہ گھٹیا مرسلہ وصی علی صاحب معرفت مولوی قاسم علی صاحب

طالب علم مدرسہ منظر اسلام ۲۸ عید الفطر ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زانیہ نے زنا کے روپیہ سے کوئی چیز خریدی

اب اس کا خریدنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

جائزہ ہوگا اگر اس چیز پر عقد و نقد جمع نہ ہوئے ہوں ورنہ خریدنا نہ چاہئے، مثلاً اس نے وہ حرام روپیہ مشتری کو دکھا کر کہا اس کے بدلے فلاں شے دے دے، اس نے دے دی، اس نے وہی حرام روپیہ قیمت میں دیا تو اب وہ شے خبیث ہے کما هو قول الامام الکونین المفتی بہ کما فی التنبیہ وغیرہ (جیسا کہ امام کرخی کا مفتی بہ قول ہے جیسا کہ تنزیہ وغیرہ میں ہے۔ ت) واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۲ مستولہ محمد حسین خاں ولد امین خاں ساکن ریاست رامپور محلہ سٹن گنج

۷ جمادی الاولیٰ یکشنبہ ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مضیاب شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسمی جھاؤ سنگھ نے اپنا حصہ ۸ اکتوہ ۶ بسوانسی ۱۳ کچوانسی ۶ طنوانسی ۱۳ نوانسی کسر زاد یعنی بارھواں حصہ از کل ملک معافی لاکر اجماعی تعدادی ۱۶ بسوہ لیا ہے جس کا کہ وہ مالک و قابض تھا بالعوض مبلغ دو سو اڑسٹھ روپے کے بدست تھا سنگھ بیع قطعی کیا لیکن قبضہ تھا سنگھ کا نہ ہوا اور جھاؤ سنگھ فوت ہو گیا جھاؤ سنگھ کے مرنے کے بعد اس کے ورثاء اس پر قابض رہے بعد ازاں تھا سنگھ نے خرید شدہ اراضی بالعوض مبلغ چھ سو روپے کے بدست محمد حسین خاں بیع قطعی کر دیا، آیا تھا سنگھ کا بدست محمد حسین خاں بلا قبضہ کئے ہوئے بیع کرنا شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟ اور تھا سنگھ نے مارے بابت قیمت اراضی جھاؤ سنگھ کو دے دئے ہیں فقط۔

الجواب

جائزہ ہے، تنزیہ الابصار میں ہے؛

صح بیع عقار لایخشی ہلاکہ قبل قبضہ ۱۱ واللہ تعالیٰ اعلم۔

جس مال غیر منقول کے تلف ہونے کا خطرہ نہ ہو اس کو قبضہ میں لینے سے پہلے اس کی بیع جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ت)

مسئلہ ۲۳ مستولہ شوکت علی صاحب محلہ شاہ آباد بریلی ۲۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شے سر بند بکس میں ہے جس کا وزن مثلاً ۲۰۶/۲ کتاب الغصب مطبع مجتہبائی دہلی ۳۶/۲ کتاب الیروع فصل فی التصرف ۲۰۶/۲

چار من معین ہے، زید نے خرید کی، بعد خریدنے کے جب کھولا گیا تو بھرا ہوا نہ تھا بلکہ قریب نصف کے نکلا، دیکھتے ہی فوراً بائع کو اطلاع کی کہ یہ کم نکلایا تو بقدر مال کے قیمت کر دیا واپس لو۔ اس صورت میں بائع پر اس شے کا پھیر لینا لازم ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

الجواب

جبکہ وزن معین ہے اور وہ شے نصف نکلی تو مشتری نصف قیمت دے اس سے زیادہ کا

بائع کو اختیار نہیں۔ ردالمحتار میں ہے؛

جب ایک گھڑا طعام خرید اور نصف اس میں بھوسہ نکل آیا تو اب مشتری اس کو آدھی قیمت کے بدلے لے گا کیونکہ گھڑا ایک ایسا برتن ہے جس سے کیل کیا جاتا ہے چنانچہ بیع ایک معین مقدار میں گندم ہوگی اور یہ ضابطہ ان

اذا كان طعاما في حب فاذا انصفه تبين يأخذ به بنصف الثمن لان الحب دعاء يكال فيه فصار المبيع حنطة مقدرة وشمل ما اذا كان المسمى مشروطا بلفظ او بالعادة۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

دونوں صورتوں کو شامل ہوگا یعنی چاہے تو مسمی لفظاً مشروط ہو یا عادتاً۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ت)

مسئلہ ۴۵۔ مرسلہ حاجی مولا بخش صاحب جفت فروش از مین پوری ۲۱ صفر ۱۳۳۵ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے فصل پر غلہ خرید کیا اور یہ نیت کی کہ فلاں مہینہ میں میں اس کو کچھ زرخ ہو فروخت کر دوں گا تو اس صورت میں زید غلہ کی خریداری کر سکتا ہے یا نہیں اور اس کے اوپر کوئی الزام شرعی تو عائد نہیں ہوتا ہے؟

(۲) زید نے بکر کو بضرورت بکر کچھ روپیہ نقد مال خریدنے کو دیا کہ تم اپنی مرضی کا مال دسا اور سے خرید کر لاؤ اور اس مال کو ہمارے نام روانہ کر دو اور پھر ہماری دکان سے اس مال کو ایک آنہ روپیہ منافع دے کر خرید لو، اگر مال راستہ میں کل کسی وجہ سے ضائع ہو جائے تو زید ذمہ دار ہے اور اگر نقصان کچھ ہو جائیگا تو بقاعدہ دکانداری وہ نقصان اور خرچ راہ مال پر ڈال کر اور اس کے اوپر اپنا منافع لگا کر بکر کے ہاتھ فروخت کر دیا اور اگر نقصان نہ ہوا تو جو خرچ اس مال کے لانے میں بکر کا پڑ گیا وہ خرچ ہی اس مال پر ڈال دیا جائے گا تو ایسی بیع و شرا زید کو جائز ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

الجواب

(۱) ایسی تجارت جائز ہے اور ایسی نیت میں کوئی عرج نہیں اور اسے اپنے مال کا اختیار ہے

دفعۃً یبغی خواہ متفرق یا اس سے قبل خواہ بعد لان الملك مطلق للمتصرف ما لم ینہ الشرع
(کیونکہ ملک تو مطلق تصرف کے لئے ہوتا ہے جب تک شرع منع نہ کرے۔ ت) واللہ تعالیٰ اعلم۔
(۲) معمولی خرچ جو حسب عادت تجارتی مال پر ڈالا جاتا ہے اس کے ڈالے جانے میں تو شبہ
نہیں رہا کچھ نقصان اس میں اگر عام عادت تجارتی مال پر ڈالنے کی ہے ڈالیں گے ورنہ نہیں۔ درمختار
میں ہے :

کل ما یزید فی المبیع او فی قیمتہ یضم
درء و اعتمد العینی وغیرہ عادة التجار
بالضم ولا یضم ما یؤخذ فی الطريق
من الظلم الا اذا جرت العادة بضمه
هذا هو الاصل کما علمت فلیکن
المعول علیہ کما یفیدہ کلام الکمال
(ملقطاً) ، واللہ تعالیٰ اعلم۔

جو چیز بیع میں یا اس کی قیمت میں زیادہ ہو
وہ ملائی جائے گی، درء۔ اور عینی وغیرہ تاجروں
کے ملانے کی عادت پر اعتماد کیا ہے اور نہیں
ملایا جائیگا اس کو جو راستے میں ظلم سے لیا جاتا ہے
مگر اس وقت ملایا جائے گا جب رواج میں اس
کے ملانے کی عادت ہو یہی اصل ہے جیسا کہ تو
جان چکا ہے لہذا اسی پر اعتماد ہونا چاہئے جیسا
کمال کا کلام اس کا فائدہ دیتا ہے (ملقطاً) واللہ
تعالیٰ اعلم (ت)

۴۶۰ از لاہور مسجد سادھواں مرسلہ پر حبیب عبدالغفار صاحب زید لطفہ ۲۵ صفر المظفر ۱۳۳۶ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید و عمرو دو حقیقی اب و ام بھائی
ہیں، والدین کی حیات میں زید جو عمر میں بڑا ہے عمرو سے نسبتاً کم آمدنی رکھتا ہے اور عمرو زید سے کثیر الاولاد ہے
لیکن دونوں بھائی جو کچھ کماتے ہیں والدین کے ہاتھ میں دے دیتے ہیں اور والدین اپنے اختیار سے
جس طرح چاہتے ہیں خرچ کرتے ہیں، زید و عمرو کے کل اخراجات کے ان کے والدین ہی کفیل ہیں اور زید
و عمرو کے اہل و عیال کا خرچ سب ان کے ماں باپ ہی اٹھاتے ہیں اور بچوں کو جو کچھ وہ خرچ کے واسطے
دیتے ہیں تو بالسویہ دیتے ہیں یعنی اگر ایک بچے کو پانچ روپے دیں تو سب بچوں کو پانچ ہی پانچ دیتے ہیں
اور جو کوئی جائیداد خریدی جاتی ہے تو وہ بھی والدین کے اختیار سے، وہ جس کا نام چاہیں درج کرادیں،
علاوہ ازیں زید نے بوجہ اپنی ضعیفی اور دور اندیشی کے والدین سے روپیہ لے کر ایک جائیداد خریدی اور

اپنے چھوٹے بھائی عمرو کے نام درج رجسٹر کرا دی لیکن عمرو نے دوسرے وقت والدین سے روپیہ لے کر اور جائیداد خریدی اس کی رجسٹری اپنے اور زید کے نام کرا دی اور ان سب جائیدادوں کی جو آمدنی ہوئی وہ بھی والدین کے قبض و تصرف میں آتی رہی۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ دونوں بھائیوں کی تمام و کمال آمدنی والدین کے قبض و تصرف میں رہی اور اس آمدنی سے جو کچھ جائیداد خریدی گئی بعض کی رجسٹری والدین کے نام ہے اور بعض کی زید و عمرو کے نام ہے اور بعض کی صرف عمرو کے نام ہے اور جملہ آمدنی نقد ہر دو کی اور جملہ آمدنی جائیداد خرید کر وہ والدین کے ہاتھ میں رہی، بعد انتقال پدر مرحوم کے چھ سال اور بعد وفات مادر مشفقہ کے دو سال تک دونوں بھائی بالفاق حسب دستور زمانہ والدین خرچ کرتے رہے، اب بوجہ پیش آنے بعض امور نفسانی کے دونوں بھائی انقسام جائیداد منقولہ و غیر منقولہ کا چاہتے ہیں اور سوائے ان دو بھائیوں کے اور کوئی وارث اور متخاصم نہیں ہے، ان کا آپس میں از روئے شرع شریف کیا حصہ ہوگا اور کے حصص پر کل جائیداد کی تقسیم ہوگی؟

بیٹو ابالکتاب وتوجروا من ملک الوهاب (کتاب اللہ سے بیان فرمائیں اور اللہ تعالیٰ بہت زیادہ عطا کرنے والے بادشاہ سے اجر پائیں۔ ت)

الجواب

یہ مسئلہ بہت طویل الاذیال کثیر الاشکال معرض الاشکال ہے ہم بتوفیقہ تعالیٰ اسے ایسے طور پر بیان کریں کہ تمام اشکال کا جامع اور ہر اشکال کا رافع ہو وباللہ التوفیق اس کے لئے دو بیان لکھیں :

بیان اول اس کی تحقیق کہ جو جائیدادیں زید یا عمرو یا ان کے والدین نے خریدیں اور ان کے نام ہوئیں ان میں کون سی بیع شرعاً کس کے لئے واقع ہوئی۔

اقول (میں کہتا ہوں۔ ت) خریداری تین طرح ہوتی ہے،

اول بائع و طالب ثرا میں زبانی گفتگو صرف فیصلہ قیمت و تصفیہ و دیگر ذوائد کی ہو کر بیع نامہ لکھا جاتا ہے اس سے پہلے ایجاب و قبول بعت اشتریت فروختم خریدم یعنی یہ کہے میں نے یہ سچی وہ کہے میں نے خریدی اصلاً درمیان میں نہیں آتا بہت ہوتا ہے تو یہ کہنے کو دو گئے اس نے کہا اتنے کو یا اس نے کہا یہ چیز تمہارے یہاں بکاؤ ہے، کہا ہے، کہا کیا قیمت ہے، کہا یہ، یا میں فلاں چیز مول لینا چاہتا ہوں، کہا بہتر، کہا یہ دوں گا، کہا اچھا تو کاغذ کر دو، یا اس نے کہا یہ چیز بگتی ہے تمہیں خریدنا ہو تو خرید لو، کہا لیتا ہوں، کہا تو اتنا دینا ہوگا، کہا دوں گا بیع نامہ لکھ دو۔ یہ الفاظ اور ان کے امثال ایجاب و قبول نہیں یا قرارداد ہو کر بیع نامہ دے دیا جاتا ہے وہ بھی ایجاب و قبول نہیں بلکہ اس اقرار کی توثیق کہ ثرا سے باز نہ رہے ورنہ جاہل اسے ضبط کر لیتے ہیں اور یہ حرام ہے حدیث میں اس سے نہی فرمائی،

امام مالک، احمد، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے
عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت
کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے
بیعانہ کی بیع سے منع فرمایا۔ (ت)

مالك واحمد و ابوداؤد و ابن ماجة عن
عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما
نہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
عن بیع العُربان لہ
در مختار میں ہے :

ایجاب و قبول ایسے دو لفظوں کا نام ہے جو تمکک و
تملیک کے معنی کی خبر دیتے ہیں چاہے دونوں ماضی
ہوں یا دونوں حال ہوں یا ایک ماضی اور ایک
حال ہو۔ (ت)

الایجاب والقبول عبارة عن کل لفظین
یذنان عن معنی التملک والتملیک ماضیین
او حالین او احدهما ماض و الآخر حال لہ

فتاویٰ امام بزازی و فتاویٰ علمگیر یہ ہیں :

کسی نے قصاب کو کہا کہ یہ گوشت ایک درہم کا کتنا
ہے، اس نے کہا دو سیر۔ اس شخص نے کہا
قول دے۔ پھر ایک درہم قصاب کو دیا اور اس
سے گوشت لے لیا تو یہ بیع جائز ہے دو بارہ وزن
کرنا ضروری نہیں، اور اگر وزن کرنے پر گوشت
کو دو سیر سے کم پایا تو کمی کے برابر درہم میں سے
واپس لے سکتا ہے گوشت میں سے نہیں لے سکتا
کیونکہ بیع کا انعقاد اسی قدر پر ہوا جتنا اس نے
دیا، تو مشتری کے قول کہ ایک درہم کا کتنا

قال لقصاب کم من هذا اللحم بدرہم
فقال منون قال نمت فاعطى
درہما فاخذہ فهو بیع جائز ولا
یعید الوضوء وان ورنہ
فوجدہ النقص رجع بقدرہ من
الدرہم لا من اللحم لان الانعقاد بقدر
المبیع المعطى اھ فلم یجعل قوله
کم بدرہم قال منون
قال نمت بیع بل التعاطی

۱۳۸ - ۳۹ / ۲	آفتاب عالم پریس لاہور	کتاب البیوع	سنن ابوداؤد
۱۵۹ ص	ایچ ام سعیدہ چیمپنی کراچی	باب بیع العربان	سنن ابن ماجہ
۱۸۳ / ۲	دار الفکر بیروت	از مسند عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہما	مسند احمد بن حنبل
۲ - ۳ / ۲	مطبع مجتہبی دہلی	کتاب البیوع	در مختار
۱۰ / ۳	نورانی کتب خانہ پشاور	باب ثانی فصل اول	فتاویٰ ہندیہ کتاب البیوع

گوشت ہے، جواب میں قصاب کے قول دوسیر اور پھر مشتری کے قول کہ تول دے، کو بیع نہیں بنایا گیا بلکہ تعاطی کو بیع قرار دیا گیا اسی لئے مشتری کو یہ حق نہیں کہ اتنا گوشت طلب کرے جتنا قصاب نے اسے کم دیا، اور ہندیہ میں بحوالہ تارخانہ فتاویٰ یتیمہ سے منقول ہے کہ حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس نے بائع کے وکیل سے کسی مال کا بائیس دینار بھاؤ لگایا وکیل نے کہا میں پچیس دینار سے کم پر نہیں دوں گا، مشتری نے کہا مجھے یہ تین دینار چھوڑ دے اس پر وکیل راضی ہو گیا مگر زبان سے کچھ نہ کہا اور اس کے رضامند ہونے پر وہاں گواہ موجود تھے تو کیا بیع ہے تو آپ نے جواب دیا محض اس قدر سے بیع نہیں ہوتی سوائے اس کے وہاں ایجاب و قبول یا اس کے قائم مقام کوئی فعل پایا جائے اور اسی میں بحوالہ محیط مجرد سے منقول ہے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ کسی شخص نے قصاب کو کہا گوشت کیسے بیچتے ہو، اس نے جواب دیا تین رطل ایک درہم کا، مشتری نے کہا میں نے تجھ سے لیا میرے لئے تول دے، پھر قصاب کی رائے ہوئی کہ وہ نہ تولے تو اس کو یہ حق ہے، اور اگر اس نے تول دیا تو مشتری کے قبضہ کرنے سے پہلے

ولذالم یکن لہ ان یتطلب ما نقص من اللحم
وفی المہندیۃ عن التارخانۃ
عن الیتمۃ عن الحسن بن
علی انہ سئل عن رجل
ساوم وکیل البائع السلعة
بائیسین وعشرین دیناراً
واجب الوکیل الا بخمسۃ
وعشرین فقال المشتري
اترك لى هذه الثلثة الدنانير
ورضى بذلك من غير ان
يوجد منه قول وهناك شهود
على انه رضى فطابت
نفسه بذلك هل يكون ذلك
بيعا فقال هذا القدر ليس ببيع الا
ان يوجد الايجاب والقبول او ما يقوم
مقامهما من الفعل اه، وفيها عن المحيط
عن مجرد عن ابى حنيفة رضى الله تعالى
عنه اذا قال للحام كيف تبیع اللحم قال كل
ثلثة اسطال بدرهم قال قد اخذت
منك نرن الى ثم بد اللحام ان لا يوزن
فله ذلك وان و نرن
فقبل قبض المشتري

كان لكل واحد منهما الرجوع فان قبضه
المشتري او جعله البائع في وعاء المشتري
بامره تم البيع وعليه درهم اه وفيها عن
السراجية قال الاخر بكم هذا الوقر من الحطب
فقال يكذا فقال سق الحمار فساقه لم يكن
بيعا الا اذا سلم الحطب وانتقد الثمن اه
اقول ويبتنى على اشتراط الاعطاء
من الجانبين في التعاطي والصحيح الاكتفاء
لواحد نص عليه محمد كما في
النهر

دونوں میں سے ہر ایک کو رجوع کا اختیار ہے اور
اگر مشتری نے قبضہ کر لیا یا اس کے کہنے سے بائع
نے اس کے برتن میں گوشت رکھ دیا تو بیع تام ہوگی
اور مشتری پر ایک درہم لازم ہو گیا اور اسی میں
سراجیہ سے منقول ہے کہ ایک شخص نے لکڑی فروش
کو کہا لکڑیوں کا یہ گٹھا کتنے کا ہے، اس نے کہا کہ
اتنے کا، پھر مشتری نے کہا اپنا گدھا ہانکو، اس
نے ہانک دیا، تو یہ بیع نہیں، مگر اس وقت
بیع ہو جائیگی جب لکڑیاں سونپ کر ثمن وصول
کر لے اور اقول (میں کہتا ہوں) یہ بیع تعاظی میں

دونوں طرفوں پر قبضہ کرنے کے شرط ہونے پر مبنی ہے حالانکہ صحیح یہ ہے کہ فقط ایک طرف سے قبضہ کافی
ہے اس پر امام محمد نے نص فرمائی جیسا کہ نہر میں ہے (ت)

ان صورتوں میں وہ بیع نامہ ہی خود بیع ہوتا ہے اور اس کی تسلیم شرا کہ اسی میں لکھا جاتا ہے
میں نے فلاں شے فلاں کے ہاتھ اتنے کو بیچی، اشباہ و ہندیہ میں ہے، الکتابہ کا الخطاب (تحریر
کلام کی طرح ہے۔ ت) تو یہ بیع اسی کے ہاتھ ہوئی جس کا نام بیع نامہ میں ہے مثلاً خالد پھر اگر اسی نے
بیع نامہ لکھوایا جب تو ظاہر ہے کہ بیع تام و نافذ ہے اور اگر دوسرے نے گفتگو کر کے اس کا نام لے کر
اس کی بے اجازت کے کاغذ کر دیا تو یہ شرعاً فضولی ہو اور اجازت خالد پر موقوف رہا اگر چہ زبانی
گفتگوئے خریداری میں نام خالد اصلاً نہ آیا ہو بلکہ گفتگو کرنے والے مثلاً بکر نے خود اپنا نام ظاہر کیا ہو کہ
اپنے لئے خریدنا چاہتا ہوں،

اور یہ اس لئے ہے کہ جو کلام ان دونوں کے درمیان
جاری ہوا وہ عقد نہیں بیع تو تحریر کے ذریعے

وذلك لان ماجرى بينهما من كلام
لم يكن عقدا وانما البيع بالكتاب

۹-۱۰/۳	نورانی کتب خانہ پشاور	فصل اول	باب ثانی	کتاب البیوع	۹-۱۰/۳
۱۰/۳	"	"	"	"	۱۰/۳
۹/۳	"	"	"	"	۹/۳

وفيد الاضافة الى خالد۔ ہوتی اور اس میں خالد کی طرف اضافت موجود

ہے۔ (ت)

پس اگر خالد جائز کر دے گا کاشی بیع کا خود مالک ہوگا اور رد کر دے گا تو بیع باطل ہو جائیگی بہر حال اس کا مالک نہ ہوگا،

لان البیع لم یکن منه و من کان منه لم یقبلہ و هذا للحکم مع ظہورہ قد صرح بہ الفتاوی الاسعدیة و سیأتی عن الخانیة۔

کیونکہ بیع اس سے نہیں ہوتی، اور جس سے بیع ہوتی اس نے اس کو قبول نہیں کیا اور اس علم کے ظاہر ہونے کے باوجود فتاویٰ اسعدیہ میں اس کی تصریح کی گئی اور عنقریب خانہ کے حوالے سے آرہا ہے (ت)

دوم قبل تحریر بیعنامہ باہم عاقدین بین ایجاب و قبول واقع [جواب یہاں تک ستیاب ہوا] مسئلہ از شہر ربلی محلہ بازوران ۲ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے جو ایک عرصہ سے بحالت پریشانی کرایہ کے مکانات میں رہ کر بسر کرتا رہتا ہے حال میں اس نے ایک اراضی واسطے اپنی سکونت کے خرید کی، بوقت ابتداء تعمیر کام چند صاحبان اہل محلہ بسبب رنجش و برائے کسی خاص فساد کے اس شخص پر بہ جبر اس کا اثر ڈالتے ہیں کہ وہ اس اراضی کی قیمت جس کا کہ وہ لوگ چندہ سے بنام مسجد اہتمام کرنا چاہتے ہیں لے کر بیع کر دے پس ایسی صورت میں مالک اراضی اس کی بیع کر دینے پر مجبور ہے یا نہیں؟

الجواب

بیان سائل سے واضح ہوا کہ مسجد موجود ہے اور اسے بڑھانے کی ضرورت شدیدہ نہیں، نہ اسے بڑھانے کے لئے وہ لوگ یہ زمین مانگتے ہیں بلکہ یہ چاہتے ہیں کہ اسے کرایہ پر چلا کر مسجد میں اس کا کرایہ لگائیں، اگر صورت واقعہ یہ ہے تو مالک اراضی پر ہرگز لازم نہیں کہ اسے بیع کرے اور اسے مجبور کرنا ظلم ہے اور ظلم سے لیں گے تو اس کا کرایہ مسجد میں لگانا حرام ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ از شہر بازار شہامت گنج مسئلہ نقش علی ۲۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے عمر کو روپے دئے اور کہا تم مال خرید لاؤ، عمر نے خرید کر زید کو قبضہ کرادیا، بعد کو مال زید سے عمر نے کچھ نفع دے کر خرید لیا فقہیاً قرض بموجب شریعت کے

یہ حیلہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

جائز ہے نقد ہو خواہ قرض، اور کتنے ہی نفع پر ہو سب روا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۲۹ از کانپور سٹن روڈ مرسلہ شیخ محمد عمر محمد عتیق صاحبان ۹ شوال ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین زید و بکر کی شرکت میں ایک تجارت تھی بعد شرکت روپیہ اور مال تقسیم ہوا، اپنی اپنی ملک پر قابض ہو گئے، پھر بکر نے اپنا مال بیچنا چاہا، زید نے چار یا دس روپے کم پر لینا چاہا اور بوقت خریداری کہہ دیا کہ اگر منظور ہو تو دو دو روپہ دے کر مال واپس لے لو، بکر نے مال دے دیا روپیہ لے لیا، آیا یہ خریداری زید کو جائز ہے یا نہیں؟ زید کو خطا وار کہنا کیسا ہے؟

الجواب

یہ خریداری جبکہ برضائے بائع ہو بیشک جائز ہے اگرچہ ہزار روپے کم کو خریدا ہوا سے اس وجہ

سے خطا وار کہنے والا خطا وار ہے،

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: مگر یہ کہ ہو تجارت تمہاری

قال الله تعالى الا ان تكون تجارة عن

باہمی رضامندی سے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ت)

تراض منكم۔ واللہ تعالیٰ اعلم

یکم صفر ۳۳ ۱۳۳۸ھ

مسئلہ مستولہ حاجی لعل خان صاحب

صیحیح بن بی بی و صیحیح بن بی بی دختران شیخ امیر بخش صاحب مرحوم

تنقیح سوالات حسب بیان مسماة حبیب بن بی بی و صیحیح بن بی بی دختران شیخ امیر بخش صاحب مرحوم

سوال سوم والدہ ماجدہ نے کچھ جائیداد خاص اپنی رقم سے خریدی تھی اور کچھ جائیداد والدہ مرحومہ

کے دین مہر کے روپیہ سے، یہ دونوں جائیداد والد صاحب مرحوم کی ملک قرار پائیں گی یا کہ دوسری جائیداد

والدہ صاحبہ کی ملک کہی جائیں گی، اگر دونوں جائیداد والد صاحب کی ملک قرار پائیں تو والدہ کے

سونے کے کڑے جس کی قیمت مبلغ آٹھ سو روپیہ تھی اور اس سے والد صاحب نے جائیداد خریدی کی

وہ بذمہ والد صاحب دین واجب الادا ہے یا نہیں؟ ونیز والدہ مرحومہ کی سونے کی بالیاں جس

کی قیمت سو روپیہ تھی اور فروخت کر کے تجارت میں شامل کر دی گئی اس کا عوض والد صاحب کے

ذمہ باقی ہے یا نہیں؟

اجواب

مورث نے جو جائداد اپنے روپیہ سے خریدی وہ ظاہر ہے کہ اسی کی ہے اور جو دوسرے کے روپے سے خریدی وہ اگر اپنے لئے خریدی یعنی عقد بیع دوسرے کے نام نہ کر لیا تو وہ بھی اسی مشتری کی ہے لان الشراء متى وجد نفاذ اعلیٰ المشتري نفذ (اس لئے کہ خریداری جب مشتری پر نفاذ کے طور پر پائی جائے تو نافذ ہو جاتی ہے۔ ت) پھر اس صورت میں اگر ثابت ہو کہ یہ روپیہ دوسرے نے اسے بطور تملیک دے دیا تھا تو روپیہ کا بھی مطالبہ اس پر نہ تھا ورنہ اگر باجائز تھا قرض تھا بے اجازت تھا غضب تھا، بہر حال اس پر ضمان لازم ہے، یہ دوسرے کے روپے سے جائداد خریدنے کا حکم تھا، سائل کے لفظ یہ ہیں کہ کچھ جائداد والدہ مرحومہ کے دین مہر کے روپیہ سے "اس کے اگر یہ معنی ہیں کہ دین مہر ادا کر دیا تھا اور بعد قبضہ زوجہ اس سے جائداد خریدی جب تو یہ وہی صورت ہے جو اوپر مذکور ہوئی اور اگر دین مہر ادا نہ کیا تھا تو اس کے روپے سے خریدنا یونہی ہو گا کہ وہ کہے کہ تیرا مہر جو کچھ مجھ پر آتا ہے اس کے عوض یہ جائداد خرید دیتا ہوں، یوں اگر خریدی تو وہ جائداد ملک زوجہ ہوئی، یا یوں ہو گا کہ عورت کے میرا مہر جو تجھ پر آتا ہے اس کے عوض مجھے جائداد لے دے، اور اس نے خریدی تو یوں بھی جائداد ملک زوجہ ہوگی اور قبضہ زوجہ شرط نہ ہو گا نہ اصل بائع سے عقد بیع میں زوجہ کا نام لینا ضرور ہو گا کہ خرید کر اس کے مہر کا معاوضہ کر دینا اس کی طرف سے بنام زوجہ بعوض مہر بیع ہوگی اور بیع میں قبضہ شرط ملک نہیں، یا یوں ہو گا کہ زوجہ نے اس سے کہا میرا مہر جو تم پر آتا ہے اس سے اپنے لئے جائداد خرید لو تو جائداد ملک شوہر ہوگی اور اس پر روپے کا مطالبہ بھی نہ رہا کہ وہ اجازت اقتضاء ہبۃ الدین ممن علیہ الدین (مدیون کو دین کا اقتضار بہہ ہے۔ ت) تھی اور یہ جائز ہے، اور اگر نہ مہر ادا کیا تھا نہ اس قسم کا کوئی تذکرہ مابین زوجین آیا تو اسے دین مہر کے روپے سے خریدنا کیونکہ کہا جاسکتا ہے، سونے کے کڑوں سے جائداد خریدنا وہی ذریعہ سے شراہ ہے جس کا حکم اوپر گزرا، اگر عورت کی طرف سے کوئی دلالت تملیک پاتی گئی تو اس کا کوئی معاوضہ ذمہ شوہر نہیں ورنہ ہے، یوں ہی بالیاں کہ بیچ کر تجارت میں لگاتی گئیں اگر دلالت تملیک پاتی گئی شوہر پر عوض نہیں اور اگر تجارت میں شرکت کے لئے عورت نے دیں اور اس نے قبول کیا تو وہ شریک تجارت ہوئی وراثتی متعین ہے یعنی قرض اور عوض لازم۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مشکلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آجکل دکاندار عموماً ہر چیز کی قیمت بڑھا کر کہتے ہیں اور پھر اس سے کم پر بیچ ڈالتے ہیں یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ ہر ایک کا چار پیسے کی چیز کا دگنی یا تین گنی

۳۲۳/۱ کتاب البیوع ادارة القرآن کراچی
رد المحتار کتاب البیوع باب المتفرقات دار احیاء التراث العربی بیروت
۲۲۰/۴

قیمت پر فروخت کرنا جائز ہے؛ بیٹو! تو جبروا۔

الجواب

دونوں باتیں جائز ہیں جبکہ جھوٹ نہ بولے، فریب نہ دے، مثلاً کہا یہ چیز تین یا چار پیسے کی میری خرید ہے، اور خریدی پونے چار کو تھی، یا کہا خرچ وغیرہ ملا کر مجھے سوا چار میں پڑی ہے اور پڑی تھی پونے چار کو، یا خرید وغیرہ ٹھیک بتائے مگر مال بدل دیا یہ دھوکا ہے، یہ صورتیں حرام ہیں ورنہ چیزوں کے مول لگانے میں کمی بیشی حرج نہیں رکھتی، واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب البيع الفاسد والباطل

(باطل اور فاسد بیع کا بیان)

مشئلہ ۵۲

الجواب

جائز ہے، قال اللہ تعالیٰ واحل اللہ البيع (اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، اور اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال فرمایا۔ ت) بیع کا ناجائز و ممنوع ہونا تین صورتوں میں منحصر ہے، باطل و فاسد و مکروہ تحریمی۔ بحر الرائق میں ہے،

البيع المنهى عنه ثلثة باطل و فاسد
ومكروہ تحريمًا الخ اقول
والمراد صومرة البيع المحاصلة

جس بیع سے روکا گیا ہے وہ تین قسم پر ہے باطل، فاسد اور مکروہ تحریمی الخ۔ اقول (میں کہتا ہوں) اس بیع سے مراد بیع کی وہ صورت ہے

عہ اصل میں سوال درج نہیں۔

لہ القرآن الکریم ۲/۲۰۵
لہ البحر الرائق کتاب البيوع باب البيع الفاسد ایچ ایم سعید کھپنی کراچی ۶۸/۶

من بعت واشتریت اعم من ان تحقق
معناه الشرعی اولا و ذلك لان الباطل
لیس بیعا منہیا عنہ عندنا لانه لیس
بیعا اصلا فکیف یکون بیعا منہیا عنہ
وقد تقرران النهی یقرر المشروعیة و
به ذهبوا الی تقسیمهم البیع الی
باطل و فاسد و صحیح ان لم یکن تقسیم
البیع الصوری ففیه مسامحة ظاهرة۔

جو یہ کہنے سے حاصل ہوتی ہے کہ میں نے بیچا اور
اور میں نے خریدا عام ازیں کہ بیع کا شرعی معنی
متحقق ہو یا نہ ہو، اور یہ توجیہ اس لئے کی گئی
کہ بیع باطل ہمارے نزدیک ممنوع بیع نہیں
کیونکہ وہ سرے سے بیع ہی نہیں تو وہ ممنوع
بیع کیسے ہو سکتی ہے، اور تحقیق سے ثابت
ہو چکا ہے کہ نہی مشروعیت کو ثابت کرتی ہے
اس لئے فقہانے بیع کو باطل، فاسد اور صحیح کی

طرف تقسیم کیا اگر اس سے مراد بیع صوری کی تقسیم نہ ہو تو یہ کھلی چشم پوشی ہے (ت)
باطل وہ ہے جس کے نفس عقد یا محل میں خلل ہو خلل عقد، مثل بیع و شرار مجنون کہ اس کا
قول شرعاً لا قول ہے تو اس کا بعت یا اشتریت نہ ایجاب ہو سکے نہ قبول، اور خلل محل مثل بیع
بالمیة کہ میة مال نہیں۔ در مختار میں ہے ؛
کل ما اوردت خلا فی رکن البیع فهو
مبطل لہ

ردالمحتار میں ہے ؛

وہ (رکن) ایجاب و قبول ہے بایں طور کہ مجنون کی
طرف سے ہو یا نا سمجھ بچے کی طرف سے ہو، اور ماتن
پر لازم تھا کہ وہ محل یعنی بیع میں خلل کے ذکر کا اضافہ
کرتے کیونکہ بیع میں خلل بھی مبطل بیع ہے بایں طور کہ
بیع مردار، خون، حر یا شراب ہو جیسا کہ ط میں
بجوالہ بدائع ہے الخ اقول (میں کہتا ہوں کہ)
ایجاب حدث ہے جس کے وجود کے لئے محل کا

هو الا ایجاب و القبول بان کان من
مجنون او صبی لا یعقل و کان علیہ
ان یزید او فی محله اعنى البیع
فان الخلل فیہ مبطل بان کان البیع
میة او دما او حرا او خمر او کما فی ط
عن البدائع اقول الا ایجاب
حدث لا بد له من محل

۱۴ در مختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتباتی دہلی ۲۳/۲
۱۵ ردالمختار " " " " دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۰۰/۲

كالضرب لاوجود له بدون مضروب فاذا
 انعدم المحل بتطرق الخلل وجب انعدام
 الركنين لانعدام مايتعلقان به الاترى
 ان من قال بعتك نجوم السماء وامواج
 الهواء واشعة الضياء وقال الاخر اشترت
 لم يفهم هذا ايجابا ولا قبولا في الشرع
 فلذا قول القائل بعتك هذا الحرا واشترت
 بهذا الدم اذا افاصل بعد انعدام
 المالية والحاصل ان خلل المحل
 يوجب خلل الركن فكان فيه معنى من
 ذكره نعم لو ذكر لكان اظهر واوضح -

موجود ہونا ضروری ہے جیسا کہ ضرب کا وجود مضروب
 کے بغیر نہیں ہو سکتا، چنانچہ جب خلل کے پائے جانے
 کی وجہ سے محل معدوم ہو جائے تو دونوں رکنوں
 (ایجاب و قبول) کا معدوم ہونا واجب ہے
 بسبب ان کے متعلق کے معدوم ہونے کے،
 کیا نہیں دیکھتا ہے تو کہ جس شخص نے کہا میں نے
 تجھ پر آسمان کے ستارے، ہوا کی موجیں اور
 روشنی کی شعاعیں فروخت کیں، دوسرے نے
 کہا میں نے خریدیں، تو اس کو شرعاً ایجاب و قبول
 نہیں سمجھا گیا اور یونہی ہے کسی کا یہ کہنا کہ میں نے تجھ
 پر یہ آزاد شخص فروخت کیا اور دوسرے کا کہنا

کہ میں نے اس کو خون کے بدلے میں خریدا کیونکہ مالیت کے منعدم ہونے اور محل کے منعدم ہونے میں کوئی
 فرق نہیں، خلاصہ یہ کہ محل کا خلل لازم کرتا ہے رکن کے خلل کو، تو گویا خلل رکن کے ذکر میں معنی کے اعتبار
 سے خلل بلیع بھی مذکور ہوا، ہاں اگر ماتن علیہ الرحمۃ اس کا ذکر کرتے تو زیادہ ظاہر اور زیادہ واضح ہو جاتا۔

اور فاسد وہ جس کی اصل حقیقت خلل سے خالی ہو مگر وصف یعنی ان متعلقات میں خلل ہو جو قوام
 عقد میں داخل نہیں مثلاً شرط فاسدہ اگر رکن و محل سالم از خلل ہوں تو بیع شرعی قطعاً متحقق، پھر اگر
 وصف میں خلل ہے مثلاً بلیع مقدر التسلیم نہیں یا اجل مجہول ہے یا کوئی شرط فاسد مضموم، اصل
 یہ ہے کہ بیع شرعی میں مبادلہ مال بمال کا نام ہے ایجاب و قبول اس کے رکن اور مال متقوم محل اور اجل و
 قدرت تسلیم و شرط وغیرہ اوصاف اور انتقال ملک حکم و اثر ہے بیع اپنے وجود شرعی میں صرف رکن و محل
 کا محتاج ہے کہ بے ان کے اس کے (تحقق کی کوئی صورت نہیں)۔

جو خلل کہ ان میں ہوگا مبطل بیع قرار پائے گا جس کے معنی یہ ہوں گے کہ عند الشرع راستاً بیع ہی
 نہیں خلل رکن مثل بیع ع

ہے یہاں تک جواب دستیاب ہوا۔

مسئلہ از تعلقہ پٹن ضلع اورنگ آباد علاقہ حیدر آباد دکن کچہری منصفی مرسلہ مولوی عبدالعزیز صاحب

۲۶ ربیع الاول ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سرکاری کاغذ مہور ہوتے ہیں مہر میں اس کی قیمت بھی لکھی ہوتی ہے اور یہاں سرکاری قاعدہ یہ ہے کہ دعویٰ جب تک اسی کاغذ پر نہ لکھا جائے ہرگز مسموع نہیں ہوتا، اور بعد مسموع ہونے یہ ضرور نہیں کہ فیصلہ مدعی کے حسبِ دلخواہ ہو اس کاغذ میں سرکار کی منفعت ہے آٹھ روپے کا دعویٰ ہو تو ۸ کاغذ مہور لیا جاتا ہے ۵ تک عصر۔ ۵ تک عار۔ ۵ تک لعد۔ ۵ تک مے۔ و علیٰ ہذا القیاس اور اس مہور کے فروخت کرنے کے واسطے سرکار کی جانب سے جو شخص معین ہوتا ہے وہی فروخت کر سکتا ہے غیر کو مجال نہیں اور اس کے بائع کو ہر سو روپے میں پانچ روپیہ نفع ملتا ہے اس کاغذ مہور کی بیع اور تجارت کا طرہیت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بتینا تو عیروا۔

الجواب

نسأل الله هداية الحق والصواب اللهم اغفر (ہم اللہ تعالیٰ سے حق اور درستگی کی مدد مانگتے ہیں اے اللہ! مغفرت فرما۔ ت) یہ تجارت اکثر صورتوں میں خالی از خباثت نہیں، اللہ عزوجل نے جواز تجارت کے لئے تراخی باہمی شرط فرمائی،

قال تعالیٰ عز من قائل یا ایہا الذین آمنوا لا تاكلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تكون تجارة عن تواض منکم لہ
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! نہ کھاؤ اپنے مال آپس میں ناحق طور پر مگر یہ کہ کوئی سودا ہو تمہارے آپس کی رضا مندی سے۔

حدیث میں جناب سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لا یحل مال امرئ مسلم الا بطیب نفسه۔ رواہ الدارقطنی عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
کسی مسلمان کا مال حلال نہیں مگر اس کے جی کی خوشی سے۔ (۱) سے دارقطنی نے انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ ت)

دوسری حدیث میں ہے حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لا یحل لمسلم ان یاخذ عصا خیہ
مسلمان کو حلال نہیں کہ اپنے مسلمان بھائی کی

لہ القرآن الکریم ۲۹/۴

لہ سنن الدارقطنی

۲۶/۳

کتاب البیوع حدیث ۹۱ نشر السنہ طنان

چھڑی بے اس کی مرضی کے لے لے اور یہ اس سبب سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمان کا مال مسلمان پر سخت حرام کیا ہے (اسے ابن جبان نے اپنی صحیح میں ابو حمید ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ت)

بغیر طیب نفس منہ قال ذلك لشدة ما حرم الله من مال المسلم على المسلم. رواه ابن جبان في صحيحه عن ابي حميد الساعدي رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

ظاہر ہے کہ آدمی نالش اپنے استخراجِ حق کے لئے کرتا ہے جبکہ خود اس کی تحصیل پر قادر نہیں ہوتا اور کوئی شخص اپنے دل کی خوشی سے نہ چاہے گا کہ میرا حق جو غیر کے پاس ہے بے صرف کے میسر نہ ہو بلکہ جب اسے اپنا حق جانے کا قطعاً مفت ہی ہاتھ آنا چاہے گا، ہاں اگر دیکھے گا کہ یوں نہیں مل سکتا ناچار بحکم من ابتلی ببلیتین اختار ما اھونہما (جو شخص دو مصیبتوں میں مبتلا ہو وہ ان میں سے کمتر کو اختیار کرے۔ ت) صرف و فرج گوارا کر لے گا کہ سارا دھن جاتا دیکھے تو اُدھا دیجے بانٹ، یہ معنی اگر چہ منافی اختیار نہیں کہ کسی نے اس پر اپنا حق لینے کا جبر نہ کیا تھا اسے اختیار تھا کہ بالکل خاموش رہتا تو یہ صرف نہ پڑتا، مگر مفسد رضا بیشک ہے اگر بے اس کے وصول ممکن جانتا ہرگز فرج اختیار نہ کرتا مثلاً عمر و نے زید کا سو روپے کا مال دبا لیا اور کہتا ہے دس روپے دے تو واپس کروں، زید اس کی زبردستی اور اپنا عجز جان کر دس دے آیا اور مال چھڑا لیا، یہ روپے اگرچہ فی الواقع زید نے با اختیار خود دے کر عمر و کے لئے حلال نہ ہو جائیں گے کہ ہرگز برضا سے خود نہ دئے، اختیار و رضا میں زمین و آسمان کا فرق ہے، اور عقود بیع و ثراء و ہبہ و امثالہا صرف بے اختیاری ہی سے فاسد نہیں ہوتے بلکہ عدم رضا بھی ان کے افساد کو بس ہے،

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں گزرا کہ کسی کا مال مت کھاؤ سوائے اس کے کہ تمہارے درمیان باہمی رضا مندی سے سودا ہو۔ اور حدیث میں گزرا کہ کسی مومن کی دلی خوشی کے بغیر اس کا مال لینا حلال نہیں (ت)

كما مر في قوله تعالى عن تراض منكم وفي الحديث الا بطيب نفسه

لہ الترغیب والترہیب بحوالہ ابن جبان حدیث ۹ مصطفیٰ البابی مصر ۱۴/۳
 لہ الاشبہ والنظائر الفن الاول بیان احکام من ابتلی ببلیتین ادارة القرآن کراچی ۱۲۳/۱
 لہ القرآن الکریم ۲۹/۴
 لہ الترغیب والترہیب بحوالہ ابن جبان حدیث ۹ مصطفیٰ البابی مصر ۱۴/۳

ردالمحتار میں ہے :

ففي الرضى اعم من افساد الاختيار و
الرضى باناء الكراهة والاختيار باناء
الجبر ففي الاكراه بحسب او ضرب لاشك
في وجود الكراهة وعدم الرضى و ان
تحقق الاختيار الصحيح اذ فسادة انما
هو بالتخويف باتلاف النفس او
العضو

در مختار میں ہے :

الاکراه الملجئ و غیر الملجئ یعد مان الرضاء
والرضاء شرط لصحة هذه العقود
وكذا لصحة الاقرار فلذا صار له
حق الفسخ والامضاء

رضاء کی نفی، فساد اختیار سے عام ہے اور رضا
کراہت کے مقابلے میں جبکہ اختیار جبر کے مقابلے
میں آتا ہے، چنانچہ قید اور مار کے ذریعے اکراه
کی صورت میں کراہت و عدم الرضا کے پائے جانے
میں کوئی شک نہیں اگرچہ اختیار صحیح متحقق ہے
کیونکہ فساد اختیار جان سے مار دینے یا عضو
کے ضائع کر دینے کی دھمکی سے حاصل ہوتا ہے۔

اکراه ملجئ و غیر ملجئ یعنی اکراه تام و ناقص رضا کو
ختم کر دیتے ہیں حالانکہ ان عقود کی صحت کے لئے
رضاء شرط ہے اور اسی طرح صحت اقرار کے لئے
بھی رضاء شرط ہے، اسی لئے اس کو فسخ کرنے
اور جاری رکھنے کا حق حاصل ہوا ہے۔ (ت)

بعینہ یہی حال خریداری کاغذ مذکور کا ہے کوئی شخص بلا وجہ اپنا ایک پیسہ ضائع جانا گوارا نہیں
کرتا مال کا سولھواں حصہ تو بہت ہوتا ہے مگر جب تیس کا حکم ہے کہ بے اس کے کوئی نالش نہ سنی جائے
تو آدمی یا تو اپنے حقوق و املاک سے یکدست ہاتھ دھو بیٹھے یہ ممکن نہیں کہ ظالم لوگ ناخدا تیس جس کے
اس عزم پر آگاہ ہو جائیں اس کے تن کے کپڑے تک اتار کر بس نہ کریں کہ آخر یہ بخوف مصرف نالش تو
کرے گا ہی نہیں پھر ڈر کا ہے کا۔ رہی عاقبت، وہ کس نے دیکھی ہے خدا کا سامنا جب ہوگا ہوگا،
آج تو اپنی چلتی گئی نہ کریں، یہ ان کا حال ہے جو خدا کا سامنا ہونے پر ایمان لاتے ہیں اور جو اس پر
اعتقاد ہی نہیں رکھتے ان کا کیا کہنا، وہ تو پورے بے غم ہیں یا بحالت قدرت بطور خود جبراً اپنے
حقوق واپس کر لے تو الٹی ان کی طرف سے نالش ہو اور حاکم کے نزدیک یہ خود مجرم ٹھہرے معہذا

۵/۸۰
۱۹۵/۲

دار احیاء التراث العربی بیروت
مطبع مجتہدی دہلی

کتاب الاکراه

ردالمحتار
در مختار

جو ابھی نہ کرے تو وہی ظلم بے تحاشہ اور کرے تو اب کیا اس قسم کے صرف نہ ہوں گے پھر بھی ہماں آس
در کاسہ نغرض دنیا میں سب راہیں بند ہیں سو اس کے کہ ریاست سے مدد لے اور ریاست علانیہ
حکم دے چکی کہ ہماری امداد اسی شرط پر موقوف ہے ورنہ زہار دار القضا کے دروازے تک باز نہ ہوگا
ناچار خریداری کاغذ مذکور گوارا کرے گا مگر یہ گوارش اسی طرح کی ہے کہ دل نہیں چاہتا بس چلے تو حق یہی ہے
کہ اپنا حق بے کوڑی خرچے ہاتھ لگے مگر مجبوری کو کیا کیجئے، تو ثابت ہوا کہ یہ خریداری ہرگز بطیب خاطر نہیں
ہوتی اور جو روپیہ اس کے بدلے نذر فروشنندگان ہوتا ہے زہار رضائے قلب سے نہیں دیا جاتا
تو بحکم قرآن و حدیث اسے مال حلال و طیب نہیں کہہ سکتے، ہاں اس قدر مسلم کہ بوجہ مرور زمان و عموم
ابتلا بہت لوگوں خصوصاً مقدمہ بازوں پر اس قسم کے مصارف میں آثار کراہت غالباً ظاہر نہیں ہوتے
مگر حاشا یہ طیب نفس و رضائے دلی نہیں بلکہ بات وہی ہے کہ عادت ہوگئی اور جب سب ایک حال
میں ہیں تو مرگ انہوہ جتنے دار (اجتماع کی موت میں اپنی موت جشن رکھتی ہے۔ ت) آخر اور رقموں میں
نہ دیکھتے جن میں اپنے کسی نفع کی توقع نہیں ہوتی اور روسا و سلاطین اموال و مزارع پر باندھ دیتے ہیں
اول اول چند روز ایک عام واویلار ہتا ہے پھر کچھ نہیں کہ آخر دنیا اول دنیا پھر اظہار کراہت بے معنی جب زیادہ
زمانہ گزرا چلے وہ رفتہ رفتہ ایک امور عادیہ میں داخل ہو گیا مگر دل کی خواہش ہرگز اس کی مساعد
نہیں ہو جاتی اس کا سہل سا ایک امتحان یہ ہے کہ مثلاً اس کاغذ ہی کے نسبت ریاست کا حکم ہو جائے
کہ ضروری نہیں سادے پر بھی دعویٰ سن لیں گے پھر دیکھئے کتنے خریدنے جاتے ہیں، حاشا و کلا کوئی
پاس بھی نہ پھٹکے گا کہ بلا وجہ اپنا خرچ کسے بھاتا ہے تو قطعاً عیدم رضا دائمی ابدی ہے اور یہ شراباً بالکل شرائے
مکروہ کی حالت میں ہے و بعد اللیتا واللیتی (اور بحث و تمحیص کے بعد۔ ت) عدم رضا و فقدان
طیب نفس میں کلام نہیں اور اسی قدر انعدام حلت میں کافی علماء فرماتے ہیں اگر بادشاہ وقت بجا و کاٹ دے
مثلاً لوگ روپیہ کے پندرہ سیر گہیوں بیچتے ہیں حاکم حکم کرے کہ بیس سیر سے کم نہ بیچیں ورنہ سزا پائیں گے اس
صورت میں مشتری کے لئے یہ بجا و حلال نہ ہوگا کہ اگرچہ حاکم نے بائع کو بیع پر جبر نہ کیا کہ اصلاً نہ بیچے تو اپنے
مال کا مالک ہے مگر یہ حکم تو کر دیا ہے کہ بیچے تو اسی بجا و بیچے اور اس کی مخالفت میں حاکم کی طرف سے اندیشہ
ہے تو اس نرخ پر اس کی رضا متحقق نہ ہوتی اور مسلمان کا مال بے مرضی لینا حلال نہیں۔ درمختار

میں ہے :

اذا سخر و خاف البائع ضرب
الامام لو نقص لا یحل

اگر حاکم نرخ مقرر کر دے اور بائع کو ضرب حاکم
کا ڈر ہے اگر وہ اس نرخ میں کمی کرے تو

للمشتری

ایسی صورت میں مشتری کے لئے حلال نہیں۔ (ت)

شرح نقایہ میں ہے،

لو سرفباع للخوف لم يحل للمشتری
لقوله صلى الله تعالى عليه وسلم
لا يحل مال امری مسلم الا بطیب
نفس منه

اگر حاکم نے نرخ مقرر کر دیا اور بائع نے اس کے
خوف سے فروخت کیا تو مشتری کے لئے حلال
نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا
ارشاد ہے کسی مسلمان کا مال اس کی دلی خوشی
کے بغیر لینا حلال نہیں۔ (ت)

اسی طرح اگرچہ رئیس نے نالش پر مجبور نہ کیا نہ کرے تو اپنے ترک حق کا مختار ہے مگر حکم دیا ہے کہ کرے
تو کاغذ ضروری دے اور اسی مقدار کا دے اور اس کی مخالفت میں تلف حق کا اندیشہ ہی نہیں
بلکہ یقین کامل ہے تو اس شراب پر بھی رضا متحقق نہ ہوتی، فرق اس قدر ہے کہ حکم حاکم نہ ہوتا تو گیہوں
والا گیہوں خود بھی بیعت اگرچہ زیادہ کو، اور یہاں حکم نہ ہوتا تو نالش والا یہ کاغذ کوڑی کو بھی نہ پوچھتا
کما لایخفی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ ت)

بالجملہ فقیر غفر اللہ لہ جہاں تک نظر کرتا ہے اس تجارت کے مطلقاً حلال و طیب ہونے
کی راہ نہیں پاتا۔ ہاں بعض صورتیں ایسی بھی ہیں جن میں مشتری بخوشی خود خریدیں مثلاً فروشنده سے
دوسرے نے قدرے نفع دے کر بیچنے کو مول لے لیا جیسے اونچے بزازوں سے گٹھری والے کپڑا لیتے
ہیں یا نالش جس بات پر کرتا ہے وہ ایسی نہ تھی جس سے درگزر کرنی کچھ اس پر شاق ہوتی صرف
ایذائے مخالفت یا انتقام کے لئے نالش چاہتا ہے یہ بھی صورت حاجت کی نہ ہوتی، یا دائن کو یہ کاغذ
درکار تھا مدیون سے کہا میرے قرض میں لا دے وہ لے آیا یہ خریداری بھی برضا سے خود ہوتی کہ اس
پر کاغذ دے کر قرض اتارنا لازم نہ تھا، یا اپنے کسی بزرگ کو نالش کی حاجت ہوتی چھوٹے نے
خوشنودی کے لئے اپنے پاس سے کاغذ خرید کر لگایا، خواہ کسی عزیز یا دوست یا محتاج کے کام
میں صرف کیا کہ یہ سب حالتیں خریدار کی ضرورت کی نہیں ایسی صورت میں بیشک بیع صحیح و جباز
اور زرمین فروشنده کے لئے حلال و طیب۔ اور صرف یہ بات کہ دمڑی کا کاغذ سو روپے کو کیونکہ

۱۔ درمختار کتاب المحظور والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتہبی دہلی ۲۴۸/۲
۲۔ جامع الرموز کتاب الکراہیۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۳۲۲/۳

جائے بعد ثبوت تراخی موثر نہیں، ہر شخص اپنے مال کا مختار ہے جتنے کو چاہے بیچے، امام محقق علی الاطلاق
فتح القدر میں فرماتے ہیں:

لو باع کاغذاً بالف يجوز ولا يكره

اگر کسی نے کاغذ کا ٹکڑا ہزار کے بدلے فروخت
کیا تو یہ جائز ہے مکروہ نہیں ہے (ت)

فقیر غفر اللہ تعالیٰ لہ مسئلہ تجارت نوٹ میں اسے واضح کر چکا و باللہ التوفیق مگر ان صورتوں
کا وقوع نادر ہے، انہیں پر قانع ہو کر تجارت نہ چل سکے گی، اور اگر کوئی قناعت کرے اور جب تک
تحقیق نہ ہو کہ انہیں صورتوں سے کوئی صورت ہے ہرگز نہ دے اس کے لئے بیشک جواز کا بھی حکم
ہو سکتا ہے، البتہ ایک صورت عدم اکراہ کی کثیر الوقوع ہے یعنی جھوٹی نالاش کے لئے خریدنا کہ یہ لوگ
مظلوم نہیں خود ظالم ہیں تو انہیں شراب پر کیا مجبوری ان کے ہاتھ بیچنے میں اگرچہ عدم حلت کی وجہ
نہ ہوتی، مگر اور وجوہ معصیت پیدا ہوں گی کہ دو حال سے خالی نہیں، یا تو بائع کو معلوم ہو گا کہ مشتری
ظالم ہے اور خاص نالاش ناحق کے لئے خریدتا ہے یا بے دلیل و علم ٹھہرا لے گا کہ اس مشتری کا ایسا
ارادہ ہے بر تقدیر ثانی سوہن میں گرفتار ہوا اور بدگمانی حرام قطعی، پھر تراشیدہ خیال معصیت مال
کی بنا پر کیونکہ مال مسلم کا استحلال کر سکتا ہے، بر تقدیر اول جبکہ یہ جانتا تھا کہ وہ نالاش دروغ
کے لئے کاغذ لیتا ہے تو اسے اس کے ہاتھ بیچنا معصیت پر اعانت کرنا ہوا جس طرح اہل فتنہ کے
ہاتھ ہتھیار اور معصیت پر اعانت خود ممنوع و معصیت،

قال عز وجل ولا تعاونوا على الاثم و
العدوان

آپس میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو گناہ اور
حد سے بڑھنے پر۔

واللہ الہادی ہذا ما عندی والعلم بالحق
عند ربی، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

اور اللہ تعالیٰ ہی ہدایت دینے والا ہے یہ وہ
ہے جو میرے پاس ہے اور حق کا علم میرے پروردگار
کے پاس ہے، اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ خوب جانتے والا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۵۴۸ از کلکتہ فوجداری بالا خانہ نمبر ۳۶ مرسلہ جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب
کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہاں کلکتہ میں مصنوعی یعنی میل کا گھی بکتا ہے باوجود علم

ایسا گھی تجارت کے لئے خرید کر بیچنا جائز ہے یا نہیں؟ بیٹنوا تو جروا۔

الجواب

اگر یہ مصنوع جعلی گھی وہاں عام طور پر بکتا ہے کہ ہر شخص اس کے جعل ہونے پر مطلع ہے اور باوجود اطلاع خریدتا ہے تو بشرطیکہ خریدار اسی بلد کا ہو، نہ غریب الوطن تازہ وارد ناواقف، اور گھی میں اس قدر میل سے جتنا وہاں عام طور پر لوگوں کے ذہن میں ہے اپنی طرف سے اور زائد نہ کیا جائے نہ کسی طرح اس کا جعلی ہونا چھپایا جائے۔ خلاصہ یہ کہ جب خریداروں پر اس کی حالت مکشوف ہو اور غریب و مغالطہ راہ نہ پائے تو اس کی تجارت جائز ہے آخر گھی بیچنا بھی جائز اور جو چیز اس میں ملائی گئی اس کا بیچنا بھی، اور عدم جواز صرف بوجہ غش و فریب تھا، جب حال ظاہر ہے غش نہ ہوا اور جواز رہا جیسے بازاری دودھ کہ سب جانتے ہیں کہ اس میں پانی ہے اور باوصف علم خریدتے ہیں یہ اس صورت میں ہے جبکہ بائع وقت بیع اصلی حالت خریدار پر ظاہر نہ کر دے، اور اگر خود بتا دے تو ظاہر الروایت و مذہب امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں مطلقاً جائز ہے خواہ کتنا ہی میل ہو اگرچہ خریدار غریب الوطن ہو کہ بعد بیان فریب نہ رہا۔ درمختار میں ہے:

لا باس ببيع المغشوش اذا بين غشه
او كان ظاهراً ايرى وكذا قال ابو حنيفة
رضي الله تعالى عنه في حنطة خلط فيها
الشعير والشعيري لا باس ببيعه و
ان طحنه لا يبيع وقال الثاني في رجل
معه فضة نحاس لا يبيعهما حتى
يبين^۱

ملاوٹ والی چیز کو فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں
جب اس کی ملاوٹ کو بیان کر دے یا ملاوٹ
ایسی ظاہر ہو کہ دکھائی دیتی ہو اور یونہی فرمایا
امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسی گندم
کے بارے میں جس میں جوڑے ہوئے ہوں اس
طور پر کہ جو نظر آتے ہوں تو ایسی گندم کی بیع میں
کوئی مضائقہ نہیں، اور اگر اس مخلوط گندم کو

پیس لیا تو مت بیچے اور امام ابو یوسف نے اس شخص کے بارے میں فرمایا جس کے پاس تانبائی چاندی ہے
کہ وہ اسے بتائے بغیر نہ بیچے۔ (ت)
ردالمحتار میں ہے:

قوله وان طحنه لا يبيع اي
ماتن کا یہ فرمانا کہ جب اس نے مخلوط گندم کو پیس لیا

الا ان یبین لانه لایری لہ

تومت نیچے، اس کا مطلب یہ ہے کہ بیان
کے بغیر نیچے کیونکہ اس میں ملاوٹ دکھائی نہیں دیتی۔

بالجملہ مدار کا ظہور امر پر ہے خواہ خود ظاہر ہو جیسے گہوں میں جو چٹنوں میں کسایا بخت عرف و
اشہار مشتری پر واضح ہو جیسے دودھ کا معمولی پانی خواہ یہ خود حالت واقعی تمام و کمال بیان کرے،
واللہ سبحنہ و تعالیٰ اعلم و علمہ جل مجدہ اتم و احکم۔

مسئلہ ۵۵ ۸ سوال ۱۳۰۸ھ از لبکن

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید جو زمانہ دراز سے بعارضہ
آتشک سخت علیل ہے اپنی زمینداری غیر منقسمہ کو صرف حق تلفی زوجہ مشکوتہ ذی مہر اور ورثہ ذوی الفروض
مثل دختر اپنی کے بدست اپنے لڑکے نابالغ کے کہ جو عورت بازاری غیر نکاحی کے بطن سے ہے بیع شرعی
کر کے زرخمن اس کا ہبہ کر دینا (بایں عبارت کہ بعد ایجاب و قبول زرخمن حقیقت بیعہ کا بچی مشتری ہبہ کر دینا)
ظاہر کرتا ہے تو درحالیکہ مشتری نابالغ ہے تو ہبہ کر دینا زرخمن کا بچی مشتری عندالشرع قابل تقسیم ہے یا
نہیں؟ اور یہ بیع شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟ بتنا تو جروا۔

الجواب

یہ بیع شرعاً محض باطل و ناجائز ہے، وہ لڑکا جبکہ زنا سے ہے تو شرعاً نہ وہ زید کا بیٹا نہ زید اس

کا باپ،

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
الولد للفراش وللعاهر الحجر
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:
اولاد فراش کے لئے ہے اور زانی کے لئے پتھر ہیں۔

تو زید اس پر اصلاً ولایت مالیہ نہیں رکھتا بلکہ محض اجنبی ہے ولایت مالیہ تو باپ دادا اور
قاضی شرع اور ان کے اوصیاء کے سوا ماں بھائی چچا کو بھی نہیں ہوتی نہ کہ ایسا شخص جس سے کچھ
علاقہ نہیں۔ تنویر الابصار میں ہے:

ولیه ابوه ثم وصیہ ثم جدہ
ثم وصیہ ثم القاضی او
نابالغ کا ولی اس کا باپ ہے پھر باپ کا وصی
پھر اس کا دادا پھر دادا کا وصی پھر قاضی یا

لہ ردالمحتار باب المتفرقات دار احیاء التراث العربی بیروت ۲۲۱/۴
۲۷۶/۱ صحیح البخاری کتاب البیوع باب تفسیر المشبہات قدیمی کتب خانہ کراچی

وصیہ دون الامر او وصیہا (ملتقطاً)۔ اس کا وصی، نہ کہ ماں یا اس کا وصی (ملتقطاً)۔ (ت)

اولاً زید کو اس با با لغ کے لئے جائیداد اپنے نفس سے خواہ کسی غیر سے اپنے روپے خواہ نابالغ کے روپیہ سے کسی طرح خریدنے کا اصلاً اختیار نہ تھا کہ یہ اختیار ولی مال کے سوا کسی کو نہیں، درمختار میں ہے :

ام و اخ لا یملکان بیع العقار مطلقاً و لا شراء غیر طعام و کسوة۔ یہ

نابالغ کی ماں اور اس کا بھائی نابالغ کی غیر منقولہ جائیداد کو کسی طرح فروخت کرنے کا اختیار نہیں رکھتے اور نہ ہی انھیں طعام و لباس کے سوا کچھ خریدنے کا اختیار ہے۔ (ت)

ثانیاً وہ اس خریداری میں فضولی ہے لعدم ولایة و لا وصایة (ولایت اور وصی ہونے کی بنا پر ت) اور وہ اس بیع میں طرفین ایجاب و قبول دونوں کا خود ہی متولی ہوا ایسی صورت میں جب یہ شخص کسی طرف سے فضولی ہو عقد باطل محض ہوتا ہے، درمختار میں ہے :

لا یتوقف الایجاب علی قبول غائب

عن المجلس فی سائر العقود من نکاح

و بیع و غیرہما بل یبطل الایجاب

ولا تلحقه الاجازة اتفاقاً

ردالمحتار میں ہے :

فاذا اوجب الحاضر وهو فضولی من

جانب او من الجانبین لا یتوقف

علی قبول الغائب بل یبطل وان

قبل العاقد المحض بان یتکلم

بکلامین کما یأتی

جب حاضر نے ایجاب کیا در آنحالیکہ وہ فضولی ہے

ایک طرف سے یا دونوں طرفوں سے تو وہ ایجاب

غائب کے قبول پر موقوف نہیں رہے گا بلکہ باطل

ہو جائیگا اگرچہ عاقد حاضر نے قبول کیا ہو بائیں

کہ دونوں کلاموں (ایجاب و قبول) سے تکلم

کیا ہو جیسا کہ آرہا ہے (ت)

۲۰۳/۲

مطبع مجتہاتی دہلی

کتاب الماذون

۱۰ درمختار

۳۳۶/۲

”

کتاب الوصایا

” ۱۱

۱۹۶/۱

”

کتاب النکاح

” ۱۲

۳۲۶/۲

دار احیاء التراث العربی بیروت

”

” ۱۳ ردالمختار

کو فسخ کریں ان میں جو کوئی نہ مانے دوسرا بے اس کی رضا مندی کے کہہ دے میں نے اس بیع کو فسخ کیا فوراً فسخ ہو جائے گی اور اگر دونوں فسخ کرنا نہ چاہیں اور حاکم شرع کو خبر ہو تو وہ جبراً فسخ کر دے کہ گناہ کا زائل کرنا فرض ہے۔ درمختار میں ہے :

بیع فاسد کو بائع و مشتری میں سے ہر ایک پر واجب ہے چاہے بیع پر قبضہ سے پہلے ہو یا بعد، جب تک بیع اپنے حال پر قائم ہے، اور یہ فسخ، فساد کو ختم کرنے کے لئے ہے کیونکہ یہ معصیت ہے، لہذا اس کا رفع واجب ہے، حجر۔ یہی وجہ ہے کہ اس میں قضا و قاضی کی شرط بھی نہیں اور اگر وہ اس بیع فاسد کے برقرار رکھنے پر اصرار کریں اور قاضی کو خبر ہو جائے تو وہ حق شرع کے لئے ان دونوں یعنی بائع و مشتری پر جبر کر کے فسخ کر سکتا ہے، بزازیہ

يجب على كل واحد منهما فسخه قبل القبض او بعد ما دام البیع بحاله اعدا ما للفساد لانه معصية فيجب رفعها بحولنا لا يشترط فيه قضاء قاض و اذا اصر على امساكه و علم به القاضى فله فسخه جبراً عليها حقاً للشرع، بزازیہ، اھ ملخصاً۔

اھ تلخیص (ت)

پھر جب اس بیع کو فسخ کر لیں اور باہم رضا مندی ہو تو نئے سرے سے پھر بیع صحیح بغیر اس شرط مفید کے کر سکتے ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

۴ رجب ۱۳۱۱ھ

مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے شیشی و تاروری فی سیکڑہ دس آنے کے حساب سے خرید کر بمنافع فی صدی دو آنہ سیکڑہ کے عمرو سے تعدادی آٹھ سو تاروری کے مبلغ چھ روپے وصول پا کر تاروریان واسطے دینے عمرو کے اپنی دکان پر لا کر رکھیں اور عمرو سے کہا کہ آپ شیشیاں اپنی لے جائیے، عمرو نے جواب دیا کہ مجھ کو اس وقت فرصت نہیں ہے پہلی بھیت سے واپس آ کر لوں گا۔ جب عمرو پہلی بھیت سے واپس آیا اس وقت تاروریاں شمار کی گئیں تو منجملہ آٹھ سو تاروری کے سو تاروری بوجہ نازکی کے ٹوٹی نکلیں تو اب اس سو تاروری شکستہ کی قیمت ۱۲ زید کے ذمہ ہونا چاہئے یا عمرو کے؟ بتینوا تو جروا

الجواب

سائل مظهر کہ اس وقت بیع نہ ہوتی تھی بلکہ عمرو نے اس سے شیشیاں مانگیں اس کے پاس

۲۸/۲

مطبع مجتہبی دہلی

لے درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد

نہ تھیں اس نے خرید کر دینا کہا اور قیمت فیصل کر لی کہ جس بھاؤ کو خریدوں گا فی صدی دو آنے کے نفع پر تجھے دوں گا۔ عمرو نے اسے پیشگی روپے دے دئے یہ صورت بیع کی نہ ہوتی صرف ایک وعدہ قرار دیا ہوا اور اگر ایجاب و قبول ہو بھی جاتا تاہم باطل تھی کہ شیشیاں زید کے پاس نہ تھیں اور جو چیز ہنوز اپنی ملک ہی میں نہیں بیع سلم کے سوا اس کا بیچنا باطل ہے ،

فی الدر المختار من البیع الباطل و بیع مالیس فی ملکہ لبطلان بیع المعدوم و مالہ خطر العدم لا بطریق السلم لانہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نہی عن بیع مالیس عند الانسان و رخص فی السلم اھ قال فی رد المحتار المراد بیع ما سیملکہ قبل ملکہ لہ ۱۱

در مختار میں ہے کہ بیع باطل کے قبیلہ سے ہے اس چیز کی بیع جو بائع کی ملک میں نہ ہو کیونکہ معدوم چیز اور وہ چیز جس کے عدم کا خطرہ ہو اس کی بیع باطل ہے مگر بطور سلم ان کی بیع باطل نہیں اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس چیز کی بیع سے منع فرمایا جو آدمی کے پاس نہ ہو اور بیع سلم میں رخصت دی الخ رد المحتار میں فرمایا کہ اس سے

مراد اس چیز کی بیع ہے جو عنقریب اس کی ملک میں آئے گی اس کی ملک میں آنے سے قبل۔ (ت) پس یہ شیشیاں کہ زید نے خریدیں زید ہی کی ملک تھیں جتنی ٹوٹیں اسی کی ٹوٹیں عمرو سے کچھ علاقہ نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۹ رمضان المبارک ۱۳۱۲ھ

علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے پھول پر انبہ خریدے اور کل روپیہ دینے کا فردا پر وعدہ کیا مگر کل کو قیمت وعدہ پر ادا نہ کی وعدہ کو فسخ کیا ، بیع جائز ہے یا ناجائز ؟ بیٹنوا تو جروا۔

الجواب

پھل کا پھول پر بیچنا ہی سرے سے حرام و ناجائز ہے وہ بیع بالاتفاق صحیح نہ ہوئی بائع و مشتری دونوں پر اس سے دست کشی و توبہ لازم ہے ، فی الدر المختار بیع ثمر قبل الظہور لا یصح در مختار میں ہے کہ کسی نے پھل کو نمودار ہونے سے

۲۴/۲

مطبع مجتہبی دہلی

باب البیع الفاسد

کتاب البیوع

۱۱ در مختار

۱۰۵/۴

دار احیاء التراث العربی بیروت

اتفاقاً۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔
پہلے بیچا تو بالاتفاق صحیح نہیں۔ (ت) واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۵۹ مسئلہ محمد علی بخش ۹ ربیع الاول ۱۳۰۸ھ

جناب عالی! کیا فرماتے ہیں آپ اس مقدمہ میں کہ ایک جائداد بقیمت مبلغ تین ہزار روپیہ کو خرید کرنا ہوں اور یہ شرط ٹھہرتی ہے کہ جب اس کا جی چاہے اسی قیمت کو یا کچھ روپے زیادہ دے کر مجھ سے پھر خرید لیں میں بلا عذر ان کو دے دوں گا، اگر یہ جائز ہو تو حکم فرمائیے۔

الجواب

اندر اچ شرط مذکور الصدر بیعنا مہ میں مفسد بیع ہے کیونکہ جو شرط زائد مفید بائع ہوں یا مشتری باطل کنندہ بیع میں فقط محمد یعقوب علی خاں

الجواب

بیعنا مہ کوئی چیز نہیں وہ گفتگو عقد کی جو زبانی عاقدین میں ہو شرعاً اس کا اعتبار ہے اگر اس میں بائع نے صرف اس قدر کہا کہ میں نے یہ چیزیں تین ہزار روپیہ کو بیچیں اور مشتری نے کہا میں نے قبول کیں، اور عقد ختم کر دیا، اور دونوں نے اسے بیع صحیح شرعی لازم سمجھا تو بیع صحیح و جائز ہو گئی، مشتری جائداد اور بائع قیمت کا مالک ہو گیا پھر ختم عقد کے بعد عقد سے علاوہ باہم یہ ٹھہرا لیا کہ جب تو چاہنا مجھ سے خرید لینا میں تیرے ہاتھ بیچ ڈالوں گا، پھر اگر بیعنا مہ میں اس وثوق سے کہ کہیں یہ اپنے وعدہ سے نہ پھر جائے یوں لکھا گیا کہ میں نے فلاں جائداد بکر کے ہاتھ بعوض سوا تین ہزار روپے کے بیع صحیح شرعی کی اور باہم یہ وعدہ قرار داد ہے کہ میں جب چاہوں اس قدر روپے کو یہ جائداد مشتری سے خرید لوں اسے میرے ہاتھ بیع میں عذر نہ ہو گا تو اس لکھے جانے سے بیع میں اصلاً عرج نہیں کہ عقد تو وہی تھا جو ان میں باہم زبانی ہوا اس میں اس شرط کا اصلاً ذکر نہ تھا بیعنا مہ میں ایک ساتھ تحریر ہونا عقد شرعی کو صحیح واقع ہوا فاسد نہیں کر سکتا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۶۰ از ضلع پر بھنی صوبہ اورنگ آباد مرسلہ مولوی سید غلام رسول حسین صاحب وکیل

۱۶ رمضان المبارک ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مٹی کی بیع و شراہ میں کہ جائز ہے یا ناجائز؟

عہ يتعلق بہ مسئلۃ التفاق الشرط بعد العقد بالعقد وفيها قولان مصححان ۱۲ منہ۔
عقد کے بعد شرط کو عقد کے ساتھ ملحق کرنے کا مسئلہ بھی اس سے متعلق ہے اور اس میں دو صحیح قول ہیں ۱۲ منہ۔

درمختار کے بیع فاسد میں تحریر فرماتے ہیں،

بطل بیع ما لیس بمال المال ما یعیل الیہ
الطبع ویجری فیہ البذل والمنع، دسار
فخرج التراب ونحوہ

جو چیز مال نہیں اس کی بیع باطل ہے، اور مال
وہ ہے جس کی طرف طبیعت مائل ہو اور اس میں
(بطور ہبہ وغیرہ) دینا اور (غیر کو اس میں تصرف

سے) منع کرنا جاری ہوتا ہو (درر) چنانچہ مٹی وغیرہ اس تعریف سے خارج ہو گئی۔ (ت)

اور بعض مقام میں جیسا کہ مقام پر پھنی میں مٹی کی طرف طبائع مائل ہیں اور اس میں بذل و منع جاری
ہے اور بیع و شراب بھی جاری ہے اور یوماً فیوماً اس کی قدر و قیمت زیادہ ہوتی جاتی ہے، اس صورت
میں مٹی پر مال کی تعریف صادق آسکتی ہے یا نہیں اور اس کی بیع و شراب شرعاً جائز ہو سکتی ہے یا
نہیں؟ بیٹو! تو جروا۔

الجواب

مٹی کہ مال و صالح بیع نہیں، وہ تراب قلیل ہے جس میں بذل و منع نہیں جیسے ایک مٹی خاک،
ورنہ تراب کثیر خصوصاً بعد نقل بلاشبہ مال ہے اور عموماً اس کی بیع میں تعامل بلاد، مٹی کی گائٹھیاں
چھتوں پر ڈالنے یا کھل کرنے یا استنجوں کے ڈھیلوں کے لئے سب جگہ بکتی ہیں، ردالمختار میں اسی عبارت
درمختار پر لکھا،

قوله فخرج التراب ای القلیل مادام
فی محلہ و الا فقد یعرض له بالنقل
ما یریبہ مالا معتبراً ومثلہ الماء
ماتن کے اس قول کہ ”مٹی تعریف مال سے خارج
ہو گئی“ کا مطلب یہ ہے کہ وہ مٹی قلیل ہو اور
ابھی تک اپنی جگہ پر پڑی ہو ورنہ وہاں سے نقل

کر لینے کے بعد وہ مال معتبر بن جاتی ہے، اور پانی بھی اسی کی مثل ہے۔ (ت)

بلکہ زمین خود مٹی ہے اور اس کی بیع قطعاً جائز، تو مناط وہی تحقق حد مال ہے واللہ تعالیٰ اعلم
مسئلہ از پبلی بھیت محلہ پنجابیاں متصل مسجد مرسلہ شیخ عبدالعزیز صاحب ۲۲ بیع الاخر شریف ۱۳۱۴ھ
بسم اللہ الرحمن الرحیم، کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید مسلم تاجر لٹھ
نے ایک روز قوم ہنود تعلقہ دار کے ساتھ بایں شرائط چوب فروش کی کہ جس نمونہ اور پیمائش کی لکڑی

۱۵۷ درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتہاتی دہلی ۲۳/۲
۱۵۷ ردالمختار دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۰۱/۲

بکر کو درکار ہوگی زید چرا کر اپنے مصارف بار برداری سے بذریعہ ریل یا کشتی کے زید اس مال کو بکر کے مکان پر پہنچا دے گا اور بکر نے یہ معاہدہ کیا کہ بعد پہنچ جانے اس مال کے تاریخ پہنچنے سے عرصہ تیس یوم میں قیمت اس لکڑی کی بشرح ہے زید کو ادا کر دیں گے اور اگر اس عرصہ میں نہ ادا کریں تو قیمت اس کی تین روپیہ کے نرخ سے دیں گے، چنانچہ زید نے حسب پیمائش فرمائش بکر کی لکڑی تیار کر کے بکر کو اطلاع دی کہ لکڑی تیار ہے حسب معاہدہ سابق مستری بھیجو کہ پاس کر جائے، چنانچہ مستری آیا اور زید کے مکان پر اس لکڑی کو پاس کر کے اپنا نشان اور ٹانچ لگا گیا اور زید نے اس پاس شدہ لکڑی کو اپنے مصارف بار برداری سے بکر کے مکان پر پہنچا دیا اور بعد پہنچا دینے کے بکر کے ذی اختیار کارکنان کارندگان سے رسید دستخطی حاصل کر لی اس مابین میں جب تک وصولیابی روپیہ کا زمانہ آنے علاقہ بکر میں انتظاماً تبدیل و تغیر ہوا اور بجائے کارندگان سابق کے دوسرا کارندہ یورپین سے قائم ہوا اس سے قیمت کار روپیہ طلب کیا گیا اول تو بوجہ ابتدائے انتظام کے اس نے لیت و لعل کیا پھر عرصہ تین چار مہینے بعد اس لکڑی مستری کی پاس شدہ میں سے بقدر ایک ثلث کے ناقص انتخاب کی اور اب کہ بجائے ۳۰ یوم کے معاہدہ کے عرصہ آٹھ سات ماہ کا منقضی ہوتا ہے، ہنوز قیمت چوب کار روپیہ ادا نہیں ہوا اور طلب پر بکر خود اور نیز اس کا کارندہ جدید جواب دیتے ہیں کہ جس قدر لکڑی ہم نے ناقص برآمد کی ہے واپس لے جاؤ اور باقی ماندہ عمدہ مال کی قیمت شرح ہے کی دی جائے گی، کیا ایسی صورت میں جائز ہوگا کہ زید بذریعہ نالیش محکمہ جات حکام زمانہ کی امداد سے حسب شرائط فی مابین کے پورے اس مال کی قیمت جس کو بکر کا مستری پاس کر کے نشان دے گیا تھا اور زید نے اس کو بکر کے مکان پر پہنچا کر رسید حاصل کی ہے بشرح سے روپیہ کے مع خرچہ محکمہ کے وصول کر کے یا حسب خواہش بکر کے عمدہ لکڑی کی قیمت بہ نرخ ہے کے وصول کر کے ناقص منتخب کی ہوئی لکڑی اپنا دوسرا مصارف خرچ کر کے واپس لائے، بیان فرمائیں ثواب پائیں، فقط۔

الجواب

صورت مستفسرہ میں بیع ہی نہ ہوتی کہ یہ لکڑی وقت بیع معدوم و غیر ملوک بائع تھی اور ایسی

چیز کی بیع بے طریق سلم باطل محض ہے، درمختار میں ہے،

بطل بیع مالیس فی ملکہ لبطلان بیع غیر ملوک کی بیع باطل ہے بسبب باطل ہونے

المعدوم وماله خطرا اس چیز کی بیع کے جو معدوم ہو یا اس کے معدوم

لعدم الابطریق السلم ہونے کا خطرہ ہو مگر بطور سلم اس کی بیع باطل نہیں

اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے
اس چیز کی بیع سے منع فرمایا جو آدمی کے پاس
نہ ہو اور بیع سلم میں رخصت دی (ت)

لأنه صلى الله تعالى عليه وسلم نهى عن
بيع ما ليس عند الانسان و رخص في
السلم

ردالمحتار میں ہے :

لم ينعقد بيع المعدوم وماله خطر العدم
كالحمل واللبن في الضرع ولا بيع ما ليس
مملوكا له وان ملكه بعدة الا
السلم الخ.

اس چیز کی بیع منع نہیں ہوتی جو معدوم ہو یا
اس کے معدوم ہونے کا خطرہ ہو جیسے حمل اور
تھنوں کے اندر دودھ، اور نہیں منعقد اس
چیز کی بیع جو بائع کی ملک میں نہ ہو اگرچہ بعد
میں اس کا مالک بن جائے سوائے بیع سلم کے الخ (ت)

توزید و بکر میں باہم کوئی معاہدہ ہی نہیں جس کی بنا پر ایک دوسرے سے کچھ مطالبہ کر سکے، زید اپنی
لکڑی تمام و کمال واپس لے اور اپنے صرف سے جہاں چاہے لے جائے، ہاں اب از سر نو اس
مال موجودہ کی بیع برضائے باہمی جس قیمت پر ہو جائے تو وہ جائز ہوگی اور اس کا مطالبہ ہو سکے گا، واللہ
سبحنہ و تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۶۲ از شاہجہاں پور مرسلہ عنایت حسین خاں محلہ ماتھی تھان ۲۷ ربیع الآخر ۱۳۱۸ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اوپر اس بات کے کہ زید نے پیداوار رس قبل
تیار ہونے پیداوار کھیت نیشکر از روئے تخمینہ و اندازہ کے کہ جو بعد چہار ماہ کے اگر اللہ نے چاہا تو پیدا
ہوگا اس مال رس کو زید نے بہ نفع مبلغ سے ۱۲ ایک سو من بوزن خام بدست بکر کے اس شرط سے
فروخت کیا اور فوراً زر قیمت پیشگی بیاک کر لیا شرط باہم یہ قرار پائی کہ اگر تخمینہ مذکورہ سے مال رس کم
پیدا ہوگا اس وجہ سے کم دیا جائے گا تو فی من خام آدھ آنہ کے جس کے حساب سے ہے سو من خام
پر ہوتے ہیں بطریق منافع جس کو عوام الناس گئے کہتے ہیں بوجہ پیشگی لینے روپیہ کے زید کو مع روپیہ
باقی ماندہ کے بکر کو دینا ہوں گے لہذا یہ بیع اور کمی منافع دونوں شرعاً مذہب حنفیہ میں جائز ہیں یا کیا درجہ
رکھتے ہیں، عند اللہ اجر و ثواب ہوگا۔

۲۳/۲ کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتہباتی دہلی
۵/۴ دار احیاء التراث العربی بیروت

الجواب

یہ بیع بھی حرام اور یہ شرط بھی حرام، اور یہ دام جو اس کمی پر لئے جاتیں نرے سود ہیں۔
 فان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لیس عن بیع ما لیس عنده وعن بیع وشرط
 والربو هو الفضل المستحق بالعقد الخالی عن العوض كما فی الہدایۃ، و
 المسائل واضح، واللہ تعالیٰ اعلم۔

نبی اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس چیز کی بیع سے منع فرمایا جو آدمی کے پاس نہ ہو اور بیع اور شرط سے منع فرمایا، اور سود عقد سے ثابت ہونے والی اس زیادتی کو کہتے ہیں جو عوض سے خالی ہو جیسا کہ ہدایہ میں ہے اور یہ تمام مسائل واضح ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم (ت)

مسئلہ ۶۳ از شہر کہنہ مرسلہ مولوی خدایار خان صاحب ۱ صفر ۱۳۱۹ھ

جناب مولانا معظم مکرم دام سالما، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ ایک مسلمان شخص کے ہاتھ میں بیچا تھا بہ نرخ سے فیصدی من یہ شرط ٹھہری تھی کہ بعد ختم بیل ڈیڑھ مہینہ کے اندر جو روپیہ باقی نکلے گا دیں گے اگر نہ دیں گے تو اس کا نرخ سے کا دیں اور خدایار کے اوپر ہمارا روپیہ باقی نکلے وہ بھی ڈیڑھ مہینہ کے اندر دیں اگر میعاد میں نہ دیں تو نرخ سے کا دیں، سو روپیہ ہمارا نکلا تیرہ سو اور میعاد گزر گئی، اب نرخ سے کا لینا سود تو نہیں ہے یا ہے چونکہ میں آپ سے اکثر اپنے معاملات پوچھ لیتا ہوں لہذا اب بھی تصدیق دیتا ہوں کہ مجھ کو صبح اس کی اطلاع ہو جائے۔

زیادہ نیاز خاکسار خدایا تبتہ اللہ بالتصدیق والاقرار

الجواب

یہ شرط فاسد اور عقد حرام ہے دو وجہ سے :

اولاً اس شرط میں اعداد العاقدين کی منفعت ہے،

وكل شرط كذا فاسد وكل شرط فاسد فهو يفسد البيع وكل بيع فاسد حرام واجب الفسخ على كل من العاقدين فان لم يفسخا اثماً جميعاً وفسخ القاضى بالجبر۔

ہر وہ شرط جو ایسی ہو فاسد ہے اور جو شرط فاسد ہو وہ بیع کو فاسد کر دیتی ہے اور ہر فاسد بیع حرام ہے جس کا فسخ کرنا بائع اور مشتری میں سے ہر ایک پر واجب ہے اگر وہ فسخ نہ کریں تو دونوں گنہگار ہوں گے اور قاضی جبراً اس بیع کو فسخ کر لے (ت)

ثانیاً اس میں جہالت قدرثمن لازم آئندہ اور خاصہ قمار ہے کہ بائع مشتری کے لئے ایک آئندہ نامعلوم صورت میں کہ خدا جانے کس طرح واقع ہوگی ہار جیت بدی گئی ہے اور قمار بنص قطعی و شرعی حرام ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۶۴ نمودہ و نصلی علی س رسولہ الکریم،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس معاملہ میں کہ زید نے عمرو سے مبلغ مال لے کر ایک اقرار نامہ بدین مضمون تحریر کیا کہ (۱۴۰) چٹے لکڑی پانچ اقباط میں دوں گا منجملہ ان کے صرف ۲۵ چٹے لکڑی دی اور اس نامہ مذکورہ صدر میں یہ شرط تحریر کی کہ اگر کسی جانب سے لین دین لکڑی میں انحراف ہو تو پانچ روپیہ فی چٹہ ہرجہ لینے کا ایک دوسرے سے مستحق ہوگا، پس عمرو زید سے اس صورت سے ہرجہ تحریری لینے کا شرعاً مستحق ہے یا نہیں؟ بیٹنوا تو جبروا۔

الجواب

صورت مستفسرہ میں اگر لکڑی زید کے پاس اس وقت موجود نہ تھی تو یہ بیع حرام و باطل ہوتی، عمرو پر لازم ہے کہ یہ ۲۵ چٹے بھی زید کو واپس دے اور زید پر لازم کہ پورے مال لے کر عمرو کو پھر دے اور اگر لکڑی موجود و معین بھی اور پھر اس میں سے ۱۱۵ چٹے مشتری کو نہ دی تو زید پر فرض ہے کہ اب دے دے اور اگر وہ لکڑی دوسری جگہ بیچ ڈالی ہے تو زید سخت گنہگار ہوا اور عمرو اپنی لکڑی اس دوسرے مشتری سے واپس لے سکتا ہے اور اگر پتہ نہ چلے تو ۱۱۵ چٹے کے جو دام بازار کے بھاؤ سے ہوئے عمرو زید سے لے، بہر حال ہرجہ لینے کا کسی صورت میں اختیار نہیں، نہ وہ شرط اقرار نامہ اصلاً قابل قبول۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ

۲۲ محرم الحرام ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کھال مردہ کا بیچنا جائز ہے یا نہیں؟ اور ہڈی بیچنا جائز ہے یا نہیں؟ بعض عالم کہتے ہیں جائز نہیں ہے اور بعض کہتے ہیں جائز ہے۔ بیٹنوا تو جبروا

الجواب

کھال اگر پکا کر یا دھوپ میں سُکھا کر دباغت کر لی جائے تو بیچنا جائز ہے لظہا ساتھ و حل الانتفاع (سبب اس کی طہارت کے اور حلال ہونے اس سے نفع حاصل کرنے کے۔ ت) ورنہ حرام و باطل ہے لانه جزء میتة و بیع الميتة باطل (اس لئے کہ وہ مردار کی جُزء ہے اور مردار کی بیع باطل ہے۔ ت) ہڈی پر اگر دسومت نہ ہو خشک ہو تو اس کی بیع بھی جائز ہے لہذا تقدم

لافت الحیاة لا تحله (اس وجہ سے جو پہلے گزر چکی ہے کیونکہ حیات اس میں سرایت نہیں کرتی۔ ت۔)
 اور ان احکام سے خنزیر مستثنیٰ ہے اس کی کھال یا ہڈی کسی حال میں اصلاً خرید و فروخت یا کسی قسم
 کے انتفاع کے قابل نہیں لنبجاسة عینہا (اس کے نجس عین ہونے کی وجہ سے۔ ت۔) واللہ
 تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۶۶۔ مرسلہ محمد بشیر الدین طالب علم مدرسہ امداد العلوم محلہ بالنسمنڈی کانپور ۲۹ صفر ۱۳۳۰ھ
 کوئی شخص زندہ گائے یا بکری وغیرہ کی کھال چھوڑ کر صرف گوشت خریدے ذبح کرنے کے بعد
 دس بارہ آدمی مل کر تقسیم کر کے کھائیں اس صورت میں بیع کیسی ہے؟ اور گوشت کھانا حلال ہے یا
 حرام؟ بیئوا تو جروا۔

الجواب

بیع فاسد ہے اور وہ کھانا حرام،
 والوجه ظاہر فہو کجذع فی سقفت
 بل اشد قال فی الدر فی السراج لوسلم
 الصوف واللبن بعد العقد لم یقلب
 صحیحاً وکذا کل ما اتصالہ خلقی کجلد
 حیوان ونوی تسر و بزر بطیخ لہ واللہ
 تعالیٰ اعلم۔

اس کی وجہ ظاہر ہے تو وہ چھت میں لگی ہوئی شہتیر
 کی مانند ہے بلکہ اس سے بھی سخت تر۔ در
 میں فرمایا کہ سراج میں ہے اگر عقد کے بعد
 اُون اور دودھ مشتری کو سونپ بھی دیا تب بھی
 بیع صحیح نہ ہوگی اور ایسے ہی ہے ہر وہ چیز
 جس کا اتصال پیدائشی طور پر ہے جیسے حیوان کی
 کھال، کھجور کی گٹھلی اور تر بوز کا بیج۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۶۷۔ از جاوہرہ ملک مالوہ مسئلہ جناب سید مقبول عیسیٰ صاحب ۱۲ جمادی الآخر ۱۳۱۰ھ
 (۱) مسماة زینب سے زید نے اس شرط پر نکاح کیا اور ایک دستاویز کا بین نامہ بھی اس مضمون
 کی لکھ دی کہ جو زینب کو بالعوض دین مہر مبلغ پچاس ہزار روپے اور دو اشرفی کے اپنے نکاح میں
 لایا ہوں اور بالعوض اس دین مہر کے جو دو قطعے مکانات نصف نصف حصہ خود مع حدود اربعہ ہیں
 زینب کو دین مہر میں دے دیئے اور جو آئندہ جائیداد منقولہ وغیر منقولہ میں اپنے قوت بازو سے پیدا
 کروں گا اس کی مالک بھی عوض اس دین مہر کے منکوہ رہے گی اور بشرط نا اتفاقی جمیع جائیداد منقولہ و

غیر منقولہ کی مالک منکوہ ہے اس جائداد میں میرا اور میرے خویش واقارب کا کسی طرح سے دعویٰ نہ ہوگا، بعد ازاں ایک مدت کے زید نے اور جائداد منقولہ وغیر منقولہ اپنے قوت بازو سے پیدا کی وہ بھی جائداد منقولہ وغیر منقولہ بموجب شرائط کا بین نامہ زینب کو دے کر نصف قبضہ کرا دیا، اندریں صورت مالک جمیع جائداد کی زینب قرار پا سکتی ہے یا زید؟ اور جو شے دین مہر میں اس صورت سے دے دی جائے کیا قبضہ لازم ہوگا اور بلا قبضہ ہو تو کیا حکم ہے؟

(۲) بعد دو چار برس کے منجملہ جائداد مذکورہ ایک مکان میں کرایہ دار رہتا تھا وہ مالک بن گیا، زید نے اپنے نام نالش کر کے قبضہ لیا اور زینب کو دیا یا نہ دیا اور دیگر شخص نے زید پر نالش کر کے اس مکان کو حراج کرایا اب اس مکان کی دعویٰ زینب ہوئی اور زید کو اقرار ہے اندریں صورت اس مکان کی مالک زینب ہو سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب

(۱) دین مہر کے عوض دینا ہبہ بالعوض ہے اور ہبہ بالعوض اور بیع میں قبضہ شرط نہیں، فی الدر المختار لو قال وهبتك بكذا در مختار میں ہے کہ اگر کسی نے کہا میں نے اتنے کے بدلے تجھے ہبہ کیا ہے تو یہ ابتداء اور انتہاء ہے۔
بیع ہے۔ (ت)

مگر یہ کا بین نامہ جو زید نے لکھا اس میں دو قطعہ مکان بعوض دین مہر دتے ہیں اور یہ شرط کی ہے کہ آئندہ جو حاصل کرے وہ بھی بعوض دین مہر ملک زوجہ ہو اور بحال نا اتفاقی تمام کمال کی مالک ہو، یہ دونوں شرطیں باطل ہیں، اس باطل کی بنا پر جو بعد کی جائداد زید نے زینب کو دی وہ زینب کی ملک نہ ہوئی اگرچہ ہزار قبضہ کرا دیا ہو فان المبنی علی الباطل باطل والباطل لاحکم لہ (اس لئے کہ جو باطل پر مبنی ہو وہ باطل ہوتا ہے اور باطل کا کوئی حکم نہیں۔ ت) تو ان سب کا بدستور زید ہی مالک ہے، رہے وہ دو قطعہ مکان جو اول بعوض مہر دتے وہ بوجہ شرط فاسد بیع فاسد ہے، زید و زینب پر واجب ہے کہ اس بیع کو فسخ کریں مکان زید کو واپس دے جائیں مہر زینب کا ذمہ زید رہے جبکہ وہ مکان قبضہ و ملک زینب میں ہنوز موجود ہیں، اور اگر زینب ان کو کسی اور کے ہاتھ بیع صحیح یا ہبہ یا وقف یا وصیت یا رہن کر چکی تو اب مکانوں کی واپسی نہ ہوگی

مگر مہر میں سے اتنا ہی ساقط ہو جتنے کی مالیت وہ مکان بہ نرخ بازار ہوں باقی مہر ذمہ زید رہا۔

(۲) اگر وہ مکان بعد کی جائیداد میں تھا جب تو ظاہر ہے کہ زینب اس کی مالکہ ہی نہ تھی، زید کا اقرار اپنے اسی شرط باطل کی بنا پر ہے اور باطل کی بنا پر جو اقرار ہو باطل ہے کما فی الاشباہ والدر وغیرہما (جیسا کہ اشباہ اور در وغیرہ میں ہے۔ ت) اور اگر وہ ان دونوں مکانوں میں سے تھا جو وقت نکاح مہر میں دیئے تو ہم بیان کر چکے کہ وہ بیع فاسد واجب الفسخ تھی اور زینب کا اسے کرایہ پر دینا مانع فسخ تھا فی الدر المختار ان باعہ المشتري فاسدا بیعا صحیحا بائنا لغير بائعه، او وہبہ وسلم، او وقفہ وقفا صحیحا اور ہنہ اوصی او تصدق بہ نفذ البیع الفاسد فی جمیع مامروا تمتنع الفسخ لتعلق حق العبد بہ، وکذا کل تصرف قولي غیر اجارہ و نکاح۔ (ملقطاً)

در مختار میں ہے اگر بیع فاسد کے مشتری نے بیع فاسد کو غیر بائع کے ہاتھ بیع صحیح تام کے ساتھ فروخت کر دیا یا ہبہ کر کے قبضہ دے دیا یا وقف صحیح کے ساتھ وقف کر دیا یا اس کو کسی کے پاس رہن رکھ دیا یا کسی کے لئے اس بیع فاسد کی وصیت کر دی یا صدقہ کر دیا تو ان تمام تصرفات مذکورہ میں وہ بیع فاسد نافذ ہو جائے گی اور فسخ ممتنع ہو جائے گا بسبب حق عید کے اس کے ساتھ متعلق ہونے کے، اور یہی حکم ہے تمام تصرفات قولي کا سوائے اجارہ اور نکاح کے (ملقطاً)۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے :

لان الاجارہ تفسخ بالاعذار و رفع الفساد من الاعذار یہ ہے اور رفع فساد بھی عذروں میں سے ایک عذر ہے۔ اس لئے کہ اجارہ عذروں کی وجہ سے فسخ ہو جاتا ہے اور رفع فساد بھی عذروں میں سے ایک عذر ہے۔ (ت)

اب کہ زید نے اسے اپنی ملک ٹھہرا کر دعویٰ کیا اور ڈگری پائی، یہ اس بیع فاسد کا فسخ ہو گیا مکان زید کو واپس آ گیا اور زینب کا مہر اس پر رہا پھر زید کا اسے دے دینا اگر وہی بر بنائے سابق ہو جب تو باطل و بے سود ہے اور اب قبضہ زینب سے بھی ملک زینب نہ ہوگی کہ اس وقت تک بیع فاسد تھی اب بعد فسخ باطل ہوگئی، ہاں اگر اس بنا پر نہ ہو بلکہ اپنی طرف سے ہبہ مستقل کر کے زینب کو قابض کر لیا ہو تو زینب مالک ہوگئی جبکہ وہ نصف قطعہ مشاع نہ ہو، واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۶۹ از سرنیاں ضلع بریلی مرسلہ امیر علی صاحب قادری ۲ رجب ۱۳۳۱ھ
 عمر کی مسجد میں یہ قاعدہ ہے کہ جو درخت مسجد میں ہیں ان کی سوکھی لکڑی گری ہوتی کھار ہمیشہ
 خرچ میں لاتا ہے، ہمیشہ کے لئے لوٹے گھڑے کھار مسجد کے خرچ کو دیتا ہے۔

الجواب

یہ عقد بوجہ مجہول ہونے کے ناجائز ہے، نہیں معلوم کتنی لکڑی گرے گی، نہیں معلوم کتنے لوٹوں کی
 حاجت ہوگی۔ ہاں اگر یوں ہو کہ اتنی لکڑی کے عوض اتنے لوٹے، تو جائز ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم
 مسئلہ مسئلہ حافظ محمد امین صاحب از قصبہ نجیب آباد ضلع بجنور محلہ پٹھان ۲۵ محرم ۱۳۳۲ھ
 (۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کوئی شخص کسی کا مال چوری کر کے لایا اور اس نے
 اس مال کو فروخت کرنا چاہا تو جس شخص کو معلوم ہو چکا ہے کہ یہ مال چوری کا ہے پھر بھی اس کو خریدتا ہے
 تو اس کے لئے وہ خریدنا جائز ہے یا نہیں؟ اور جو شخص لاعلمی میں ایسا مال مسروقہ خرید لے تو کیا حکم ہے؟
 اور بعد خرید لینے کے معلوم ہو جائے کہ یہ مال چوری کا تھا جب کیا حکم ہے؟

(۲) ایک شخص پندرہ بیس برس سے کسی محکمہ میں ملازم ہے اور وہ نوکری کا استعفار دے کر حج
 بیت اللہ شریف کو جاتا ہے، دوسرا شخص یہ چاہتا ہے کہ تم استعفار مت دو بلکہ بذریعہ درخواست بجائے
 اپنے محل کو قائم کر دو اور مجھ سے پچاس روپیہ لے لو، تو یہ روپیہ لینا سابقہ ملازم کے واسطے درست ہے
 یا نہیں؟

الجواب

(۱) چوری کا مال دانستہ خریدنا حرام ہے بلکہ اگر معلوم نہ ہو مظنون ہو جب بھی حرام ہے مثلاً کوئی جاہل
 شخص کہ اس کے مورثین بھی جاہل تھے کوئی علمی کتاب بیچنے کو لائے اور اپنی ہلک بتائے اس کے خریدنے
 کی اجازت نہیں اور اگر نہ معلوم ہے نہ کوئی واضح قرینہ تو خریداری جائز ہے، پھر اگر ثابت ہو جائے کہ یہ
 چوری کا مال ہے تو اس کا استعمال حرام ہے بلکہ مالک کو دیا جائے اور وہ نہ ہو تو اس کے وارثوں کو، اور
 ان کا بھی پتہ نہ چل سکے تو فقراء کو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) یہ مسئلہ بہت مشتبہ ہے اور اختلاف کثیر ہیں اور نظائر مشابہ ہیں اور احترام اولیٰ ہے،
 انظر من المحتار من اول البيوع (رد المحتار میں کتاب البيوع کے شروع میں دیکھئے۔ ت)
 واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ از قصبہ نلیٹھور ضلع بجنور محلہ سادات مرسلہ سید شاہد حسین انسپکٹر پبلسٹر ۲۹ محرم ۱۳۳۲ھ
 جناب عالی! نہایت ادب سے گزارش ہے کہ میں نے ایک مولوی صاحب سے ذریعہ تحریر بابت
 پرائیسری نوٹ ۵ مسکے دریافت کئے تو یہ جواب آیا جو ملاحظہ کے لئے ارسال کرتا ہوں اور نلیٹھور کے مدرسہ
 اسلامیہ کے حامد حسین مولوی صاحب سے دریافت کیا تو فرمایا کہ ہدایہ کتاب الزکوٰۃ میں تحریر ہے کہ جو روپیہ
 ملک میں ہو یا کسی کو امانت یا قرض دے رکھا ہو اور اس کے ملنے کی امید ہو چاہے مدیون مقرر ہو یا مفلس
 یا منکر، مگر منکر کی صورت میں دین کے پاس اپنے قرض کی پکی سند ہو مثلاً معتبر گواہ یا مدیون کا اقرار نامہ ہو
 تو ایسے قرض کی زکوٰۃ مالک کے ذمہ واجب ہے، مالک روپیہ مذکور مدیون یا امانت دار سے لے کر
 قبضہ کرے یا نہ کرے، اب عرض یہ ہے کہ پرائیسری نوٹ کا روپیہ مردہ نہیں ہے البتہ اس قدر ضرور
 بے قابو ہے کہ ضرورت کے وقت مالک کو نہیں مل سکتا جب گورنمنٹ کے اعلان پر کوئی جدید خریدار
 پیدا ہو اس وقت روپیہ مالک کو مل جائے گا اب اس کے واسطے جس قدر زمانہ گزرے یہ قاعدہ گویا ایسا
 ہے جیسے کہ کسی کارخانہ یا کمپنی میں حصے فروخت ہوں اور کوئی شخص اول حصہ جات کو خرید لے اب اگر
 حصہ دار اپنا روپیہ کارخانہ یا کمپنی سے واپس لینا چاہے تو اس کو اس وقت تک روپیہ نہیں مل سکتا
 جب تک کہ ان حصوں کا خریدار پیدا نہ ہو خواہ کسی قدر زمانہ گزر جائے البتہ منافع مقررہ ملتا رہے گا اب
 براہ کرم و بندہ نوازی کے جواب شافی مرحمت فرمائیے، پائی کا ٹکٹ جواب کے لئے ارسال ہے بحث صرف
 پرائیسری نوٹ کی بابت ہے سیلونگ بینک کا جواب نہیں چاہتا، زیادہ حد ادب!

حاضر الوقت حسین احمد دست بستہ سلام عرض کرتا ہے، یہ سید صاحب بہت ہی شش و پنج
 میں مبتلا ہیں ان کی تسلی فرمادیجئے گا ازراہ کرم، فقط۔

الجواب

پرائیسری نوٹ کا روپیہ گورنمنٹ کبھی واپس نہیں دیتی ہے خریدار پیدا ہونے پر اگر یہ بیع کرے گا
 تو خریدار سے روپیہ لے گا گورنمنٹ کے یہاں سود دینے کے لئے اس کے نام کی جگہ خریدار کا نام قائم
 ہو جائیگا، یہ اس قرض کا واپس ملنا نہ ہوا، قرض ملتا تو گورنمنٹ سے ملتا نہ کہ خریدار سے، تو وہ قرض
 یقیناً مردہ ہے، اور یہ کہ ملتا ہے غیر مدیون کے ہاتھ دین کی بیع سے ملتا ہے وہ بیع ناجائز و فاسد
 حرام ہے مگر جبکہ خریدار کو مدیون سے اس کا قبضہ لینے پر مسلط کر دے۔ اشباہ میں ہے،

لا يجوز بيع الدين ممن
 ليس عليه الدين الا اذا سلطه
 غیر مدیون کے ہاتھ دین فروخت کرنا جائز نہیں
 مگر اس وقت جائز ہے جب اس کو

اور یہاں قبضہ پر مسلط کرنا ناممکن ہے کہ سو خریدار بدلیں گورنمنٹ وہ روپیہ کسی کو نہ دے گی سو دیتی رہے گی، تو یہ روپیہ قطعاً اجماعاً حرام محض بیچنا حرام روپیہ لینا حرام، اور لے لیا ہو تو واپس دینا فرض ہے، پھر اس روپیہ سے کون سے انتفاع کا امکان ہوا، اور یہی معنی قرض مردہ کے ہوں کہ ملک ہوا اور انتفاع پر قدرت نہ ہو، لہذا حکم وہی ہے جو فتویٰ اول میں لکھا گیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۳ از ریاست رامپور محلہ گھیر پورن سنگھ متصل قبرستان مسجد نمبر ۱۲۱۲ مرسلہ محمد عبدالقادر صفر ۱۳۳۲ھ

ماقولکم رحمکم اللہ تعالیٰ فی ہذہ المسئلۃ (اس مسئلہ کے بارے میں تمہارا کیا ارشاد ہے اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے۔ ت) زید نے نو آنے قیمت کے ایک ٹکٹ ۹ آنے سے لے کر سرکار میں داخل کیا، بعد ازاں سرکار نے اسی زید سے سوار روپیہ لے کر اس کو چار ٹکٹ اور دے دئے، بعد اس کے زید نے وہی چار ٹکٹ وہی سوار روپیہ بیچ کر پھر سرکار میں داخل کیا، بعد روپیہ داخل کرنے کے سرکار نے اسی روپیہ کے دو فی قیمت کا ایک کپڑا زید کو دے دیا اب یہ معاملہ مطابقی تشریح شریعت کے جائز ہے یا نہیں اور اس کپڑا سے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؛ بیٹنوا تو جروا بالادل لامل وحوالۃ الکتب (دلائل وحوالہ کتب کے ساتھ بیان کروا جردئے جاؤ گے۔ ت)

الجواب

یہ صورت شرعاً باطل و ناجائز ہے کہ وہ ٹکٹ جو اس کے ہاتھ بیچا جاتا ہے اور یہ دوسروں کے ہاتھ بیچتا ہے اصلاً مال نہیں تو رکن بیع کہ مبادلۃ المال بالمال ہے اس میں متحقق نہیں اس کی حالت مٹی سے بھی بدتر ہے مٹی پھر بھی کام آتی ہے اور یہ کسی مصرف کا نہیں سوائے اس کے کہ احمق پہلے اپنا گلا پھانسنے پھر اس کے چھڑانے کو اپنے سے چار احمق اور تلاش کرے اور ان میں ہر ایک کو چار چار ڈھونڈنا پڑیں اور یہ سلسلہ بڑھتا رہے یا بعض احمقوں کے خسارہ پر ختم ہو جائے، ہاں وہ کپڑا کہ اُسے ملا وہ معاوضہ نہیں ہوتا بلکہ بطور انعام دیا جاتا ہے تو وہ فی نفسہ اس کے لئے جائز اور اس سے نماز درست ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۴ مستولہ محمد سلیمان شاہ جہان پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اس شہر میں جس قدر افتادہ

لے الاشباہ والنظائر	الفن الثانی	ادارۃ القرآن العلوم الاسلامیہ کراچی	۴۱/۲
لے الاشباہ والنظائر	الفن الثالث	"	۲۱۳/۲

زمین مکانات سے باہر گلیوں کو چوں میں ہے سب سرکار نے ضبط کر لی ہے پبلک کو مکان بنانا دیوار بنانی منع کر دیا ہے، اب اگر دوسرا پڑوسی زمین مقبوضہ کو سرکار سے خرید کر مکان بنالے، جائز ہے یا نہیں؟ بیتوا تو جروا۔

الجواب

اگر وہ افتادہ زمین غیر مملوکہ تھی جسے شرع میں "عادی الارض" عرف حال میں "سرکاری زمین" کہتے ہیں تو خریدنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۷۵ از اودے پور میواڑ مہارانا ہائی اسکول مستولہ وزیر احمد مدرس مسلمان کو ہندو مردہ جلانے کے لئے لکڑیاں بیچنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

لکڑیاں بیچنے میں حرج نہیں لان المعصیة لا تقوم بعینہا (کیونکہ معصیت اس کے عین کے ساتھ قائم نہیں ہوتی۔ ت) مگر جلانے میں اعانت کی نیت نہ کرے اپنا ایک مال بیچے اور دام لے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۷۶ از شہر محلہ سوداگران مستولہ حافظ مولوی محمد حشمت علی صاحب رضوی

مدرسہ منظر اسلام ۱۵ صفر ۱۳۳۹ھ

بخدمت جناب اعلیٰ حضرت، ہمارے اور اہلسنت وجماعت کے سردار، موجودہ صدی کے مجدد، جناب کاسایہ مقدس دراز ہو، آپ پر سلام اور اللہ کی رحمت و برکت ہو، جناب والا کی پاکیزہ چوکھٹ کے بوسہ کے بعد گزارش ہے کہ شریعت مطہرہ حنفیہ اس مسئلہ میں کیا فرماتی ہے کہ کیا حشیش جس کو ہندی میں بھنگ کہا جاتا ہے، کی بیع جائز ہے؟

الی اعلیٰ حضرت سیدنا وسید اہل السنۃ والجماعۃ مجدد المائۃ المحاضرۃ مد ظلہم الا قدس السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ بعد لثم عبتکم القدسیۃ ما تقول الشریعۃ الخفیۃ الخفاء فی ہذہ المسئلۃ هل یجوز مباحۃ الخشیش الذی یقال لہ فی الہندیۃ بھنگ۔

الجواب

یجوز للدواء وان ظن انه يتعاطاہ للتفتیر لا یحل البیع منه دوا کے لئے جائز ہے اور اگر گمان غالب ہو کہ وہ اس کو نشہ کے لئے استعمال کرے گا تو ایسے

لقيام المعصية به بعينه - والله تعالى اعلم۔
 شخص کے ہاتھ بیع کرنا حلال نہیں کیونکہ معصیت
 بعینہ اس کے ساتھ قائم ہوتی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم (ت)

مسئلہ از ریاست رام پور یکم ذی القعدہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی حقیقت اپنی زوجہ کے نام بعوض دس ہزار روپے اور حقوق زوجیت بیع قطعی کی جائداد پر عورت کا قبضہ ہے اور عاقدین میں کوئی نزاع نہیں شخص ثالث جو بائع کا ڈگری دار ہے اس بیع کو کالعدم قرار دیتا ہے کچھری سے تجویز ہو جانے پر جز و ثمن یعنی حقوق زوجیت ثمن ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتے لہذا بیع باطل ہے۔ سوال یہ ہے کہ حقوق زوجیت نان نفقہ قرار پا کر بھی مال ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ ایسی بیع باطل ہے یا صحیح یا فاسد؟ اور اگر کوئی بیع ایسی دو چیزوں کے معاوضہ میں ہو جن میں سے ایک پاک نہ ہو سکتی ہو تو بقیہ جز کے اعتبار سے بیع صحیح ہو سکتی ہے؟

الجواب

حقوق زوجیت کہ ثمن قرار دئے گئے مال ہیں یعنی مہر و نفقہ و کسوت۔ درمختار میں ہے،
 يسقط الخلع كل حق يتعلق بذلك النكاح۔
 خلع ہر ایسے حق کو ساقط کر دیتا ہے جو اس نکاح سے متعلق ہوتا ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے،

شمل المهر والنفقة المفروضة و
 الماضية والكسوة كذلك
 یہ حکم شامل ہے مہر، نفقہ مقررہ، نفقہ گذشتہ
 اور اسی طرح لباس کو۔ (ت)
 تو اس بیع کے انعقاد میں شک نہیں، پھر اگر حقوق ثابتہ معلومہ ہیں تو بیع صحیح ہے اور اگر یہ مراد ہو
 کہ آئندہ نفقہ سے بھی اس کے عوض برابرت ہو تو بیع فاسد ہے لانه شرط فاسد فيه نفع احد
 العاقدین فیفسد البیع (کیونکہ یہ شرط فاسد ہے جس میں متعاقدین یعنی بائع و مشتری میں سے
 ایک کا نفع ہے لہذا بیع فاسد ہوگی۔ ت) اور بیع فاسد میں بھی بعد قبضہ ملک مشتری ثابت
 ہو جاتی ہے اگرچہ ملک خبیث ہے کما نصوا علیہ قاطبة (جیسا کہ اس پر تمام فقہاء نے نص
 کی ہے۔ ت) دوسرے سوال کو یہاں سے تعلق نہ رہا کہ حقوق زوجیت مال ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

لہ درمختار کتاب الطلاق باب الخلع مطبع مجتباتی دہلی
 ردالمختار " دار احیاء التراث العربی بیروت
 ۲۴۴/۱
 ۵۶۵/۲

مسئلہ از دھامن گاؤں ضلع امراتی، برار معرفت حاجی محمد عثمان ٹمبر مرچنٹ

مستولہ ضیاء الدین

۱۱ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ دو شخص آپس میں سودا کرتے ہیں مثلاً ایک دوسرے سے ایک قسم کی لکڑی خریدتا ہے کہ اس وقت اس لکڑی کی قیمت فی عدد تین روپے ہے، اب دونوں میں یہ شرط ٹھہری ہے کہ فلاں تاریخ اس قسم کی لکڑی کئی سو عدد ہونا اگر اس قیمت معین پر لکڑی نہ دے گا تو اس وقت کے بھاؤ کے موافق روپیہ لے لوں گا منگنا ہو یا سستا، اور بیچنے والا بھی راضی ہو کر قبول کر لیتا ہے اور لکڑی کے سب دام پہلے سے لے لیتا ہے اس بیع پر شرع مطہر کا کیا حکم ہے؟

بیٹنوا تو جروا۔

الجواب

یہ بیع حرام ہے کہ نرخ وقت کے حساب سے روپیہ لے لینے کی شرط بوجہ جہالت شرط فاسدہ اور شرط فاسدہ سے بیع فاسد ہوتی ہے اور بیع فاسد حرام و مثل ربوہ ہے کما فی الدر المختار وغیرہ (جیسا کہ در مختار وغیرہ میں ہے۔ ت) واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۷۹ از چوک لکھنؤ مدرسہ فرقانیہ مدرسہ حافظ شیخ اکرام الدین رضوی ۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۶ھ

چہ میفرمایند علمائے دین در صحت بیع افیون و کیا فرماتے ہیں علمائے دین افیون اور بھنگ کی صحت کے بارے میں؟ (ت)

الجواب

صحت اور چیز ہے اور جواز یعنی حل دوسری چیز، مذکورہ اشیاء یعنی افیون اور بھنگ جب نشہ کی حد تک پہنچ جائیں تو اگرچہ حرام ہیں مگر متقوم ہونے سے خارج نہیں ہوتیں جیسے شراب اور خمر یہ متقوم ہونے سے خارج ہوتے ہیں تو بیع مال متقوم مقدور للتسلیم پر وارد ہو تو صحیح ہوتی ہے اگرچہ حرام ہو لہذا صحت تو ان میں مطلق ہے اور اگر بیرون بدن ان سے علاج معالجہ مطلوب ہو تو جواز یعنی حل بھی ہوگا اور اگر مصیبت کے لئے ان کی

صحت چیز ہے دیگرست وجواز یعنی حل دیگر اینہا اگرچہ تا حد سکر حرام است فاما بچو خمر و خنزیر از تقوم بر نیفتادہ است و چون بیع بر مال متقوم مقدور للتسلیم وارد شود صحیح بود گو حرام باشد پس صحت درینہا مطلق است و گبرائے تداوی از بیرون بدن می خواهد جواز یعنی حل نیز باشد و گبرائے معصیت می خواهد روانیست قال تعالیٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان فی اللہ

مسئلہ از ضلع سلمبور موضع سگو ڈاکنہ سگو، مولوی محمد حیات بروزیکیشنہ ۱۶ ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ

علمائے دین و مفتیان شرع متین کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں جو کہ جانور حلال مر جائے اس کو مسلمان بکری کر کے اپنی ضرورت پوری کر فی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

جو جانور مردار ہو گیا بغیر ذبح شرعی کے مر گیا اس کا بیچنا حرام ہے اور اس کے دام حرام۔

واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ مستولہ عبدالرحیم و خدائش بریلی محلہ اعظم نگر ۱۵ جمادی الاول ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک قبرستان جو ایک مدت سے ہندوؤں کے قبضے میں تھا، حکیم مظاہر الاسلام کے والد نے اس کو بہ کوشش اہل محلہ کچھری کے ذریعہ سے ہندوؤں سے واپس لیا بعد مرگ مظاہر الاسلام رحیم بخش بہشتی نے بہت کم قیمت کو زوجہ مظاہر الاسلام نے خرید لیا اور ایک بیعنامہ موروثی زمین قرار دے کر لکھا لیا کسی اہل محلہ کو معلوم بھی نہ ہوا رحیم بخش جانتا تھا کہ قبرستان ہے مگر فقع کے خیال سے خرید لیا، آیا یہ خرید و فروخت قبرستان جائز ہے یا حرام؟ اور اہل محلہ اس قبرستان کو رحیم بخش کے ہاتھ سے قیمت دے کر چھڑائیں یا بغیر قیمت، اور اگر نہ چھڑائیں تو شرعی مواخذہ و پکڑ ہے یا نہیں، اور رحیم بخش کو اصلی قیمت لینا چاہئے یا جو بیعنامہ میں لکھی ہے یا زیادہ، اور اگر قیمت لیں تو مواخذہ شرعی ہو گا یا نہیں؟ بیتنا تو جسروا۔

الجواب

رحیم بخش پر فرض ہے کہ قبرستان کو فوراً فوراً بلا قیمت چھوڑ دے، اگر نہ چھوڑے گا تو روز قیامت اس کا عذاب یہ ہے کہ اُسے تکلیف دی جائے گی کہ زمین کا اتنا ٹکڑا ساتوں طبقوں تک کھودے اور پھر وہ کھوڑا کر وڑ من پہاڑ اس کے گلے میں طوق ڈالے جائیں، اس پر اگر ایک کوڑی قیمت لے گا تو اس کے لئے جہنم کی آگ ہے۔ اہل محلہ پر فرض ہے کہ ہر جائز کوشش سے قبرستان کو بلا قیمت اس کے قبضہ ظلم سے چھڑائیں، اگر مجبور ہوں اور بے قیمت نہ چھوٹ سکے تو بے قیمت دے سکتے ہیں، مگر اس کا لینا اسے سوز کی مثل ہو گا خواہ اصلی لے یا بیعنامہ کی کم یا زیادہ ہر طرح حرام قطعی ہے، ہاں اس نے جو قیمت زوجہ مظاہر الاسلام کو دی وہ اس عورت پر حرام قطعی ہے وہ رحیم بخش کو واپس دے مگر رحیم بخش اس کی واپسی پر قبرستان کو روک نہیں سکتا اُسے فوراً بلا قیمت و اگر اشت کر دے خواہ اسے عورت سے واپس ملے یا

نہ ملے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۸۲ از سورت محلہ سید واڑہ سید عبدالقادر سید حسن واعظ بروز دو شنبہ

بتاریخ ۶ صفر المظفر ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین ان مسئلوں میں کہ ایک قصبہ میں مسلمانوں میں دو فریق ہو گئے تھے اس پر سے شہر سورت میں سے دو تین شخص کو مذکورہ قصبہ والے لے گئے اور انھوں نے دونوں کو ایک جگہ جمع کیا اور جس کا قصور پایا ان سے کہا کہ تم مقابل فریق سے اپنا قصور معاف کرو تو انھوں نے مقابل فریق سے قصور کی معافی چاہی، بعد میں جو شخص سورت گئے تھے انھوں نے اپنے پیسے سے شیرینی منگوائی اور مجلس میں تقسیم کر دی اس میں سے ایک شخص نے وہ شیرینی نہ لی اور کہا کہ تم بکری فروخت کرنے کے دلال ہو تو تمہارے مکان کا پانی، کھانا اور شیرینی چار مذہب میں حرام ہے، تو کہنے والا گنہگار ہے یا نہیں۔ (۱) سورت میں لوگ اپنی بکری و کیلوں پر روانہ کرتے ہیں اس شرط پر کہ تم اس کو بیچو اور اس کی قیمت ہم کو پوری ادا کرو، نفع نقصان و کیل کے ذمہ ہے اور دلالی کا روپیہ فی صدی دو روپیہ لے لو، یہ درست ہے یا نہیں؟

(۲) ایسی کمائی ہو مسلمان کی تو اس کے گھر کا کھانا درست ہے یا نہیں؟

(۳) بے پڑھا فتویٰ دے دے کہ چار مذہب میں حرام، تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب

(۱) اس عبارت سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ ایک قیمت معین کر دیتے ہیں کہ اتنے دام ہم کو بھیج دو خواہ تم کم کو بیچو یا زیادہ کو، اور ان داموں میں سے دو روپیہ فی صدی اپنی دلالی کے لئے لو، اگر یہی صورت ہے تو بلاشبہ فریقین کو ناجائز ہے تو کلوں کو بھی اور وکلاء کو بھی۔ ایسی صورت میں اس شخص کا اعتراض بجا نہ تھا اگرچہ لفظ زائد کہے، واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) اس میں تفصیل بہت ہے اور اجمال یہ ہے جو سیدنا امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

بہ ناخذ مالہ نعرف شیئا حراما بعینہ
ہم اسی کو لیتے ہیں جب تک کسی معین چیز کا
حرام ہونا ہمیں معلوم نہ ہو جائے، ہند یہ بحوالہ
ہندیۃ عن الذخیرۃ۔
ذخیرہ۔ (ت)

یعنی جب تک معلوم نہ ہو کہ یہ شے جو ہمارے پاس آئی خاص حرام ہے اس وقت تک اس کے کھانے پینے میں عرج نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۳) اس کا جواب اوپر گزرا کہ اگر صورت وہی تھی تو بلاشبہ حرام ہے، بے پڑھے کو جو حکم شرعی سنائے بہ تحقیق معلوم ہے اس کے بیان میں عرج نہیں اگرچہ جرأت نہ کرنا ہی اس کے لئے بہتر ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۸۵ مسئلہ الہ داد خاں صاحب محرر مدرسہ اہلسنت بروز جمعہ بتاریخ ۱۲ ذی القعدہ ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنا مکان ایک ہزار روپیہ یا کچھ کم و بیش کا دو سو یا تین سو روپے میں عرو کے ہاتھ فروخت کیا اور اسی وقت یا بعد کو عرو سے ایک اقرار نامہ علیحدہ لکھوا لیا کہ دو برس یا چار برس یا پانچ برس میں یہ مکان میرے ہاتھ فروخت کر دینا جس قیمت میں چھٹے خریدیا ہے، اور زید اس مکان میں خود رہا اور کچھ ماہواری باہم تصفیہ ہو کہ زید نے مقرر کر دیا، یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

اگر عقد بیع میں یہ شرط نہ تھی عقد صحیح بروجہ شرعی خالی عن الشروط الفاسدہ تھا، نہ پہلے سے باہم یہ قرارداد ہو کر اسی بنا پر وہ بیع ہو سکتی تو بیع جائز ہے اور بائع کا بعد بیع اس میں مشتری سے کہہ کر یہ کھٹا کر لیا یہ رہنا اور مشتری کو ماہوار مقرر شدہ دینا جائز ہے اور اگر عقد بیع میں یہ شرط کی یا بیع میں تو اس کا ذکر نہ تھا مگر پہلے سے باہم قرارداد ہوتی تھی کہ یوں بیع کریں گے اور یہ شرط ہوگی پھر اسی قرارداد پر یہ بیع کی تو ان دونوں صورتوں میں حرام ہے، ردالمحتار میں ہے:

اشار بقوله بشرط الى انه لا بد من كونه مقاسرنا للعقد لان الشرط الفاسد لو التحق بعد العقد قيل يلتحق عند ايجافه رضی اللہ تعالیٰ عنہ وقيل لا وهو الاصح كما في جامع الفصولين (تنبیہ) في جامع الفصولين ايضا لو شرط فاسدا قبل العقد ثم عقدا

ماتن نے اپنے قول ”بشرط“ سے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ اس کا عقد سے مقرر ہونا ضروری ہے اس لئے کہ شرط فاسد اگر عقد کے بعد لگائی جائے تو ایک قول یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک عقد سے ملحق ہوتی ہے اور ایک قول یہ ہے کہ ملحق نہیں ہوتی اور یہی زیادہ صحیح ہے جیسا کہ جامع الفصولین میں ہے (تنبیہ) جامع الفصولین میں یہ بھی ہے کہ اگر بائع اور مشتری نے عقد سے قبل کوئی شرط

لم يبطل العقد اه قلت ينبغي الفساد لو اتفقا على بناء العقد عليه كما صرحوا به في بيع الهزل، وقد سئل الخیر الرملی عن رجلین تواضعا علی بیع الوفاء قبل عقده وعقد البیع خالیاً عن الشرط فاجاب بانہ صرح فی الخلاصة والفیض والتأرخانیة وغیرها بانہ یکون علی ما تواضعا (ملتقطاً) ما فی الشامی وکتبت علی قوله یکون علی ما تواضعا اذا تصادقا علی ان العقد مبني علی تلك الموضعة كما قید به فی الخیرية والمخلاصة أقول وهذا فی القضاء اما فی الدیانة فاذا علم الله تعالی منهما النباء وعلیها یکون وان تکاذبا من بعد - والله تعالی اعلم -

فاسد لگائی پھر عقد کیا تو وہ عقد باطل نہ ہوگا الخ میں کہتا ہوں کہ فاسد ہونا چاہئے اگر وہ دونوں اس پر متفق ہوں کہ عقد اسی شرط پر مبنی ہے جیسا کہ فقہار نے بیع ہزل میں اس کی تصریح کی۔ خیر الدین رملی سے ان دو مردوں کے بارے میں سوال کیا گیا جنہوں نے عقد سے پہلے بیع و فاء پر قرارداد کی پھر اس شرط سے خالی عقد کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ خلاصہ، فیض اور تاریخانیہ وغیرہ میں تصریح کی گئی ہے کہ یہ بیع ان کی قرارداد پر مبنی ہوگی (شامی کے بیان کے آخر تک) میں نے شامی کے قول "علی ما تواضعا" پر لکھا کہ یہ حکم تب ہوگا جب وہ دونوں اس بات میں سچے ہوں کہ یہ عقد اس قرارداد پر مبنی ہے جیسا کہ خیر یہ اور خلاصہ میں یہ قید لگائی گئی، میں کہتا ہوں کہ یہ حکم قضا میں ہے، رہا دیانت میں تو جب اللہ تعالیٰ کے علم میں

ہے کہ انہوں نے عقد کی بنا اس قرارداد پر کی ہے تو یہ عقد اسی پر مبنی ہوگا اگرچہ انہوں نے بعد میں

جھوٹ کہا۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ت)

مسئلہ ۸۶ مستولہ نئے میاں صاحب شہر بریلی محلہ سوداگران ازکرتولی بروز شنبہ

بتاریخ ۲۳ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ

کھڑا کھیت خرید کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

کھیت اگر تیار ہو گیا اور ابھی کاٹ لیا جائے گا تو جائز ہے، اور اگر ابھی نہ پکا اور پکنے تک

کھیتی قائم رکھی جائے گی، تو خرید و فروخت ناجائز ہے بشرط ما فیہ نفع عاقد بلا قضیة العقد (اس چیز کی شرط لگانے کی وجہ سے جس میں کسی عاقد کا نفع ہے اور عقد اس کا تقاضا نہیں کرتا۔ ت) اور اس کے جواز کا حیلہ یہ ہے کہ مثلاً کھیتی دو مہینہ میں پکتی سمجھے تو کھیتی فی الحال خرید لے اور اس کے باقی رکھنے کی شرط نہ کرے اور اسی وقت معاوہہ زمین جس میں کھیتی ہے اپنے کسی کام کے لئے دو مہینہ تک کو ایک معینہ کرایہ پر لے لے خریداری میں اس اجرت کا حساب دل میں سمجھ لے مثلاً بیس روپے قیمت کا کھیت ہے اور روپیہ مہینہ زمین کا کرایہ ہو گا اور دو مہینے کو کرایہ لینا ہوا تو اٹھارہ روپے کو کھیت خریدے اور دو روپے کو زمین کرایہ پر لے۔ درمختار میں ہے :

والحیلة فی الزرع والحشیش یشتری
الموجود ببعض الثمن ویستاجر الارض
مدّة معلومة یعلم فیها الادراک بباقی
الثمن۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کھیتی اور گھاس کے باقی رکھنے کا حیلہ یہ ہے کہ جو موجود ہو اس کو بعض ثمن کے مقابلہ میں خرید لے اور باقی ثمن کے عوض زمین کو ایک معینہ مدت کے لئے کرایہ پر لے لے جس میں کھیتی کا پکنا معلوم ہو، واللہ تعالیٰ اعلم (ت)

مسئلہ از کسیر کلاں ڈاکخانہ خاص ضلع بلند شہر مسئلہ احمد علی ولد حکیم محمد امیر ۱۵ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عوام میں قدیم سے یہ دستور رائج ہے کہ جب فصل انبہ یا خر بوزہ وغیرہ کی فروخت کرتے ہیں تو قیمت کے سوا کچھ جنس لیتے ہیں جو ڈالی کے نام سے مشہور ہے، انبہ کی جنس فی روپیہ ایک صد آم، اور خر بوزہ پر فی روپیہ ۵ سیر لینے کا معمول ہے۔ اور بعض اوقات جنس بقدر تول طے پاتی ہے اور اکثر بلا تعین وقت کے فصل کی فروختگی کا معمولی وقت پھول آنے یا پھل کے نمودار ہو جانے پر ہے، تو بایں صورت فصل انبہ وغیرہ کی بیع درست ہے یا نہیں اور جنس دستوری کا لینا اور اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں تو شرعاً وہ کیا فصل کی بیع کا طریقہ ہے کہ جس سے بیع بھی درست رہے اور جنس کا لینا بھی روا قرار پائے۔

الجواب

بیع یا پھول پر فصل کی بیع ناجائز ہے اور جب پھل آجائیں اگرچہ جانور کے کھانے کے قابل ہوتے ہوں تو بیع جائز ہے مگر یوں کہ خریدار اسی وقت توڑ لے، اور اگر یہ ٹھہرا کہ پھل تیار ہونے تک

لگے رہیں گے تو یہ ناجائز و حرام ہے اور اس میں اسے فی روپیہ سو آم یا پانچ سیر خر بوزہ یا کم و بیش بائع کے لئے قرار دینا دوسرا حرام ہے ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ مثلاً آم میں جتنے کو بہار بھی منظور ہو موجودہ پھل جس حالت کے ہیں اتنے کو خرید کئے جائیں پھر مشتری بائع سے کہے کہ میں نے یہ پٹر بعقد معاملہ تجھ سے لئے کہ میں ان کی غور پر دانت کروں گا اور جو پھل پیدا ہوں گے ان میں سے ہر ہزار میں ایک تیرا اور نو سو ننانوے میرے یا سو تیرے اور نو سو میرے، جو قرار پا جائے۔ خر بوزے، تر بوزے، لکڑی، بیگن کی جڑیں خریدے تاکہ جو پیدا ہووے مشتری کی ملک ہو یہ خریداری ایک حصہ ثمن پر ہو جتنے پر بہار بیچنا اور خریدنا چاہتے ہوں باقی حصہ ثمن پر اس زمین کو ایک مدت معلوم تک اجارہ پر لے جس میں یہ سمجھے کہ فصل فارغ ہو جائے گی یہی طریقہ کھیتی میں بھی ہے مثلاً سو روپے پر معاملہ کرنا چاہتے ہیں تو خر بوزے وغیرہ کی جڑیں یا موجود کھیتی پچاس روپے کو خریدے اور چھ مہینے میں فارغ ہوتی سمجھیں تو باقی پچاس روپے کے بدلے وہ زمین چھ مہینے کے واسطے اجارہ پر لے لے۔ در مختار میں ہے:

جس شخص نے نمودار پھل بیچا چاہے اسکی صلاحیت ظاہر ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو تو واضح قول کے مطابق صحیح ہے اور اگر نمودار ہونے سے قبل پھل بیچا تو بالاتفاق صحیح نہیں، اور اگر کچھ پھل نمودار ہو اور کچھ ابھی نمودار نہیں ہوا تو ظاہر مذہب میں بیع صحیح نہیں سہی نے اس کو صحیح قرار دیا اور بیع کے بعد مشتری پھلوں کو فی الحال قطع کرے اس سلسلہ میں اس پر جبر کیا جائے گا اور اگر اس نے پھلوں کو درختوں پر چھوڑنے کی شرط لگائی تو بیع فاسد ہوگی اور اس میں حیلہ یہ ہے کہ مشتری بائع سے درخت بطور معاملہ لے کر ہزار میں سے ایک جز، بائع کی ہوگی اور یہ کہ بیگن، تر بوزا اور لکڑی کی جڑیں خرید لے تاکہ نئے پیدا ہونے والے پھل مشتری کی ملک ہوں اور کھیتی اور گھاس میں موجود

من باع شرة باسرة اما قبل الظهور فلا يصح اتفاقا ظهرا صلاحها اولاصح في الاصح، ولو برز بعضها دون بعض لا يصح في ظاهر المذهب وصحة السرخسي، ويقطعها المشتري في الحال جبراً عليه وان شرط تركها على الاشجار فسد البيع، والحيلة ان ياخذ الشجرة معاملة على ان له جز من الف جزء وان يشتري اصول الرطبة كالباذنجان و اشجار البطيخ والخيار ليكون الحادث للمشتري وفي الترمذ والحشيش يشتري الموجود ببعض الثمن وليست اجر الامراض مدة معلومة يعلم فيها الادراك بباقي الثمن، مختصراً، والله تعالى اعلم

بعض ثمن کے بدلے خرید لے اور باقی ثمن کے بدلے زمین کو مدت معینہ کے لئے کرایہ پر لے لے جس مدت میں کھیتی کا پکنا معلوم ہو۔ (ت)

مسئلہ از کانپور مسجد جامع مرسلہ محمد ادریس صاحب پرتا بگڈھی ۲۹ ذی القعدہ ۱۳۳۶ھ
پس از سلام سنون حضرت سید ولد آدم و سید الانس والجان (روحی فداہ) معروض خدمت
والا ہے کہ خادم کو چند مسائل کے متعلق جناب سے استفسار مقصود ہے۔ زید نے اپنے مکان
کو عمر و سے بیع کیا اور قیمت کے متعلق یہ قرار دیا کہ جو بکر قرار دے وہی قیمت ہے یعنی بیع تو اس وقت کی اور
قیمت کی تقدیر و تعیین بکر کی رائے پر موقوف کر دی یہ بیع صحیح ہوئی یا فاسد، پھر جبکہ بکر نے تھینا تین ماہ کے
بعد قیمت معین کی تو بصورت فساد وہ فساد اٹھ گیا یا نہیں، اور کون سا فساد بعد رفع علت فساد
اٹھ جاتا ہے اور فساد کے صلب عقد میں ہونے کا کیا معنی ہے، اور تقرر بیع کی کیا صورتیں ہیں، امید
کہ حضرت والا ان امور سے ضرور بالتفصیل مع حوالہ کتاب آگاہ فرمائیں گے۔ بتینوا توجروا

الجواب

یہ بیع فاسد ہے۔ عالمگیرہ میں ہے:

اما شرائط الصحة فمنها ان يكون
المبيع معلوما والتمن معلوما علما
يمنع من المنازعة فبيع المجهول جهالة
تفضى اليها غير صحيح كبيع شاة من
هذا القطيع وبيع الشيء بقيمته وبحكم
فلان له

بیع کے صحیح ہونے کی شرطوں میں سے یہ ہے کہ
بیع معلوم ہو اور ثمن معلوم ہو اس طور پر کہ جھگڑا
نہ پیدا ہو چنانچہ ایسی مجہول چیز کی بیع صحیح نہیں
جس سے جھگڑا پیدا ہو، جیسے کہا جائے کہ اس
گلہ میں سے ایک بکری کی بیع یا اس شے کی بیع
اس کی قیمت کے ساتھ یا فلاں کے فیصلے کے
مطابق بیع۔ (ت)

بکر نے جبکہ تعیین ثمن انقضائے مجلس بیع کے بعد کی وہ فساد بالاجماع متقرر ہو گیا اب نہیں اٹھ سکتا
جب تک یہ بیع فسخ نہ کی جائے۔ رد المحتار میں ہے:

في النهاية والفتح وغيرهما قال شمس
الائمة الحلواني وان علم بالرقم في

نہا یہ اور فتح وغیرہ میں ہے شمس الائمة الحلواني نے
فرمایا کہ اگرچہ مشتری کو مجلس کے اندر لکھی ہوئی

المراجعة وذكر ان العلم في المجلس يجعل
كابتداء العقد ويصير كذا خيرا لقبول
الى آخر المجلس وبه جزم في
الفتح هناك ايضا اهـ.

اقول اولاً لقد ابدت الحجة
فقد قال في الهداية من باب خيار
الشرط انه اسقط المفسد قبل تفرسه
فيعود جائزاً كما اذا باع بالرقم و
اعلمه في المجلس اهـ واقرة الفتح و
الشراح وقال في الفتح صدر البيوع
مما لا يجوز البيع به البيع بقيمته
او بما حل به او بما تريد او بما اشتراه
او بمثل ما اشترى فلان لا يجوز فان
علم المشتري بالقدر في المجلس
فرضيه عاد جائزاً اهـ وقال
في البدائع لو قال بعت
هذا العبد بقيمته فالبيع
فاسد لان قيمته تختلف
باختلاف المقومين فكانت
الثلث مجهولاً وكذا اذا باع
بحكم المشتري او بحكم فلان

پر جزم کیا اور ذکر کیا کہ مجلس میں معلوم ہونے کو
ابتداءً عقد کی مانند بنایا جائے گا اور یہ آخر
مجلس تک قبول کو مؤخر کرنے کی طرح ہو جائے گا
اور یہاں پر فتح نے بھی اسی پر جزم کیا اھ
اقول (میں کہتا ہوں) اولاً علامہ شامی
دلیل سے دُور ہو گئے تحقیق ہدایہ کے باب خيار الشرط
میں فرمایا کہ بیشک بائع نے مفسد کو فساد کے مستحکم
ہونے سے قبل ساقط کر دیا تو بیع جائز ہو گئی جیسا
کہ کسی نے لکھی ہوئی قیمت پر بیع کی اور مجلس کے اندر
مشری کو وہ قیمت بتادی الخ فتح اور شارحین نے
اسے برقرار رکھا، فتح میں کتاب البيوع کے آغاز میں
فرمایا جن چیزوں کے ساتھ بیع ناجائز ہے ان میں سے کسی
چیز کی بیع اسکی قیمت کے بدلے میں یا اس چیز کے بدلے جس سے بیع حلال ہے
یا بائع مشتری کو یہ کہے کہ جتنی قیمت تو چاہے اس کے بدلے
میں بیچتا ہوں یا کہے جتنے پر اس نے خریدا ہے اس
کے بدلے میں یا کہے جتنے پر فلاں نے خریدا اس کی
مثل قیمت کے بدلے میں، تو ان تمام صورتوں میں بیع
ناجائز ہے پھر اگر مشتری کو مجلس کے اندر قیمت کی
مقدار معلوم ہو گئی اور وہ اس پر رضامند ہوا تو
بیع جائز ہو جائے گی الخ بدائع نے فرمایا کہ اگر بائع
نے کہا میں نے یہ غلام اس کی قیمت کے عوض بیچ

دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۲/۴
مطبع یوسفی بکنو ۳۴/۳
مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲۶۷/۵

لہ رد المحتار کتاب البيوع
لہ الہدایہ کتاب البيوع باب خيار الشرط
لہ فتح المقدر کتاب البيوع

تو بیع فاسد ہے کیونکہ مختلف قیمت لگانے والوں کے اعتبار سے اس غلام کی قیمت مختلف ہوگی تو اس طرح ثمن مجہول ہوگا اسی طرح اگر غلام بیچا اس چیز کے بدلے میں جس کا فیصلہ مشتری یا فلاں شخص کرے گا تو بھی بیع فاسد ہوگی کیونکہ معلوم نہیں فلاں شخص کیا فیصلہ کریگا اور جہالت ثمن صحت بیع سے مانع ہے پھر جب مشتری کو ثمن کا علم ہو اور وہ اس پر رضامند ہو گیا تو بیع جائز ہو جائے گی کیونکہ جہالت مجلس کے اندر ہی زائل ہوگئی اور اب اس کا حکم حالت عقد والا ہی ہوگا تو یہ ایسے ہی ہو گیا جیسے گویا کہ عقد کے وقت معلوم تھا اور اگر ثمن کا علم نہ ہو ایسا تک کہ بائع اور مشتری متفرق ہو گئے تو فساد مستحکم ہو گیا اور مختصراً۔ اور اسی میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول بھی ہے کہ اگر حالت عقد میں تمام ثمن اس طرح مجہول ہوں کہ جہالت جھکڑے تک پہنچانے تو یہ فساد عقد کا موجب بنے گی اور ہمارے نزدیک جب مجلس کے اندر جہالت رفع ہو جائے تو عقد جواز کی طرف پلٹ آتا ہے کیونکہ مجلس اگرچہ طویل ہو اس کا حکم ساعت عقد والا ہی ہوتا ہے اور اسی میں یہ بھی ہے کہ جب کسی نے لکھی ہوئی قیمت کے بدلے میں کپڑا خریدا اور مشتری کو اس لکھی ہوئی قیمت کا علم نہیں ہے حتیٰ کہ بیع فاسد ہوتی پھر

لانه لا يدري بماذا يحكم فلان و جهالة الثمن تمنع صحة البيع فاذا علم ورضى به جاز البيع لان الجهالة قد زالت في المجلس وله حكم حالة العقد فصا كانه كان معلوما عند العقد وان لم يعلم به حتى افتقرا تقري الفساده مختصرا و فيها ايضا لابي حنيفة رضي الله تعالى عنه ان جملة الثمن مجهولة حالة العقد جهالة مفضية الى المنارعة فتوجب فساد العقد وعندنا اذا ارتفعت في المجلس ينقلب العقد الى الجواز لان المجلس وان طال فله حكم ساعة العقد اه و فيها ايضا اذا اشترى ثوبا برقمه ولم يعلم المشتري رقمه حتى فسد البيع ثم

۱۵۸/۵ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی فصل و اما شرائط الصحة کتاب البیوع له بدائع الصنائع
۱۵۹/۵ " " " " " " "

علم رقمه فان علم قبل الافتراق
واختار البيع جانر عندنا و
ان كانت بعد الافتراق
لايجوز بالاجماع اهـ۔

و ثانياً تتبعت جميع باب
المرا بحة من الهندية فلم ارفيها
ما ذكر من التعليل لافي النسخة المصرية
ولافي الهندية و انما قال فيها
اول باب المرا بحة ان باعه بربح
ده ياردة لايجوز الا اذا علم الثمن
في المجلس فيجوز وله (اي للمشتري)
الخيار فاذا اختار العقد يلزمه
احد عشر استحسانا وكذا الوبا عه
تولية ولا يعلم المشتري بكم
يقوم عليه لايجوز الا اذا علم
الثمن في المجلس فيجوز
وله الخيار هكذا في محيط السرخسي اهـ
وقال اخر الباب من ولي رجلا
شيئا بما قام عليه ولم يعلم
المشتري بكم قام عليه
فسد البيع فان اعلمه البائع

اسے لکھی ہوئی قیمت کا علم ہوا اگر تو یہ علم افتراق سے
قبل ہو اور اس نے بیع کو اختیار کر لیا تو ہمارے
نزدیک بیع جائز ہو گئی اور اگر افتراق کے بعد اسے
لکھی ہوئی قیمت کا علم ہوا تو بالاتفاق بیع جائز
نہیں ہوگی الخ۔

و ثانياً میں نے ہندیہ کا تمام باب مرا بحة
تلاش کیا تعلیل مذکورہ میں نے اس میں نہیں دیکھی
نہ مصری نسخے میں اور نہ ہندی نسخے میں، ہاں بیشک
اس کے اندر باب مرا بحة کے شروع میں یہ فرمایا
اگر کسی نے وہ یا زودہ یعنی دس کی چیز بطور نفع گیارہ
کے بدلے میں فروخت کی تو جائز نہیں مگر جب مجلس
میں ہی مشتری کو ثمن کا علم ہو گیا تو بیع جائز ہو گئی اور
مشتری کو اختیار ہے اگر اس نے عقد کو اختیار کیا
تو بطور استحسان اس پر گیارہ لازم ہوں گے، یونہی
اگر وہ چیز بطور تولیہ بیچی اور مشتری نہیں جانتا کہ
اسے کتنے میں پڑے گی تو بیع جائز نہیں مگر جب
مجلس کے اندر اس کو ثمن معلوم ہو گئے تو جائز ہے
اور مشتری کو اختیار ہو گا اسی طرح محیط سرخسی میں
ہے اور باب کے آخر میں کہا کہ جس شخص نے
کسی مرد پر بطور تولیہ کوئی شے اتنے میں بیچی جتنے
میں بائع کو پڑی اور مشتری نہیں جانتا کہ بائع کو
کتنے میں پڑی تو یہ بیع فاسد ہوئی، پھر اگر بائع

لہ بدائع الصنائع کتاب البيوع فصل واما شرط الصحة ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۷۸/۵
لہ فتاویٰ ہندیہ الباب الرابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۱۶۰/۳

فی المجلس صحیح البیع و للمشتري الخيار
ان شاء اخذہ وان شاء تركہ كذا فی
الكافی ^۱ وقال قبیلہ عن الحاوی
اذا باع الرجل المتاع بربح دة یا نردہ
او ما شاكل ذلك فاذا علم المشتري
بالثمن ان شاء اخذہ وان شاء
تركہ ان علم بالثمن قبل
العقد فليس له ان
يرد ^۲ اھ اقول والمراد العلم فی
المجلس بدلیل ما تقدم و
ما تأخر۔

مجلس کے اندر مشتری کو بتا دیا تو بیع صحیح ہو گئی اور
مشتری کو اختیار ہے اگر چاہے تولے لے اور چاہے
تو چھوڑ دے اسی طرح کافی میں ہے اھ اور اس سے
تھوڑا پہلے حاوی کے حوالہ سے کہا کہ اگر کسی مرد نے
کوئی سامان جو دس کا خریدا ہوا تھا گیارہ کے بدلے
بیچا یا اس سے ملتی جلتی کوئی صورت اختیار کی پھر
جب مشتری کو ثمن کا علم ہوا تو اس کو اختیار ہے چاہے
تولے لے اور چاہے تو چھوڑ دے اور اگر مشتری کو
عقد سے پہلے ثمن معلوم ہوں تو اسے رد کا اختیار
نہ ہوگا الخ میں کہتا ہوں اس سے مراد مجلس کے اندر
علم ہونا ہے اس دلیل کے ساتھ جو پہلے گزری اور جو اس
کے بعد ہے۔

و ثالثا تعلیل مذکور متناقض کی مانند ہے
اس لئے کہ اس کا آخر اس بات کا فائدہ دیتا ہے
کہ وہ عقد اول کے ساتھ ہے اور اس کا اول اس
بات کا فائدہ دیتا ہے کہ وہ عقد جدید کے ساتھ ہے۔

صلب عقد بدین ہیں فتح القدر میں سنی مسئلہ آجال مجہولہ ہیں ہے: صلب العقد بدلان (صلب عقد دونوں بدل
ہیں (یعنی ثمن و بیع)۔ ت) یہ فساد کبھی مرتفع نہیں ہو سکتا جب تک اس عقد ہی کو فسخ نہ کریں یہاں
نفس مجلس عقد میں اصلاح بھی کار آمد نہیں جیسے ایک روپیہ دو روپے کو نیچے پھر قبل افتراق زائد
روپیہ ساقط کر دے، عقد صحت کی طرف عود نہ کرے گا، ہدایہ میں ہے ؛
لو باع الحی هذه الالجال تواضیا باستقاط

نورانی کتب خانہ پشاور ۱۶۵/۳

" " " " ۱۶۵/۴

مکتبہ نورید رضویہ سکھر ۸۸/۶

۱۱ فتاویٰ ہندیہ کتاب البیوع الباب الرابع عشر

۱۲ " " " " " " " "

۱۳ فتح القدر " باب البیع الفاسد

الاجل قبل ان ياخذ الناس في الحصاد و
الدياس وقبل قدوم الحاج جاز البيع،
وقال نرفر لا يجوز لانه وقع فاسدا
فلا ينقلب جائزا، ولنا ان الفساد للمنازعة
وقد ارتفع قبل تقرر هذه الجهالة
في شرط نرائد لا في صلب العقد فيمكن
اسقاطه بخلاف ما اذا باع الدرهم
بالدرهمين ثم اسقط الدرهم الزائد
لان الفساد في صلب العقد

پھر بائع اور مشتری اس مدت کو ساقط کرنے پر
رضامند ہو گئے قبل اس کے لوگ کھیتی کاٹنے یا
اس کو گاہنے کا آغاز کریں اور قبل اس کے کہ حاجی
لوگ آئیں تو بیع جائز ہوگئی۔ امام زفر نے کہا جائز
نہیں ہوگی کیونکہ یہ بیع فاسد واقع ہوئی لہذا
جواز کی طرف نہیں پلٹے گی، اور ہماری دلیل یہ ہے
کہ فساد تو جھگڑے کے ڈر سے تھا درانحالیکہ وہ
فساد مستحکم ہونے سے پہلے ہی دور ہو گیا، اور یہ
جہالت صلب عقد میں نہیں بلکہ ایک زائد شرط
میں واقع ہوئی جس کو ساقط کرنا ممکن ہے بخلاف اس کے کہ جب ایک درهم دو درہموں کے عوض بیچا
پھر بائع اور مشتری دونوں نے زائد درہم کو ساقط کر دیا تب بھی یہ بیع جائز نہ ہوگی کیونکہ یہاں فساد
صلب عقد میں ہے۔ (ت)

اور عدم شرط العقد کا فساد اس سے ملحق کیا گیا

اس لئے کہ شرط کا معدوم ہونا عقد کو
باطل کر دیتا ہے ایسا نہیں کہ وہ عقد
صفت فساد کے ساتھ منعقد ہوا کہ مجلس میں
اس کی اصلاح ممکن ہو۔ (ت)

فان انعدامه يعدم العقد لانه منعقد
بصفة الفساد فيمكن اصلاحه في
المجلس.

عنا یہ امام کمال بابر تہی محل مذکور میں ہے :

اس پر اعتراض کیا گیا کہ اگر کوئی شخص بغیر گواہوں
کے نکاح کرے پھر نکاح کے بعد اس پر گواہ
قائم کر دے تو وہ نکاح جواز کی طرف نہیں پلٹے گا
حالانکہ اس صورت میں فساد صلب عقد میں نہیں،
اس کا جواب یہ دیا گیا کہ یہاں فساد عدم شرط کی

اعتراض بانہ اذا نکح بغیر شہود ثم
اشہد بعد النکاح فانه لا ينقلب
جائزا وليس الفساد في
صلب العقد و اجيب بان
الفساد فيه لعدم الشرط

وجہ سے آیا ہے جو قوی ہے جیسا کہ صلب عقد میں فساد ہو تو قوی ہوتا ہے کیا تو نہیں دیکھتا ہے کہ اگر کوئی شخص بلا طہارت نماز پڑھ لے پھر بعد میں طہارت کر لے تو اس کی نماز جو از کی طرف نہیں پلٹے گی (ت)

فہو قوی کما لوکان فی صلب العقد
الاتری ان من صلی بغیر طہارۃ ثم
تطہر لم تنقلب صلاتہ جائزۃ اھ ملخصاً۔

اسی کے مثل فتح میں بھی ہے۔

اقول ویبتنی علی ان الشہود شرط
الانعقاد فی النکاح وعلیہ ظاہر عامۃ
کلماتہم وصرح فی الدر وغیرہ انہم من
شروط الصحة فیکون النکاح بلا شہود
فاسدا لا باطلا والله تعالیٰ اعلم، ثم
اقول بل الحقائق عدم شرط
الانعقاد مبطل لامفسد والكلام فی
الفاسد فالسوال ساقط من اصلہ۔

اقول (میں کہتا ہوں) کہ اس کی بنیاد اس پر ہے کہ گواہ نکاح میں شرط انعقاد ہیں اور کلمات فقہار کا ظاہر بھی اسی پر دلالت کرتا ہے اور در وغیرہ میں تصریح کی گئی کہ گواہ شرط صحت ہیں لہذا بغیر گواہوں کے نکاح فاسد ہو گا نہ کہ باطل۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ثم اقول (پھر میں کہتا ہوں) بلکہ حتی یہ ہے کہ شرط انعقاد کا نہ پایا جانا باطل کرنے والا ہے نہ کہ فاسد کرنے والا حالانکہ کلام فاسد ہونے میں ہے تو سے سے سوال ہی ساقط ہے۔

ان کے سوا جو فساد ہو اگر قوی ہے صرف مجلس بیع کے اندر اس کا ازالہ عقد کو صحیح کر سکے گا بعد مجلس فساد متقرر ہو جائے گا اور اگرچہ مفسد زائل ہو جائے مرفوع نہ ہو گا جیسے ثمن کا آندھی چلنے یا مینہ برسنے پر موبل کرنا اور اگر ضعیف ہے تو بعد مجلس بھی اصلاح پذیر ہے جب تک وہ فساد اپنا عمل نہ کر لے کہ بعد عمل انتہا ہے کہ انتہا، جیسے حاجیوں کے آنے یا ہوائیں چلنے پر ثمن کی تا جیل، اگر آنے اور چلنے سے پہلے اس شرط کو ساقط کر دیا بیع صحیح ہوگی اگرچہ مجلس عقد کے مہینوں بعد ہو اور اگر حاجی آئے ہوائیں چلی گئی تو اب استقاط شرط کے کوئی معنی نہیں فساد مستقر ہو گیا ہے فسح عقد مرفوع نہ ہوگا، ہدایہ کی عبارت گزری، فتح القدر میں عبارت مذکورہ پر ہے :

لہ العنایۃ علی ہامش فتح القدر کتاب البیوع باب البیع الفاسد مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/۸۸
لہ در مختار کتاب النکاح مطبع مجتہبائی دہلی ۱/۱۸۶

تقییدہ بہذہ الأجال لاخراج نحو
التأجيل بهبوب الريح ونزول المطر
فانه لو اجل بهائم اسقطه لا يعود
صحيحا اتفاقاً

ماتن کا ان مدتوں کی قید لگانا ہواؤں کے چلتے اور
بارش برسنے کی میعاد کو خارج کرنے کے لئے ہے
اس لئے کہ اگر ان کے ساتھ میعاد مقرر کی پھر اسے
ساقط کر دیا تب بھی بیع بالاتفاق صحیح نہ ہوگی (ت)

شرح الطحاوی للامام الاسیجانی پھر حقائق شرح منظومہ نسفیہ پھر ردالمحتار میں ہے :

البيع باجل مجرول لايجوز اجماعاً
سواء كانت الجهالة متقاربة كالمحصاد
والدياس او متفاوتة كهبوب الريح
وقدوم واحد من سفره فان
ابطل المشتري المتقارب قبل محله
وقبل فسخ العقد انقلب البيع جائزاً
عندنا ولو مضت المدة قبل ابطال
الاجل تاكد الفساد ولا ينقلب جائزاً
اجماعاً، وان ابطل المشتري المتفاوت
قبل التفرق ونقد الثمن انقلب جائزاً
عندنا ولو تفرق قبل الابطال تاكد
الفساد ولا ينقلب جائزاً اجماعاً (مختصراً)

مدت مجرولہ کے ساتھ بیع بالاجماع ناجائز ہے چاہے
جہالت متقاربه ہو جیسے فصلوں کی کٹائی اور ان کو
گاہنا، یا جہالت متفاوتہ ہو جیسے ہواؤں کا چلنا
اور کسی کا سفر سے واپس آنا۔ اگر مشتری نے
جہالت متقاربه والی میعاد کو مستحکم ہونے اور فسخ عقد
سے پہلے ختم کر دیا تو ہمارے نزدیک بیع جائز ہو جائیگی
اور اگر میعاد کو ختم کرنے سے پہلے مدت گزر گئی تو فساد
پختہ ہو گیا اور بیع بالاجماع جائز نہ ہوگی، اور اگر
مشتری نے جہالت متفاوتہ کو جدا ہونے سے قبل
ختم کر دیا اور ثمن ادا کر دئے تو ہمارے نزدیک بیع
جائز ہوگی اور اگر جہالت کو ختم کرنے سے پہلے بائع
اور مشتری ایک دوسرے سے جدا ہو گئے تو فساد
مستحکم ہو گیا اور اب بیع بالاجماع جائز نہ ہوگی (مختصراً)

بدائع امام ملک العلماء میں ہے :

الاصل عندنا انه ينظر الى الفساد
فان كانت قويا بان دخل في
صلب العقد وهو البديل او المبدال لا يحتمل

ہمارے نزدیک ضابطہ یہ ہے کہ فساد کو دیکھا جائیگا
اگر وہ قوی ہے یعنی صلب عقد میں ہے جو کہ بدل و
مبادل ہے تو رفع مفسد کے ساتھ جائز ہونے کا

فتح القدير كتاب البيوع باب البيع الفاسد مكتبة نوريه رضويه سكر ۸۶/۶
ردالمحتار " " " " دار احياء التراث العربيه بيروت ۱۲/۴

الجوانر برفع المفسد كما قال زفر اذا باع عبدا بالقدرة ورطل من خمر فخط الخمر عن المشتري وان كان ضعيفا لم يدخل في صلب العقد بل في شرط جائز يحتمل برفع المفسد.

احتمال نہیں رکھتا جیسا کہ امام زفر نے اس صورت کے بارے میں کہا کہ جب کوئی شخص ہزار درہم اور ایک رطل شراب کے بدلے میں غلام فروخت کرے پھر مشتری سے شراب کو ساقط کر دے اور اگر فساد ضعیف ہے یعنی صلب عقد میں داخل نہیں

بلکہ شرط جائز میں پایا گیا تو اس صورت میں رفع مفسد کے ساتھ جواز عقد کا احتمال ہے۔ (ت) اسی میں ہے :

منها (ای من شرائط صحة البيع) ان يكون مقدورا للتسليم من غير ضرر يلحق البائع، فاذا باع اجدعاً في سقف او اجرله في حائط او ذراعاً في دباح او كوربا س لا يجوز، فان تزعد البائع او قطعه وسلمه الى المشتري قبل ان يفسخ المشتري البيع جاز البيع حتى يجبر المشتري على الاخذ لان المانع من الجوانر ضرر البائع بالتسليم فاذا سلم باختياره ورضاه فقد زال المانع فحبا ان البيع ولزم - فرق بين هذا وبين بيع الالية في الشاة الحية والنوى في التمر والزيت في الزيتون والبدقيق في الحنطة والبور في البطيخ ونحوها انه لا ينعقد اصلا حتى لو سلم يجرى والاصل المحفوظ ان لا يمكن تسليمه الا بضر يرجع الى قطع

صحت بیع کی شرائط میں سے یہ ہے کہ بیع مقدوراً تسلیم ہو یعنی اس کے کہ بائع کو ضرر لاحق ہو، چنانچہ اگر کسی نے چھت میں لگی ہوئی شہتیر یا دیوار میں لگی ہوئی اینٹیں یا ریشمی یا ادنی کپڑے میں سے ایک گز فروخت کیا تو جائز نہیں پھر اگر بائع نے بیع کو اکھاڑا یا کاٹ دیا اور مشتری کے بیع کو فسخ کرنے سے پہلے بیع مشتری کے حوالے کر دیا تو بیع جائز ہوگی یہاں تک کہ مشتری کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ اس کو لے کیونکہ مانع جواز تو تسلیم کے سبب سے بائع کو لاحق ہونے والا ضرر تھا اب جبکہ بائع نے اپنی رضامندی اور اختیار سے تسلیم بیع کر دیا تو وہ مانع زائل ہو گیا اور بیع جائز اور لازم ہو گیا۔ فرق کیا گیا ہے درمیان مذکورہ صورت کے اور درمیان اس کے کہ زندہ دنبہ کی چکی، کھجور میں موجود گٹھلی، زیتون میں موجود روغن، گندم میں موجود آٹا، تربوز میں موجود بیج اور اس طرح کی دیگر اشیاء فروخت کی جائیں کیونکہ ان میں سرے سے بیع منعقد ہی نہیں ہوتی یہاں تک اگر بائع بیع کو مشتری کے حوالے بھی کر دے تب بھی جائز نہ ہوگی اور اصل محفوظ یہ ہے کہ اگر

تسلیم بیع بائع کو ایسا ضرر پہنچے بغیر ممکن نہ ہو جو ضرر اصل خلقت سے ثابت شدہ اتصال کے قطع کی طرف لوٹتا ہے تو بیع باطل ہوگی اور اگر تسلیم بیع ایسے ضرر کے بغیر ممکن نہ ہو جو اتصال عارضی کے قطع کی طرف لوٹتا ہے تو بیع فاسد ہوگی مگر جب بائع اپنے اختیار سے قطع کر کے تسلیم بیع کر دے تو بیع جائز ہو جائیگی، اور اس اصل پر قیاس کا تقاضا ہے کہ بکریوں کی پشت پر اُگی ہوئی اُون کی بیع جائز ہو کیونکہ اس میں تسلیم ممکن ہے بائع کو ضرر لاحق ہوئے بغیر جو بسبب اُون کاٹنے کے لازم آتا ہے مگر فقہار نے اس کے جائز نہ ہونے کو مستحسن قرار دیا اس نص کی وجہ سے جس کو سیدنا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت فرمایا اور اس وجہ سے کہ اُون کو جڑ سے کاٹنا حیوان کو ضرر پہنچانے سے خالی نہیں اور جڑ کے اوپر سے کاٹیں تو کاٹنے کی جگہ متعین نہیں لہذا اس میں جھگڑا پیدا ہوگا اس لئے ناجائز ہے الخ پس میں کہتا ہوں کہ یہ مفسد کے دور نہ ہونے کے باب سے ہو گیا، اور صاحب بدائع کا قول کہ "بائع نے چھت میں لگی شہتیر یا دیوار میں لگی ہوئی اینٹیں فروخت کیں" تو اس میں احتمال ہے کہ وہ شہتیر اور اینٹیں معین ہوں تو اس میں سوائے لزوم ضرر کے کسی اور جہت سے فساد نہ ہوگا۔ (ت)

اتصال ثابت باصل الخلقۃ فیبعہ باطل وما لا یکن تسلیمہ الا بضر یرجع الی قطع اتصال عارض فیبعہ فاسد الا ان یقطع باختیارہ ویسلم فیجوز، والقیاس علی هذا الاصل ان یجوز بیع الصوف علی ظہر الغنم لانہ یکن تسلیمہ من غیر ضرر ینزومہ بالحز الا انہم استحسنوا عدم الجواز للنص وهو ما روی عن ابی عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ولان الجزم من اصلہ لا یخلو عن الاضرار بالحيوان و موضع الجز فیما فوق ذلك غیر معلوم فتجری فیہ المنازعة فلا یجوز اہم ملتقطاً اقول فکان هذا من باب عدم ارتفاع المفسد وقوله "جذعہ فی سقن او اجر لہ فی حائط" یحتمل المعین فلا فساد الا من جهة لزوم الضرر۔

بلکہ درمختار میں ہے :

چھت میں لگی ہوئی معین شہتیر کی بیع فاسد ہے رہی
غیر معین تو اس کی بیع نہیں ہو سکتی (ابن کمال)
اور جس کپڑے کو تبعیض نقصان دے اس میں سے
ایک گز کی بیع فاسد ہے، پھر اگر مشتری کے بیع
کو فسخ کرنے سے قبل بائع نے اس کپڑے کو کاٹ کر
مشتری کے سپرد کر دیا تو بیع جائز ہوگئی اور اگر کاٹنا اس کو نقصان نہیں پہنچاتا تو بائع کے نہ ہونے کی وجہ سے

(فسد) بیع (جذع) معین (فی سقف)
اما غیر المعین فلا ینقلب صحیحاً ابن کمال
(و ذمرا ع من ثوب یضرة التبعیض) فلو قطع
وسلم قبل فسخ مشتری عاد صحیحاً ولولم
یضرة القطع کما یاس جاز لا ینتفاء المانع
مشتری کے سپرد کر دیا تو بیع جائز ہوگئی اور اگر کاٹنا اس کو نقصان نہیں پہنچاتا تو بائع کے نہ ہونے کی وجہ سے
بیع جائز ہے (ت)

مگر ردالمحتار میں ہے :

اور وہ ضعیف ہے کیونکہ غیر معین میں فساد بیع کی
علت لزوم ضرر اور جہالت کو قرار دیا گیا تو جب بائع
نے ضرر کو برداشت کر لیا اور بیع مشتری کے سپرد
کر دیا تو مفسد زائل ہو گیا اور جہالت بھی جاتی رہی
یہی وجہ ہے کہ فتح میں اس پر جرم کیا گیا کہ بیع صحت
کی طرف پلٹ آئے گی۔ (ت)

وهو ضعیف لانه فی غیر المعین
معل بلزوم الضرر والجهالة فاذا تحمل
البائع الضرر وسلمه زال المفسد وارتفعت
الجهالة ایضا ومن ثم جزم فی الفتح بانه
یعود صحیحاً، ع

عہ جواب نا تمام ملا۔

۲۲/۲

مطبع مجتہاتی دہلی

باب البیع الفاسد

کتاب البیوع

۱۰۸-۹

دار احیاء التراث العربی بیروت

”

”

ردالمحتار

بَابُ الْبَيْعِ الْمَكْرُوهِ

(بيع مکروہ کا بیان)

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ غلہ کو روک کر بیچنا جائز ہے یا نہیں ؟
بیئنا تو جروا۔

الجواب

غلہ کو اس نظر سے روکنا کہ گرانی کے وقت بیچیں گے بشرطیکہ اسی جگہ یا اس کے قریب سے خریدا اور اس کا نہ بیچنا لوگوں کو مضر ہو مکروہ و ممنوع ہے، اور اگر غلہ دُور سے خریدا کر لائے اور با انتظار گرانی نہ بیچے یا نہ بیچنا اس کا خلق کو مضر نہ ہو تو کچھ مضائقہ نہیں،
فی العلمگیریة الاحتکاس مکروہ و ذلك ان
یشتری طعاما فی مصر و یبتنع من
بیعه و ذلك یضر بالناس کذا فی
المحاوی، وان اشتری فی ذلك المصر
و حبسه و لا یضر باهل المصر
لاباس به کذا فی التنارخانیة ناقلا عن
التجنیس، و اذا اشتری من مکان قریب من
فجعل طعاما الی المصر و حبسه و

عالمگیریہ میں ہے احتکار مکروہ ہے اس کی سورت
یہ ہے کہ شہر میں غلہ خریدا لے اور اس کو فروخت کرنے
سے روک رکھے اور یہ روکنا لوگوں کے لئے نقصان دہ
ہو یہ حاوی میں ہے اور شہر میں خریدا اس کو بیچنے
سے روکا مگر اس سے لوگوں کو ضرر نہیں پہنچتا تو کوئی
حرج نہیں یونہی تا تا رخانیہ میں تجنیس سے نقل کیا گیا
ہے، اور اگر شہر کے قریب سے خریدا اور شہر
میں اٹھا لایا اور فروخت سے روک رکھا جبکہ

ذٰلِكَ يَضْرِبُ اَهْلَهُ فَرُّهُ وَمَكْرُوهُ هَذَا قَوْلُ
مُحَمَّدٍ وَهُوَ اَحَدُ الرَّوَايَتَيْنِ عَنْ
اَبِي يُوْسُفٍ وَهُوَ الْمَخْتَارُ هَكَذَا فِي
الْغِيَاثِيَةِ وَهُوَ الصَّحِيْحُ هَكَذَا فِي
جَوَاهِرِ الْاِخْلَاطِ ، وَفِي جَامِعِ الْجَوَامِعِ
فَاَنْ جَلِبَ مِنْ مَكَانٍ بَعِيْدٍ وَاحْتَكِرَ لَمْ يَمْنَعِ
كَذَا فِي التَّائِيَسِ خَانِيَةِ ۱۷

اس سے شہر والوں کو ضرر پہنچتا ہے تو یہ مکروہ ہے
یہ امام محمد علیہ الرحمۃ کا قول ہے ، اور امام ابو یوسف
رحمہ اللہ سے بھی دو روایتوں میں سے ایک میں
یہی آیا ہے ، یہی مختار ہے ، اسی طرح غیاثیہ
میں ہے ، اور یہی صحیح ہے جیسا کہ جواہر الاخلاط
میں مذکور ہے ، اور جامع الجوامع میں ہے کہ
اگر کہیں دور سے اناج خرید کر کھینچ لایا اور شہر

میں فروخت سے روک رکھا تو ممنوع نہیں ، تمار خانہ میں یوں ہی ہے ۔ (ت)

مسئلہ ۹۰ از شہر کہنہ

الربيع الآخر شریف ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے مبلغ پانسو روپے کے گہیوں خریدے فصل میں
اور بقدر ضرورت اپنے اہل و عیال کے لئے رکھ لئے ، اور باقی ماندہ ماہ اساتھ میں فروخت کر دئے ،
اس شکل میں زید مواخذہ دار ہوا یا نہیں ؟

الجواب

بریلی میں پانسو بلکہ پانچ ہزار کے گہیوں فصل پر خریدنے اور بیچ پر بیچنے میں کوئی مواخذہ نہیں کہ ان دونوں
زمانوں میں نرخ کا اختلاف معمولی طور پر ہمیشہ ہوتا ہے ، ہاں اگر گرانی پڑنے کی خواہش کرے تو خلق اللہ کا بدخواہ
اور ماتو ذگناہ ہے ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۹۱ از بریلی محلہ ذخیرہ

جناب مقبول الرحمن خاں

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ ایک مکان مسکونہ کی بیع ایک مسلمان سے قرار
پائی وہ معاملہ بیع طے ہو گیا اور قبضہ مکان پر مشتری کو بعد تحریر مسودہ بیع نامہ کر دینے دستخط کے
دے دیا گیا حسب قانون انگریزی ہنوز بیع نامہ تحریر و رجسٹری نہ ہوا تھا کہ ایک دوسرا مسلمان اسی
محلہ کا جو پہلے خریداری سے انکار کر چکا تھا اب ایک سو روپیہ بڑھا کر خریداری کا ارادہ ظاہر کرتا ہے اور
قبضہ ہنوز اس شخص کا ہے جس سے پہلے بالعان کی گفتگو بیع کی طے ہو چکی ہے اور اس کے قبضہ
میں مسودہ دستخط شدہ بھی موجود ہے ، ایسی صورت میں کون سی بیع شرعاً جائز ہے اور جو بیع شرعی

پر راضی نہ ہو اس کے لئے کیا حکم ہے؟

(۲) تین ہفتہ سے مشتری سابق مع عیال و اطفال اس مکان میں رہتا ہے جس پر بائعان
بخوشی قبضہ دے چکے ہیں تو اب اس کو حتی اہل محلہ کے پڑوسی ہونے کا حاصل ہو گیا یا نہیں، اور اگر
حاصل ہو گیا تو نئے مشتری کو جو پڑوسی ہے اس کو تکلیف دینا اور مکان بہ جبر اس سے خالی کرانا جائز
ہے یا نہیں؟ اور اگر نہیں تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟ بتیو تو جروا۔

الجواب

دوسرے کا اب اس بیع سے تعرض کرنا قیمت بڑھانا، اپنی طرف پھیرنا سب حرام ہے۔

فقد نھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن سوم الرجل علی سوم
اخیه فضلا عن الصومرة المذكورة فی
السؤال۔

بیشک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے
اس بات سے منع فرمایا کہ کوئی شخص اپنے بھائی
کے سودا پر سودا کرے چہ جائیکہ سوال میں مذکورہ
صورت ہو (ت)

مکان بہ جبر اس سے خالی کرنا ظلم ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: الظلم
ظلمات یوم القیمة ^{لہ} ظلم قیامت کے دن اندھیریاں ہو جائے گا۔ اور قرآن عظیم میں ظالموں پر
لعنت فرمائی اور ہمسایہ پر ظلم اور بھی سخت اسد کبیرہ ہے۔ بائع پر فرض ہے کہ اپنی اگلی بیع پر قائم
رہے شرعاً بیع ہو چکی رہی یا اسٹامپ پر لکھا جانا شرعاً اصلاً ضرور نہیں، اور اس دوسرے شخص
پر فرض ہے کہ اس ظلم سے باز آجائے، واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۹۳ از چاند پور ضلع بجنور مرسلہ حکیم رضوی صاحب ۲۳ شوال ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ فصل اور موسم ارزانی میں غلہ خرید کیا جائے عند الموضع
بشرح نرخ بازار فروخت کر دیا جائے اس کا منافع مسلم کے لئے حرام ہونا کہاں تک لغویت ہے
مخالفین اس میں طعنہ زن ہوتے ہیں بغرض حجت حضور سے استصواب ہے۔

الجواب

صورت مذکورہ پر غلہ کی تجارت بلاشبہ حلال و جائز ہے اسے حرام کہنے والا حلال شرعی کو

۱۔ مسند امام احمد بن حنبل حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ دار الفکر بیروت ۲/۲۱۱
۲۔ " " " عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ " " " ۲/۱۰۶

حرام کہتا ہے۔ حرام یہ ہے کہ لہستی میں آنے والا غلہ خود خرید لے اور بند رکھے کہ جتنا مہنگا چاہے بیچے جس سے لہستی پر تنگی ہو جائے، اور مکروہ یہ ہے کہ اس کے خریدنے سے لہستی پر تنگی تو نہ ہو مگر اسے آرزو ہو کہ قحط پڑے کہ مجھے نفع بہت ملے اور جب ان دونوں باتوں سے پاک ہے جیسا صورت سوال میں ہے تو اصلاً کراہت بھی نہیں۔ درمختار میں ہے :

کرة احتکارس قوۃ البشر والبهائم فی بلد
یضر باہلہ فان لم یضر لم یکرہ
باشندوں کو اس روکنے سے ضرر پہنچے اور اگر ضرر نہ ہو تو مکروہ نہیں۔ (ت)
ردالمحتار میں ہے :

اثم یا انتظار الغلاء والقحط لنیۃ السوء
للمسلمین۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔
مہنگائی اور قحط سالی کے انتظار میں غلہ کو روک
رکھنے سے گنہ گار ہوا کیونکہ اس میں مسلمانوں کے لئے
بدخواہی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ت)

مسئلہ ۹۲ از ضلع فریدپور مرسلہ حافظ عنایت علی و کفایت علی ۲۵ صفر ۱۳۱۹ھ
جناب مولانا احمد رضا خاں صاحب بعد سلام علیکم مزاج شریف، احوال یہ ہے کہ ایک شخص گندم
مبلغ بیسٹل روپے کے ساڑھے نو سیر کے وعدہ پر چھ ماہ کو طلب کرتا ہے اور گندم کا نرخ بازار میں
ساڑھے گیارہ سیر و بارہ سیر ہے، جو شخص گندم لیتا ہے اپنی ضرورت کو بازار میں ساڑھے گیارہ سیر
و بارہ سیر فروخت کر کے اپنا کام نکال لیتا ہے اور جو شخص گندم ادھا دیتا ہے اس کے مکان پر
گندم نہیں بازار سے خرید کر دیتا ہے، دوسرا شخص مبلغ دس روپے کے گندم آٹھ سیر کے بھاؤ سے مانگتا
ہے اور مبلغ دس روپے نقد طلب کرتا ہے، اسے جو دس روپے دئے جائیں گے اس روپیہ کو دس کے دس
لئے جائیں گے، جیسا کچھ ارشاد فرمائیں۔

الجواب

یہ صورتیں حرام نہیں گناہ نہیں پھر بھی مکروہ ہیں ان سے بچنا بہتر ہے، کما فی الفتح ورد المحتاس
(جیسا کہ فتح اور ردالمختار میں ہے۔ ت)

۱۔ درمختار کتاب المحظور والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتہاتی دہلی ۲۲۸/۲
۲۔ ردالمختار " " " " دار احیاء التراث العربی بیروت ۲۵۶/۵

باب بیع الفضولی

(فضولی کی بیع کے احکام)

مسئلہ ۹۵ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے زیور اپنی زوجہ ہندہ کا کہ اسے جہیز میں ملا تھا بلا اجازت ہندہ بیع کیا اور اپنے صرف میں لایا، آیا یہ بیع نافذ اور ہندہ کو زید سے اختیار مطالبہ حاصل ہے یا نہیں؟ اور زیور و ظروف وغیرہ اسباب جہیز جو والدین ہندہ نے خاص واسطے صرف ہندہ کے دیا ہے ملک ہندہ کی ہے یا زید کی؟ بیٹنوا توجروا۔

الجواب

زیور و ظروف وغیرہ اسباب جہیز کہ والدین ہندہ نے خاص واسطے صرف ہندہ کے دیا بلاریب ملک ہندہ ہے زید کو اس میں کچھ حق نہیں،

در مختار میں ہے کہ باپ نے بیٹی کو جہیز دیا اور بیٹی کے قبضہ میں دے دیا تو اب نہ تو وہ خود واپس لے سکتا ہے نہ ہی اس کے مرنے کے بعد اس کے ورثاء واپس لے سکتے ہیں جب کہ اس نے یہ جہیز حالت صحت میں دیا ہو بلکہ اس جہیز کی ملکیت بیٹی کے ساتھ منحصر ہے، اور اسی پر قوی ہے (ت)

فی الدر المختار جہز ابنتہ بجہاز
وسلمها ذلك ليس له الاسترداد
منها، ولا لورثته بعده
ان سلمها ذلك في صحته
بل تختص به، وبه يفتى به

پس وہ بیع کہ زید نے کی بلا اجازت ہندہ نافذ نہیں ہو سکتی، اور اگر ہندہ مطالبہ کرے تو وہ زیور مشتری سے پھیر سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۹۶ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے اپنے مرض موت میں ایک مکان اور ایک دکان کہ قریب سولہ سو روپے کے قیمت کے تھے چھ سو روپے کو اپنے شوہر اور دختر کے ہاتھ بیع کئے، بعد پندرہ روز کے ہندہ مر گئی، اس صورت میں یہ بیع جائز ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

الجواب

صورتِ مسئلہ میں بیع صحیح نہیں کہ بیع مرض موت میں کم قیمت کو با تفاق امام اعظم و صاحبین رحمہم اللہ تعالیٰ ناجائز ہے اور وارث کے ہاتھ تو برابر قیمت کو بھی بے اجازت دیگر ورثہ امام اعظم کے نزدیک جائز نہیں،

تلویح میں ہے اگر اشیاء ترکہ میں سے کوئی خاص شئی کسی نے اپنے وارث کے ہاتھ برابر قیمت پر فروخت کی تو امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک جائز نہیں ہے اھ ملخصاً، واللہ تعالیٰ اعلم۔ (د ت)

فی التلویح لوباع من احد الورثة عینا من اعیان التركة بمثل القيمة فلا يجوز عند ابی حنیفہ اھ ملخصاً - واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۹۷

مثال کے طور پر زید نے ایک مکان اپنے بھائی عمرو کی اجازت کے بغیر خرید کر اس کا بیعنامہ عمرو کے نام لکھوا دیا اور اس کا زر ثمن بھی خود ہی دے کر اقرار کیا کہ یہ مکان عمرو کا ہے، بعد میں جب عمرو جو مکان کی خریداری کے وقت سفر پر تھا وہیں فوت ہو گیا تو عمرو کے وارثوں نے بیعنامہ اور اقرار مذکورہ کی وجہ سے حاکم کی مدد کے ذریعے زید سے مکان کا مطالبہ کیا اور زید حاکم کے حکم پر

مثلاً زید ایک مکان بلا اجازت عمرو خریدہ بیعنامہ آں بنام عمرو برادر خود تحریرہ کنایتہ گرفت و زر ثمن آں سینہ خود دادہ اقرار ہم کردہ ماند کہ ایس مکان عمرو دست، بعد ازاں عمرو کہ وقت خرید مکان در سفر بود در انجا فوت کرد و ورثہ عمرو مکان مذکورہ باعانت حاکم از زید بوجہ بیعنامہ و اقرار مذکور درخواستند و زید بحکم حاکم تفویض تسلیم

لہ التلویح مع التوضیح فصل فی الامور المعترضہ علی الاہلیۃ منها المرض نورانی کتبنا نہ قصہ خانی پشاور ۶۶۳

ایشان کہ و پس الحال زید مستحق یا فتن زرمین کہ در عدالت دادن زید ثابت گردید از و شمار عمرو ہست یا بوجہ اقرار بملکیت عمرو بسبب مکان مذکور اقرار بریں امر ہم گردید کہ روپیہ دادہ شدہ زرمین مکان ازاں عمروست۔ بتینوا تو جروا۔

وہ مکان ان کے حوالے کر دیا، تو کیا اب زید وہ زرمین عمرو کے وارثوں سے پانے کا حقدار ہے جس کی زید کی طرف سے عدالت میں ادائیگی ثابت ہے یا مکان مذکور پر عمرو کی ملکیت کا اقرار کرنے کی وجہ سے اس بات کا بھی اقرار ہو گیا کہ مکان کے زرمین میں دیا گیا روپیہ بھی اسی عمرو کی طرف سے ہے، بیان کروا جبر پاؤ گے (ت)

الجواب

شرعاً در صورت مسؤل فیہا زید مستحق یا فتن زرمین کہ در عدالت دادن زید ثابت گردیدہ از ورثہ عمرو بعد تسلیم مکان بایشان است، و اقرار زید بمکان برائے عمرو کہ بچہ صورت خرید در غیبت دادن ثمن از نزد خود یعنی خریدہ شدن برائے عمرو است اقرار بملکیت ثمن برائے عمرو عموماً خصوصاً بحالیہ کہ زید بودن ثمن ازاں خود گفتہ باشد نمی تواند شد چہ اقرار بربیک چیز اقرار بچیز دیگر منفصل از مقربہ کہ بجز تابع آن نباشد نمی شود و زرمین کہ چیزے منفصل و علیحدہ از مکان مقربہ است بہت نبودن جزو مکان و مرکب نبودش در آن تابع مکان نیست، پس داخل در اقرار ب مکان عموماً خصوصاً در حالیہ کہ زید بودنش ازاں خود گفتہ باشد نمی تواند شد مانند امتداد بکاریہ مقبوضہ ذات

صورت مسؤلہ میں عمرو کے ورثہ کو مکان سپرد کرنے کے بعد زید ان سے وہ زرمین حاصل کرنے کا شرعی طور پر مستحق ہے جس زرمین کی زید کی طرف سے عدالت میں ادائیگی ثابت ہے اور زید کا یہ اقرار کہ مکان عمرو کے لئے ہے جیسا کہ خریداری کی صورت میں عمرو کی عدم موجودگی میں اپنے پاس سے ثمن ادا کرنا یا بمعنی کہ مکان کی خریداری عمرو کے لئے ہے اس بات کا اقرار عموماً نہیں ہو سکتا کہ ثمن عمرو کی ملکیت تھے خصوصاً اس حال میں کہ جب زید نے اپنے پاس سے ثمنوں کی ادائیگی کا کہا بھی ہو (تو بدرجہ اولے ثمنوں کا ملک عمرو ہونا ثابت نہ ہوگا) کیونکہ ایک چیز کا اقرار کسی دوسری ایسی چیز کا اقرار نہیں ہو سکتا جو اس چیز سے منفصل ہو جس کا اقرار کیا گیا ہے اور اس کی تابع جزو نہ ہو، اور ثمن اس مکان سے منفصل اور علیحدہ چیز ہے جس مکان کا اقرار زید نے عمرو کیلئے کیا ہے لہذا اس مکان کی جزو نہ ہونے اور اس کے ساتھ مرکب نہ ہونے کی وجہ سے زرمین مکان کے تابع نہیں چنانچہ بالعموم اقرار مکان میں داخل نہ ہو سکے گا

ولد و افتراء بصندوق محموله متاع و
 افتراء بدار مقبوضه مشموله بمتاع و دواب
 کہ افتراء بولد حباریہ و متاع صندوق
 و متاع دار و دواب از ہمیں علت جامعہ
 یعنی از جہت نبودن ہر یکے از اہل جزو
 تابع معتبرہ نے شود در فتاویٰ
 قاضیخان نوشتہ صاحب فی ینایہ
 جاریۃ و ولدھا فقال
 ان الحباریۃ لفلان
 لا یدخل فیہ الولد الخ
 و در محیط نوشتہ (عبارت منقول
 بر ہاشم در مختار ص ۲۸۲) انتہی ملقطاً
 و اگر نیک غور کردہ آید ہمیں مضمون یعنی
 داخل نبودن ثمن غیبہ مقربہ در
 افتراء مکان و لازم نبودنش بر مقرران
 از ہدایہ و عینی و غیبہ ہما بقید
 ما افتراء در عبارت لزومہ اقرا مہ
 مجہولاً کانت ما اقربہ
 او معلوماً، و الا قرار ملزم
 علی المقر ما اقربہ
 واضح ہے شود و چون ثمن غیبہ مقربہ
 داخل در افتراء مکان نمی تواند شد

خصوصاً اس حال میں کہ جب زید نے یہ کہہ بھی دیا
 ہے کہ ثمن میں اپنے پاس سے دے رہا ہوں، یہ
 ایسے ہی ہو گیا جیسے کوئی شخص اولاد والی مقبوضہ
 لونڈی کے بارے میں اقرار کرے یا اس صندوق کے
 بارے میں اقرار کرے جس میں سامان ہو یا ایسے گھر
 کے بارے میں اقرار کرے جس میں سامان اور چوپا
 ہوں تو یہ اقرار لونڈی کی اولاد، صندوق میں رکھے ہوئے
 سامان اور گھر میں موجود سامان اور چوپایوں کو شامل
 نہ ہوگا اسی علت جامعہ کی وجہ سے یعنی اس وجہ
 سے کہ ان میں کوئی بھی ان چیزوں کی جزو و تابع نہیں
 جن کے بارے میں اقرار کیا گیا، فتاویٰ قاضیخان
 میں لکھا ہوا ہے کہ ایک شخص کے قبضہ میں لونڈی
 اور اس کی اولاد ہو اور وہ کہے کہ یہ لونڈی فلاں
 شخص کی ہے تو لونڈی کی اولاد اس اقرار میں داخل
 نہ ہوگی الخ اور محیط میں مرقوم ہے (عبارت بر ہاشم
 در مختار ص ۲۸۲) انتہی ملقطاً اور اگر خوب غور
 کیا جائے تو یہی مضمون یعنی غیر اقرار شدہ ثمنوں کا اقرار
 مکان میں داخل نہ ہونا اور مکان کا اقرار کرنیوالوں
 پر ثمن کا لازم نہ ہونا ہدایہ اور عینی وغیرہ میں مذکور
 ما اقربہ (جس کا اس نے اقرار کیا) کی قید سے
 حاصل ہوتا ہے جو قید انہوں نے ان عبارتوں میں
 لگائی کہ مقر پر اس کا اقرار لازم ہو جاتا ہے چاہے

۶۲۳/۳	نو لکھنؤ	فصل فی الاستثناء	کتاب الاقرار	لہ فتاویٰ قاضیخان
۲۲۹/۳	مطبع یوسفی لکھنؤ		کتاب الاقرار	لہ الہدایہ
۴۷۷/۳	المکتبۃ الامدادیۃ مکۃ المکرمۃ		کتاب الاقرار	لہ البنایۃ فی شرح الہدایۃ
۲۹۹/۷	مکتبہ نوریہ رضویہ سکھ		"	فتح القدر

وہ شے جس کا اس نے اقرار کیا معلوم ہو یا مجہول ، مقرر پر لزوم اس کے اقرار کی وجہ سے ہوتا ہے جب غیر اقرار شدہ ثمن مکان کے اقرار میں داخل نہیں ہو سکتے تو پھر زید نے جو مکان عمرو کی اجازت کے بغیر اس کے نام پر خریدا اور زر ثمن اپنے پاس سے اس لئے بائع کو دیا کہ وہ خریداری کے معاملہ میں مباشرتاً اور ثمن جو کہ واجب الادا دین ہے کی ادائیگی میں مجبور تھا اور حکم حاکم کے بعد زید کی سپردگی سے عمرو کے ورثا نے وہ مکان اپنے قبضہ میں لے لیا تو اب زید بلا شبہ عمرو کے ورثا سے اس زر ثمن کو وصول کرنے کا مستحق ہے جو اس نے اپنے پاس سے ادا کیا ہے اور اس طرح کی اضطراری حالت میں ثمن کی ادائیگی میں تطوع و تبرع (بطور احسان ادا کرنا) کا احتمال موجود نہیں کیونکہ کسی کے ذمے لازم قرض کی ادائیگی میں اگر کوئی شخص کسی طرح مجبور ہو تو شرعی طور پر اس قرض ادا کرنے والے شخص کو تطوع و تبرع کرنے والا ہرگز قرار نہیں دیا جاتا ، جیسا کہ شرح حموی کی اس معتبر روایت سے ظاہر ہے اگر کسی وارث نے اپنے مال سے کسی قرض خواہ کا حق ادا کر دیا اس شرط پر کہ وہ ترکہ میں سے قرض کا رجوع نہیں کرے گا تو قاضی تقسیم کو نہیں توڑے گا بلکہ اس کو قائم رکھے گا اور اگر اس نے ترکہ سے رجوع کی

پس زید کہ مکان مذکور آں بلا اجازت عمرو بنام او خریدہ زر ثمن آں از نزد خود بکبت مباشرتاً بودن معاملہ خرید و مضطر بودن در ادائے ثمن کہ دینے واجب الادا بود ببايع آں نمود و رثه عمرو آں مکان را بعد حکم حاکم بر سلیم زید در قبض خود در آورد بے شبہ زید مستحق یافتن زر ثمن ادا کردہ خود از ورثه عمرو است و احتمال تطوع و تبرع در ہر دو حالت اضطرار ادائے ثمن مفقود کہ شرعاً مضطر با دائے دین ذمگی کسے بہ نہیکہ باشد ہرگز متطوع و متبرع قرار دادہ نمی شود چنانچہ ازین روایت معتبرہ شرح حموی ظاہرست لوقضی واحد من الورثة حق الغريم من مالہ علی ان لا يرجع فی التركة فالتقاضی لا ینقض القسمة بل یبضیہا اما اذا شرط الرجوع او سکت فالتقسمة مردودة الا ان یقضوا حق الوارث الذی قضی حق الغريم من مالہ وهذا الجواب

شرط لگائی یا خاموش رہا تو تقسیم مردود ہوگی تا وقتیکہ ورثہ اس وارث کا حق ادا کر دیں جس نے قرض خواہ کا حق اپنے مال سے ادا کیا۔ یہ حکم شرط رجوع والی صورت میں ظاہر اسکوٹ والی صورت میں شکل ہے چنانچہ خاموش رہنے کی صورت میں اس وارث کو متطوع قرار دینا چاہئے، اس کا جواب یہ ہے کہ اس کو متطوع اس لئے قرار نہیں دیا گیا کہ وہ قرض کی ادائیگی میں مجبور تھا انتہی، زید کا خرید ہوا مکان حکم حاکم پر زید کی سپردگی کے بعد جب ورثہ عمر و کے قبضہ میں پہنچ گیا باوجودیکہ زید کی طرف سے زرمن کی ادائیگی ثابت ہے تو اب ورثہ عمر و سے زید کے زرمن کے مستحق ہونے کے ثبوت کے لئے ہدایہ، عنایہ اور نتائج کی یہ روایت کافی ہے جو کہ یہ ہے اور جس شخص نے دوسرے کو کہا کہ تو مجھ پر فروخت کر الخ (منقول از حاشیہ درمختار، باب الفضولی) مگر یہ کہ مشتری غلام اس کے حوالے کرے جس کے لئے اس نے خرید یعنی سوائے اس کے بیع جائز نہ ہوگی کہ مشتری خرید ہوا غلام اس کے حوالے کر دے جس کے لئے اس نے خرید اور ممکن ہے کہ معنی یوں ہو مگر اس وقت بیع جائز ہوگی جب مشتری خرید ہوا غلام اس فلاں کے سپرد کر دے جس کی خاطر وہ غلام خرید گیا اور یسلمہ کا فاعل ضمیر ہو جو مشتری کی طرف لوٹتی ہے۔ یہ اختلاف دو روایتوں پر مبنی ہے یعنی مشتری کی راہ پر کسرا و فتح

ظاہر فیما اذا شرط الرجوع و مشکل فیما اذا سکت و ینبغی ان یجعل منطوعا اذا سکت و الجواب انه لم یجعل منطوعا لانه مضطرف فی القضاء انتھی و برائے ثبوت استحقاق زید بہ نسبت یافتن زرمن از ورثہ عمیر و کہ مکان خریدہ زید را بعد حکم حاکم بہ تسلیم زید با وصف ثبوت ادائے ثمن از اں زید بقبضۃ ایشان در رسیدہ این روایت ہدایہ و عنایہ و نتائج وغیرہ کفایت میکند وہی ہذا و من قال لاخر یعنی (منقولہ ہا مش الدرسن باب الفضولی) الا ان یسلمہ المشتري له اى الا ان یسلمہ المشتري له العبد المشتري لاجله اليه و يجوز ان یکون معناه الا ان یسلم فلانا العبد المشتري لاجله و فاعل یسلم ضمیر یعود الی المشتري بناء علی الروایتین بکسر الراء و فتحها فیکون بیعا و علیہ العہدۃ اى علی

فلان عہدۃ الاخذ بتسلیم الثمن
 لانه صار مشتریا بالتعاطی
 كالفضولی اذا اشتری لشخص ثم
 سلمه المشتري لاجله عناية
 الا ان يسلم المشتري له
 روی لفظ المشتري بروایتین
 بكسر الراء وفتحها فعلی الكسر
 يكون المشتري فاعلا، وقوله
 له ای لاجله ویكون المفعول
 الثاني محذوفاً وهو الیه،
 فالمعنى الا ان يسلم
 الفضولی العبد الذی اشتراه
 لاجل فلان الیه، و علی
 الفتح يكون المشتري له مفعولاً
 ثانیاً بدون حرف الجر وهو
 فلان، ویكون الفاعل مضمراً
 يعود الی المشتري، فالمعنى
 الا ان يسلم الفضولی العبد الی
 المشتري له وهو فلان، ثم
 ان هذا الاستثناء من قوله
 لم یکن الخ (منقولہ هامش
 الدر من الفضولی) الخ

کے ساتھ تو اس طرح یہ نبی بیع ہوگئی اور اس کی
 یعنی فلاں کی ذمہ داری ہے کہ وہ ثمن ادا کر کے
 اس کو لے لے کیونکہ وہ تعاطی کے ساتھ مشتری
 ہو گیا ہے اس فضولی کی طرح جو کسی شخص کے لئے
 کچھ خریدے پھر وہ چیز اس کے حوالے کر دے
 جو اس کے لئے خریدی گئی (عنا یہ) مگر یہ کہ مشتری
 وہ غلام اس کے حوالے کر دے۔ لفظ مشتری
 دو طرح سے روایت کیا گیا راء کے کسر اور فتح
 کے ساتھ، کسرہ کی صورت میں مشتری فاعل ہوگا
 اور ماتن کا قول له کا بمعنی لاجله ہوگا اور
 مفعول ثانی محذوف ہوگا جو کہ الیہ ہے تو اس
 طرح عبارت مذکورہ کا معنی یہ ہوگا مگر یہ کہ فضولی
 (مشتری) وہ غلام جو فلاں کی وجہ سے اس نے
 خریدا وہ فلاں کے حوالے کر دے، اور فتح کی صورت
 میں مشتری له بغیر حرف جر کے مفعول ثانی ہوگا اور
 مشتری له وہ فلاں ہی ہے اور یسلم کا فاعل
 وہ ضمیر ہوگی جو مشتری کی طرف لوٹتی ہے تو اس
 طرح عبارت مذکورہ کا معنی یہ ہوگا مگر یہ کہ وہ
 فضولی (مشتری) غلام کو مشتری له (جس کیلئے
 خرید گیا) کے حوالے کر دے اور وہ یعنی مشتری له
 وہ فلاں ہی ہے، پھر یہ استثناء ماتن کے
 قول لم یکن الخ سے ہے (منقول از حاشیہ

له العناية علی ہامش فتح القدير کتاب الوکالة باب الوکالة فی البیع والشراء مکتبہ نوریہ رضویہ سکمر / ۵۲ و ۵۱
 له نتائج الافکار وحقی تکلمہ فتح القدير " " " " " " " " " " " "

نتائج ، والله تعالى اعلم وعلیه احکم
المجیب المدعو ب محمد فقیر اللہ الغنی
عفی عنہ اس سلسلہ لی السید مولانا شاہ
علی باہتمام تام للتصدیق لمن تصف
جمادی الاولیٰ ۱۲۹۵ھ۔

اقول حاصل الجواب امرات
الاول انه انما اقربا لدار دون
الثلث وكان مضطرا الى قضاءه
فيرجع ولا يجعل تبوعا ، الثاني
انه لما سلم الدار الى ورثة عمرو
صار بيعا مبتدا بالتعاطى فكان
عهدة الاخذ بتسليم الثمن عليهم
وانت تعلم ان بين الامرین تباینا
وتنافيا وعندى الجواب
لیس كما قال لان نريد اما
ان يكون قال عند الشراء
اشتريته لفلان او قال لى
اولا ولا على الاول كان فضوليا
يتوقف نفاذ شرائه على
اجازة من اشترى له
وقدمات قبل ان
يجب فبطل واستبان
ان المبيع للبايع و
الثلث للفضولى المشتري الذى
اداه من عندة ، فلا شئ

باب الفضولى) نتائج ، اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے
اور اس کا علم بہت مضبوط ہے۔ مجیب فقیر
محمد فقیر اللہ نے اس کو سید مولانا شاہ علی
کے پاس پورے اہتمام کے ساتھ تصدیق کیلئے
ارسال کیا نصف جمادی الاولیٰ ۱۲۹۵ھ (ت)

اقول (میں کہتا ہوں) جواب کا حاصل
دو امر ہیں: پہلا یہ کہ زید نے مکان کا اقرار کیا نہ کہ
ثمن کا، اور وہ ثمن کی ادائیگی میں مجبور تھا لہذا
وہ رجوع کرے گا اور اس کو تبرع قرار نہیں
دیا جائیگا۔ دوسرا امر یہ ہے کہ زید نے جب مکان
ورثاء عمرو کے حوالے کر دیا اور یہ تعاطی کے ساتھ
نئی بیع ہو گئی تو اب ثمن ادا کر کے اس کو لینا عمرو
کے ورثاء کی ذمہ داری ہے اور تو جانتا ہے کہ
ان دونوں امروں میں مخالفت و منافات ہے،
اور میرے نزدیک اس کا جواب اس طرح نہیں
جس طرح مجیب نے کہا اس لئے کہ زید نے خریداری
کے وقت یا تو یہ کہا ہے کہ میں نے یہ مکان فلان
کے لئے خریدا ہے یا یہ کہا کہ یہ میرے اپنے
لئے ہو گا یا ایسا اس نے نہیں کیا، پہلی صورت
میں وہ فضولی ہے اور اس کی خریداری کا نفاذ
اس کی اجازت پر موقوف ہو گا جس کے لئے اس
نے یہ مکان خریدا حالانکہ وہ اجازت سے قبل
مرگیا ہے تو یہ بیع باطل ہو گئی اور ظاہر ہو گیا کہ
بیع بائع کی ملک اور ثمن اس فضولی مشتری کی
ملک ہے جس نے اپنے پاس سے ادا کیا، چنانچہ

لعمر و ولا لورثته و حکم الحاكم
 لهم لا يعتبر بل يرد ويفسخ
 لانه قضى لهم بمال الغير
 والاقرار باطل لانه اقرار
 بملك الغير نعم ان انتقل
 اليه بعد بوجه من الوجوه
 اخذ باقراره، فاذا رفع الامر
 الى القاضي وجب ان يرد قضاؤه
 لظهور خطائه من جهة
 الشرع، وهذا التعاطي ايضا
 لا يجوز ان يكون بيعا
 مبتدأ اذا الفضولي لاحق له في
 البيع وان كان بيع فضولي متوقفا
 على اجازة البائع الاول فان اجاز
 كان الثمن له لا للفضولي والا يسترد الدار
 من الورثة ويرد الثمن على الفضولي،
 وعلى الثابتين نفذ الشراء على
 الفضولي لعدم الاضافة الى
 من اشتراها لاجله، ثم انه
 مواخذ باقراره وقد قضى
 القاضي للورثة بالدار
 محتجين بالاقرار فقيم
 يرجع عليهم بالثمن و
 ان ثبت عند القاضي
 انه انما شراه بثمنه

عمر و اور اس کے وارثوں کے لئے کچھ بھی نہیں اور
 ان کے حق میں حاکم کا حکم معتبر نہیں بلکہ یہ مردود اور
 فسخ ہوگا کیونکہ حاکم نے ان کے لئے ملک غیر کا حکم
 کیا ہے اور اقرار باطل ہے کیونکہ یہ ملک غیر کا اقرار
 ہے، ہاں اگر اس کے بعد کسی طرح وہ مکان زید
 کی طرف منتقل ہو جائے تو وہ اس کے اقرار کے سبب
 سے لے لیا جائے گا، اور اگر یہ معاملہ قاضی کے
 پاس لے جایا جائے تو اس پر پہلے فیصلے کو رد
 کر دینا واجب ہے کیونکہ شریعت کی جہت سے
 اس کی خطا رظا ہر ہو چکی ہے اور اس تعاطی
 کا نسی بیع ہونا بھی جائز نہیں کیونکہ فضولی کا بیع
 میں کوئی حق نہیں اگر نسی ہوتی بھی تو ایسی بیع فضولی
 ہوگی جو بائع اول کی اجازت پر موقوف ہوگی اگر
 اس نے اجازت دے دی تو ثمن اس کے لئے
 ہوں گے نہ کے فضولی کے لئے، اور اگر اس نے
 بیع کو رد کر دیا تو مکان عمر و کے وارثوں سے واپس
 لے لیا جائیگا اور ثمن فضولی کو لوٹا دئے جائیں گے
 دیگر دونوں صورتوں میں خریداری فضولی پر نافذ
 ہوتی کیونکہ اس نے اس شخص کی طرف اضافت
 نہیں کی جس کے لئے اس نے گھر خریدا پھر بسبب
 اس کے اقرار کے وہ ذمہ دار ہو گیا اور قاضی
 نے ورثاء عمر و کے حق میں فیصلہ دیا جو زید کے
 اقرار کو دلیل بنا رہے ہیں تو اب زید (فضولی) ثمن
 کے بارے میں ورثاء عمر و پر کس وجہ
 سے رجوع کرے گا اور اگر قاضی کے ہاں ثاب

ہو جانے کہ زید نے وہ مکان عمرو کے ثمن سے خریدا ہے تو اہل شرع/خریداروں کے نزدیک یہ معاملہ محکمہ قضاء کے تحت داخل نہ ہوگا اگرچہ کسی کے لئے مکان کا اقرار کرنا اس بات کا تقاضا نہیں کرتا کہ وہ مکان اسی کے ثمن سے خریدا گیا ہے، کیونکہ کسی شخص کو اس کے اقرار کے سبب پکڑنے کا یہ مطلب نہیں کہ اقرار والی شے کا فیصلہ اس شخص کے لئے کیا جائے جس کے لئے اقرار کیا گیا ہے اور پھر اقرار کرنے والا اس بنا پر مقر لہ سے ثمن کے بارے میں رجوع کرے کہ اس اقرار کرنے والے نے یہ شے خریدی تھی اس لئے کہ اقرار میں واقع کو نہیں دیکھا جاتا بلکہ اقرار کرنے والا اپنے گمان/قول کے سبب سے پکڑا جاتا ہے کیونکہ ہو سکتا ہے اقرار کرنے والے نے اس شے کو خریدا ہو پھر کوئی ایسا سبب پیدا ہو گیا ہو جس سے وہ شے مقر لہ کی ملکیت کی طرف منتقل ہو گئی ہو، اور اگر اقرار کرنے والا یہ دعویٰ کرے کہ اس نے یہ شے (مقر بہ) اس خیال سے خریدی تھی کہ اس کی خریداری مجھ پر نافذ نہ ہوگی تو یہ محض اس کا ایک قول ہے جس کو قبول نہیں کیا جائے گا، اس دلیل کی وجہ سے جو اشتباہ میں کہ ایک شخص نے کسی چیز کا اقرار کیا پھر اس میں خطا ہو

لما وقع عند الشراء في محكمة القضاء ولو لم يستلزم الاقرار بالدار الاقرار بالثمن اذ ليس معنى المؤاخظة بالاقرار ان يقضى بالمقربه للمقر له ويرجع المقر بالثمن بناء على انه كان اشتراه اذ في الاقرار لا ينظر الى الواقع انما يواخذ الرجل بزعمه لاحتمال انه كان اشتراه ثم حدث سبب فصار ملكا للمقر له وان ادعى انه انما اقر بناء على زعمه ان اشراءه لا ينفذ عليه فهذه كلمة هو قائلها لا تقبل منه لما في الاشباه اذا اقر بشئ ثم ادعى الخطاء لم تقبل الا اذا اقر بالطلاق اذا اقر به بناء على ما فتى به المفتي ثم ظهر ان الحكم ليس كك فادعى الخطاء بناء على هذا قبل وكذا ان ادعى ان اقراره كان تمليكا وهبة وبطلت لموت عمرو

دعویٰ کیا تو یہ دعویٰ قبول نہیں کیا جائے گا
سوائے طلاق کے کہ جب کسی شخص نے مفتی
کے غلط فتویٰ کی بنا پر طلاق کا اقرار کر لیا پھر اسے معلوم ہوا کہ
مسئلہ اس طرح نہیں ہے چنانچہ اس وجہ سے اس نے خطا
کا دعویٰ کیا تو قبول کر لیا جائے گا اور یہی حکم ہو گا کہ اگر زید
نے دعویٰ کیا کہ اس کا اختیار تو تمہاری
اور ہمہ تھا اور وہ قبول و تسلیم سے
عمر و کے فوت ہو جانے کی وجہ سے باطل
ہو گیا ہے کیونکہ عاقدین میں سے کسی ایک کی
موت ہبہ کو باطل کر دیتی ہے جبکہ تسلیم سے پہلے
موت واقع ہوئی ہو..... پھر قاضی کے حکم
سے واقع ہونے والی یہ تسلیم بطور بیع نہیں بلکہ اقرار
کی بنیاد پر ہے اور تسلیم جب تک بطور
بیع نہ ہو وہ بیع تعاطی نہیں ہو سکتی، در
میں بیع و شراہ کی وکالت کے باب میں ہے کہ بیشک
بیع کے طور پر ہونے والی تسلیم بیع تعاطی
ہے الخ نیز بیع کی بنیاد تو باہمی
رضا مندی پر ہوتی ہے جبکہ یہاں قاضی
کے حکم سے تسلیم ہوئی اور قضا کے بعد رضا
نہیں ہوتی، یہ عجیب کے جواب میں واقع
ہونے والے حائل کی وجوہات
تھیں جو میرے لئے ظاہر ہوئیں
اور جواب میں حق وہ ہے جو

قبل القبول والتسليم فان الموت
احد العاقدین يبطل
الهبة اذا كانت قبل
التسليم فقبل القبول.....
ان لم تقبل ايضا صرح
به في الاشباه ثم هذا
التسليم الواقع بامر القاضی
انما وقع على حكم الاقرار
لا على وجه البيع والتسليم
لا يكون بيع التعاطی الا اذا
وقع على جهته قال في
الدر في باب الوكالة
بالبيع والشراء ان التسليم
على وجه البيع بيع
بالتعاطی الخ والیضا يعتمد
البيع بالتراضی و
ههنا التسليم بامر
القاضی ولا رضاء
بعد القضاء هذا
ما ظهر من
وجوه الخلل في
الجواب فالحق
في الجواب ما

اقول ان ثبت انه لم يكن
 اضافة الشراء الى عمر و حين
 اشترى ولو استكتب اسمه في الصك
 بعد تمام العقد و وقوع الايجاب و
 القبول فلا شك ان الشراء ينفذ
 عليه فتصير الدار ملكا له، ثم
 يواخذة باقراره كما قضى القاضي
 ولا يمكنه الرجوع على الورثة
 بالثمن، وان ثبت الاضافة اذ
 ذلك كان شراء متوقفا ثم
 بطل لموت عمر و قبل الاجازة
 قال في الدر في حق بيع الفضولي
 لا تجوز اجازة وارثه لبطلانه
 بموته و كذا في عامة الكتب
 فكذا اشراءه لاجرم ان
 قال في الاشباه الموقوف
 يبطل بموت الموقوف على
 اجازته ولا يقوم الوارث لوارث
 مقامه الا في القسمة
 كذا في الولوالجية انتهى
 فلم يكن للورثة حق
 في الدار ولا في الثمن

اقول (میں کہتا ہوں) اگر ثابت ہو جائے
 کہ زید نے مکان خریدتے وقت خریداری کو عمر و
 کی طرف منسوب نہیں کیا اگرچہ ایجاب و قبول کے
 وقوع اور عقد کے انعقاد کے بعد بیعنامہ میں اس
 کا نام لکھوا دیا ہے تو بیشک یہ شرائر زید پر نافذ
 ہوگی اور مکان اسی کی ملک ہوگا پھر اس کے
 اقرار کی وجہ سے وہ مکان اس سے لے لیا جائیگا
 جیسا کہ قاضی نے فیصلہ کیا ہے، اس صورت
 میں وہ ثمن کے بارے میں ورثاءِ عمر و سے
 رجوع نہیں کر سکتا اور اگر بوقت خریداری
 عمر و کی طرف نسبت کرنا ثابت ہو جائے تو یہ شرائر
 موقوف ہوتی جو کہ عمر و کی قبل از اجازت موت کے
 سبب سے باطل ہوگئی، در میں فضولی کی بیع
 بارے میں فرمایا کہ اس کے وارث کی اجازت جائز نہ ہوگی کیونکہ وہ
 بیع اس (صاحب بیع) کی موت کی وجہ سے باطل ہو چکی ہے اور اسی
 طرح عام کتابوں میں تو یقیناً اسی طرح فضولی کی شرائر
 کا حکم ہوگا۔ اشباہ میں کہا کہ موقوف بیع اس
 شخص کی موت سے باطل ہو جاتی ہے جس کی
 اجازت پر وہ موقوف تھی اور اس کا وارث
 اس کے قائم مقام نہیں ہوتا سوائے قسمت کے،
 جیسا کہ ولوالجیہ میں ہے انتہی۔ لہذا ورثاءِ عمر و
 کا نہ تو مکان میں کوئی حق ہے نہ ہی ثمن میں اور

جب قاضی کے پاس معاملہ لے جایا گیا تو اس کی قضا کو رد کرنا واجب ہے کیونکہ شرع کی جانب سے اس کی خطا ظاہر ہو چکی ہے۔ چنانچہ اگر بائع دعویٰ کرے تو مکان اس کو اور ثمن مشتری کو لوٹا دئے جائیں گے ورنہ عمر و کے لئے کوئی شیء نہ ہوگی۔ اسے خوب یاد رکھو۔
واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم و حکمہ احکم (ت)

فاذا رفع الامر الى القاضي وجب ان يرد قضاؤه لما تبين من خطائه بحكم الشرع فان ادعى البائع سددت الدار اليه والتمن الى المشتري ولا شئ للورثة هذا ، والله تعالى اعلم وعلمه اتم و حکمہ احکم۔

مسئلہ ۹۸ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے دو مکان اپنے روپیہ سے خرید کر ان کے بیعنامے اپنے چھوٹے بھائی خالد کے نام کہ وہ بھی بائع تھا لکھا دئے اور خریدتے وقت اپنے اہل خانہ ان کے روبرو کہا کہ یہ مکان میں نے صرف اپنے بھائی خالد کے لئے خریدے ہیں ان کا کوئی مالک نہیں اور بعد خریداری خالد کو قابض کرادیا اور دستاویز بھی اسے دے دی اور کرایہ نامے خالد ہی کے نام سے ہوتے رہے اور کرایہ دار اسی کی مرضی پر آباد ہوتے رہے اور کرایہ بھی وہی پاتا رہا اب دس برس کے بعد کہ زید فوت ہوا اس کا تیسرا بھائی عمرو مدعی ہے ان مکانوں کے میں اور زوجہ و پسر و دختر زید مالک ہیں کہ میرے اور زید کے روپے سے خرید کر رہے ہیں حالانکہ واقع میں اس کا روپیہ اصلاً نہ تھا اس صورت میں مالک مکانوں کا کون ہو سکتا ہے؟ بیٹنوا توجروا۔

الجواب

اگر خریدتے وقت عقد بیع و شراہ مالکان مکان و زید سے بنام خالد واقع ہوا تھا تو وہ شراہ شرعاً فضولی تھا اور اجازت خالد پر موقوف،

در مختار میں ہے کہ اگر فضولی مشتری نے شراہ کی نسبت کسی غیر کی طرف کی بائیں طور کہ یوں کہا یہ غلام فلاں کے لئے فروخت کر۔ بائع نے کہا میں نے فلاں کے لئے فروخت کیا، تو یہ شراہ موقوف ہوگی، بزایہ وغیرہا ردالمختار میں ہے کہ اس شخص کی اجازت پر موقوف ہوگی جس کے لئے فضولی نے خریداری کی اگر وہ اجازت

في الدر المختار لو اضافه (يعنى اضافه المشتري الفضولي الشراء الى غيره) بان قال بع هذا العبد لفلان فقال البائع بعته لفلان توقف بزمانية وغيرها اه في رد المختار على اجازة من شري له فان اجاز اجاز وعهدته على المجيز لا على

دیگا تو یہ بشر ارجائز ہو جائیگی اور اس کی ذمہ داری
اجازت دینے والے پر ہوگی نہ کہ عاقد پر۔ (ت)

جبکہ خالد نے مکانات پر قبضہ کیا وہ شر ارجائز و نافذ ہو گیا
كما ان قبض الثمن اجازة لبيع الفضولي
في الدر المختار اخذ المالك الثمن اجازة اه
ملخصا ثم قال و افاد كلامه جواز الاجازة
بالفعل والقول اه۔

جیسا کہ ثمن پر قبضہ کرنا بیع فضولی کی اجازت ہوتا ہے،
در مختار میں ہے کہ مالک کا ثمن وصول کرنا اجازت
ہے اھ ملخص۔ پھر کہا ماتن کا قول اس بات کا
فائدہ دیتا ہے کہ اجازت قول و فعل دونوں سے
جائز ہے اھ (ت)

اور تقریر سوال سے ظاہر کہ ثمن زید نے بطور خودیے اذن و امر خالد اپنے مال سے ادا کیا تو وہ اس امر میں
تبرع و احسان کر نیوالا تھا اور یہ بات خود گفت گو مذکور سوال سے واضح ہے پس مکانات بے شرکت غیرے
خاص ملک خالد ہیں اور اس پر وارثان زید کا کوئی دعویٰ نہ دربارہ مکانات ہے نہ درباب ثمن،

فتاویٰ خیریہ میں ہے اگر کسی نے دوسرے کا قرض
اس کی اجازت سے ادا کیا تو اس سے رجوع کر سکتا
ہے اور متبرع نہ ہوگا کیونکہ اس کی اجازت سے
ادائیگی کی ہے حتیٰ کہ اگر مقروض نے اس کو ادائیگی
قرض کا اذن نہ دیا ہوتا تو یہ احسان کرنے والا قرار
پاتا (یعنی حتیٰ رجوع نہ رکھتا) اس سے معلوم ہوا
کہ اگر کسی نے شوہر کے اذن سے اس کی طرف سے

في الفتاوى الخيرية اذا دفع دين الحق
الاخر باذنه فله الرجوع عليه ولا يكون
متبرعا لاذن حتى اذا لم ياذن له به كان
متبرعا وبه يعلم انه اذا دفع مهر
نزوجه عنه باذنه او ثمن الجارية
التي امره بشرائها يرجع عليه بما دفع
والحال هذه اه۔

اس کی بیوی کا مہر ادا کر دیا یا کسی کی لونڈی کی قیمت ادا کر دی جس کی خریداری کا اس نے حکم دیا تھا تو ادا
کرنے والا شوہر اور لونڈی کے مالک سے رجوع کر سکتا ہے اور صورت حال یہی ہے اھ (ت)

۱۳۶/۴	دار احیاء التراث العربی بیروت	فصل فی الفضولی	کتاب البیوع	۱
۳۲/۲	مطبع مجتہبائی دہلی	"	"	۲
"	"	"	"	۳
۲۳۴/۱	دار المعرفۃ بیروت	"	"	۴

رہا عمرو، اگر واقع میں کچھ روپیہ اس کا بھی ادا ائے ثمن میں صرف ہو اور اس نے بھی مثل زید بطور خود دیا تھا تو وہ بھی متبرع ہے جس کا مطالبہ کسی سے نہیں کر سکتا، اور اگر زید نے اس سے مانگ کر ثمن میں صرف کیا تو غایت یہ ہے کہ یہ قرض عمرو کا زید پر ہوگا اس کے ترکہ سے لے، خالد پر کوئی دعویٰ اسے نہیں پہنچتا، فانہ ان اقرض فانما اقرض زید افعلیہ اس لئے کہ اگر اس نے قرض دیا تھا تو یہ قرض زید کو دیا تھا اسی پر اس کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے العہدۃ لاعلی خالد کہا لا یخفی۔

نہ کہ خالد پر، جیسا کہ پوشیدہ نہیں (ت)

اور اگر عقد بیع و شراہ بنام زید ہوا تھا اگرچہ بعد کو زید نے بیعناموں میں خالد کا نام لکھا دیا تو وہ مکان وقت خریداری ملک زید ہونے

کیونکہ شراہ جب نفاذ کی گنجائش پائے تو عاقد پر نفاذ ہو جاتی ہے جیسا کہ اس پر ہدایہ، در اور عام کتابوں میں نص کی گئی ہے، در میں ہے کہ اگر کسی غیر کیلئے خریداری کی تو خود اس پر نفاذ ہوگی الخ (ت)

لان الشراء اذا وجد نفاذا نفذ على العاقد كما نص عليه في الهداية و الدر المختار وعامة الاسفار في الدر لو اشترى لغيره نفذ عليه الخ۔

اور عمرو کا روپیہ ادا ائے ثمن میں دیا بھی گیا ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مکان خرید کردہ عمرو کے ٹھہریں یا ان میں اس کا حصہ قرار پایا جائے بلکہ تنہا زید ہی اس کا مالک ٹھہرے گا،

فتاویٰ خیرہ میں ہے کہ بیٹے کے یوں کہنے سے کہ میں نے گھر اپنے باپ کے مال سے خریدا ہے گھر باپ کے لئے ثابت نہ ہوگا کیونکہ باپ کے مال سے خریدنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ بیع باپ کے لئے ہو اس لئے کہ اس میں یہ احتمال موجود ہے کہ اس نے باپ کا مال غصب کیا ہو یا قرض لیا ہو۔ (ت)

في الفتاوى الخيرية لا تثبت الدار للاب بقول الابن اشتريتها من مال ابي اذ لا يلزم من الشراء من مال الاب ان يكون المبيع للاب لانه يحتمل القرض والغصب۔

پھر بعد خریداری جو افعال و اقوال زید سے واقع ہوئے اور اس نے وہ مکان خالد کا نام بیعناموں میں

۲۲۰/۴	دار اجیاء التراث العربی بیروت	باب المتفرقات	كتاب البيوع	رد المختار
۳۵۱/۲	نو لکشور لکھنؤ	فصل فی البیع الموقوف	كتاب البيوع	فتاویٰ قاضی خاں
۳۱/۲	مطبع مجتہدانی دہلی	فصل فی الفضولی	"	در مختار
۲۱۹/۱	دار المعرفۃ بیروت	"	"	فتاویٰ خیرہ

لکھا کر اسے سپہ دکر دیئے یہ صریح دلیل ہے،
 فالہبة ایضا یعتقد بالتعاطی دل علیہ
 فروع حمة فی المذهب و فی الدر المختار
 اتخذ لولده اول تلمیذہ ثیا باشم اراد
 دفعها لغيره لیس له ذلک مال مبین
 وقت الاتخاذ انها عاریة^۱ او فی
 العقود الدریة فی تنقیح الفتاوی الحامدیة
 و فی الذخیرة و التجنیس امرأة اشترت
 ضیعة لولدها الصغیر من مالها وقع
 الشراء للام لانها لا تملك الشراء للولد
 و تكون الضیعة للولد لان الام تصیر
 و اہبة۔^۲

چنانچہ ہبہ بھی تعاطی (بامسمیٰ لین دین) سے منعقد
 ہو جاتا ہے اس پر مذہب میں واقع کثیر ذروع
 دلالت کرتی ہیں۔ در مختار میں ہے کہ بیٹے یا شاگرد
 کے لئے کسی نے کپڑے بنائے پھر غیر کو دینے کا
 ارادہ کیا تو اس کو ایسا کرنے کا اختیار نہیں جب
 تک کہ بنانے کے وقت یہ وضاحت نہ کر دی ہو
 کہ یہ کپڑے عاریت ہیں اور عقود الدریہ، فتاوی
 حامدیہ، ذخیرہ اور تجنیس میں ہے کہ ایک عورت
 نے اپنے مال سے نابالغ بچے کے لئے حبسداد
 خریدی تو شرائع ماں کے لئے واقع ہوئی کیونکہ وہ
 بچے کے لئے خریداری کی مالک نہیں اور وہ حبسداد
 بچے کی ہوگی کیونکہ ماں ہبہ کرنے والی بن گئی۔ (ت۔)

پس اس صورت میں بھی بعد قبضہ خالد کے ملک تمام ہوگی اور ان مکانات میں کسی کا کچھ حق نہ رہے
 اور زمین میں اگر عمر و نے کچھ دیا بھی تو اس کا وہی حال ہے جو اوپر مذکور ہوا یعنی بطور تطوع تھا تو کسی پر
 مطالبہ نہیں اور بطور قرض تھا تو وہ قرض زید پر ہے خالد سے کچھ تعلق نہیں، ہاں اگر نفس عقد زید و عمرو
 دونوں کے لئے واقع ہوتا تھا بائع کہتا میں نے یہ مکان تم دونوں کے ہاتھ بیچے، یہ کہتے ہم نے خریدنے
 یا عمر و زید کو اپنی طرف سے اپنے مکان کی خریداری کا وکیل کر دیتا تو البتہ وہ بھتہ مساوی زید و عمرو دونوں کے
 ملک ہوتے اگرچہ عمر و نے زمین میں کچھ نہ دیا ہوتا اور اب یہ ہبہ بنام خالد کہ صرف زید نے کیا محض ناجائز رہتا،
 لاندہ ما یسند الاہبة ملک و هو مشاع ولا یکن
 سکوت عمر و حق یجعل ہبہ لکل
 لان سکوت المالك عند بیع الفضولی
 کیونکہ وہ تو صرف اپنی ملک کو ہبہ کرنے کا مالک ہے
 اور اس کی ملک جزو غیر منقسم ہے (جس کا ہبہ
 جائز نہیں) اور عمر و کا سکوت کافی نہیں کہ دونوں کا

لا یكوت رضا كما فی الاشباہ فكيف
 بالهبة۔
 ہبہ بنا دیا جائے کیونکہ فضولی کی بیع کے وقت مالک
 کا سکوت اس کی رضا نہیں ہوتا جیسا کہ اشباہ
 میں ہے تو ہبہ میں ایسا کیسے ہو سکتا ہے (ت)

۹۹ مسئلہ از پٹی بھیت مرسلہ مولوی عبدالاحد صاحب ۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۶ھ
 کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے بحالت مرض الموت ایک حقیقت
 بچی وارث بیع کی بہ امورات خیر تو یہ وقف رہا یا بیع؟ ایسی صورت میں یہ بیع بھی ایک ثلث میں بچی
 وارث رہ سکتی ہے یا نہیں؟ یہ بیع ایسی حالت میں بیع جانی جائے گی یا ہبہ؟ فقط بتینواتوجروا۔
 الجواب

جبکہ بیع کی ہے تو وہ عقد نہ وقف ہو سکتا ہے نہ ہبہ ہو سکتا ہے بلکہ بیع ہی ہوگا اگر واقعی اسی
 مرض میں ہے جسے شرعاً مرض الموت مانا جائے تو وارث کے ہاتھ بے اجازت دیگر ورثہ مطلقاً ناجائز ہے
 نہ ثلث میں نافذ ہو سکتی ہے نہ ہزاروں حصے میں۔ واللہ تعالیٰ اعلم
 مسئلہ از قصبہ فیروز آباد ضلع آگرہ مسئلہ سید بشارت علی و سرفراز علی سوداگران چوڑی
 ۲ ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اس زمانے میں گورنمنٹ نے شہر بہ شہر، قصبہ بہ قصبہ،
 گاؤں بگاؤں مولشی خانے مقرر کر رکھے ہیں اس میں لاوارثی گائے بیل بکری وغیرہ داخل کی جاتی ہیں اور
 وہ زیادہ سے زیادہ پندرہ یوم مولشی خانہ میں اس وجہ سے رہتی ہے کہ جب مالک مولشی آئے گا اس
 وقت زبردجرمانہ و زبردخوراک وصول کر کے چھوڑ دیا جائے گا اور جب میعاد مقررہ تک مالک اس
 نہیں آیا تو اس جانور کو حاکم پرگنہ یا حاکم متعلقہ نیلام کر دیتا ہے، اب سوال یہ ہے کہ ایسی بیع جائز
 ہے یا نہیں؟ اور اس قسم کی گائے بیل وغیرہ نیلام میں سے خرید کر کے بقرہ عید پر قربانی کرنا اس جانور
 کا جائز ہے یا نہیں؟ دوسری بات یہ ہے کہ اگر ایسے جانور کو دوسرا شخص خریدے خواہ ہندو یا مسلمان
 پھر اس سے ایک اور شخص خرید کر کے قربانی کرے تو جائز ہے یا نہیں؟ قربانی کرنے والے کو اس کا
 علم ہے کہ اس نے مولشی خانہ میں سے نیلام میں خریدی ہے زید و عمرو دونوں مولوی ہیں یہ دونوں
 کہتے ہیں کہ ایسے جانور کی قربانی جائز ہے اور بکر ایک مولوی ہے وہ یہ کہتا ہے کہ یہ جانور حکم لقیط میں ہے
 لہذا ایسے جانور کی قربانی بھی ناجائز ہے۔ بتینواتوجروا۔

لہ الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدة الثانية عشر ادارة القرآن کراچی ۱۸۵/۱

الجواب

جو چیز بے اطلاع مالک بیچی جائے وہ بیع اجازت مالک پر موقوف رہتی ہے قبل از اجازت اگر سو بیعیں کیے بعد دیگرے ہوں سب اسی کی اجازت پر موقوف رہیں گی اور قبل اجازت اس میں کوئی اس کا مالک نہ ہوگا نہ اس کا تصرف جائز ہو، نہ اس کی قربانی ہو سکے، لفظہ کا حکم تشہیر ہے اس کے بعد فقیر پر تصدق نہ کہ بلا تشہیر بیع۔ ہاں بعد اطلاع جس بیع کو وہ نافذ کر دے نافذ ہو جائیگی جبکہ بائع و مشتری و بیع قائم ہوں۔ فتاویٰ قاضیخان و فتاویٰ عالمگیریہ وغیرہا میں ہے:

اذ اباع الرجل مال الغیر عندنا یتوقف
البیع علی اجازة المالك و یشترط
لصححة الاجازة قیام العاقدین و
المقعود علیہ

جب کسی شخص نے غیر کا مال فروخت کیا تو ہمارے
نزدیک یہ بیع مالک کی اجازت پر موقوف ہوگی
اور اجازت کے صحیح ہونے کے لئے شرط ہے
کہ عاقدین اور مقعود علیہ قائم ہو۔ (ت)

مسئلہ از بنارس محلہ کچی باغ علاقہ جیت پورہ مرسلہ خلیل الرحمن صاحب ۲۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۲ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں جو کچھ از روئے کتب معتبرہ ہو
بیان فرمائیں، بیٹو اتوجروا

واضح ہو کہ مسمیٰ حسام جب بیمار ہوئے تو حالت بیماری میں اپنا مکان اپنی زوجہ و اپنی دختر دونوں
کے ہاتھ بیع کیا مگر گواہان سے ثابت ہوا کہ زہرا زہرا و گواہوں کے مشترکوں نے ادا نہیں کیا اور بعد
بیع کرنے مکان کے مسمیٰ حسام ایسے نہ ہوئے کہ چار پائی سے اٹھ کر کام ضروری کرتے آخر بعد اکیس یوم کے
قضا کر گئے اور بعد قضا کرنے حسام کے ان کی دختر بھی ایک ہفتہ کے بعد مر گئی، اور پھر گزرنے مدت پانچ ماہ
کے لڑکا حسام کا پیدا ہوا، اور بعد پیدا ہونے بیٹے کے مسماۃ جان بی بی زوجہ حسام بیمار ہوئیں اور بیماری
کی حالت میں زوجہ حسام نے مکان مذکور کو ایک شخص کے ہاتھ بیع کیا اور بعد بیع کرنے مکان کے چار روز
بعد زوجہ حسام بھی قضا کر گئیں فقط۔

لڑکا حسام کا جو پیدا ہوا تھا وہ تنہا رہا، پھر وہ لڑکا بھی دو مہینے بعد مر گیا، جب سب لوگ
مر گئے کوئی نہ بچا مگر ایک برادر زادہ حسام کے مسمیٰ یا محمد ہیں، تو یار محمد سے اور جس کے ہاتھ زوجہ حسام نے

مکان بیع کیا تھا اس سے تنازع ہوئی، مشتری نے کہا کہ ہم نے خرید اسے اور یار محمد نے کہا کہ ہمارا حق ہوتا ہے ہم مالک ہیں، غرض کہ جب جھگڑا زیادہ اہل محلہ نے دیکھا تب بچوں نے دونوں سے کہا کہ جھگڑو نہ ہم لوگ تمہارا جھگڑا طے کر دیں گے، پانچ جمع ہوئے، مطلب سے آگاہ ہوئے یعنی مشتری نے کہا کہ حشام بعد بیع کرنے مکان کے تندرست ہو گئے تھے اور یار محمد بھتیجے حشام نے کہا کہ بیع کرنے کے بعد چچا اپنی چار پائی سے نہ اٹھے اور فوت ہوئے، اس بات میں بچوں نے صلاح کیا کہ جو لوگ قریب مکان کے رہتے ہیں ان سے دریافت کرنا چاہئے تب دو آدمی بڑوسی کو بلایا ایسے کہ وہ لوگ حشام کے گھر جاتے رہتے تھے، وہ لوگ آئے یعنی مسیٰ الہی بخش و مسیٰ جان محمد، دونوں گواہوں سے پوچھا گیا تو جو گواہوں نے شہادت دی ہے وہ رقم ہوتا ہے فقط۔

بیان الہی بخش گواہ کا یہ ہے: الہی بخش از روئے حلف بمقابلہ بچوں کے مسجد میں بیان کیا کہ میں گاہ گاہ ان کے گھر جاتا تھا تو حالت حشام کی ایسی تھی کہ سوائے چار پائی کے کہیں جا نہیں سکتے تھے اور ضعف اس قدر تھا کہ واسطے حاجات ضروری کے مکان سے باہر نہیں جاسکتے تھے مکان کے اندر پاخانہ و پیشاب کرتے تھے اور بیع نامہ لکھنے کے تخمیناً ایک ماہ سے کمتر میں انتقال کر گئے۔

بیان جان محمد گواہ کا یہ ہے: مسجد میں بیان کیا گیا کہ حشام نے جب بیع نامہ لکھا تو حالت ان کی یہ تھی کہ سوائے چار پائی کے کہیں جا نہیں سکتے تھے، بیماری میں ضعف اس قدر تھا کہ واسطے پاخانہ و پیشاب کے مکان کے باہر نہیں جاسکتے تھے اندر ہی مکان کے حاجت ادا کرنے تھے میں گاہ گاہ ان کی عیادت کو جاتا رہتا تھا تو اسی چار پائی پر جھک کر حقہ بھی بھر لیتے تھے اور اسی بیماری میں تخمیناً ایک ماہ سے کمتر میں قضا کر گئے۔

الجواب

بیع جو مرض الموت میں وارث کے نام کی جائے حکم وصیت میں ہے کہ بعد موت مورث بے اجازت وارث باطل ہے۔ فتاویٰ امام قاضیخان وغیرہ میں ہے:

من البیع الموقوف اذا باع المريض
فی مرض الموت من وارثه عینا
من اعیان مالہ ان صح
جانا بیعہ وان مات من
ذلك المريض ولم یجب
موقوف بیوع میں سے ہے کہ جب مریض نے
مرض موت میں اپنے مال میں سے جو معین چیز
اپنے کسی وارث کے ہاتھ فروخت کی اب اگر وہ
صحیاب ہو گیا تو بیع جائز ہو جائے گی اور اگر
اسی بیماری میں مر گیا اور اس کے وارثوں نے

الورثة بطل البیع لہ

اس بیع کی اجازت بھی نہ دی تو بیع باطل
ہو جائے گی۔ (ت)

اور وقت اجازت متصل موت مورث ہے یہاں تک کہ حیات مورث میں اجازت ورثہ معتبر نہیں۔ ہدایہ
میں ہے؛

لا معتبر باجاننا تہم فی حال حیاتہ لانہا
قبل ثبوت الحق، اذ الحق یشبت
عند الموت۔
مریض کی زندگی میں وارثوں کی اجازت معتبر نہیں
کیونکہ یہ اجازت ثبوتِ حق سے پہلے ہوئی اس لئے
کہ وارثوں کا حق تو مریض کی موت کے وقت ثابت
ہوگا۔ (ت)

اور موت ہشام سے چند ماہ بعد لڑکا پیدا ہونے سے ثابت ہوا کہ وقتِ موت مورث یہ لڑکا بھی ایک
وارث تھا اور بچہ کہ ہنوز پیٹ میں ہو ظاہر ہے کہ نہ تو خود اس کی اجازت متصورانہ اس کی طرف سے کسی
کی اجازت ممکن کہ پیٹ کے بچے پر اللہ ورسول جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوا کسی ولی یا وصی

عہ اللہ جل جلالہ کا ولی و والی جملہ عالم ہونا ظاہر اور اس کی خلافت سے حضور پر نور سید عالم خلیفہ عظیم
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولایت بھی ہر شئی پر ہے اور خود جنین پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی
ولایت فقیر قرآن عظیم و حدیث صحیح سے ثابت کر سکتا ہے، آیت تو قول الہی عزوجل النبی اولی بالمؤمنین
من انفسہم جس میں ارشاد ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر مسلمان پر اس کی جان سے زیادہ
ولی و والی و مختار و صاحب تصرف و اقدار ہیں، اور شک نہیں کہ جنین بھی انسان ہے اور وہ یقیناً کافر
نہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں؛

کل مولود یولد علی فطرۃ الاسلام۔
ہر بچہ فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے (ت)
(باقی بر صفحہ آئندہ)

۲۵۳/۲	فصل فی البیع الموقوف نوکسور لکھنؤ	کتاب البیوع	لہ قادی قاضی خاں
۶۵۱/۲	مطبع یوسفی لکھنؤ	کتاب الوصایا	لہ الہدایہ
		۶/۳۳	لہ القرآن الکریم
۱۸۱/۱	قدیمی کتب خانہ کراچی	کتاب الجنائز	لہ صحیح البخاری
۳۳۶/۲	”	کتاب القدر باب معنی کل مولود یولد علی الفطرۃ	صحیح مسلم

یا حاکم یہاں تک کہ خود باپ کو بھی ولایت نہیں، ولوالجیہ پھر معین مفتی پھر غمزا العیون، القول فی الملک میں ہے:

جنین پر باپ کو ولایت حاصل نہیں (ت)

لا ولاية للاب على الجنين

ثالث میں ثانی سے ہے:

تبیین میں ہے حمل کے لئے ہبہ درست نہیں کیونکہ قبول و قبضہ ہبہ کی شرائط میں سے ہے جبکہ جنین سے یہ متصور نہیں اور نہ ہی اس پر کسی کو ولایت حاصل ہے کہ وہ اس کی طرف سے

وفي التبیین ولا تصح الهبة للحمل
لان الهبة من شرطها القبول
والقبض ولا يتصور ذلك من الجنين
ولا يلي عليه احد حتى

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے:

فطرت اللہ التي فطر الناس علیہا۔ اللہ کی فطرت وہ ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا فرمایا۔ (ت)

اہلسنت کے نزدیک ایمان و کفر میں واسطہ نہیں تو جنین ضرور مومن ہے اور بحکم آیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر مومن کے ولی و والی ہیں، یہ ثبوت آیت سے ہوا، اور حدیث سے یہ کہ ابھی فقہائے کرام کی تصریحیں سن چکے کہ جنین کا کوئی ولی نہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

جس کا کوئی ولی نہ ہو اس کے ولی و والی و مولیٰ اللہ و رسول ہیں جل و علا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (اسے ترمذی نے روایت کیا اور اسے حسن قرار دیا اور ابن ماجہ نے اسے امیر المؤمنین

اللہ ورسوله مولیٰ من لا مولیٰ له۔
سواہ الترمذی و حسنہ و ابن ماجہ
عن امیر المؤمنین الفاروق رضی اللہ
تعالیٰ عنہ ۱۲ منہ غفرلہ (م)

عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ (ت) ۱۲ منہ غفرلہ

۱۰ غمزا عیون البصائر مع الاشباہ الفن الثالث القول فی الملک ادارة القرآن الخ کراچی ۲/۲۰۳

۱۱ العترة آن الکریم ۳۰/۳۰

۱۲ سنن ابن ماجہ ابواب الفرائض باب ذوی الارحام ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۰۱

يقبض عنه فصار كالبيع، قلت فقد افاد
رحمه الله تعالى انه لا ولاية لاحد على
الجنين اصلا وبه ظهر خطأ من افق
ان الوصي يملك التصرف في المال
الموقوف للحمل ۱۶

قبضہ کرے چنانچہ یہ بیع کی طرح ہو گیا ، میں کہتا ہوں
کہ مصنف علیہ الرحمۃ نے اس بات کا فائدہ دیا کہ
بیشک جنین پر کسی کو کسی قسم کی ولایت بائیں حاصل
نہیں تو اس سے اس شخص کی غلطی ظاہر ہو گئی جس نے
یہ فتویٰ دیا ہے کہ حمل کے لئے رکھے ہوئے مال میں
وصی تصرف کرنے کا مالک ہے (ت)

عقود الدریہ میں منہج الغفار سے ہے ؛

لا ولاية للاب على الجنين فضلا عن الوصي
لقول الزيلعي ولا يلي على الحمل ۱۷

باپ کو جنین پر ولایت حاصل نہیں تو وصی کو کیسے
حاصل ہو سکتی ہے بسبب زیلعی کے قول کے کہ
اس کو حمل پر ولایت نہیں (ت)

اور جو عقد جس وقت محتاج اجازت ہو اور اس وقت اس کا اجازت دینے والا کوئی نہ ہو وہ باطل محض ہوتا ہے
کہ پھر آئندہ کوئی صالح اجازت پیدا ہو کر اجازت بھی دے تو جائز نہیں ہو سکتا ، درمختار میں ہے ؛

ملا مجيز له حالة العقد لا ينعقد اصلا
ببانه صبي باع مثلاً ثم بلغ قبل اجازة وليه
فاجازة بنفسه جائز لان له وليا مجبزة
حالة العقد بخلاف ما لو طلق مثلاً ثم بلغ
فاجازة بنفسه لم يجز لانه وقت العقد
لا مجيز له فيبطل ۱۸

جس بیع کا بوقت عقد کوئی اجازت دینے والا نہ ہو
وہ اصلاً منعقد نہیں ہوتا ، اس کا بیان یہ ہے کہ
نابالغ بچے نے بیع کی پھر ولی کی اجازت سے قبل
بالغ ہو گیا اور بذات خود اس کی اجازت دے دی
تو بیع جائز ہوگی کیونکہ بوقت عقد اس بیع کی اجازت
دینے والا اس کا ولی موجود تھا جو بیع کی اجازت

دے سکتا تھا بخلاف اس کے کہ اس نے نابالغی کی عمر میں طلاق دی پھر بالغ ہو کر بذات خود اس کی
اجازت دی تو یہ طلاق جائز نہ ہوگی کیونکہ بوقت عقد اس کا کوئی اجازت دہندہ نہ تھا لہذا یہ باطل ہوگی (ت)
تو ظاہر ہوا کہ صورت مستفسرہ میں یار محمد و مشتری کا اختلاف کہ ہشام نے وہ بیع صحت میں کیا عرض الموثق

۱۷ غزعیون البصائر مع الاشباه الفن الثالث القول فی الملک ادارة القرآن الخ کراچی ۲/۲۰۳
۱۸ العقود الدریة فی تنقیح الفتاوی الحامدیة کتاب الوصایا باب الوصی ارگ بازار قندھار افغانستا ۲/۳۳۰
۱۹ درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتہبی دہلی ۲/۳۱

میں درحقیقت اس بیع کے انعقاد و بطلان میں اختلاف ہے مشتری مدعی ہے کہ وہ بیع شرعاً منعقد ہے اور یا محمد کتا ہے منعقد نہیں بلکہ محض باطل و کالعدم ہے اور جب بیع کے بطلان و انعقاد میں اختلاف واقع ہو تو قول اس کا بخلف معتبر ہے جو قائل بطلان ہو۔ اشباہ والنظائر و رد المحتار میں ہے؛

اختلف المتبايعان في الصحة والبطلان
فالقول لمدعى البطلان وفي الصحة و
الفساد لمدعى الصحة الا في مسألة
في اقالة له

بائع اور مشتری کا بیع کی صحت و بطلان میں اختلاف واقع ہو تو بطلان کا دعویٰ کرنے والے کا قول معتبر ہوگا اور اگر صحت و فساد میں اختلاف ہو تو صحت کا دعویٰ کرنے والے کا قول معتبر ہوگا سوائے اقالہ کے (ت)

اسی طرح جب صحت و مرض میں اختلاف ہو کہ مورث نے یہ عقد وارث کے ساتھ یا اس کے لئے فلاں اقرار اپنے مرض میں کیا یا صحت میں، تو قول اس کا معتبر ہے جو مرض میں ہونا بتاتا ہے۔ رد المحتار میں ہے؛

لو اقر لوارث ثم مات فقال المقر له
اقر في صحته وقال بقیة الورثة في مرضه
فالقول قول الورثة والبینة للمقر له
وان لم یقم بینة واسر اداستحلا فهم
له ذلك له

اگر کسی نے اپنے کسی وارث کے لئے کسی شے کا اقرار کیا پھر مر گیا اب مقر لہ (جس کے لئے اقرار کیا گیا) کہتا ہے کہ یہ اقرار اس نے حالت صحت میں کیا جبکہ دیگر ورثاء کہتے ہیں کہ اس نے یہ اقرار مرض الموت میں کیا تو دیگر وارثوں کا قول معتبر ہوگا اور گواہ پیش کرنا مقر لہ کے ذمے ہے اگر وہ گواہ پیش نہ کرے اور دیگر وارثوں سے قسم لینا چاہے تو اس کو ایسا کرنے کا حق ہے۔ (ت)

اسی میں ہے؛

في الانقروى ادعى بعض الورثة ان
المورث وهبه شيئا معينا
وقبضه في صحته وقالت

انقروى میں ہے کسی وارث نے دعویٰ کیا کہ مورث نے اپنی کوئی معین شے اس کو ہبہ کی اور مورث کی حالت صحت میں اس وارث نے موہوب شے

۱۵ در مختار کتاب البيوع باب الاقالة مطبع مجتبائی دہلی ۳۴/۲
اشباہ والنظائر الفن الثاني کتاب البيوع ادارة القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۳۲۶/۱
۱۶ رد المحتار کتاب الشهادات باب القبول وعدمه دار احیاء التراث العربی بیروت ۳۸۶/۴

البقية كان في المرض فالقول لهم و
ان اقاموا البينة فالبينة لمدعى
الصحة له

پر قبضہ کر لیا تھا جبکہ باقی ورثہ کتے ہیں کہ یہ سب
کچھ مرض الموت میں ہوا تو باقی وارثوں کا قول
معتبر ہوگا اور اگر وہ گواہ پیش کریں تو گواہ اس کے
معتبر ہونگے جو حالتِ صحت کا دعویٰ کر نیوالا ہے (ت)

پس صورتِ سوال میں یار محمد کو حاجتِ گواہان نہ تھی بلکہ مشتری سے گواہ لئے جائیں اگر وہ
گواہان عادل ثقہ متقی سے ثابت کر دے کہ یہ بیع ہشام نے اپنی تندرستی میں کیا اس بیع کے بعد وہ
تندرست ہو گیا تھا، یا وہ گواہ نہ دے سکے اور یار محمد سے قسم چاہے، اور یار محمد بچوں کے سامنے قسم
کھانے سے انکار کرے تو ان دونوں صورتوں میں ثابت ہو جائے گا کہ ہشام نے جو بیع اپنی زوجہ و
دختر کے ہاتھ کی ضرور صحیح و نافذ تھی عورتیں اس مکان کی مالک مستقل ہو گئیں اور اگر بیع میں تفصیل حصص
نہ تھی تو دونوں نصفاً نصف کی مالک ہوئیں، پھر جب دختر نے انتقال کیا اور اس کی موت سے چھ مہینے
کے اندر اس کا بھائی پیدا ہوا تو ظاہر ہوا کہ یہ بھی بہن کا وارث ہے، اب کہ زوجہ ہشام نے اپنے
مرض میں کل مکان مشتری کے ہاتھ بیع کر دیا، اگر یہ مشتری بالعدہ کا وارث نہیں تو بیع اس قدر میں صحیح
ہو گئی جو ملکِ زوجہ مذکورہ تھا یعنی نصف مکان کہ بیع ہشام سے اس کی ملک ہو اور نصف دیگر ملکِ دختر
سے ایک ثلث جبکہ اسے ثلث سے کوئی حاجب نہ ہو، باقی دو ثلث نصف یعنی کل مکان کا ایک ثلث حتیٰ برادر تو
پیدا ہوا، اگر مادر و برادر مذکور کے سوا دختر کا کوئی اور وارث نہ ہو، پھر جب لڑکا مر گیا اور یار محمد کے سوا
اس کا کوئی وارث نہ ہو تو وہ ثلث یار محمد کا ہو اس قدر اسے واپس دے، اور اگر مشتری گواہ نہ دے سکا
یا گواہ عادل شرعی قابل قبول نہ تھے اور یار محمد نے بچوں کے سامنے بطلب مشتری حلف کر لیا کہ ہشام نے یہ
بیع اپنے مرضِ موت میں کیا تو اس صورت میں وہ بیع باطل ہوئی، پھر بعد موتِ ہشام اگر اس کے وارث یہی
زن و لیسر و دختر ہیں عورت کا ایک ثمن اور دختر کے $\frac{2}{3}$ ہوتے ان میں سے بشرطِ مذکور ایک ثلث یعنی $\frac{1}{3}$
پھر زوجہ ہشام کو پہنچے تو وقت بیع زوجہ ہشام صرف $\frac{1}{2}$ یعنی $\frac{1}{2}$ کی مالک تھی اسی قدر میں بیع قائم رہ سکتی ہے
مشتری باقی مکان بشرطِ مذکور یعنی مکان کے ۹ حصوں سے ۷ حصے یار محمد کو واپس دے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

بابُ الاقالة

(بیع اقالہ کا بیان)

مسئلہ ۱۰۲ از مراد آباد محلہ بارہ شاہ صفا مسئلہ حافظ عبدالمجید ۶، سوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک جائداد عمرہ کی چھ سو پچاس روپے پر اپنے دوست بکر کے ذریعہ خریدنے کے لئے طے کرائی، قیمت طے ہونے کے بعد سو روپیہ بطور بیعنامہ عمرہ کو دے کر رسید لکھوائی، رسید میں بکر نے دھوکے سے اپنا نام بھی تحریر کر لیا اور دعویٰ کر دیا کہ جائداد تو میری اور تمہاری دونوں کی مشترک طے ہوئی، حالانکہ یہ بالکل غلط ہے، یہ قصہ نچایت میں ڈالا گیا، بچوں نے دونوں سے پچاس پچاس روپے لے کر جمع کرائے اور کہا جو شخص یہ روپیہ لے گا اُسے جائداد نہیں ملے گی اور جو جائداد لے گا یہ روپیہ نہیں لے سکتا۔ زید نے جائداد خریدنی منظور کی، بکر نے سو روپے اٹھائے اور رسید لکھنی چاہی، ابھی لکھی نہ تھی کہ بکر کے محلہ والے جو زید سے بغض و عداوت رکھتے ہیں زید سے بولے کہ یہ رسید بیعنامہ عمرہ کو واپس کر دو ہم تم کو یہ جائداد خریدنے نہ دیں گے بلکہ اسے مسجد کی آمدنی کے لئے خریدیں گے، زید نے بہ مجبوری رسید عمرہ کو واپس کر دی، اب بے اجازت زید آمدنی مسجد کے لئے یہ جائداد خریدیں یہ جائز ہے یا نہیں؟ بکر کے اہل محلہ یہ بھی کہتے ہیں کہ تمہارا اس میں کچھ دخل نہیں نہ تمہاری رضامندی کی ضرورت ہے۔ بیٹنوا تو جردوا۔

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں کہ زید نے بکر کو ایک شے معین خریدنے کا وکیل کیا اُسے کوئی اختیار نہ تھا کہ غیبت

الجواب

یہ سئلہ تنقیح طلب ہے ہم اولاً عبارات کتب ذکر کریں پھر بتوفیق اللہ تعالیٰ اپنی تحقیق پھر صورتِ مسئلہ کا حکم وباللہ التوفیق،

تو جان لے کہ ہمارے امہ کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم نے متون میں مراہجہ کی تعریف یوں کی ہے کہ مراہجہ وہ بیع ہے کہ عقد اول کے ساتھ جس چیز کا مالک ہوا ہے اس کو ثمن اول مع کچھ نفع کی زیادتی کے دوسرے کو منتقل کرنا، جیسا کہ ہدایہ میں ہے، کنز میں اس کو مختصر کر کے کہا کہ ثمن اول اور کچھ اضافے کے ساتھ فروخت کرنا، عام فقہاء کا کلام اسی تعریف کے گرد گھومتا ہے۔ شارحین نے اس پر اعتراض کیا کہ یہ تعریف جامع اور مانع نہیں، انہوں نے اس میں طویل کلام کیا جو کئی فروعی حکام کا مفید ہے اور تحقیق ان میں سے اکثر اعتراضوں کے تام یا غیر تام جوابات دئے گئے جیسا کہ عنایہ اور فتح وغیرہ میں اس کی تفصیل مذکور ہے۔ چونکہ اکثر اعتراضات کا منشا لفظ عقد اور لفظ ثمن ہے، چنانچہ درر میں ان دونوں کو چھوڑ کر یوں کہا کہ جس چیز کا مالک ہوا ہے وہ چیز جتنے میں اس کو پڑی ہے اس کی مثل اور کچھ زیادہ کے ساتھ اس کو منتقل کرنا، یہ تعریف بھی بعض اعتراضات سے

فاعلم ان اثنتا عشرتهم اللہ تعالیٰ عرفوا المرابحة في المتون بانها نقل ما ملكه بالعقد الاول بالثمن الاول مع زيادة ربيع كما في الهداية، واختصره في الكنز فقال بيع بثمان سابق وزيادة وكلام عامتهم تدور حول ذلك واعترضهم الشراح بانه منتقض طردا وعكسا واطالوا فيه بما افادوا احكام فروع وقد اجيب عن اكثر الايرادات بما يتم اولها بسطه في العناية والفتح وغيرها ولما كانت منشا اكثرها العقد والثمان تركهما في الدرر وقال بيع ما ملكه بمثل ما قام عليه بزيادة ولا يسلم ايضا من بعض النقوض ولنا ههنا بصدد سردها مع مالها وعليه وقام

۴۳/۳	مطبع نوسفی لکھنؤ	باب المرابحة والتولية	كتاب البيوع	له الهداية
ص ۲۳۲	ایچ ایم سعید پبلیشرز کراچی	باب التولية والمرابحة		۲ کنز الدقائق
۱۸۰/۲	میر محمد کتب خانہ کراچی	باب المرابحة والتولية	شرح غرر الاحکام	۳ الدرر الحکام فی شرح غرر الاحکام

العلامة البحراني البحرائق ياتي
 بعد جامع مانع لا يرد عليه شئ
 اصلا فاطال بالاستيعاب شروط
 الجواز ولم يتم ايضا كما ستعرفه
 ان شاء الله تعالى ووقع ههنا
 في نسخته المطبوعة نقل
 ما ملكه بغير عقد الصلح
 والهبة بشرط عوض بما يتعين
 بعين ما قام عليه او بمثله
 او برقمته الخ قال محشي العلامة
 الشامي في المنحة قوله
 بما يتعين متعلق بما
 ملكه اه وهذا يفيد انه
 كذلك بالياء في نسخته
 وقد يحنح الى تاييده
 قول البحر تحت قول الماتن
 شرطهما (اي التولية و
 المرابحة) كون الثمن
 الاول مثليا مانصه عبارة
 الجمع اولى و هي
 ولا يصح ذلك حتى يكون
 العوض مثليا او مملوكا للمشتري

محموظ نہیں اور ہم ان اعتراضات کی تفصیل ان
 کے مالہ اور ما علیہ کے درپے نہیں ہیں۔ علامہ
 صاحب البحر اس بات پر مکرم لیسے ہوئے کہ وہ
 بحر الرائق میں ایسی جامع مانع تعریف لائیں گے
 جس پر کوئی اعتراض وارد نہ ہوتا ہو، چنانچہ انھوں
 نے شروط جواز کا احاطہ کرنے پر طویل کلام کیا مگر وہ بھی
 تمام نہیں جیسا کہ ان شار اللہ تعالیٰ عنقریب
 توجان لے گا، یہاں پر نسخہ مطبوعہ میں یوں واقع ہے
 کہ عقد صلح اور ہبہ بشرط عوض کے بغیر جس چیز کا
 متعین ثمن کے بدلے میں مالک ہوا ہے اس کو
 بعینہ اس ثمن کے بدلے میں جس میں اس کو پڑی
 یا اس کی مثل کے بدلے میں یا اس پر لکھی ہوئی قیمت
 کے بدلے میں منتقل کرنا الخ اس کے محشی علامہ شامی
 نے نسخہ میں فرمایا صاحب بحر کا قول "بما يتعين"
 اس کے قول "ما ملكه" سے متعلق ہے اور
 یہ اس امر کا مفید ہے کہ محشی کے پیش نسخہ میں بھی عبارت
 اسی طرح ہے یعنی "بما" پر بار کے ساتھ، اور اس
 کی تائید کی طرف مائل ہے ماتن کے قول "تولية مرابحة
 دونوں کے لئے ثمن اول کا مثلی ہونا شرط ہے" کے
 تحت وارد ہونے والا بحر کا قول جس میں اس نے نص
 کی کہ مجمع کی عبارت اولی ہے جو یہ ہے کہ تولیہ مرابحہ
 صحیح نہیں ہوتا جب تک عوض مثلی یا مشتری کی

لہ بحر الرائق کتاب البيوع باب المرابحة والتولية
 لہ نسخة الخائي على البحر الرائق
 ایچ ایم سعید پبلیشرز کراچی ۱۰۶/۶
 "

قال ولكن لا بد من التقييد بالمعین
للاحتراز عن الصرف فانه
لا يجوز ان فيها ما فانه ههنا
في بيان العوض فاوهم اشتراط
ان يكون ملكه بما
يتعين .

اقول وهو ظاهر البطلان
ولا قائل به احد من الناس
والا لامتنعت المراجعة والتولية
في البياعات المطلقة عن اخرها
لكون الاثمان فيها مما لا يتعين وقد قال
الامام السمرقندی في تحفة الفقهاء و
عنها في غاية البيان اذا باع شيئاً مراجعة
على الثمن الاول، فلا يخلو اما ان يكون
الثمن من ذوات الامثال كالدرهم و
الدنانير والمكيل والموزون والمعدود
المتقارب، او يكون من الاعداد المتفاوتة
مثل العبيد والدور والثياب والرمات و
البطاطخ وغيرها اما اذا كان الثمن الاول مثلياً
فباعه مراجعة على الثمن الاول وزيادة
ربح فيجوز سواء كان الربح من جنس الثمن الاول
اولم يكن بعد ان يكون شيئاً مقداراً معلوماً نحو
الدرهم وثوب مشار اليه او ديناراً الخ

ملکیت میں نہ ہو۔ صاحب بقر نے کہا لیکن عبارت مجمع
کے لئے معین کی قید ضروری ہے تاکہ بیع صرف سے
احتراز ہو جائے کیونکہ تولیہ و مراجعہ دونوں درہم و
دنانیر میں جائز نہیں اور کیونکہ اس عبارت میں یہ قید
بیان عوض میں ہے لہذا اس سے وہم ہوتا ہے
کہ وہ معین ثمن کے عوض مالک بنا ہو۔

اقول (میں کہتا ہوں) کہ اس کا باطل ہونا
ظاہر ہے اور نہ ہی لوگوں میں اس کا کوئی قائل ہے
ورنہ مراجعہ و تولیہ تمام بیاعات مطلقہ میں ممنوع ہو جائیگی کیونکہ
ان میں ثمن غیر معین ہوتے ہیں، امام سمرقندی نے
تحفة الفقہاء میں کہا اور اسی کے حوالے سے
غایۃ البیان میں ہے کہ جب کسی نے ثمن اول پر
کچھ نفع کے ساتھ کوئی چیز فروخت کی تو وہ ثمن
دو حال سے خالی نہیں کہ وہ ذوات الامثال میں سے
ہے جیسے درہم، دینار، کیلی، وزنی اور عددی
متقارب یا وہ عددی متفاوت میں سے ہے جیسے
غلام، کپڑے، مکانات، تہ بوز اور انار وغیرہ۔
بہر حال اگر ثمن اول مثلی ہو اور اس نے ثمن اول
پر کچھ نفع لگا کر بیع کی تو جائز ہے چاہے وہ نفع
ثمن اول کی جنس سے ہو یا نہ ہو بعد اس کے وہ
معین و معلوم شے ہو جیسے درہم اور ایسا کپڑا
جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہو یا دینار الخ میرے
نزدیک درست بات یہ ہے کہ "بما يتعين"

۱۰۸/۶

لے بحر الرائق کتاب البیوع باب المراجعة والتولية ایچ ایم سعید کمپنی کراچی
لے تحفة الفقہاء " باب الاقالة والمراجعة دارالکتب العلمیہ بیروت

فالصواب عندی ان الباء فی بما یتعین
 من خطأ النساخ وانما هو مما یتعین
 ای ما ملکہ حال کونہ من الاشیاء التي
 یتعین فی العقود فالتعین شرط فیما ملکہ
 وهو الذی یرید نقله مرابحة لانی عوضه
 وقال فی الکفایة قوله نقل ما ملکہ ای من
 السلع لانه اذا اشتری بالدرهم الدنانیر
 لایجوز بیع الدنانیر بعد ذلك مرابحة اه
 وقال فی العناية بعد ذکر الایرادات
 علی حد المتن قبل فعلی هذا
 الاول ان یقال نقل ما ملکہ
 من السلع بما قام عندہ اه و
 قال سعدی افندی فی حاشیتها
 المراد بما ملکہ هو المملوک
 المعهود الذی کان الکلام
 الی هنا فیہ اعنی السلع اه
 قال فی جامع الرموز التولية
 ان یشرط فی البیع ای
 بیع العرض احترام عن الصرف
 فالتولية والمرابحة لم تکنوا
 فی بیع الدراهم و دنانیر كما

پر "بأ" کاتبوں کی غلطی سے ہے (در اصل) وہ
 "مما یتعین" ہے یعنی جس چیز کا وہ مالک ہوا
 درانحالیکہ وہ ان اشیاء میں سے ہو جو عقود میں متعین
 ہوتی ہیں چنانچہ تعین اس مملوکہ شے میں شرط ہے
 جس کو وہ بطور مرابحہ منتقل کرنا چاہتا ہے عوض
 میں تعین شرط نہیں، اور کفایہ میں کہا کہ ماتن کا قول
 کہ منتقل کرنا اس چیز کو جس کا وہ مالک ہوا، اس
 چیز سے سامان مراد ہے کیونکہ اگر درہموں کے بدلے
 دنانیر خریدے تو اس کے بعد ان دیناروں کی بیع
 بطور مرابحہ جائز نہیں اور عنایہ میں متن پر وارد ہونے
 والے اعتراضات کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہا گیا ہے
 کہ اس بنا پر بہتر تھا کہ یوں کہا جاتا کہ اس سامان
 کو منتقل کرنا جس کا وہ مالک ہوا اس کے بدلے
 میں جتنے میں اس کو پڑا اھ، اور سعدی افندی نے
 اس کے حاشیہ میں کہا کہ اس چیز سے مراد جس کا وہ مالک
 ہوا وہی مملوک معهود ہے جس میں یہاں تک کلام
 ہو رہی ہے یعنی سامان اتنے کے بدلے میں جتنے
 میں اس کو پڑا اھ جامع الرموز میں کہا تو لہ یہ ہے
 کہ شرط لگائی جائے بیع میں یعنی سامان کی بیع میں یہ
 بیع صرف سے احترام ہے چنانچہ تولیہ و مرابحہ
 دونوں درہم و دنانیر کی بیع میں نہیں ہوتے جیسا کہ

۱۲۲/۶ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر
 ۱۲۲/۶ " " " " " "
 ۱۲۳/۶ " " " " " "

فی الکفایۃ اھ قال فی الدر المختار المراجعة
بیع ما ملکہ من العروض بما قام
علیہ وبفضل اھ۔

کفایہ میں ہے اھ در مختار میں کہا کہ مرا بکہ یہ ہے
کہ سامان ملوک کو اتنے کے بدلے جتنے میں اس
کو پڑا ہے اور کچھ زیادتی کے ساتھ فروخت کرنا اھ۔

اقول وبالله التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالیٰ سے ہے۔ ت) جو چیز مرا بکہ
بیچی جائے نہ تو اس کا عرض و سلع و متاع و کیلا ہونا لازم بلکہ سونے چاندی پر بھی مرا بکہ جائز ہے جبکہ
سونار و پوں کو خریدنا ہو یا چاندی اشرفیوں کو۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے؛

اذا اشتری ذہبا بعشرة دراهم فباعه
بربح درہم جاز کذا فی الحاوی
اگر دس درہم کا سونا خریدا اور ایک درہم نفع کے
ساتھ فروخت کر دیا تو جائز ہے، ایسا ہی حاوی
میں ہے۔ (ت)

اسی میں محیط سے ہے؛

اذا باع قلب فضة وزنه عشرة دراهم بدینار
وتقا بضائهم باعه بربح درہم او بربح نصف
دینار جائز اما اذا باعه بربح نصف دینار
فلا نه یصیر بائعا قلب فضة وزنه عشرة
درہم بدینار و نصف دینار لان
الجنس مختلف فلا یظہر الربح، و اما
اذا باعه بربح درہم فما ذکر من الجواب
ظاہر الروایة لانه یصیر بائعا للقلب بدینار
و درہم، و انه جائز لانه یجعل بانرا
الدرہم من القلب مثله والباقی
من القلب بانرا الدینار، وعن

اگر دس درہم وزنی چاندی کا کنگن سونے کے ایک
دینار کے بدلے میں خریدا پھر ایک درہم نفع پر
(ایک دینار اور ایک درہم کے بدلے میں) یا
نصف دینار نفع پر (یعنی ڈیڑھ دینار کے بدلے
میں) فروخت کر دیا تو جائز ہے۔ نصف دینار
نفع پر بیچنا تو اس لئے جائز ہے کہ وہ چاندی کے
ایک ایسے کنگن کو ڈیڑھ دینار میں فروخت کرنے والا
جس کا وزن دس درہم ہے کیونکہ جنس مختلف ہے لہذا
نفع ظاہر نہ ہوا۔ رہا ایک درہم نفع پر بیچنا تو حکم
مذکور ظاہر الروایہ ہے کیونکہ ایک درہم کے عوض
کنگن میں سے اس کی مثل یعنی ایک درہم ہو اور

۱۔ جامع الرموز کتاب البیوع باب المراجعة والتولية مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۳/۵۳
۲۔ در مختار " " " " مطبع مجتہبی دہلی ۲/۳۵
۳۔ فتاویٰ ہندیہ کتاب الصرف الباب الثالث الفصل ثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/۲۳

ابی یوسف انه لا يجوز الخ۔

باقی کنگن دینار کے عوض ہو گیا، امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ یہ جائز نہیں الخ۔ (ت)

نہ بیع کا صرف ہونا مطلقاً اس کی ممانعت کو مستلزم، سونا کہ دس روپے کو خریدتا تھا گیارہ روپے کو بیچا، یا دس روپے بھر چاندی کا کنگن کہ ایک اشرفی کو مول لیا تھا ڈیڑھ اشرفی یا ایک اشرفی اور ایک روپے کو بیچنا، یہ سب صرف ہی ہے اور مراجمہ اور جائزہ۔ نہ صرف نہ ہونا مطلقاً جو از مراجمہ کو کافی، من بھر گیہوں من بھر گیہوں کو خریدے، ان کی بیخ مراجمہ حرام ہے کہ سود ہے حالانکہ صرف نہیں، کشر نبلا لی علی الدر میں ہے؛

المثل اذا غيبه الغاصب وقضى عليه
بشله ملكه ولا يجوز له بيعه بائنا يد منه
لكونه ربي۔
غاصب نے مثلی شے کو غائب کر دیا، قاضی کی طرف سے اس پر اس کی مثل دینے کا فیصلہ صادر ہوا تو اب وہ مغبوب شے کا مالک بن گیا اس کے لئے جائز نہیں کہ اس چیز کو اس سے زائد پر فروخت کرے کیونکہ یہ سود ہے۔ (ت) ہندیہ میں محیط سے ہے؛

لو اشترى مختوم حنطة بسختومى شعير
بغير عينها ثم تقا ايضا فلا باس بان
يبيع الحنطة مرابحة ، وكذلك كل صنف
من المكيل والموزون بصنف اخر
افاد بمفهوم قوله بصنف اخر انه لو
قوبل الجنس بالجنس لم تجز المرابحة
وسنعطيك دليلا ان شاء الله تعالى۔

اگر کسی نے گندم کا ایک مختوم جو کے دو غیر معین مختوموں کے بدلے میں خرید پھر باہمی قبضہ بھی کر لیا تو گندم کو بطور مراجمہ فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں، ایسے ہی ہر کیلی اور وزنی چیزوں کی ایک قسم کو دوسری قسم کے ساتھ بیچنے کا یہی حکم سے احمد ہندیہ کے قول بصنف اخر (یعنی دوسری قسم کے ساتھ) کے مفہوم نے یہ فائدہ دیا کہ اگر جنس کا مقابلہ جنس سے

ہو تو بیع مراجمہ ناجائز ہے، ہم عنقریب ان شاء اللہ تعالیٰ تجھے اس کی دلیل دیں گے۔ (ت) بلکہ تحقیق یہ ہے کہ جو شے مراجمہ بیچی جائے اس میں دو شرطیں ہیں،

۱۔ فتاویٰ ہندیہ کتاب الصرف الباب الثالث الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۱-۲۳۰
۲۔ غنیۃ ذوی الاحکام فی بغیۃ درر الاحکام باب المرابحة والتولیۃ میر محمد کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۸۰
۳۔ فتاویٰ ہندیہ کتاب البیوع الباب الرابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۶۱

شرط اول وہ شے معین ہو یعنی عقد معاوضہ اس کی ذات خاص سے متعلق ہوتا ہو، نہ یہ کہ ایک

مطلق چیز ذمہ پر لازم آتی ہو، ثمن جیسے روپیہ اشرفی عقد معاوضہ میں متعین نہیں ہوتے، ایک چیز سو روپے کو خریدی کچھ ضرور نہیں کہ یہی سو روپے جو اس وقت سامنے تھے ادا کرے بلکہ کوئی سے سو دے دے، اور اگر مثلاً سونے کے کنگن بیچے تو خاص یہی کنگن دینے ہونگے یہ نہیں کر سکتا کہ ان کو بدل کر دوسرے کنگن دے اگرچہ وزن ساخت میں ان کے مثل ہوں، یہ شرط مراجمہ و تولیۃ و ضیعۃ تینوں میں ہے یعنی اول سے نفع پر بیچے یا برابر کو یا کمی پر، یہاں اس شے کا معین ہونا اس لئے ضرور ہے کہ یہ عقد اسی شے مملوک سابق پر وار کیا جاتا ہے اور جب وہ معین نہیں تو نہیں کہہ سکتے کہ یہ وہی شے ہے، ولہذا اگر روپوں سے اشرفیاں خریدیں تو ان کو مراجمہ نہیں بیچ سکتے،

جیسا کہ تبیین، فتح القدير، عنایہ، کفایہ، بحر، نهر، ظہیریہ، خانہ، خزائنہ المفتین، ہندیہ اور جامع الرموز میں اس پر نص کی گئی ہے اگرچہ ط نے تبیین کے حاشیہ سری الدین سے بحوالہ بدائع نقل کیا ہے کہ یہ جائز ہے۔ (ت)

كما نص عليه في التبیین والفتح و العناية والكفاية والبحر والنهر و الظهيرية والمخانية و خزانة المفتين و والهندية و جامع الرموز وغيرها وان نقل ط عن حاشية سری الدین علی التریلعی نقل عن البدائع انه يجوز ان

اس لئے کہ اشرفیاں معین نہیں ہوتیں، بیچنے والا ان اشرفیوں کے بدلے دوسری اسی طرح کی دے دیتا تو جائز تھا اور اب جو یہ بیچ رہا ہے اب بھی متعین نہ ہوں گی یہ اشرفیاں دے یا ان کے ساتھ کی دوسری، تو کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ جو اشرفیاں پہلے اس کی ملک میں آئی تھیں وہی اتنے نفع پر بیچیں کہ بیع مراجمہ ہو، فتاویٰ امام قاضی خاں میں ہے :

ایک شخص نے درہموں کے عوض دینار خریدے پھر ان دیناروں کو بطور مراجمہ بیچا تو یہ جائز نہیں کیونکہ دینار بیع میں متعین نہیں ہوا کرتے لہذا عقد صرف میں جن دیناروں پر قبضہ کیا گیا بعینہ وہی بیع اول کا بیع قرار نہ پائے۔ (ت)

سجل اشتری دنانیر بدراهم ثم باع الدنانیر مراجمۃ لایجوز لان الدنانیر لاتعین فی البیع فلم یکن المقبوض بعقد الصرف مبیعا فی البیع الاول

۹۲/۳

لے حاشیہ الطحاوی علی الدر المختار کتاب البیوع باب المراجمہ والتولیۃ دار المعرفۃ بیروت

۲۰۱/۲

لے فتاویٰ قاضی خان کتاب البیوع فصل فی الاجل نوکشتور لکھنؤ

فتح القدر میں ہے :

انما لتجز المراجعة في ذلك لان بدلي
الصرف لا يتعينان فلم تكن عين هذه
الدنانير متعينة لتلزم مبيعاً.

اس میں مراجمہ اسی لئے ناجائز ہے کہ بیع صرف کے
بدلین متعین نہیں ہوتے تو بعینہ ہی دینار متعین
نہ ہوتے کہ ان کا بیع ہونا لازم ہوتا۔ (ت)

اور اگر سونے کا گناروپوں کو فریاد تو اسے مراجمہ بیع سکتا ہے کہ وہ بیع میں متعین ہو گیا تو عقد اسی محلوک اول پر
واقع ہوگا،

كما قد مناہ وبہ ظہران مراد ہم ہنا بالعرض
والسلم كل ما يتعين ولو من احد التقدين
وبالصرف ما لا يتعين فيه البدل الذي
حصل في ملك من يريديعه مراجعة
وان الاولي قول الفتح المراد نقل ماملکہ
مما هو ببيع متعين بدلالة قوله بالثمن
الاول فان كون مقابله ثمنا مطلقاً يفيد ان
ما ملكه بالضرورة مبيع مطلقاً ۲

جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں اور اسی سے ظاہر
ہو گیا کہ یہاں پر عرض اور سلع سے فقہاء کی مراد
ہر وہ چیز ہے جو متعین ہو اگرچہ نقدین میں سے کوئی
ایک ہو اور عقد صرف سے ان کی مراد وہ بیع ہے جس
میں وہ بدل متعین نہ ہو جو اس شخص کی ملکیت میں
حاصل ہوا جو بطور مراجمہ اس کو بیچنے کا ارادہ
کمرے، اور اس سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ فتح کا قول
اولیٰ ہے یعنی مراد یہ ہے کہ اس بیع متعین کو منتقل

کرنا جس کا وہ مالک ہوا ہے اس پر دلیل اس کا قول ”ثمن اول“ ہے اس لئے کہ اس کے مقابل
ثمن مطلق ہونا اس بات کا فائدہ دیتا ہے کہ جس چیز کا وہ مالک ہوا وہ ضروری طور پر بیع مطلق ہے ۳
فہذا هو تحقیق الشرط الاول (پس یہ ہے شرط اول کی تحقیق۔ ت)

شرط دوم وہ ایسا مال ربوی نہ ہو جو اپنی جنس کے بدلے لیا ہو جیسے سونا سونے یا چاندی چاندی
یا گہوں گہوں یا جو جو کو۔ عالمگیر میں ہے :

ان اشتری ذہبا بذهب او فضة بفضة
لم تجز مراجعة اصلا کذا فی التارخانیة ۴

اگر سونے کو سونے کے بدلے یا چاندی کو چاندی کے
بدلے خریدتا تو اس میں مراجمہ بالکل جائز نہیں۔ یہ
تارخانیہ میں ہے۔ (ت)

۱۲۲/۶	مکتبہ نوریہ رضویہ کھر	باب المراجعة والتولية	۱
۱۲۲/۶	”	”	۲
۲۳۱/۳	نورانی کتب خانہ پشاور	الفصل الثاني في المراجعة، الباب الثالث،	۳

یہ شرط مبرا بچہ و وضع یعنی اول کے اعتبار سے زیادہ یا کم بیچنے میں ہے تو لیبہ یعنی برابر بیچنے میں نہیں
اقول و بالله التوفیق و جہ اس کی یہ ہے کہ جب ایک ربوی مال جس میں کمی بیشی سے سود ہو جاتا ہے
اپنی جنس کے بدلے اسے ملا ہے، اب جو یہ اسے مبرا بچہ بیچے گا تو اس کی جنس سے بدلے گا یا غیر جنس
سے، اگر جنس سے بدلے تو فرض ہوگا کہ دونوں پورے برابر ہوں، کمی بیشی کیونکہ ممکن کہ عین ربو ہے،
اور اگر غیر جنس سے بدلے تو نہ مبرا بچہ ہوئی نہ جائز ہو سکتی ہے مبرا بچہ تو یہ تھی کہ جس عوض پر اسے پڑی ہے
اسی کو مع کچھ نفع کے بیچے یہاں عوض کی جنس بدل گئی،

اور اس سے اس اعتراض کا ساقط ہونا ظاہر
ہو گیا جو ہدایہ کی تعریف پر عنایہ میں وارد کیا گیا
اور بقرنے اس کی اتباع کی اختصاراً لفظ اکمل
کے یہ ہیں کہ اس پر اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ تعریف
(تعریف ہدایہ) ابہام پر مشتمل ہے جس سے تعریف
کا خالی ہونا واجب ہے اس لئے صاحب ہدایہ
کے قول "ثمن اول" سے مراد ثمن اول کا عین ہے
یا اس کی مثل اول کی طرف کوئی راہ نہیں کیونکہ
عین اول تو بائع اول کی ملک ہو گیا اور نہ ہی ثانی
کی طرف کوئی راہ ہے کیونکہ ثانی (ثمن اول کی مثل)
دو حال سے خالی نہیں یا تو اس سے مراد جنس کے
اعتبار سے ثمن اول کا مثل ہوتا ہے یا مقدار کے
اعتبار سے جنس کے اعتبار سے مثلیت تو اس
دلیل کی وجہ سے شرط نہیں جو ایضاً اور محیط میں ہے
کہ جب اس نے بطور مبرا بچہ کسی چیز کی بیع کی اگر اس
چیز کی مثل موجود ہے جس کے بدلے اس نے اس
کو خریدا تھا، تو یہ بیع مبرا بچہ جائز ہے چاہے اس
نے نفع را اس المال یعنی دراہم کی جنس یعنی دراہم
سے رکھا یا اس کے غیر یعنی دیناروں سے رکھا ہو

و بہ ظہر سقوط ما اعترض بہ فی
العنایۃ علی تعریف الہدایۃ و
تبعہ فی البحر اذ قال واللفظ للاکمل
بالاختصار اعترض علیہ بانہ مشتمل
علی ابہام یمجب عنہ خلو التعریف
لان قولہ بالثمن الاول امات یراد
بہ عین الثمن الاول او مثله لا سبیل الی
الاول لان عین الثمن الاول صار ملکاً للبائع
الاول ولا الی الثانی لانہ لا یخلو ما
ان یراد المثل من حیث الجنس
او المقدار الاول لیس بشرط لما
فی الايضاح والمحیط انہ اذا باعہ
مرا بچہ فان کان ما اشتراہ
بہ لہ مثل حیث سواء
جعل الربح من جنس
س اس المال الدرہم من
الدرہم او من غیر
الدرہم من الدنانیر
او علی العکس اذا کان معلوما

يجوز به الشراء لان الكل ثمن و
والثاني يقتضى ان لا يضم الى
راس المال اجرة القصاص والصباغ
والطران وغيرها الخ والاكمل
وان اجاب عنه فانما
اختار الشق الاخير والبحر
لم يرضه بل سادة بما لا يفيد
الايراد الا بعد اقول و
العجب ان المعترض
حصر وابطل جميع الشقوق
فكيف يعترض بالابهام
لم لا يحكم بالبطلان ثم العجب
اشد العجب الاستناد بما نقل
عن الايضاح والمحيط فانه
لامساس له بالمدعى كما نبه
عليه العلامة سعدى افندى
حيث يقول "لا يخفى عليك
ان ما نقله من ذينك
الكتابتين انما يدل على عدم
اشتراط مماثلة الربح لراس
المال جنسا لا على عدم
شرطية مماثلة الثمن الثانى
للاول فى الجنس اه اقول

يا اس کے برعکس صورت ہو (یعنی راس المال
بجائے درہموں کے دینا رہوں) جب یہ معین
ہو تو اس کے بدلے خریداری جائز ہے کیونکہ
یہ سب ثمن ہیں اور اگر مقدار کے اعتبار سے مشابہت
مراد ہو تو یہ مقتضی ہے اس امر کو کہ راس المال
کے ساتھ دھوبی، رنگریز اور نقش و نگار وغیرہ کی
اجرت نہ ملائی جائے الخ اکمل نے اگرچہ اس کا
جواب دیتے ہوئے آخری شس کو اختیار کیا مگر صاحب تحریر
اس پر راضی نہیں بلکہ اس کو رد کر دیا جو کہ اعتراض
میں بعد کے سوا کچھ فائدہ نہیں دیتا اقول (میں
کہتا ہوں) تعجب ہے معترض نے حصر کرتے ہوئے
تمام شقوق کو باطل قرار دیا ہے تو اس پر ابہام
کا اعتراض کیسے ہوا بطلان کا حکم کیوں نہیں لگایا گیا
پھر شدید ترین تعجب اس استناد پر ہے جو الايضاح
اور محیط سے منقول عبارت پر کیا گیا کیونکہ اس کا
مدعا سے کوئی تعلق نہیں جیسا کہ علامہ سعدی افندى
نے یہ کہتے ہوئے اس پر تہنیه فرمائی کہ اسے
مخاطب! تجھ پر پوشیدہ نہیں کہ اکمل نے ان دونوں
کتابوں سے جو نقل کیا ہے وہ تو اس بات پر
دلالت کرتا ہے کہ نفع کا اعتبار جنس کے راس المال
کی مثل ہونا شرط نہیں، اس بات پر وہ دلالت
نہیں کرتا کہ ثمن ثانی کا باعتبار جنس کے ثمن اول کی
مثل ہونا شرط نہیں اھ، اقول (میں کہتا ہوں)

مکتبہ نوریہ رضویہ سکر ۱۲۲/۶

۱۲۲/۶ " " " " " "

لہ الغایۃ علی ہاشم فتح القدير باب المراجعة والتولية
لہ حاشیہ سعدی افندى علی ہاشم فتح القدير " " " "

ولا نظرا في ما يوهمه التصوير بالدرهم
والدنانير والتعليق بان الكل
ثمن فان الربح يجوز مطلقا
من اي جنس كانت ثوبا وعيدا
او ارضيا او غير ذلك بعد
ان يكون مقدارا معلوما
كما قد مناه عن العناية عن
التحفة ومثله في عامة الكتب
فهذا وجه واقول ثانيا لئن
قطعنا النظر عن هذا لم يكن
فيه ما يمنع اشتراط المجانسة
ويتفيه فقد نصوا ان الدرهم
والدينار جنس واحد في بضع
مواضع منها المراجعة كما
في البحر والدار وغيرها قول ثالثا
وهو القول الفصل وهادم
الاعتراض من الاصل اطبقت
الكتب قاطبة ان شرط صحة المراجعة
والتولية كون العوض الى الثمن
الاول مثليا وعلله المعلنون كالهداية و
الشروع ومنها العناية والتبيين والبحر وغيرها
واللفظ للعناية بان مبناهما
على الاحترار عن الخيانة و

در اہم ودنانیر سے صورت بیان کرنا جس وہم کو
پیدا کرتا ہے علامہ آفندی کو ملحوظ
ہے نہ ہی وہ تعلیل جو اکل نے
یہ کہہ کر بیان کی کہ یہ سب ثمن ہیں اس لئے
کہ نفع تو مطلقاً جائز ہے چاہے کسی بھی جنس سے
ہو یعنی چاہے کپڑا ہو یا غلام ہو یا زمین وغیرہ ہو
بشرطیکہ وہ مقدار معین ہو جیسا کہ ہم عنایہ سے
بحوالہ تحفۃ الفقہار پہلے بیان کر چکے ہیں اور اس
کی مثل عام کتابوں میں یہ توجیہ ہے اقول ثانیاً (میں
دوبارہ کہتا ہوں) اگر ہم اس سے قطع نظر کر لیں تو
بھی اس میں ایسی کوئی چیز نہیں جو شرط مجانست سے
مانع و تافی ہو، چنانچہ فقہانے تصریح کی ہے
کہ چند جگہوں میں درہم اور دینار جنس واحد شمار
ہوتے ہیں، ان میں سے مراجعہ بھی ہے، جیسا کہ
بحر اور دروغیرہ میں ہے۔ اقول ثالثاً (میں
سہ بارہ کہتا ہوں جو قول فیصلہ کن اور اعتراض
کو سرے سے منہدم کر دینے والا ہے کہ تمام کتابیں
اس پر متفق ہیں کہ تولیہ و مراجعہ کے صحیح ہونے
کی شرط یہ ہے کہ عوض یعنی ثمن اول مثلی ہو اور
علت بیان کرنے والوں جیسے ہدایہ اور اس کی
شروعات عنایہ، تبیین اور بحر وغیرہ نے اس کی
علت یوں بیان کی لفظ عنایہ کے ہیں کہ ان
دونوں (تولیہ و مراجعہ) کی بنا، خیانت اور

لہ در مختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد
بحر الرائق

مطبع مجتہاتی دہلی

ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

۲۶/۲

۵۳/۶

شبهها والاحتراز عن الخيانة في
القيمات ان امكن ، وقد لا يمكن
عن شبهها لان المشتري
لا يشتري المبيع الا بقيمة ما وقع
فيه من الثمن اذ لا يمكن دفع عينه
حيث لم يملكه ولا دفع مثله اذا
الفرض عدمه فتعينت القيمة وهي
مجهولة تعرف بالحرص و
الظن فيتمكّن فيه شبهة الخيانة
الا اذا كانت المشتري باعه
مرا بحة ممن ملك ذلك البديل من
البائع الاول بسبب من الاسباب
فانه يشتريه مرا بحة بربح معلوم
من دراهم او شئ من المكيل
والموزون الموصوف لاقتداء على
الوفاء بما التزم له اقول
ولا تنس ما قدمنا ان الربح
سائغ مطلقا ولو ثوبا
كما نص عليه في
التحفة وقال في التحفة
وقال في الفتح لو كانت
ما اشتراه به وصل الى من
يبيعه منه فرا بحة عليه بربح

شبه خیانت سے اجتناب پر ہے جبکہ قیمتی چیزوں میں
اگرچہ خیانت سے اجتناب ممکن ہے مگر شبہ خیانت
سے اجتناب کبھی ممکن نہیں ہوتا کیونکہ مرا بکہ میں
مشتری ببيع کو اس قیمت کے بدلے ہی خرید سکتا ہے
جس میں ثمن واقع ہوا نہ کہ عین ثمن کے بدلے کیونکہ
جب وہ اس کا مالک ہی نہیں تو اس کا دینا اس
کے لئے ناممکن ہے اور نہ ہی مثل ثمن کے بدلے کیونکہ
مفروض اس کا عدم ہے تو قیمت ہی متعین ہوتی اور
وہ مجہول ہے جو کہ ظن و تخمینہ سے پہچانی جاتی ہے
لہذا اس میں شبہ خیانت پایا جاتا ہے سوائے
اس کے کہ جب مشتری اول ببيع کو اس شخص کے
ہاتھ بطور مرا بکہ بیچے جو اس بائع اول سے اس
ببيع کے بدلے کسی سبب سے مالک بن چکا ہے
کیونکہ اس صورت میں مشتری ثانی اس ببيع کو درہم
یا کسی کیلی و وزنی شے میں سے معین و معلوم نفع
پر خرید رہا ہے یہ اس لئے ہے کہ مشتری ثانی نے
جس چیز کا التزام کیا ہے وہ اس کی ادائیگی پر
قادر ہے اھ اقول (میں کہتا ہوں) جو ہم پہلے
ذکر کر چکے ہیں اس کو مت بھولیں کہ نفع مطلقا جاری
ہوتا ہے اگرچہ کپڑا ہو جیسا کہ تحفہ میں اس پر نص
کی گئی ہے، تحفہ میں فرمایا کہ فتح میں کہا ہے کہ اگر
کسی طرح ببيع کے ثمن اس شخص کے پاس پہنچ جائیں
جس کے ہاتھ اب یہ ببيع بطور مرا بکہ بیچ رہا ہے اور

لہ العنایة علی ما مش الفتح القدير كتاب البيوع باب المرا بحة والتولية مكتبة نوريه رضويه سكر ۱۲۴/۶

معین کانت يقول ابيعك مرابحة
 على الثوب الذي بيدك و سبيع درهم
 او كرشعير او سبيع هذا الثوب جازاه
 فالقصر على المكيل والموزون
 لا مفهوم له و من البين ان
 اشتراط مثلية الثمن الاول يوجب
 المماثلة بينه وبين الثمن الثاني في
 الجنس اذ لولا الاعاد على مقصود
 بالنقض فان الشئ ولو مثليا اذا
 بدل بخلاف جنسه خرج المثل
 من البين و آل الامر الى التقيوم فهناك
 قلم لا يمكنه دفع مثله اذا الفرض
 عدمه و ههنا نقول لا يمكن دفع مثله
 اذا الفرض ان البيع الثاني بخلاف
 جنسه وهذا كان شيئا واضحا
 في غاية الوضوح فسبحان الذي
 اذهل هؤلاء الاكابر من مثله ولا عصمة
 الا لكلام الله و كلام الرسول جل جلاله
 و صلى الله تعالى عليه و
 سلم -

اس ثمن پر معین نفع لگائے مثلاً یوں کہے کہ میں یہ
 چیز بطور مرابحہ تجھ پر فروخت کرتا ہوں اس کپڑے
 کے عوض جو تیرے قبضے میں ہے اور ایک درہم
 کے نفع پر یا ایک کڑے جو کے نفع پر یا اس کپڑے کے
 نفع پر تو یہ بیع مرابحہ جانتے ہے اور چنانچہ نفع کے
 کیلی اور وزنی اشیاء میں اقتصار کا کوئی مفہوم
 نہیں۔ اور ظاہر ہے ثمن اول کے مثل ہونے کی
 شرط اس بات کو واجب کرتی ہے کہ ثمن اول اور
 ثمن ثانی کے درمیان جنس کے اعتبار سے مماثلت
 ہو اس لئے کہ اگر ایسا نہ ہو تو یہ امر مقصود پر بطور
 نقض لوٹے گا کیونکہ کوئی شے اگرچہ مثلی ہو جب
 غیر جنس سے بدلی جائے تو مماثلت درمیان سے
 نکل جاتی ہے اور معاملہ قیمت لگانے کی طرف
 لوٹ آتا ہے وہاں تم نے کہا کہ ثمن اول کی مثل دینا
 ممکن نہیں کیونکہ مفروض اس کا عدم ہے یہاں ہم کہتے ہیں کہ اسکی
 مثل دینا ممکن نہیں کیونکہ مفروض یہ ہے کہ بیع ثانی اس کی
 جنس کے غیر کے بدلے میں ہے یہ انتہائی واضح چیز
 ہے، پاک ہے وہ جس نے ان اکابر کو اس جیسی ظاہر
 چیز بھلا دی۔ خطا سے پاک تو صرف اللہ تعالیٰ
 اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کلام ہے (ت)

اور ناجائز یوں ہوتی جس کا بیان ابھی عنایہ وغیرہا کے حوالہ سے گزرا کہ غیر جنس کا عوض
 اول کے مثل و مساوی ہونا محض تخمین و اندازہ سے ہوگا اور تخمین میں غلطی کا احتمال ہے اور مرابحہ کی
 بنا پر کمال امانت پر ہے اس میں خیانت کا شبہ بھی حرام ہے پورا ٹھیک ٹھیک ثمن اول کا مساوی

بتا کر اس پر نفع باندھے غیر جنس میں ٹھیک ٹھیک مساوات بتانا محال ہے لہذا مال ربوی جب اپنی جنس کے عوض لیا ہوا سے مراجمہ بیچنا ناممکن و حرام ہے یہ وہ شرط ثانی ضروری و لازمی و واجب تھی جس سے بحر الرائق میں باوصف استقصاء کے غفلت واقع ہوئی،

یہ وہ ہے جس کا ہم نے آپ کے ساتھ پہلے وعدہ کیا تھا کہ جو تعریف علامہ بحر نے بیان کی ہے وہ بھی تمام نہیں، ان پر لازم تھا کہ وہ اپنے قول "مما يتعين" کے بعد یہ الفاظ بڑھاتے "غیر ربوی قوبل بجنسہ" یعنی وہ چیز مال ربوی کا غیر ہو جس کا مقابلہ اس کی جنس سے کیا گیا ہو، پھر علامہ محقق ابو الاخلاص حسن شرنبلالی رحمہ اللہ تعالیٰ پر حیرت ہے کہ جب درر کی اس تعریف "وہ مملوک چیز کی بیع ہے اس کی مثل کے ساتھ جتنے میں اس کو پڑی مع کچھ زیادتی کے" پر اس مسئلہ کے ساتھ اعتراض وارد ہوا کہ غاصب نے مثلی شے کو غائب کر دیا اور اس کا ضمان دینے پر وہ اس شے مغبوب کا مالک بن گیا اس کے باوجود وہ اس میں بیع مراجمہ نہیں کر سکتا جیسا کہ اس سے نقل کر چکے ہیں، تو علامہ ابو الاخلاص حسن شرنبلالی نے فرمایا کہ یہ اعتراض اس پر وارد نہیں ہوتا جس نے تعریف میں یوں کہا کہ "بیع بمثل الثمن الاول" یعنی ثمن اول کی مثل کے بدلے بیع کرنا، اقول (میں کہتا ہوں) ضمان غضب کے ساتھ صورت بیان کی گئی جو "ما قام" کے ساتھ صورت بیان کی جاتی جس کا وہ اس کی

وهذا ما وعدناك من قبل بان الحد الذي اتي به لم يتم ايضا وكات عليه ان يزيد بعد قوله "مما يتعين" غير ربوي قوبل بجنسہ ثم العجب من العلامة المحقق ابي الاخلاص حسن الشرنبلالي رحمه الله تعالى اذا ورد على تعريف الدرر المذكور بيع ما ملكه بمثل ما قام عليه بزيادة مسألة المثلي اذا غيبه الغاصب وضمن ملك ولا يرايح كما قدمنا عنه ، قال ولا يرد على من قال بيع بمثل الثمن الاول اقول صور بضمان الغصب فصدق ما قام عليه ولم يصدق الثمن ولو صور بربوي ملكه بجنسہ كبريد لحم الضمان والاثمان وورد على الكل بالسوية فهذا تحقيق الشرط الثاني وقد تفضل على المولى بسخنة تعالى بهذا المباحث فاتفقنا فانك لا تجده في محل آخر والله الحمد على تواتر الاثمة والصلوة والسلام على سيد انبيائه محمد وآله واحبائه.

عليه "پر صادق اور ثمن پر صادق نہیں اگر ایسے مال ربوی کے ساتھ صورت بیان کی جاتی جس کا وہ اس کی

جنس کے بدلے میں مالک ہوا جیسے گندم کے بدلے گندم تو یہ صورت ضمان غصب اور ثمنوں کو شامل ہوتی اور سب پر اعتراض کا ورود برابر ہوتا۔ یہ شرط ثانی کی تحقیق ہے۔ بیشک مولیٰ سبحانہ و تعالیٰ نے ان جہات جلیلہ کے سبب مجھ پر فضل فرمایا اور تو ان کو محفوظ کر کے انھیں تو دوسری جگہ نہیں پائے گا، ان مسلسل نعمتوں کے عطا ہونے پر اللہ تعالیٰ ہی کے لئے حمد ہے اور درود و سلام ہونیوں کے سردار محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کی آل و اجاب پر۔ (ت)

جب یہ اصل اصیل منقح ہو لی اب جو اب مسئلہ مسئلہ کی طرف چلے فاقول وباللہ التوفیق (تو میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ سے ہے۔ ت) نوٹ میں شرط دوم تو خود موجود ہے کہ وہ سرے سے مال ربوی ہی نہیں نہ وہ اور روپے یا اشرفی متحد الجنس، اور شرط اول اس کی نفس ذات میں تو متحقق ہے کہ وہ فی نفسہ ایک عرض و متاع ہے نہ ثمن مگر بذریعہ اصطلاح اسے ثمنیت عارض ہے اور جب تک رائج رہے گا اور عاقدین بالقصد اسے متعین نہ کریں گے عقد و معاوضہ میں متعین نہ ہوگا، اور اوپر معلوم ہو لیا کہ یہاں تعین دونوں وقت درکار ہے ملک اول کے وقت اور اس بیع مرابحہ کے وقت تاکہ صادق آئے کہ وہی شے جو پہلے اس کی ملک میں آئی تھی اس نفع پر بھی، وقت مرابحہ کا تعین بھی خود ہی ظاہر ہے کہ جب مرابحہ بے تعین ناممکن اور وہ قصد مرابحہ کر رہے ہیں ضرور اسے متعین کر لیا جس طرح پیسوں کی بیع سلم میں ہمارے امہ کے اجماع سے اور ایک پیسہ معین دو پیسے معین کو بیچنے میں ہمارے امام عظیم و امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے نزدیک ہے جس کی تحقیق ہمارے رسالہ کفل الفقیہ الفاہم میں ہے۔

میں نے اتفاقی اور اجماعی مسئلہ میں کہا کہ مسلم فیہ کبھی بھی ثمن نہیں ہو سکتا لہذا بائع اور مشتری کا پیسوں کو مسلم فیہ بنانے کا اقدام دلیل ابطال ہے اور یعنی اصطلاح ثمنیت کا ابطال جو عدم تعین کا تقاضا کرتی ہے اور ہدایہ میں اختلافی مسئلہ کے بارے میں شیخین کی دلیل یوں بیان کی کہ بائع اور مشتری کے حق میں ثمنیت ان دونوں کی

وقلت فی الوفاقۃ ان المسلم فیہ لایکون
ثنا قط فاقدا مہما علی جعلہا
مسما فیہا دلیل علی الابطال
ای ابطال الاصطلاح علی الثمینۃ
القاضیۃ بعدم التعین وفی الہدایۃ
فی الخلافۃ لہما ان الثمینۃ فی
حقہما یا اصطلاحہما

نوری کتب خانہ داتا دربار لاہور ص ۶۱-۶۲
منظمۃ الدعوة الاسلامیہ لوہاری دروازہ لاہور ص ۶۷

کفل الفقیہ الفاہم اما العاشر

فتبطل باصطلاحهما وقت و قلت فيهما في
 هامش الكفالات الحاجة الى
 تصحيح العقد تكفي قرينة على ذلك
 ولا يلزم كون ذلك ناشأ عن نفس ذات
 العقد كمن باع درهما ودينارين
 بدرهمين ودينارين يحمل على الجوان
 صرفاً للجنس الى خلاف الجنس مع ان
 نفس ذات العقد لا تاتي بمقابلة الجنس
 بالجنس واحتمال الرياء كتحققه فما
 الحامل عليه الاحاجة التصحيح و
 كم له من نظيره

اصطلاح کی وجہ سے ہے لہذا ان دونوں کی اصطلاح
 سے باطل ہو جائے گی۔ اور میں نے اس مسئلہ
 اختلافیہ کے بارے میں کفل الفقیہ کے حاشیہ پر
 کہا ہے کہ عقد کو صحیح کرنے کی حاجت اس پر کافی
 قرینہ ہے اس کا نفس عقد سے ناشی ہونا لازم
 نہیں جیسے کسی نے ایک درہم اور دو دینار کو دو درہم
 اور ایک دینار کے عوض فروخت کیا تو جنس کو
 غیر جنس کی طرف پھیرتے ہوئے اس کو جواز پر محمول
 کریں گے باوجودیکہ خود ذات عقد جنس کا مقابلہ
 جنس سے کرنے سے انکار نہیں کرتی اور سود کا
 احتمال بھی حقیقت سود کی طرح ہے تو سوائے تصحیح عقد

کی حاجت کے اس کا کوئی باعث نہیں اور اس کی متعدد نظیریں ہیں (د)

اب نہ رہی مگر وقت ملک میں نظر، اگر یہ نوٹ کسی نے اسے ہبہ کیا تھا یا اس پر تصدق کیا یا بذریعہ
 وصیت یا مورث کے ترکہ میں اسے ملا یا اس نے کسی سے چھین لیا اور تاوان دے دیا یا کسی کا اس
 کے پاس امانت رکھا تھا اس سے منکر ہو کر تاوان دے کر بیچ لیا تو ان صورتوں میں اسے بیع مرابحہ
 کر سکتا ہے کہ ان سب وجوہ میں خود روپے اشرفی معین ہوتے ہیں جو ثمن خلقی ہیں نوٹ تو ثمن اصطلاحی
 ہے، پہلی چار صورتوں میں تو بازار کے بھاؤ سے اس کی قیمت بنا کر اس پر نفع لگائے مثلاً یہ نوٹ
 سو روپے کا ہے میں نے تیرے ہاتھ اکنی روپے کے نفع پر بیچا اور پھلی دو صورتوں میں جو کچھ تاوان
 دینا پڑا ہو وہ بتا کر اس پر نفع رکھے کہ یہ نوٹ مجھے اتنے میں پڑا اور اتنے نفع پر میں نے تیرے ہاتھ بیع
 کیا، درمختار میں ہے؛

مرابحہ اس چیز کی بیع ہے جس کا مالک بنا اگرچہ

المرا بحة بيع ما ملكه ولو بهبة او

مطبع یوسفی لکھنؤ

لہ الہدایۃ کتاب البیوع باب السلم

نوری کتب خانہ داتا دربار لاہور ص ۶۲

کفل الفقیہ الغاہم اما العاشر حاشیہ

منظرة الدعوة الاسلامیہ لوہاری دروازہ لاہور ص ۲۸

” ” ” ” ” ”

ارث او وصیة او غصب^۱

ہبہ، میراث، وصیت یا غصب کے سبب سے
مالک بنا ہو۔ (ت)

بحر میں ہے :

الغصب اذا ضمنه جائز له ببعه مرابحة
وتولية على ما ضمن وما ملكه بهبة
او ارث او وصیة اذا قومه فله المرابحة
على القيمة اذا كانت صادقا في
التقويم^۲ اھ ملقطا۔

غصب کا جب تاوان دے دیا تو اب اس تاوان
پر غصب کی بیع بطور مرابحہ یا بطور تولیہ جائز ہے
اور جس چیز کا ہبہ، میراث یا وصیت کے ذریعے
مالک بنا جب اس کی قیمت مقرر کر لے تو اس
قیمت پر اس مملوک چیز کی بیع مرابحہ کر سکتا ہے
بشرطیکہ قیمت مقرر کرنے میں سچا ہواہ التقاطات (ت)

اشباہ پھر ردالمختار میں ہے :

تتعین ای البدر اھم والدان یرفی
الامانات والہبۃ والصدقة والشركة
والمضاربة والغصب^۳۔

امانتوں، ہبہ، صدقہ، شرکت، مضاربتہ اور
غصب میں در اہم و دنا تیر متعین ہو جاتے ہیں۔
(ت)

یونہی اگر یہ نوٹ بیع سلم سے مول لیا اس پر مرابحہ کر سکتا ہے مثلاً نوٹے روپے کے بدلے نوٹ کی
رقم کا نوٹ ایک مہینہ کے وعدہ پر خرید یا یہ نوٹ معین ہو گیا لہذا قد منا (اس دلیل کی وجہ سے جس کا
ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ ت) اب نوٹے روپے اصل ضمن لگا کر اس پر نفع معین کرے سو روپے اصل
قیمت کو ٹھہرا کر اس پر نفع لگانا حرام ہو گا یونہی اگر نوٹ بیچنے اور خریدنے میں صاف تصریح کر دی
کہ خاص یہ نوٹ بعینہ اتنے کو بیچا کہ ایسی تصریح سے ضمن اصطلاحی متعین ہو جاتا ہے تو جتنے کو
لیا اتنے پر مرابحہ کر سکتا ہے اور صرف اس کے کہنے سے کہ یہ نوٹ اتنے کو بیچا معین نہ ہو گا جب تک
عاقین صاف تصریح نہ کریں کہ خاص اسی کی ذات سے عقد بیع کا متعلق کرنا مقصود ہے۔ تبیین الحقائق
میں ہے :

۳۵/۲	مطبع مجتہدانی دہلی	باب المرابحة والتولية	کتاب البيوع	لہ در مختار
۱۰۶/۶	ایچ ایم سعید کمپنی کراچی	" " "	" "	لہ البحر الرائق
۱۲۹/۴	دار احیاء التراث العربی بیروت	" " "	" "	لہ ردالمختار

راج پیسوں کے ساتھ بیع جائز ہے اگرچہ متعین نہ ہوں
 کیونکہ وہ اموال معلومہ ہیں جو کہ اصطلاح کے سبب
 سے ثمن بنے ہیں تو ان کے ساتھ بیع جائز ہوگی اور
 یہ ذمہ پر ہونگے جیسا کہ دراہم و دنانیر کا حکم ہے اگر
 ان کو متعین کرے تب بھی یہ متعین نہ ہونگے کیونکہ
 یہ لوگوں کی اصطلاح سے ثمن بنے ہیں اور تعین کے
 باوجود اس کو دوسرے پیسے دینے کا اختیار ہے
 کیونکہ ان کی تعین سے ثمنیت باطل نہیں ہوتی
 کیونکہ تعین میں احتمال ہے کہ وہ واجب کی مقدار
 اور وصف کو بیان کرنے کے لئے ہو اور یہ بھی ممکن ہے
 حکم کو ان معین پیسوں کی ذات سے معین کرنے
 کے لئے ہو چنانچہ محض احتمال سے اصطلاح باطل
 نہیں ہوتی جب تک بائع اور مشتری اس کو
 باطل کرنے کی تصریح نہ کریں بائیس طور کہ وہ یوں
 کہیں کہ ہم نے خاص انہی پیسوں سے حکم کو مطلق
 کرنے کا ارادہ کیا ہے اس وقت خاص ان ہی
 معین پیسوں سے عقد متعلق ہوگا بخلاف اس
 صورت کے جب کسی نے دو معین پیسوں کے عوض
 ایک پیسہ فروخت کیا کیونکہ یہاں بغیر تصریح کے وہ
 متعین ہو جائیں گے اس لئے کہ اگر اس صورت
 میں وہ متعین نہ ہوں تو بیع فاسد ہوگی اس وجہ سے
 جو ہم نے پہلے بیان کر دی ہے تو اس میں تلاش
 جواز کی ضرورت ہوتی اور یہاں دونوں صورتوں

صح البیع بالفوس النافقة وان لم
 يعين لانها اموال معلومة صارت ثمننا
 بالاصطلاح فجائز بها البیع ووجب
 في الذمة كالدراهم والدنانير وان
 عينها لا تعين لانها صارت
 ثمننا باصطلاح الناس اوله ان
 يعطيه غير هالات الثمنية لا تبطل
 بتعيينها لان التعيين يحتمل
 ان يكون لبيات قدر الواجب
 ووصفه كما في الدراهم ، ويجوز
 ان يكون لتعليق الحكم بعينها
 فلا يبطل الاصطلاح بالمحتمل ما لم
 يصرحاً باطاله بان يقول
 اردنا به لتعليق الحكم بعينها
 فحينئذ يتعلق العقد بعينها
 بخلاف ما اذا باع فلسا بفلسين
 باعيانها حيث يتعين
 من غير تصريح لانه لو لم
 يتعين لفسد البیع على ما بينا
 من قبل فكان فيه ضرورة
 تحرياً للجواز وهنا يجوز على
 التقديرين فلا حاجة الى ابطال
 اصطلاح الكافة له

میں بیع جائز ہوگی لہذا تمام کی اصطلاح کو باطل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ (ت)

ہاں بغیر اس تصریح صریح کے جس طرح عام طور پر نوٹ کی خرید و فروخت ہوتی ہے نوٹ معین نہیں ہوتا یہاں تک کہ اگر یہ نوٹ سو روپے کو بیچا جائے کو اختیار ہے کہ یہ خاص نوٹ نہ دے اس کے بدلے اور کوئی نوٹ سو کا دے دے جبکہ حلین میں اس کا مساوی ہو اور اگر ابھی یہ نوٹ مشتری کو نہ دینے پایا تھا کہ جل گیا پھٹ گیا تلف ہو گیا تو بیع باطل نہ ہوتی کہ خاص اس نوٹ کی ذات سے متعلق نہ تھی دوسرا ہے تو اس عام طور کے خریدے ہوئے نوٹوں پر مبالغہ نہیں کر سکتا کہ وہ معین ہو کر اس کی ملکیت میں نہ آئے، کما بیناہ انفا (جیسا کہ ابھی ہم نے بیان کیا ہے۔) اسی طرح اگر عورت کا مہر نوٹ قرار پائے تھے وہ اس نے شوہر سے اپنے مہر میں پائے انھیں مبالغہ نہیں بیچ سکتی کہ اثمان مہر میں متعین نہیں ہوتے۔ اشباہ پھر ردالمحتار میں ہے :

ثمن مہر میں متعین نہیں ہوتے اگرچہ دخول سے قبل طلاق کے بعد ہوں تو اس عورت میں مطلقہ نصف مہر کی مثل واپس کرے گی اسی وجہ سے اس عورت پر اس مہر کی زکوٰۃ واجب ہے اگر وہ نصاب کے برابر ہو اور سال بھر عورت کے پاس رہے اخذ اقول (میں کہتا ہوں) وجہ اس میں یہ ہے کہ مہر معاوضہ ہے اور ثمن معاوضوں میں متعین نہیں ہوتے، جبکہ معاوضوں کے مساوی یعنی تبرعات، امانات اور غصبات میں متعین ہو جاتے ہیں، ہبہ اور صدقہ تبرعات میں سے ہیں جبکہ مضاربت، شرکت، وکالت اور ودیعت امانات میں سے ہیں۔ ان سب میں تعین تسلیم کے بعد ہوتا ہے یا قبل از تسلیم تو اس صورت میں نہ مطالبہ نہ کوئی استحقاق۔ نقد کے

لا یتعین فی المہر ولو بعد الطلاق قبل الدخول فترد مثل نصفه ولذا الزمها نكوتہ لونها باحوالها عندھا اھ اقول والوجه فیہ ان المہر ایضا معاوضۃ والا ثبات لا یتعین فی المعاوضات وتتعین فیما وراءھا من التبرعات و فیھا الهبة والصدقة ومن الامانات ومنها المضاربة والشركة والوكالة والوديعة كلھا بعد التسليم اما قبله فلا مطالبة ولا استحقاق وانما النظر فی تعین النقود وعدمه من

ردالمحتار کتاب البیوع باب البیع الفاسد دار اچیار التراث العربی بیروت ۱۲۹/۴
الاشباہ والنظائر الفہم الثالث احکام النقد ادارة القرآن العلوم الاسلامیہ کراچی ۱۵۹/۲

تعیین اور عدم تعین میں نظر صرف اسی جہت
(بعد از تسلیم) سے ہے جیسا کہ اشباہ کی
فصل احکام النقد میں ہے اقول اسی لئے
نقود نذر میں متعین نہیں ہوتے کیونکہ مطالبہ صرف
اس چیز کا ہوتا ہے جس میں قربت ہو جبکہ نقد یا
وقت یا فقیر کے خاص ہونے میں کوئی قربت نہیں
جیسا کہ جامع الفصولین فصل، امیں ہے اور بیع صرف
میں جس چیز پر قبضہ کیا جائے وہ غصبیات کے ساتھ
ملحق ہو جاتی ہے جبکہ بدل صرف پر قبضہ کرنے سے پہلے
تفریق کی وجہ سے عقد صرف فاسد ہو جائے، اور
مذہب اصح کے مطابق بیع فاسد میں بھی غصب سے ملحق
ہے کیونکہ اس کا رد کرنا واجب ہے اور یوں ہی
دعویٰ میں ہے اگر کسی نے دوسرے پر کچھ مال کا
دعویٰ کیا پھر فیصلہ کے حق ہونے اور قبضہ کرنے کے
بعد اس نے اقرار کیا کہ وہ اس دعویٰ میں باطل پر تھا
یعنی جھوٹا تھا، رہا دین مشترک تو اگر اس پر دو شرکیوں
میں سے ایک نے قبضہ کر لیا تو اس کو حکم دیا جائیگا
کہ وہ عین مقبوض میں سے اپنے شریک کا حصہ اس
کو دے اقول (میں کہتا ہوں) اگر اس نے
حق کے ساتھ قبضہ کیا تو امین ہے اور اگر نا حق قبضہ
کیا ہے تو غاصب ہے، چنانچہ جو ضابطہ میں
نے بیان کیا ہے معاملہ اسی پر منحصر ہوا۔ اللہ تعالیٰ

هذه الجهة كما في احكام النقد من
الاشباه اقول ولذا لم تتعين
في النذر اذ ليس مطالب الا بما
فيه قرينة ولا قرينة في خصوص
نقد او وقت او فقير كما في جامع
الفصولين^١ من الفصل السابع عشر
ومن الغصبيات و يلتحق بها
المقبوض في الصرف اذا فسد
بالتفريق قبل قبض يبدل و
في البيع اذا فسد على ما هو
الاصح لكونه واجب الرد وفي
الدعوى اذا ادعى آخر
مالا فضى له فقبض ثم
اقرانه كان مبطلا فيها ما الدين
المشترك اذا قبضه احدهما يومر
برد حصه صاحبه من
عين المقبوض اقول ان
كان قبضه بحق فامين
اولا فغاصب فانه حصر الامر
فيما بديت من الضابط
و لله الحمد اتقنه فانك
لا تجده في غير هذه

اشباہ والنظار احکام النقد ادارة القرآن والعلوم الاسلاميه کراچی ۱۵۸-۵۹/۲
جامع الفصولين الفصل السابع عشر اسلامي کتب خانہ کراچی ۲۳۰/۱

ہدایہ باب المراجہ میں ہے :

اذا حصل العلم في المجلس جعل
كابتداء العقد وصار كخيار القبول الى
آخر المجلس وبعد الافتراق قد تقررت
فلا يقبل الاصلاح، ونظيره بيع
الشيء برقمه ^۱ والله تعالى اعلم۔

جب مشتری کو مجلس کے اندر ثمن کا علم حاصل ہو گیا
تو اس کو ابتداء عقد کی طرح قرار دیا جائیگا اور یہ
آخر مجلس تک قبول کو مؤخر کرنے کی مثل ہو گیا اور
جدائی (تبدیلی مجلس) کے بعد اگر علم ہوا تو اب
چونکہ فساد مستحکم ہو چکا ہے لہذا یہ بیع اصلاح کو

قبول نہیں کرے گی اور اس کی نظیر کسی شے کو اس کی لکھی ہوئی قیمت کے عوض فروخت کرنا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ
خوب جانتا ہے۔ (ت)

بَابُ التَّصَرُّفِ فِي الْمُبَيْعِ وَالشُّمْنِ

(بیع اور شمن میں تصرف کرنے کا بیان)

مسئلہ ۱۰۵ از بڑودہ پانگاہ قاسم حالہ مرسلہ سید و میاں حالہ ۱۹ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۰ھ
قدوة العلماء عمدة الفضلاء اس مسئلہ کبیر میں کیا ارشاد فرماتے ہیں ایک شخص نے ایک عورت
سے نکاح کیا، چند روز کے بعد عورت نے اپنا مہر طلب کیا، خاوند اس کا کہنے لگا کچھ روپیہ اس وقت
نقد مجھ سے وصول کر لے باقی روپیہ جو رہا ہے مکان اور زمین نرخ بازار سے خرید لے اور جو اس سے
بھی باقی رہے قسط بقسط ماہ بجا دیتا رہوں گا تیرا مہر بہر حال ادا کر دوں گا، عورت اس بات پر
راضی ہوئی، شرع شریف میں جائز ہے یا ناجائز ہے؟ مع مہر، سند کتاب عبارت عربی و ترجمہ اردو
خلاصہ تحریر فرمائیے گا اس کا صلہ آپ کو اللہ جل شانہ عطا کرے گا فقط۔

راقم سید و میاں حالہ از بڑودہ

الجواب

یہاں تین باتیں ہیں: بعض مہر کا بالفعل نرخ نقد سے ادا کرنا، بعض کے عوض مکان و زمین نرخ
بازار پر دینا، باقی ماندہ کی قسط بندی ہونا۔ یہ تینوں امر شرعاً جائز ہیں، اول تو خود ظاہر ہے اگرچہ
شرعاً خواہ عرفاً مہر موجب عدت و طلاق یا ایسی اجل پر موعود ہو جو ہنوز نہ آئی مثلاً دس برس بعد دینا
ظہراً تھا اس نے کُل یا بعض ابھی دے دیا عورت کو جبراً لینا ہو گا کہ اجل حق مدیون ہے، اور اسے

کو قبول کرتا ہے سوائے اس کے جس کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں اھ، اس سے مراد وہ ہے جس کا ذکر مصنف نے اپنے اس قول میں کیا کہ شرع میں کوئی دین ایسا نہیں جو فقط عالی ہو سوائے بیع سلم میں اس المال، بدل صرف، قرض، اقالہ کے

الاماننا ۱۰۰ یعنی ما ذکر فی قولہ لیس فی الشرع دین لا یکون الا حالا الاساس مال السلم و بدل الصرف و القرض و الثمن بعد الاقالة و دین المیت و ما اخذ به الشفیع العقار

بعد ثمن اور دین میت کے اور وہ جس کے بدلے شفیع نے جائداد لی۔ (ت)

مگر مکان زمین دینے میں اتنا لحاظ ضرور ہے کہ نرخ بازار مرد وزن کو معلوم نہیں تو پہلے نرخ دریافت کر لیں، اس کے تعین کے ساتھ بیع واقع ہو کہ بازار کے بھاؤ سے یہ چیز ہزار روپیہ کی ہے تو شوہر عورت سے کہے میں نے اپنی یہ زمین و مکان تیرے ہزار روپے کے عوض میں تجھے دی، وہ کہے میں نے قبول کی، یہ نہ ہو کہ پہلے بیع ہو لے اس کے بعد تحقیقات کرنے جائیں کہ بازار کا نرخ کیا ہے کہ اس صورت میں بوجہ جہالت ثمن بیع فاسد ہو جائے گی اور زن و مرد دونوں بسبب ازسکاب عقد فاسد گنہگار ہونگے پھر اس بیع کا فسخ بوجہ فساد واجب ہوگا ہاں اگر اسی جلسہ ایجاب و قبول میں نرخ بازار معلوم ہو جائے تو البتہ بیع صحیح ہو جائے گی اور مشتری یہ کہ بعد علم قیمت اس شے کی لینے نہ لینے کا اختیار ہوگا مگر یہ امر موہوم و مشکل ہے، لہذا پہلے ہی دریافت کر کے بیع بطریق مذکور کریں،

در میں ہے کہ جس بیع میں ثمن سے سکوت اختیار کیا وہ فاسد ہے جیسے کسی شے کی بیع اس کی قیمت کے بدلے میں اھ تلخیص۔ ہندیہ میں ہے کہ صحت بیع کی شرائط میں سے ثمن کا اس طرح معلوم ہونا ہے کہ جھگڑا پیدا نہ ہو لہذا مجہول کی بیع ایسی جہالت کے ساتھ جو جھگڑے کا باعث بنے صحیح نہیں جیسے کسی شے کو اس کی قیمت کے بدلے فروخت

فی الدر فسد بیع ما سکت فیہ عن الثمن کبیعہ بقیمتہ اھ ملخصاً، و فی الہندیۃ اما شرائط الصحة فمنها ان یکون الثمن معلوما علما يمنع من المنازعة فبیع المجہول جہالة تفضی الیہا غیر صحیح کبیع الشئ

۲۱۲/۲	الاشباه والنظائر الفن الثالث القول فی الدین ادارة القرآن الکرچی
۲۱۲/۲	لہ " " " " " " " "
۲۲/۲	۳ در مختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتہبائی دہلی

لے
بقیمته اھ مختصراً و فیہا من ولی
ر جلا شیناً بما قام علیہ ولم یعلم المشتري
بکم قام علیہ فسد البیع فان اعلمه البائع
فی المجلس صح البیع وللمشتري الخيار ان شاء
اخذہ وان شاء تركہ كذا فی الكافي انتهى
والله سبحانه و تعالی اعلم و علمہ جل مجدہ
اتم واحکم۔

کرنا اھ اختصار۔ اور اسی میں ہے کہ کسی شخص نے
دوسرے کے ساتھ کسی شے کی تولیہ کی اتنے کے
بدلے میں جتنے میں اس کو پڑی در انجا لیکہ مشتری
کو معلوم نہیں کہ بائع کو کتنے میں پڑی ہے تو بیع
فاسد ہوگی، پھر اگر بائع نے مجلس کے اندر مشتری
کو بتا دیا تو بیع صحیح ہو جائے گی اور مشتری کو اختیار
ہوگا اگر چاہے تولے لے اور اگر چاہے تو چھوڑ

دے، یونہی کافی میں ہے۔ واللہ سبحنہ و تعالی اعلم و علمہ جل مجدہ اتم واحکم۔ (ت)

مسئلہ ۱۰۶ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر ایک جائداد بیع کی جائے اور اسی مجلس خواہ
دوسری مجلس میں بائع کل ثمن مشتری کو معاف کر دے تو جائز ہے یا نہیں؟ اور اس معاف کرنے کے سبب
وہ بیع رہے گی اور اس کے احکام اس پر جاری ہوں گے یا ہیہ ہو جائے گی؟ بتینوا تو جروا

الجواب

بیشک جائز ہے کہ بائع کوئی چیز بیچے اور اس مجلس خواہ دوسری میں کل ثمن یا بعض مشتری کو معاف
کر دے اور اس معافی کے سبب وہ عقد عقبہ بیع ہی رہے گا اور اسی کے احکام اس پر جاری ہوں گے
اس ابراہیم کے سبب ہیہ ٹھہر کر احکام ہیہ کا محل نہیں قرار پاسکتا کیونکہ ہیہ یا ابراہیم کو کچھ ہوا ثمن کا ہوا ہے نہ
اس جائداد کا، اور لفظ ثمن خود تحقق بیع کو متقاضی ہے کہ اگر وہ بیع نہ تھی تو یہ ثمن کا ہے کا تھا جو معاف
کیا گیا،

فتاویٰ عالمگیری میں ہے پورا ثمن گھٹا دیا یا ہیہ کر دیا
یا بری کرنا اگر قبضہ سے پہلے ایسا کیا تو سب صورتیں درست
ہیں مگر یہ اصل عقد کے ساتھ لاحق نہیں ہوگا اور اگر
ثمن پر قبضہ کے بعد ایسا کیا ہے تو گھٹانا اور ہیہ کرنا درست
ہوگا مگر بری کرنا درست نہ ہوگا محیط میں ایسا ہی ہے۔ (ت)

فی الفتاویٰ العالمگیریۃ اذا حط کل الثمن
ادوہیہ او ابراہ عنہ فانت کانت ذلک
قبل قبض الثمن صح الكل ولكن لا یلتحق
باصل العقد وان کان بعد قبض الثمن صح
الحط والہیۃ ولم یصح الابرأء هکذا فی المحيط

۳/۳	نورانی کتب خانہ پشاور	باب الاول	کتاب البیوع	باب ہندیہ	لے فتاویٰ ہندیہ
۱۶۵/۳	"	"	"	"	۴
۱۶۳/۳	"	"	"	"	۳

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی :

قال غزوت مع رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال فتلاحق بي النبي صلى الله تعالى عليه وسلم وانا على ناضح لنا قد اجمعا فلا يكاد يسير فقال لي ما بعيرك قال قلت اعمى قال فتخلف رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم فزجره ودعاه فما نال بين يدي الا بل قد امها يسير فقال لي كيف ترى بعيرك قال قلت بخير قد اصابته بركتك قال افتبعنيه قال فاستحييت ولم يكن لنا ناضح غيره قال فقلت نعم قال فبعني قال فبعته اياه على ان لي فقا سر ظهرا حتى ابلغ المدينة فلما قدم رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم المدينة غدوت عليه بالبعير فاعطاني ثمنه وردة على (ملتقطا)۔

انہوں نے کہا کہ میں ایک جہاد میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ گیا تو آپ مجھ سے آملے درانجا لیکہ میں پانی لانے والے ایک اونٹ پر سوار تھا جو تھک چکا تھا اور چلنے سے تقریباً عاجز ہو گیا تھا۔ آپ نے مجھے فرمایا کہ تیرے اونٹ کو کیا ہوا۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں میں نے عرض کی کہ تھک گیا ہے آپ نے پیچھے مڑ کر اونٹ کو چھڑکا اور اس کے لئے دعا فرمائی تو وہ مسلسل تمام اونٹوں کے آگے چلنے لگا پھر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا اونٹ کو کیسا پاتے ہو؟ میں نے عرض کی کہ بہتر ہے اس کو آپ کی برکت پہنچی ہے، آپ نے فرمایا کیا تم اسکو میرے پاس فروخت کرو گے تو میں نے انکار سے حیا کیا جبکہ ہمارا پاس اور اونٹ تھا تو میں وہ اونٹ اس شرط پر آپ کے ہاتھ بیچ دیا کہ میں مدینہ منورہ تک اس کی پشت پر سواری کروں گا۔ جب رسول اللہ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو میں اونٹ لے کر آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا آپ نے مجھے اونٹ کے ثمن عطا فرمائے اور اونٹ بھی مجھے واپس کر دیا (ملتقطاً)۔ (ت)
دیکھو حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اونٹ خرید کر قیمت بھی عطا فرمائی اور اونٹ بھی نہ لیا، یوں ہی بائع کو رووا ہے کہ بیع بھی سپرد کر دے اور ثمن بھی نہ لے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

صحیح البخاری کتاب الجہاد باب الاستیذان الرجل الامام الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۴۱۶/۱

صحیح مسلم کتاب المساقاة باب بیع البعیر واستئثار رکوبہ " " " " ۲۹/۲

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں چند امور قابلِ لحاظ ہیں:

(۱) شرعِ مطہر میں عاقدین کی نیتِ قلبیہ و اغراضِ باطنیہ پر بنائے کار نہیں بلکہ جو لفظ انہوں نے کہے ان کے معانی پر مدار ہے، صدہا مسائلِ شرع اس پر متفرع۔ اسی لئے اگر کسی عورت سے نکاح کرے اور اس کے دل میں عزمِ قطعی ہو کہ دو روز کے لئے نکاح کرتا ہوں تیسرے روز طلاق دے دوں گا تو وہ نکاح صحیح و نافذ رہتا ہے پھر اسے اختیار رہتا ہے چاہے طلاق دے یا نہ دے، اور اگر عقدِ نکاح ہی ان لفظوں سے واقع ہو تو باطل محض ہو جاتا ہے،

علامہ عینی کی تصنیف بنایہ کتاب النکاح، فصل محرمات میں ہے کہ ہمارے شیخ زین الدین عراقی نے جامع ترمذی کی شرح میں فرمایا کہ نکاحِ متعہ حرام ہے بشرطیکہ اس میں معین مدت کا اظہار کرے، اور اگر زوج نے محض اپنی نیت میں تعیین کی ہو کہ وہ اس عورت کو ایک سال یا ایک مہینہ وغیرہ مدت تک اپنی زوجیت میں رکھے گا لیکن بوقتِ نکاح شرط نہیں لگائی تو بیشک یہ نکاح صحیح ہے۔

بنایة للعلامة العینی کتاب النکاح فصل المحرمات قال شیخنا ترمذی الدین العراقی فی شرح جامع الترمذی نکاح المتعة المحرم اذ خرج بالتوقيت فيه اما اذا كان فی تعیین الزوج انه لا یقیم معها الا سنة او شهرا او نحو ذلك ولم یشرط ذلك فانه نکاح صحیح۔

علیٰ ہذا اگر کوئی شخص اپنا مکان زید کے ہاتھ بیچنا چاہے اور شفیع کے خوف سے لفظ بیع نہ کہے بلکہ یہ اس کو مکان ہبہ کر دے اور وہ بقدر ثمن روپیہ اسے ہبہ کر دے تو یہ ہبہ شرعاً ہبہ ہی رہے گا اور شفیع کا حق ثابت نہ ہوگا اگرچہ ان کی نیت مبادلہ مال بالمال تھی۔ عالمگیری مطبع احمدی جلد ششم صفحہ ۱۴۹،

یہب البائع الدار من المشتري ویشهد باق مکان مشتری کو ہبہ کر دے اور اس پر گواہ

۷ اصل میں سوال درج نہیں۔ جواب سے سوال کی صورت سمجھی جاسکتی ہے۔

۱۵ البینایة فی شرح الہدایة کتاب النکاح فصل فی نکاح المحرمات الملکبۃ الامدادیہ مکہ مکرمہ ۲/۶۷

قائم کر دے پھر مشتری ثمن بائع کو ہبہ کرے اور اس پر گواہ قائم کرے اور حیل اصل میں مذکور ہے کہ پھر مشتری اس پر ثمن کے برابر عوض مقرر کئے، جب بائع اور مشتری نے ایسا کر لیا تو اب شفعہ ثابت نہیں ہوگا کیونکہ حق شفعہ تو معاوضات کے ساتھ منحصر ہے (ت)

عليه ثم المشتري يهب الثمن من البائع
وليشهد عليه وذكر في حيل الاصل
ثم المشتري يعوضه مقدار الثمن
فاذا فعلا ذلك لا تجب الشفعة لان
حق الشفعة يختص بالمعاوضات

اسی طرح اگر کوئی شخص ایک شے مشاع ہبہ کرنا چاہے اور جانے کہ ہبہ بوجہ شیوع فاسد ہو جائیگا تو علماء فرماتے ہیں اس مشاع کو اس کے ہاتھ بیع کرے اور ثمن معاف کرے کہ اس کی غرض یعنی تملیک بلا عوض بھی حاصل ہو جائے گی، اور بدیں وجہ کہ یہ عقد شرعاً بیع ہے فاسد بھی نہ ہوگا، ردالمحتار حاشیہ درمختار مطبوعہ دارالاسلام قسطنطنیہ جلد ۴ ص ۷۷۷؛

(فائدة) من اس ادا ان يهب نصف
دار مشاعا يبيع منه نصف الدار
بثمن معلوم ثم يبريه عن الثمن
بزازية

(فائدہ) جو آدھا مکان غیر منقسم ہبہ کرنا چاہے
تو وہ آدھا مکان موہوب لہ کے
ہاتھ بیع کر ثمن سے اس کو بری کر دے،
بزازیہ (ت)

مدعیہ تسلیم کرتی ہے کہ صورت مقدمہ لعینہ ہی جو نتیجہ خاص ہے جس کا حکم فقہائے بالتصریح فرما دیا کیونکہ اس کی عرضی دعویٰ کا بیان ہے کہ یہ عقد ضعیف مشروط بشرائط تھا لہذا بیع کی طرف انتقال کیا گیا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) وکیل مدعیہ نے جو عبارت درمختار پیش کی کہ بطل حط الكل (کل کا گھٹا دینا باطل ہے۔ ت) علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ردالمحتار میں اس کے معنی بیان فرما دئے کہ مراد یہ ہے کہ ہبہ ثمن بھی صحیح ہوگا اور عقد بھی صحیح رہے گا مگر یہ ہبہ اصل عقد سے ملتی نہ ہوگا یعنی یہ نہ قرار پائے گا کہ سرے سے عقد بلا ثمن ہوا تھا تاکہ فساد لازم آئے یا بیع ہبہ ہو جائے بخلاف حط بعض کے کہ وہ اصل

۱۰ فتاویٰ ہندیہ کتاب الحیل الفصل العشرون نورانی کتب خانہ پشاور ۴۲۱/۶
۱۱ ردالمحتار کتاب الہبہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵۰۸/۴
۱۲ درمختار کتاب البیوع فصل فی التصرف فی البیع والٹمن مطبع مجتہباتی دہلی ۳۸/۲

عقد سے ملتی ہو جاتا ہے سو کو بیچا پھر پچیس حط کر دے تو یہ ٹھہرے گا گویا ابتداء پچھتر کو بیچا تھا۔ شامی
مطبوعہ استنبول ج ۴ ص ۲۵۹

قوله یعنی ما تین کا قول کہ کل کو گھٹا دینا باطل ہے
اس سے مراد یہ ہے کہ اس کو اصل عقد کے ساتھ
لاحق کرنا باطل ہے باوجودیکہ عقد اور مشتری سے
ثمن کا استقاط دونوں صحیح ہیں، یہ حکم بعض لوگوں کے
اس وہم کے خلاف ہے کہ بیع فاسد ہے، ان لوگوں
نے زلیعی کی تعلیل سے استدلال کیا جو اس نے اپنے
اس کلام میں بیان کی کہ یہ الحاق اصل عقد کی تبدیلی
تک پہنچاتا ہے کیونکہ اس کے سبب سے بیع یا تو
ہبہ بن جائے گی یا بیع بلا ثمن، تو اس طرح وہ فاسد
ہو جائے گی، حالانکہ ان دونوں کا ارادہ ایسے عقد
کے ذریعے تجارت تھا جو ہر لحاظ سے مشروع ہو اور
الحاق چونکہ اس میں تبدیلی کا موجب ہے لہذا یہ
عقد کے ساتھ ملتی نہ ہوگا اور اس کا قول ”فلا یتحقق“
صریح ہے اس بات میں کلام لاحق ہونے کے بائے
میں ہے اور اس کا قول ”یفسد“ اسی لحوق پر
مترشح ہے جیسا کہ شرح ہدایہ میں اس کی تصریح
کی گئی ہے، اور ذخیرہ میں کہا کہ جب بائع تمام ثمن
گھٹا دے یا ہبہ کرے یا مشتری کو ثمن سے بری
کر دے اگر یہ ثمن پر قبضہ سے پہلے ہے تو سب درست
ہے اور یہ اصل عقد کے ساتھ لاحق نہیں ہوگا۔
بدائع میں شفوعہ کی بحث میں ہے کہ اگر بائع نے تمام
ثمن گھٹا دیئے تو شفیع تمام ثمن کے بدلے لے سکتا
ہے اس سے کچھ بھی ساقط نہ ہوگا کیونکہ تمام ثمنوں کا

(قوله) فبطل حط الكل ای بطل التحاقه
مع صحة العقد وسقوط الثمن عن
المشتری خلا فالما توهمه بعضهم
من ان البیع یفسد اخذاً من
تعلیل الزلیعی بقوله لان الالتحاق
فیه یؤدی الی تبدیله لانه
ینقلب هبة او بیعاً بلا ثمن فیفسد
وقد کانت من قصد هما التجارة
بعقد مشروع من کل وجه
فالالتحاق فیه یؤدی الی
تبدیله فلا یتحقق به اه فقوله
فلا یتحقق صریح فی ان الکلام
فی الالتحاق وان قوله فیفسد
مفترع علی الالتحاق كما صرح
به شرح الهدایة وقال فی
الذخیره اذا حط کل الثمن او
ذهب ابراً عنه فان کانت قبل
قبضه صح کل ولا یتحقق باصل
العقد وفي البدائع من
الشفعة ولو حط جمیع الثمن
یاخذ الشفیع بجمیع الثمن
ولا یسقط عنه شیء لان
حط کل الثمن لا یتحقق

باصل العقد لانه لوالتحق لبطل البيع
لانه يكون بيعا بلا ثمن فلم يصح المحط
في حق الشفيع وصح في حق المشتري
وكان ابراء له عن الثمن اه نراد في
المحيط لانه لاقي دينا قائما في ذمته و
تمامه في فتاوى العلامة قاسم۔

گھٹانا اصل عقد کے ساتھ لاحق نہیں ہوتا اس لئے
کہ اگر یہ لاحق ہو تو بیع باطل ہو جائے گی کیونکہ
یہ بیع بلا ثمن بن جائے گی، چنانچہ شفیع کے حق میں
کل ثمن کا گھٹانا صحیح نہیں البتہ مشتری کے حق میں
صحیح ہے اور یہ اس کو ثمن سے بری کرنا ہوا ۱۵۱۔

اور محیط میں زیادہ کیا کہ وہ اس دین کے مقابل ہوا جو

اس کے ذمہ کے ساتھ قائم ہے، اس کی پوری بحث علامہ قاسم کے فتاویٰ میں ہے۔ (ت)

ملاحظہ کیا جائے کہ علامہ امین الملک والدین محمد بن عابدین آفندی شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جو تحقیق
انہی ارشاد فرمائی ہے کس قدر مدلل و میرین ہے اور وہ بھی صرف اپنی ایجاد نہیں بلکہ کتب ائمہ سے اس پر نصوص
صریحہ نقل فرماتیں جن سے صاحب درمختار وغیرہ علمائے کبار سلفاً و خلفاً استناد کرتے آئے ہیں۔
ذخیرہ کہ ایک عمدہ مشہور و مستند فتاویٰ ہے۔ بدائع تصنیف امام ابو بکر بن مسعود بن احمد کاشانی
جس کی نسبت علماء فرماتے ہیں: هذا الكتاب جليل الشان له اسر له نظير في كتبنا (یہ عظیم الشان
کتاب ہے جس کی نظیر ہماری کتابوں میں دکھائی نہیں دیتی۔ ت)، محیط جس کا اعتبار آفتاب نیروز ہے،
فتاویٰ علامہ قاسم بن قطلوبغا تلمیذ رشید امام علامہ کمال الدین محمد بن الہمام، تبیین الحقائق
شرح کنز الدقائق امام علامہ فقیہ محدث زلیعی، شرح الهدایۃ اور ان کے سوا اور کتابوں میں بھی یہ مسئلہ
یونہی لکھا ہے جیسا علامہ محقق نے تحقیق فرمایا، مجمع الاثر شرح ملتی الابحار مطبوعہ استنبول جلد ۲
صفحہ ۷۵،

ثمن میں قبضہ سے قبل تصرف صحیح ہے جیسے بیع،
ہبہ، اور جس پر ثمن لازم ہے اس کو کچھ عوض کے
ساتھ یا بلا عوض مالک بنانا، اور ثمن میں سے کچھ
گھٹا دینا، اور یہ گھٹانا فی الحال ثابت ہوتا ہے
اور اصل عقد کی طرف منسوب ہو کر اس کے ساتھ لاحق
ہوتا ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ تمام ثمن کا گھٹانا

صح التصرف في الثمن ببيع وهبة
وتملك من عليه بعوض وغير
عوض قبل قبضه، والمحط منه
ويثبت المحط في الحال ويلتحق
باصل العقد استنادا وفيه اشارة
الى ان حط كل الثمن غير ملتحق

رد المحتار کتاب البيوع فصل في التصرف في البيع والتمن دار احياء التراث العربی بیروت ۱۶۷/۲

بالعقد اتفاقاً ملقطاً۔

اصل عقد کے ساتھ بالاتفاق لاحق نہیں ہوتا اور
اختصار۔ (ت)

شرح نفاہ مطبوعہ لکھنؤ ج ۳ صفحہ ۳۳۰ :

صح التصرف في الثمن والمحط عنه، اى
صح للمشتري القاء كل المبيع او بعضه
عن البائع ولبائع القاء كل الثمن او
بعضه عن المشتري وان لم يبق المبيع
ولم يقبض الثمن فصح ان يقول حطت
كله او بعضه عنك او وهبته منك او
ابراتك عنه (الى قوله) وان لم يلتحق
باصل العقد۔

ثمن میں تصرف اور اس کو گھٹانا درست ہے یعنی
مشتري کے لئے کل یا بعض مبيع بائع سے گھٹانا
اور اسی طرح بائع کے لئے کل یا بعض ثمن مشتري سے
ساقط کر دینا درست ہے اگرچہ مبيع باقی نہ رہا ہو اور
ثمن پر قبضہ نہ کیا ہو تو یہ کہنا صحیح ہوگا کہ میں تجھ سے کل
یا بعض گھٹا دیا یا میں نے تجھ کو اس سے بری کر دیا
(اس کے اس قول تک) اگرچہ یہ اصل عقد کے ساتھ
ملحق نہیں ہوگا۔ (ت)

خلاصۃ الفتاویٰ کتاب البيوع فصل ۱۳ :

ولو هب كل الثمن لا يلتحق باصل
العقد ولو هب بعض الثمن يلتحق به۔

اگر کل ثمن ہبہ کر دیئے تو اصل عقد کے ساتھ ملحق
نہ ہونگے اور اگر بعض ثمن ہبہ کئے تو ملحق ہو جائینگے۔ (ت)

فتاویٰ ہندیہ مطبع احمدی جلد سوم صفحہ ۵۸ :

اذا حط كل الثمن او هبه او ابرأه عنه
فات كان ذلك قبل قبض الثمن صح
الكل ولكن لا يلتحق باصل العقد۔

جب کسی نے کل ثمن گھٹا دیئے یا ہبہ کر دیئے یا مشتري
کو اس سے بری کر دیا اگر یہ ثمن پر قبضہ سے پہلے
ہوا تو سب صورتیں درست ہیں لیکن یہ اصل عقد
کے ساتھ ملحق نہیں ہوگا۔ (ت)

اور ان سب کتابوں سے صاحب درمختار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسی درمختار میں صدمہ جگہ استناد کیا ہے

۱۔ مجمع الانهر شرح ملتی الاجر کتاب البيوع فصل فی بیان البیع قبل قبض المبيع دار احياء التراث العربی بیروت ۸۱/۲-۸۰

۲۔ شرح النفاہ

۳۔ خلاصۃ الفتاویٰ کتاب البيوع الفصل الثالث عشر فی الثمن

۹۲/۳

مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ

الباب السادس عشر

۴۔ فتاویٰ ہندیہ

۱۴۳/۳

نورانی کتب خانہ پشاور

الباب السادس عشر

۵۔ فتاویٰ ہندیہ

سوا فتاویٰ ہندیہ کے کہ اس کی تالیف تصنیف درمختار سے متاخر ہے تو اب کالشمس فی النصف النہار روشن ہو گیا کہ طرف مقابل کا یہ عذر کہ بمقابلہ درمختار شامی کا کیا اعتبار، کتنی بے محل بات ہے، قطع نظر اس سے کہ جس نے علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تحقیقات لائقہ اور تدقیقات فائقہ اس حاشیہ اور کتاب مستطاب عقود دریہ وغیرہا میں دیکھی ہیں وہ ایسا لفظ ہرگز نہیں کہہ سکتا، اور علاوہ اس سے کہ علماء نے تصریح فرمادی ہے کہ درمختار ہر چند معتبر کتاب ہے مگر جب تک اس کے حواشی پاس نہ ہوں اس سے فتویٰ دینا جائز نہیں کیونکہ عبارت اس کی اکثر مقامات پر ایسی چستیاں ہے جس سے صحیح مطلب سمجھ لینا دشوار ہوتا ہے، ان سب باتوں سے قطع نظر کہ جب اس قدر اکابر ائمہ مستندین صاحب درمختار کی تحقیق علامہ شامی کے بالکل مطابقت ہے تو اس لفظ کا کون سا موقع رہا۔

(۳) اگر تسلیم کیا جائے کہ عبارت درمختار سے ظاہر جو مطلب سمجھا گیا وہی صحیح ہے اور ان جا ہیرائے کی تحقیق کا کچھ اعتبار نہیں تاہم اس کے مفاد کو دعویٰ مدعیہ سے کیا علاقہ، اس سے اس قدر سمجھا گیا کہ ہبہ ثمن باطل ہے نہ یہ کہ بیع فاسد و قابل فسخ ہے جیسا کہ دعویٰ مدعیہ ہے کاش یہ عبارت کہیں سے پیدا کی جاتی کہ بطل البیع بحط الكل (کل ثمن گھٹا دینے سے بیع باطل ہوگئی۔ ت) تو شاید قابل التفات ہوتی۔

(۴) وکیل مدعیہ نے جو عبارت عالمگیری پیش کی کہ اگر ہبہ ثمن قبل قبول واقع ہوا تو عقد صحیح نہیں، یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ فتاویٰ خلاصہ کتاب البیوع فصل ۲ :

مجموع النوازل میں ہے ایک شخص نے دوسرے کو کہا کہ یہ غلام میں نے تیرے ہاتھ دس درہم کے عوض بیچا اور میں نے تجھے دس درہم ہبہ کئے دوسرے نے جواب میں کہا کہ میں نے خریدنا تو بیع صحیح نہ ہوگی جیسا کہ وہ بغیر ثمن کے بیچے، اور نوازل میں ہے کہ خریداری جائز ہے اور ہبہ ناجائز ہے (ت)

فی مجموع النوازل من رجل قال بعت منك هذا العبد بعشرة دس اہم و وہبت منك العشرة وقال الاخر اشتریت لا یصح البیع كما لو باع بدون الثمن وفي النوازل الشراء جائز ولم تجز الهبة۔

اور امام علامہ فقہ النفس مالک التصحیح والترجیح فخر الملتہ والدین قاضی خان اوزجندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے فتاویٰ میں روایت صحت پر جزم کیا اور اسی کے ذکر پر اقتصار فرمایا دوسری روایت نقل بھی نہ فرمائی اور اسی روایت کو مدلل و مبرہن کیا۔ قاضیخان مطبوعہ مطبعہ العلوم جلد ۲ ص ۲۴۹ و ۳۴۴،

استاد صاحب الدر المختار،

عليك بما في الخانية فان قاضي خان من
اهل التصحيح والترجيح^۱

جو خانہ میں ہے اس کو قبول کرنا تجھ پر لازم ہے
کیونکہ امام قاضی خان ترجیح و تصحیح والوں میں
سے ہیں۔ (ت)

تصحیح القدوری للعلامہ قاسم:

ما يصححه قاضي خان من الاقوال
يكون مقدا ما على ما يصححه غيره
لانه كان فقيه النفس^۲

جن اقوال کی تصحیح قاضی خان کر دیں وہ مقدم
ہوتے ہیں ان اقوال پر جن کی تصحیح دوسرے
کرے کیونکہ امام قاضی خان فقیہ النفس ہیں (ت)

حاشیہ سید احمد طحاوی علی الدر المختار مطبوعہ مصر جلد دوم ص ۲۵:

الذي يظهر اعتماد ما في الخانية قولهم
ان قاضي خان من اجل ما يعتمد
على تصحيحاته^۳

جو خانہ میں ہے اس پر اعتماد ظاہر ہے فقہاء
کے اس قول کی وجہ سے کہ قاضی خان ان جلیل القدر
لوگوں میں سے ہیں جن کی تصحیحات پر اعتماد
کیا جاتا ہے۔ (ت)

عزرا العيون والبصائر شرح الاشباه والنظائر مطبوع مطبع مصطفى في دہلی ص ۲۷۵:

اس قول کو قاضی خان نے صحیح قرار دیا ہے لہذا
اس پر اعتماد کرنا چاہئے۔ (ت)

هذا القول صححه قاضي خان
فينبغي اعتماده^۴

عقود الدرية مطبوعہ مصر جلد دوم ص ۵۷:

جس کی تصحیح قاضی خان فرمادیں وہ اس پر مقدم
ہے جس کی تصحیح کوئی دوسرا کرے (ت)

ما يصححه قاضي خان مقدم على
ما يصححه غيره^۵

۱۔ الآل الدرية في الفتاوى الخيرية حاشیہ جلیہ جامع النور، الفصل الثامن عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۲۴۶/۱

۲۔ عزرا عيون البصائر بحوالہ تصحیح القدوری مع الاشباه الفن الثاني، کتاب الاجارہ ادارة القرآن کراچی ۲/۵۵

۳۔ حاشیہ الطحاوی علی الدر المختار کتاب النکاح فصل فی الحرۃ دار المعرفۃ بیروت ۲/۲۵

۴۔ عزرا عيون البصائر مع الاشباه الفن الثاني کتاب الاجارہ ادارة القرآن کراچی ۲/۵۵

۵۔ العقود الدرية فی تنقیح الفتاوی الحامدية کتاب الاجارہ حاجی عبد الغفار پسران تاجر ان کتب قندھار افغانستان ۲/۲۳

اور اسی طرح اور کتب میں بھی تصریح ہے، پس ثابت ہوا کہ مذہب راجح صحت بیع ہے اگرچہ ہبہ ثمن مابین الایجاب والقبول واقع ہوا ہو۔ لطف یہ ہے کہ وہی عالمگیری جس سے اس مسئلہ میں طرف مقابل کو استناد ہے، اسی کی جلد سوم ص ۴۷ پر بحوالہ خانہ مرقوم،

لو قال بعت منك بكذا على ان حططت منك
كذا او قال على ان وهبت لك كذا جاز
البيع
اگر کسی نے کہا کہ میں تیرے ہاتھ اتنے کے عوض
بیع کرتا ہوں اس شرط پر کہ میں تجھ سے اتنے گھاؤں گا
یا کہا اس شرط پر کہ میں تیرے لئے اتنا ہبہ کروں گا
تو بیع جائز ہے (ت)

بالجملہ طرف مقابل کو کوئی محل استدلال نہیں رہا یہ کہ ہبہ بھی صحیح ہوا یا نہیں؛ یہ دعویٰ مدعیہ سے جدا بات ہے۔

(۵) بطریق تنزل عرض کیا جاتا ہے کہ اگر حکم عالمگیری ہی تسلیم کیا جائے تو حاصل اختلاف فریقین کا یہ ہو گا کہ آیا یہ ہبہ قبل قبول واقع ہوا یا بعد۔ اب یہ دیکھا چاہئے کہ ایسی صورت میں علماء کون سے وقت کا اعتبار رکھتے ہیں مگر ہم تصریح پاتے ہیں کہ اصل حوادث میں یہ ہے کہ وقت قریب کی طرف اضافت کئے جائیں اور جو بعدیت کا قائل ہے اسی کا قول معتبر رکھا جائے گا اور یہ بھی تصریح ہے کہ یہ دلیل مدعا علیہم کو مفید ہے نہ مدعیوں کو۔ اشباہ والنظائر مطبع مصطفائی صفحہ ۶۰؛

الاصل اضافة الحادث الى اقرب اوقاته۔
اصل یہ ہے کہ حادث کی اضافت اس کے قریب ترین
وقت کی طرف کی جائے۔ (ت)

فقہ میں بہت مسائل اس ضابطہ پر مبنی ہیں، تمثیلاً ایک عرض کیا جاتا ہے ایک عورت نصرانیہ ایک مسلمان کے نکاح میں تھی اس مسلمان کا انتقال ہوا عورت نے دارالعتضا میں آکر دعویٰ کیا کہ میں مسلمان ہوں اور مورث کا ہنوز دم نہ نکلا تھا کہ میں اسلام لے آئی تھی مجھے اس کا ترکہ ملنا چاہئے، ورثہ نے کہا تو اس وقت مسلمان ہوتی ہے جب اس کا دم نکل چکا تھا تجھے ترکہ نہیں پہنچتا، علماء فرماتے ہیں قول ورثہ کا معتبر ہے گا کیونکہ اسلام اس کا حادث ہے تو وقت قریب کی طرف اضافت کیا جائے گا جب تک اول کا ثبوت بینہ سے نہ ہو۔ ہدایہ مطبع مصطفائی جلد دوم ص ۱۳۲؛

۱۳۶/۳ لہ فتاویٰ ہندیہ کتاب البیوع الباب العاشر نورانی کتب خانہ پشاور
۹۲/۱ لہ الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدة الثالثة ادارة القرآن کراچی

لومات المسلم وله امرأة نصرانية فجاءت
مسلمة بعد موته وقالت اسلمت قبل
موته وقالت الورثة اسلمت بعد موته
فالقول قولهم ۱

اگر کوئی مسلمان فوت ہوا اس حال میں کہ اس کی
ایک نصرانی بیوی تھی جو اس کی موت کے بعد مسلمان
تھی اور آئی اور کہا کہ میں اس کی موت سے پہلے
اسلام لاتی تھی جبکہ ورثاء میت کا کہنا ہے کہ
یہ اس کی موت کے بعد اسلام لائی ہے تو ورثاء کا قول معتبر ہوگا۔ (ت)

بنایة العلامة العینی میں ہے :

لان الاسلام حادث والمحدث یضاف الی
اقرب الاوقات ۲

ورثاء کا قول اس لئے معتبر ہے کہ اسلام حادث
ہے اور حادث کی اضافت اس کے قریب ترین
وقت کی طرف کی جاتی ہے۔ (ت)

تو یہاں بھی ہیبت من حادث ہے پس قول مدعا علیہم کا معتبر رہے گا کہ یہ ہیبت بعد تمامی بیع واقع ہوا نہ ما بین
الایجاب والقبول۔

(۶) خود مسلمہ پیش کردہ مدعیہ سے ثابت کہ اگر ہیبت بطریق اشتراط فی نفس العقد ہو تو مفسد بیع ہے
ورنہ نہیں، تو اب حاصل اختلاف یہ ہوا کہ مدعیہ وجود شرط مفسد کا دعویٰ کرتی ہے اور مدعا علیہم اس کا
انکار کرتے ہیں، اس خاص جزئیہ میں بھی علماء کی تصریح ہے کہ قول اس کا معتبر ہے جو شرط فاسد کا
انکار کرتا ہے۔ خانہ مطبوعہ مطبع العلوم جلد دوم ص ۲۵۱ میں ہے :

اگر کسی شخص نے ایک غلام جو کہ دوسرے کے قبضہ
میں ہے کے بارے میں دعویٰ کیا کہ میں نے اس
سے یہ غلام ہزار درہم کے عوض خریدا ہے، اور
بائع نے کہا کہ میں نے تیرے ہاتھ یہ غلام ہزار
درہم کے عوض فروخت کیا اور یہ شرط لگائی کہ تو
اس کو نہ تو بیچے گا اور نہ ہیبت کرے گا، یا مشتری
نے اس شرط کا دعویٰ کیا اور بائع نے اس کا انکار کیا

لو ادعی عبدانی یدرس جل انه اشتراه
منہ بالف درہم وقال البائع
بعتك بالف درہم و شرطت
ان لا تبیع ولا تہب
او ادعی المشتري ذلك و
انكر البائع كالتقول قول
من ينكر الشرط الفاسد

۱۴۷/۳ مطبع یوسفی لکھنؤ
۳۰۴/۳ الملکیتہ الامدادیہ مکہ مکرمہ

والبينة بينة الاخر وكذا لو كان
مکان الشرط الفاسد شرط الخمر
والخنزير

تو اس کا قول معتبر ہوگا جو اس شرطِ فاسد کا
منکر ہے اور گواہ دوسرے کے مقبول ہوں گے
اور ایسا ہی حکم ہوگا اگر اس شرطِ فاسد کی جگہ
خمر و خنزیر کی شرط ہو۔ (ت)

(۷) یہ بھی تسلیم کیا کہ نفسِ ایجاب میں معاف ہونا مذکور تھا مگر علمائے محققین ایسی جگہ صیغہ ماضی
و مستقبل میں فرق فرماتے ہیں کہ اگر بصیغہ مستقبل تھا تو ناجائز اور بصیغہ ماضی تھا تو جائز، اور ظاہر ہے
کہ دستاویز پیش کردہ مدعا علیہم میں لفظ ماضی مذکور ہے کہ ثمن بوعض حقوق فرزند می معاف کیا۔ فتاویٰ
قاضیخان جلد ۲ ص ۲۳۹ میں ہے :

لوقال علی ان اھب لك من ثمنه
كذا لا یجوز، ولو قال بعث منك بكذا
علی ان حطت عنك كذا وعلی ان
وهبت لك كذا جائز البیع اھ ملخصا۔

اگر کہا اس شرط پر تیرے ہاتھ بیع کی کہ تجھے اس کے
ثمن سے اتنے ہبہ کروں گا تو بیع جائز نہ ہوگی اور
اگر کہا کہ میں نے تیرے ہاتھ اتنے کو بیع کی اس
شرط پر تجھ سے اتنا گھٹا دیا یا تجھے اتنا ہبہ کیا تو
بیع جائز ہے اھ تلخیص (ت)

اور اسی طرح نوازل میں مذکور ہے اور اس سے خلاصہ میں یونہی نقل کیا اور خود عالمگیری مستند دلیل
مدعیہ میں اسی طرح روایت کر کے مقرر رکھا کما مر (جیسا کہ گزرا۔ ت) اور سب میں بلا ذکر خلاف۔
(۸) علماء فرماتے ہیں کہ اگر کسی عقد کے صحت و عدم صحت سے سوال ہو تو اسے صحت پر حمل کیا جائیگا
اور یہ مان لیا جائے گا کہ تمام شرائط صحت مجتمع تھیں تا وقتیکہ فساد دلیل روشن سے ثابت نہ ہو مجرد
احتمال کفایت نہیں کرتا۔ فتاویٰ خیریہ لنتفع البریہ تصنیف امام خیر الملتہ والدین رملی استاذ صاحب مینار
مطبوعہ مطبع میری مصر جلد دوم صفحہ ۹۴ :

الاصل صحته ففی البزانیة لوسئل
عن صحته یفتی بصحته حملا
علی استیفاء الشرائط اذا المطلق

اصل عقد کی صحت ہے چنانچہ بزانیہ میں ہے کہ
اگر صحت عقد کے بارے میں سوال کیا جائے
تو اس بنیاد پر کہ اس میں تمام شرائط مجتمع تھیں

۱۰ فتاویٰ قاضیخان کتاب البیوع فصل فی احکام البیع الفاسد مطبع نوکشتور لکھنؤ ۳۵۰/۲
۱۱ " " " " فصل فی الشروط المفسدة " " " " ۳۴۴/۲

اس کی صحت کا فتویٰ دیا جائیگا کیونکہ مطلقاً کو مراد صحیح سے خالی کمال پر محمول کیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ اور اسی میں جلد دوم ص ۳۵ پر ہے: اگر ایسے مال کی بیع کے بارے میں سوال کیا جائے جس کو مال والے نے منعقد کیا ہے تو بلاشبہ یہ جائز ہے اس کے باوجود کہ اگر وہ مجنون ہے تو کوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ خریداری درست ہے۔ اسی میں ہے کہ مکلف کی عبارت کو قابل عمل بنانے

يحمل على الكمال الخالي عن الموانع للصحة والله اعلم۔ وفيها جلد دوم ص ۳۵ اذا رفع السؤال ببيع مال بـ باعه ذوالمال جائز بلا مرأ۔ مع انه كان مجنوناً فلا يـ احد يقول بانه صحم الشراء۔ وفيها النظر الى العمل بعباراة المكلف اولى من اهداسها والمحاقة بالحيوانات وكلامه بجواسها والله تعالى اعلم۔

پر نظر کرنا اس کو لغو قرار دینے اور مکلف کو حیوانوں اور اس کے کلام کو حیوانوں کے ڈکارنے کے ساتھ لاحق کرنے سے اولیٰ ہے، اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ (ت)

ملاحظہ ہو کہ جب مفتی کے لئے یہ حکم ہے کہ اصل صحت پر عمل کرے اور شرائط صحت کا اجتماع مان کر فتویٰ دے تو قاضی جس کی نظر صرف ظاہر پر مقتصر ہے اور احتمالات بعیدہ کا لحاظ اس کے منصب سے جدا بات ہے وہاں تو اصل پر نظر رکھنا اولیٰ و احق ہوگا خصوصاً یہاں کہ بائع مرحوم عالم دین تھے اور ان کا قصہ تمذیک کا ہونا ظاہر، تو موانع صحت سے احتراز کرنا ہی ان سے متوقع۔

(۹) علماء تصریح فرماتے ہیں جب عاقدین میں صحت و فساد کا اختلاف واقع ہو تو قول اس کا قول ہے جو مدعی صحت ہے۔ فتاویٰ قاضی خاں جلد دوم ص ۲۵۱:

جب بائع اور مشتری میں اختلاف ہو ان میں سے ایک صحت عقد کا جبکہ دوسرے کسی شرط فاسد کی وجہ سے فساد عقد کا دعویٰ کرے تو قول صحت کے مدعی کا بہتر ہوگا اور گواہ فساد کے مدعی کے معتبر ہوں گے، اس پر تمام روایات میں اتفاق ہے۔

اذا اختلف المتبايعان احدهما يدعى الصحة والاخر الفساد بشرط فساد او اجل فاسد كان القول قول مدعى الصحة والبيينة بيينة مدعى الفساد باتفاق الروايات، وان كان مدعى

۱۰۳ / ۲	دار المعرفۃ بیروت	کتاب الصلح	۱۰
۳۹ / ۲	" "	کتاب الوکالۃ	۱۰
۴۴ / ۲	" "	کتاب الدعوی	۱۰

اگر فساد کا دعویٰ کرنے والا اصل عقد میں پائی جانے والی کسی خرابی کے سبب سے فساد کا دعویٰ کرے مثلاً اگر وہ دعویٰ کرے کہ اس نے یہ شتی ہزار درہم اور ایک رطل شراب کے عوض خریدی ہے جبکہ دوسرا دعویٰ کرے کہ اس نے ہزار درہم کے عوض فروخت کی، تو اس میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے دو روایتیں منقول ہیں، ظاہر الروایۃ میں ہے کہ قول مدعی صحت کا اور گواہ دوسرے کے معتبر ہیں

الفساد یدعی الفساد لمعنی فی صلب العقد بان ادعی انه اشتراه بالف درهم و رطل من خمس والاخر یدعی البیع بالف دس هم ، فیہ روایات عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ فی ظاہر الروایۃ القول قول من یدعی الصحة ایضا والبیئۃ بیئۃ الاخر کما فی الوجه الاول و فی روایۃ القول قول من یدعی الفساد

جیسا کہ پہلی صورت میں بیان ہوا، اور ایک روایت میں یوں ہے کہ فساد کے مدعی کا قول معتبر ہوگا (ت) اور اسی طرح فتاویٰ عالمگیری میں نقل کیا جلد ۳ ص ۵۲۔ خلاصہ کتاب البیوع فصل ۴،

لو ادعی احدہما فساد العقد والاخر الصحة القول قول من یدعی الصحة الخ۔

فتاویٰ صغریٰ میں ہے اگر بائع اور مشتری میں سے ایک نے فساد عقد کا جبکہ دوسرے نے صحت عقد کا دعویٰ کیا تو صحت کے مدعی کا قول معتبر ہوگا۔

قابل لحاظ ہے کہ جب اصل بائع دعویٰ فساد کرتا تو اس کا قول تسلیم نہ ہوتا غیر کا کیونکہ ہوگا۔

(۱۰) اتنی بات اور بھی لائق التفات ہے کہ مدعیہ کو اس کی گنجائش ہی نہیں کہ وہ ہبہ ثمن بربیل اشراط یا بلا اشراط ما بین الایجاب والقبول خواہ بعد القبول واقع ہونا مانے، کیونکہ اس تقدیر پر مورث کا بیع و ہبہ کرنا ثابت ہوتا ہے اگرچہ وہ کسی طور پر ہو اور یہ قول اس کی عرضی دعویٰ و اظہار حلفی کے بالکل مناقض ہے اور علماء تصریح فرماتے ہیں کہ مناقض دعویٰ قابل تسلیم نہیں تو مدعا علیہم کا قول بلا معارض و لائق قبول ہے، واللہ تعالیٰ اعلم وحکمہ جل مجدہ احکم۔

مسئلہ ۱۰۸ از ریاست رامپور مرسلہ جناب سیدنا درحسین صاحب ۵ شعبان ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے اپنا ایک مکان سلمیٰ کے ہاتھ جس سے سپر ہندہ کی شادی قرار پائی تھی بیع صحیح شرعی کیا اور زر ثمن کہ سلمیٰ پر اس بیع سے واجب ہوا تھا سلمیٰ کو بخشا

۱۔ فتاویٰ قاضی خان کتاب البیوع فصل فی احکام البیع الفاسد مطبع نو لکشور لکھنؤ ۳۵۰/۲
۲۔ خلاصہ الفتاویٰ الفصل الرابع مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴۹۹/۳

معاف کر دیا اس عقد کی دستاویز بدیں خلاصہ تحریر ہو کر رجسٹری ہو گئی منکہ سعادت النساء بیگم زوجہ سید سعادت علی صاحب ساکن رام پور ہوں جو کہ ایک منزل مکان (چنیں و چناں) واقع رامپور محدودہ ذیل مقبوضہ مملوکہ میرا ہے وہ اب میں نے بحالتِ صحت نفس و شباب عقل بلا اکراہ و اجبار بطوع و رغبت اپنی سے جمیع حقوق و مرافقہ بعبوض مبلغ آٹھ سو روپیہ چہرہ دار ہمدست مسماۃ سلمیٰ بیگم بنت سیدنا درحسین صاحب ساکنہ بریلی جس کا نکاح حسب خواہش میری سید سکندر شاہ پسر لطنی میرے سے قرار پایا ہے بیچا اور بیع کیا میں نے

اور مکان بیع پر مشتری مذکورہ کو مثل اپنی ذات کے مالک و قابض کر دیا میں نے، اور زر ثمن تمام کمال مشتری سے وصول پایا میں نے، یعنی ثمن اس کا بوجہ محبت فطری سید سکندر شاہ مذکور کے سلمیٰ بیگم مشتری کو معاف کیا اور بخشا میں نے، اب مجھ کو اور قائم مقامان میرے کو دعویٰ زر ثمن کا نہیں ہے اور نہ ہو گا تقابض البدلین واقع ہوا، اب مجھ بالعمہ کو مکان بیع سے کچھ سروکار نہ رہا، اگر کوئی سہیم یا شریک پیدا ہو تو جوابدہ میں بالعمہ ہوں فقط، اس صورت میں یہ بیع شرعاً صحیح ہے یا نہیں؟ اور ہندہ خواہ اس کے قائم مقاموں کو اس بیع پر کوئی رد و اعتراض ہے یا نہیں؟ اور یہ معافی ثمن بھی صحیح ہوئی یا نہیں؟ اور ہندہ یا اس کے ورثہ کو اس معافی سے رجوع کا اختیار ہے یا نہیں؟ بیٹو اتوجروا۔

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں وہ بیع مکان و معافی ثمن دونوں صحیح و تام و کامل ہیں ہندہ خواہ اس کے کسی وارث یا قائم مقام کو نہ اس بیع و معافی پر اعتراض پہنچتا ہے نہ ہرگز رجوع کا اختیار مل سکتا ہے، فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے،

اگر پورا ثمن گھٹا دیا یا ہبہ کر دیا یا اس سے بری کر دیا اگر یہ ثمن پر قبضہ سے پہلے ہوا تو سب جائز ہے (ت)

اذا حط كل الثمن او هبته او ابرأه عنه فان كان ذلك قبل قبض الثمن صح الكل

فتاویٰ و شرح نقایہ میں ہے،

ثمن میں تصرف اور اس کو گھٹانا صحیح ہے یعنی مشتری کے لئے درست ہے کہ وہ بالعمہ سے پورا

صح التصرف في الثمن والمحط عنه اى صح للمشتري القاء كل

۱۷۳/۳ فورانی کتب خانہ پشاور الباب السادس عشر کتاب البیوع

المبيع او بعضه عن البائع وللبائع القاء
كل الثمن او بعضه عن المشتري^۱

یا بعض مبیع ساقط کر دے اور بائع کیلئے درست
ہے کہ وہ مشتری سے پورا یا بعض ثمن ساقط
کرے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے ،

لو حظ جميع الثمن صح في حق المشتري
وكان ابراء له عن الثمن^۲ اھ بتلخیص .

اگر بائع نے پورا ثمن گھٹا دیا تو مشتری کے حق میں
یہ صحیح ہوگا اور یہ بائع کی طرف سے مشتری کو ثمن سے
بری کرنا قرار پائے گا اھ بتلخیص (ت)

اشباه والنظائر وغز العيون میں ہے ،

واللفظ له بخلاف الابراء فان
لا رجوع فيه سواء وجد فيه
مانع من موانع الرجوع في الهبة او
لا^۳ والله سبحانه وتعالى اعلم .

لفظ غز کے ہیں بخلاف ابراء کے کیونکہ اس میں
رجوع کا حق نہیں کوئی رجوع سے مانع ہو،
جیسے ہبہ یا مانع نہ ہو۔ واللہ سبحانہ
وتعالیٰ اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۹ از سرنیاں ضلع بریلی مرسلہ امیر علی صاحب قادری ۲ رجب ۱۳۳۱ھ

بکر کھار سے جس وقت لوٹے مول لیتا ہے کہتا ہے مسجد کے لئے جاتے ہیں زیادہ دینا ،
کھار دوچار لوٹے پر زیادہ کا نام کر دیتا ہے ، اور اگر مسجد کا نام نہ لیا جائے جب بھی اسی قدر ملتے اور
اگر بجاؤ سے زیادہ بھی دے تو زیادہ لوٹے کیسا ہے ؟

الجواب

اگر وہ اپنی خوشی سے زیادہ دے کوئی حرج نہیں ، مگر کھار اگر کافر ہے تو مسجد کے لئے اس سے
مانگنا نہ چاہئے کہ گویا مسجد اور مسلمانوں پر احسان سمجھے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱ شرح النقایۃ

۲ ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی التصرف فی المبیع و الثمن دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۶۷/۲

۳ غز عیون البصائر الفتن الثالث ما افرق فیہ الهبۃ والابراء ادارة القرآن کراچی ۲۴۸/۲

مسئلہ آمدہ از دکان حمید اللہ و عبد الرحمن جفت فروش دہلی بازار فتحپوری ۹ رجب المرجب ۱۳۳۴ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین کہ ہم لوگ تاجر کاریگروں سے جو مال خریدتے ہیں
ایک پیسہ روپیہ کٹوتی کاٹ کر مال کی قیمت دیتے ہیں اور اس بات کا اعلان کاریگروں کو بیع سے پہلے کر دیا گیا ہے
اس صورت میں یہ بیع شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟ صورت ثانی اگر بائع کٹوتی سے راضی ہو تو کیا حکم اور اگر
ناراض ہو تو کیا حکم؟ صورت ثالث یہ ہے کہ پیسہ روپیہ کاٹ کر جو مال خرید کیا جاتا ہے بیوپاری کو پورا ایک
روپیہ کا بتا کر نفع فی روپیہ لیا جاتا ہے یعنی بیوپاری کو کٹوتی مبرا نہیں دی جاتی، یہ امر جائز ہے یا ناجائز؟
بیئتوا تو جبروا۔

الجواب

ناراضی کی حالت میں حرام ہے،

قال اللہ تعالیٰ الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم
اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا، مگر یہ کہ ہو وہ تمہارے
درمیان تجارت باہمی رضامندی سے۔ (ت)

اور رضا سے ہو یا ناراضی سے، مال جتنے کو اسے پڑا اس سے زیادہ کو بتانا جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم
مسئلہ از ریاست رام پور مدرسہ مطیع العلوم مدرسہ محمد امام الدین صاحب ۱۵ صفر ۱۳۳۶ھ
بیع میں زیادت ثمن بحسب آجال درست ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو بحسب اثمان و آجال
مختلف ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کیا ہے؟

الجواب

درست ہے مع الکراہتہ اور اختلاف تراضی عاقدین پر۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ از شہر محلہ عقب کووالی مدرسہ شیخ مقبول احمد صاحب پسر شیخ علی جان صاحب
کلکتہ سے میں نے ایک بیوپاری کو مارٹے مال روانہ کیا اور وہ اس کے پاس پہنچا لیکن
روپیہ بھول سے ہمارے یہاں کھاتے میں درج کرنے سے رہ گیا قریب دو سال کے اس بیوپاری
نے ہم سے اب کہا کہ قریب مارٹے کے ایک رقم فاضل تمہاری ہمارے کھاتے سے برآمد ہوئی ہے
اور تمہارے یہاں یہ رقم جمع نہیں، اب خدا معلوم کہ تمہاری غلطی ہے یا ہماری، اس سے بہتر کہ روپیہ
ہم سے لے لو مگر اس کو اپنے مصرف میں نہ لانا خدا کی راہ میں صرف کرنا چنانچہ بیوپاری سے ہم نے

وعدہ کر لیا کہ یہ رقم ہم خیرات کر دیں گے بیوپاری نے ہم سے قسم اس امر کی لی ہے کہ اگر اس رقم کی خیرات نہ کرو گے تو تمہارے اوپر بوجھ رہے گا۔

الجواب

اگر اس رقم کا واجبی ہونا معلوم نہیں جب تو اس کا اپنے تصرف میں لانا ہرگز جائز نہیں سبب خیرات کہ دیا جائے اور اگر معلوم ہے کہ ہماری یہ رقم اس پر آئی تھی لکھنے سے رہ گئی تھی تو اگرچہ وہ اس کا مال ہے اور اپنے تصرف میں لانا حرام نہ ہوگا مگر جب اللہ کے لئے وعدہ کر چکا ہے تو اس سے پھرنا سخت شامت کا موجب ہے۔

قال اللہ تعالیٰ فاعقبہم نفاقاً فی قلوبہم
الحی یوم یلقونہ بما اخلفوا ما وعدوہ
وبما کانوا یکذبون۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تو اللہ تعالیٰ نے ان کی سزا میں ان کے دلوں میں نفاق رکھ دیا اس دن تک جب وہ اس کو ملیں گے اس سبب سے کہ انہوں نے خلاف ورزی کی اس وعدہ کی جو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا تھا اور اس سبب سے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ت)

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے بکر کے ہاتھ ایک اراضی بقیعت مبلغ چار سو روپے کی فروخت کی اور ایک سو پچاس روپیہ کی بابت بیعاً نہ زید نے بکر سے لے کر رسید تحریر کر دی اور وعدہ کیا کہ بقیہ روپیہ وقت رجسٹری دستاویز لے کر بیعنامہ اندر مدت ایک سال کے تصدیق کرادوں گا، سوال یہ ہے کہ آیا شرعاً بیع منعقد اور مختتم ہوگی اور بقیہ زر ثمن بکر کے ذمہ دین ہا یا بیع فاسد ہوئی بوجہ مجہول غیر معلوم ہونے مدت ادائے زر ثمن کے اور قرارداد مہلت ادائے ثمن بہر حال مفسد بیع ہے یا فقط صلب عقد میں مہلت کا شرط ہونا مفسد ہوتا ہے اور تجویز عدالت میں دو روایتیں کتاب بحر الرائق و فتاویٰ خیریہ کی بابت فاسد ہونے بیع کے بجا مہلت مدت ادائے ثمن کے درج ہوئی ہیں وہ یہ ہیں، بحر الرائق میں ہے:

بیع ثمن حالی کے بدلے اور میعاد معلوم کے ساتھ صحیح ہے، ماتن نے اجل کے ساتھ معلوم ہونے کی قید لگائی اس لئے کہ اجل کی جہالت جھگڑے کا

صحیح بٹمن حال و باجل معلوم قید بعلم الاجل لان جہالتہ تفضی الح النزاع فالبائع

سبب بنتی ہے چنانچہ بائع قریبی مدت میں ثمن کا مطالبہ کرے گا اور مشتری اس سے انکار کریگا تو اس طرح فساد آئے گا۔ (ت)

یطالبه في مدة قریبة و المشتري یا باها
فیفسد

فتاویٰ خیریہ میں ہے :

ایک ایسے شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے دوسرے کے ہاتھ بتیس^{۳۲} نغرش (دو آنے کے برابر ایک سکہ) کے عوض اونٹ بیچا اور اس پر تین خیاروں تک اجل مقرر کی ہر خیار میں تہائی ثمن دے گا پس ایک خیار کے طلوع ہونے پر اس نے بائع کو ثمن کا ایک تہائی دے دیا اور بائع دوسرے دو خیاروں کے طلوع سے قبل ہی باقی دو تہائی ثمن کا مطالبہ کرتا ہے درانحالیکہ

سئل فی رجل باع آخر جملا باثنین و ثلاثین غر شاموجلة علیہ الح ثلاث خیارات کل خیار ثلاث الثمن فطلوع الخیار و دفع له ثلثه و یطالبه بثلثیه قبل طلوع الخیارین مدعیات الاجل المذكور غیر صحیح و انه یستوجب کل الثمن عاجلا فالحکم فی ذلك (اجاب) البیوع المذكور فاسد

وہ اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ اجل مذکور درست نہیں اور اس بیع میں تمام ثمن معجل طور پر لازم ہوتا ہے تو اس صورت میں کیا حکم ہے (تو جواب دیا کہ) بیع مذکور فاسد ہے۔ (ت) اور تجویز عدالت جو بقدر ضرورت درج ذیل ہے اس کا کیا جواب ہے :

عبارت تجویز عدالت بقدر ضرورت

بقواع شرعیہ جہالت اجل ثمن موجب فساد بیع ہے اس لئے کہ مدعی نے دعویٰ میں تحریر کیا ہے کہ مدعا علیہ نے بیعاً نہ لے کر یہ وعدہ کیا کہ بقیہ روپیہ وقت رجسٹری دستاویز لے کر بیعنامہ اندر مدت ایک سال کے تصدیق کر دوں گا، پس وعدہ ادا سے ثمن بقیہ کا جو درمیان سال کے حسب دعویٰ مدعی قرار داد ہوا وہ بقیہ تاریخ معین مخصوص و مقید نہیں ہے اس کا اطلاق عموماً علی السویہ آغاز وعدہ سے تا اختتام جزو و آخر روز سال مابین فریقین متضمن نزاع ہو سکتا ہے تو یہ بیع فاسد ہے فقط۔

۲۷۹/۵

ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

کتاب البیوع

لے البحر الرائق

۲۳۸/۱

دار المعرفہ بیروت

باب البیوع الفاسد

کتاب البیوع

کتاب البیوع

الجواب ۲۶۶

صورتِ مستفسرہ میں بیع نام و صحیح ہے اور بقیہ ثمن ذمہ مشتری واجب۔ یہ قرار داد مہلت ادا کے ثمن کسی طرح مفسد بیع نہیں، نہ بعد تمامی عقد، وان قلنا بالتحا قہ باصل العقد (اگرچہ ہم اس کے اصل عقد کے ساتھ لاحق ہونے کا قول کریں۔ ت) نہ نفس صلب عقد میں کہ یہ اجل معین ہے اور بیع اجل معین کے ساتھ صحیح ہے اس کے لئے خود وہی عبارت بجز الراجح منقولہ تجویز کافی ہے کہ صحیح بضمن حال و باجل معلوم (بیع درست ہے ثمن عالی کے ساتھ اور معلوم میعاد کے ساتھ۔ ت) اسے اجل مجہول سمجھنا اصلاً و جہ صحت نہیں رکھتا عرفاً لغتاً ہر طرح سال کے اندر اور ایک سال تک کا حاصل ایک ہے جس سے اجل کی تحدید ایک سال سے ہوتی ہے اور سال شے معین ہے نہ کہ مجہول، اسی بجز الراجح میں اسی بحث میں ہے :

وفي السراج الوهاج الاجال على ضربين معلومة ومجهولة فالمعلومة السنون والشهور والايام الخ۔
السراج الوهاج میں مذکور ہے کہ میعادیں دو طرح کی ہیں معلوم اور مجہول۔ معلوم میعادیں سال مہینے اور دن ہیں الخ (ت)

آغاز وعدہ سے اختتام سال تک مشتری کو اختیار ادا ہونا مضر نہیں بلکہ عین مقصود تا جیل ہے کہ اجل اسی کے رفاہ کے لئے ہے کما فی الہدایۃ وغیرہا (جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں ہے۔ ت) اور اگر یہ مقصود کہ اس کا اطلاق ان تمام اجزاء کو شامل تو بائع ہر جز میں طلب کر سکتا ہے اور یہ مفضی الی النزاع ہے تو یہ محض باطل ہے جب وہ مشتری کو سال کے اندر ادا کی اجازت کر چکا تو جب تک سال کے اندر ہے اسے اختیار مطالبہ نہیں کہ وہ اسی اجازت تاخیر کے اندر داخل ہے و قد لزم التاجیل من جہتہ فلا یقدر ان یطالبہ (تحقیق اس کی طرف سے میعاد لازم ہو چکی ہے اب وہ ثمن کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔ ت) ہاں جب سال سے باہر جاتے اس وقت اسے اختیار مطالبہ ہو گا اور اب مشتری کو کوئی عذر نہیں ہو سکتا پھر نزاع کہاں، اور خود عبارت بجز الراجح منقولہ تجویز سے ظاہر کہ اجل وہی مفسد ہے جو مفضی نزاع ہو۔ عبارت تاخیر یہ کہ یہاں سے کوئی تعلق نہیں کہ اس میں تین خیار تک بیع ہے اور خیار کوئی شے معین نہیں بخلاف سال۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۲۱ اردو نگلہ ڈاک خانہ اچھنیرہ ضلع آگرہ مرسلہ صادق علی خاں ۲۸ شوال ۱۳۳۶ھ
ایک شخص غلہ اپنا نرخ بازار سے کم اس شرط پر دیتا ہے کہ قیمت کچھ عرصہ بعد لوں گا مثلاً بھواؤ

۲۷۹ / ۵

۲۸۰ / ۵

ایچ ایم سعید کمپنی کراچی
ایچ ایم، سعید کمپنی کراچی

کتاب البیع
کتاب البیع

لے البحر الراجح
لے البحر الراجح

بازاری ۲۰ ٹار ہے اور لوگوں کو ۱۶ ٹار کے حساب سے دیتا ہے اس قرض دینے میں سود تو نہیں ہوتا؟
جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب

یہ سود نہیں، نہ اس میں کوئی حرج جبکہ برضائے مشتری ہو، اور اجل یعنی میعاد ادا معین
کردی جائے،

قال اللہ تعالیٰ الا ان تكون تجارة عن
تراض منكم لہ

غرض یہ بیع بلا کراہت ہے، ہاں خلاف اولیت ہے۔ فتح القدر میں ہے؛

لاکراہة الا خلاف الاولى فان الاجل
قابلہ قسط من الثمن واللہ تعالیٰ اعلم۔

اس میں کراہت نہیں تاہم یہ خلاف اولیٰ ہے
کیونکہ اجل کے مقابل ثمن کا ایک حصہ ہے۔
واللہ تعالیٰ اعلم (ت)

بَابُ الْقَرْضِ

(قرض کا بیان)

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین کہ ایک شخص نے مبلغ سو روپیہ اس شرط پر قرض لیا کہ پچیس روپے سالانہ منافع مقررہ بلا نقصان کے دیتا رہوں گا اور جب جمع طلب کرو گے تو تمہارا پورا روپیہ واپس کر دوں گا، جس شخص نے اس شرط کو قبول کر کے روپیہ دے دیا اس پر سود خوری کا حکم ہے یا نہیں؟ اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہوگی یا ناجائز؟
بیتنا تو جبردا (بیان کروا جردے جاؤ گے۔ ت)

الجواب

قطعی سود اور یقینی حرام و گناہ کبیرہ و نجیث و مردار ہے۔ حدیث میں ہے :
قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم كل قرض جرم منفعه فهو ربا
رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم جو قرض تفع کو کھینچے وہ سود ہے (ت)
ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنی سخت مکروہ ہے جس کے پھرنے کا حکم ہے اور اسے امام کرنا گناہ،
کمانص علیہ الامام الحلبي في الغنية (جیسا کہ اس پر امام حلبي نے غنیہ میں نص فرماتی ہے) واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳۸/۶

مؤسسۃ الرسالہ بیروت

حدیث ۱۵۵۱۶

لہ کنز العمال

ص ۱۲ - ۵۱۳

سہیل اکیڈمی لاہور

فصل فی الامامۃ

لہ غنیۃ المستملی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے ملازم سے کہا پچاس روپے مجھے کسی سے قرض لادے، ملازم ایک مہاجن سے پچاس روپے یہ کہہ کر قرض لایا کہ میرے آقا کو ضرورت روپے کی ہے مہاجن نے غائبانہ بلا تصدیق پچاس روپے دے دیئے اور ملازم نے اپنا رقعہ اسے لکھ دیا بعدہ روپیہ آقا کو ادا کر دیا اور بیان کیا کہ میں فلاں مہاجن سے یہ روپیہ آپ کے نام سے قرض لایا ہوں اور رقعہ اپنا دستخطی لکھ کر دے آیا ہوں بعد چندے زید نے وہ رقعہ اس ملازم کو دے دیئے، بعد بہت عرصہ کے تحقیق ہوا کہ روپیہ مہاجن کو نہیں پہنچا بلکہ ملازم نے خود اپنے تصرف میں کر لیا اور ملازم سے پوچھا تو وہ بھی اقرار کرتا ہے کہ روپیہ میں نے مہاجن کو نہیں دیا اور کہتا ہے یہ روپیہ تو میں اپنے رقعہ سے لایا تھا آقا سے مجھے ملنا چاہئے تھا، اس صورت میں وہ رقعہ مگر ذمہ زید کے واجب الادا ہیں یا نہیں؟ اور یہ رقعہ کہ نوکر نے تصرف کر لئے اسے دینا آئیں گے یا نہیں؟ بینوا تو جبروا۔

الجواب

صورت مستفسرہ میں اگر نوکر نے یوں قرض مانگا تھا کہ میرے آقا کو پچاس روپے قرض دے دے یا میرا آقا تجھ سے پچاس روپے قرض مانگتا ہے جب تو یہ قرض آقا کے ذمہ ہے اور اگر یوں مانگا تھا کہ میرے آقا کو پچاس روپے کی ضرورت ہے مجھے قرض دے یا میرے آقا کے لئے مجھے پچاس روپے قرض دے تو مہاجن کا قرض نوکر کے ذمہ ہوا۔ ردالمحتار میں ہے:

فی جامع الفصولین بعث سرجلا یتقرضہ
فأقرضہ فضاع فی یدہ فلو
قال أقرض للمرسل ضمن مرسلہ،
ولو قال أقرضنی للمرسل
ضمنت سسولہ، والحاصل
ان التوکیل بالاقراض
حائز لا بالاستقراض و
الرسالة بالاستقراض
تجوز، ولو اخرج وکیل الاستقراض
کلامه مخرج الرسالة يقع القرض للأمر،
جامع الفصولین میں ہے کسی نے ایک شخص کو
قرض لینے کے لئے بھیجا اس نے قرض لیا اور
اس کے ہاتھ سے ضائع ہو گیا اگر اس نے قرض
لینے وقت یوں کہا کہ بھیجنے والے کے لئے قرض
تو بھیجنے والا ضامن ہوگا، اور اگر کہا کہ بھیجنے والے
کے لئے مجھے قرض دے تو اب قاصد ضامن ہوگا۔
حاصل یہ کہ قرض دینے کے لئے وکیل بنانا جائز
نہ کہ قرض لینے کے لئے، اور قرض لینے کیلئے قاصد
بھیجا جائز ہے، اور اگر قرض لینے کے وکیل نے
بطور قاصد کلام کیا تو قرض امر کے لئے ہوگا اور

اگر اس نے بطور وکیل کلام کیا بائیں طور اس کو اپنی ذات کی طرف منسوب کیا تو اس صورت میں قرض خود وکیل کے لئے واقع ہوگا اور اس کو اختیار ہوگا کہ وہ قرض آمر کو نہ دے اھ میں کہتا ہوں ان دونوں صورتوں میں فرق یہ ہے کہ جب اس نے عقد کو مؤکل کی طرف منسوب کیا مثلاً یوں کہا کہ فلاں تجھ سے مطالبہ کرتا ہے کہ تو اس کو اتنا قرض دے تو اس صورت میں وہ قاصد ہو گیا اور قاصد محض سفیر اور معبر ہوتا ہے بخلاف اس صورت کے کہ جب اس نے اپنی طرف نسبت کی اور کہا مجھے اتنا قرض دے یا کہا کہ مجھے فلاں کے لئے اتنا قرض دے تو یہ قرض خود اس کے لئے واقع ہوگا اور اس کے قول "فلاں کے لئے" کا مطلب ہوگا کہ فلاں کی وجہ سے۔ اور علماء نے کہا کہ قرض لینے میں وکیل

بنانا اس لئے صحیح نہیں کہ یہ گد اگری میں وکیل بنانا ہے جو کہ صحیح نہیں۔ میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ قرض ابتداءً صلہ اور احسان ہے چنانچہ قرض مانگنے والے کے لئے واقع ہوگا کیونکہ اس میں نیا بہت درست نہیں تو اس طرح وہ تکد بمعنی گد اگری کی ایک قسم ہوگا، یہ وہ ہے جو میرے لئے ظاہر ہوا اھ (ت پھر اس صورت میں جبکہ نوکر نے وہ روپے جو حقیقہً اس کی ملک ہو چکے تھے لاکر آقا کو دے دیئے اور اس نے اپنے صرف میں کئے اور ظاہر ہے کہ یہ دینا بروجہ بہہ نہ تھا بلکہ بر بنائے قرض و وجوب تقاضا و ادائے مثل تھا تو نوکر کا دین آقا کے ذمہ رہا،

کیونکہ قرض لینا اپنی ذات کی طرف منسوب کرنے کی وجہ سے خادم پر نافذ ہو گیا اور اس باہمی رضا مندی سے وجوب تقاضا کے طور پر اپنے آقا کو

ولو مخرج الوكالة بات اضافہ الی نفسه یقع للوکیل وله منعه عن امره اھ، قلت والفرق انه اضاف العقد الی الموکل بات قال ان فلانا یطلب منك ان تقرضه کذا صار رسولا و الرسول سفیر و معبر یخلاف ما اذا اضافه الی نفسه بان قال اقرضنی کذا او قال اقرضنی لفلان کذا فانہ یقع لنفسه ویكون قوله لفلان بمعنی لاجله، وقالوا انما لم یصح التوکیل بالاستقراض لانه توکیل بالتکدی و هو لا یصح، قلت ووجهه ان القرض صلة و تبرع ابتداءً فیقع للمستقرض اذا لاصح النیابة فی ذلك فهو نوع من التکدی بمعنی الشحاذة هذا ما ظہری اھ۔

لان الاستقراض لما نفذ علی الخادم لاضافته الی نفسه وقد اعطی علی وجه التقاضی

دون الهبة بالتراضی صار كفضولی
شری مضیفا لی نفسہ حتی نقد علیہ
ثم اعطاء من اشتری له واخذ منه
الثن حیث لا یكون هذا الاجارة للعقد
السابق لان الاجارة انما تلحق بالموقوف
دون الناقد بل یكون عقدا جدیدا بینهما
بالتعاطی كما فی الهدایة والدرالمختار
وغيرهما من الاسفاس وذلک لكون
الدفع بجهة البیع دون الهبة۔

دے دیا نہ کہ ہبہ کے طور پر، تو اس طرح وہ نوکر اس فضولی
کی طرح ہو گیا جس نے اپنی ذات کی طرف نسبت
کرتے ہوئے کوئی چیز خریدی یہاں تک کہ خریداری
اس پر نافذ ہو گئی پھر وہ چیز نوکر نے اس شخص کو
دے دی جس کے لئے اس نے خریدی اور اس سے
ثن وصول کر لئے، یہاں یہ عقد سابق کی اجازت
نہ ہوگی اس لئے کہ اجازت تو عقد موقوف کو لاحق
ہوتی ہے نہ کہ نافذ کو، بلکہ یہ باہمی لین دین سے
ان دونوں کے درمیان ایک نیا عقد ہو گا جیسا کہ

ہدایہ اور درمختار وغیرہ کتاب میں ہے، اور یہ بطور بیع دینے کی وجہ سے ہے نہ کہ بطور ہبہ۔ (ت)

اور ظاہر کہ جب روپے مہاجن کو نہ پہنچے تو اس کا قرض کسی طرح ادا نہ ہوا

اس لئے کہ وہ مال طالب یا اس کے وکیل تک
پہنچنے سے قبل ہی ہلاک ہو گیا تو اب قرض کی ادائیگی
اور اس سے بری الذمہ ہونے کا کوئی معنی نہیں (ت)

لانه مال هلك قبل الوصول الى الطالب او
الى وكيله فلامعنى للقضاء وبراءة الذمة۔

اب اگر واقع صورت اولی تھی تو مہاجن کا قرض زید پر رہا اور یہ روپے کہ زید نے نوکر کو ادا کئے دین
کے لئے دئے اور اس نے اپنے صرف میں کر لئے اس کا تصرف بیجا اور حرام ہے اور نوکر پر اس کا تاوان
لازم،

کیونکہ وہ امین تھا اس نے خیانت کی اور امانت میں
بیجا تصرف کر کے زیادتی کی تو اب وہ ضامن ہے
جبکہ اس سے قبل وہ امین تھا۔ (ت)

لكونه امینا خان و اتلف و تعدی علیہ فیما
تصرف فصار ضمینا بعد ان كان
امینا۔

اور اس کا یہ عذر کہ روپے تو میں اپنے رقم سے لایا تھا آقا سے مجھے ملنا چاہئے تھا محض نامقبول کہ جب
آقا پر دین مہاجن کا تھا تو مہاجن کو پہنچنا چاہئے تھا یہ بیع میں لے لینے والا کون تھا اور اگر واقع صورت
ثانیہ تھی تو مہاجن کا قرض نوکر کے ذمہ رہا زید سے کچھ تعلق نہیں اور یہ روپے کہ نوکر نے بربنائے مذکور اپنے

سمجھ کر اٹھائے بجائے کہ فی الواقع زید پر نوکر ہی کا دین تھا اور زید سے اسی کو ملنا چاہئے تھا فکان دانٹا
 ظفر بجنس حقہ (وہ ایسا قرضخواہ ہوا جو اپنے حق کی جنس کو وصول کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ ت)
 اب زید نوکر کے مطالبہ سے بری ہو گیا لہذا نہ استوفی ماکان لہ (کیونکہ اس نے اپنا حق پورا وصول کر لیا)
 پس خلاصہ حکم یہ ہے کہ اگر نوکر یہ کہہ کر لایا تھا کہ میرے آقا کو قرض دے تو مہاجن کے پاس روپے زید پر
 قائم اور زید کے پاس روپے نوکر پر لازم، اور اگر یہ کہہ کر لایا کہ مجھے آقا کے لئے قرض دے، تو مہاجن کے
 پاس روپے نوکر پر واجب اور نوکر کے پاس روپے جو آقا پر تھے ادا ہو گئے۔ غرض نوکر پر ہر طرح پاس
 روپے کا مطالبہ ہے، پہلی صورت میں آقا دوسری میں مہاجن کا، اور زید پر پہلی صورت میں مہاجن کا
 مطالبہ ہے دوسری میں کسی کا نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ از سرنیاں ضلع بریلی مرسلہ امیر علی صاحب قادری ۲ رجب ۱۳۳۱ھ
 بھاؤ بکنا زید سے اناج خرید کیا مگر ادھار فصل پر بھاؤ بکنا جتنا روپیہ ادھار تھا اس کا زید
 نے مول لیا۔

الجواب

اگر زید نے بیچتے وقت شرط کر لی تھی کہ اس کی قیمت میں روپیہ نہ لوں گا بلکہ روپیہ کے عوض فصل
 کے بھاؤ سے اناج لوں گا، تو یہ ناجائز ہے اور اگر شرط نہ کی تھی اور فصل پر اس سے اپنا آتا ہوا روپیہ مانگا
 اس نے کہا روپیہ تو میرے پاس نہیں اس کا اناج لے لو، تو یہ جائز ہے جبکہ وہی اناج نہ ہو جو زید سے
 خریدا تھا یا وہی ہو تو اتنے ہی بھاؤ کو دیا جائے جتنے کو خریدا تھا ورنہ ناجائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ از دھوراجی ضلع کاٹھیاواڑ محلہ سیاہی گراں مرسلہ جناب حاجی عیسے خان محمد صاحب رضوی
 یکم ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ

ایک شخص کو ایک ہزار روپے کا نوٹ دس ماہ کے وعدہ سے گیارہ سو روپے کو دیا، قرضدار نے
 اپنے وعدہ پر قرض خواہ کو گیارہ سو روپے کے دوسرے نوٹ دئے (وہی نہیں دیئے) تو جائز یا کیا؟
 جواب سے سرفراز فرمائیں۔

الجواب

اگر ہزار روپے کا نوٹ قرض دیا اور بیسہ اوپر ہزار لینا ٹھہرا تو حرام ہے سود ہے، ہاں اگر ہزار
 روپے کا نوٹ گیارہ سو روپے کو بیچا اور اسے نوٹ کا وعدہ مثلاً دس ماہ کا قرار پایا جب وعدہ کا دن آیا
 بائع نے نذر ثمن کا شتری سے مطالبہ کیا اس نے کہا میرے پاس روپیہ نہیں گیارہ سو روپے کے نوٹ

زرمن کے بدلے لے لو، اس نے قبول کیا اور نوٹ اس کے عوض میں دے دے تو یہ جائز ہے وہی مسئلہ شراء القرض من المستقرض (یہ مقروض سے قرض خریدنے کا مسئلہ ہے۔ ت) واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۱۹ از پکسر انواں ڈاک خانہ رسولپور ضلع رائے بریلی مسئلہ عبدالوہاب ۲۰ رمضان ۱۳۳۹ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید سے بکرنے ماہ کا تک میں بقرض تخم ریزی ایک من گیہوں لیا اور فصل کٹنے پر ماہ چیت میں ایک من کا ایک من گیہوں واپس دیا یعنی کچھ کمی بیشی نہیں ہوئی جائز ہے یا نہیں؟ بیٹو! تو جروا۔

الجواب

جائز ہے،

امام ابو یوسف کے قول پر عمل کرتے ہوئے کہ کیلی اور وزنی اشیا میں مطلقاً عرف کا اعتبار ہے اور لوگوں کا اس پر عمل ہے اور گندم کو وزن کے اعتبار سے قرض لینا لوگوں میں رائج ہے، گناہ سے بچنے اور نیکی کی طاقت نہیں مگر بلند و عظمت والے معبود کی طرف سے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ت)

عملاً بقول الامام ابی یوسف من اعتبار العرف فی الکیل والوزن مطلقاً وقد تعمل به الناس وشاع بینہم استقرض المحنطة ورننا ولا حول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۲۱ مسئلہ الف خاں مہتمم مدرسہ انجمن اسلامیہ قصبہ سانگوا ریاست کوٹہ راجپوتانہ
۳ شعبان ۱۳۳۴ھ بروز یکشنبہ

(۱) نوٹ قیمتی پچیس روپے کو ہمراہ ایک صد یا پانصد روپے کے قریباً پچاس روپے کی قیمت پر بدست کسی ہندو یا مسلمان کے کسی مدت کے وعدہ پر بیع کرنا شرعاً درست ہے کہ نہیں؟ اسی طرح زیور طلائی یا کوئی پارچہ کسی شے تجارت کو ہمراہ روپے ادھار میں زیادہ قیمت پر بیع کرنا اور تنہا نوٹ کو بھی اصلی قیمت سے زیادہ ادھار میں بیع کرنا درست ہے کہ نہیں؟
(۲) غلہ تجارتی کو ادھار میں موجودہ نرخ سے زیادہ قیمت پر بیع کرنا درست ہے کہ نہیں؟

الجواب

(۱) قرض لینے والا بضرورت قرض قرض کے ساتھ کم مالیت کی شے زیادہ قیمت کو اس طرح خریدے کہ وہ بیع اس قرض پر مشروط ہو تو بالاتفاق حرام ہے،

لان النبي صلى الله تعالى عليه وسلم
نہی عن بیع و شرط

کیونکہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیع اور
شرط سے منع فرمایا ہے۔ (ت)

خواہ یہ شرط نصاً ہو یا دلالتاً لان المعروف كالمشروط (کیونکہ معروف، مشروط کی طرح ہوتا ہے۔)
اور اگر عقد قرض پہلے ہو اور یہ بیع اس میں نصاً یا دلالتاً مشروط نہ ہو تو اس میں اختلاف ہے، بعض
علماء اجازت دیتے ہیں کہ یہ بیع بشرط القرض نہیں بلکہ قرض بشرط البیع ہے اور قرض شرط فاسد سے
فاسد نہیں ہوتا، اور راجح یہ ہے کہ یہ بھی ممنوع ہے کہ اگرچہ شرط مفسد قرض نہیں مگر یہ وہ قرض ہے
جس کے ذریعہ سے ایک منفعت قرض دینے والے نے حاصل کی اور یہ ناجائز ہے۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم فرماتے ہیں، کل قرض جر منفعۃ فهو سبوا (جو قرض نفع کھینچنے وہ سود ہے۔ ت)
لہذا ان سب صورتوں کو ترک کیا جائے اور قرض کا نام ہی نہ لیا جائے اور خالص بیع ایک وعدہ معینہ
پر ہوا نوٹ کی بیع روپے کے عوض جائز ہوگی اگرچہ دس کانوٹ سو کو بیچے، اور دونوں صورتوں میں فرق
وہی ہے جو قرآن عظیم نے فرمایا کہ،

واحل الله البيع و حرم الربو

اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال اور سود کو حرام کیا۔ (ت)

مگر چاندی سونے کی بیع اب بھی جائز نہ ہوگی اور نوٹ کی جائز ہوگی۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ
کہ جب بدلیں مختلف نوعوں کے ہوں تو جیسے
چاہو بیع کرو۔ (ت)

قال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم
اذا اختلف النوعان فبيعوا كيف شئتم

اور یہ زیادہ قیمت دینا اگرچہ بحالت قرض ہے بوجہ بیع جائز ہے اگرچہ اولیٰ نہیں، درمختار
میں ہے،

شراء شئ بشئ غال لمحاجة القرض
کسی چیز کو حاجت قرض کی وجہ سے مہنگے داموں

۱۷/۴	۱	نصب الرأية كتاب البيوع باب البيع الفاسد المكتبة الاسلامية لصاحبها الرياض
۱۳۲/۶	۲	فتح القدير كتاب البيوع باب المراجعة والتولية مكتبة نوريه رضويه كهر
۲۳۸/۶	۳	كنز العمال حديث ۱۵۵۱۲ مؤسسة الرساله بيروت
	۴	القرآن الكريم ۲۷۵/۲
۴/۴	۵	نصب الرأية لاحاديث الهداية كتاب البيوع المكتبة الاسلامية لصاحبها الرياض

یجوز ویکرہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔
 خریدنا جائز اور مکروہ ہے۔ (ت) واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) درست ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۲۲ از چھاؤنی بانس بریلی بنگلہ ۲۴ ملازم میجر اسٹور صاحب مسئولہ جناب شکور محمد صاحب خانسانا

۹ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

میں ایک شخص کا کھیت مبلغ پچیس روپے میں گروی رکھتا ہوں اپنے پاس، عرصہ دو سال کے بعد وہ شخص اپنا کھیت مبلغ پچیس روپے ہم کو دے کر واپس لے گا اور دو سال تک اس کھیت میں جوت کر اور اس میں محنت کر کے جو ہماری طبیعت چاہے وہ ہم بوئیں گے مثلاً چنا، گیہوں اور مٹکا وغیرہ، تو جو فصل اس میں ہوگی وہ ہماری ہے، اور سرکاری لگان بھی ہم دیں گے جو اس کی باقی ہے، اور بعد دو برس کے وہ پورے پورے مبلغ پچیس روپے واپس دے کر اپنا کھیت واپس لے لے گا، اب ازراہ مہربانی اور عنایت پروری کے ساتھ یہ تحریر کریں کہ یہ بیاج تو نہیں ہوا؟ اگر بیاج ہو گیا تو نہ رکھوں اور اگر بیاج نہ ہوا ہو تو رکھ لوں۔ خوب اچھی طرح سمجھا کر تحریر کر دو کیونکہ ایک صاحب اس میں رائے دیتے ہیں کہ یہ بیاج ہو گیا، اب آپ کی رائے پر ہے یہ معاملہ، اگر بیاج ہو گیا تو ہم بھی اپنا کھیت دوسرے کے پاس نہ گروی رکھیں۔

الجواب

یہ نہ شرعاً رہن ہے نہ کسی طرح سود۔ رہن کے لئے ضروریہ ہے کہ وہ شئی رہن رکھنے والے کی ملک ہو یا مالک نے اسے رہن کی اجازت دی ہو غیر کی ملک بے اس کی اجازت کے رہن نہیں ہو سکتی، یہاں دونوں صورتیں نہیں، ظاہر ہے کہ کھیت کاشتکار کی ملک نہیں زمیندار کی ملک ہے اور زمیندار نے اس کے رہن کی اجازت نہ دی کہ اس کی طرف سے وہ اجارہ میں ہے وہ اس کی اجرت یعنی لگان لے گا و الرهن والاجاسۃ عقدان متنافیان لایجتمعان (رہن اور اجارہ دو ایسے عقد ہیں جو ایک دوسرے کے منافی ہیں آپس میں جمع نہیں ہو سکتے۔ ت) تو اتنے زمانے کے لئے یہ زمیندار سے ذکر کر دے کہ مثلاً دو برس تک یہ زمین میری کاشت میں رہے گی اور میں لگان دوں گا وہ اجازت دے دے گا اب یہ کاشت اور اس کا محاصل سب بلاشبہ حلال ہوگا پہلے کاشت کار کو جتنا روپیہ قرض دیا ہے اسی قدر اس سے واپس لے زائد نہ لے تو یہ صورت کسی طرح سود نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۲۳ از جالس ضلع رائے بریلی محلہ زیر مسجد مکان حاجی ابراہیم مرسلہ ولی اللہ صاحب
۱۲۴
۲ ربیع الاول شریف ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں،

سوال اول: خراب اناج کھلانا اور فصل پر اچھا اناج لینا جائز ہے یا نہیں؟
سوال دوم: چاول یا گیہوں پر روپیہ دینا نرخ کاٹ کر کہ فصل پر اس نرخ سے لیس گے فصل نہ ہوتی تو
اس روپیہ کو اسی بھاؤ سے جوڑ کر زیادہ کر کے یعنی جب اس بھاؤ کو جوڑا تو اب روپیہ زیادہ ہو دوسری
فصل پر چھوڑ دینا یا گائے بیل لگا لینا جائز ہے یا نہیں؟ فقط

الجواب

(۱) اگر اس نے ناچ ناقص کر دیا اور یہ شرط نہ تھی کہ عمدہ لوں کا قرض دار نے اپنی خوشی سے
عمدہ ناچ دے دیا اسی قدر جتنا قرض لیا تھا تو اس میں مضائقہ نہیں اور اگر اسی شرط پر قرض دے کہ
خراب دیتا ہوں اس کے برابر یا کم یا زیادہ عمدہ لوں کا، تو یہ ناجائز ہے،

لکونہ خلاف حکم الشرع من ات الديون
تقضى بامثالها ولعرجز التقيص ايضا
لان الشرط المساواة قدر او الجيد والردى
فيه سواء - والله تعالى اعلم -
کیونکہ یہ شرع کے اس حکم کے خلاف ہے کہ قرضوں
کی ادائیگی ان کی مثل کے ساتھ ہوتی ہے اور کمی
بھی جائز نہیں کیونکہ اس میں مقدار کے اعتبار
سے مساوات شرط ہے، عمدہ اور گھٹیا اس میں
برابر ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم (ت)

(۲) ناچ پر روپیہ نرخ کاٹ کر دینا اگر انھیں لفظوں سے ہو کہ فصل پر اس نرخ سے لیس گے،
تو زائد وعدہ ہے جس کا وفا کرنا ناچ والے پر لازم نہیں اور اگر یوں ہے کہ اتنا ناچ اس بھاؤ سے اتنے
روپیہ کا خرید تو یہ بیع سلم ہے اس کی سب شرطیں پائی گئیں تو جائز ہے ورنہ حرام۔ پھر بہر حال جب
وہ ناچ نہ دے سکے تو اس قرار داد بھاؤ کے حساب سے روپیہ یا اس کے بدلے گائے وغیرہ کوئی
شے لینا قطعی حرام ہے،

لحدیث لا تأخذ الا سلمك او من اس مالك
والله تعالى اعلم وعلمه اتم واحکم -
اس حدیث کی وجہ سے بیع سلم کی بیع یا اس المال
کے علاوہ متلے، واللہ تعالیٰ اعلم وعلمه اتم واحکم (ت)

مسئلہ ۱۲۵ از ماہرہ شریف ضلع ایبٹہ مرسلہ شیخ شان الہی ۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۷ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر زید عمر و کو دس روپے کا نوٹ قرض دے اور
اس وقت یا کچھ دنوں کے بعد عمر و بارہ روپے نقد ادا کرے تو اس پر سود کا اطلاق ہو سکتا ہے نہیں،
اور زید و عمر و گنہگار ہوئے یا نہیں؟ بتیو تو جروا۔

الجواب

اگر قرض دینے میں یہ شرط ہوئی تھی تو بیشک سود و حرام قطعی و گناہ کبیرہ ہے، ایسا قرض دینے والا
ملعون اور لینے والا بھی اسی کے مثل ملعون ہے، اگر بے ضرورت شرعیہ قرض لیا ہو۔ حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں،

کل قرض جر منفعۃ فهو رباویہ

قرض پر جو نفع حاصل کیا جائے وہ سود ہے۔

(اسے عارت بن ابی اسامہ نے امیر المؤمنین حضرت
علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت کیا۔)

رواہ الحارث بن ابی اسامہ عن امیر المؤمنین
علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم۔

متعدد احادیث صحیحہ میں ہے رسول اللہ ﷺ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں،

اللہ کی لعنت سود کھانے والے پر اور سود کھلانے

والے پر اور سود کا کاغذ لکھنے والے اور اس کے

گواہ پر۔ (اس کو امام احمد، ابوداؤد، ترمذی اور

ابن ماجہ نے صحیح سند کے ساتھ سیدنا ابومسعود

رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا، اور امام احمد

اور نسائی نے صحیح سند کے ساتھ امیر المؤمنین حضرت

علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا مگر اس میں

لفظ شاہد کے بدلے مانع صدقہ کے لفظ ہیں اور

لعن اللہ اکل الربو و مؤکلہ و کاتبہ

و شاہدہ۔ رواہ احمد و ابوداؤد و

الترمذی و ابن ماجہ بسند صحیح عن

ابی مسعود و احمد و النسائی و ابی بدل

شاہدہ بمانع الصدقۃ بسند صحیح عن

امیر المؤمنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما

و هو عند مسلم عنہ بلفظ لعن رسول اللہ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

۱۔ کنز العمال حدیث ۱۵۵۱۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۲۳۸/۶

۲۔ مسند امام احمد بن حنبل دار الفکر بیروت ۳۹۳/۱

سنن ابوداؤد کتاب البیوع باب فی اکل الربا آفتاب عالم پریس لاہور ۱۱۷/۲

جامع الترمذی ۱۰ باب ماجاء فی اکل الربو امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱۴۵/۱

اکل الربا وموكله وكاتبه وشاهديه
وقال هم سواء^۱
یہ امام مسلم کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
سے ان لفظوں کے ساتھ مروی ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سوڈ کھانے والے، کھلانے والے، لکھنے والے اور اس کے گواہوں پر لعنت
فرمائی، اور فرمایا کہ وہ سب برابر ہیں۔ (ت)

اور اگر شرط نہ ٹھہری تھی بلکہ دس روپے کا نوٹ قرض لیا کہ اس کے عوض دس ہی روپے کا نوٹ
ادا کیا جائے گا، پھر عمر و کے دل میں خیال آیا کہ نوٹ کے بدلے دس اور دو روپے اپنی طرف سے احساناً
بڑھا کر بارہ روپے دے دے تو یہ جائز و احسان ہے یا زید نے مثلاً اس سے اپنے قرض کا نوٹ مانگا اس
کے پاس نہ تھا بارہ روپے اس کے عوض دینے پر فیصلہ ہوا تو اس کی دو صورتیں ہیں اگر نوٹ عمر و خرچ کر چکا
تو بالاتفاق بلاشبہ جائز ہے جبکہ روپے اسی جلسے میں دے دئے جائیں ورنہ ناجائز ہو جائے گا اور اگر
وہی نوٹ اس کے پاس بدستور موجود ہے اور اسی نوٹ موجود کے عوض روپے دیئے تو ہمارے امام اعظم و
امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے نزدیک مطلقاً ناجائز ہے عقد باطل ہے زید پر لازم ہے کہ روپے عمر و کو
پھیر دے ہاں نوٹ موجود کے بدلے روپے نہ دے بلکہ قرض لینے کے باعث جو اس کے ذمہ پر نوٹ لازم
ہوا ہے اس کے عوض دے تو دونوں امام ممدوح کے طور پر جائز ہے مگر یہ شکل انہی عوام کے تصور و خیال میں
نہیں ہوتی کہ باوصف بقائے نوٹ وہ عین و دین میں فرق کریں اور بجائے مافی الید مافی الذمہ کا عوض
دینا لینا اور رکھیں، درمختار میں ہے،

يملك المستقرض القرض بنفسه القبض
عندهما ای الامام و محمد خلافا للثانی،
فجاء شراء المستقرض القرض ولو قائما من
المقرض بدراهم مقبوضة فلو تفرقا قبل
قبضها بطل لانه افتراق عن دين بزازية^۲
ملخصاً۔
مقروض محض قبضہ کرنے سے ان دونوں یعنی امام اعظم
اور امام محمد کے نزدیک قرض کا مالک ہو جاتا ہے
بخلاف امام ابو یوسف کے، لہذا (طرفین کے نزدیک)
مقروض کا دراہم مقبوضہ کے بدلے میں قرض دہندہ
سے قرض کو خریدنا جائز ہے اگر قرض موجود ہو اگر وہ
دونوں شخص دراہم مذکورہ پر قبضہ سے قبل جدا ہو گئے
تو یہ خریداری باطل ہوگی کیونکہ یہ دین سے جدا ہونا ہے، بزازیہ، اح تلخیص۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے :

بيان ذلك انه تاسرة ليشترى مافي
 ذمته للمقرض وتاسرة مافي
 بيده اي عين ما استقرضه
 فان كانت الاول ففي الذخيرة
 اشترى من المقرض الكر
 الذي له عليه بمائة دينار جان
 لانه دين عليه لا يعقد
 صرف ولا سلم ، فان كانت
 مستهلكا وقت الشراء فالجواز قول
 الكل لانه ملكه بالاستهلاك و
 عليه مثله في ذمته بلا خلاف
 وان كانت قائما فذلك عندهما
 وعلى قول ابي يوسف ينبغي
 ان لا يجوز لانه لا يملكه
 مالم يستهلكه فلم يجب
 مثله في ذمته ، فاذا
 اضاف الشراء الى الكر
 الذي في ذمته فقد اضافه الى معدوم
 فلا يجوز اه وهذا مافي الشرح وان
 كان الثاني ففي الذخيرة ايضا استقرض
 من رجل كرا وقبضه ثم اشترى
 ذلك الكر بعينه من المقرض لا يجوز
 على قولهما لانه ملكه بنفس
 القبض فيصير مشتريا

اس کا بیان یہ ہے کہ مقرض کبھی تو اس چیز کو خریدتا ہے
 جو قرض دہندہ کے لئے اس کے ذمہ پر ہے اور
 کبھی بعینہ اس قرض کو خریدتا ہے جو اس کے قبضہ
 میں موجود ہے، اگر پہلی صورت ہو تو اس کے بارے
 میں ذخیرہ میں ہے کہ مقرض نے قرض دہندہ سے
 سو دینار کے عوض کر (غلتہ) خریدا تو قرض دہندہ کے لئے
 مقرض کے ذمہ پر لازم ہے تو یہ جائز ہے کیونکہ یہ
 اس پر دین ہے جو کہ عقد صرف اور عقد سلم کے سبب
 سے نہیں ہے پھر اگر مقرض نے بوقت شرار قرض
 ہلاک کر دیا ہے تو اس صورت میں سبب جواز شرار
 کا قول کیا ہے کیونکہ وہ ہلاک کرنے کے سبب سے
 قرض کا مالک ہو گیا اور بلا خلاف اس کی مثل
 اس کے ذمے لازم ہے اور اگر بوقت شرار قرض
 مقرض کے پاس موجود ہے تو بھی طرفین کے نزدیک
 یہی حکم (جواز) ہے جبکہ امام ابو یوسف کے قول پر
 مناسب ہے کہ جائز نہ ہو کیونکہ ان کے نزدیک
 جب تک وہ قرض کو ہلاک نہ کرے مالک نہیں ہوگا
 لہذا اس کی مثل مقرض کے ذمہ پر لازم نہ ہوگی اور
 یہ وہ ہے جو تشریح میں ہے، اور اگر دوسری
 صورت ہے تو اس کے بارے میں بھی ذخیرہ میں
 ہے کہ کسی شخص سے ایک کر قرض لیا پھر اس پر
 قبضہ کر کے بعینہ وہی کر اس مقرض نے قرض دہندہ
 سے خرید لیا تو طرفین کے قول پر جائز نہیں کیونکہ
 وہ مقرض محض قبضہ کرنے سے قرض کا مالک ہو چکا ہے

ملك نفسه اما على قول ابى يوسف فالكر
باق على المقرض فيصير المقرض
مشترياً ملك غيره فيصح له

اسی میں ہے ،

في البزاترية من آخر الصرف اذا كات
له على آخر طعام او فلوس فاشتراه
من عليه بدرهم وتفرقا قبل
قبض الدرهم بطل وهذا
ما يحفظ - والله تعالى اعلم-

تو اب وہ اپنی ہی ملک کا خریدار ہو گیا لیکن امام
ابو یوسف کے قول پر چونکہ وہ کہ قرض دہندہ کی
ملک پر باقی ہے ، چنانچہ مقروض ملک غیرہ کا
خریدار ہوا لہذا یہ خریداری صحیح ہے۔ (ت)

بزازیہ باب الصرف کے آخر میں ہے کہ اگر کسی کا
دوسرے کے ذمے اناج یا پیسے لازم ہیں پھر
مقرض نے اس سے کچھ دراهم کے بدلے وہ اناج
یا پیسے خرید لئے اور دراهم پر قبضہ سے پہلے ہی یہ
دونوں شخص متفرق ہو گئے تو خریداری باطل ہے
یہ بات قابل حفظ ہے۔ (ت) واللہ تعالیٰ اعلم

۱۲۶م ازالہ آباد دائرہ شاہ اجمل صاحب مرسلہ مولوی محمد صاحب محمدی برادر مولانا مفتی

اسد اللہ خاں صاحب مرحوم ۲۴ ربیع الآخر ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عوض قرضہ یافتی مورث کے
منجملہ وارثان کے صرف ایک وارث نے جائداد غیر منقولہ ازاں مدیون خرید کر کے مدیون کو کل قرضہ یافتی
مورث سے بری کر دیا مطابق شرع مذہب اہل سنت و جماعت دیگر وارثان کو وارث مذکور سے جو خریدار
جائداد مدیون ہے بقدر حصہ سدھی زر قرضہ یافتی مورث کے نقد دلایا جائے گا یا جائداد خریدہ
وارث مذکور متروکہ مورث متصور ہو کر دیگر وارثان کو بھی بقدر سهام مفروضہ حصہ جائداد دلایا جائیگا۔
بتینو امشرحا و مدد للا مع سند الکتاب توجروا عند الله الملك العزيز الوهاب (تفصیل
سے مدلل اور حوالہ کتب کے ساتھ بیان فرمائیں اللہ تعالیٰ بادشاہ غالب بہت عطا فرمانے والے کے
ہاں اجر دے جاؤ گے۔ (ت)

۱۴۳/۴ دار احیاء التراث العربی بیروت کتاب البیوع فصل فی القرض " " " " " " " "

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں ظاہر ہے کہ بائع مدیون کا مقصود یہی ہوگا کہ جائداد سب ورثہ کے حصص دین میں دے اُن میں ہر ایک بقدر اپنے حصہ کے جائداد بعوض دین پالے کہ مدیون اسے دے کر دین سے بری ہو اور مشتری بھی جبکہ دین مشترک میں لیتا ہے تو دیا نہ اس سے بھی یہی امید کہ تنہا اپنے ہی لئے نہ خریدی ہو مگر واقعہ بارہا اس کے خلاف ہوتا ہے اور عبارتِ سوال سے کچھ نہیں کھلتا کہ بیع کس کے نام واقع ہوئی، تنہا ایک شخص کا مشتری ہونا اسے مستلزم نہیں کہ مشتری نہ بھی تنہا وہی ہو، یوں ہی ثمن کسی مال مشترک بشرکت ملک بلکہ خاص ملک غیر ہی کو قرار دینا اس کی دلیل نہیں کہ شر مشتری یا غیر کے لئے ہو،

فتاویٰ خیرہ میں ہے کہ باپ کے مال سے کسی شے کو خریدنے سے لازم نہیں آتا کہ بیع باپ کے لئے ہو۔ (ت)

فی الخیرۃ لایلزم من الشراء من مال الاب ان یکون المبیع للاب

لہذا ہمیں ہر احتمال پر کلام لازم اگر اس عقد میں کلام عاقدین مختلف واقع ہو یعنی بائع نے اپنی برارت تامہ کے لئے سب ورثہ کی طرف اضافت کی اور مشتری نے اپنی منفعت کے واسطے صرف اپنی خصوصیت رکھی مثلاً اس نے کہا میں نے یہ جائداد تم سب کے ہاتھ تمہارے دین میں بیع کی اس نے کہا میں نے اپنے لئے خریدی جب تو بیع ہی نہ ہوتی کہ ایجاب و قبول متخالف رہے،

بحر الرائق میں فروق الکرابیسی سے منقول ہے کہ اگر کسی نے کہا کہ میں نے اتنے کے عوض یہ شے فلاں کے لئے خریدی اور بائع نے کہا کہ میں نے تیرے ہاتھ فروخت کی، تو دو روایتوں میں سے زیادہ صحیح روایت کے مطابق عقد باطل ہوگا۔ فرق یہ ہے کہ بائع نے مشتری کو مخاطب بنایا

فی البحر الرائق عن فروق الکرابیسی
لوقال اشتریت لفلان بكذا والبائع
يقول بعت منك بصل العقد فی صحیح
سر دیتین والفرق انه خاصب المشتري
و مشتری یسترد لغيره فلا یكون
جو بافکان شمر العقد

جبکہ مشتری اس کو غیر کی طرف لوٹانا چاہتا ہے تو یہ مشتری کا جواب نہ ہو اتنا اس طرح یہ ادعا عقد جو (یعنی دو میں سے صرف ایک رکن پایا گیا)۔ (ت)

لہ الفتاویٰ الخیرۃ کتاب المبیوع فصل فی القرض دار المعرفۃ بیروت ۲۱۹/۱
لہ بحر الرائق فصل فی بیع الغضولی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۴۹/۶

اس صورت میں جائداد مدیون کو واپس اور ورثہ کا دین اس پر قائم، صرف مشتری کہ بری کر چکا اگر اس کا ابرا اس عقد سے جدا واقع ہو یعنی دین بطور خود معاف کر دینا چاہا ہو، اور اگر اس کی طرف سے بھی کوئی ابرائے جداگانہ واقع نہ ہو اسی شرائے جائداد بعوض دین کی بنا پر دعویٰ سے اسے بری کیا ہے تو اس کا بھی دین بدستور باقی رہا وقد اوضحناہ و فصلناہ فی المداینات من فتاواننا (اس کی وضاحت و تفصیل ہم اپنے فتاویٰ میں مداینات کی بحث میں بیان کر چکے ہیں۔ ت) اور اگر مشتری نے اپنے ہی لئے خریدی اور بائع نے بھی اسی کے ہاتھ بیچی سب ورثہ کی طرف اضافت نہ کی تو بیع اسی مشتری کے لئے تمام ہوگئی دیگر ورثہ کا جائداد میں کچھ حق نہیں، ہاں زرٹمن میں اس دین کا محسوب ہونا ان کی اجازت جائزہ شرعیہ پر موقوف رہے گا، جو اجازت دے گا اس کے حصہ دین سے بائع بری اور اس قدر روپیہ اجازت دہندہ کے لئے لازم بذمہ مشتری اور خود مشتری کے حصہ دین سے تو بائع بری ہو ہی چکا یہ اجازت دیگر ورثہ کہ یہاں درکار ہوتی اجازت نقد ہے نہ اجازت عقد، عقد تو بنام مشتری تام و نافذ ہو لیا یہاں تک کہ اگر کوئی شخص اپنے لئے کچھ خریدے اور اس کا ثمن کسی غیر کا غلام یا مکان قرار دے تو وہاں بھی صرف اس بنا پر کہ یہ من وجہ شراہ ہے اور شراہ مشتری پر نافذ عقد بنام مشتری تمام ہو جاتا ہے حالانکہ وہ من وجہ بیع ہے اور بیع مال غیر نافذ و موقوف، تو جہاں من کل وجہ شراہ ہے اس کا مشتری پر نفاذ واضح و اجلی ہے،

فی البحر الرائق ان کان الثمن عرضا کات
مملوکا للفضولی و اجازة المالك اجازة
نقد لا اجازة عقد لانه لما کات العوض
متعینا کان شراء من وجه والشراء لا یتوقف
بل ینفذ علی البیاشران وجد نفاذا، فیکون
مکالہ و با اجازة المالك لا ینقل الیہ بل یتأثر
اجازتہ فی النقد لا فی العقد ثم یجیب علی الفضولی
مثل المبیع ان کان مثلیا والا فقیمتہ الخ۔
میں، پھر فضولی پر بیع کی مثل واجب ہوگی اگر وہ مثلی ہے ورنہ اس کی قیمت واجب ہوگی الخ (ت)

۱۴۸/۶ البحر الرائق کتاب البیوع فصل فی بیع الفضولی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

اور ورثہ سے جو اجازت نہ دے گا اسے اختیار ہے کہ اپنے تمام حصہ دین کا مطالبہ مدیون پر رکھے خواہ جس قدر حصہ دین مشتری نے بذریعہ شراب وصول پایا اسے جمیع سهام پر تقسیم کر کے بقدر اپنے سهم کے روپے کا مطالبہ مشتری اور باقی کا مدیون سے رکھے مثلاً نوے روپے دین تھے اور زید، عمرو، بکر تین بیٹے وارث۔ زید نے مدیون سے جائداد بعوض دین مورث اپنے نام خرید لی تو اس نے اپنے تیس روپے پائے عمرو نے یہ تصرف جائز رکھا وہ اپنے پورے تیس روپے زید سے لے لے بکر نے اجازت نہ دی وہ چاہے تو کامل تیس روپے مدیون سے لے خواہ از انجا کہ دین مشترک سبب واحد یعنی ارث سے ناشی تھا اور زید نے اپنا حصہ اس سے پایا بقدر ثلث یعنی دس روپے زید سے لے باقی بیس کا مطالبہ مدیون پر رکھے جائداد پر دعویٰ نہیں کر سکتا مگر یہ کہ زید اپنی خوشی سے اسے حصہ رسد جائداد دے اور وہ قبول کر لے،

در مختار میں مذکور ہے دو شخصوں میں سبب واحد سے مشترک دین ہو جیسے دین موروث ہو اور ان دونوں میں سے ایک نے اگر کچھ دین مشترک وصول کر لیا تو دوسرا اگر چاہے تو اس میں شریک ہو جائے یا پھر مدیون کا پیچھا کرے، اور دونوں میں سے ایک شریک نے نصف دین کے بدلے مدیون سے کوئی چیز خریدی تو یہ خریدنے والا شریک دوسرے کو دین کے چوتھائی کا تاوان دے کیونکہ اس نے نصف دین پر قبضہ کیا ہے دین کے ثمن میں مجرا ہونے کے سبب سے یا پھر دوسرا شریک مدیون کا پیچھا کرے کیونکہ اس کا حق مدیون کے ذمے پر باقی ہے

فی الدر المختار الدین المشترك بسبب متحد کدین موروث اذا قبض احد هما شیئاً منه شارکہ الاخر فیہ ان شاء او اتبع الغریم فلو اشتری بنصفه شیئاً ضمنه شریکہ الربع لقبضه النصف بالمقاصه او اتبع غریمه لبقاء حقه فی ذمته اھ مختصراً و فی الہندیۃ ولو اشتری بنصبہ ثوباً فللشریک ان یضمنہ نصف ثمن الثوب ولا سبیل لہ علی الثوب فان اجتمعا جمیعا علی الشریکہ فی الثوب فذلک جائز کذا فی السراج الوہاج لہ

اھ مختصراً۔ ہندیہ میں ہے کہ اگر ایک شریک نے اپنے حصے کے بدلے میں مدیون سے کپڑا خریدا تو دوسرے شریک کو حق حاصل ہے کہ وہ اس کو آدھے کپڑے کے ثمن کا ضامن ٹھہرائے اور کپڑے پر اس کا کوئی حق نہ ہوگا اور اگر وہ دونوں کپڑے کی شرکت پر متفق ہو جائیں تو یہ جائز ہے السراج الوہاج میں یونہی ہے۔ (ت)

اور اگر یہ عقد شرار سب وارثوں کے لئے واقع ہوا مثلاً مدیون نے کہا میں نے تم سب ورثہ کو یہ جائداد دین میں دی مشتری نے کہا میں نے سب کی طرف سے خریدی یا سب کے لئے لی یا اسی قدر کہا کہ میں نے قبول کی کہ مذہب صحیح پر ایک ہی کلام میں اضافت الی الغیر توقف عقد کے لئے بس ہے جبکہ کلام غیر میں اس کا خلاف نہ ہو،

بزازیہ اور بحر وغیرہ میں مذکور ہے صحیح یہ ہے کہ جب دو کلاموں میں سے صرف ایک میں عقد کی اضافت فلان کی طرف کی گئی ہو تو عقد اس کی اجازت پر موقوف ہوگا، رہا مخالفت کا نہ ہونا تو ہم حجر سے بحوالہ فوق پہلے بیان کر چکے ہیں کہ بائع و مشتری کے کلاموں میں مخالفت کی صورت میں زیادہ صحیح یہ ہے کہ وہ عقد باطل ہوگا، میں کہتا ہوں کہ وجہ الزکوری کے اس قول سے یہی مراد ہے کہ اگر مشتری نے کہا میں نے فلان کے لئے خریدا اور بائع نے کہا میں نے تیرے ہاتھ بیچا تو زیادہ

فی البزازیة والبحر وغیرہما الصحیح انه اذا اضیف العقد فی احد الکلامین الخ فلان یتوقف علی اجازتہ اھ واما عدم التخالف فقد مناہ عن البحر عن الفروق ات الاصح عند التخالف البطلان قلت وهو مراد وجیز الزکوری بقولہ لو قال اشتریت لفلان وقال البائع بعث منک الاصح عدم التوقف اھ وقد عرض ہہنا وہم للعلامة الشامی فی رد المحتار نبہنا علیہ فیما علقنا علیہ وبالله التوفیق۔

صحیح یہ ہے کہ عقد موقوف نہیں ہوگا اھ یہاں پر علامہ شامی کو رد المحتار میں ایک وہم عارض ہوا ہم نے رد المحتار پر اپنی تخریر کردہ تعلیقات میں اس پر تنبیہ کر دی، اور توفیق اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔ (ت)

تو اس صورت میں اگر مشتری باقی سب ورثہ کی طرف سے وصایت یا ولایت یا وکالت اس شرار کا اختیار رکھتا تھا جب تو ظاہر کہ عقد تمام و کمال فوراً نافذ اور سب ورثہ حصہ رسد جائداد میں شریک اور مدیون سب کے دین سے بری لانا تصرف من له التصرف فتم و نفذ من دون توقف (کیونکہ یہ اس کا تصرف ہے جس کو تصرف کا اختیار ہے تو بلا توقف تام و نافذ ہو گیا۔ ت) ورنہ اگر ورثہ میں کوئی قاصر ایسا ہے جس پر کسی کو اس شرار کا اختیار شرعی نہیں جس طرح آج کل بہت یتیم ہوتے ہیں جن کے نہ باپ، نہ دادا نہ ان کا وصی نہ وصی الوصی، نہ ان بلاد میں قاضی شرع، نہ سلطان اسلام، اور ان کے سوا

لم البحر الرائق کتاب البیع فصل فی بیع الفضل ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۲۹/۶

مکملہ الفتاویٰ البزازیہ علی ہامش الفتاویٰ الحنفیہ کتاب البیوع ابواب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۲۸۳

ماں بھائی چچا وغیرہم تیم کے لئے جائیداد خریدنے کے مجاز نہیں تو اس کی طرف سے اس خریداری کی اجازت دینے والا کوئی نہیں اور فضولی سے جو عقد ایسا صادر ہو کہ وقت عقد جس کا مجیز نہیں وہ باطل ہوتا ہے،

فی الدر کل تصرف صدر منه وله مجیز
ای من یقدر علی اجازتہ حال وقوعہ العقد
موقوفاً وما لا مجیز لہ حالۃ العقد
لا ینعقد اصلاً

در میں مذکور ہے ہر وہ تصرف جو فضولی سے صادر ہوا اور عقد کے وقت اس کا کوئی مجیز یعنی کوئی ایسا شخص موجود ہے جو اس کی اجازت دے سکتا ہے تو اس عقد کا انعقاد اس کی اجازت پر موقوف ہوگا

اور جس تصرف کا بوقت عقد کوئی مجیز موجود نہ ہو وہ بالکل منعقد نہیں ہوگا۔ (ت)
تو مشتری کا اس نابالغ کی طرف سے قبول، نہ قبول نافذ ہے نہ قبول موقوف بلکہ محض باطل ہے اور باطل معدوم، تو ایجاب سب کے لئے تھا اور قبول بعض کی طرف سے نہ پایا گیا یا یوں کہتے کہ ایجاب کل بیع کا تھا اور قبول بعض کا ہوا بہر حال ایجاب و قبول مختلف ہو کر عقد اسباباً باطل ہو گیا کل جائیداد مدیون کو واپس اور دین بدستور مذکور صورت اولی قائم،

ردالمحتار میں البحر الرائق کے حوالے سے مذکور ہے کہ ایجاب کرنے والا اگر ایک ہو اور مخاطب متعدد ہوں تو تفریق جائز نہیں کہ ان دونوں میں سے ایک قبول کئے چاہے ایجاب کرنے والا بائع ہو یا مشتری ہو، اور اگر اس کے برعکس ہو تو ان دونوں میں سے ایک کے حصہ میں قبول جائز نہیں اور انہی دونوں کتابوں میں مذکور ہے کہ قبول کا ایجاب کے موافق ہونا شرط ہے بایں طور کہ مشتری اسی چیز کو

فی رد المحتار عن البحر الرائق الموجب
اذا اتحد وتعدد المخاطب لم یجز التفریق
بقبول احدہما بائعاً کان الموجب او مشترباً
وعلی عکسہ لم یجز القبول فی حصۃ
احدہما او فیہما شرط العقد موافقۃ
الایجاب للقبول فلو قبل غیر ما اوجبه او
بعضہ او بغیر ما اوجبه او ببعضہ لم ینعقد
الا فی الشفۃ الخ۔

قبول کرے جس کا بائع نے ایجاب کیا مشتری اس کے غیر یا اس کے بعض کو قبول کرے یا جو ثمن بائع نے

۳۱/۲	مطبع مجتہد دہلی	فصل فی الفضولی	کتاب البیوع	ردالمحتار
۱۹/۲	دار احیاء التراث العربی بیروت			ردالمحتار
۶۸-۶۷/۵	ایچ ایم سعید کمپنی کراچی		کتاب البیوع	بحر الرائق
۵/۲	دار احیاء التراث العربی بیروت		کتاب البیوع	ردالمحتار
۲۵۸/۵	ایچ ایم سعید کمپنی کراچی		کتاب البیوع	بحر الرائق

ایجاب میں ذکر کیا مشتری اس کے غیر یا اس کے بعض کے بدلے قبول کرے تو سوائے شفیعہ کے منعقد نہیں ہوا الخ (ت)

اور اگر یہ دونوں صورتیں نہیں یعنی نہ سب ورثہ پر مشتری کا یہ تصرف نافذ نہ ان میں کوئی ایسا جس پر کسی کا ایسا تصرف نافذ، تو شرابحتی مشتری اور نیز اس کے حق میں جس کی طرف سے اس کا قبول نافذ ہے نافذ و لازم باقی ورثہ کے لئے خود ان کی خواہ ان کے وصی یا وصی مجاز کی اجازت پر موقوف جو اجازت دے گا وہ بھی بقدر حصہ اس جائداد کا مالک ہوگا اور جو رد کرے گا اس کے حق میں رد ہو جائیگا کما ہوشات عقد الفضولی (جیسا کہ عقد فضولی کی شان ہے۔ ت) اب بحالت رد بعض صورت یہ ہوگی کہ جائداد جو بائع نے بصفقہ واحدہ بیع کی تھی اس کی بعض بیع رہی اور بعض بیع سے نکل گئی اس میں اس پر تفریق صفقہ قبل تمام ہوگی جس پر وہ مجبور نہیں ہو سکتا،

لیکن تفریق تو ظاہر ہے یونہی اس کا قبل از تمام ہونا کیونکہ اجازت پر موقوف عقد اجازت سے قبل کیسے تمام ہو سکتا ہے کیا تو نہیں دیکھتا کہ جس کے لئے خریداری ہو اس کو قضا و رضائے کے بغیر ہی رد کا اختیار ہے، اسی لئے خيار شرط تمامیت صفقہ سے مانع ہے جیسا کہ فتح وغیرہ میں منصوص ہے۔ درمختار میں ہے اصل یہ ہے کہ بعض کو رد کرنا تفریق صفقہ کا موجب ہے اور وہ تمامیت صفقہ کے بعد جائز ہے نہ کہ اس سے پہلے، چنانچہ خيار شرط اور خيار رويت تمامیت صفقہ سے مانع ہیں جبکہ خيار عيب قبضہ سے پہلے مانع ہے قبضہ کے بعد مانع نہیں الخ میں کہتے ہوں

اما التفریق فظاہر و کذا کونہ قبل التمام فکیف تم صفقہ موقوفہ قبل الاجازة الاتری ان للمشتري له الرد بدون قضاء و لا رضاء ولذا کات خیار الشرط مانعاً تماماً کما نص علیہ فی الفتح وغیرہ، قال فی الدر المختار الاصل ان رد البعض یوجب تفریق الصفقہ وهو بعد التمام جائز لا قبله فخیار الشرط والرؤية یمنعان تماماً وخیار العيب یمنعه قبل القبض لا بعد الخ قلت ولیدین لانہ بیعہ ممنوع

۵۴۳/۵	مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر	باب خیار الرویة	کتاب البیوع	لہ فتح القدر
۷۰/۴	دار احیاء التراث العربی بیروت	"	"	رد المحتار
۱۵/۲	مطبع مجتہبائی دہلی	"	"	لہ درمختار

هو اصيل و قصولى الرد
 ممن شرى له بل تحتل
 الاجازة فلم يتحقق من البائع
 الرضى بتفريق الصفقة والرد معيبا
 يعيب الشركة قال فى الهداية
 اذا اشترى الرجلان غلاما
 على انهما بالخيار فرضى احدهما
 فليس لآخر ان يوده لان المبيع
 خرج من ملكه غير معيب
 يعيب الشركة فلورده احدهما
 رده معيبا به وفيه الزام ضرر
 تراشد وليس من ضرورة
 اثبات الخيار لهما الرضا برد احدهما
 لتصور اجتماعهما على الرد اذ مختصرا
 وفى الدر المختار ليس لاحدهما
 الانفراد اجازة اورد اختلاف
 لهما مجمع.

لازم دين کو فروخت کرنا اس شخص سے جو
 اصيل ہے اور فضولی بھی، فضولی ہونے کی
 حیثیت سے جس کے لئے خرید اس کو رد
 کرنے بلکہ جائز کرنے کا اختیار ہے تو اندریں صورت بائع
 کی طرف سے سودے کے متفرق ہونے اور شرکت
 عیب کے ساتھ رد کرنے پر رضائے پائی گئی،
 ہدایہ میں فرمایا کہ جب دو شخصوں نے ایک غلام
 خریدا اس شرط پر کہ دونوں کو اختیار شرط حاصل
 ہوگا پھر ان میں سے ایک راضی ہو گیا تو دوسرے
 کو رد کرنے کا اختیار نہیں کیونکہ غلام بائع کی
 ملک سے اس حال میں نکلا تھا کہ اس میں عیب
 شرکت نہیں تھا، اب اگر دونوں میں سے ایک
 اس کو واپس کرے تو اس حال میں واپس کریگا
 کہ اس میں شرکت کا عیب موجود ہے اور اس
 میں بائع پر ضرر زائد لازم کرنا ہوا، اور بائع
 کی طرف سے ان دونوں کو اختیار دینے سے یہ
 لازم نہیں آتا کہ وہ ان میں سے ایک کے رد کرنے

پر راضی ہو کیونکہ ان کے رد پر جمع ہونے کا احتمال موجود ہے اہ مختصر، در مختار میں ہے دونوں میں سے
 ایک کو انفرادی طور پر اجازت یا رد کا اختیار نہیں بخلاف صاحبین کے، مجمع۔ (ت)

لہذا سے اختیار ہوگا کہ کل جائداد واپس لے اور دین بدستور مذکور سابق اس پر لازم رہے
 خواہ اس ضرر تفریق کو گوارا کر کے جس نے رد کیا اس کا حصہ پھر لے باقی میں بیع مقبول رکھے اس
 تقدیر پر جنہوں نے رد کیا انہیں وہی اختیار مذکور دیا جائے گا کہ خواہ اپنے اپنے حصص دین کا مطالبہ

مدیون سے رکھیں خواہ ان پانے والے شرکیوں یعنی مشتری وغیرہ نے (جن جن کے لئے عقد بفعل مشتری خواہ ان کے یا ان کے اولیا یا اوصیا کی اجازت سے نافذ ہوا) جو کچھ دین بمعاوضہ جائداد وصول پایا اس قدر روپے سے اپنا حصہ رسد مطالبہ ان پانیوالوں سے کریں باقی کا اصل مدیون سے رکھیں کما سبق (جیسا کہ پیچھے گزرا۔ ت) مثلاً تصویر مسطور میں زید نے سب ورثہ کے لئے خریدی عمرو نے اجازت دی زید و عمرو بعوض دین و وثقت جائداد کے مالک ہوئے بکرنے کہ اسے جائز نہ رکھا چاہے تو اپنے تینس پورے مدیون سے لے خواہ دس دس زید و عمرو سے لے جو اپنے ساٹھ وصول پا چکے ہیں باقی دس کا مطالبہ مدیون پر رکھے، واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم و علمہ جل مجدہ اتم و احکم۔

مسئلہ ۱۲۷ از الہ آباد دائرہ اجمل شاہ صاحب مرسلہ مولوی محمد صاحب محمدی ۱۳ جمادی الآخر ۱۳۱۳ھ
متعلقہ مسئلہ سابقہ

بعا لخدمت جناب مولانا المجدد ام فضلكم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جو فتویٰ آپ نے مرحمت فرمایا اس میں عبارات ذیل ہیں بسبب علالت طبیعت میں استخراج عبارت مذکورہ من الکتب کی طرف متوجہ نہ ہو سکا اور لڑکوں کی تلاش سے وہ عبارتیں کتاب میں نہ ملیں، مجبورانہ خدمت گرامی میں یکمال تمنا ملتمس ہوں کہ براہ عنایت کریمانہ تحریر فرمائیے کہ عبارات مذکورہ کس باب و فصل میں ہیں ممنون منت ہوں گا، و التسلیم!

درمختار میں ہے کہ دین مشترک جو سبب واحد کے ساتھ ہو جیسے دین موروث پر دونوں میں سے ایک شریک قبضہ کر لے الخ ہندیہ میں ہے کہ جب ایک شریک نے مدیون سے اپنے حصے کے بدلے میں کپڑا فریاد تو دوسرے شریک کو حق حاصل ہے کہ وہ اس سے ضمان لے الخ (ت)

فی الدر المختار الدین المشترك بسبب متحد کدین موروث اذا قبض احدہما الخ (ملخصاً) فی الہندیۃ ولو اشتری بنصیبہ ثوباً فللشریک ان یضمنہ الخ۔

الجواب

مولانا المکرم اکرم اللہ تعالیٰ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، عبارت درمختار کتاب الصلح

لہ الدر المختار کتاب الصلح فصل فی دعوی الدین مطبع مجتہبی دہلی ۱۲۲/۲
ملکہ فتاویٰ ہندیہ کتاب الشركة الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۳۳۷/۲

فصل فی دعوی الدین اور عبارت ہندیہ کتاب الشركة الباب السادس فی المتفرقات میں ہے
والسلام۔

۲۸ ذی الحجہ ۱۳۱۱ھ

مسئلہ ۱۲۸

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے فی روپیہ انیس سیر کے حساب سے روپے
قرض لئے لیکن غلہ ہم نہ کر سکا تو دائن نے اُس سے بجائے غلہ کے زر نقد بحساب نرخ بازار لے لیا تو یہ شرح
بازار قرضہ پر جو افرود ہے آیا جائز ہے یا ناجائز؟ بینوا توجروا۔

الجواب

ناجائز اور حرام قطعی اور نرا سود ہے،

فی الحدیث قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم کل قرض جر منفعۃ فهو ربا
واللہ تعالیٰ اعلم۔

حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو قرض نفع کھینچے سود ہے۔
واللہ تعالیٰ اعلم (ت)

بَابُ الرِّبَا

(سُودِ كَابِيَان)

مسئلہ ۱۲۹ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلہ میں کہ جس چیز کی جنس اور تول دونوں ایک نہ ہوں اس کو با اختیار اپنے خلاف بازار نرخ کرنا اور وعدہ پر بیچنا درست ہے یا نہیں؟ مثلاً چاندی سونا عوض سونے کے یا چوڑے یا غلے کے عوض نیچے تو اس میں ادھار دینا اور تھوڑے مال کو بہت کے عوض میں بیچنا درست ہے یا نہیں؟ اور اگر وعدہ پر نیچے تو کس قدر مدت کا وعدہ شرعاً جائز ہے؟ بیٹھا تو جردا

الجواب

اندازہ شرعی جو دربارہ ربو معتبر ہے دو قسم ہے: کیل یعنی ناپ اور وزن بمعنی تول، اور حلت و حرمت کا قاعدہ کلیہ یہاں چار صورت میں بیان ہوتا ہے:

صورت اولی: جو دو چیزیں اندازہ میں مشترک ہیں یعنی ایک ہی قسم کے اندازہ سے ان کی تعییر کی جاتی ہے مثلاً دونوں وزنی ہیں یا دونوں کیلی، اور دونوں میں بھی ایک جنس کے، مثلاً گہوں گہوں یا لوبا لوبا، تو ایسی دو چیزوں کی آپس میں بیع اسی وقت صحیح ہے جب دونوں اپنے اسی اندازہ میں جو شرعاً یا عرفاً ان کا مقرر ہے بالکل برابر ہوں اور ان میں کوئی ادھار بھی نہ ہو اور اگر ایسی دو چیزیں ایک تول دونوں ادھار ہوں یا اپنے اسی اندازہ مقرر میں برابر نہ کی گئیں، اب خواہ سرے سے اندازہ ہی نہ کیا گیا یا اندازہ کیا مگر کمی بیشی رہی یا برابری تو کی مگر دوسری قسم کے اندازہ سے کی مثلاً جو تول کی چیز تھی اسے ناپ کے برابر کیا

یا جو ناپ کی تھی اسے تول کر یکساں کیا تو یہ بیع محض ناجائز اور رُبُو قرار پائے گی۔

صورت ثانیہ : جو دو چیزیں ہم جنس تو ہیں مگر اندازہ میں مشترک نہیں خواہ دونوں طرف اندازہ معمودہ سے خارج ہیں جیسے گلبدن گلبدن، تنزیب تنزیب، گھوڑا گھوڑا کہ کیل و وزن سے ان کی تقدیر نہیں ہوتی، کپڑے گزوں سے پکتے ہیں اور گھوڑے شمار سے، یا ایک طرف فقط اندازہ ہو اور دوسری سمت خارج جیسے تلوار لوہے کے ساتھ یا بکری کا گوشت زندہ بکری کے ساتھ کہ ہر چند ہم جنس ہیں مگر لوہے اور گوشت کی طرف اندازہ ہے کہ تل کر پکتے ہیں اور تلوار اور بکری کی طرف اندازہ نہیں شمار کی چیزیں ہیں تو ان صورتوں میں تفاضل یعنی کمی بیشی تو جائز ہے مگر ایک یا دونوں کا دین ہونا جائز نہیں۔

صورت ثالثہ : جو دونوں چیزیں ایک قسم کے اندازہ میں تو شریک ہوں مثلاً دونوں کیلی ہیں یا دونوں وزنی مگر ہم جنس نہیں، جیسے گہیوں جو کے ساتھ یا لوہا تانبے کے ساتھ، تو یہاں بھی وہی حکم کہ تفاضل روا اور نسیہ حرام سوا سونے چاندی کے کہ ہر چند وزن کی چیزیں ہیں مگر بیع سلم کے طور پر انھیں نقد دے کر اشیائے موزونہ لوہا تانبہ چونازعفران وغیرہا ادھار خریدنا بسبب حاجت کے بالاجماع جائز ہے اگرچہ ایک ہی قسم کے اندازہ میں شریک ہیں۔

صورت رابعہ : جو دو چیزیں ہم جنس ہوں نہ ایک قسم کے اندازہ میں شریک، اب خواہ دونوں اصلاً داخل اندازہ کیل و وزن نہ ہوں جیسے گھوڑا کپڑا، یا ایک داخل ہو ایک خارج جیسے گھوڑا گہیوں، یا دونوں داخل ہوں مگر ایک قسم کے اندازہ سے ان کی تقدیر نہ ہوتی ہو بلکہ ایک کیلی ہو دوسری وزنی جیسے چاول کھجوریں، تو ایسی صورتوں میں تفاضل و نسیہ دونوں حلال ہیں۔

فائدہ : سونے چاندی کا ادھار ہونا یونہی دفع ہو سکتا ہے کہ ان پر قبضہ کر لیا جائے مثلاً یہ سونا بعض اس چاندی کے بیچا اور بائع نے چاندی اور مشتری نے سونے پر قبضہ نہ کیا اور جدا ہو گئے وہ بیع جائز نہیں اور ان کے سوا اور چیزوں میں فقط معلوم معین ہونا شرط ہے قبضہ ضرور نہیں مثلاً یہ گہیوں بعض اس جو کے بیچے اور دونوں بے قبضہ کئے جدا ہو گئے بیع صحیح ہے اور یہ جو اور گہیوں ادھار نہ کھلائیں گے۔

فائدہ : چار چیزوں کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کیلی فرمایا ہے،

(۱) گہیوں (۲) جو (۳) چھوہارے (۴) نمک

یہ چاروں ہمیشہ کیلی رہیں گی اگرچہ لوگ انھیں وزن سے بیچنے لگیں تو اب اگر گہیوں کے بدلے گہیوں برابر تول کر بیچے تو حرام ہو گا بلکہ ناپ میں برابر کرنا چاہئے۔ اور دو کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

نے وزنی فرمایا ہے: (۱) سونا (۲) چاندی — یہ ہمیشہ وزنی رہیں گے، ان چیزوں کے سوا بنائے کار عرف و عادت پر ہے، جو چیز عرف میں تل کر بکتی ہے وہ وزنی ہے اور جو گزروں یا گنتی سے بکتی ہے وہ اندازہ سے خارج ہے

۲۱ رجب المرجب ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک صاحب نے بیان فرمایا کہ سود کھانا اپنی ماں کے ساتھ زنا کرنے سے بدتر ہے اور سود کا ایک روپیہ لینا اتنی اتنی بار زنا کرنے سے سخت تر ہے، یہ امر صحیح ہے یا نہیں؟ بتینواتوجروا۔

الجواب

بیشک صحیح ہے، اس باب میں احادیث کثیرہ وارد ہیں:

حدیث (۱) کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم:

ایک درم سود کا کھانا تینتیس زنا کے برابر ہے اور جس کا گوشت حرام سے بڑھے تو نارہنم اس کی زیادہ مستحی ہے (اس کو طبرانی نے معجم الاوسط اور صغیر میں اور ابن عساکر نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا۔ ت)

من اکل درهما من رؤفہو مثل ثلاث وثلثین نریة، ومن نبت لحمہ من السمحت فالنار اولیٰ بہ۔ رواہ الطبرانی فی الاوسط والصغیر وصدرة ابن عساکر عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

حدیث (۲ و ۳) کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم:

بیشک ایک درم کہ آدمی سود سے پائے اللہ عزوجل کے نزدیک سخت تر ہے تینتیس زنا سے کہ آدمی اسلام میں کرے۔ (اس کو طبرانی نے

لدسہم یصیبہ الرجل من الربا اعظم عند اللہ من ثلاثة وثلثین نریة یزنیہا فی الاسلام۔ رواہ الطبرانی

جواب یہاں تک دستیاب ہوا۔

۴۵۱/۳	مکتبۃ المعارف ریاض	حدیث ۲۹۶۸	المعجم الاوسط للطبرانی
۳۶۷/۱	منشورات قم ایران	تحت آیت ۲/۲۷۹	الدر المنثور بحوالہ طبرانی
۶/۳	مصطفیٰ البابی مصر	حدیث ۱۲	الترغیب والترہیب عن عبداللہ بن سلام
۱۱۷/۲	دار الکتاب بیروت	باب ماجاء فی الربا	مجمع الزوائد

فی الکبیر عن عبد اللہ بن مسعود ایضا عن
عبد اللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

حدیث (۴) کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم :

درہم ربایا کله الرجل وهو یعلم اشد
عند اللہ من ستہ وثلثین نرانیۃ۔ رواہ
احمد بسند صحیح والطبرانی فی الکبیر عن
عبد اللہ بن حنظلہ غسیل الملائکۃ۔

معجم کبیر میں عبد اللہ بن مسعود سے نیز عبد اللہ بن سلام
رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا۔ ت

سود کا ایک درم کہ آدمی دانستہ کھائے اللہ تعالیٰ
کے نزدیک چھتیس زنا سے سخت تر ہے (اس کو
امام احمد نے سند صحیح کے ساتھ اور طبرانی نے معجم کبیر
میں عبد اللہ بن حنظلہ غسیل ملائکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
سے روایت کیا۔ ت)

حدیث (۵) کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم :

ان الدرہم یصیبہ الرجل من الربا اعظم
عند اللہ فی الخطیئۃ من ست وثلثین
نرانیۃ یزنیہا الرجل۔ رواہ ابن ابی الدنیا
فی ذم الغیبۃ والبیہقی عن انس رضی اللہ
تعالیٰ عنہ۔

ایک درم کہ آدمی سود سے پائے اللہ تعالیٰ کے
تزدیک مرد کے چھتیس بار زنا کرنے سے گناہ میں
زیادہ ہے۔ (اس کو ابن ابی الدنیا نے غیبت کی
مذمت میں اور بیہقی نے انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ
عنه سے روایت کیا۔ ت)

حدیث (۶) کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم :

لدرہم ربا اشد جرما عند اللہ من سبع
وثلثین نرانیۃ۔ رواہ المحاکم فی الکنی عن
ام المؤمنین الصدیقۃ رضی اللہ تعالیٰ
عنہا۔

بیشک سود کا ایک درم اللہ عزوجل کے یہاں
سینتیس زنا سے بڑھ کر جرم ہے۔ (اس کو حاکم
نے کنیتوں کے باب میں ام المؤمنین سیدہ عائشہ
صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا۔ ت)

حدیث (۷) کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم :

الربا سبعون حوبا ایسرھا کالذی ینکح

سود ستر گناہ ہے جن میں سب آسان تر اس شخص

۱۵ المعجم الاوسط حدیث ۲۷۰۳ مکتبۃ المعارف ریاض ۳۳۰/۳

مسند احمد بن حنبل حدیث عبد اللہ بن حنظلہ دار الفکر بیروت ۲۲۵/۵

۱۷ الترغیب والترہیب بحوالہ ذم الغیبۃ والبیہقی باب الترہیب من الربا مصطفیٰ الیابی مصر ۴/۳

۱۸ کنز العمال بحوالہ المحاکم فی الکنی حدیث ۹۷۸۰ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۰۹/۴

کی طرح ہے جو اپنی ماں سے نکاح کرے۔ (اور
ایک روایت میں ہے کہ سود کے ستر دروازے ہیں
جن میں سے ادنیٰ یہ ہے کہ وہ اپنی ماں پر پڑے۔)
(اس کو ابن ماجہ اور ابی الدنیا نے ذم الغیبتہ
میں اور ابن جریر نے اور بیہقی نے اس کو ایسی
سند کے ساتھ روایت کیا جس میں کوئی حرج نہیں

امہ، وفي رواية سبعون بابا ادناها
كالذي يقع على امه، رواه ابن ماجه
وابن ابى الدنيا في ذم الغيبة وابن جرير
ورواه البيهقي بسند لا بأس به باللفظ
الثاني كلهم عن ابى هريرة رضى الله
تعالى عنه۔

ساتھ لفظ ثانی کے تمام نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ ت)

حدیث (۸) کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم :

بیشک ربا کے کئی دروازے ہیں ان میں سے ایک
دروازہ برابر ستر گناہ کے ہے جن میں سب سے ہلکا
گناہ ایسا ہے جیسے اپنی ماں کے ساتھ ہم بستری ہونا
(اس کو ابن مندہ اور ابو نعیم نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم کے ماموں حضرت اسود بن وہب بن
عبد مناف بن زہرہ الزہری القرشی رضی اللہ تعالیٰ
عنہ سے روایت کیا۔ ت)

ان الربا ابواب الباب منه عدل سبعين
حوبا ادناه فجرة كاضطجاع الرجل مع
امه۔ رواه ابن مندة و ابو نعيم عن
الاسود بن وهب بن عبد مناف بن زهرة
الزهرى القرشى خال النبى صلى الله
تعالى عليه وسلم و رضى الله تعالى عنه۔

حدیث (۹) کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم :

سود اکثر دروازے ہے یا فرمایا تہتر گناہ ہے
جن میں سب سے ہلکا ایسا ہے جیسے آدمی کا اپنی ماں
جماع کرنا (اس کو امام عبد الرزاق نے انصار کے

الربا احد وسبعون بابا او قال ثلثة وسبعون
حوبا ادناها مثل اتيان الرجل امه۔
رواه عبد الرزاق عن رجل من الانصاري

۱۶۵ ص	ایچ ایم سعید کمپنی کراچی	باب التغلیظ فی الربا	۱ سنن ابن ماجہ
۳۹۲/۴	دار الکتب العلمیۃ بیروت	حدیث ۵۵۱۹	شعب الایمان
۳۹۲/۴	" " "	۵۵۲۰	" "
۴۶/۱	دار صادر بیروت	ترجمہ ۱۷۲	الاصابة فی تمییز الصحابة
۳۱۲/۸	المکتب الاسلامی بیروت	حدیث ۱۵۳۴۵	المصنف لعبد الرزاق باب ماجاء فی الربا

رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

ایک مرد سے روایت کیا رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ (ت)

حدیث (۱۰) کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم:

الربا اثنتان وسبعون بابا ادناها مثل
اتيان الرجل امه۔ رواه الطبرانی
فی الاوسط بسند صحیح عن البراء بن عازب
رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

سود کے بہتر دروازے ہیں ان میں سے کم تر ایسا ہے
جیسے اپنی ماں سے صحبت کرنا (اس کو طبرانی نے
سند صحیح کے ساتھ مجمع اوسط میں حضرت براء بن عازب
رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ ت)

حدیث (۱۱) کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم:

ان ابواب الربا اثنتان وسبعون حوبا ادناها
كالذی یاتی امه فی الاسلام۔ رواه الطبرانی
فی الکبیر عن عبد اللہ بن سلام رضی اللہ
تعالیٰ عنہ۔

بیشک سود کے دروازے بہتر گناہ ہیں سب میں
کمتر ایسا ہے جیسے اسلام میں اپنی ماں سے زنا کرنا
(اس کو طبرانی نے مجمع کبیر میں سیدنا عبد اللہ بن سلام
رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ ت)

حدیث (۱۲) کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم:

الربا ثلث وسبعون بابا یسرھا مثل ان
ینکح الرجل امه۔ رواه الحاكم وقال
صحیح علی شرطھا والبیہقی عن عبد اللہ
بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

سود کے تہتر دروازے ہیں سب میں ہلکا اپنی ماں
سے زنا کے مثل ہے (اس کو حاکم نے روایت کیا
اور فرمایا کہ یہ بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح ہے اور امام
بیہقی نے اس کو سیدنا حضرت عبد اللہ بن مسعود
رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ ت)

حدیث (۱۳) کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم:

ان الربا نیف وسبعون بابا اھونھن
بابا مثل من اتى امه فی الاسلام

سود کے کچھ اوپر تتر دروازے ہیں ان میں سب سے
ہلکا ایسا ہے کہ مسلمان ہو کر اپنی ماں سے زنا کرنا

- | | | | |
|-------|-------------------------|-------------|------------------------|
| ۴۴/۸ | مکتبۃ المعارف ریاض | حدیث ۱۴۷ | المجمع الاوسط للطبرانی |
| ۱۰۵/۴ | موسستہ الرسالہ بیروت | حدیث ۵۶، ۹ | عن عبد اللہ بن سلام |
| ۳۷/۲ | دار الفکر بیروت | کتاب البیوع | المستدرک |
| ۳۹۴/۴ | دار الکتب العلمیۃ بیروت | حدیث ۵۵۱۹ | شعب الایمان للبیہقی |

و درهم من ربا شد من خمس و
ثلثین نرنیة۔ ^۱سرواۃ البیهقی عن ابن عباس
رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

اور سود کا ایک درم پننتیس زنا سے سخت تر ہے۔
(اس کو بہتی نے سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ
تعالیٰ عنہما سے روایت کیا۔ ت)

حدیث (۱۴) سیدنا امیر المؤمنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں:

الربا سبعون بابا اھونہا مثل نکاح الرجل
امۃ۔ ^۲سرواۃ ابن عساکر بسند صحیح۔
سود ستر دروازے ہیں ان میں آسان تر اپنی
ماں سے زنا کے مثل ہیں۔ (اس کو ابن عساکر نے
صحیح سند کے ساتھ روایت فرمایا۔ ت)

حدیث (۱۵) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

الربا اثنا و سبعون حوبا اصغرھا حوبا
کمن اتی امہ فی الاسلام و دسہم من
الربا شد من بضع و ثلثین نرنیة۔
سرواۃ ابن ابی الدنیا و البغوی وغیرہما
وصدراۃ عند عبدالرزاق بلفظ بضعة
و سبعون۔
سود بہتر گناہ ہے سب سے چھوٹا بحالتِ اسلام
اپنی ماں سے زنا کی طرح ہے اور سود کا ایک درم
کئی اوپر تیس زنا سے سخت تر ہے۔ (اس کو
ابن ابی الدنیا اور بغوی وغیرہ نے روایت کیا، اور
امام عبدالرزاق کے ہاں لفظ بضع و سبعون کے
ساتھ ہے۔ ت)

حدیث (۱۶) سیدنا عبداللہ بن سلام فرماتے ہیں:

الربا ثلث و سبعون حوبا اداھا حوبا
کمن اتی امہ فی الاسلام و درہم
من الربا بکبضع و ثلثین نرنیة۔
سود میں تہتر گناہ ہیں سب سے کم ایسا جیسے
اسلام میں اپنی ماں سے جماع کرنا اور سود کا
ایک درم چندا اور تیس زنا کے مانند ہے (اس کو

۱۔ الدر المنثور بحوالہ البیهقی فی الشعب تحت آیتہ ۱۲/۲۹ منشورات قم ایران ۹۶/۶

الترغیب والترہیب " " " " الترہیب من الربا حدیث ۱۶ مصطفیٰ البابی مصر ۸/۳

۲۔ المنثقی لابن الجارود عن ابی ہریرۃ حدیث ۶۳، دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ص ۲۱۸

۳۔ الترغیب والترہیب بحوالہ ابن ابی الدنیا و البغوی " " " " " ۱۲ " " " " ۴/۳

۴۔ شرح السنۃ للبغوی باب وعید آکل الربا حدیث ۲۰۵۴، المکتبہ الاسلامیہ بیروت ۵۴/۸

۵۔ المصنف لعبدالرزاق باب ماجاء فی الربا " " " " " ۱۵۳۲۶ " " " " ۳۱۴/۸

۶۔ " " " " " " " " " " " ۱۵۳۲۴ " " " " ۳۱۴/۸

امام عبدالرزاق نے روایت کیا۔ ت

سواہ عبدالرزاق۔

حدیث (۱۷) کعب اجار فرماتے ہیں،

لان انما فی ثلثا وثلثین من نیاة احب الی

من ان اکل درهما س یا یعلم اللہ انی

اکلتہ حین اکلته رباً۔ سواہ الامام احمد

عنه بسند جید۔

بیشک مجھے اپنا تینتیس بار زنا کرنا اس سے

زیادہ پسند ہے کہ سوڈ کا ایک درم کھاؤں جسے

اللہ عزوجل جانے کہ میں نے سوڈ کھایا ہے۔

(اس کو امام احمد نے سند جید کے ساتھ روایت

کیا ہے۔ ت)

والعیاذ باللہ تعالیٰ، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ہدایت بخشنے آمین۔ واللہ تعالیٰ اعلم

من اللہ ۲۷ رجب روز دوشنبہ ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید مقروض ہے اور اس قدر محتاج ہے کہ قوت روزمرہ

بھی بدشواری میں آتا ہے اب چاہتا ہے کہ کچھ روپیہ سودی قرض لے کر کچھ روزگار کرے تاکہ صورت

ادائے قرض کی ظہور میں آئے اور کچھ قوت بسری میں لائے، پس یہ امر مباح ہے یا نہیں؟ اور جو

شخص ایسے اصل روپیہ کی ضمانت کرے گنہگار ہو گا یا نہیں؟ بیّنوا تو جروا

الجواب

سود جس طرح لینا حرام ہے دینا بھی حرام ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں،

لعن اللہ اکل الربو و موكله و كاتبه و اللہ کی لعنت سوڈ کھانے والے اور کھلانے والے

شاہدہ لے سواہ احمد و ابوداؤد اور اس کا کاغذ لکھنے والے اور اس کی گواہی

۲۲۵/۵ لے مسند امام احمد بن حنبل حدیث عبداللہ بن حنظلہ دار الفکر بیروت

۲۷/۲ صحیح مسلم کتاب المساقات باب الربا قدیمی کتب خانہ کراچی

۱۱۷/۲ سنن ابوداؤد کتاب البیوع آفتاب عالم پریس لاہور

۱۲۵/۱ جامع الترمذی ابواب البیوع امین کمپنی دہلی

۱۶۶ ص سنن ابن ماجہ ابواب التجارات باب التغلیظ فی الربا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

۲۵۳ و ۲۰۹ و ۲۰۲ و ۳۹۳/۱ مسند احمد بن حنبل عن ابن مسعود دار الفکر بیروت

۱۵۰ و ۱۳۳ و ۱۰۷ و ۸۳/۱ " " " " عن علی کرم اللہ وجہہ " " " "

۲۸۰/۲ سنن النسائی کتاب الزنیۃ نور محمد کارخانہ کراچی

والترمذی و ابن ماجة والطبرانی
 فی البیرو و زادوهم یعلوٰ کلہم
 عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ
 ونحوہ عند احمد والنسائی عن علی
 کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سداہما صحیحان
 وبعناہ عند مسلم فی صحیحہ و
 زادوہم سوءاً۔

کرنیوالے پر (اس کو امام احمد، ابوداؤد، ترمذی
 اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔ طبرانی نے معجم کبیر میں
 یہ زیادہ کیا کہ وہ جانتے ہوں کہ یہ سود ہے۔ ان تمام
 ائمہ نے اس کو سیدنا ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ
 عنہ سے روایت کیا، امام احمد اور نسائی کے نزدیک
 اس کی مثل سیدنا حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ
 وجہہ الکریم سے مروی ہے اور ان دونوں کی سندیں

صحیح ہیں، اس کے ہم معنی امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا اور یہ اضافہ کیا کہ وہ سب برابر ہیں (ت)
 مگر شریعت مطہرہ کا قاعدہ مقرر ہے کہ الضرورات تبیح المحظورات (ضرورتیں ممنوعات
 کو مباح کر دیتی ہیں۔ ت) اسی لئے علماء فرماتے ہیں محتاج کو سودی قرض لینا جائز ہے،

الاشباہ والنظائر، قنیہ اور بغیہ میں ہے کہ محتاج
 کے لئے سود پر قرض لینا جائز ہے اھ غمز میں فرمایا
 اس کی صورت یہ ہے کہ مثلاً وہ دس دینار
 قرض لے اور قرض دہنہ کے لئے یومیہ
 کچھ نفع مقرر کرے اھ (ت)

فی الاشباہ والنظائر و فی القنیة والبغیة
 یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح اھ
 قال فی الغمز و ذلک نحو ان یقترض
 عشرة دنانیر مثلاً و یجعل لربھا شیئاً
 معلوماً فی کل یوم ربھا اھ۔

اقول محتاج کے یہ معنی جو واقعی حقیقی ضرورت قابل قبول شرع رکھتا ہو کہ نہ اس کے بغیر

چارہ ہونہ کسی طرح بے سودی روپیہ ملنے کا یا ر اور نہ ہرگز جائز نہ ہوگا جیسے لوگوں میں رائج ہے کہ
 اولاد کی شادی کرنی چاہی سو روپے پاس ہیں ہزار روپے لگانے کو جی چاہا تو سو سودی نکلوائے یا
 مکان رہنے کو موجود ہے دل کے محل کو ہوا سودی قرض لے کر بنایا سود و سو کی تجارت کرتے ہیں قوت
 اہل و عیال بقدر کفایت ملتا ہے نفس نے بڑا سود اگر بنا چاہا پانچ چھ سو سودی نکلوا کر لگا دیئے یا گھر
 میں زیور وغیرہ موجود ہے جسے بیچ کر روپیہ حاصل کر سکتے ہیں نہ بیچا بلکہ سودی قرض لیا و علی ہذا القیاس
 صد ہا صورتیں ہیں کہ یہ ضرورتیں نہیں تو ان میں حکم جواز نہیں ہو سکتا اگرچہ لوگ اپنے زعم میں ضرورت سمجھیں

۱۔ مجمع الزوائد بحوالہ الطبرانی فی البیرو، باب ماجار فی الزار، و الکتاب بیرو م/ ۱۱۸ لے صحیح مسلم قدیمی کتبخانہ کراچی ۲/ ۲۶
 ۲۔ الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدة الخامسة ادواة القرآن کراچی ۱/ ۲۶
 ۳۔ غمز عیون البصائر " " " " " "

ولہذا قوت اہل و عیال کے لئے سودی قرض لینے کی اجازت اسی وقت ہو سکتی ہے جب اس کے بغیر کوئی طریقہ بسر اوقات کا نہ ہو، نہ کوئی پیشہ جانتا ہو، نہ نوکری ملتی ہے جس کے ذریعہ سے دال روٹی اور موٹا کپڑا محتاج آدمی کی بسر کے لائق مل سکے ورنہ اس قدر پاسکتا ہے تو سودی روپے سے تجارت پھرو ہی تو نگرہ کی ہو، س ہوگی نہ ضرورت قوت، رہا ادا سے قرض کی نیت سے سودی قرض لینا، اگر جانتا ہے کہ اب ادا نہ ہو، تو قرض خواہ قید کرے گا جس کے باعث بال بچوں کو نفقہ نہ پہنچ سکے گا اور ذلت و خواری علاوہ، اور فی الحال اس کے سوا کوئی شکل ادا نہیں تو رخصت دی جائیگی کہ ضرورت مستحق ہو لی حفظ نفس و تحصیل قوت کی ضرورت تو خود ظاہر، اور ذلت و مطعونی سے بچنا بھی ایسا امر ہے جسے شرع نے بہت مہم سمجھا اور اس کے لئے بعض محظورات کو جائز فرمایا، مثلاً شاعر جو امرار کے پاس قصائد مدح لکھ لیا جاتے ہیں کہ خاطر خواہ انعام نہ پائیں تو ہجو سنائیں انہیں اگرچہ وہ انعام لینا حرام ہے اور جس چیز کا لینا جائز نہیں دینا بھی روا نہیں، پھر یہ لوگ کہ اپنی آبرو بچانے کو دیتے ہیں خاص رشوت دیتے ہیں اور رشوت صریح حرام، بایںہمہ شرع نے حفظ آبرو کے لئے انہیں دینا دینے والے کے حق میں روا فرمایا اگرچہ لینے والے کو بدستور حرام محض ہے،

در مختار میں ہے کہ جب کسی کو اپنے دین کے بارے میں خوف ہو تو اس کے لئے رشوت دینے میں کوئی حرج نہیں (مجتبے کی عبارت میں ہے جسے خوف ہو) نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شاعروں کو اور جن کی زبان درازی کا خوف ہوتا ان کو عطا فرماتے تھے (خطابی نے غریب میں حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرسل روایت کیا عکرمہ نے کہا کہ ایک شاعر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آیا تو حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا اے بلال! اس کی زبان مجھ سے قطع کرو۔ چنانچہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو چالیس ہج

فی الدر المختار لا بأس بالرشوة اذا خاف على دينه (عبارة المجتبى لمن يخاف) والنبي صلى الله تعالى عليه وسلم كان يعطى الشعراء ولمن يخاف لسانه (فقد روى الخطابي في الغريب عن عكرمة مرسل قال اتى شاعر النبي صلى الله تعالى عليه وسلم فقال يا بلال اقطع لسانه عنى فاعطاه اربعين درهما) ومن السحت ما ياخذ شاعر

عہ ظاہر ہے کہ یہ ذلت ظلماً پہنچے گی کہ مفلس کو مہلت دینی شرع نے واجب کی ۱۲ منہ

لشعر (لانہ انما یدفع لہ عادة قطعاً
للسانہ فلوکان ممن یؤمن شراً فالظاہر
ان ما یدفع لہ حلال بدلیل دفعہ علیہ
السلام بردتہ لکعب لما امتدحہ بقصیدتہ
المشہورۃ تأمل) اہ ملخصاً مختلطاً
برد المحتاس۔

دے دئے) حالانکہ شاعر جو کچھ شعر کی وجہ سے لیتا
ہے وہ حرام ہے (کیونکہ عادتاً جو کچھ اس کو دیا جاتا
ہے وہ اس کی زبان درازی روکنے کے لئے ہوتا
ہے چنانچہ اگر کوئی شاعر ایسا ہو جس کے شعر سے
امن ہو تو ظاہر یہ ہے کہ اس کو جو کچھ دیا جائے وہ
حلال ہے اس پر دلیل حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم کا حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی چادر مبارک عطا فرمانا ہے جب حضرت کعب رضی اللہ
تعالیٰ عنہ نے آپ کی بارگاہ اقدس میں اپنا مشہور قصیدہ پیش کیا، اہ تلخیص باختلاط رد المحتار (۱)۔
اور اگر اس مفلس قرضدار کو قرضخواہ کی طرف سے اس قسم کے اندیشے نہیں بلکہ صرف حساب آفت پاک
کرنا چاہتا ہے تو ایسی حالت میں سودی قرض لینے کی اجازت مقاصد شرع سے سخت بعید ہے قرضدار
جب مفلس ہو تو شرع قرضخواہ پر واجب کرتی ہے کہ انتظار کرے اور جب تک اسے استطاعت
نہ ہو مہلت دے۔

قال اللہ تعالیٰ وان کان ذو عسرۃ فنظرۃ
الی میسرۃ۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا، الرقوضار
تکدرت ہو تو اس کو نشادنی اور آسانی دینا
ہونے تک مہلت دو۔ (۱)۔

اور قرضدار کو حکم دیتی ہے کہ حتی الامکان ادا میں کوشش کرے اور بہ وقت پتے ہاں سے ادائیگی کے لئے
مفلسی کو پروانہ معافی نہ ٹھہرائے کہ اب ہم سے کوئی کیا لے گا۔ جب ایسی ہی نیت رکھے گا اور اپنی
چلتی فکر ادا میں جو بوجہ شرعی ہوئی نہ کرے گا تو اس سے زیادہ شرعاً اسے تکلیف نہیں دیتی۔

قال اللہ تعالیٰ لا یكلف اللہ نفساً
الادسعیات۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا، اللہ تعالیٰ کو نہیں
کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس کو وہ سمیت کے مطابق

پھر اگر اسی حال پر مد گیا اور ادا نہ ہو سکا تو امید قوی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ میں بہادری اور...

۱۵۳۰ • • • • •
۱۵۴۰ • • • • •
۱۵۵۰ • • • • •
۱۵۶۰ • • • • •
۱۵۷۰ • • • • •
۱۵۸۰ • • • • •
۱۵۹۰ • • • • •
۱۶۰۰ • • • • •
۱۶۱۰ • • • • •
۱۶۲۰ • • • • •
۱۶۳۰ • • • • •
۱۶۴۰ • • • • •
۱۶۵۰ • • • • •
۱۶۶۰ • • • • •
۱۶۷۰ • • • • •
۱۶۸۰ • • • • •
۱۶۹۰ • • • • •
۱۷۰۰ • • • • •
۱۷۱۰ • • • • •
۱۷۲۰ • • • • •
۱۷۳۰ • • • • •
۱۷۴۰ • • • • •
۱۷۵۰ • • • • •
۱۷۶۰ • • • • •
۱۷۷۰ • • • • •
۱۷۸۰ • • • • •
۱۷۹۰ • • • • •
۱۸۰۰ • • • • •
۱۸۱۰ • • • • •
۱۸۲۰ • • • • •
۱۸۳۰ • • • • •
۱۸۴۰ • • • • •
۱۸۵۰ • • • • •
۱۸۶۰ • • • • •
۱۸۷۰ • • • • •
۱۸۸۰ • • • • •
۱۸۹۰ • • • • •
۱۹۰۰ • • • • •
۱۹۱۰ • • • • •
۱۹۲۰ • • • • •
۱۹۳۰ • • • • •
۱۹۴۰ • • • • •
۱۹۵۰ • • • • •
۱۹۶۰ • • • • •
۱۹۷۰ • • • • •
۱۹۸۰ • • • • •
۱۹۹۰ • • • • •
۲۰۰۰ • • • • •

قرضخواہ کے مطالبہ سے نجات بخشنے گا۔ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں :

جو لوگوں کے مال بہ نیت ادا لے اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے ادا فرمادے اور جو تلف کر دینے کے ارادے سے لے اللہ تعالیٰ اسے ہلاک کرے۔ (امام احمد، بخاری اور ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسکی تخریج فرمائی۔ ت)

من اخذ اموال الناس يريد اداءها ادى الله عنه ، ومن اخذ يريد اتلافها اتلفه الله له اخرجہ احمد و البخاری و ابن ماجة عن ابی ہریرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم :

جو کوئی دین لے کہ اس کے ادا کی نیت رکھتا ہو اللہ تعالیٰ روز قیامت اس کی طرف سے ادا فرمادے گا (طبرانی نے معجم کبیر میں سند صحیح کے ساتھ حضرت میمونہ بنت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اس کی تخریج فرمائی۔ ت)

من ادا ان دینا بنوی قضاء اداه الله يوم القيمة - اخرجہ الطبرانی فی الکبیر عن میمونة بنت الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا باسناد صحیح۔

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم :

میرا جو امتی کس دین کا بار اٹھائے پھر اس کے ادا میں کوشش کرے پھر بے ادا کئے مر جائے تو میں اس کا ولی و کفیل کارہوں (اس کو امام احمد نے اسناد جیدہ کے ساتھ اور ابو یعلیٰ اور طبرانی نے معجم اوسط میں ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا۔ ت)

من حمل من امتی دینا ثم جهد فی قضاؤه ثم مات قبل ان یقضیه فانا ولیہ - رواہ احمد باسناد جید و ابو یعلیٰ و الطبرانی فی الاوسط عن ام المؤمنین الصدیقة رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

اور ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں :

- ۱ صحیح البخاری کتاب فی الاستقراض باب من اخذ اموال الناس الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۳۲۱/۱
 ۲ المعجم الکبیر حدیث ۱۰۴۹ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۲۳/۲۳۲ و حدیث ۲، ۳، ۴، ۲۸/۲۴
 ۳ مسند احمد بن حنبل عن عائشہ رضی اللہ عنہا دار الفکر بیروت ۶/۴، ۱۵۴ و ۱۵۸/۱۰
 المعجم الاوسط للطبرانی حدیث ۹۲۳۴ مکتبۃ المعارف الرياض

من تداین بدین و فی نفسہ وفاؤہ ثم مات
تجاوز اللہ عنہ وارضی غریبہ بما شاء
الحدیث۔ سواہ المحاکم و بنحوہ الطبرانی
فی الکبیر عن ابی امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
اور اس کی مثل طبرانی نے معجم کبیر میں ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ (ت)

غرض بعد نیک نیتی کے پاکی حساب کی ویسے ہی امید ہے باقی شرع مطہر سے اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی
کہ اداے قرض کے لئے کسی ناجائز طریقے سے مال حاصل کرنے کو جائز فرمایا ہو اور بیشک سودی قرض
لینا ناجائز طریقہ ہے بلکہ علماء تو یہاں تک تصریح فرماتے ہیں کہ عورت اگر مارے سے بھی نماز نہ پڑھے طلاق
دے دے اگرچہ اس کا مہر دینے پر قادر نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ سے اس حال پر ملنا کہ اس کا مطالبہ مہر اس کی
گردن پر ہو اس سے بہتر ہے کہ ایک بے نمازی عورت سے صحبت کرے،

فی الغنیۃ الزوج لہ ان یضرب نزوجتہ
علی ترک الصلوۃ وان لم تنتہ عن ترکھا
بالضرب یطلقھا ولولم یکن قادم علی
مہرھا ولان یلقی اللہ تعالیٰ و مہرھا فی
ذمتہ خیر لہ من ان یطأ امرأۃ لا تصلی
غنیہ میں ہے کہ شوہر کو حتی پہنچتا ہے کہ وہ اپنی بیوی کو
نماز چھوڑنے پر مارے اور اگر مارنے کے باوجود وہ
نماز چھوڑنے سے باز نہیں آتی تو طلاق دے دے
اگرچہ اس کو مہر کی ادائیگی پر قدرت نہ ہو کیونکہ اللہ
تعالیٰ کو اس حال میں ملنا کہ اس کی بیوی کا مہر

اس کے ذمہ پر ہو بہتر ہے اس سے کہ ایسی عورت سے صحبت کرے جو نماز نہیں پڑھتی۔ (ت)
دیکھو عورت کا نماز نہ پڑھنا اس کا کوئی گناہ نہیں جبکہ وہ اس کی ہدایت و تبنیہ کسی طرح نہیں مانتی
بانیہمہ اسے گوارا نہ کیا گیا اور قرضدار مرنے کو اس سے آسان سمجھا، تو سودی قرض لینا کہ جو خود اس کا گناہ ہے
کیونکہ گوارا کیا جائے گا اور قرضدار مرنے کو اس کی نسبت آسان نہ ہو گا ہذا کلمہ ما ظہری وارجوان
یکون صوابا ان شاء اللہ تعالیٰ (یہ سب وہ ہے جو مجھ پر ظاہر ہوا اور میں امید کرتا ہوں کہ ان شاء اللہ
تعالیٰ یہ درست ہو گا۔ ت) رہی ضمانت وہ درحقیقت قرض ملنے پر اعانت ہے اگر اس محتاج کو سودی
قرض لینا شرعاً جائز تھا تو اصل روپے کی ضمانت میں کوئی حرج نہیں کہ جائز بات میں ایک مسلمان بھائی کی

لہ المستدرک للحاکم کتاب البیوع باب من تداین بدین الخ دار الفکر بیروت
۳۲/۲ ص ۶۲۱ سہیل اکیڈمی لاہور
لہ غنیۃ المستمل احکام المساجد مسائل شتی

مدد کرتا ہے اور ناجائز تھا تو ہرگز اصل کی بھی ضمانت نہ کرے کہ یہ معصیت پر اعانت ہوگی،
 قال اللہ تعالیٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا، گناہ اور ظلم پر تعاون
 واللہ تعالیٰ اعلم۔ مت کرو۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۲ ۱۵ ذی الحجہ ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے کچھ روپیہ سودی نکلوایا دو شخص ضامن ہوئے
 اب گناہگار زیادہ کون ہے؟ وہ شخص جس نے سود پر دیا اب توبہ کرتا ہے اور سود کو واپس دینا چاہتا ہے
 توبہ اس کی قبول ہوگی یا نہیں؟ اور وہ سود کے گناہ سے پاک ہوگا یا نہیں؟ بتیو تو جروا۔

الجواب

بغیر سخت مجبوری کے جسے شرع بھی مجبور کرے سودی قرض لینا حرام ہے، اور اسی طرح اس کے کام
 میں کسی طرح کی شرکت ہو باعث گناہ ہے اور حدیث صحیح میں ہم سواۃً فرمایا یعنی وہ سب نفس گناہ میں
 برابر ہیں اور سود سے توبہ کے یہی معنی ہیں کہ جس قدر سود لیا واپس دے اور اللہ عزوجل سے آئندہ
 کے لئے سچے دل سے نادم ہو کر عہد کرے، جو ایسا کرے گا اس کی توبہ بیشک قبول ہوگی **الذی**
يقبل التوبة عن عبادة (وہ وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ ت) اور وہ سود کے
 گناہ سے پاک ہو جائے گا **التائب من الذنب کمن لا ذنب له (گناہ سے توبہ کرنے والا ایسے ہے**
جیسے اس نے کوئی گناہ نہ کیا ہو۔ ت) واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ جل مجدہ آمین۔

مسئلہ ۱۳۳ از شاہجہاں پور محلہ خلیل مرسلہ محمد اعزاز حسین خاں مہتمم مدرسہ اسلامیہ ۲۶ محرم ۱۳۰۹ھ
 کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس صورت میں کہ:

(۱) زید نے اپنی حیات میں کچھ روپیہ سود پر قرض دیا اور قبل وصول روپیہ کے زید مر گیا اب ورثا زید
 کو تاریخ وفات زید تک کا سود لینا جائز ہے یا نہیں؟

۱۔ القرآن الکریم ۲/۵

۲۔ صحیح مسلم کتاب المساقات باب الربا قیدی کتب خانہ کراچی ۲۶/۲

۳۔ القرآن الکریم ۲۵/۴۲

۴۔ سنن الکبریٰ للبیہقی کتاب الشهادات دار صادر بیروت ۱۵۴/۱۰

سنن ابن ماجہ ابواب الزہد باب ذکر التوبہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۲۳

(۲) زید نے روپیہ قرض سو پر دے کر دیوانی سے مع سود ڈگری حاصل کی تھی اور حسبِ ضابطہ کچہری
۷ فیصدی سود تا ادا کے روپیہ اور بھی ڈگری میں لکھا جاتا ہے بعد مرنے زید کے ورثہ اس کے دونوں
قسم کا سود لے سکتے ہیں اور شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(۳) زید نے پرائیسری نوٹ خریدے تھے اور گورنمنٹ سے ساڑھے چار روپیہ فیصدی سالانہ سود لیا کرتا
تھا زید مر گیا ورثہ زید کو حسبِ ضابطہ کچہری اول سارٹیفکیٹ وراثت لینا ضرور ہے اور بغیر اس کے
ورثہ نہ سود نوٹوں کا پاسکتے ہیں اور نہ ان کو فروخت کر سکتے ہیں اور سارٹیفکیٹ لینے میں قریب
تین ہزار روپیہ کے کچہری میں صرف ہوگا ورثہ زید چاہتے ہیں کہ گورنمنٹ نوٹوں تک سود لے کر
سارٹیفکیٹ کے لینے میں خرچ کر دیں یعنی گورنمنٹ سے لے کر پھر اسی کو واپس کر دیں پس ورثہ زید
تاریخ انتقال زید تک سود نوٹوں کا لے سکتے ہیں یا آئندہ کا بھی لے سکتے ہیں یا مطلقاً ناجائز ہے؟

(۴) عمر نے پرائیسری نوٹ ایک لاکھ کے خریدے اور پرائیسری نوٹوں کا قاعدہ ہے کہ گورنمنٹ اصل روپیہ
کبھی نہیں دیتی بلکہ ساڑھے چار روپیہ فی صدی سالانہ سود دیا کرتی ہے ہاں اگر مالک چاہے تو
دوسرے خریداروں کے ہاتھ فروخت کرے اور نرخ نوٹوں کا کبھی کم ہوتا ہے اور کبھی زیادہ جیسے
آج کل سو روپیہ کا پرائیسری نوٹ ایک سو آٹھ روپیہ کو فروخت ہوتا ہے پس اگر عمر بھی اپنے ایک لاکھ
روپیہ کے پرائیسری فیصدی آٹھ روپیہ کے نفع سے فروخت کرے یا نرخ سے دو روپیہ زیادہ نفع
پر بیع ڈالے تو یہ بیع درست ہے یا نہیں؟

(۵) کسی شخص نے دو ہزار کی ڈگری کچہری سے حاصل کی جس میں ایک ہزار اصل ہے اور ایک ہزار سود،
وہ شخص کسی کے ہاتھ یا وارث اس کا بعض بارہ سو کے وہ ڈگری فروخت کر ڈالے تو کیسا ہے؟

(۶) اوپر کی صورتوں میں جو جو رقم کہ سود کی قرار دی گئی اگر اس میں سے کل یا بعض لے کر مدرسہ اسلامیہ میں
دے دی جائے تو شرعاً کیا اس کی حالت ہے؟ بتیو اتوجروا۔

الجواب

(۱) حرام قطعی ہے،

قال المولى سبحانه وتعالى يا ايها الذين
امنوا اتقوا الله و ذروا ما بقى
من الربوات كنتم مومنين
فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب

مولا سبحانه وتعالى نے فرمایا، اے ایمان والو!
اللہ سے ڈرو اور جو سود باقی رہا ہے چھوڑ دو اگر
تم مسلمان ہو پھر جو ایسا نہ کرو تو خبردار ہو جاؤ
خدا اور رسول کے لڑنے سے یا اعلان کر دو

من اللہ ورسولہ ﷺ

اللہ ورسول سے لڑائی کا۔

یہ اس بقیہ کی نسبت ارشاد ہوا جو تحریم سے پہلے کارہ گیا تھا مسلمانوں نے خیال کیا یہ تو حرمت سے پیشتر کا ہے اسے لے لیں آئندہ سے باز رہیں گے اس پر یہ حکم آیا صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کہا ہم میں خدا ورسول سے لڑنے کی طاقت نہیں، وہ بقیہ بھی چھوڑ دیا نہ کہ معاذ اللہ یہ بقیہ شقیہ کہ سرے سے بعد تحریم الہی کے لینا دینا ٹھہرا، اور اس کا لینے والا اللہ عزیز مقتدر قہار اور اس کے رسول جلیل جبار جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے لڑائی کا پورا سامان کر لے اور قرآن پر ایمان رکھتا ہو تو یقین جانے کہ خدا ورسول عز و مجدہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے لڑنے والا سخت ہلاکت میں پڑنے والا ہے والعیاذ باللہ رب العالمین (اللہ کی پناہ جو تمام جانوں کو پالنے والا ہے۔ ت) ورنہ اس چیز کے مستحق ہوتے ہیں جو مورث کی ملک اور اس کا ترکہ ہو یہ سودنا مسعود نہ ملک نہ ترکہ اس کا مطالبہ کس ذریعہ سے پہنچ سکتا ہے واللہ الہادی و لاجول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم، واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

(۲) کسی قسم کا نہیں لے سکتے، دونوں قطعی حرام ہیں، حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں، سود کے ستر، اور ایک حدیث میں بہتر، اور دوسری میں تہتر دروازے ہیں ان سب میں ہلکا ایسا ہے جیسے آدمی ماں سے زنا کرے۔

حاکم نے سیدنا ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور انھوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ سود کے تہتر دروازے ہیں ان میں سے سب سے ہلکا ایسا ہے جیسے کوئی شخص اپنی ماں سے زنا کرے۔ طبرانی نے معجم اوسط میں سیدنا براہ ابن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا سود کے بہتر دروازے ہیں ان میں سے کمترین ایسا ہے جو کوئی مرد اپنی ماں سے

الحاکم عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الربا ثلث وسبعون بابا ایسرها مثلات ینکح الرحیل امہ، الطبرانی فی الاوسط عن البراء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الربا اثنا وسبعون بابا ادناها مثل اتيان الرجل

لہ القرآن الکریم ۲/۴۹-۲۶۸

کے المستدرک للحاکم

کتاب البیوع

دار الفکر بیروت

۳۴/۲

زنا کرے۔ ابن ماجہ اور بیہقی نے ایسی اسناد کے ساتھ اس کو روایت کیا جس میں کوئی حرج نہیں اور لفظ بیہقی کے ہیں۔ سیدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سود کے صتر دروازے ہیں ان میں سے کتر ایسا ہے جیسے کوئی مرد اپنی ماں سے زنا کرے (ت)

امہ، ابن ماجہ والبیہقی باسناد لا باس بہ واللفظ لہ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الربا سبعون بابا ادناھا کالذی یقع علی امہ

تو جو شخص سود کا ایک پیسہ لینا چاہے اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ماننا ہے تو ذرا گریبان میں منہ ڈال کر پہلے سوچ لے کہ اس پیسہ کا نہ ملنا قبول ہے یا اپنی ماں سے ستر ستر بار زنا کرنا، واللہ البادی۔

(۳) سود لینا حرام قطعی وکبیرہ و عظیمہ ہے جس کا لینا کسی طرح روا نہیں ہو سکتا یا مال مباح شرعی یا اپنا دیا ہوا حق بقدر حق بہ نیت تحصیل مباح یا وصول حق نہ بہ نیت ربا وغیرہ امور محرمہ لینا جائز ہے اگرچہ کسی عذر کے سبب کسی ناجائز نام کو اس کے حصول کا ذریعہ کیا جائے،

یہ بڑی جلالت و عظمت کا حامل دقیق مسئلہ ہے سوائے اللہ تعالیٰ کی توفیق کے اس پر آگاہی نہیں ہو سکتی، ہم ان شار اللہ تعالیٰ کسی دن اس کو مفصل بیان کریں گے۔ (ت)

وهذا مسألة جلیلة دقيقة لا یتنبہ الا بتوفیق اللہ تعالیٰ و ستفصلها یوما ان شاء الملك العلام جل و علا۔

(۴ و ۵) زائد برابر کم کسی مقدار کو اصلاً بیع نہیں کر سکتا کہ ان دونوں صورت میں حقیقتہً غیر مدیون کے ہاتھ دین کا بیچنا ہے اور وہ شرعاً باطل۔ اشباہ میں ہے :

بیع الدین لا یجوز ولو باعہ من الدین او وہبہ جائزاً واللہ تعالیٰ

۱۴۴/۸ مکتبۃ المعارف ریاض
۱۶۵/۲ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی
۳۹۴/۲ دارالکتب العلمیۃ بیروت
۲۱۳/۲ ادارۃ القرآن کراچی

۱۴۴/۸ مکتبۃ المعارف ریاض
۱۶۵/۲ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی
۳۹۴/۲ دارالکتب العلمیۃ بیروت
۲۱۳/۲ ادارۃ القرآن کراچی

اعلم وحکمہ سبحانہ احکم۔

اعلم وحکمہ سبحانہ احکم (ت)

(۶) جوابات سابقہ سے واضح جہاں جس طرح لینا جائز دینا جائز جہاں نہیں نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۳۹

۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کہتا ہے یہاں ہنود سے سود لینا جائز ہے مسلمانوں سے نہیں، یہ قول کیسا ہے؟ بتینوا تو جروا۔

الجواب

سود لینا نہ مسلمان سے جائز نہ ہندو سے،

اس ارشاد باری تعالیٰ کے اطلاق کی وجہ سے کہ
”اور اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام کر دیا“ لیکن جو کچھ
دارالحرب میں حربی سے لیا جائے تو وہ مباح مال
ہے سود نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ت)

لاطلاق قوله تعالیٰ وحرم الربوا ما یؤخذ
من الحربی فی دار الحرب فما لم یباح لیس
بربا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۴۰ مسئلہ محمد عنایت حسین سرشتہ دار سابق شفاخانہ ضلع بریلی ۳۰ ربیع الثانی ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید سے اگر کسی بٹے نے کوئی رقم ناجائز مثل سود وغیرہ
کے لی ہو جس کے وصول کرنے پر اسے قدرت نہ تھی اور وہ نہ بہ نیت سود بلکہ اس حق کو وصول کرنے کے لئے
اس کی کوٹھی میں کچھ روپیہ اتنا جمع کرے اور جو رقم ماہوار اس پر ملے اسے اپنے آتے ہوئے میں محبرا
سمجھا جائے یہاں تک کہ وہ حق پورا نکل آئے، اس کے بعد اپنا روپیہ واپس لے لے، اسی طرح بادشاہ
یا حاکم نے کوئی محصول یا ٹیکس یا مالگزاری یا اسٹام یا جرمانہ وغیرہ اس سے یا عام رعایا سے ایسے طریقہ
پر لیا ہو جو شرعاً ناجائز یا حد شرع سے زیادہ ہو اور اس مقدار ناجائز تک وصول کرنے کے لئے اپنے ذاتی
روپیہ یا عام مسلمانوں کے چنڈہ کار روپیہ شاہی بنک میں جمع کر کے حقدار مذکور اس سے نیت وصول حق کے
ساتھ بے نیت سود حاصل کرنے اور پہلی صورت میں اسے اپنے صرف خاص اور چنڈہ کی صورت میں ان مصارف
مسلمین میں جن کے لئے وہ چنڈہ وصول کیا گیا تھا صرف کر دے تو یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور اسے
سود لینا کہیں گے یا کیا؟ بتینوا تو جروا۔

الجواب

سود حرام قطعی و کبیرہ عظیمہ ہے جس کا لینا کسی حال روا نہیں ہو سکتا مگر حقیقتاً سود لینا ہو یا سود لینے کی نیت کہ ایسا قصد معصیت بھی معصیت ہے اگرچہ فعل واقع میں معصیت نہ ہو جیسے شربت براہ غلط شراب سمجھ کر پینا کہ وہ حقیقتاً حلال سہی پر یہ تو اپنے نزدیک مرتکب گناہ ہوا اور جہاں نہ حقیقت نہ نیت صرف نام ہی نام ہے وہ بھی بضرورت، تو اسے بالبداہتہ اس معصیت سے کچھ علاقہ نہ رہا کما لایخفی (جیسا کہ مخفی نہیں۔ ت) پس ریاست خواہ غیر ریاست جس شخص پر جس کا کوئی حق عام یا خاص ہو اور وہ بوجہ مجبوری قانون یا کسی وجہ سے اس طور پر وصول نہ ہو سکے مثلاً تادی عارض ہے یا مدیون منکر اور گواہ نہیں یا گواہ دیئے کچھری نہ مانی ڈسمس کر دی یا کسی نے کچھ رقمیں خلاف شرع اس سے لیں اور یہ انھیں واپس لینے پر قادر نہیں جیسے بننے نے سو، قاضی نے رشوت وغیرہا اور وہ دوسرے طریقہ ناجائز شرعی کے نام سے ملتا ہو کہ اس میں ممانعت قانونی وغیر موانع نہ ہوں تو اس طریقہ ناجائزہ کے نام کو صرف اس مقدار تک جہاں تک اس کا حق ہے ذریعہ وصول بنا نا جبکہ کسی امر ممنوع کی طرف منجر نہ ہو اور قصد و نیت میں اپنا حق لینا ہونہ اس طریقہ ممنوعہ کا مرتکب ہونا شرعاً جائز ہے کہ اس صورت میں نہ اس امر ناجائز کی حقیقت نہ اس کی نیت نہ قانونی ممانعت جس سے دنیوی تحفظ کیا جائے ربا وغیرہ امور محرّمہ کے معافی ربا و محرّمات ہیں نہ مجرد الفاظ بے معنی، ولہذا علماء فرماتے ہیں:

مالک اور اس کے غلام کے درمیان کوئی سود نہیں ہوتا کیونکہ غلام اور جو کچھ اس کے قبضہ میں ہو وہ مالک کی ملک ہوتا ہے لہذا سود مستحق نہیں ہوتا اسی طرح شرکت مفاوضہ اور شرکت عنان کے دو ٹرمز کے درمیان بھی سود نہیں ہوتا جیسا کہ ہدایہ اور درمختار وغیرہ روشن کتابوں میں ہے۔ (ت)

لا سبابین المولی و عبدة لان العبد و مافی یدہ ملک لمولاه فلا یتحقق الربا و کذا لا سبابین شریکی المفاوضۃ و کذا العنان کما فی الهدایۃ والدر وغیرہما من الاسفار الغر۔

درمختار میں ہے :

۸۷ / ۳	مطبع یوسفی لکھنؤ	باب الربو	لہ الهدایۃ
۲۳ / ۲	مطبع مجتہبی دہلی	باب الربا	کے درمختار

الاصل ان المستحق بجهة اذا وصل الى
المستحق بجهة اخرى اعتبر واصل
بجهة مستحقه ان وصل اليه من
المستحق عليه

قاعدہ یہ ہے کہ جو چیز ایک جہت سے مستحق ہو جب
وہ شخص مستحق کو پہنچے دوسری جہت سے تو وہ جہت مستحقہ
سے واصل سمجھی جائے گی بشرطیکہ وہ مستحق علیہ
کی طرف سے مستحق کو پہنچی ہو۔ (ت)

یہاں تک کہ علماء نے تحصیل مال مباح جس میں پہلے سے اس کا کوئی حق مستقر نہیں کیلئے نام طرق
ممنوعہ مثل ربا و قمار وغیرہا جائز رکھی بشرطیکہ وہ طریقہ صاحب مال کی رضامندی سے برتنا گیا یعنی نوٹ غدر
سے پاک و مجدا ہو،

كما نصوا عليه في سبب الاستامن و
مقاصرة الاسير في رد المحتار
عن السير الكبير و شرحه اذا دخل
المسلم داس الحرب بامان فلا بأس
بان يأخذ منهم اموالهم بطيب
انفسهم باى وجه كان لانه انما
اخذ المباح على وجه عرى عن
الغدر فيكون طيبا له والاسير و
المستامن سواء حتى لو باعهم دسهما
بدسهمين او ميتة بدسهما او
اخذ ما لا منهم بطريق القمار
فذلك كله طيب له املخصا۔

جیسا کہ فقہاء نے مستامن کے سود اور قیدی کے
جوا کے بارے میں اس پر نص فرمائی ہے، رد المحتار
میں سیر کبیر اور اس کی شرح کے حوالے سے مذکور
ہے جب کوئی مسلمان امان لے کر دار الحرب میں
داخل ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ وہ حربیوں کا
مال ان کی رضامندی سے کسی بھی طریقے سے لے کر لے
اس نے مال مباح ایسے طریقے سے لیا جو کہ دھوکہ
سے خالی ہے لہذا یہ اس کے لئے حلال ہے،
قیدی اور مستامن برابر ہیں، یہاں تک کہ اگر کسی نے
ان پر دو درہموں کے عوض ایک درہم بیچا یا کچھ
درہموں کے عوض مردار بیچا یا جوئے کے ذریعے
ان کا مال لے لیا تو یہ سب اس کے لئے حلال ہے
املخص۔ (ت)

اور حضرت امیر المؤمنین امام المتقین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کفار مکہ سے بنام شرط باجارت
حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مال حاصل فرمانا حالانکہ شرط شرعاً روا نہیں، دلیل واضح ہے

۲۸/۲

مطبع مجتہانی دہلی

باب البیوع الفاسد

کتاب البیوع

۱۵ در مختار

۱۸۸/۲

در اجار التراث العربی بیروت

باب الربا

"

۱۶ رد المحتار

کہ نام ناجائز امر جائز کونا جائز نہیں کر دیتا،
کما افادۃ فی الفتح وغیرہ نقلا عن المبسوط
مستدلا لمذہبنا فی ہذا الباب۔

جیسا کہ مبسوط سے نقل کرتے ہوئے فتح وغیرہ میں
اس کا فائدہ دیا ہے اس باب میں ہمارے مذہب
سے استدلال کرتے ہوئے۔ (ت)

تو ایسے ہی ثابت مجرد کسی اسم بے مسمیٰ کے باعث کیونکہ ممنوع ہو سکتا ہے،
ہذا ما یعرفہ کل فقیہ والمسئلۃ مسئلۃ
الظفر المنصوص علیہا فی الوہبانیۃ و
القنیۃ والدروغیرہا۔
یہ وہ ہے جس کو ہر فقیہ جانتا ہے اور مسئلہ تو مسئلہ ظفر
ہے جس پر وہ ہبانیہ، قنیہ اور دروغیرہ میں نص
کی گئی ہے (ت)

زیادت ایضاً مقام یہ ہے کہ اصل حکم حقائق پر ہے نہ کہ الفاظ پر، مثلاً اگر کوئی شخص زید سے
اپنا آتا ہوا لے اور اس کا نام ربار رکھے تو وہ ربار یا حرام نہ ہو جائے گا یا دو قسم کے قرض ہوں ایک کی
قسطوں کے ساتھ دوسرے کا بھی ایک حصہ برضائے مدیون خواہ بحالت انکار بلا رضائے لیا کرنے تو وہ
بھی ہرگز ربار نہیں ہو سکتا اگرچہ بلفظ ربار تعبیر کرے کہ حقیقت ربار یعنی فضل خالی عن العوض مستحق
بالعقد (وہ عوض جو ایسی زیادتی سے خالی ہو جس کا استحقاق بذریعہ عقد ہو۔ ت) اس پر صادق نہیں ہاں اگر یہ اپنی
جہالت سے اسے حقیقت ربار سمجھے اور یہی جان کر اس کے لینے کا مرتکب ہو تو اگرچہ سود لینے کا اس پر
گناہ نہیں جو اس نے لیا وہ سود عند اللہ نہیں مگر بقصد مخالفت شرع کسی فعل کا کرنا ضرور اس کے حق میں
معصیت جدا گانہ ہوگا کہ یہ تو اپنے زعم میں حکم الہی کا خلاف ہی کر رہا ہے، ولہذا علماء فرماتے ہیں اگر دور سے
کسی کپڑے کو زن اجنبیہ سمجھ کر بنہ نگاہ بد اس کی طرف نظر کرے گا گنہگار ہوگا اگرچہ واقع میں وہ خالی کپڑا ہے
کہ یہ تو اپنے نزدیک نا فرمانی خدا پر اقدام کر رہا ہے، میزان الشرعیۃ الکبریٰ کتاب البیوع باب ما یجوز بیعہ
ومالا یجوز میں ہے؛

لو نظر انسان الی ثوب موضوع فی
طاق علی ظن انہ امرأۃ اجنبیۃ فانہ
یحرم علیہ
اگر کسی انسان نے طاق میں رکھے ہوئے کپڑے
کو اجنبی عورت سمجھ کر نظر بد سے دیکھا تو یہ اس
کے لئے حرام ہے (ت)

اور جب یہ دونوں نہ ہوں تو ربار نام، تو وہ بھی جب بے ضرورت و حاجت محض بطور لہو و لعب و ہزل

لہ میزان الکبریٰ کتاب البیوع باب ما یجوز بیعہ ومالا یجوز مصطفیٰ البابی مصر ۶۷/۲

ہو کر وہ ہونا چاہتے جیسے اپنی عورت کو ماں یا بہن کہنا کہ اس کا نام رکھنے سے نہ وہ حقیقتاً اس کی ماں بہن ہو جائے گی،

ان امہاتہم الا اللاتی ولدنہم۔
نہیں ہیں ان کی مائیں مگر وہ جنہوں نے ان کو
جنا۔ (ت)

نہ اس کی مقاربت میں اس پر اصلاً کوئی مواخذہ کہ اس کہنے سے وہ اس پر حرام نہ ہو گئی،

امام ابو داؤد نے اپنی سنن میں ابو تمیمہؓ سے روایت کیا کہ ایک مرد نے اپنی بیوی کو کہا کہ اے میری بہن، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کیا یہ تیری بہن ہے، آپ نے اس کی اس بات کو ناپسند جانا اور اس سے منع فرمایا۔ فتح میں کہا کہ حدیث اس قول کے ظہار نہ ہونے کا فائدہ دیتی ہے کیونکہ اس میں ناپسندیدگی اور محالیت کے سوا کوئی حکم بیان نہیں کیا گیا۔ (ت)

ابوداؤد فی سننہ عن ابی تمیمۃ الہجیمی ان رجلاً قال لامراتہ یا اخیة فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اختک ہی فکرہ ذلک ونہی عنہ، قال فی الفتح الحدیث افاد کونہ لیس ظہاراً حیث لم یمین فیہ حکما سوی الکراہۃ والنہیؓ

ہاں صرف اتنی قباحت ہو گی کہ اس نے بے کسی ضرورت و مصلحت کے ایک جائز و حلال شے کو حرام نام سے تعبیر کیا،

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اور بیشک وہ بُری بات اور جھوٹ کہتے ہیں۔ (ت)

کما قال اللہ تعالیٰ وانہم ليقولون منکرا من القول وزورا۔

پھر اگر مصلحت ہو تو یہ قباحت بھی نہ رہے گی، کقول سیدنا ابراہیم علی نبینا الکریم وعلیہ وعلی سائر الانبیاء افضل لصلوٰۃ

جیسا کہ سیدتنا حضرت سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں سیدنا حضرت ابراہیم کا فرمانا

لہ القرآن الکریم ۲/۵۸

۲ سنن ابو داؤد کتاب الطلاق باب فی الرجل یقول لامراتہ یا اخیة آفتاب عالم پریس لاہور ۳۰/۱

۳ فتح القدیر باب الظہار

مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

۴ القرآن الکریم ۲/۵۸

والتسليم لسيدتنا سارة مرضى الله تعالى
عنها انها اختى له

کہ بیشک یہ میری بہن ہے، ہمارے نبی کریم،
حضرت ابراہیم اور تمام انبیاء کرام پر بہترین
درود و سلام ہو۔ (ت)

پھر علماء نے تو یہاں مصلحت اخذ مباح تک معتبر رکھی نہ کہ مصلحت اچھے حق و ازالہ مظالم کہ بالبداہتہ
اس سے ازید و اتم ہے اور بالفرض کوئی مصلحت نہ بھی ہوتی تاہم اس مال کے حل و طیب میں اصلًا
شک نہیں،

جیسا کہ توجان چکا ہے، اور تحقیق فقہاء کے اس
قول کا اطلاق اس کو شامل ہے کہ مالک و غلام
کے درمیان اور مفاوضہ و عنان کے دو شریکیوں کے
درمیان کوئی سود نہیں جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ (ت)

كما علمت وقد انتظمه اطلاق قولهم
لا سبابين المولى وعبداه ولا بين شريكي
المفاوضة والعنان كما لا يخفى۔

اور یہیں سے ظاہر ہو گیا کہ اس مسئلہ میں ماخوذ منہ کا کافر حربی خواہ محل اخذ کا دار الحرب ہونا ضرور نہیں
کما تشہد بہ مسائل المولى والشركاء (جیسا کہ مالک اور شریکیوں کے مسئلے اس پر گواہ ہیں۔ ت)
صرف انتفائے حقیقت و قصد بار و درکار ہے کہ اس کے بعد نہ عند اللہ ارتکاب حرام نہ اپنے زعم میں
مخالفت شرع پر اقدام علماء نے کہ مسئلہ حربی میں قید دار الحرب ذکر فرمائی اس کا منشاء اخراج مستامن ہے
کہ اس کا مال مباح نہ رہا۔ ردالمحتار میں ہے،

ماتن کا قول ”وہاں“ یعنی دار الحرب، یہ قید اس لئے
کہ اگر کوئی حربی ہمارے ملک میں امان لے لے کہ
داخل ہوا پھر کسی مسلمان نے اس کے ہاتھ ایک
درہم دو درہموں کے عوض فروخت کیا تو بالاتفاق ناجائز ہے طائے مسکین سے نقل کیا۔ (ت)

قوله ثم اى فى دار الحرب قيد به لانه
دخل دارنا بامان فباع منه مسلم درهما
بدرهمين لا يجوز اتفاقا ط عن المسكين
درهم دو درہموں کے عوض فروخت کیا تو بالاتفاق ناجائز ہے طائے مسکین سے نقل کیا۔ (ت)
ہدایہ میں ہے،

مسلمان اور حربی کے درمیان دار الحرب میں کوئی
سود نہیں بخلاف حربی مستامن کے کیونکہ

لا سبابين المسلم والحربي فى دار الحرب
بخلاف المستامن منهم لان ماله

لے الدر المنثور بحوالہ ابو یعلیٰ عن ابی سعید تحت آیه بل فعل کبیر ہم منشور مکتبہ آیۃ العظمیٰ قم ایران ۳۲۱/۴
لے ردالمحتار کتاب البیوع باب الربا دار احوال التراث العربی بیروت ۱۸۸/۴

عقد امان کی وجہ سے اس کا مال ممنوع ہو گیا اھ (تخصیص)

صار محظورا بعقد الامان اھ ملخصا۔
فتح القدير میں مبسوط سے ہے :

نصوص کا اطلاق ممنوع مال میں ہے حربی کا مال
مسلمان پر صرف اس صورت میں حرام ہوتا ہے
جب وہ دھوکے سے لے، چنانچہ جب اس نے
دھوکے کے بغیر لیا چاہے جس طریقے سے لیا ہو تو اس
کے لئے حلال ہے بشرطیکہ اس حربی کی رضامندی
سے لیا ہو بخلاف حربی مستامن کے دارالاسلام
میں کیونکہ اس کا مال امان کی وجہ سے ممنوع

اطلاق النصوص في المال المحظور وانما يحرم
على المسلم اذا كان بطريق الغدر فاذا لم
ياخذ غدرا فبأي طريق اخذها حل بعد
كونه برضا بخلاف المستامن منهم عندنا
لان ماله صار محظورا بالامان فاذا
اخذها بغير الطريق المشروعة يكون
غدر اھ

ہو گیا لہذا اس کو اگر جائزہ طریقے کے علاوہ لیا ہو تو دھوکہ ہو گا۔ (ت)

بالجملہ حقیقت ربا اموال محظورہ میں متحقق ہوتی ہے کما سمعت انفا (جیسا کہ تو نے ابھی
سنا ہے۔ ت) اور مال اصحاب دیون و مظالم بعت ردیون و مظالم محظور نہیں اگر جنس حق سے
ہو جیسا کہ اکثر صورتیں میں ہے تو بالاجماع ورنہ علی المفتی بہ لفساد الزمان، درمختار میں ہے،
صاحب حق کے لئے روا نہیں کہ اپنے حق کی
جنس کا غیر لے جبکہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ
علیہ نے اس کو جائز قرار دیا اور اس میں زیادہ وسعت ہے۔ (ت)

لیس لذی الحق ان یاخذ غیر جنس حقہ
وجوزہ الشافعی وهو الاوسع اھ

ردالمختار میں ہے :

ماتن کا قول کہ "امام شافعی نے اس کو جائزہ
قرار دیا" ہم اس کو کتاب الحجر میں بیان کر چکے ہیں
کہ عدم جواز ان کے زمانے میں تھا لیکن آج کل
فتویٰ جواز پر ہے اھ، اور اسی میں کتاب الحجر

قوله وجوزہ الشافعی قد منا فی کتاب
الحجرات عدم الجواز ان كان
في زمانهم اما اليوم
فالفتوى على الجواز اھ وفيه من كتاب الحجر

۸۷/۳ مطبع یوسفی لکھنؤ

۱۵ الہدایہ کتاب البیوع باب الربا

۱۷۸/۶ مکتبہ نوریہ رضویہ کھ

۱۶ فتح القدير باب الربا

۲۵۳/۲ مطبع مجتہبی دہلی

۱۷ درمختار کتاب المحظور والاباحۃ فصل فی البیع

۲۷۱/۵ دار احیاء التراث العربی بیروت

۱۸ ردالمختار " " " "

میں علامہ حموی سے منقول ہے انھوں نے علامہ
مقدسی سے انھوں نے اپنے دادا جمال اشقر
سے انھوں نے امام اخصب سے نقل کیا انھوں
نے شرح قدوری میں کہا کہ تحقیق غیر جنس سے حق
لینے کا عدم جواز ان کے زمانے میں تھا حقوق میں
ان کی پاسداری کی وجہ سے جبکہ آج کل فتویٰ جواز
پر ہے جب کسی بھی مال سے لینے پر قادر ہو خصوصاً
ہمارے شہروں میں بسبب ان کی دائمی نافرمانی
کے اھ (ت)

عن العلامة الحموی عن العلامة المقدسی
عن جده جمال الاشقر عن الامام
الاخصب انه قال في شرح القدوری
ان عدم جواز الاخذ من خلاف الجنس
كان في زمانهم لمطابقتهم في الحقوق
والفتوى اليوم على جواز الاخذ
عند القدرة من اى مال كان
لا سيما في ديارنا لمداهم العقوق^{لہ}۔

تنویر الابصار میں ہے :

من له حظ في بيت المال فظرب بما وجد
لبيت المال فله اخذة ديانة^{یہ}۔

جس کا بیت المال میں حق ہو اور اس نے بیت المال
کا مال پایا دیانت کے اعتبار سے اس کو لینا
جائز ہے۔ (ت)

در مختار میں ہے :

وللمودع صرف ودیعة مات سبها ولا وارث
لنفسه او غيره من المصارف^{یہ}

جس کے پاس ودیعت رکھی گئی ہے وہ ودیعت
کو اپنی ذات یا دیگر مصارف میں صرف کر سکتا ہے
جس کا کوئی وارث نہ ہو۔ (ت)

جس کا کوئی وارث نہ ہو۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے :

عن شرح الوهبانية عن البزائرية عن
الامام الحلواني لانه لو اعطاها
لبيت المال لضاع لانهم

شرح وہبانیہ میں بحوالہ بزازیہ امام حلوانی سے
منقول ہے، اس لئے کہ اگر اس نے ودیعت
بیت المال کو دے دی تو وہ ضائع ہو جائیگی

ردالمحتار کتاب الحجر

ردالمختار شرح تنویر الابصار کتاب

کتاب الزکوٰۃ باب العشر

دار احیاء التراث العربی بیروت ۹۵/۵

مجتبائی دہلی ۳۲۳/۲

۱۲۰/۱

کیونکہ بیت المال والے مصارف میں خرچ نہیں کرتے
لہذا اگر وہ خود مصارف میں سے ہے تو اپنی ذات
پر صرف کرے اور اگر وہ خود مصارف میں سے نہیں
ہے تو کسی اور مصرف میں خرچ کرے (ت۔ اھ)

ان تقریروں سے خوب روشن ہو گیا کہ حاشی اللہ ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ہرگز
کسی صورت ربا کو حلال نہ ٹھہرایا یہ غیر مقلدوں کا محض افتراء ہے بلکہ ان مواقع میں کہ حکم جواز ہے وجہ
یہ کہ وہ ربا ہی نہیں اپنا حق یا کوئی مال مباح ایک ذریعہ جائزہ سے حاصل کرنا ہے اگرچہ بضرورت و
مصلحت اس شخص نے اسے کسی لفظ سے تعبیر کیا ہو و لہذا علماء ان مسائل میں لا ربا (کوئی سود نہیں ہے)
فرماتے ہیں نہ یحل الربا (سود حلال ہے۔ ت) والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

تعلیم: اگرچہ ہمارے کلام سابق سے قلبین ہوا کہ مسلم و حربی میں دار الحرب میں نفی ربا بر بنائے
انتفائے عصمت و وجود اباحت ہے نہ بر بنائے انتفائے شرف دار مگر تم تمیم فائدہ کو اس مطلب کی
مزید توضیح کرتے ہیں فاقول وباللہ التوفیق (پس میں کہتا ہوں اور اللہ تعالیٰ ہی سے توفیق ہے۔ ت)
اگر اس سے یہ مقصود کہ تحریم محرّمات بوجہ شرف دار تھی دار الحرب میں کہ یہ شرف مفقود حرمت مفقود،
ولہذا وہاں غصب و ربا حلال و موجب ملک ہے تو بدایہ باطل، احکام الہیہ دائرہ دون دایرہ
(ایک ملک سوائے دوسرے ملک کے۔ ت) پر موقوف نہیں، نہ اختلاف زمین کسی حرام شئی کو
حلال کر سکتا ہے،

فان العباد لله والبلاد لله والحکم
لله والملك لله، تبارک الذی
نزل الفرقان علی عبده
لیکون للعلیین نذیراً،
وقال الله تعالیٰ و حیثما
کنتم فولوا وجوهکم

کیونکہ تمام بندے اور شہر اللہ تعالیٰ کے ہیں،
حکم اور بادشاہی اللہ تعالیٰ کی ہے، برکت
والاؤہ ہے جس نے حق و باطل میں فرق کر نیوالی
کتاب اپنے بندے پر نازل فرمائی تاکہ وہ تمام
جہانوں کے لئے ڈر سنانے والا ہو جائے، اور
اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اور جہاں کہیں تم ہو اپنے

شطر المسجد الحرام، وقال الله تعالى
فاقتلوهم حيث ثقتموهم، وقال
صلى الله تعالى عليه وسلم جعلت
لى الارض مسجدا وطهورا فإيما رجل
من امتى ادركته الصلاة فليصل

چہروں کو مسجد حرام کی طرف پھیر لو۔ اور اللہ تعالیٰ
نے فرمایا: ان کو قتل کرو جہاں کہیں ان کو پاؤ۔
اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے
فرمایا کہ میرے لئے زمین کو مسجد اور پاک کرنیوالی
بنا دیا گیا ہے چنانچہ میری امت کے کسی شخص پر
جب نماز کا وقت ہو جائے تو نماز پڑھے (جہاں
بھی ہو)۔ (ت)

یہاں تک کہ مذہبِ معتمد میں کفار خود بھی مخاطب بالفروع ہیں

حتى العبادات اداء واعتقاد اذ بون
على ترك الاداء ايضا، لقوله تعالى
قالوا لمنك من المصلين الى قوله تعالى
وكنا نكذب بيوم الدين
(اس لئے عذاب میں مبتلا ہیں) اللہ تعالیٰ کے ارشاد ”اور ہم قیامت کے دن کو جھٹلاتے تھے“
تک۔ (ت)

آخر دار الحرب میں غدر بالا جماع حرام، یونہی زنا لعدم جریان الاباحۃ فی الابضاع
(کیونکہ شرمگاہوں میں اباحت جاری نہیں ہوتی۔ ت) فتح میں مبسوط سے بعد عبارت مذکورہ منقول
وبخلاف الزنا ان قیس علی الربا
لان البضع لا یتباح بالاباحۃ بل بالطریق
الخاص اما المال فیباح بطیب النفس
به و اباحتہ
بخلاف زنا کے اگر اس کو سود پر قیاس کیا جائے
کیونکہ فرج (شرمگاہ) اباحت سے مباح نہیں
ہوتی بلکہ خاص طریقے (نکاح) سے، ربا مال
تو وہ خوشدلی سے دینے کے سبب اور اباحت سے
مباح ہو جاتا ہے۔ (ت)

۱۴۲/۲ القرآن الکریم
۱۹۱/۲ و ۹۱/۲ القرآن الکریم
۲۳۳/۲ کتاب الصلوٰۃ باب اینما درکنک الصلوٰۃ دار صادر بیروت
۴۳/۴ تا ۴۶ باب الربا
۱۷۸/۶ مکتبہ نوریہ رضویہ کمر

ولہذا مسلم متامن سے عقد ربا قطعاً حرام اگرچہ شرف دار ملتفی ہے لوجود العصمة (عصمت کے پائے جانے کی وجہ سے۔ ت) اور مسلم غیر مہاجر سے حلال لانعدام العصمة (عصمت کے معدوم ہونے کی وجہ سے۔ ت) درمختار میں ہے :

وحکم من اسلم فی دار الحرب ولم یہاجر
کحربی فللمسلم الربومعه خلافا لہما لان
مالہ غیر معصوم فلو ہاجر الینا ثم عاد
الیہم فلاس با اتفاقاً، جوہرۃ۔

جو شخص دار الحرب میں اسلام لایا اور ہجرت نہ کی اس کا حکم حربی والا ہے یعنی مسلمان اس سے سود لے سکتا ہے بخلاف صاحبین کے، کیونکہ اس کا مال معصوم نہیں، اگر وہ ہجرت کر کے ہماری طرف یعنی دارالاسلام میں

آ گیا پھر ان کی طرف یعنی دار الحرب میں لوٹ گیا تو اب بالاتفاق سود نہیں (یعنی سود جائز نہیں) جوہرہ۔ (ت)
تو ہرزین وبقعه بالیقین محل جریان احکام الہیہ جل وعلا ہے ہاں احکام قضا دار الحرب بلکہ دار لغبی میں بھی بسبب انقطاع ولایت نافذ نہیں ان کے عدم سے حلت و حرمت فی نفسہا مختلف نہیں ہو سکتی، و لہذا علماء نے جہاں حکم قضا کی نفی فرمائی اس کے ساتھ ہی حکم دیانت کا اثبات فرمایا،

فی الدر ادانہ حربی او بعکسہ او غصب
احدہما صاحبہ وخرجا الینا لم نقض
لاحدبثی ویفتی المسلم برد المغضوب
دیانۃ لا قضاء لانہ غدر وکذا الحکم فی
حربین فعلا ذلک ثم استامننا لہما بیناھ
ملخصاً۔

درمختار میں ہے، حربی نے متامن کو دیون کیا یا اس کے برعکس یعنی مسلمان متامن نے حربی کو دیون کیا یا ان میں سے ایک نے دوسرے کا مال غصب کیا اور دونوں ہماری طرف یعنی دارالاسلام میں نکل آئے تو ہم ان میں سے کسی کیلئے کسی شے کا حکم نہیں کرینگے اور مسلمان کو رد مغضوب

کا فتویٰ دیا جائیگا دیانت کے اعتبار سے نہ کہ قضا کے اعتبار سے، کیونکہ دین کی عدم ادائیگی دھوکہ ہے اور یہی حکم ان دو حربیوں کا ہے جنہوں نے فعل مذکور کیا پھر (دارالاسلام میں داخل ہو کر) متامن ہونگے اسی دلیل کی وجہ سے جس کو ہم نے بیان کیا اھ تلخیص (ت)
تبیین الحقائق میں ہے :

لان القضاء یتدعی الولاية و یعتمداھا
کیونکہ قضا ولایت کا تقاضا کرتی ہے اور اس پر

ولادایۃ وقت الادانۃ اصلاً اذا لا قدرۃ للقاضی
فیہ علی من ہو فی دار الحرب الخ۔

اعتماد کرتی ہے جبکہ ادانت (مدیون بنا) وقت کی ولایت
تو یہاں بالکل نہیں کیونکہ اس میں قاضی کو اس شخص

پر قدرت نہیں جو دار الحرب میں ہے الخ (ت)

پس ثابت ہوا کہ کوئی حرام بوجہ انتفائے شرف دار حلال نہیں ہو سکتا تو دار الحرب میں کسی شے کی
حلت فی نفسہ اس کی حلت ہے کہ باختلاف دار مختلف نہ ہوگی۔ رہا وہاں امور مذکورہ کا حلال ہونا وہ ہرگز
اس بنا پر نہیں کہ یہ محرمات وہاں حلال ہیں بلکہ وجہ یہ کہ ان محرمات کی حقیقت عصمت و محظوریت پر مبنی
کیا نص علیہ فی المبسوط کہا تقدم (جیسا کہ اس پر مبسوط میں نص کی گئی ہے جیسے گزر چکا ہے) اور وہ
اور وہ وہاں معدوم تو حقیقۃً ان کی حقیقت ہی ان صورتوں میں منتفی اگرچہ مجرد صورت و اسم باقی ہو اور
حکم حقیقت پر ہے نہ کہ اسم و صورت پر کہا لایخفی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ ت) اور اگر یہ مقصود
کہ امور مذکورہ اگرچہ حقیقۃً محرمات نہیں مگر دار الاسلام میں بوجہ شرف دار ان کا صرف نام و صورت ہی
حرام، تاہم بالیقین باطل کہ بدایتہ مدار احکام حقائق ہیں نہ کہ اسم بے مسمی، ورنہ معاملہ مولیٰ و عبد و شرکار
مفاوضہ و شرکار عنان کہ اسم مجرد وہاں بھی موجود، ہرگز جائز نہ ہوتا، نہ مسئلہ ظفر بالحق میں اخذ بالجبر و
اخذ خفیۃً کی اجازت ہوتی کہ صورت غضب و سرقة یقیناً ہے گو حقیقت بوجہ عدم محظوریت منتفی صورت سرقة
کا جواز تو عبارات سابقہ میں گزرا اور صورت غضب کی حلت یہ ہے :

قال فی الدر و حیلۃ الجوانات یعطى
مدیونہ الفقیر من کاتہ ثم یاخذھا
عن دینہ ولو امتنع المدیون مدییدہ
واخذھا لکونہ ظفر بجنس حقہ

در میں کہا جواز کا حیلہ یہ ہے کہ دائن اپنے فقیر
مدیون کو اپنی زکوٰۃ دے پھر دین کے عوض اس
سے وہی دی ہوئی زکوٰۃ لے لے اگر مدیون رکاوٹ
ڈالے تو اس کا ہاتھ پکڑے اور جبراً لے لے

کیونکہ یہ اپنے حق کی جنس وصول کرنے پر کامیابی ہے۔ (ت)

و بالجملہ یہ دونوں مقدمے کہ دار الحرب حرام کو حلال نہیں کرتی اور دار الاسلام کسی ایسے اسم
بے مسمی کو حرام نہیں فرماتی، تصریحات بے شمار سے واضح آشکار، تو مانحن فیہ میں تفرقہ بین دار و دار کی
طرف کوئی سبیل نہیں۔ یونہی صورت غضب و سرقة و نام عقد فاسد سے فرق ناممکن کہ اگر مجرد العلم و صورت محرم ہو
تو غضب و سرقة کیوں محرم ہوئے اور نہ ہو تو نام عقد فاسد کیوں حرام کرنے لگا بلکہ غضب و سرقة تو عقد فاسد سے اشد و اجنبی ہیں کہ یہ بعد

۲۶۶/۳

المطبعة الکبریٰ بولاق مصر

باب المستامن

لے تبیین الحقائق

۱۳۰/۱

مطبع مجتہبی دہلی

کتاب الزکوٰۃ

۴ در مختار

قبض مفید ملک ہو جاتے ہیں اگرچہ بروجر خبیث، اور وہ اصلاً مورث ملک نہیں، ہذا اما عندی والعلم
بالحق عند سابی (یہ وہ ہے جو میرے پاس ہے اور حق کا علم میرے پروردگار کے پاس ہے۔ ت)
والله سبحانه وتعالى اعلم و علمه جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ از شہر کہنہ ۲۹ ربیع الاول شریف ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے کچھ روپے بکر سے مدت معینہ پر قرض لئے
اور وقت روپیہ لینے کے کچھ ذکر سود وغیرہ کا نہ ہوا بلکہ زید نے صاف کہہ دیا کہ بلا سودی لیتا ہوں اور
وقت دینے روپے کے کچھ اور روپے بدلے اس کے احسان کے زیادہ کر دیئے، تو یہ روپے جو زیادہ
دیئے یہ سود میں داخل ہیں یا طریقہ سنت کا ہے یا مستحب ہے؟ بینوا تو جروا۔

الجواب

جبکہ زیادہ دینا نہ لفظاً موعود نہ عادتاً معهود، تو معنی ربا یقیناً مفقود خصوصاً جبکہ خود لفظوں میں
لفظی ربا کا ذکر موجود، بلکہ یہ صرف ایک نوع احسان و کم و مرآت ہے اور بیشک مستحب و ثابت بہ سنت
لحدیث صحیح البخاری و صحیح مسلم
عن جابوت عبد الله انصاری
رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال اتیت النبی
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
وکان لی علیہ دین ففضانی
و نرادنی (ملخصاً) و الحدیث ما عن ابی ہریرۃ
رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال
کان لرجل علی النبی
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
سن من الابل فجاءہ یتقاضا
فقال اعطوه فطلبوا سنہ
فلم یجدوا له الاستنا فوقہا

حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہما
سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں حضور نبی کریم
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر
ہوا میرا آپ پر کچھ قرض تھا آپ نے وہ ادا فرمادیا
اور کچھ زیادہ بھی مجھے عنایت فرمایا۔ اور ان دونوں
کی اس حدیث کی وجہ سے کہ سیدنا حضرت ابو ہریرہ
رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے انھوں نے
فرمایا کہ ایک شخص کا نبی اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم پر ایک عمر کا اونٹ قرض تھا وہ شخص خدمت اقدس میں آیا اور
قرض کا تقاضا کرنے لگا، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم نے صحابہ کو حکم دیا کہ اس کو اونٹ دے دو،

فقال اعطوه فقال اوفيتني اوفاك الله
 فقال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم
 ان خياركم احسنكم قضاء و لحديث
 قوله صلى الله تعالى عليه وسلم لوزان زن
 وارجح^٤ رواه احمد والاسابعة وابن
 حبان والمحاكم عن سويد بن قيس العبدى
 رضى الله تعالى عنه قال الترمذى حسن
 صحيح وقال المحاكم صحيح وهذا الوزن
 فى مكة ورواه الطبرانى فى الاوسط وابولى
 فى المسند وابن عساكر عن ابى هريرة
 رضى الله تعالى عنه وهذا الوزن فى
 المدينة-

٣٢١
 تلاش کرنے پر اس کے اونٹ جیسا اونٹ نہ ملا مگر
 اس سے بہتر عمر کا اونٹ ملا، تو آپ نے فرمایا
 کہ یہی اونٹ اس شخص کو دے دو۔ اس شخص نے
 کہا آپ نے مجھے بھر پور عطا فرمایا ہے اللہ تعالیٰ
 آپ کو بھر پور عطا فرمائے۔ حضور اکرم صلی اللہ
 تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے بہتر وہ ہے جو
 فرض کی ادائیگی میں تم سے بہتر ہے۔ اور اس
 حدیث کی وجہ سے جس میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ
 وسلم نے وزن کرنیوالے سے فرمایا کہ وزن کر اور
 ترازو کو جھکا (یعنی قدرے زیادہ دے) اس
 کو امام احمد، سنن اربعہ، ابن حبان اور حاکم نے
 سويد بن قيس عبدی رضى الله تعالى عنه سے روایت

کیا، امام ترمذی نے کہا یہ حسن صحیح ہے۔ امام حاکم نے کہا یہ صحیح ہے اور یہ وزن کرنے والا مکہ مکرمہ میں تھا
 اور اس کو طبرانی نے معجم اوسط میں، ابویعلیٰ نے مسند میں اور ابن عساكر نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ
 تعالیٰ عنہ سے روایت کیا اور یہ وزن کرنے والا مدینہ منورہ میں تھا۔ (ت)

مگر محل اس کا وہاں ہے کہ یا تو وہ زیادت قابل تقسیم نہ ہو مثلاً ساڑھے نو روپے آتے تھے دس
 روپے دیتے کہ اب بقدر نصف روپے کی زیادتی ہے اور ایک روپیہ دو پارہ کرنے کے لائق نہیں یا
 قابل تقسیم ہو تو جہاں کے دے، مثلاً دس آتے تھے وہ دے کہ ایک روپیہ احساناً الگ دیا ان صورتوں
 میں وہ زیادتی بکر کے لئے حلال ہو جائے گی اور اگر قابل تقسیم تھی اور یوں ہی مخلوط و مشاع دی مثلاً
 دس آتے تھے گیارہ یکمشت دیتے دس آتے ہیں اور ایک احساناً تو نہ ہبہ صحیح ہو گا نہ بکر اس زیادت
 کا مالک۔ عالمگیری میں ہے :

سجل دفع الی ساجل تسعة دراهم وقال ایک مرد نے دوسرے کو نو درہم دیئے اور کہا

صحیح البخاری کتاب الاستقراض باب حسن القضا
 مسند امام احمد بن حنبل حدیث سويد بن قيس رضى الله عنه دار الفکر بیروت
 جامع الترمذی ابواب البيوع ١٥٦/١ و المستدرک کتاب البيوع ٣٠/٢
 معجم الاوسط حدیث ٦٥٩ المكتبة المعارف الرياض ٣٠٤/٤

تین تیرے حق کی ادائیگی ہیں تین تیرے لئے ہبہ اور تین صدقہ ہیں، پھر سب ضائع ہو گئے تو ہبہ کے تین درہموں کا وہ ضامن ہوگا کیونکہ یہ فاسد ہبہ ہے اور صدقہ کے تین درہموں کا ضامن نہیں ہوگا کیونکہ صدقہ مشاع جائز ہے سوائے ایک روایت کے، محیط سرخسی میں یونہی ہے۔
واللہ تعالیٰ اعلم (ت)

ثلاثة قضاء من حقلك وثلاثة هبة لك
وثلاثة صدقة فضاع الكل ليضمن ثلاثة
الهبة لانها هبة فاسدة ولا يضمن ثلاثة
الصدق لان صدقة المشاع جائزة الا
في رواية كذا في محيط السرخسي، والله
تعالى اعلم۔

مسئلہ ۱۴۲ از موضع دیورنیاں

- کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں :
- (۱) سودینا مسلمان کو درست ہے یا نہیں؟
 - (۲) ہنود سے سود لینا درست ہے یا نہیں؟
 - (۳) دستاویز میں سود تحریر کرنا اگرچہ اس کے لئے نیت نہ ہو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

- (۱) ہرگز درست نہیں مگر جب کوئی خاص ضرورت شدیدہ ہو جسے شرع بھی ضرورت مانے اور بغیر سود دینے چارہ نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم
- (۲) ہنود مسلمان کسی سے درست نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم
- (۳) نادرست کہ جھوٹی تہمت گناہ اپنے اوپر لگانا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۴۵ از شہر کہنہ ۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۴ھ

ایک موضع کے سامیان کو کچھ غلہ بغرض تخم ریزی کے دیا گیا اور اس غلہ کا بہ نرخ بازار روپیہ اسامی کے ذمہ قائم کر دیا گیا مگر اس وقت میں اسامی سے یہ امر طے نہ کیا گیا کہ کس نرخ سے بحساب فی روپیہ غلہ جو آئندہ پیدا ہوگا وہ اس اسامی سے لیا جائیگا فصل پر وہ غلہ یعنی ساٹھی سترہ سیر کی فروخت ہوئی اور اب تیرہ سیر کی فروخت ہوتی ہے اور اسامی سے فصل پر بحساب ۲۵ سیر فی روپیہ ساٹھی لی گئی، آیا یہ کارروائی جائز ہوئی یا ناجائز؟ اگر ناجائز ہے تو کیا طریقہ برتا جائے اور کس نرخ

سے غلہ لیا جائے کہ وہ جائز ہو؟ بیٹو! توجروا

الجواب

اگر اس وقت کوئی ناجائز عقد نہ ہوا تھا نہ بعد کو کسی جبر و تعدی سے آسامی نے دیا بلکہ بخوشی سترہ سیر کے حساب سے غلہ ان روپوں کا دے دیا تو لینا جائز ہے ورنہ حرام۔ واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ جل مجدہ اتم واعلم۔

مسئلہ ۱۳۶ ۸ رمضان المعظم ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو روپیہ کفار کے خزانہ میں جمع کیا جائے اس کا سود لینا جائز ہے یا نہیں؟ بیٹو! توجروا

الجواب

سود لینا قطعاً حرام ہے، اللہ عزوجل نے مطلقاً فرمایا،

واحل الله البيع وحرم الربو واللہ نے حلال کی بیع اور حرام کیا سود۔

اس میں رب العزت جل جلالہ نے کوئی تخصیص نہ فرمائی کہ فلاں سے سود لینا حرام اور فلاں سے حلال ہے بلکہ مطلقاً حرام فرمایا اور وہ مطلقاً ہی حرام ہے کافر سے ہو خواہ مسلم سے۔ ہاں اپنا کسی پر آتا ہوا یا اور کوئی مال جائز شرعی کسی حیلہ شرعیہ سے حاصل کرنا دوسری بات ہے والتفصیل فی فتاواننا (اور تفصیل ہمارے فتاویٰ میں ہے۔ ت) واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۳۷ از مارہرہ مطہرہ ضلع ایبٹہ مرحلہ حضرت سید ارتضیٰ حسین صاحب ۱۲ رجب ۱۳۱۶ھ

بنک سے سود لینا جائز یا ناجائز؟ زیادہ نیاز

الجواب

سود لینا مطلقاً حرام ہے، قال اللہ تعالیٰ وحرم الربو (اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا،

اور اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام کیا۔ ت) واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۳۸ ۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے غلہ روپے کا مال اپنے روپیہ سے کروا کر دیا اور کہا کہ میں تم سے لے گا روپوں گا اس میں نفع جائز ہے یا نہیں؟ بیٹو! توجروا

الجواب

ترا سود اور حرام ہے، واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۴۹ از اوجین مرسلہ حاجی محمد یعقوب علی خاں صاحب ۲۴ شعبان ۱۳۱۵ھ

جب جنس و قدر دونوں پائے جائیں تو امام اعظم کے نزدیک نسیہ و فضل دونوں حرام ہیں تو اگر کوئی ایک من گہوں ایک من گہوں سے دست بدست بیچے تو اس تجارت میں بائع و مشتری کو کیا فائدہ ہوا اور اس سے یہ بھی پایا گیا کہ کسی کو گہوں یا جو یا جوار یا چنا وغیرہ کی ضرورت پڑی اور اس نے اس سے کہا کہ مجھ کو ایک من گہوں وغیرہ بطریق ادھار دے دے میں تجھ کو چند روز میں دے دوں گا تو یہ بھی سود میں داخل ہو گیا اور یہ ضرورت ہر کس و ناکس کو پیش آتی ہے اس مسئلہ میں جو حکم تحقیق ہو بیان فرمائیں۔ بیٹو! تو جروا

الجواب

قرض تو ایک دوسرا عقد ہے بیع کے سوا جسے شرع مطہر نے حاجات ناس کے لئے جائز فرمایا غلہ کیا بڑا قرض تو روپے کا ہونا ہے روپیہ خود اموال ربویہ سے ہے کہ روپے کے عوض روپیہ یا چاندی ہو تو قدر و جنس دونوں موجود اور فضل و نسیہ دونوں حرام مگر روپیہ قرض لینا جائز ہی ہے اور خود غلہ قرض لینا صحیح حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور رب العزت جل و علا فرماتا ہے :

يا ايها الذين امنوا اذا تدانتم بدين
الى اجل مسمى فاكتبوه الآية۔
اے ایمان والو! جب تم ایک مقررہ مدت تک
کسی دین کا لین دین کرو تو اس کو لکھ لیا کرو۔ (ت)

اور اموال ربویہ میں شرع مطہر نے وصف کا اعتبار ساقط فرمایا ہے و لہذا ان کا جید و ردی یکساں ہے اور اختلاف اوصاف اختلاف اغراض و حاجات ناس کا باعث ہو سکتا ہے مثلاً ایک قسم کی چیز زید کو مطلوب ہے اس کے پاس اس قسم کی نہیں دوسری قسم کی ہے اور اس قسم کی شے عمرو کے پاس ہے اسے اس قسم کی مطلوب ہے جو زید کے پاس ہے تو باہم دست بدست یکساں برابر مبادلہ کر کے ہر ایک اپنے مطلوب کو پہنچ سکتا ہے معذرا یہ صورت بھی ہے کہ مثلاً زید کے منہ سے قسم نکل گئی کہ یہ گہوں جو اپنے پاس ہیں نہ کھائے گا اب اگر وہ ان گہوں کو عمرو کے گندم سے دست بدست برابر بدل لے

تو قسم بھی پوری ہوگی اور کوئی حرج بھی لازم نہ آئے گا۔ علاوہ بریں شرع نے دست بدست برابر بیع کرنا واجب تو نہ کیا یہ فرمایا ہے کہ اگر ان چیزوں کی باہم بیع کر فی ہو تو یوں کہ وجسے نہ کرنی ہو نہ کرے کوئی شرعی ایجاب تو نہیں۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۵۰ از لاہور مسجد بیگم شاہی مرسلہ مولوی احمد الدین صاحب یکم ذی القعدہ ۱۳۳۸ھ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارہ میں کہ اس ملک میں اہل ہنود سے بیاج لینا جائز ہے یا نہیں؟ بعض کہتے ہیں کہ نصاریٰ سے بوجہ اہل کتاب ہونے کے بیاج لینا نا درست ہے، ایسے خیال والوں کے پیچھے نماز پڑھنی درست ہے یا نہیں؟

الجواب

سود مطلقاً حرام ہے،

قال اللہ تعالیٰ وحرم الربویۃ
اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اور اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام کیا۔ (ت)

ہاں جو مال غیر مسلم سے کہ نہ ذمی ہو نہ مستامن بغیر اپنی طرف سے کسی عذر اور بد عہدی کے ملے اگرچہ عقود فاسدہ کے نام سے اسے اسی نیت سے نہ نیت ربا وغیرہ محرمات سے لینا جائز ہے اگرچہ وہ دینے والا کچھ کے یا سمجھے کہ اس کے لئے اس کی نیت بہتر ہے نہ کہ دوسرے کی، لکل امریٰ ما نویؑ (بہر شخص کے لئے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی۔ ت) پھر بھی جس طرح بُرے کام سے بچنا ضرور ہے بُرے نام سے بچنا بھی مناسب ہے ایاک وبالسوء الظن (بدگمانی سے بچ۔ ت) ان تمام احکام میں مشرک و مجوسی و کتابی سب برابر ہیں جبکہ نہ ذمی و مستامن ہوں نہ عذر کیا جائے بلکہ یہی شرط کافی ہے کہ ان دونوں کو بھی حاوی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۵۱ از قصبہ سن پور ضلع مراد آباد مرسلہ محمد شیر علی خاں مورخہ ۷ ذوالحجہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین بدیں امر کہ ہر دو فریق کہ باہمی رضامندی پر سود (بیاج) کہاں تک جائز ہے یا نہیں اور اگر نہیں تو کس صورت میں اور کیوں؟ مفصل تحریر فرمائیے۔

لہ القرآن الکریم ۲/۲۷۵

لہ صحیح البخاری کتاب الایمان باب ما جاز ان الاعمال بالنیۃ والحسبۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱۳/۱

الجواب

اگر باہمی رضامندی سے سوڈ جائز ہو سکے گا تو زنا بھی جائز ہو سکے گا اور سوڈ بھی جائز ہو سکے گا جبکہ سوڈ کا مالک اس کے کھانے پر راضی ہو، اللہ ورسول کے غضب میں کسی کی رضامندی کو کیا دخل، صحیح حدیث میں فرمایا کہ سوڈ کھانا تہتر بار اپنی ماں سے زنا کرنے سے زیادہ سخت ہے۔ کیا باہمی رضامندی سے ماں کے ساتھ سوڈ جائز ہو سکتا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۵۲ از شہر بانسمنڈی مسئلہ محمد صدیق بیگ صاحب ۲۵ محرم ۱۳۳۹ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سوڈ کیا چیز ہے اور کس کس صورت میں سوڈ ہو جاتا ہے؟
بیٹو تو جروا۔

الجواب

وہ زیادت کہ عوض سے خالی ہو اور معاہدہ میں اس کا استحقاق قرار پایا ہو سوڈ ہے مثلاً تلو روپے قرض دئے اور یہ بٹھرا لیا کہ پیسہ اوپر تنولے گا تو یہ پیسہ عوض شرعی سے خالی ہے لہذا سوڈ حرام ہے۔
واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۵۳ از مدرسہ منظر الاسلام بریلی مسئلہ اختر حسین طالب علم ۵ صفر ۱۳۳۹ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی پنوارٹی یا سرمرہ فروش کو دس یا پانچ روپے کوئی شخص دے اور اس سے کہے کہ جب تک میرا روپیہ تمہارے ذمہ رہے مجھے پان بقدر خرچ روزانہ کے دیا کرو اور جب روپیہ واپس کر دو گے تو مت دینا یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟ اور نہیں تو جواز کی کون سی صورت ہے؟

الجواب

یہ صورت خاص سوڈ اور حرام ہے، سوڈ کے جواز کی کوئی شکل نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۵۴ از بریلی بازار مسئلہ عزیز الدین خاں سوڈاگر ۲۷ سوال ۱۳۳۹ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسئلوں میں کہ:

(۱) ایک مسلمان اور ایک ہندو کو دس روپیہ کا نوٹ دیا آیا ہندو مسلمان دونوں سے اس کا نفع جو قرار پایا ہے لیا جائیگا یا نہیں؟

(۲) ہندو سے نقد قرض سوڈی لینا مسلمان کو جائز ہے یا نہیں؟ یا کچھ زیور رکھ کر روپیہ سوڈی لینا مسلمان کو ہندو سے جائز ہے یا نہیں؟ بیٹو تو جروا۔

الجواب

(۱) دس کانوٹ اگر زیادہ کو بیچا تو ہندو مسلمان دونوں سے لینا جائز اور اگر قرض دیا اور زیادہ لینا قرار پایا تو مسلمان سے حرام قطعی اور ہندو سے جائز جبکہ اسے سود سمجھ کر نہ لے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) سود جس طرح لینا حرام ہے یونہی دینا بھی حرام جب تک سچی حقیقی مجبوری نہ ہو، زیور اگر اپنا ہے تو اسے رہن رکھ کر سودی روپیہ نکلوانا حرام کہ یہ مجبوری نہ ہوتی، زیور بیچ کیوں نہیں ڈالتا، اور اگر دوسرے سے رہن رکھنے کے لئے مانگ کر لیا ہے اور پاس کوئی ایسی چیز نہیں جسے بیچ کر کام نکال سکے اور قرض لینے کی سچی ضرورت و مجبوری ہے تو جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۵۶ از شہر بریلی مرسلہ شوکت علی صاحب ۵ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیا حکم ہے اہل شریعت کا اس مسئلہ میں کہ زید نے بجر سے دس روپیہ اس شرط پر مانگے کہ میں فصل پر گندم ۱۵ مار دوں گا اور خالد نے بجر سے دس روپیہ اس شرط پر مانگے کہ جو نرخ بازار فصل پر ہوگا اس نرخ سے دس روپیہ کے گندم دوں گا بجر نے کہا کہ میرے پاس اس وقت روپیہ نہیں ہے تم دونوں شخص دس دس روپیہ کے گندم جو اس وقت ۱۰ مار کا نرخ لے جاؤ۔ دونوں شخص رضامندی سے گندم حسب شرائط بالا کے گئے اور فروخت کر کے دس دس روپے اپنے صرف میں لائے، اب زید کو فصل پر فی روپیہ ۱۵ مار گندم حسب وعدہ اور خالد کو فی روپیہ ۱۲ مار گندم نرخ بازار دیتے ہوئے یہ بیع جائز ہوئی یا نہیں؟ اور اگر بکر خالد کو روپیہ حسب شرائط بالا یعنی جو فصل پر نرخ ہوگا دوں گا دیتا تو جائز ہوتا یا نہیں؟

الجواب

یہ صورت حرام قطعی اور خالص سود ہے، ڈھائی من گہیوں جو اس نے دیئے ان سے زیادہ لینا حرام حرام حرام۔ اور اگر روپیہ دیتا تو اس میں دو صورتیں تھیں، روپیہ قرض دیتا اور یہ شرط ٹھہرا لیتا کہ ادا کے وقت گہیوں دیں تو یہ شرط باطل تھی، زید و خالد پر صرف اتنا روپیہ ادا کرنا تھا اور اگر گہیوں کی خریداری کرتا اور روپیہ پیشگی دیتا تو یہ صورت بیع سلم کی تھی اگر اس کے شرائط پائے جاتے جائز ہوتی ورنہ حرام۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۵۷ از شاہجہاں پور محلہ خلیل مرسلہ حاجی محمد اعزاز حسین خاں صاحب ۱۶ ربیع الاول ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اشتہار دیا ہے کہ میں ایک روپیہ میں تیس روپیہ کی گھڑی دیتا ہوں لیکن اس شرط سے کہ جو شخص میرا ٹکٹ ایک روپیہ کو خریدے اس کے نام پانچ ٹکٹ میں بیچوں گا جب وہ پانچ ٹکٹ پانچ روپیہ کو فروخت کر کے وہ پانچ روپیہ مع ان کے پانچ خریداروں کے

ناموں کے میرے پاس بھیج دے پھر میں ان پانچوں خریداروں کے پاس پانچ پانچ ٹکٹ بھجوں گا جبکہ ان میں سے ہر ایک شخص اپنے اپنے ٹکٹ فروخت کر کے مبلغ پچیس روپیہ میرے پاس بھیج دیں گے تو میں تیس روپیہ کی گھڑی اس مقدمہ کے شخص کے پاس بھیج دوں گا اور پھر وہ شخص اشتہار دینے والا ان پچیس پچیس خریداروں میں سے ہر ایک کے نام پانچ پانچ ٹکٹ بھیج دے گا جبکہ یہ اپنے اپنے ٹکٹ فروخت کر کے روپیہ اس کے پاس بھیج دیں گے جب وہ ان پانچ شخصوں کے پاس تیس تیس روپیہ کی گھڑی بھیجے گا جنہوں نے مقدمہ ذکر شخص سے ٹکٹ خریدے تھے غرض کہ اسی سلسلہ میں جبکہ اس کے پاس تیس روپیہ پہنچے جائیں گے تو وہ حسب ترتیب ایک شخص کو گھڑی بھجوا رہے گا، تو ہر شخص کو گھڑی ایک روپیہ میں ملے گی مگر بائیں شرط کہ اس کے ذریعہ سے تیس روپیہ کے ٹکٹ اس شخص کے فروخت ہو جائیں اور وہ ٹکٹ دراصل بطور ایک سند وثیقہ خریداری کے ہیں کیونکہ اس ٹکٹ پر لفظ کوپن اس نے لکھا ہے جس کا ترجمہ سودی اقرار نامہ لکھا ہے جس سے ظاہر ہے کہ یہ ٹکٹ بلیعہ نہیں بلکہ اقرار نامہ ہے اس بات کا کہ بعض ایک روپیہ تیس روپیہ کی شے اشیاء بلیعہ سے جس کی وہ خریدار درخواست کرے بلحاظ شرائط مذکورہ و مندرجہ اشتہار ملے گی پس اس معاملہ مذکورہ سے کسی شے کا لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں، اگر جائز ہے تو یہ عقد عقد بیع ہے یا کیا، اور اگر بیع ہے تو اس میں کوئی دوسرا عقد مثل توکیل و دلالی و اخذ اجرت وغیرہ مندرج ہے یا نہیں، اور ثمن وہ ایک روپیہ ہے یا مع اس زیادتی مذکورہ کے، اگر مع زیادتی ہے تو یہ بیع بطریق بیع چھٹی مرد و ممنوعہ شرعیہ کے معنی میں ہوگی گو ایک لخت سب چھٹی نہ ہوں متفرقا متفرقا ہوں یا اس معنی میں نہیں پھر یہ بیع باندرجہ شرائط مذکورہ بالا جائز ہوگی یا نہیں بحوالہ شرعیہ دلائل معتبرہ جو اب مرحمت فرمایا جائے اور نقل اشتہار بغرض ملاحظہ ہر شے سوال ہذا ہے بینوا اللہ توجروا عند اللہ۔

نقل اشتہار بغرض ملاحظہ ذیل میں تحریر کی جاتی ہے: قیمتی تیس روپیہ صرف ایک روپیہ کو لندن و اچ کمپنی کمر شیل بلڈنگ لکھنؤ سونے چاندی یا دھات کی جلیبی گھڑیاں کلاک اور زیور وغیرہ، تم کو یہ سند ملے گی جس کے واسطے تم نے صرف ایک روپیہ خرچ کیا ہے اور ان ٹکٹوں کو جو کہ ان میں شامل ہیں ایمان کے ساتھ فی ٹکٹ ایک روپیہ فروخت کرو اپنے دوستوں اور ملاقاتیوں میں ان میں سے ٹکٹ فروخت کرو جس قدر کہ تم سے ہو سکے اور پھر جب تم اس سند کو مع اس روپیہ کے جو تم نے فروخت کر کے وصول کیا ہے ہمارے پاس بھیج گے ہم وعدہ کرتے ہیں کہ ہم تم کو ایک چیز ان چیزوں میں سے جو کہ اوپر بیان کی گئیں جس کے تم مستحق ہو گے (ہماری فہرست نمونہ کی دیکھ لو) جبکہ شرائط مفصلہ ذیل پوری ہوں گی ہم بھیجیں گے، شرط اول تم ہمارے پاس نام اور پتہ صاف قلم سے ان شخصوں کے جس کے ہاتھ تم نے ٹکٹ

فروخت کئے ہیں بھیجوں گے۔ شرط دوسری ان میں سے ہر ایک شخص سے ہم بذریعہ تحریر کے دریافت کریں گے اپنے اطمینان کے واسطے کہ آیا تم نے ان شخصوں کے ہاتھ فروخت کیا ہے یا نہیں۔ تیسری شرط وہ شخص ہمارے پاس اپنی سند مع اس روپیہ کے جو کہ انہوں نے اپنے ٹکٹ فروخت کر کے وصول کیا ہے ہمارے پاس بھیجیں گے، اگر تم یا تمہارے دوست پانچوں ٹکٹ نہ فروخت کر سکیں تاہم تم ہماری ایک چیز کے عمدہ چیزوں میں سے مستحق ہو گے اگرچہ چار یا تین یا دو یا صرف ایک ہی ٹکٹ بموجب شرائط بالا کے فروخت ہوا ہو خوب غور کر لو کہ تم صرف ایک روپیہ اپنی جیب سے خرچ کر کے اس کے عوض میں بموجب شرائط بالا کے اپنے آپ کو مستحق کرتے ہو خالص سونے کی چلی گھڑی کا یا کلاک کا جس کی قیمت تیس روپیہ ہوگی ہم تمہارے ساتھ ایمانداری سے کام کرتے ہیں اور ہم کو یقین ہے کہ تم بھی ہمارے ساتھ ایمانداری کرو گے ہم تم پر اعتبار کرتے ہیں ہمارے مال میں سے جس چیز کو جی چاہے بموجب نمونہ کی فہرست کے ہندوستان، برما، سیلون میں جانچ کر کے اطمینان کرالو۔

ترجمہ اس ٹکٹ کا جو ایک روپیہ کو فروخت ہوتا ہے، تیس روپیہ کی قیمت کا مال صرف ایک روپیہ کو خریدنے والے کو اس ٹکٹ کے ایک سند مع پانچ ٹکٹوں کے ملے گی جن کو کہ فی ٹکٹ اس کو ایک روپیہ میں فروخت کرنا چاہئے بعد ہمارے پاس اس کی قیمت یعنی پانچ روپیہ وصول شدہ بذریعہ منی آرڈر یا چک کے بھیجا چاہئے اور تقسیم کرنا چاہئے جیسا کہ سند پر لکھا ہے ٹکٹ کے لفظ کو کوپن لکھا ہے جس کا ترجمہ ڈکشنری میں سودی اقرار نامہ لکھا ہے، فقط۔

الجواب

معاملہ مذکورہ محض حرام و قمار، ہزاروں ہزار محرمات بے شمار کا تودہ و انبار، بلکہ حسد اموں کا سلسلہ ناپید اکنار، طرفہ اختراع ابلیس مکار ہے،

قال اللہ تعالیٰ وکذالك جعلنا لكل نبی عداوا
شیطین الا انس والجن یوحی
بعضہم الی بعض من خرف القول
غرورا ولوشاء ربك ما فعلوه
فذرہم وما یفترون ہ
ولتصغی الیہ افیئدة
الذین لا یؤمنون بالآخرة

اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اسی طرح ہم نے ہر نبی کیلئے
کچھ دشمن بنائے شیطان آدمی اور جن کہ ایک
دوسرے کے دل میں جھوٹی بات طمع کی ہوئی ڈالتے
ہیں ایک تو فریب دینے کو (اور تیرا رب چاہتا
تو وہ ایسا نہ کرتے تو تو چھوڑ دے انہیں اور
ان کے باندھنے جھوٹ کو) دوسرے اس لئے
کہ جھک آئیں اس باطل کی طرف ان کے دل

وليرضوه وليقتروا ما هم

جنہیں آخرت پر ایمان نہیں اور اسے پسند کریں
اور اس کے ذریعہ سے کمالیں جو انہیں کما ہے۔

مقترون ۵

آخرت میں وبال و عذاب اور دنیا میں، مثلاً صورتِ مستولہ میں کوئی روپے اور کوئی گھڑی
یا گنا وغیرہ اور کوئی خسر الدنیا والآخرۃ (دنیا و آخرت میں اس نے گھاٹا پایا۔ ت) کہ روپیہ
گیا اور کچھ نہ ملا،

اے نبی! تو ان لوگوں سے فرما کیا اللہ نے
تھیں اس کی پروانگی دی ہے یا خدا پر
بہتان اٹھاتے ہو۔

قل اللہ اذن لکم ام علی اللہ

تفترون ۶

یعنی پروانگی تو ہے نہیں ضرور افتراء ہی ہے،

کیا ان کے لئے کچھ ساختہ خدا ہیں جنہوں نے ان
کو وہ دین گھڑ دیا جس کی اجازت اللہ نے نہ دی۔

ام لہم شرکاء شرعوا لہم من الدین

مالم یا ذن بہ اللہ ۷

اللہ عزوجل مسلمانوں کو شیطان کے فریب سے بچائے، آمین! اس اجمال کی تفصیل مجھل یہ
کہ حقیقت دیکھئے تو معاملہ مذکورہ بنظر مقاصد ٹکٹ فروش و ٹکٹ خراں ہرگز بیع و شرا وغیرہ کوئی عقد
شرعی نہیں بلکہ صرف طمع کے جال میں لوگوں کو پھانسا اور ایک امید موہوم پر پانسٹا ڈالنا ہے اور یہی
قمار ہے، پر ظاہر کہ اس طمع دلائی ہوئی گھڑی یا گنے وغیرہ کی خرید و فروخت کا تو اصلاً نہ ذکر نہ اس شے
کی جنس ہی متعین، بلکہ تاجر کہتا ہے جب ایسا ہوگا تو ہم وعدہ کرتے ہیں کہ تم کو ایک چیز ان چیزوں سے
بھیجیں گے، یہ وعدہ ہے اور بیع عقد، اور وعدہ و عقد میں زمین و آسمان کا بعد۔ اب رہی سند اور
ٹکٹ، سند تو خود مع قیمت واپس مانگتا ہے اور بیع میں بیع مع قیمت واپس ہونے کے کوئی معنی
نہیں، علماء نے صبی لا یعقل البیع والشراء (وہ بچہ جو بیع و شرا کی سمجھ نہیں رکھتا۔ ت) کی
پہچان لکھی کہ چیز لے کر پیسہ بھی واپس مانگنے لگے فیعلم انک لا یعرف معنی المبادلة و ما
البیع الا مبادلة (پس معلوم ہو گیا کہ وہ مبادلہ کا معنی نہیں جانتا اور بیع تو ہے ہی مبادلہ۔ ت)
ہاں ٹکٹ کی بیع کا نام لیا مگر اس پر وہ عبارت چھاپی جس نے صاف بتا دیا کہ یہ بیع نہیں ایک

اقراری سند ہے جس کے ذریعہ سے ایک روپے والا بعد موجود شرائط تیس روپے کا مال تاجر سے لے سکے گا اگر ٹکٹ ہی بکتا تو خریدار کیا ایسے احمق تھے کہ روپیہ دے کر دو انگل کا محض بیکار پرچہ کا غزمول لیتے جسے کوئی دو کوڑی کو بھی نہ پوچھے گا، لاجرم بیع وغیرہ سب بالائے طاق ہے بلکہ تاجر تو یہ سمجھا کہ مفت گھر بیٹھے میرے مال کی نکاسی میں جان لڑا کر سعی کر نیوالے ملک بھر میں پھیل جائیں گے اور محض بے وقت منہ مانگے دام پے درپے آیا کریں گے تو کر دام لے کر کام کرتے ہیں اور غلام بے دام، مگر یہ ایسے پھنسیں گے کہ آپ دام دیں گے اور میرا کام کریں گے، انسان کسی امر میں دوہی وجہ سے سعی کرتا ہے خوف یا طمع، یہاں دونوں مجتمع ہوں گے، ایک کے قیس ملنے کی طمع میں جس نے ایک ٹکٹ لے لیا اس پر خواہی تو خواہی لازم ہو گا کہ جہاں سے جانے پانچ احمق اور پھانسی چھ تو یہ نقد بلا معاوضہ آئے اب وہ نوگفتار پانچ میں ہر ایک اسی تیس کی طمع اور اپنا روپیہ مفت مار جانے کے خوف سے اور پانچ پانچ پر ڈورے ڈالے گا یونہی یہ سلسلہ بڑھتا رہے گا اور ملک بھر کے بے عقل میرا مال نکلنے میں بجان ساعی ہو جائیں گے پھر جب تک سلسلہ چلا فہا گھر بیٹھے بے محنت دُونے ڈیوڑھے چھنا چھن آرہے ہیں اور جہاں تھکا تو اپنا کیا گیا، ان ٹکٹ خروں کا گیا جنہوں نے روپے کو ہوا خریدی، ہمیں یوں بھی صد ہا مفت بیع رہے، بہر حال اپنا احمق کہیں نہیں گیا، تاجر کے تو یہ منصوبے تھے ادھر مشتری سمجھا کہ گیا تو ایک اور ملے تو تیس لاؤ قسمت آزما دیکھیں یہاں تک نری طمع تھی اب کہ روپیہ بھیج چکے مارے جانے کا خوف بھی عارض ہو گیا اور ہر طرح لازم ہوا کہ اوروں پر حال ڈالیں اپنا روپیہ ہرا ہو دوسرے سوکھے گھاٹ اتریں تو اتریں، یونہی یہ امید و بیم کا سلسلہ قمار ترقی پکڑے گا، اول کے دو چار کچھ حرام مال کی جیت میں رہیں گے آخر میں بگڑے گا جس جس کا بگڑے گا یہی اکل مال با باطل ہے جسے قرآن عظیم نے حرام فرمایا کہ :

یا ایہا الذین آمنوا لا تاكلوا اموالکم
 بینکم بالباطل
 اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال
 ناحق طور پر مت کھاؤ (ت)

یہی غرر و خطر و ضرر و ضرر میں پڑنا اور ڈالنا ہے جس سے صحاح احادیث میں نہیں ہے، یہ معاملہ چٹھی سے بدرجہا بدتر ہے وہاں ہر ایک بطور خود اس قمار و گناہ میں پڑتا ہے اور یہاں ہر پہلا اپنے نفع کیلئے دوسرے پانچ کا گلا پھانسیے گا تو وہاں صرف خطر تھا یہاں خطر و ضرر و غش سب کچھ ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے فرماتے ہیں :

لیس منّا من غشنا۔ رواہ مسلم و احمد
وابوداؤد وابن ماجہ والحاکم
عن ابی ہریرۃ والطبرانی فی الکبیر عن
ضمیرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

جو مسلمانوں کے خلاف خیر خواہی معاملہ کرے وہ ہمارے
گروہ سے نہیں (اس کو امام مسلم، احمد، ابوداؤد،
ابن ماجہ اور امام حاکم نے سیدنا حضرت ابو ہریرہ
رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور طبرانی نے معجم کبیر میں
سیدنا حضرت ضمیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔)

ایک حدیث میں ہے :

لیس منّا من غش مسلماً اوضرہ او ما کرہ
رواہ الامام الرافعی عن امیر المؤمنین
علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ۔

ہم میں سے نہیں جو کسی مسلمان کی بدخواہی کرے یا
اسے ضرر پہنچائے (اس کو امام رافعی نے سیدنا
امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے
روایت کیا ہے۔ ت)

احادیث اس باب میں حد تو اتنی پر ہیں اور خود ان امور کی حرمت ضروریات دین سے ہے کما
لا یخفی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ ت) حقیقت امر تو یہ تھی اور صورت الفاظ پر نظر کیجئے تو ٹکٹ کی
خرید و فروخت ہے۔ اول تو اس کے مال ہونے میں کلام ہے کہ وہ جس کی طرف طبائع میل کریں اور وقت
حاجت کے لئے ذخیرہ رکھا جائے، یہ ٹکٹ دونوں وصف سے خالی ہے، کشف الکبیر و بحر الرائق و رد المحتار
میں ہے :

المراد بالمال ما یبیل الیہ الطبع ویسکن
ادخاراً لوقت الحاجة۔
مال سے مراد وہ چیز ہے جس کی طرف طبیعتیں میلان
کریں اور اس کو حاجت کے وقت کیلئے ذخیرہ
کیا جاسکتا ہو۔ (ت)

اس تقدیر پر تو یہ بیع سرے سے محض باطل ہوگی لانہ مبادلة مال

۴۰/۱	قدیمی کتب خانہ کراچی	کتاب الایمان	صحیح مسلم
۲۱۶/۲	دار الفکر بیروت	مسند ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ	مسند امام احمد بن حنبل
۱۳۳/۲	آفتاب عالم پریس لاہور	کتاب البیوع	سنن ابوداؤد
۶۰/۴	موسسة الرسالہ بیروت	حدیث ۹۵۰۲	کنز العمال بحوالہ الرافعی عن علی
۲۵۶/۵	ایچ ایم سعید کمپنی کراچی	کتاب البیوع	بحر الرائق

بمعامل كفا في الكنز والملتقى وغيرهما) اس لئے کہ بیع تو ایک مال کے بدلے دوسرا مال لینے کا نام ہے جیسا کہ کنز اور ملتقى وغیرہ میں ہے۔ (ت) اور بالفرض مال ہو تو متعدد شرائط فاسدہ پر مشتمل ہے، وقد نهي رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم عن بيع وشروط عليه وسلم عن بيع وشروط۔
سے منع فرمایا۔ (ت)

تو عقد بوجہ فاسد ہو اور ہر فساد جداگانہ حرام ہے پھر یہ سلسلہ غش و فساد و حرام، تو ادھر ٹکٹ خروں میں یکے بعد دیگرے مستمر چلا ادھر ایسے جو بیس کی شے ملی اس کی جنس تک معین نہ تھی نہ صرف اس کے عمل پر ملی کہ اس کا کام تو پانچ ٹکٹ بکنے پر بنتی ہو گیا اور اس وعدہ طمع میں چیز کا مستوجب اس وقت ہو گا کہ پھر وہ بکے اور پانچ ان کے اور پانچ پانچ ان پانچ کے وصول ہوں یہ ہرگز اسی اول کا عمل نہیں تو اگر اجارہ ہوتا بوجہ خود فاسدہ اور اپنی مشروط بیع کا مفسدہ ہوتا مگر حقیقہً وہ صرف طمع دہی اور از قبیل رشوت ہے، غرض اس معاملہ حرام و حرام کے مفاصد بکثرت ہیں اور ان سب سے سخت تر وہ لفظ ہے کہ ہم تمہارے ساتھ ایمانداری سے کام کرتے ہیں، ایسے شدید گناہوں انحرافی راہوں کو ایمانداری کا کام بتانا ان اصل گناہوں سے کتنے درجے زائد ہے جبکہ یہ اشتہار دینے والا کوئی مسلمان ہو کہ اب یہ تحصیل حرام بلکہ تحسین حرام ہے والعیاذ باللہ رب العلمین ہذا واللہ سبحنہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۵۸
۱۵۹
از بدایوں ستونہ محلہ مرسلہ مولوی حامد بخش صاحب خان بہادر، ۷ رمضان المبارک ۱۳۲۲ھ
جناب مولانا و مقصدانا حامی سنت دامت برکاتہم، بعد تمنائے حصول قدمبوسی مدعا نگار ہوں کہ
سوالات مندرجہ ذیل کا جواب با صواب جو مطابق احکام شریعت ہو مرحمت فرمائیے تاکہ گمراہان کی رہبری ہووے:

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید بکر دو شخصوں نے اپنا حصہ کا ملوکہ مال و اسباب اتنے ہی حصص میں تقسیم کیا جس قدر کی مالیت کا وہ کل مال تھا اور فروخت کا یہ طریقہ رکھا کہ ہر شخص جو اس کی خریداری کے واسطے حصہ دار ہو چکا اس کو ایک چٹھی دے دی گئی اور سب چٹھیاں جمع ہو جانے پر بروئے قرعہ اندازی سب سے اول چٹھی بکنے والے کو حصہ کا مال ایک روپیہ کے چٹھی پر ملا اور دوسرے شخص کو دس کا اور تیسرے شخص کو صہ روپیہ اور چوتھے شخص کو دو روپیہ کا اور باقی ۶۶ چٹھی والے خریداروں کو آخر نمبر تک ۸ کا مال فی ٹکٹ دیا گیا آیا یہ طریقہ بیع

۵/۲
۱۴/۴

مؤسسۃ الرسالہ بیروت
المکتبۃ الاسلامیۃ الریاض الشیخ

کتاب البیوع

الملتقى الابکر
کے نصب الہیۃ

موافق احکام شریعت ہے یا نہیں؟

(۲) ڈاک خانہ سرکاری کے سیونگ بینک میں یا دوسرے انگریزی تجارتی بنکوں میں زید نے کچھ روپیہ داخل کیا جس پر بشرح معینہ اس کو گورنمنٹ نے یا تاجر انگریز نے منافع ادا کیا تو جمع کرنے والا شخص مطابق احکام شریعت اس منافع کو لینے کا مستحق ہے یا نہیں؟

الجواب

(۱) یہ صورت قطعی حرام ہے اور زرقمار، اور بائع و مشتری سب کے لئے استحقاق عذاب نار۔
واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) سود مطلقاً حرام ہے قال اللہ تعالیٰ وحرم الربو (اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام کیا۔ ت) مگر جس کے یہاں روپیہ جمع کیا اگر اس پر کوئی مطالبہ شرعاً آتا تھا اور وہ اور طور پر نہ مل سکتا تھا اس نام سے وصول ہو جائیگا تو اپنے اس حق کی نیت سے قدر حق تک لے لینے کا استحقاق ہے اور اگر کچھ نہ آتا تھا مگر کوئی مال مباح بلا غدر و بلا ارتکاب جرم برضا مندی ہاتھ آتا ہو تو بہ نیت مباح اسے لینا لینے والے کو مباح ہے اگرچہ دینے والا کسی نام سے تعبیر کرے اس مسئلہ کی تحقیق کامل بھی فتاویٰ فقیر میں ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ از بریلی محلہ کنگھی ٹولہ مسئلہ محمد رضا علی ۵ ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے عمر و کو روپیہ اس شرط پر دیا کہ چار ماہ کے بعد تم سے روپیہ مذکور کے چھپس مار گندم لیں گے، یہ جائز ہے یا نہیں؟
بئینوا تو جروا۔

الجواب

اگر روپیہ قرض دیا اور یہ شرط کر لی کہ چار مہینے کے بعد ایک روپے کے چھپس مار گھوں لیں گے اور نرخ بازار چھپس سیر سے بہت کم ہے تو یہ محض سود اور سخت حرام ہے۔ حدیث میں ہے،
كل قرض جرم منفعۃ فهو ربا ولو یلے جو قرض نفع کو کھینچے وہ سود ہے۔ (ت)
اور اگر گھوں خریدے اور قیمت پیشگی دی ہے تو بیع سلم ہے اگر سب شرائط بیع سلم کے

لہ القرآن الکریم ۲/۲۷۵

۲۳۸/۶

مسئلہ کنز العمال بحوالہ الحارث عن علی حدیث ۱۵۵۱۶ موسستہ الرسالہ بیروت

ادا کر لی ہیں تو جائز ہے اگرچہ روپے کے دس من گہیوں ٹھہرائیں ورنہ حرام ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۶۱ مرسلہ احمد شاہ خاں از موضع نگر یا سادات

زید نے کچھ روپے قرض واسطے تجارت کے عمر کو دئے اور آپس میں یہ ٹھہرایا کہ علاوہ قرض کے روپوں کے جس قدر منافع تجارت میں ہو اس میں سے نصف ہمارا اور نصف تمہارا، تو یہ سود ہوا یا نہیں؟
یقیناً تو جروا۔

الجواب

یہ سود اور حرام قطعی ہے، ہاں اگر روپیہ اسے قرض نہ دے بلکہ تجارت کے لئے دے کہ روپیہ میرا اور محنت تیری اور منافع نصفاً نصف، تو یہ جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۶۲ از پیٹیا مار وارڈ محمد عبدالرحمن سوداگر حرم ۲۱ ذی القعدہ ۱۳۲۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آیا سرزمین ہندوستان میں بحالت موجودہ مسلمانوں کو اپنی دینی اور قومی حالت سنوارنے کی غرض سے سود کا لین دین غیر مسلم سے شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

سود لینا دینا مطلقاً حرام ہیں، قال اللہ تعالیٰ وحرم الربو (اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اور اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام کیا۔ ت) حدیث صحیح میں ہے،

لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
اکل الربو و مؤکلہ و کاتبہ و شاہدہ
وقال ہم سواہیہ

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی
سود کھانے والے اور سود دینے والے اور
سود کا کاغذ لکھنے والے اور اس پر گواہی دینے
والوں پر۔ اور فرمایا وہ سب برابر ہیں۔

اللہ کی لعنت کے ساتھ دینی حالت سنوارے گی یا اور بدتر ہوگی، اور قومی دنیوی حالت سنبھلنا بھی معلوم، اللہ عزوجل فرماتا ہے،

یمنح الله الربو ویربی الصدقت ۳
اللہ مٹاتا ہے سود کو اور بڑھاتا ہے زکوٰۃ کو۔

جسے اللہ تباہ و برباد کرے وہ کیونکر بڑھ سکتا ہے، اور بالفرض کچھ دن کو ظاہری نگاہ میں بڑھے بھی تو جتنا بڑھے گا اللہ کی لعنت بڑھے گی۔

مبادا دل آن فرومایہ شاد کہ از بہر دنیا دہد دین بباد

(اس کینے کا دل خوش نہ ہو جس نے دنیا کی خاطر دین کو برباد کیا۔ ت)

اگر قرآن عظیم پر ایمان ہے تو سود کا انجام یقیناً تباہی و خسران ہے۔ سائل لین دین پوچھتا ہے، مسلمانوں کے پاس مال کہاں اور کفار بڑے بڑے مالدار، انھیں آپ سے سودی قرض لینے کی کیا ضرورت ہوگی، اور اگر ہو بھی تو ان کی قوم کے ہزاروں لینے دینے کو موجود ہیں اور سود دینے میں قوم کا نفع ہے یا کفار کا، سود دینے سے قومی حالت سنورتی تو لاکھوں مسلمان بنیوں کو سود دیتے اور اپنی جائدادوں کو تباہ کرتے ہیں ہزار کا مال دو ڈھائی سو میں بہ جاتا ہے کیا اسی کو حالت سنورنا کہتے ہیں، نفع لینے کی بعض جائز صورتیں نکل سکتی ہیں جن میں کچھ کا ذکر ہمارے فتاویٰ اور بہت کا ہمارے رسالہ نوٹ میں ہے کہ مع تم جہ چھپ رہا ہے مگر کسی کو ٹھٹی کا کام فقط نفع لینے سے نہیں چلتا اسے دینا بھی ضرور پڑتا ہے، اور معاملہ جب کفار سے ہو تو ان تینوں صورتوں کی پابندی دشوار ہے جن پر جواز کا مدار ہے اور یوں سود دینا اگرچہ کافر کو ہو قطعاً حرام و استحقاق نارسا ہے، ہاں اگر نوٹ کا طریقہ جو ہم نے اس رسالہ میں لکھا تجار میں رائج ہو جائے تو بلاشبہ سود لینے دینے کی آفت اٹھ جائے اور لین دین کا عام بازار شرعی جواز کے ساتھ کھل جائے، وباللہ التوفیق، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ از شہر ربلی محلہ ملوک پور مسؤلہ عبدالغنی صاحب تاجر ۱۳ ذیقعدہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ محبوب اللہ کی دکان ایک بقال کے پاس چار سو روپیہ میں رہن ہے اور محبوب اللہ فی صدی ایک روپیہ ماہوار سود کا ادا کرتے ہیں اب ایک شخص محبوب اللہ کی دوسری دکان میں مبلغ دس روپیہ کرایہ پر بیٹھتا ہے محبوب اللہ اس کو ایہ دار سے کہتا ہے کہ مجھ کو تم چار سو روپیہ دے دو میں بقال کو ادا کر دوں گا اور تم چار سو روپیہ کی دستاویز تحریر کر لو میں تم کو کرایہ میں کمی کر دوں گا اس صورت میں جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

اگر ہمیشہ کے لئے کمی کر دے اور صاف صاف قرض میں تحریر کر دیں کہ کچھ نفع اس پر لیا دیا نہ جائیگا یہ کمی صرف اس احسان کے بدلے میں احسان ہو قرض کا منافع نہ ہو تو حرج نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۶۴ از ریور براہ آبو مرسلہ ٹھیکیدار آئول موسیٰ منشی صاحب ۱۴ رجب ۱۳۳۷ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اناج کا بدلنا بھی دوسرے اناج سے جائز ہے یا
نہیں؟ مثلاً مکی ایک من دو ماہ پہلے دی بعد میں دو ماہ کے ایک من گندم لیتے ہیں اس شرط سے لین دین
یہاں کے مسلمان کرتے ہیں، یہ بدلنا بھی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

ایک اناج دوسرے اناج سے نقد بدلنے میں کوئی حرج نہیں اور جب جنس بدلی ہوئی ہے تو کمی بیشی
جائز ہے اور ایک طرف سے اب دیا گیا اور دوسری طرف سے ایک مدت کے بعد دینا ٹھہرا تو یہ بیع سلم
کے شرائط کا محتاج ہے، واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۶۵ از جوہر کوٹ بارکھان ملک بلوچستان مرسلہ قادر بخش صاحب ۱۴ ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ
چہ میفرماید علمائے دین دریں مسئلہ کہ نرخ
بازار سے پوٹہ فی روپیہ است اکنون شخصے
بمیعاد تاسہ ماہ یا زیادہ کم از نرخ بازار
دو پوٹہ فی روپیہ فروخت میکند آیا جائز
است یا مکروہ؟

علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ
بازار کا بھاؤ تین پوٹہ فی روپیہ ہے، اب ایک
شخص تین ماہ یا زیادہ کی میعاد پر بازار کے بھاؤ
سے کم دو پوٹہ فی روپیہ کے حساب سے فروخت
کرتا ہے، کیا شرعاً جائز ہے یا مکروہ؟ (ت)

الجواب

جائز است، واللہ تعالیٰ اعلم۔ جائز ہے، اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے (ت)

مسئلہ ۱۶۶ از سید پور ڈاکخانہ وزیر گنج ضلع بدایوں مرسلہ آغا علی خاں صاحب

مورخہ ۱۶ ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

اگر ماہو کار اپنے مسلمان روزگاری سے سود نہ لے بلکہ کچھ اضافہ لفظ سود سے بدلنے اور مسلمان
کو اس سے محفوظ کرنے کی غرض سے آڑھت پر کر لے تو مسلمان اس مسئلہ سود سے بچ سکتا ہے
یا نہیں؟

الجواب

سود کا لفظ فقط حرام نہیں بلکہ سود کی حقیقت حرام ہے اسے اضافہ کے لفظ سے تعبیر کرنا نہ اسے
سود ہونے سے بچالے گا نہ حرمت میں فرق آئے گا، واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۶۷ عبدالحکیم خان دکاندار محلہ کٹکھور ریاست رامپور

- (۱) زید نے بکر کے ہاتھ ۲۴ روپیہ کی اشرفی فروخت کی ۱۲ روپیہ تو بکر نے اسی وقت دے دئے
۱۲ کا وعدہ کیا چنانچہ دو چار روز کے بعد وہ بھی دے دئے۔
- (۲) زید نے بکر سے ایک روپیہ کے دام مانگے اور روپیہ دیا بکر نے آٹھ آنے پیسے اسی وقت
دے دئے اور دو یوم کے بعد دو چونیاں دے دیں۔
- (۳) زید نے بکر سے ایک روپیہ دے کر پیسے مانگے، بکر نے ایک اٹھنی اس وقت دے دی باقی کے
بابت دو یوم کا وعدہ کیا چنانچہ تین یوم کے بعد ۸ روپیہ دے دئے۔
- (۴) زید نے ایک آنہ کا سودا بکر سے لیا، بکر نے کہا کہ اس وقت باقی روپیہ کے پیسے نہیں ہیں پھر
لے لینا، بکر کو زید نے روپیہ دے دیا اور دو روز کے بعد باقی کے پیسے لے لئے، ان سب
صورتوں میں کوئی صورت ربا کی ہے یا نہیں ہے؟

الجواب

- (۱) یہ حرام ہے کہ سونے چاندی کے مبادلہ میں دست بدست ہونا شرط ہے۔
- (۲) اگر زید نے روپے کے پیسے مانگے اور روپیہ دے دیا اس نے آٹھ آنے پیسے اب دے دئے
اور باقی پیسوں کے بدلے دو دن کے بعد چونیاں اٹھنی دی تو جائز ہے کہ روپے اور پیسوں کے
مبادلہ میں ایک طرف سے قبضہ کافی ہے کہا حقیقتاً فی کفل الفقیہ الفاہم (جیسا
کہ ہم نے کفل الفقیہ الفاہم میں اس کی تحقیق کی ہے۔ ت) اور اگر زید ہی نے روپے
کے ۸ پیسے اور دو چونیاں مانگیں جو اس نے دوسرے وقت دیں یہ حرام ہے لاشتراط
الصرف یدا بیدا (کیونکہ بیع صرف میں ہاتھوں ہاتھ لینا شرط ہے۔ ت)
- (۳) یہ صورت جائز ہے کہ پیسوں میں ایک طرف کا قبضہ ہو گیا اور اٹھنی میں دونوں طرف کا۔
- (۴) یہ بھی بدیل مذکور جائز ہے جبکہ باقی کے پیسے لینے ٹھہرے جیسا کہ سوال میں ہے۔

مسئلہ ۱۶۸ از صید پور ضلع رنگپور بنگال مرسلہ محمود خان صاحب پتھر سپرنٹنڈنٹ ۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۶ھ
قدوی ریلوے میں بعہدہ پتھر سپرنٹنڈنٹ ملازم ہے ہر ماہ مشاہرہ سے کچھ روپیہ ریلوے کاٹ
لیتی ہے اور وہ روپیہ بعد ترک ملازمت مع کچھ سود کے دیا جاتا ہے جو ریلوے کا سرکلر ہے لہذا
یہ روپیہ اپنے صرف میں یا کسی کار خیر میں لاسکتا ہے یا نہیں؟ مدرسہ دیوبند سے لاعلمی سے
میں نے دریافت کیا تھا وہاں سے جائز قرار دیا گیا ہے بعد میں معلوم ہوا کہ وہاں کا فتویٰ ہم لوگوں کے

واسطے قابل وثوق نہیں ہے لہذا حضور کی خدمت میں التماس ہے کہ جواب سے سرفراز فرمایا جاؤں۔

الجواب

اللہ عزوجل نے سود کو حرام فرمایا اور اس میں کوئی تخصیص مسلم و کافر کی نہیں رکھی، مطلق ارشاد ہوا ہے و حرمة الربو (اور اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام کر دیا۔ ت) تو اسے سود قرار دے کر لینا جائز نہیں اور اگر کسی کمپنی میں کوئی مسلمان بھی حصہ دار ہو تو مطلقاً اس زیادہ روپیہ کا لینا حرام ہے، اور اگر کوئی مسلمان حصہ دار نہیں تو سود کی نیت کرنا ناجائز ہے بلکہ یوں سمجھے کہ ایک مال مباح بلاغدر مالکوں کی خوشی سے ملتا ہے یوں اس کے لینے میں فی نفسہ کوئی حرج نہیں اور اسے چاہے اپنے صرف میں لائے چاہے کارِ خیر میں لگائے کما حقیقناہ فی فتاویٰنا (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاویٰ میں اس کی تحقیق کی ہے۔ ت) واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۷۲ سائل حافظ محمد نور الحق مجلہ پنجابیاں سلی بھیت ۲۵ صفر ۱۳۳۱ھ

مخدومی و مکرمی جناب مولانا احمد رضا خاں صاحب دام مجدہ، بعد سلام مسنون التماس یہ ہے کہ ایک شخص مسمی وزیر نے انتقال کیا منجملہ اور وارثوں کے دولت کیاں نابالغ اس نے چھوڑیں، اس کے مال میں چار سو روپیہ نقد ان لڑکیوں کے حصہ میں ملا وہ کل روپیہ ایک شخص دیگر نے امانتاً اس سے اس وعدہ پر لیا کہ ہم تم کو پانچ سو روپیہ ماہوار اس روپیہ کا منافع دیتے رہیں گے، اور اس روپیہ کے اطمینان کی غرض سے اس شخص روپیہ لینے والے نے اپنا مکان اس روپیہ کے بالعوض رہن کر دیا اور اس کا رہن نامہ لکھا گیا مگر رہن نامے میں مضمون یہ ہے کہ مبلغ چار سو روپے معرفت مسماۃ بنے بیگم ہمارے پاس امانتاً یافتنی ہر دو ماہ بالغہ کے جمع ہوئے ہیں جو تا بلوغ ہر دو ماہ بالغہ کے ہمارے پاس جمع رہیں گے چونکہ ذرا امانت کی کوئی تحریر باضابطہ بغرض اطمینان کے منجانب ہمارے کہ مسماۃ کے پاس نہیں ہیں، لہذا ہم بموجب تحریر ہذا کے اقرار کرتے ہیں کہ ذرہ مذکورہ تا بلوغ ہر دو ماہ مذکور نابالغان کے جمع رہیں گے اور اس کا سود بشرح فیصدی عم ماہواری کے حساب سے نابالغان کو ماہ بجاہ بلاغدر و حیلہ کے ادا کرتے رہیں گے اور واسطے اطمینان ذرہ مذکور کے ایک مکان مستغرق و مکفول دستاویز ہذا کرتے ہیں تا بیباق ذرہ مذکور کے بجائے دیگر منتقل نہیں کریں گے، اگر کریں تو ناجائز ہو، لہذا یہ رہن نامہ سودی بحق نابالغان دختران وزیر کے لکھ دیں کہ سند ہو۔

تو اب اموریافت طلب یہ ہے کہ شخص مذکور جس نے روپیہ لیا تھا اس نے انتقال کیا اور ماہواری جو مقرر کیا تھا وہ نہیں دیا اب وہ نابالغان اپنا روپیہ اس مکان سے لیں گی مگر اصل کے چار سو روپیہ سے جو ایک سو روپیہ زائد اس وقت تک ہو گیا ہے وہ بھی لے سکتی ہیں یا نہیں کیونکہ ان نابالغان کو یا اس کے

اور کسی وارث کو یہ معلوم نہ تھا کہ دستاویز کے اندر وہ پانچ روپیہ ہوا سود دیا گیا ہے وہ بھی سمجھی ہوئی تھیں کہ ہم کو پانچ روپیہ ماہوار کرایہ مکان یا اس روپیہ کے منافع میں سے دیا جائے گا اگر وہ سو روپیہ جو اصل سے زائد ہے لے لیں تو کوئی مواخذہ تو ان کے ذمہ میں نہ ہوگا اور وہ عند اللہ گنہگار تو نہ ہوں گی، اور یہ بھی امر قابلِ عتاب ہے کہ وہ نہایت ہی غریب ہیں اور کوئی معاش بھی ان کے پاس نہیں ہے اگر کوئی صورت ایسی ہو کہ وہ اسے لے سکتی ہیں اور ان کے ذمہ کوئی مواخذہ اخروی نہ ہو تو نہایت ہی بہتر ہوگا کیونکہ ان کے بہت سے کام نکلیں گے۔

الجواب

وہ روپیہ ہر طرح سود اور حرام ہے اس کا لینا کسی حال میں جائز نہیں ہو سکتا ہے، سود مکھایا تو حرام ہے، منافع سمجھا تو سود ہے، مکان کا کرایہ جانا تو باطل ہے، مالک مکان غیر مالک سے کرایہ پر لے اس کے کوئی معنی نہیں، بہر حال وہ سود ہے، ہاں اگر وہ شخص جس نے یہ روپیہ امانتاً لیا اور اس پر پانچ روپے ماہوار دینا مقرر کیا ہندو وغیر اقوام سے ہو تو یہ سو روپیہ زائد اس کے قرار داد سے ملتے ہیں ایک مال مباح سمجھ کر لینا جائز ہے سود سمجھ کر لینا حرام۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۳۱۰ از کتبیل ضلع کرنال مرسلہ فضل قیدیہ صاحب طالب علم مدرسہ اسلامیہ ۱۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۱ھ

گورنمنٹ کی نگرانی میں پنجاب و مدراس کے دیہات میں زرعی بنک کھولے جاتے ہیں زراعتی بنک کی غرض سے سود خوری نہیں ہوتی بلکہ سود خور مہاجنوں سے قطع متعلق ہوتا ہے سرکاری نام اس بنک کا انجمن امداد قرضہ ہے (ہیئت اس کی یہ ہے) کہ گاؤں کے لوگ بطور حصہ داری کے دس روپیہ سالانہ فی آدمی دس سال تک اس اپنی انجمن میں جمع کرتے رہتے ہیں اور اسی انجمن سے حسب ضرورت سودی قرض بھی لیتے رہتے ہیں مگر قرض لینے کا حق محض حصہ داروں کو ہے غیر حصہ دار کو ہرگز نہیں دیا جاتا، مقروض جو کچھ رقم سود اس بنک کو دے گا وہ رقم بھجھہ رسد اس مقروض کے حصہ میں بھی آئے گی گویا سود دہندہ سود گیرندہ بھی ہے اس انجمن کے پاس دس سال کے بعد کافی سرمایہ جمع ہو جاتا ہے تو سود بہت کم یا بالکل موقوف کر دیا جاتا ہے، یہ بنک زراعتی ہے یہ بنک جائز ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

الجواب

حرام حرام حرام قطعاً، یقینی حرام۔ دس برس تو بہت ہوتے ہیں سود ایک لمحہ ایک آن کو حلال نہیں ہو سکتا، احکام الہیہ کسی کی ترمیم سے بدل نہیں سکتے، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

واحل الله البیوع وحرم الربویہ اور اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال اور سود کو حرام کیا۔ (ت)

صحیح حدیث میں ہے،

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی
سود کھانیوالے اور سود کھلا نیوالے اور سود کا
کاغذ لکھنے والے اور اس پر گواہیاں کر نیوالوں پر
اور فرمایا وہ سب برابر ہیں (ت)

لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم اکل الربو وموكله وكاتبه
وشاهديه وقال هم سواء

یہاں تک کہ سود دہندہ ہی سود گیرندہ بھی ہے معنی یہ کہ ڈبل ملعون ہے جو براہ شامت نفس اس کا ارتکاب
کریں اور حرام جانیں وہ فاسق فاجر ہیں، اور جو حلال سمجھیں وہ مرتد کافر، والعیاذ باللہ تعالیٰ،
ہاں اگر اس میں بھی اسی طریقہ بیع نوٹ کا اجراء کریں جو ہم نے تحریر سابق میں ذکر کیا تو بلا دقت اس
حرام قطعی سے بچ جائیں مگر حلال حرام کی آج فکر کسے ہے الاما رحمہما بی ان ساری لغفورس حسیم
(مگر وہ جس پر میرا رب رحم فرمائے، بیشک میرا رب بخشنے والا مہربان ہے۔ ت) واللہ تعالیٰ اعلم
مسئلہ از نجیب آباد ضلع بجنور بازار چوک مرسلہ عبدالرزاق و عبدالغفور خیاطان
۱۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسلمان اہل السنۃ
والجماعت پکا حنفی اگر یہ شخص مذکور کفار مثل نصاریٰ و ہنود و رافضی و خارجی سے سود لے اور کفار
مذکور کی رضا سے لے بطور تجارت روپیہ کمانے کو اور نیز اس مسلمان سود گیرندہ کی یہ نیت ہو کہ کسی وقت
میں کسی مسلمان سے سود نہ لیا جائے تو اس صورت میں اس مسلمان کو کفار مذکورہ سے سود لینا جائز ہے یا
ناجائز جو حکم شرع شریف ہو بلا تاویل و بلا خوف ملامت علمائے خاص و عام ارسال فرمایا جائے، فقط،
بیٹو اتوجروا۔

الجواب

اللہ عزوجل نے مطلق فرمایا، وحرم الربو اللہ نے سود حرام کیا۔ اس میں تخصیص مسلم، کافر، سنی،
بد مذہب کسی کی نہیں۔ سود لینا کسی سے حلال نہیں، جو حلال ہے وہ سود نہیں، اور جو سود ہے وہ حلال
نہیں، کافر غیر ذمی کا مال بلا غدر جو حاصل ہو وہ مال مباح سمجھ کر لینا حلال ہے سود جان کر لینا حرام،

۱۷ صحیح مسلم کتاب المساقاة والمزارعة باب الربو قیدی کتب خانہ کراچی ۲۷/۲
۱۷ القرآن الکریم ۵۳/۱۲ ۱۷ القرآن الکریم ۲۷/۲

قصہ معصیت خود معصیت ہے، مثلاً کافر سے کوئی مال سو روپیہ کو خرید اور قیمت دہالی یا دھوکا دے کر کھوٹے دام دے یہ ناجائز ہے کہ خلاف معاہدہ ہوا،

قال اللہ تعالیٰ یا ایہا الذین آمنوا اوفوا بالعقود
اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے ایمان والو! اپنے قول پورے کرو (ت)

اور اگر چاندی کا دو سو روپیہ بھر مال سو روپیہ کو مول لیا اور یہ سمجھا کہ سو روپیہ ہی کے بدلے سو روپے ہو گئے باقی کافر کا مال بلا غدر اس کی مرضی سے ملتا ہے تو جائز جبکہ وہ کافر ذمی مستامن نہ ہو اس کی تفصیل ہمارے فتویٰ ۱۳۱۱ھ میں ہے جو آپ کے خوف ملامت سے بیس سال پہلے لکھا گیا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۷۵ از فتح آباد ضلع امرتسر تحصیل ترنارن مسئولہ مولوی محمد عنایت اللہ صاحب صابری و محمد اسماعیل چشتی صابری قادری ۴ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) ایک بینک سودی مسلمانان نے ان شرائط پر قائم کیا ہے کہ جو کوئی اس میں داخل ہو اور ممبر بنے اول ایک روپیہ داخلہ اور مبلغ سے پہلی قسط بعد دس روپے سالانہ داخل کرتا جائے بعد دس سال کے اپنا اصلی روپیہ مع سود فی صدی فی ماہ ۱۲ کے حساب سے مل جائے گا اور ہر ایک ممبر کو جب ضرورت ہو اپنی حیثیت موجب ۱۲ سیکڑہ سود پر روپیہ لے سکتا ہے پھر قسطوں سے ادا کرتا جائے، کہتے ہیں کہ یہ بینک غریب مسلمانوں کے لئے بنایا گیا ہے مگر ممبر کے سوا جو کہ داخلہ نہ دے روپیہ نہیں ملتا یعنی عام مسلمانوں کو نہیں ملتا، ہماری مسجد کا امام بھی اس میں شامل و داخل ہے وہ کہتا ہے کہ میں اپنے روپے کا سود نہ لوں گا مجھ پر حرام ہے ضرورت کے وقت سود دیا گیا چنانچہ ضرورت کے وقت ہم لوگ آگے بھی تو اہل ہنود کو دیتے ہیں جیسا کہ لینا حرام ہے ایسا دینا بھی تو حرام ہے جب ہم لوگ دیتے ہیں تو لینے میں کیا قباحت، لینا دینا برابر ہے، میں اب داخل ہو چکا ہوں چھوڑ نہیں سکتا۔

(۲) کہتا ہے جو مسلمان ڈاکخانہ سرکاری میں روپیہ جمع کر کے سود لیتے ہیں وہ کیوں کھاتے ہیں وہ جائز ہے، ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ بتینوا تو جروا

الجواب

وہ بنک حرام قطعی ہے، اور یہ قواعد سب شیطانی ہیں، اور اس کا ممبر بننا حرام ہے، اور سود دینا اور لینا ضرور برابر ہیں، صحیح مسلم میں امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے ہے؛
لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اکل الربو و موكله و كاتبه و
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی سود کھانے والے اور سود کھلانے والے اور اس کے لکھنے والے اور اس کے گواہوں پر؛
اور فرمایا وہ سب برابر ہیں۔ (ت)

تو امام مذکور کا اس بنک کی ممبری قبول کرنا گناہ و حرام ہوا،
قال اللہ تعالیٰ ولا تعاونوا علی الاثم
والعدوان^۲
اللہ تعالیٰ نے فرمایا، گناہ اور ظلم میں ایک دوسرے سے تعاون مت کرو (ت)
حدیث میں ہے؛

من مشی مع ظالم ليعينه وهو يعلم
انه ظالم فقد خلع من عنقه رقبة
الاسلام^۳
جو دانستہ ظلم پر اعانت کرے اس نے اسلام کی رستی اپنی گردن سے نکال دی (ت)

اور شک نہیں کہ سود لینا ظلم شدید ہے اور اس کا ممبر بننا اور اس کے ان سود خوروں کو روپیہ دینا اس ظلم شدید پر اعانت ہے اور معین مثل فاعل ہے ولہذا کاتب پر بھی لعنت فرمائی، تو اس کا رکن بننے والا اور اس کے لئے روپیہ دینے والا ضرور کاتب سے بدرجہا زائد لعنت کا مستحق ہوگا اور امام مذکور کا اس پر اصرار حرام پر اصرار اور اعلانیہ فسق و استکبار ہے، اور فاسق معین کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی اور اسے امام بنانا گناہ اور اسے معزول کرنا واجب اور جتنی اس کے پیچھے پڑھی ہوں ان کا پھیرنا لازم پھر اگر بلا ضرورت شرعیہ محض جاہلانہ ضرورتوں کے لئے سودی قرض لے گا تو ضرور وہ بھی سود کھانے کے مثل ہوگا

۲۴/۲	قدیمی کتب خانہ کراچی	۲/۵	صحیح مسلم کتاب المساقات والمزارعة باب الربو
۲۲۶/۱	المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت	۶۱۹	حدیث ۲/۵
۱۲۲/۶	نوار المکتب العلمیۃ بیروت	۶۴۵	شعب الایمان

اور یہ لعنت کا دوسرا حصہ ملے گا اور عوام کے فعل سے سزا دینا اور حکم الہی کے مقابل اسے سنانا محض جہالت و ضلالت ہے ہاں اگر محض مجبوری شرعی کے لئے سودی روپیہ بقدر ضرورت قرض لے تو وہ اس سے مستثنیٰ ہے کہ مواضع ضرورت شرع نے خود استثناً فرمادے ہیں،

قال اللہ تعالیٰ واتقوا اللہ ما استطعتم،
وقال تعالیٰ لا یكلف اللہ نفساً الا وسعها۔
اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور ڈرو اللہ تعالیٰ سے جس قدر تم استطاعت رکھتے ہو۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ کا مکلف نہیں بناتا۔ (ت)

درمختار میں ہے:

یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح ^۳
محتاج کے لئے سودی قرض لینا جائز ہے۔ (ت)
مگر اسے سزا دینا کہ سود خوروں کی اعانت اور سودی کمپنی کی رکنیت نہ حرام ہونے سے بچ سکتی ہے نہ لعنت الہی سے بچا سکتی ہے لہذا امام مذکور کی نسبت حکم وہی ہے جو اوپر گزرا۔ واللہ تعالیٰ اعلم
مسئلہ از قصبہ سیلیور محلہ درگاہ پر شاد از مکان فخر الدین صاحب ریس و ممبر جنگی
مرسلہ حافظ شمس الدین ۲۳ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ

سود لینا کسی قوم سے مسلمان کو جائز ہے یا نہیں؟ اور سود کس کس قسم سے ہوتا ہے؟ مشرح بیان فرمایا جائے، کسی بینک میں روپیہ جمع کر کے ان سے سود وصول کرنا بموجب اس کی شرح کے جائز ہے یا نہیں؟ یا کسی انجمن کاروپہ ڈاکخانہ میں جمع کر کے ان سے سود لے سکتا ہے یا نہیں، یا کوئی تجارت اس طرح کی کرے کہ جو اس قدر روپیہ جمع کرے اس کو اتنے سیکرہ کا سود دینے کے نقصان کا وہ شریک نہیں اور اس کو نقصان سے کچھ مطلب نہیں اور روپیہ جمع کرنے والا سود جان کر نہ لے اور نقصان بھی نہ دے تو وہ حلال ہے یا حرام یا کسی دکاندار کو کچھ روپیہ بموجب نفع کے دے نقصان کا شریک نہ ہو وہ نفع حلال ہے یا نہیں؟

الجواب

سود لینا مطلقاً حرام ہے مسلمان سے ہو یا کافر سے، بینک سے ہو یا تاجر سے، جتنی صورتیں سوال میں بیان کیں سب ناجائز ہیں قرض دے کر اس پر کچھ نفع بڑھالینا سود ہے یا ایک چیز کو اس کی جنس کے بدلے ادھار بیچنا یا دو چیزیں کہ دونوں تول سے بکتی ہوں یا دونوں ناپ سے، ان میں ایک کو دوسرے سے

۲۸۶/۲ القرآن الکریم

۱۶/۶۴ القرآن الکریم

۱۲۶/۱ اشباہ والنظائر الفن الاول القاعدة الخامسة ادارة القرآن کراچی

ادھار بدلنا یا ناپ خواہ تول کے چیز کو اس کی جنس سے کئی بیشی کے ساتھ بیچنا مثلاً سیر بھر کھرے گھوں سو اسیر ناقص گھوں کے عوض بیچنا یہ صورتیں سود کی ہیں اور جو شرعاً سود ہے، اس میں یہ نیت کر لینا کہ سود نہیں لینا ہوں کچھ اور لیتا ہوں محض جہالت ہے، ہاں وہاں یہ نیت کام دے سکتی ہے جو واقع میں سود نہ ہو اگرچہ دینے والا اسے سود ہی سمجھ کر دے، مثلاً یہاں کسی کافر کے پاس اس کی دکان یا کوٹھی یا بینک میں بشرطیکہ اس میں کوئی مسلمان شریک نہ ہو روپیہ جمع کر دیا اور اس پر جو نفع کافر نے اپنے دستور کے موافق دیا اسے اپنے روپیہ کا نفع اور سود خیال کر کے نہ لیا بلکہ یہ سمجھ کر لیا کہ ایک مال مباح برصائے مالک ملتا ہے تو اس میں حرج نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۷۸۔ ولو اشتری مکبلاً کیلاً حرم بیعہ واکلہ حتی یکیلہ (اگر کسی نے کیلی شے کیل کے طور پر خریدی تو جب تک کیل نہ کرے اس کی بیع اور اس کا کھانا حرام ہے۔ ت) اس سے سمجھ میں یہ آتا ہے جو چیز تکمیل خریدی جائے پھر گھر میں اگر اسے ناپ لے پھر صرف کرے اس بنا پر دودھ خرید کر پھر اپنے گھر میں اس کو ناپ کر لینا چاہئے یا نہیں؟

الجواب

یہ اس صورت میں ہے کہ چیز تول یا ناپ سے خریدی اور بائع نے اس کے یا اس کے وکیل کے سامنے نہ تولی تو اسے تولنا لازم ہے اس کا تصرف ناجائز ہے اور اگر اس کے یا اس کے وکیل کے سامنے تولی تو دوبارہ تولنے کی حاجت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۷۹۔ مسئلہ مولوی حشمت علی صاحب مدرس مدرسہ اہل سنت بریلی ۲۷ جمادی الآخر ۱۳۳۳ھ حضور! ایک مسلمان زمیندار کے روپے سے اگر کوئی ہندو مثلاً پٹواری یا کٹواری یا تہنیت اسامیوں سے سود لے کر اپنے صرف میں کرے مگر زمیندار نہ اس سے اس پر کچھ کہے اور نہ خود اس میں سے کوئی پیسہ لے اور یہ لوگ زمیندار کے روپے سے اسامیوں سے یہ کہہ کر سود لیں کہ اگر تم زمیندار کا روپیہ بر فصل ادا نہ کیا کرو گے تو تم سے اس کا سود لیا جائے گا، تو اس صورت میں زمیندار شرعاً کسی گناہ کا مستحق ہو گا یا نہیں، اور زمیندار کو اس حالت میں اپنے ملازم ہنود کو منع کرنا لازم ہو گا یا نہیں کہ اس زمیندار کا بھی اتنا نفع ہے کہ اس کا روپیہ ہر فصل پر وصول ہو جاتا ہے اور کوئی وقت اسے پیش نہیں آتی، سود کے خوف سے اسامی فوراً روپیہ وصول کر دیتے ہیں ورنہ کئی کئی سال تک بقایا نہیں وصول کرتے حالانکہ ان کے پاس روپیہ ہوتا ہے مگر بعض سرکش زمیندار کے دق کرنے کو نہیں دیتے اور جب وہ نالاش کرتا ہے تو فوراً کپھری میں روپیہ اسی روز داخل کر دیتے ہیں اور زمیندار کا نقصان کر دیتے ہیں، ان پریشانیوں سے بچنے کی کوئی

صورت حضور عطا فرمائیں ورنہ ان سے بچنے کے واسطے اکثر مسلمان ظاہر ظہور میں مرتکب حرام ہوتے ہیں۔

الجواب

اسامیان مسلمان ہیں تو یہ عمل قطعاً حرام ہے اور جبکہ زمیندار کو اس پر اطلاع ہے تو اسے سکوت حرام ہے ازالہ منکر فرض ہے خصوصاً جب اپنے نفع کے لئے خاموش ہو تو یوں راضی ہے اور رضا بالکبیرہ خود ہی کبیرہ ہے بلکہ کبھی اس سے بھی سخت تر، اور اگر اسامیان یہاں کے مشرکین ہیں کہ ذمی نہیں، نہ سلطنتِ اسلام سے متامن، تو زمیندار خواہ ان سے یہ قاعدہ جاری کرے کہ جس پر بقایا ٹوٹے گی، اس پر ہر مہینہ اتنا خرچہ لیا جائیگا و تحقیق الکلام فی فناؤنا (تحقیق کلام ہمارے فناوی میں ہے) اسے بھی سود سمجھ کر لینا جائز نہیں لقولہ تعالیٰ و حرمة الربو (اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ، اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام کیا۔ ت) بلکہ ان کی ایذا رسانی کے معاوضہ میں ایک مال مباح سمجھ کر لے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۸۰۔ ولایت حسین صاحب جامع مسجد بریلی، جمادی الاخریٰ ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و حامیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی زوجہ نے انتقال کیا زید بعد فراغت فرح بھینز و تکفین کے خرچ فاتحہ و سویم نہیں رکھتا ہے یا زید اپنی لڑکی کی شادی کرنا فرض سمجھتا ہے اور فرض ہے مگر اتنا خرچ نہیں ہے کہ فرض ادا کرے تو مجبور ہو کر زید نے اپنے دوست عمر و سے اس معاملہ کا تذکرہ کیا، عمر و نے کچھ زیور زید کو دیا اور یہ کہا کہ اس کو رہیں کر کے تم اس فرض یا فاتحہ وغیرہ سے فارغ ہو جاؤ، زید زیور لے کر برائے رہن چلا اور عمر و وہیں رہا، ایک دوست راستہ میں جو خالد تھا زید نے اس سے تمام معاملہ کی کیفیت بیان کی خالد سس کر خاموش ہو رہا، زید نے خالد سے کہا کہ جلد چلو اور یہ زیور رہیں کر کے روپیہ لائیں، خالد زید کے ہمراہ چلا، زید کو ایک شخص اور ملا جس کا نام محمود ہے اور وہ اس معاملہ سے واقفیت رکھتا ہے اور محمود کو یہ نہیں معلوم کہ خالد اور زید کہاں جا رہے ہیں، محمود بھی ہمراہ بولیا، یہ تینوں شخص دکان مرہم پر پہنچے اور زید نے وہ زیور رہیں کر کے بشرح سود روپیہ لے کر واپس ہمراہ آئے اور اس روپیہ سے کار بر آری کی، کر سکتے تھے یا نہیں؟ میت کو ثواب پہنچا یا نہیں؟ یا اس لڑکی کی شادی میں کوئی نقص ہوا یا نہیں؟ اور ان چار اشخاص میں کون کون مرتکب عذاب کا ہوا؟

الجواب

فاتحہ سوم یا لڑکی کی شادی کے لئے سودی قرض لینا حرام ہے، زید ضرور مرتکب گناہ کبیرہ و مستحق عذاب ہوا، یونہی عمر و بھی جس نے اس حرام کے لئے زلیور دیا، یونہی خالد بھی جسے اس نے رہن رکھنے کے لئے کہہ کر اپنے ساتھ لیا، رہا محمود جبکہ اسے معلوم نہ تھا کہ یہ کہاں جا رہے ہیں ساتھ جانے میں اس پر گناہ نہ ہوا مگر وہاں جا کر معلوم ہونے پر اگر اس نے کسی طرح اس میں مدد دی یا تائید کی تو وہ بھی ویسا ہی مرتکب گناہ ہوا مگر اصل نکاح میں اس سے خلل نہیں آتا اور مال حرام لے کر فاتحہ کا ثواب پہنچا مشکل ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۸۱ از جلاپور دھسی ڈاکخانہ خاص ضلع رائے پریلی مرسلہ منشی علی حسین خاں پوسٹ ماسٹر
۱۸۲

۲۸ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ،

(۱) تبادلہ گہوں یا دھان یا جو یا چنا وغیرہ شکر قند یا آلو یا میوہ سے زیادتی یا کمی کے ساتھ جائز ہے یا ناجائز؟ رواج و اعتبار ہند شکر قند و آلو میوہ من حیث قدر روزنی ہے اعتبار عند الفقہاء کیا ہے گہوں وغیرہ باعتبار فقہاء من حیث قدر کیلی ہے تغایر جنس ظاہر ہے تغایر قدر میں نہیں معلوم کیا ہے؟

(۲) گہوں کو گہوں سے یا جو سے یا جو کو جو سے اور گہوں سے مساوی یا کم زائد بدلنا اس طرح پر کہ خریف میں دے دے اور بیج میں وصول کرے، کیسا ہے؟

الجواب

(۱) گہوں جو چنے سے آلو، شکر قند، میووں کی خرید و فروخت کم بیش کو بلا شبہ جائز ہے کہ جنس مختلف ہے اور گہوں اور جو سے قدر بھی یقیناً مختلف، اور جو میوے مثلاً آم یا شکر قند جہاں عددی ہوں وہاں چنے سے بھی اور قدر مختلف نہ بھی ہو تو فقط اختلاف جنس کی بیشی کو مباح کرتا ہے،

قال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا
اختلف النوعان فبیعوا کیف شئتم۔
واللہ تعالیٰ اعلم۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب
”بدلین“ دو مختلف نوعوں کے ہوں تو جیسے چاہے فروخت کرو۔
واللہ تعالیٰ اعلم (ت)

(۲) گیہوں کی گیہوں یا جو کی جو سے تبدیل کمی بیشی کے ساتھ ہو تو حرام، اور ایک طرف سے نقد اور دوسری طرف سے ادھار ہو تو حرام، اور گیہوں کی جو سے تبدیل نقدوں کمی سے حلال اور ادھار مطلقاً حرام، فان احدی العلتین من القدر کیونکہ دو علتوں یعنی قدر و جنس میں سے ایک علت والجنس تحرم النسئۃ واجتماعہما کا وجود ادھار کو اور دونوں کا پایا جانا زیادتی کو التفاضل۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ حرام کرتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ت)

۱۸۳۱ھ ازادے پور میواڑ راجپوتانہ مسولہ قاضی یعقوب محمد سب الیکٹر پولیس

۱۸۳۱ھ سوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام رحمہم اللہ مسائل ذیل میں کہ :

(۱) رافضی بوہرے کافر ہیں یا مرتد؟ بہر دو صورت اگر مسلمان ان کے ساتھ یا ہندو کافر کے ساتھ اس طرح کا معاملہ کرے مثلاً ہزار یا پانچ سو روپیہ تجارت کے لئے رافضی کو دے اس شرط پر کہ گڑ اور شکرہ میں نقصان کی صورت نہیں ہو اگر تھی ہے الا شاذ و نادر تو میں تجھ سے ڈیڑھ یا دو روپیہ فیصد ماہوار کے حساب سے نفع نقصان کا اوسط نکال کر تیری دکان سے خواہ نقد یا سامان خوردنی لیتا رہوں گا اور یہ مضمون بطور شرط کاغذ پر لکھوا کر اور عرصہ تک اسی طرح باہمی معاملہ آپس میں جاری رہے اور اس المال محفوظ سمجھ کر بعبوض نفع حسب قرارداد شرط باہمی اشیائے خوردنی و پوشیدنی لیتا رہے اور باقی نفع کا حساب کر کے نقد لے تو جائز ہے یا ناجائز؟ اور ناجائز ہو گا تو سود ہو گا یا کیا؟

(۲) اسی طرح کافر کو اگر مال دو مہینہ کے وعدہ پر قرض فروخت کرے اور اس کے ہاتھ سے اپنے بھی کھاتے میں لکھوا لے کہ دو مہینہ میں روپیہ نہ ادا کروں تو بوقت ادائے روپیہ فی صد ۸ ریاضہ ماہوار اس مال کے نفع کا زائد ادا کروں گا یہ جائز ہے یا ناجائز؟ بینوا بسند الكتاب و توجروا عند اللہ یوم الحساب (کتاب کے حوالہ سے بیان کرو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یوم حساب کو اجر دے جاؤ گے۔ ت)

الجواب

بوہرے رافضی مرتد ہیں اور بہر مرتد کافر ہے بلکہ کافروں کی بدتر قسم، یہاں کے ہندو وغیرہ جتنے کفار ہیں ان میں نہ کوئی ذمی ہے کہ سلطنت اسلام میں مطیع الاسلام و جز یہ گزار ہو کر رہے نہ مستامن ہیں کہ بادشاہ اسلام سے کچھ دنوں کے لئے امان لے کر دارالاسلام میں آئے اور جو کافر ذمی ہو نہ مستامن سوا غدر و بدعہدی کے کہ مطلقاً ہر کافر سے بھی حرام ہے باقی اس کی رضا سے اس کا مال جس طرح ملے جس عقد کے

نام سے ہو مسلمان کے لئے حلال ہے، وقد فصلناہ فی فتاوانا بما لا مزید علیہ (ہم اس کو اپنے فتاویٰ میں تفصیل سے بیان کر چکے ہیں جس پر مزید اضافہ کی گنجائش نہیں۔ ت) ہدایہ وفتح القدر وغیرہا میں ہے:

ان مالہم مباح فی دارہم فبای طریق
کفار کا مال دار الحرب میں مباح ہے لہذا ان کا
اخذہ المسلم اخذ ما لا مباحا اذالم یکت
سوائے دھوکا کے جس طریقے سے بھی مسلمان نے
فیہ غدریہ
لیا اس نے مال مباح لیا (ت)

دوسری صورت بھی جائز ہے جس کا جواز جواب اول سے واضح ہے البتہ ان سب صورتوں میں یہ لحاظ رہے کہ ذی عزت متقی آدمی جسے جاہل عوام اپنی نا فہمی کے سبب ایسی صورتوں میں معاذ اللہ سود خور مشہور کریں اسے احتراز مناسب ہے کہ جیسے بُرے کام سے بچنا ہے یونہی بُرے نام سے بچنا چاہئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۸۵ از اودے پور میواڑ بڑا بازار مسئلہ چھپیا نجساجی محمود ۸ رمضان ۱۳۳۹ھ

بغالی خدمت فیضد رجت، غوثِ دورانِ قطبِ زمان، مجدد ہذا الاوان، حضرت مولانا الحاج مولوی مفتی احمد رضا خان صاحب مدظلہ العالی! ما قولکم ایہا العلماء الکرام من حکم اللہ تعالیٰ (اے علماء کرام، اللہ آپ پر رحم فرمائے، آپ کیا فرماتے ہیں۔ ت)

(۱) کفار ہنود کو ہزار دو ہزار یا کم زیادہ کا دو مہینہ کے وعدہ پر قرض کپڑا فروخت کیا، کپڑا دیتے وقت اس سے یہ ظاہر کر دیا گیا کہ اگر دو مہینہ کے وعدہ پر روپیہ نہ ادا کیا تو میں تجھ سے فی صد ایک روپیہ نفع زیادہ لوں گا یا یوں کہہ دیا جائے کہ مثلاً دو مہینے کے وعدہ پر اس کپڑے کی قیمت سو روپے اور اگر اس وعدہ پر نہ آئے تو ایک سو ایک روپے ہوں گے یہ اس لئے کہ کفار مسلمانوں کے روپوں کا وعدہ پر ادا کرنے کی فکر نہیں رکھتے، جائز ہو گا یا ناجائز؟

(۲) نوٹ سو سو روپیہ کے مثلاً روپیہ یا بارہ آنہ زیادتی پر یعنی ایک سو ایک یا ایک سو بارہ آنے پر ایک مہینہ کے بعد واپس روپیہ لینا کر کے دئے گئے وہ نوٹ تو اس کے کام میں آگئے مگر مہینہ ہونے پر وہ بدلے میں روپیہ نہ دے اور نوٹ دے تو لینا جائز ہے یا روپیہ ہی لیا جائے؟
بتیوا توجروا۔

الجواب

(۱) یہاں کے کفار سے ایسی شرط جائز ہے کہ انہم غیر اہل ذمہ و لامستامن (کیونکہ نہ تو وہ ذمی ہیں نہ مستامن۔ ت) مگر یہ زیادت جو طے اسے سود سمجھ کر نہ لے بلکہ مال مباح۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) یہاں کے کفار سے جس طور ہو جائز ہے،

لان مالہم مباح فی داسہم فبای طریق
 اخذہ المسلم اخذ مالاً مباحاً اذا لم یکن
 فیہ عذر کما فی الہدایۃ وغیرہا۔

اس لئے کہ کفار کا مال دار الحرب میں مباح ہے
 لہذا جس طریقے سے بھی مسلمان نے اس کو لیا
 تو اس نے مباح مال لیا بشرطیکہ دھوکا بازی نہ ہو،
 جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں ہے (ت)

اور مسلمان کو اگر سو روپیہ کا نوٹ قرض دیا اور شرط کر لی کہ مہینہ بھر بعد بارہ آنے یا ایک پیسہ زائد لوں گا
 تو حرام اور سود ہے،

لان کل قرض جو منفعۃ فہو سرباوی
 کیونکہ جو قرض نفع کو کھینچے وہ سود ہے (ت)

اور اگر سو روپیہ کا نوٹ مسلمان کے ہاتھ اس کی مرضی سے ایک سو ایک یا ایک سو دس روپیہ کو
 مہینہ بھر کے وعدہ پر سچا تو حلال ہے،

قال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا اختلف
 النوعان فبیعوا کیف شئتم ۳

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جب
 نوعیں مختلف ہوں تو جیسے چاہو فروخت کرو (ت)

پھر اگر وعدہ کے وقت اس کے پاس روپیہ نہیں اور وہ نوٹ اور ایک روپیہ یا دس روپے یا ایک
 نوٹ سو کا اور ایک ایک روپیہ یا دس روپیہ کا دے تو لینا جائز ہے بشرطیکہ یہ نوٹ وہی نہ ہو جو
 اس نے سچا تھا لان شراء مباح باقل مباح قبل نقد الثمن لایجوز (کیونکہ اپنی ہی
 فروخت کی ہوئی شے کو ثمن کی ادائیگی سے قبل اس ثمن سے کم پر خریدنا جس پر پہلے فروخت کی جا رہی ہے)۔
 ہاں اگر مشتری نے اس کو خرچ کر دیا تھا اور پھر جدید سبب سے مشتری کے پاس واپس آیا اور اب وہی
 نوٹ بائع کو دیتا ہے تو لینا جائز۔ رد المحتار میں ہے،

لہ الہدایۃ کتاب البیوع باب الربو مطبع یوسفی لکھنؤ ۸۴/۳
 لہ کنز العمال حدیث ۱۵۵۱۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۲۳۸/۶
 ۳۰ نصب الرایۃ لا حدیث الہدایۃ کتاب البیوع مکتبہ اسلامیہ ریاض ۴/۴

ولو خرج عن ملك المشتري ثم عاد اليه
بحكم ملك جديد كاقالة او شراء او
هبة او امرث فشاء البائع منه بالقل
جائز لا ان عاد اليه بما هو فسخ بخيار
سؤيه او شرط قبل القبض او بعده بحر
عن السراج - والله تعالى اعلم -

اگر بیع مشتری کی ملک سے خارج ہو گیا پھر جدید
سبب سے مشتری کے پاس لوٹا جیسے اقالہ،
خریداری، ہبہ یا میراث کے طور پر۔ اب بائع کا
اس سے پہلے ثمن سے کم پر خریدنا جائز ہے اور
اگر بیع دوبارہ مشتری کی ملک میں خیار شرط یا خیار
رویت کی وجہ سے بیع کے فسخ ہونے پر واپس
آیا چاہے قبضہ سے پہلے یا بعد، تو اب بائع کے لئے جائز نہیں کہ پہلے ثمن سے کم پر اس سے خریدے۔

نے سراج سے روایت کیا۔ والله تعالى اعلم (د)

مسئلہ از ریاست فریدکوٹ ضلع فیروزپور مطبع سرکاری مرسلہ محمد علی ۲۷ صفر ۱۳۳۸ھ
شرعیۃ عزاکا حکم ہے اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کے پاس خالص بیاج کی آمدنی ہے اور ایک
مولوی صاحب کہتے ہیں کہ بیاج کے حرام ہونے کا عقیدہ رکھتے ہوئے اگر کوئی شخص سود لیتا رہے تو اس
کی اس خالص بیاج کی آمدنی کو صدقات خیرات بالخصوص تعمیر مساجد میں لگانا حلال و جائز ہے اور اس کے
اس آمدنی کے ایسے مصارف میں لگانے کے لئے اس کا عقیدہ ہی بس ہے بیاج علانیہ لیا جا رہا ہے
آمدنی جس کا مسئلہ دریافت ہے خالص بیاج ہے۔

الجواب

سود حرام قطعی ہے اور اس کی آمدنی حرام قطعی اور خبیث محض ہے۔ اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم فرماتے ہیں:

ان الله طيب لا يقبل الا طيباً۔

بیشک اللہ پاک ہے، پاک ہی کو قبول کرتا ہے۔ (ت)
حرام کے لئے فقط اس کی حرمت کا اعتقاد کافی نہیں، ورنہ حرام خوری و حرام کاری میں کیا فرق
ہے وہاں بھی صرف اعتقاد حرمت کافی ہو بلکہ ربو تو زنا سے بھی بدرجہا بدتر ہے، بکثرت صحیح حدیثوں میں ارشاد
ہوا:

الربو ثلثة وسبعون بابا ایسرھا ربو تہتر گنا ہوں کا مجموعہ ہے جس میں سب سے

لے ردالمحتار باب البیع الفاسد دار اچیار التراث العربی بیروت ۱۱۴/۴
لے صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ باب ان اسم الصدقة الخ قیدی کتب خانہ کراچی ۳۲۶/۱

مثل ان ينكح الرجل امه - رواه الحاكم
في المستدرک بسند صحيح عن عبد الله
بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ -

ہلکا گناہ یہ ہے کہ آدمی ماں سے زنا کرے -
اس کو امام حاکم نے مستدرک میں سند صحیح کے ساتھ
سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ
سے روایت کیا۔ (ت)

بلکہ علماء نے یہاں تک فرمایا کہ مالِ حرامِ فقیر کو دے کر ثواب کی امید رکھنا کفر ہے، اور اگر فقیر کو معلوم
ہو کہ اس نے مالِ حرام دیا ہے اور اس کے لئے دُعا کرے اور وہ آمین کے تو دونوں نئے سرے سے
کلمہ اسلام پڑھیں اور تجدیدِ نکاح کریں۔ محیط و عالمگیر یہ و جامع الفصولین وغیرہا میں ہے؛
تصدق على الفقير شيئاً من المال الحرام
ويجوز الثواب كفر ولو علم به الفقير و
دعاه وامن المعطي كفراً
کسی نے مالِ حرام میں سے کچھ فقیر پر صدقہ کیا
اس حال میں کہ وہ اس سے ثواب کی امید کرتا ہے
تو کافر ہو گیا اور اگر فقیر کو معلوم ہو کہ یہ مال حرام
ہے اس کے باوجود اس نے دینے والے کو دُعا دی اور دینے والے نے اس پر آمین کہی تو
دونوں کافر ہو گئے۔ (ت)

زر حرام والے کو یہ حکم ہوتا ہے کہ جس سے لیا اُسے واپس دے وہ نہ رہا اس کے وارثوں کو دے
پتہ نہ چلے تو فقراء پر تصدق کرے یہ تصدق بطور تبرع و احسان و خیرات نہیں بلکہ اس لئے کہ مالِ خبیث میں اسے
صرف حرام ہے اور اس کا پتہ نہیں جسے واپس دیا جاتا لہذا دفعِ خبیث و تکمیلِ توبہ کے لئے فقراء کو دینا ضرور ہوا
اس غرض کے لئے جو مال دفع کیا جائے وہ مساجد وغیرہ امور خیر میں صرف کہ خبیث ہے اور یہ مواضع خبیث کا
مصرف نہیں، ہاں فقیر اگر لے کر بعد قبول و قبضہ اپنی طرف سے مسجد میں دے دے تو مضائقہ نہیں۔
قال صلى الله تعالى عليه وسلم هو لها صدقة
ولنا هدية - والله تعالى اعلم -
نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا یہ اس
(حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کیلئے صدقہ
ہے اور ہمارے لئے ہدیہ ہے، واللہ تعالیٰ اعلم (ت)

- ۱۔ المستدرک علی الصحیحین کتاب البیوع
۲۔ جامع الفصولین الفصل الثامن الثلاثون فی سائل کلمات الکفر اسلامی کتب خانہ کراچی ۳۰۸/۲
۳۔ صحیح البخاری کتاب الفرائض باب الوارثین اعنت قدیمی کتب خانہ کراچی ۹۹۹/۲

مسئلہ ۱۸۸ از ورو ڈاکخانہ خاص ضلع نئی تال مرسلہ عبد اللہ صاحب ۶ شعبان ۱۳۳۷ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ روپیہ کے سترہ آنے یا ساڑھے سولہ آنے ٹھہرا کر
دو چار روز میں لینا کیسا ہے؟

الجواب

روپیہ قرض دیا اور یہ ٹھہرایا کہ سوا سولہ آنے لیں گے، یہ سود و حرام قطعی ہے اور اگر روپیہ سترہ آنے
یا سولہ آنے کا برضائے مشتری بیجا اور قیمت چار دن یا دو دن یا دس برس بعد دینی ٹھہری تو یہ جائز ہے
جبکہ روپیہ اسی جلسہ میں دے دیا گیا ورنہ بیع باطل ہو جائے گی،
لکونہ افتراقاً عن دین بدین و یکنی قبض
احد الجانبین کما حققناہ فی کفل
الفقیہ۔
کیونکہ افتراق ہے دین سے دین کے بدلے میں
اور ایک جانب سے قبضہ کا پایا جانا کافی ہے
جیسا کہ اس کی تحقیق ہم نے کفل الفقیہ میں
کر دی ہے۔ (ت)

اور اگر روپے کے سترہ آنے یا سولہ آنے خریدے اور پیسے چار دن بعد دینے ٹھہرے تو یہ ناجائز ہے کہ یہ
بیع سلم ہوئی اور بیع سلم میں ایک مہینے سے کم مدت مقرر کرنی جائز نہیں بدیفتی نہ یلعی و در و هو
المعتمد بحر و هو المذہب نہر (اسی پر زیلعی اور در فتویٰ دیتے ہیں اور یہی معتد ہے (بحر)
اور یہی مذہب ہے (نہر۔ ت) ہاں ایک مہینے یا زیادہ کی مدت مقرر کریں اور روپیہ اسی جلسہ میں
دے دیں اور باقی سب شرائط بیع سلم کے پائے جائیں تو جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۸۹ از شہر محلہ ملوکپور مسئلہ محمد حسن خاں صاحب ۲۳ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

عمر و تجارت پارچہ کی کرتا ہے، اس کا پارچہ کاروپیہ زید کے ذمہ چاہئے تھا، عرصہ جس کو
دو ڈھائی برس کا ہو گیا تھا بلا سودی عمر و سود نہیں کھاتا ہے، عمر و کو بے حد ضرورت لاحق ہوئی، عمر و
نے زید سے طلب کیا، زید نے انکار کیا اور وعدہ چار ماہ کا کیا، عمر و نے کہا کہ اگر آپ اب مجھے نہ دو گے
تو میری ذات رسوائی ہوگی تب کیا نتیجہ ہوگا۔ زید کا بڑا بھائی خالد تھا اس سے سفارش کرائی تب
زید نے کہا کہ بکر جو میرا عزیز ہے اس سے میں نے ابھی تھوڑا زمانہ ہوا ۲۲ سو روپیہ دستاویز لکھ کر
قرض لئے تھے وہ روپیہ میں نے ادا کر دیا حسب معاہدہ بلا سود رسیدات آگئی ہیں دستاویزات انہی کے
پاس ہیں اگر وہ دے دیں تو رسیدیں واپس دے دوں دستاویز وہی پھر برقرار رہے گی وہ تم کو
ہو پیہ دے دیں، عمر و خالد کو ہمراہ لے کر بکر کے پاس گیا بکر سے کہا وہ راضی نہ ہوا تب عمر و نے کہا

آپ دو سو مجھے کم دے دیں میری عزت جاتی رہے گی بغیر روپیہ کے ملنے کے، میں ۲۶ سو لے کر ۲۸ سو کی رسید لکھنے کو تیار ہوں، یہ آپ کو فائدہ ہو جائیگا، بکرنے کہا کہ تم کہیں اور سے لے لو میں ضمانت کروں گا۔ عمرو نے ایک کافر سے کہا کہ تین ماہ کے واسطے ۲۶ سو روپے دے دے وہ سو روپہ سود کے طلب کرتا تھا، عمرو نے بکر سے کہا کہ یہ سو بھی آپ لے لیں آپ ہی دے دیں ۲۵ سو روپے اور رسید ۲۸ سو کی لیں میری ضرورت بہت شدید ہے اور خوشامد درآمد کی، خالد نے کہا سنا بکر راضی ہو گیا مگر یہ کہا کہ زید ایک خط لکھ دے کہ یہ روپیہ تین ماہ میں واپس کروں گا اگر نہ دوں تو مع سود کے چار ماہ میں دوں گا اور ایک رقعہ پانچ سو کا لکھ دیں کہ اگر چار ماہ میں بھی نہ ادا ہو تو پانچویں ماہ مجھ کو اس رقعہ کا مطالبہ وصول کرنے کا حق حاصل ہوگا اور سود دستاویز کا بھی۔ چنانچہ زید نے رقعہ تالیف وانی باضابطہ لکھ دیا بکر کو اور خط معاہدہ کا بھی، اور رسیدات واپس دے دیں، بکر نے عمر کو ۲۵ سو دیا ۲۸ سو کی رسید لی، دو سو کمی کے کاٹے اور سو دو سو روپے، جملہ تین سو اور چودہ سو نقد زید کو دے دیئے یا کسی سے لا دیئے، اس نے پورے چودہ سو نقد دے بلا کسی کاٹ چھانٹ کے ۲۸ سو کی رسید ۱۴ سو نقد، یوں ۴۲ سو ہو گئے۔ عمرو نے رسید لکھتے وقت یہ کہا بکر سے کہ میں بہت غریب ہوں یہ سو روپے تو سود کے میں نے کاٹ دیئے مگر یہ دو سو روپے کمی والے محض ان کی وجہ سے کہ انھوں نے (زید نے) نہ دیئے اور میری بغیر اس کے ذلت ہے مجبوری کمی کر کے لئے ہیں کہ حضور بغیر اس کے نہ دیتے اگر زید تین ماہ میں نہ دیں اور چوتھے ماہ میں دیں تو حضور یہ سود دستاویز جو حضور کو وصول ہوگا معاوضہ ان کمی والے دو سو روپے کے میرا حق ہوگا وہ مجھ کو ملے جو دو سو سے زائد ہوگا وہ حضور لیں کیونکہ میں تو انھیں کے بالعوض دے رہا ہوں وہ حضور مجھ کو دیں تین ماہ میں واپس ہو روپیہ تو حسب معاہدہ بلا سود ہے میری تقدیر سے وہ چار ماہ میں دیں تو سود کی رقم ضرور لے کر مجھے دیں سود کہ میرا حق ہے مجھ کو جائز ہے زید نے وہ روپیہ حسب معاہدہ ادا نہ کیا بلکہ پانچ ماہ بعد ادا کیا بکر نے سود تو دستاویز کا نہ لیا جو دو سو ڈھائی روپیہ ہوتا تھا زید کو چھوڑ دیا مگر رقعہ تالیف وانی پانچ سو کا وصول کر لیا یعنی ۴۲ سو کے ۴ سو وصول کر لئے بعد وصول کے عمرو طالب ہے بکر سے کہ مجھے ان پانچ سو میں سے دو سو دیکھئے کیونکہ حضور نہ چھوڑتے تو وہ مجھے ملتے آپ نے چھوٹی رقم نہ لی بڑی لی لہذا مجھ کو دو سو دیکھئے گا، بکر نے کہا کہ مجھ کو یاد نہیں یہ معاہدہ ہوا تھا تب خالد نے یاد دلایا کہ ہوا تھا اب بکر نے عمرو سے کہا کہ اگر شرع شریف حکم خدا و رسول سے مجھ کو وہ رقم دو سو کی تمہاری اور بلکہ سو روپے سود کے جو میں نے تم سے لئے ہیں جائز ہیں تو میں نہ دوں گا اور اگر مجھ کو وہ حرام ہیں تو میں تین سو کے تین سو دینے کو تیار

ہوں، بجز کبھی سود نہیں کھاتا ہے اور ہزاروں روپے اپنے عزیزوں کو دوستوں کو قرض بلا سود دیتا ہے۔ اس سبب سے بجز دریافت کرتا ہے مرقوم بالا صورتوں میں کون سی رقم مجھ کو جائز ہے یا کُل ناجائز ہے؛ عند اللہ مواخذہ کس رقم کا ہوگا اور کس کا نہ ہوگا؛ اور کونسی رقم سود ہوگی اور کونسی سود نہ ہوگی یا کُل سود ہوگی؛ اور عند اللہ میں گنہگار ہوں گا؛ عمر و شریعت کے حکم کے موافق تین سو یا دو سو یا ایک سو کس رقم کے واپس لینے کا مستحق ہے یا کسی رقم کے واپس پانے کا مستحق نہیں ہے یا کُل واپس پانے کا مستحق نہیں ہے؛

الجواب

اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو، اللہ عز و جل فرماتا ہے؛

یا ایہا الذین آمنوا لا تاكلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تكون تجارة عن تراض منکم ولا تقتلوا انفسکم ان اللہ کان بکم سحیماً
اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مال بلا وجہ شرعی نہ کھاؤ ہاں تجارت میں آپس کی رضا سے نفع اٹھانے کی ممانعت نہیں اور اپنی جانیں ہلاکت میں نہ ڈالو بیشک اللہ تم پر مہربان ہے (ت)

بجرنے جو وہ پانسو زید سے لئے حرام اور قطعی سود ہیں اور یہ جو عمر کو ۲۵ سودیئے اور عمر و نے ۲۸ سو کی رسید لکھ دی یہ تین سو بھی سود اور حرام قطعی ہیں، حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں؛

کل قرض جرم نفعۃ فهو سبویہ جو قرض نفع کھینچے وہ سود ہے۔ (ت)

قرض پر جو کچھ زیادہ لیا جائے سود ہے، بجز پر قرض ہے کہ زید کے پانچ سو واپس کرے اور عمر و سے صرف پچیس سولے ایک پیسہ زیادہ حرام ہے اور اگر لیا ہے تو اسے بھی واپس دے، عمر و کا ان پانسو میں سے دو سو مانگنا بھی حرام ہے کہ وہ مال حرام ہے اس کا کہنا کہ سود کی رقم اسے دو میرا حق ہے مجھے جائز ہے، بہت سخت اشد کلمہ ہے، عمر و پر لازم ہے کہ توبہ و تجدید اسلام و تجدید نکاح کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۹۰ از قصبہ چنور گڑھ میواڑ مسئلہ ڈاکٹر شیخ فضیلت حسین صاحب ۱۷ جمادی الآخرہ ۱۳۳۶ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی عمر ساٹھ سال کی ہے مدۃ العمر میں بوقت افلاس جب نقد روپیہ کی ضرورت پڑتی تو سود پر قرض لے کر کام چلاتا رہا اگرچہ سود کا دینا بھی شرعاً ممنوع ہے مگر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۲۹/۴

قرض ملنے کی بجز اس کے دوسری صورت نہ تھی اب اس وقت زید کے پاس ایک ہزار روپیہ نقد ہے جس کی زکوٰۃ کے عسے سالانہ فرض ہوتے ہیں اگر تجارت وغیرہ کر کے صورت ترقی پیدائے تو چند ہی سال میں ۲۵ روپیہ سالانہ ادا کرتے کرتے اصل رقم ہی ختم ہوتی ہے، باعث ضعیفی بذات خود تجارت وغیرہ کر نہیں سکتا زمانہ کی وہ حالت کہ نہ نوکر قابل اعتبار نہ شریک امانت دار بلکہ جو ملا دغا باز یا مکار، تو زید چاہتا ہے کہ کافروں مشرکوں کے زیورات طلائی و نقرئی بطور رہن رکھ کر روپیہ دے کر ماہانہ یا سالانہ بطور منافع ٹھہرائے تو شرعاً کیا قباحت ہے بعض علماء نے ہندوستان کو دار الحرب قرار دیا ہے جیسا کہ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب اپنے فتاویٰ میں ارشاد فرماتے ہیں یا بعض علماء دار الحرب قرار نہیں دیتے مگر یہاں کے کافروں کو عربی سمجھ کر ان کے مال غیر محفوظ فرماتے ہیں، بہر دو صورت اگر کافروں سے ایسے معاملات کئے جائیں یا ہندوی لکھو اگر روپیہ دے کر فائدہ اٹھالے مثلاً لعطلۃ یا ساڑھے ننانوے روپیہ دے کر سو روپیہ کی ہندوی اس سے لکھو اے میعاد مقرر شدہ پر سو روپیہ لے کر اس کی تحریر کردہ ہندوی اسے واپس کر دے کہ زکوٰۃ کا ادا کرنا بھی نہایت ہی ضروری فرض ہے، قرآن شریف میں جو اللہ عزوجل جلالہ نے رباہ حرام فرمایا ہے اس میں رباہ کی کیا تعریف ہے، زمانہ نزول آیہ شریفہ میں عربستان میں رباہ کس قسم کے سود کو کہتے تھے، اسی طرح یہاں کے کافروں مشرک سود اگر غلہ وغیرہ ارزانی میں خرید کر بندر رکھتے ہیں اور گرانی کے منتظر رہتے ہیں اور بحالت مجبوری مسلمانوں کو بھی انھیں سے خریدنا پڑتا ہے تو اگر زید بھی ایسا ہی کیا کرے تو شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب

قدرتی طور پر ہے کہ غلہ فصل پر ارزاں اور بیج پر گراں ہوتا ہے اس سے فائدہ اٹھانا منع نہیں، غلہ بندر کھنا وہ منع ہے جس سے شہر پر تنگی ہو جائے۔ ہندوستان بلاشبہ دارالاسلام ہے اسے دارالحرب کہنا صحیح نہیں، جو کافر مطیع اسلام نہ ہوں نہ سلطنت اسلام میں متسامن ہو بلا غدر و بدعہدی اس سے کوئی نفع حاصل کرنا ممنوع نہیں مگر گروہی اور ہندوی کا طریقہ صورت سود ہے اور اسے سود ہی کہتے ہیں اور حتی الوسع بڑے نام سے بھی بچنا چاہئے اس سے بہتر نوٹ کی بیع ہے دس کانوٹ بارہ یا پندرہ یا جتنے پر باہم رضامندی ہو بچنا جائز ہے تو دس کانوٹ قرض دے اور پچیس اوپر دس ٹھہرائے یہ سود ہے اور دس کانوٹ سو کو نیچے یہ جائز ہے، اور اگر کوئی فرق پوچھے تو اس کا جواب قرآن عظیم نے دیا ہے: واحل الله البيع وحرم الربوا اللہ نے حلال کی بیع اور حرام کیا سود۔ سود

۲۵۷
کا یہی طریقہ عرب میں جاری تھا جسے حرام فرمایا گیا،

الربا فضل خال عن العوض مستحق
ربا اس زیادتی کو کہتے ہیں جو عوض سے خالی ہو اور
بالعقد یعنی

یعنی عقد میں کسی ایسی زیادت کے لئے جانے کی شرط کی جائے جس کے مقابلہ میں شرعاً کوئی عوض نہ ہو، یہ
زیادت جنس متحد میں ظاہر ہوتی ہے بحالت نسیئہ اتحاد قدر میں بھی جس کی تفصیل فقہ میں ہے اور جو زیادہ
مفصل بیان چاہئے ہماری کتاب کفل الفقیہ الفاہم دیکھئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۹۱ مسئلہ عبد اللہ احمد سوداگر امر اوقتی برار شنبہ ۲۲ شعبان ۱۳۳۴ھ

اللہ جل شانہ نے اپنے کلام پاک قرآن مجید میں سود خوری کی سختی سے وعید فرمائی ہے اور بیشک
قرآن حکیم کے اوامر و نواہی انسان کے لئے دایرین میں سود مند ہیں اس کے ہر فرمان پر ہمارا سر تسلیم خم ہے
مگر مزید اطمینان کے لئے استفتاء کرنے کی ضرورت پڑی کہ سود دینا اور سود لینا دونوں قطعی حرام ہیں،
میرے ناقص خیال میں ہزار میں سے ایک شخص بھی ایسا شخص ہے سے نکلے گا جو مقدم الذکر دو بلاؤں میں سے
کسی ایک میں مبتلا نہ ہو، تجارت کے کاروبار شاید ہی بغیر سود کے انجام پائیں، یہ ایک قابل غور
بات ہے کہ فی زمانہ شرح سود اس قدر کم ہے کہ دینے والا خوشی سے ادا کرتا ہے اس پر کسی طرح کا بار نہیں
پڑتا ہے کیونکہ اس کو فی صدی آٹھ آنے دینا پڑتا ہے تو ان روپوں سے تجارت کر کے سیلرٹے دس پیدا کرتا ہے
اس لئے لینے والا اور دینے والا دونوں فائدہ اٹھاتے ہیں، تو معروض یہ ہے کہ اس آیت کا شان نزول
کیا ہے، ربا کے جواز و عدم جواز میں کیا راز مضمون ہے، اور اتنی سختی کے ساتھ ممانعت کی کیا باعث ہے
مفصل تحریر فرما کر کمترین کو مطمئن فرمائیں، بغیر سود کے آجکل بیوپار کرنا مشکل نہیں تو محال ضرور ہے، خاص
کر کے ولایت کی تجارت کا دار و مدار ہی سود پر ہے مثلاً بمبئی میں ولایت کی ہنڈوی کا بھاؤ آج پندرہ روپے
ہے تو کل پونے پندرہ تو پرسوں ساڑھے پندرہ، تو پھر ایسی حالت میں سود سے بچنا کیسے ہو سکتا ہے جبکہ
لاکھوں کا لین دین ہوتا ہے چونکہ آج کل تجارت زیادہ تر غیر قوموں کے ہاتھ میں ہے تو ان کے ساتھ
باہم خرید و فروخت میں بغیر لئے دئے کے چل نہیں سکتا، تو اس آیت کا یہ مفہوم ہے کہ مسلمان اعلیٰ پیمانہ

لخردالمختار کتاب البیوع باب الربو داراجیاء التراث العربی بیروت ۱۶۶/۴
الہدایۃ باب الربو مطبع یوسفی بکنو ۸۰/۳
ملتی الابجر " مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۳۶/۲

پر تجارت نہ کریں صرف توت بسری کے لئے کچھ تھوڑا بہت کر لیا کریں جس طرح بنی اسرائیل پراونٹ کا گوشت اور چربی وغیرہ حرام کر دی گئی تھی، آج کل تجارت میں بڑا نقص یہ بھی ہے کہ مال زیادہ تر ادھار بکتا ہے، تو ایسی حالت میں اگر خریدار کے ذمہ سود نہ لگایا جائے تو شاید وہ مہینے میں دینے والا برس بھر میں مشکل سے ادا کرے، کافروں کے ذمہ جو سود عائد ہوتا ہے وہ ان سے وصول کر کے غریب مسلمان کو جو تعلیمی اخراجات کے بارے میں متحمل نہیں ہو سکتے اور بے علمی کی وجہ سے اکثر مسلمانوں کے لڑکے آوارہ ہو جاتے ہیں اور رذیل پیشہ اختیار کر کے بے عزتی کی زندگی بسر کرتے ہیں بلکہ نان شبینہ کے محتاج ہو جاتے ہیں ایسے محتاج مسلمانوں کے تعلیمی اخراجات فٹ میں دیا جائے تو کیا قباحت ہے کیونکہ تین دن کے فاقہ پر حرام بھی کھانا حلال ہو جاتا ہے۔ سود خور اور سود دینے والے کے لئے اس قدر عتاب انگیز کلمات لکھے گئے ہیں کہ اس کے یہاں کھانا تو درکنار اس کے سایہ میں بیٹھنا بھی ایک سخت گناہ ہے، پھر ایسی حالت میں جبکہ دنیا بھر میں ہزاروں سے ایک بھی اس وقت سے بری نہیں کیا حال ہو گا یہ ممالک اسلامیہ میں بھی بنک کھولے گئے ہیں اور برابر لیں دین ہوتا ہے البتہ طبقہ علماء و مشائخ اس سے محترز ہے مگر جب وعظ نصیحت کے لئے نکلتے ہیں تو ان بچپاروں کو بھی سفر میں جن کے یہاں کھانے پینے کا اتفاق ہوتا ہے اکثر سود لینے یا دینے والے ہوتے ہیں پھر مجبوری سے کہو یا خوشی سے مگر میں نے کسی عالم یا مشائخ کو اس بارے میں کسی طرح کا اعتراض نکالتے نہیں دیکھا ہے ماسوا اس کے کہ مدرسوں اور دینی امورات کیلئے جو چندے وصول کئے جاتے ہیں ان میں شاید ہی کسی ایسے کا چندہ ہو جو اس بلا سے بچا ہوا ہو، مورخ خلکان نے امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات کے ضمن میں ایک حکایت لکھی ہے کہ امام صاحب سے شہاب الدین غوری نے ایک کثیر رقم قرض لی تھی جب اس کو ادا کیا تو صلہ کے طور پر بہت بڑی رقم اضافہ کر کے دی تھی تو اس زیادہ کی رقم کو کیا کھنا چاہئے اور اس طرح لینا بھی جائز ہے کیا؟ فقط۔

الجواب المملفوظ

سود حرام قطعی ہے اور اس پر سخت شدید وعیدیں قرآن و احادیث صحیحہ متواترہ میں وارد اور یہ کہ وہ کیوں حرام ہوا اور اس قدر اس پر سختی کیوں ہے اس کے جواب قرآن عظیم نے دو جواب عطا فرمائے، ایک عام اور ایک خاص، عام تو یہ کہ:

لا یسئل عما یفعل وہم یسئلون اللہ جو کچھ کرے اس سے کوئی پوچھنے والا نہیں

لہ القرآن الکریم ۲۱/۲۳

ان الحكم الا لله ، له الحكم و اليه
ترجعون ، وما كان لمؤمن و لا مؤمنة
اذا قضى الله ورسوله امرا ان يكون لهم
الخيرة من امرهم و من يعص الله و
رسوله فقد ضل ضللا مبينا .

اور سب سے سوال ہوگا، حکم نہیں مگر اللہ کو اسی کی
حکومت ہے اور تمہیں اسی کی طرف پھرنا، کسی
مسلمان مرد یا عورت کو یہ گنجائش نہیں کہ جب اللہ
اور رسول کسی بات میں کچھ حکم کریں تو انہیں کچھ اپنا
اختیار باقی رہے اور جو اللہ و رسول کے حکم پر نہ چلے
بیشک وہ صریح گمراہی میں بھٹکا۔

اور خاص کیہ کافروں نے اعتراض کیا تھا انما البیع مثل الربو (بے شک بیع سود کی مثل ہے۔ ت)
تم جو خرید و فروخت کو حلال اور سود کو حرام کرتے ہو ان میں کیا فرق ہے بیع میں بھی تو نفع لینا ہوتا ہے،
اس کا جواب ارشاد فرمایا:

واحل الله البيع و حرم الربو . اللہ نے حلال کی بیع اور حرام کیا سود۔
تم ہوتے ہو کون، بندے ہو سر بندگی خم کرو، حکم سب کو دئے جاتے ہیں، حکمتیں بتانے کے لئے سب نہیں
ہوتے، آج دنیا بھر کے ممالک میں کسی کی مجال ہے کہ قانون ملکی کسی دفعہ پر حرف گیری کرے کہ یہ بیجا ہے
یہ کیوں ہے یوں نہ چاہئے یوں ہونا چاہئے تھا، جب جھوٹی فانی مجازی سلطنتوں کے سامنے چون و چرا
کی مجال نہیں ہوتی تو اس ملک الملوک بادشاہ حقیقی ازلی ابدی کے حضور کیوں اور کس لئے کا دم بھرنا
کیسی سخت نادانی ہے والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ سود لینا مطلقاً عموماً قطعاً سخت کبیرہ ہے اور سود دینا
اگر بضرورت شرعی و مجبوری ہو تو جائز ہے، درمختار میں ہے:

يجوز للمحتاج الاستقراض بالربو . محتاج سود پر قرض لے سکتا ہے۔ (ت)
ہاں بلا ضرورت جیسے بیٹی بیٹے کی شادی یا تجارت بڑھانا یا پکا مکان بنانے کے لئے سودی روپیہ
لینا حرام ہے، سود خور کے یہاں کھانا نہ چاہئے مگر حرام و ناجائز نہیں، جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ یہ چیز
جو ہمارے سامنے کھانے کو آئی بعینہ سود ہے مثلاً ان گہوؤں کی روٹی جو اس نے سود میں لئے تھے یا

۵۷/۶	۵۷/۶	۵۷/۶
۳۶/۳۳	۳۶/۳۳	۳۶/۳۳
۲۷۵/۲	۲۷۵/۲	۲۷۵/۲

۱۲۶/۱۲۶

سود کے روپے سے اس طرح خریدی گئی ہے کہ اس پر عقد و نقد جمع ہو گئے یعنی سود کا روپیہ دکھا کر اس کے عوض خریدی اور وہی روپیہ اسے دے دیا، جب تک یہ صورتیں تحقیق نہ ہوں وہ کھانا حرام ہے نہ ممنوع۔

فی الہندیۃ عن الذخیرۃ عن محمد
بہ ناخذ مالہ نعرف شیئاً حراماً بعینہ۔
فتاویٰ ہندیہ میں بحوالہ ذخیرہ امام محمد سے منقول ہے
کہ ہم اسی (قول جواز) کو لیتے ہیں جب تک

بعینہ کسی شے کا حرام ہونا معلوم نہ ہو جائے (ت)
تو نہ خلق پر تنگی ہے نہ علماء پر اعتراض، ہاں تجارت حرام کے دروازے آج کل بکثرت کھلے ہیں ان کی بندش کو اگر تنگی سمجھا جائے تو مجبوری ہے وہ تو بیشک شرع مطہر نے ہمیشہ کیلئے بند کئے ہیں جو آج بے قیدی چاہے کل نہایت سخت شدید قید میں گرفتار ہوگا اور جو آج احکام کا مقید رہے کل بڑے چین کی آزادی پائے گا۔ دنیا مسلمان کے لئے قید خانہ ہے اور کافر کے لئے جنت۔ مسلمانوں سے کس نے کہا کہ کافروں کی اموال کی وسعت اور طریق تحصیل آزادی اور کثرت کی طرف نگاہ پھاڑ کر دیکھے، اے مسکین! تجھے تو کل کا دن سنوارنا ہے،

یوم لا ینفع مال ولا بنون، الامن اتی
اللہ بقلب سلیمؑ
جس دن نہ مال نفع دے گا نہ اولاد، مگر جو اللہ
کے حضور سلامت والے دل کے ساتھ حاضر ہوا۔

اے مسکین! تیرے رب نے پہلے ہی تجھے فرما دیا ہے،

ولا تمدن عینیک الی ما متعنا بہ ازواجنا
منہم نراہرۃ الحیوۃ الدنیا لنتفتنہم
فیہ ورازق ربک خیر وابقیؑ
اپنی آنکھ اٹھا کر نہ دیکھ اس دنیوی زندگی کی
آرائش کی طرف جو ہم نے کافروں کے کچھ مردوں و
عورتوں کے برتنے کو دی تاکہ وہ اس کے فتنہ میں

پڑے رہیں اور ہماری یاد سے غافل ہوں اور تیرے رب کا رزق بہتر ہے اور باقی رہنے والا۔

چندہ کا جواب اوپر آ گیا کہ اگر ہم کو تحقیق سے معلوم ہو کہ یہ روپیہ جو دے رہا ہے بعینہ سود کا ہے تو لیا حرام ورنہ جائز۔ رہا اس صورت میں متحقق ہوتا ہے کہ عقد میں مشروط ہو اگرچہ بشرط نصاً نہ ہو یا عرفاً ہو

۱۔ فتاویٰ ہندیۃ کتاب لکراہیۃ الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳۴۲/۵

۲۔ القرآن الکریم ۸۹۹/۲۶

۳۔ " ۱۳۱/۲۰

ورنہ احساناً قرار دے کر زائد دینا نہ رہا ہے نہ جرم۔ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک پاجامہ خریدا اور قیمت کی چاندی وزن کر نیوالے سے ارشاد فرمایا: نمن واسر جہ قول اور زیادہ ہے۔ یہ احسان ہے، وما علی المحسنین من سبیل (احسان کرنے والوں پر کوئی راہ نہیں۔ ت) پھر امام رازی پر کیا اعتراض ہے سود لینا شرع نے مطلقاً حرام فرمایا ہے مسلم سے ہو یا کافر سے، قال اللہ تعالیٰ و حرم الربو (اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام کیا۔ ت) اس میں کوئی تخصیص نہیں مگر مدار اعمال نیت پر ہے اگر کسی کا مال کہ نہ ذمی ہونہ مستامن، بلا غدر و بدعہدی اور بغیر کسی نیت ناجائز کے حاصل ہو تو بہ نیت شے مباح اسے لینا ممنوع نہیں اگرچہ وہ دینے والا اپنے ذہن میں سود ہی سمجھ کر دے یہ مال مساجد و مدارس و مصارفِ یتامی میں بھی صرف ہو سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۹۲ از مقدم کٹھور ضلع سورت حاجی محمد سلیمان کٹروا بروز یکشنبہ ۲۹ ربیع الآخر ۱۳۳۲ھ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ فی زمانہ ٹراموے و ریلوے کمپنی و دیگر کارخانہ جات کے حصص جسے یہاں کی اصطلاح میں شیئر کہتے ہیں خریدے جاتے ہیں اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک کمپنی ٹراموے یا ریلوے یا کارخانہ پارچہ بانی یا آہن سازی یا کسی اور تجارت کے لئے قائم کی جاتی ہے اور اس کا سرمایہ مقرر کر کے اس کے حصص فروخت کئے جاتے ہیں اور اس کے کارکنان بھی تنخواہ دار مقرر کئے جاتے ہیں جو حسب منصب کام کرتے ہیں اور ششماہی یا سالانہ اس کے نفع نقصان کا حساب شائع کرتے ہیں اور نفع بھی حصہ رسد تقسیم کرتے ہیں اور کچھ روپیہ نفع میں سے جمع بھی رہتا ہے جو سود پر بھی دیا جاتا ہے اور اس کا سود بھی نفع میں شامل کر کے حصہ داروں کو تقسیم کیا جاتا ہے اور ضرورت کے وقت سودی روپیہ بھی لیا جاتا ہے اس کا سود اصل رقم یا نفع میں سے دیا جاتا ہے اور ان حصص کی قیمت کمپنی کے نفع نقصان کے اعتبار سے بڑھتی گھٹتی رہتی ہے حصہ داران اپنے حصہ کو اسی بھاؤ سے فروخت کر دیتے ہیں لیکن فروخت کی یہ صورت ہوتی ہے کہ بائع دلال سے کہتا ہے کہ میں اپنی فلاں کمپنی کا حصہ فروخت کرنا چاہتا ہوں تو دلال کہتا ہے کہ آج

سنن ابوداؤد کتاب البیوع باب فی الرجحان فی الوزن آفتاب عالم پریس لاہور ۲/۱۱۸
 ۹۱/۹
 ۲۴۵/۲

یہ بھاؤ ہے پھر اگر بائع کو اس بھاؤ سے فروخت کرنا ہوتا ہے تو دلال کو کہہ دیتا ہے کہ بیچ دو، تو وہ کسی کو بیچ دیتا ہے یہاں مشتری کسی چیز پر قبضہ نہیں کرتا ہے بلکہ صرف کمپنی والوں سے دلال بائع کے نام کی جگہ مشتری کا نام لکھوا کر دے دیتا ہے، یہاں قابل غور یہ امر بھی ہے کہ اگر مشتری کمپنی والوں سے اپنے حصص کے عوض کمپنی کے اسباب تجارت میں سے کوئی شے طلب کرے تو کمپنی والے وہ شے اسے نہیں دیتے اور نہ اسے اس کے دام واپس کرتے ہیں البتہ وہ جس وقت حصہ فروخت کرنا چاہے تو بازاری بھاؤ سے اسی وقت مذکورہ بالا طریق سے فروخت ہو جاتا ہے اور اسے اسی وقت روپیہ مل بھی جاتا ہے، اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ یہ حصص خریدنے عندالشرع جائز ہیں یا نہیں؟ اور اگر جائز ہے تو یہ کس بیع میں داخل ہے اور اس میں زکوٰۃ حصص کی قیمت پر لازم آتی ہے یا منافع پر؟ بتیوا تو جروا۔

الجواب المملفوظ

ظاہر ہے کہ حصہ روپوں کا ہے اور وہ اتنے ہی روپوں کو بیچا جائے گا جتنے کا حصہ ہے یا کم زائد کو بیچا گیا تو ربا اور حرام قطعی ہے، اور اگر مساوی ہی کو بیچا گیا تو صرف ہے جس میں تقابض بدین نہ ہو ایوں حرام ہے پھر حصہ داروں کو جو منافع کا سود دیا جاتا ہے وہ بھی حرام ہے، غرض یہ معاملہ حرام در حرام محض حرام ہے حصص کی قیمت شرعاً کوئی چیز نہیں بلکہ اصل کے روپے جتنے اس کے کمپنی میں جمع ہیں یا مال میں اس کا جتنا حصہ ہے یا منفعت جائزہ غیر ربا میں اس کا جتنا حصہ ہے اس پر زکوٰۃ لازم آئے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۹۳ از بہرائچ درگاہ شریف مسئلہ عظیم الدین مدرس افسر مدرسہ مسعودیہ بروز پنجشنبہ

۲۲ صفر ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفسیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے عمرو کو کچھ روپیہ مختلف شرح سود پر بدفعات قرض دیا اور اس روپیہ میں کوئی جائداد مرہون نہیں تھی اس کے بعد خالد پسر زید نے عمرو کی جائداد بخمال اپنے وارث ہونے کے خرید کیا، کل زر قرض اصل مع سود زر من جائداد میں مجرا لیا، پس سوال یہ ہے کہ خالد و عمرو جو دونوں سنی المذہب ہیں اور حدود شرعیہ سے نکلنا نہیں چاہتے، ایسی صورت میں خالد کو رقم سود حلال و مباح ہے یا حرام ناجائز ہے اور خالد خیرات و صدقہ کر دینے کے عذر سے یا عمرو کے مبتلائے اسراف ہو جانے کے احتمال سے رقم سود واپس نہیں کرنا چاہتا، یہ عذر اس کا کیسا ہے؟ جواب مع دلائل مہربانی فرما کر تحریر فرمائیے، فقط۔

الجواب

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

یا ایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ وذرُوا
ما بقی من الربو، فان لم
تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ۔
اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو سود باقی
رہا چھوڑ دو پھر اگر ایسا نہ کرو تو اللہ ورسول
سے لڑائی کا اعلان کر دو یعنی اللہ ورسول سے
لڑنے کو تیار ہو جاؤ اگر سود نہیں چھوڑتے۔

خالد پر ایک جہہ سود کا لینا حرام ہے، حدیث میں فرمایا: "جس نے دانستہ ایک درم سود کا
لیا اس نے گویا چھتیس بار اپنی ماں سے زنا کیا" بکثرت احادیث صحیحہ میں ہے کہ سود تہتر گنا ہوں
کا مجموعہ ہے ایسے مثل ان ینکح الرجل امۃ^۲ ان سب میں ہلکا یہ ہے کہ آدمی اپنی ماں سے زنا
کرے۔ صحیح حدیث میں ہے:

لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
اکل الربو وموكله وکاتبه و
شاهدیه وقال هم سواء^۳۔
لعنت فرمائی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
نے سود لینے والے اور کاغذ لکھنے والے اور
اس پر گواہیاں کرنے والوں پر، اور فرمایا وہ
سب برابر ہیں۔

اور یہ عذر کہ خیرات کرے گا یا عمر و مسرف ہے محض اغوائے شیطانی ہے، اسراف اگر وہ کرے تو
گناہ اس پر ہوگا اس کا مال ضائع ہوگا دوسرے کو گناہ سے بچانے کے لئے خود اللہ ورسول سے لڑائی
مول لینا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی لعنت قبول کرنا عقل و دین سے کیا علاقہ رکھتا ہے
اور خیرات کا عذر تو اور بھی بدتر ہے خیرات کرنے کے لئے حرام مال لینا اس عورت کے مثل ہے جو تصدق
کے لئے اجرت پر زنا کرے کہ خیرات کرے گی۔ ردالمحتار میں ہے:

کمطعمۃ الایتام من کد فرجھا ۛ لک الویل
لاتزنی ولا تصدق بک
جیسے وہ عورت کہ اپنی فرج کی کمائی سے یتیموں کو
کھانا دے، تیری خرابی ہو نہ زنا کر نہ خیرات دے۔

لہ القرآن الکریم ۲/۴۹-۲۷۸

لہ المستدرک للحاکم کتاب البیوع دار الفکر بیروت ۳۷/۲
لہ صحیح مسلم کتاب المساقاة والمزارعة باب الربو قدیمی کتب خانہ کراچی ۲۷/۲
لہ ردالمحتار

بلکہ خالد کی سعادت یہ ہے کہ اس کے باپ نے جس قدر سود لیا ہے وہ بھی واپس دے اگر اللہ تعالیٰ سے ڈرتا اور حد و شرع میں رہنا چاہتا ہے تو راہ یہ ہے اور ہدایت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۹۴۲ء سے از مقام ممبئی سینارام بلڈنگ کوٹھی صاحب عبداللہ علی رضا صاحب مسئلہ سرور خاں

۱۳ محرم الحرام ۱۳۶۴ھ

مصدر فیض و حسنات مکرم و معظم بندہ اعلم حضرت مولانا قبلہ دام ظلکم، السلام علیکم!

برادر محمد عبدالعزیز خاں نے کلکتہ سے آنجناب سے جان کے بیمہ کی نسبت دریافت کیا تھا، آنجناب نے ناجائز کا فتویٰ دیا، مذکور فتویٰ کو انھوں نے میرے پاس بھیج دیا دیکھنے سے معلوم ہوا کہ سوال ان کا ناقص ہے دوبارہ بغرض تحقیق مسئلہ مذکورہ مفصلاً پیش ہوتا ہے، امیدوار جواب باصواب ہوں۔

ایک بیمہ کمپنی میں جس کے مالک و مختار سب کے سب نصرانی المذہب ہیں علاوہ دریا و آگ کے بیمہ کے جان کا بیمہ بھی ہوتا ہے، صورتیں اس کی متفرق ہیں؛

پہلی صورت میں تمام عمر ایک مقررہ فی بیمہ اتارنے والا کمپنی مذکورہ کو تمام عمر ہر سال دیتا رہے اور اس کے مرنے کے بعد اس کے وارثوں کو بیمہ کی رقم دی جاتی ہے مثلاً تیس سال کی عمر کے شخص نے ہزار روپیہ کی رقم کے لئے اپنا بیمہ اتارا تو سالانہ فیس اس کو اٹھائیس روپیہ دینا پڑے گا اور اس کے مرنے کے بعد کمپنی اس کے وارثوں کو پورا ایک ہزار دے دے گی مثلاً آج کسی شخص نے بیمہ کمپنی سے معاہدہ کیا اور پہلے سال کی فیس دی اس کے بعد دو مہینہ یا دو سال یا چار سال کے بعد مر گیا تو بیمہ کی پوری رقم ایک ہزار روپیہ اس کے وارثوں کو مل جائے گی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ معدود فی فقط چند سال تک سال ہر سال کمپنی مذکورہ کو دیتا رہا اور اس کے مرنے پر اس کے وارثوں کو بیمہ کی رقم پوری ایک ہزار روپیہ دی جائیگی، یہ پہلی صورت سے اچھی ہے، چند سال فی بھرنے کے بعد بھرنا نہیں ہوتا ہے مثلاً ایک شخص کی عمر تیس سال ہے اور ساٹھ سال کی عمر تک کمپنی کو سالانہ ساڑھے تیس روپیہ فیس دیتا رہے اور پھر نہ دے تو اس کے وارثوں کو بعد موت بیمہ کی رقم دی جائے گی، اگر بیمہ اتارنے والا قبل مدت کے مر گیا تو بیمہ کی طرف اس کے وارثوں کو پوری رقم بیمہ کی ایک ہزار روپیہ دی جائے گی۔

تیسری صورت، کوئی شخص جو بیمہ اتارتا ہے وہ آئندہ اپنے بڑھاپے میں مثلاً پچیس سال یا ساٹھ سال یا باسٹھ سال کی عمر کو پہنچنے کے بعد بیمہ کی ہوتی رقم خود وصول کرنا چاہتا ہے اس عمر تک بیمہ اتارنے والا زندہ رہا تو رقم مذکورہ اسی کو ملے گی ہر بڑھاپے عمر کی فیس جدا ہے مثلاً تیس سال کی عمر کا شخص ساٹھ سال

کی عمر کو پہنچنے کے بعد ایک ہزار چاہتا ہے تو سالانہ اس کی فیس ساڑھے چونتیس روپے ہے اگر وہ زندہ رہا تو سالانہ اس کو فیس مذکورہ دینا ہوگا اور اس کو ساٹھ سال کی عمر میں بیمہ کی رقم ایک ہزار ملے گی اس درمیان میں بیمہ اتارنے والا مر گیا تو پوری رقم بیمہ کی ایک ہزار روپیہ اس کے وارثوں کو مل جائے گی۔

چوتھی صورت، یہ صورت تیسری صورت سے ملتی جلتی ہے، فرق یہ ہے کہ اس صورت میں بیمہ اتارنے والے کو فقط بیس سال تک فیس دینی پڑتی ہے اس کے بعد پھر دینا نہیں پڑتا اس کی فیس تیسری صورت سے ذرا زیادہ ہے مثلاً تیس سال کی عمر کا شخص ساٹھ سال میں ایک ہزار روپیہ چاہتا ہے تو اس کو سالانہ بیالیس روپیہ دینا ہوگا بیس سال کے بعد پھر دینا نہ ہوگا جب وہ ساٹھ سال کی عمر کو پہنچے گا تو کمپنی اس کو بیمہ کی رقم دے دیگی یعنی مبلغ ایک ہزار روپیہ، اس اثنا میں وہ مر گیا تو اس کے وارثوں کو پورا ایک ہزار روپیہ مل جائے گا۔ کوئی شخص مذکورہ بالا صورتوں کا بیمہ لینے کے بعد چند سال بیمہ کی فیس دیتا رہا اس کے بعد دینا چاہے یا دے نہ سکا اور کمپنی سے روپیہ جو بھرا ہے واپس چاہتا ہے تو فقط نصف رقم فیس ادا کر دے اس کو ملے گی مثلاً دس سال تک دیتا رہا اندازاً جملہ چار سو ہو یا زیادہ ہو یا کم ہو اب وہ کمپنی سے اپنا معاہدہ منسوخ کر اگر جو روپیہ بھرا ہے واپس چاہتا ہے تو فقط نصف رقم چار سو کی رقم ملے گی اگر واپس نہ چاہا تو مدت مقررہ گزرنے پر جس کو وہ انتخاب کیا ہو بوقت معاہدہ بیمہ کی رقم بالمشابہ ملے گی مثلاً چوتھی صورت کا بیمہ کسی نے لیا پانچ سال تک فی دیتا رہا اس کے بعد دے نہ سکا یا دینا نہ چاہا تو اس کو پورا رقم کی دے کی رسید ملے گی یعنی ۲۵۰ روپیہ اس کو یا تو بشرط حیات ساٹھ سال کی عمر میں مذکورہ روپیہ ۲۵۰ ملے گا یا بعد موت اس کے وارثوں کو ملے گا بیمہ کی فیس جدا جدا ہے جتنی عمر کم ہوگی اتنی فیس کم ہوگی بڑی عمر کے لئے زیادہ فیس ہے یہ حساب بیمہ اتارنے کے وقت کیا جاتا ہے اور بیمہ اتارنے کے وقت جو عمر رہتی ہے اس کی فیس تمام عمر یا بڑھاپے کی عمر تک بھرنا ہوگا جس کو وہ پسند کرے۔ بالا مذکور صورتوں سے روپیہ جمع کرنا اور بیمہ کمپنی سے معاہدہ کرنا اور کمپنی مذکورہ سے وصول کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ سائل حنفی المذہب ہے لہذا فتویٰ بھی اسی مذہب پر ہو۔ والسلام

الجواب

یہ بالکل قمار ہے اور محض باطل کہ کسی عقد شرعی کے تحت میں داخل نہیں، ایسی جگہ عقد و فاسدہ بغیر عذر کے جو اجازت دی گئی وہ اس صورت سے مقید ہے کہ ہر طرح ہی اپنا نفع ہو اور یہ ایسی کمپنیوں میں کسی طرح متوقع نہیں لہذا اجازت نہیں کما حقہ المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیو (جیسا کہ محقق علی الاطلاق نے فتح القدیو میں تحقیق فرمائی۔ ت) واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۹۵ از موضع درو ضلع سیپہ بھیت مرسلہ عبدالعزیز خاں صاحب ۳ رجب ۱۳۱۸ھ
 کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ فروخت غلہ سببہ ساتھ نقصان نرخ کے بشرط ادائیگی
 وقت خرمن گاہ جس طرح کہ فی زمانہ زمیندار کیا کرتے ہیں مثلاً اسامی نے تخم واسطے کاشتکاری زمیندار سے
 طلب کیا اس نے نرخ سے دو تین سیر کم کر کے دے دیا اور اس کی قیمت اس کے ذمہ واجب الادا کر کے
 وقت بٹائی کے وصول کر لیا خواہ روپیہ لے لیا یا اناج جس کو ہندی میں بیج کھا دکتے ہیں آیا اس قسم کی بیع
 جائز ہے یا ناجائز؟ بیٹو اتوجروا۔

الجواب

قرضوں نرخ موجود سے کم بیچنے میں مضائقہ نہیں جبکہ باہم تراضی ہو مگر یہ ضرور ہے کہ نرخ و قیمت و
 وعدہ ادا کے قیمت سب وقت بیع معین کر دئے جائیں اور غلے کے بدلے غلہ نہ بیچے مثلاً بارہ سیر کا بک رہا ہے
 اس نے دس من غلہ دس سیر کے حساب سے دو مہینے کے وعدے پر چالیس روپے کو بیچا کوئی حرج نہیں اور
 اگر یہ ٹھہرا کہ غلہ اتنے غلے کے عوض بیچا جو آج کے بھاؤ سے اتنے روپوں کا فصل پر ہو تو حرام اور سود ہے
 یونہی وقت خرمن گاہ کا وعدہ بھی بیع میں جائز نہیں ہے اگر عقد بیع میں یہ میعاد مذکور ہوگی بیع فاسد و
 گناہ ہوگی، ہاں اگر نفس عقد میں قرضوں کا ذکر نہ تھا پھر قرار پایا کہ یہ روپے جو مشتری پر لازم آئے وقت خرمن
 ادا کئے جائیں گے تو جائز ہے۔

در مختار میں ہے کہ بیع اس ثمن کے بدلے صحیح نہیں
 جس کی میعاد حاجیوں کے آنے یا کھیت کاٹنے
 یا غلہ کا ہننے یا انگور توڑنے کے ساتھ مقرر کی گئی
 ہو کیونکہ یہ اوقات مقدم و موخر ہوتے رہتے ہیں
 ہاں اگر ان اوقات کا ذکر کئے بغیر بیع کی پھر ثمن دین
 کو ان اوقات کے ساتھ موصول کر دیا تو مدت مقرر
 کرنا صحیح ہے جیسا کہ کوئی شخص اوقات مذکورہ تک
 ضامن ہے کیونکہ تھوڑی سی جہالت دین اور ضمانت
 میں قابل برداشت ہے اھ مختصراً (ت)

فی الدر المختار لا یصح البیع بشمت
 مؤجل الی قدوم الحاج والحصاد
 للزرع والدیاس للحب والقطاف للعنب
 لانہا تتقدم وتتأخر ولوباع مطلقاً عن
 ہذہ الأجال ثم اجل الثمن الدین
 الیہا صح التأجل کما لو کفل الی ہذہ
 الاوقات لان الجہالت الیسیرۃ متحملۃ
 فی الدین والكفالة اھ مختصراً۔

پھر بہر حال یہ اس سے انھیں قرار یافتہ روپوں کے لینے کا مستحق ہوگا وقتِ فرمن جبر نہیں کر سکتا کہ اب اس وقت کے بھاؤ سے اتنے روپوں کا جو غلہ ہوا وہ دے یہاں تک کہ اگر عقد میں یہ شرط کر لی تھی کہ چالیس روپے زرِ ثمن کے عوض فصل پر جو بھاؤ ہوگا اس کے حساب سے غلہ لیا جائیگا تو بیع فاسد و حرام ہو جائے گی

فساد الشرط و صفقتین في صفقة و
الاقتراق عن دين بدین فی ما شرط
من معاوضة الثمن بالحب مع جهالة
قدر المبيع فی هذه المعاوضة۔

کیونکہ اس میں فسادِ شرط، ایک سوٹے میں دو سوٹوں کا اجتماع اور جدا ہونا ہے دین سے دین کے بدلے میں اس چیز میں جو اس نے وقتِ فرمن پر معاوضہ ثمن کی شرط لگائی باوجودیکہ اس معاوضہ میں بیع کی مقدار مجہول ہے (ت)

ہاں اگر فصل پر مشتری کے میرے پاس روپیہ نہیں آج کے نرخ بازار سے کہ فریقین کو معلوم ہے ان روپوں کے بدلے غلہ لے لو تو جائز ہے کما نص علیہ العلماء و بیناہ فی فتاوانا (جیسا کہ اس پر علماء نے نص فرمائی ہے اور ہم نے اس کو اپنے فتاویٰ میں بیان کیا۔ ت)

مسئلہ ۱۹۶ مرحلہ وحید الدین صاحب محلہ اردو بازار بھاگلپور سٹی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندوستان دارالاسلام ہے یا دارالحرب اور دونوں کی تعریفیں کیا ہیں، ہندوستان میں غیر اقوام سے سود لینا جائز ہے یا نہیں؟ جو شخص سود لیتا ہے یا سودی تمسکات کی تحریر کی اجرت سے اپنی اوقات گزارتی کرتا ہو ایسے شخص کے یہاں کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

الجواب

ہندوستان دارالاسلام ہے، دارالاسلام وہ ملک ہے کہ فی الحال اس میں اسلامی سلطنت ہو یا اب نہیں تو پہلے تھی، اور غیر مسلم بادشاہ نے اس میں شعائرِ اسلام مثل جمعہ و عیدین و اذان و اقامت و جماعت باقی رکھے اور اگر شعائرِ کفر جاری کئے اور شعائرِ اسلام یک لخت اٹھا دئے اور اس میں کوئی شخص امان اول پر باقی نہ رہا اور وہ جگہ چاروں طرف سے دارالاسلام سے گھری ہوئی نہیں تو دارالحرب ہو جائے گا جب تک یہ تینوں شرطیں جمع نہ ہوں کوئی دارالاسلام دارالحرب نہیں ہو سکتا۔ سود لینا نہ مسلمان سے حلال ہے نہ کافر سے۔ سود خور اور تمسک لکھنے والا اور اس پر گواہی کہنیوالے سب ایک حکم میں ہیں، جو کھانا سامنے لایا اگر معلوم ہو کہ یہ بعینہ سود کا ہے تو اس کا کھانا حرام اور اگر سود کاروپیہ دکھا کر یا پہلے دے کر اس کے عوض کھانے کی چیز خریدی جب ناجائز ہے ورنہ ناجائز

نہیں مگر ایسے لوگوں سے اخلاط نامناسب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم
 مسئلہ ۱۹۷۰ از گودنا ڈاکخانہ یو لگنج ضلع سارن مدرسہ حمیدیہ مدرسہ نقشبندی عبد الحمید صاحب ناظم مدرسہ مذکورہ
 ۱۸ شوال ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں بزرگ فضلار کہ کیا ہندوستان
 میں اہل حرب سے سود لینا جائز ہے؟ چاہے
 وہ ہندو ہوں یا نصرانی ہوں یا ان کے علاوہ جن کا
 ذمہ ہم پر لازم نہیں (یعنی ذمی نہیں)۔ (ت)

ما یقول السادة الفضلاء هل يجوز اخذ
 الربا عن اهل الحرب في
 الهند سواء كانوا هندوا ام نصرانيين او
 غيرهم ممن لا ذمة لهم علينا۔

الجواب

ہندوستان الحمد للہ دار الاسلام ہے کیونکہ اس
 میں بہت سے شعائر اسلامی باقی ہیں اور جب
 تک ان شعائر اسلامیہ کا تعلق باقی رہے دار الاسلام
 دار الاسلام ہی رہتا ہے اس لئے کہ اسلام غالب
 ہوتا ہے مغلوب نہیں ہوتا۔ رہا سود کا لینا تو وہ
 نصوص تحریم کے اطلاق کی وجہ سے مطلقاً حرام ہے
 اور فقہار کرام نے جو دار الحرب میں زیادہ لینے کے
 جواز کا ذکر کیا ہے وہ سود کے قبیلہ سے نہیں ہے
 کیونکہ سود مال معصوم میں ہوتا ہے اور اہل حرب
 کا مال معصوم نہیں یہاں تک کہ اگر اہل حرب
 میں سے کوئی شخص وہاں ہی مسلمان ہوا اور ہجرت
 کر کے ہماری طرف دار الاسلام میں نہیں آیا
 تو اس کا مال لینا مال مباح کا لینا ہے نہ کہ سود
 کا لینا۔ اسی لئے محققین فرماتے ہیں کہ دار الحرب
 میں کوئی سود نہیں، یوں نہیں فرماتے کہ وہاں سود

الهند بحمدہ تعالیٰ دار الاسلام لبقاء
 کثیر من شعائر الاسلام وما بقی
 علقۃ منها تبقى دار الاسلام
 دار الاسلام لان الاسلام یعلو ولا یعلیٰ
 اما اخذ الربا فانه لا یجوز
 مطلقا لاطلاق نصوص التحريم
 وما ذکرنا من جواز اخذ الفضل
 فی دار الحرب فلیس من باب الربا
 فی شئ لان الربا انما یكون فی مال معصوم
 ومال اهل دار الحرب غیر معصوم حتی
 من اسلم منهم ثمنه ولم یہاجر
 الینا فاخذ ذلك اخذ مال مباح
 لا اخذ ربا، ولذا یقول
 المحققون لاسیما فی دار الحرب
 لانه یجوز اخذ الربا فیها

لینا جاتا ہے جیسا کہ وہ فرماتے ہیں کہ مالک اور اس کے غلام کے درمیان کوئی سود نہیں، نذیبہ کہ مالک کا غلام سے سود لینا جاتا ہے، اس پر سود کا اطلاق محض صورت کے اعتبار سے ہے اور احکام تو حقائق کے لئے ہوتے ہیں نہ کہ صورت کے لئے، اور یہ حکم مذکور ہر حربی غیر مستامن کو شامل ہے اگرچہ وہ دارالاسلام میں ہو کیونکہ اس حکم کا دار و مدار مال کے معصوم نہ ہونے پر ہے اور وہ (عدم عصمت) تمام غیر مستامن حربیوں کو شامل ہے چنانچہ ہم پر ان کے ساتھ سوائے دھوکا بازی کے کچھ حرام نہیں اور جب تو دھوکا بازی سے اعراض کرتے ہوئے ان کا مال جس عقد کے نام سے چاہے لے تو بیشک تو نے مال مباح لیا اس میں تجھ پر کوئی مواخذہ نہیں جیسا کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غلبہ روم کے بارے میں کفار مکہ سے شرط لگائی اور نبی اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی اجازت سے اس شرط پر کفار مکہ کا مال لے لیا کیونکہ ان کا مال معصوم نہیں ورنہ تو یہ جو ہے جو کہ حرام ہے۔ اس باب میں یہ قاعدہ کلیہ ہے جس نے اس کو مستحکم کر لیا اس پر جزئیات کا استخراج آسان ہو گیا اور ہم نے اپنے فتاویٰ میں اس پر مفصل گفتگو کی ہے، ہاں یہاں دو باریک باتیں ہیں جن پر متنبہ ہونا ضروری ہے، پہلی بات یہ ہے کہ تہمت کی جگہوں سے بچنا چاہئے۔ جس شخص نے اعلانیہ طور پر حربیوں سے زیادتی مال وصول کی اور

كما يقولون لا بأس بين السيد و عبده
لا انه يجوز للسيد اخذ الربا من
عبده فانما اطلق عليه اسم
الربا نظرا الى الصورة وانما الاحكام
للحقايق وهذا الحكم يعم كل
حربي غير مستامن ولو في دار
الاسلام لان المناط عدم العصمة
وهو يشملهم جميعا فلا يحرم
علينا معهم الا الغدر فاذا
جاؤنا منه واخذت منهم
ما اخذت باسم اى عقد اردت
فقد اخذت ما لا مباحا لا تبعة
عليك فيه كما ساهت الصديق
الاکبر عليه الرضوان الاكبر
كفار مكة في غلبة الروم واخذ
مالهم باذنه عليه وعلى اله
افضل الصلوة والسلام فانما
جانر لعدم العصمة والالكان
كما ساهما فهدا هو الاصل
المطرد في هذا الباب ومن اتقنه يسر
عليه استخراج الجزئيات وقد
فصلنا القول فيه في فتاوانا نعم هنا
دقيقتان يجب التنبيه لهما الاولى
ينبغي التحرز عن مواقع التهم
ممن جا هرباخذ الفضل منهم

بالنية الصحيحة المذكورة انما ياخذ حلالا ولكن يتهمه العوام باكل الربا فينبغي التحرز عنه لذوى الهيات في الدين والثانية ان من الصور المباحة ما يكون جرما في القانون ففي اقتحامه تعريض النفس للاذى والاذلال وهو لا يجوز فيجب التحرز عن مثله وما عدا ذلك مباح سائغ لاحجر فيه، نعم من اخذ منهم الفضل ونوى اخذ الربا فهو الذى قصد المعصية وانما الاعمال بالنيات ولكل امرئ ما نوى، كما نصوا عليه في من تعد النظر من بعيد الى ثوب موضوع في الطاق ظنا منه انها امرأة اجنبية حيث ياشم بما قصدوا ان كان النظر الى الثوب مباحا في نفسه، وهو سبحانه وتعالى اعلم.

نیت اس کی صحیح ہے جس کا ذکر ہوا تو بیشک وہ حلال مال لیتا ہے لیکن عوام اس پر سود کھانے کی تہمت لگاتیں گے لہذا دینی اعتبار سے صاحب حیثیت لوگوں کو اس سے اجتناب کرنا چاہئے۔ دوسری بات یہ ہے کہ مباح صورتوں میں سے بعض قانونی طور پر جرم ہوتی ہیں ان میں ملوث ہونا اپنی ذات کو اذیت و ذلت کے لئے پیش کرنا ہے اور وہ ناجائز ہے، اس طرح کی صورتوں سے بچنا ضروری ہے اور اس کا مساوا مباح و جائز ہے اس میں کوئی ممانعت نہیں، ہاں جس نے جہول سے زیادہ مال بنیت سود لیا تو اس نے گناہ کا قصد کیا اور اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے ہر شخص کے لئے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی جیسا کہ فقہاء کرام نے اس شخص کے بارے میں اس پر نص کی ہے جس نے طاق میں رکھے ہوئے کپڑے کو دور سے غیر محرم عورت سمجھتے ہوئے قصد اس کی طرف نظر کی کیونکہ اس نے اپنے قصد میں گناہ کیا اگرچہ کپڑے کو دیکھنا فی نفسہ مباح ہے۔ (ت) و هو سبحانه وتعالى اعلم۔

مسئلہ ۱۹۸ از لکھنؤ بازار جہاؤ لال مکان، ۳ مستولہ سید عزیز الرحمن ۱۱ رمضان ۱۳۳۹ھ ما قولکم رحمکم اللہ (آپ کا کیا فرمان ہے اللہ آپ پر رحم کرے۔ ت) ربا کی حرمت نصوص صریحہ سے ثابت ہے مگر قرآن مجید میں ربا کی کوئی تفسیر نہیں کی گئی، ایام جاہلیت میں جو ربا عام طور پر شائع تھا وہ یہ تھا کہ لوگ ایک دوسرے سے ميعاد معينہ پر قرض لیتے تھے اور ميعاد

گزر جانے پر دیون راس المال پر اضافہ گوارا کرتا یا پہلے ہی سے دونوں میں معاہدہ ہو جاتا تھا اسی راس المال پر اس افزائش کو اضافہ کر کے پھر اس پر سود لگایا جاتا تھا جیسا کہ اس زمانے میں مہاجری کا طریقہ ہے اس صورت کے حرام ہونے میں کوئی شبہ نہیں مگر اب اس زمانے میں معاملات کی نئی صورتیں پیدا ہو گئی ہیں جیسے بینک یا لائف انشورنس کمپنی یا ریلوے اور ملوں کے حصے وغیرہ جو تاجرانہ کاروبار کرتے ہیں ان میں جو شخص روپیہ جمع کرتا ہے وہ درحقیقت قرض نہیں دیتا اور جو نفع اس کو ملتا ہے وہ درحقیقت سود نہیں ہوتا بلکہ وہ اس تجارت میں ایک گونہ شرکت ہے اور جو سود مقرر ہوتا ہے اگرچہ وہ بلفظ سود ہو مگر درحقیقت سود نہیں ہے بلکہ وہ اس کاروبار کا نفع ہے جو منع ہوتا ہے اور قرآن مجید میں کہیں منع نفع کی حرمت وارد نہیں اور نہ اس کی کوئی وجہ معلوم ہوتی ہے اس واسطے کہ جو شخص تجارتی حساب سمجھنے کی اہلیت نہ رکھتا ہو اس کو بغیر اس کے چارہ نہیں ہے کہ وہ فیصدی تین یا پانچ روپیہ پہلے سے منع کر کے لیا کرے خصوصاً اس زمانے میں جب کہ کروڑوں روپیہ کے شرکت سے تجارتی کاروبار کھولے جاتے ہیں اور شرکار کی جانب سے ڈائریکٹروں کی جانت کاروبار چلانے اور حساب و کتاب رکھنے اور منافع مشخص کرنے اور ریزرو فنڈ (محفوظ) کے قائم رکھنے کے لئے مقرر کئے جاتے ہیں جو درحقیقت ان شرکار کی طرف سے وکیل ہوتے ہیں تو جو منافع بعد پس انداز کرنے ریزرو فنڈ کے ان وکیلوں نے تجویز کیا ہو وہ سود نہیں ہو سکتا اور نہ ایسے کاروبار میں روپیہ داخل کرنے کو قرض کہا جاتا ہے علاوہ اس کے ربا کی حرمت کی جو علت آیہ کریمہ لا تظلمون ولا تظلمون (نہ تم ظلم کرو اور نہ ظلم کئے جاؤ۔ ت) میں بیان فرمائی گئی ہے وہ اس پر کسی طرح صادق نہیں آتی۔ ضرورت ہے کہ علمائے کرام اس پر غور فرما کر جو اب تحریر فرمائیں تاکہ اس زمانہ میں مسلمان جس کشمکش میں مبتلا ہیں اس سے نجات پائیں۔

الجواب

یہاں چار ہی صورتیں متصور ہیں، کام میں لگانے کے لئے یہ روپیہ دینے والا بغرض شرکت دیتا ہے یا بطور ہبہ یا عاریتہ یا قرض۔ صورت ہبہ تو یہاں بدیہتہ نہیں اور شرکت کا بطلان اظہر من الشمس، شرکت ایک عقد ہے جس کا مقتضی دونوں شرکیوں کا اصل و نفع دونوں میں اشتراک ہے ایک شریک کے لئے معین تعداد زر مقرر کرتا قاطع شرکت ہے کہ ممکن کہ اسی قدر نفع ہو تو کلی نفع کا یہی مالک ہو گیا، دوسرے شریک کو کچھ نہ ملا تو ربح (نفع) میں شرکت کب ہوتی۔ جو ہرہ نیرہ و تنویر الالبصار میں ہے،

الشركة عبارة من عقد بين شركة نام ہے اصل و نفع میں دو شریک ہونے والوں

کے درمیان عقد کا، تنزیہ و شرح مدقی علائی۔
(ت)

شرکت عقد کی شرط اس چیز کا نہ پایا جانا ہے جو شرکت کو قطع کرے جیسے دو شرکیوں میں سے ایک کے لئے نفع میں سے معین درہوں کی شرط کیونکہ کبھی ان معینہ درہوں کے علاوہ کوئی نفع ہی نہیں ہوتا اور شرکت عقد کا حکم نفع میں شرکت ہے۔ (ت)

اگر ایک سرمایہ سے تجارت ہوئی پھر اس میں سو حصہ دار اور شریک ہوئے اور ہر ایک کیلئے دس دس روپے نفع کے لینے ٹھہرے اور اس سال ایک ہی ہزار کا نفع ہوا تو یہ ہزار تنہا ہی سو حصہ دار لیں گے یہ شرکت نہیں لوٹ ہے، شرکت کا مقصد یہ ہے کہ جیسے نفع میں سب شریک ہوتے ہیں نقصان ہو تو وہ بھی سب پر ہر ایک کے مال کی قدر پڑے۔ ردالمحتار میں ہے:

پھر کے، جو بھی نفع ہو گا وہ دونوں کے درمیان ان کے سرمائے کی مقدار کے حساب سے ہو گا یوں ہی حکم نقصان کا بھی ہو گا اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ سرمائے کی مقدار کے خلاف نقصان کی شرط لگانا باطل ہے اور نفع میں تفاوت کی شرط لگانا صحیح ہے اس کی دلیل ہم عنقریب ذکر کریں گے۔ (ت)

یہاں اگر نقصان ہو جائے بھی ان حصہ داروں کو اس سے غرض نہ ہوگی وہ اپنے ہزار روپے لے چھوڑیں یہ شرکت ہوئی یا غصب، اصل مقتضایہ شرکت عدل و مساوات ہے قال اللہ تعالیٰ فہم شریکاء فی الثلث

المتشاریکین فی الاصل والربح، تنزیہ و شرح مدقی علائی۔
ردمختار میں ہے:

شرطها ای شركة العقد عدم ما یقطعها کشرط دراهم مسماة من الربح لاحدهما لانه قد لا یربح غیر المسمى و حکمها الشركة فی الربح

ثم یقول فما کان من ربح فهو بینہما علی قدر رؤس اموالہما وما کان من وضیعة او تبعة فکذلک ولا خلاف ان اشتراط الوضیعة بخلاف قدراس المال باطل و اشتراط الربح متفاوتا صحیح فیما سید ذکر۔

۳۷۰/۱	مطبع مجتہبائی دہلی	کتاب الشركة	۱۷ درمختار شرح تنزیہ الالبصار
۳۷۱/۱	"	"	۱۸ درمختار
۳۷۲/۲	دار احیاء التراث العربی بیروت	"	۱۹ ردالمختار
			۲۰ القرآن الکریم ۱۲/۲

(اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ، وہ سب ترکہ کے تیسرے حصہ میں شریک ہیں ۔ ت) فرض کیجئے کہ اصل سرمایہ ان سو حصوں سے دوچند تھا اور اس سال پندرہ سو روپے کے نفع ہوئے تو یہ نصف والے ایک ہزار لیں گے اور دوچند والوں کو صرف پانسو ملیں گے ، آدھے کو دو نا اور دو نے کو آدھا ، یہ عدل ہو یا صریح ظلم ۔ بالجملہ اس عقد مختصر سے کوئی علاقہ نہیں ، اب نہ رہے مگر عاریت یا قرض ، عاریت ہے جب بھی قرض ہے کہ روپیہ صرف کرنے کو دیا اور عاریت میں شے بعینہ قائم رہتی ہے ۔ درمختار میں ہے ،

عاسیۃ الثمنین قرض ضرورۃ استہلاک
عینہا
ثمنوں (سونے اور چاندی) کی عاریت قرض ہے
کیونکہ اس میں عین کو ہلاک کرنا لازم ہے (ت)

بہر حال یہاں نہیں مگر صورت قرض اور اس پر نفع مقرر کیا گیا یہی سود ہے اور یہی جاہلیت میں تھا ، حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ،

کل قرض جرم نفعۃ فہو س بئو
قرض پر جو نفع حاصل کیا جائے وہ ربا ہے ۔
قرآن کریم اس نفع منع کی تحریم سے ساکت نہیں خود سائل نے علت تحریم ربا تلاوت کی (لا تظلمون ولا تظلمون) (نہ تم ظلم کرو اور نہ ظلم کئے جاؤ ۔ ت) اور یہاں تظلمون و تظلمون دونوں ہیں ، ان مذکور صورتوں میں کہ ہزار ہی نفع کے ہوئے اور سب ان سو حصہ داروں نے لئے یا نفع کے پندرہ سو ہوئے اور نصف والوں نے دو نے لئے ، یہ ظالم ہیں اور وہ مظلوم ، اور اگر پانچ ہزار نفع کے ہوئے تو ان نصف والوں کو پانچواں حصہ ملا اور ان دوچند ہی والوں کو چہار چہند ، یہ مظلوم ہوئے اور وہ ظالم ، اور اگر یہ حصے سرمایہ سے تھے تو ظلم اشد ہے اور دو نے اور آدھے کو چار ۔ اب ایک صورت اگر یہ خیال کی جائے کہ اصل سرمایہ ان حصوں سے جدا نہ ہوا انھیں حصوں سے تجارت شروع ہوئی ، مثلاً سوا اشخاص نے سو سو روپے ملا کر دس ہزار سے تجارت کی اور ہر شریک کے لئے دس دس روپے نفع منع قرار پایا ۔ یہ صورت ظاہر کر دے گی کہ وہ قرار داد ظلم و جبریت تھا یا محض جہل و حماقت ۔ فرض کیجئے ایک سال پانچ ہی سو نفع کے ہوئے تو یہ سو پور دس دس کر کے کیسے بٹیں ، کیا پانسو کہیں سے غصب کر کے ملائے جائیں گے یا پچاس ہی کو دے کر

۱۵۶/۲

مطبع مجتہاتی دہلی

کتاب العاریۃ

لے درمختار

۲۳۸/۶

مؤسسۃ الرسالہ بیروت

حدیث ۱۵۵۱۶

لے کنز العمال

۲۷۹/۲

لے القرآن الکریم

پچاس کوڑے چھوڑ دئے جائیں گے اور وہ کون سے پچاس ہوں گے جن کو دیں گے اور وہ کون سے پچاس ہوں گے جن کو محروم رکھیں گے۔ فرض کیجئے دو ہزار نفع کے ہوئے تو دس دس بانٹ کر ہزار بچیں گے یہ کسی راہ چلتے کو دئے جائیں گے یا اسی تجارت میں لگا دئے جائیں گے، اگر اسی میں لگائیں گے تو سب کی طرف سے یا بعض کی طرف سے، ثانی میں وہ بعض کون ہوں گے اور ان کو کیوں زیادہ ملا اور اول پر سب کو بیس بیس ملے اور ٹھہرے سقے دس دس خلاف قرار داد عقد کیونکہ ہوا۔ لاجرم عقل ہو تو یہی ماننا پڑے گا کہ جس سال ہزار نفع کے ہوں گے سب دس دس پائیں اور پانسو تو سب پانچ پانچ اور دو ہزار تو سب بیس بیس، اور کچھ نہ ہو تو کوئی کچھ نہیں، اور نقصان ہو تو سب پر حصہ رسد۔ یہی عدل ہے اور یہی مقتضائے شرکت اور یہی شرکت شرعیہ، اور وہ نفع منع رجماً بالغیب ٹھہرا لینا محض جہل و حماقت تھا بابلجہ شرع مطہر سے آنکھ بند کرنا شرعی ہی لاتا ہے، خیر ہمہ تن خیر وہی ہے جو شرع مصطفیٰ ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

مسئلہ ۱۹۹ از جالندھر محلہ راستہ متصل مکان ڈپٹی احمد جان صاحب مرسلہ محمد احمد خان صاحب

۲۰ شوال ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں ایک شخص کو سرکاری بنک گھر سے اس کے روپوں کا سود آتا ہے آیا یہ شخص سرکار سے سود لے لے اور آپ نہ کھائے اور محتاج اور غریبوں کو تقسیم کر دیا گئے یا کسی مفلس تنگ دست کے گھر جس کو پانی کی قلت ہو کنواں لگوادے آیا وہ شخص از روئے شرع شریف سود خوروں اور گناہگاروں میں شمار تو نہ ہو گا اور ان مفلسوں اور محتاج گھروالوں کے واسطے نقد وغیرہ اس سود سے یعنی اور اس کو کنویں کا پانی پینا درست ہے یا نہیں؟ بحوالہ کتب معتبرہ بیان فرمائیں۔

الجواب

سود لینا مطلقاً حرام ہے،

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے

قال اللہ تعالیٰ وحرم الربو، وقال تعالیٰ

سود کو حرام کیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ

وذروا ما بقی من الربو

چھوڑ دو جو باقی رہا ہے سود سے (ت)

تو یہ شخص جس نے سود کی نیت سے لیا اپنی نیت فاسدہ پر گناہگار ہوا، ہاں جبکہ وہ روپیہ پر ضامنہ دی گورنمنٹ حاصل کیا اور گورنمنٹ کی طرف سے یا اس سے لینے والوں کو کسی ضرر کے پہنچنے کا اندیشہ نہیں

توفر اور وغیرہ اسے نہ یہ سمجھ کر کہ سود کاروپہ ہے بلکہ یہ جان کر کہ از خزانہ برضائے حاکم وقت حاصل ہوا ہے لے سکتے ہیں ان کے لئے طیب و حلال ہے یونہی اس سے بنوایا ہوا گنواں،
 کما فصلناہ فی فتاویٰنا المسألة مسألة
 النظر المنصوص علیہ من الدر وغیرہ
 من الاسفار الغر۔
 جیسا کہ اس کو ہم نے اپنے فتاویٰ میں مفصل
 بیان کیا ہے، یہ مسئلہ اپنے حق کو کسی طریقے
 سے حاصل کر لینے میں کامیابی کا مسئلہ ہے جس
 پر دروغ وغیرہ کتابوں میں اس پر نص کی گئی ہے (ت)

واللہ سبحنہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم حکمہ احکم۔

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کہتا ہے کہ میں نے ڈاکخانہ میں
 روپیہ جمع کیا مگر میرا ارادہ سود لینے کا نہ تھا بلکہ میں نے منع کیا کہ سودی نہ جمع کرنا بعد کو جب عرصہ ہو گیا
 تو میں روپیہ لینے کے واسطے ڈاکخانہ گیا تو اس نے مع سود روپیہ مجھ کو واپس دیا میں نے انکار کیا کہ میں سود
 نہ لوں گا، اس نے کہا کہ ہم بھی واپس نہیں کر سکتے سود تم کسی محتاج کو دے دینا، اس میں عالموں کی کیا
 رائے ہے اور شرع کا کیا حکم ہے؟ آیا وہ روپیہ محتاج کو دینا ثواب ہے یا نہیں؟ کیونکہ سرکار اس روپیہ
 کو واپس نہیں لیتی ہے اور ہمارے بھی کسی کام کا نہیں، اس حالت میں محتاج کو دیں یا کیا کریں؟ بیٹنوا
 توجروا۔

الجواب

جبکہ اس نے نہ سود لینا چاہا نہ اصلاً اس کا قرار دیا گیا بلکہ صراحتاً منع کر دیا، نہ اب سود لینا مقصود
 تو قرار کو پہنچانے کی نیت سے وہ روپیہ جو گورنمنٹ سے بلا غدر و عہد شکنی بلکہ بخوشی ملتا ہے لینا اور لے کر
 مساکین مستحقین کو پہنچا دینا ضرور موجب ثواب ہے،
 لان فیہ الاحسان بالمساکین، واللہ یحب
 المحسنین، وانما الاعمال بالنیات و
 انما لکل امرئ ما نوى، و
 قد قال صلی اللہ تعالیٰ علیہ
 کیونکہ اس میں مسکینوں پر احسان اور مستحقین کو ان
 کا حق پہنچانا ہے، اور اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں
 سے محبت فرماتا ہے، اور بیشک اعمال کا دار و مدار
 نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی کچھ ہے جس

لہ القرآن الکریم ۱۷۳/۳

۲/۱

قدیمی کتب خانہ کراچی

باب کیف کان بد الوجی

صحیح البخاری

وسلم من استطاع منك ان ينفع اخاه
فلينفعه۔ رواه مسلم عن جابر رضي الله
تعالى عنه۔ والله تعالى اعلم۔

کی اس نے نیت کی۔ اور تحقیق رسول اللہ صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے جو اپنے
بھائی کو نفع پہنچانے کی طاقت رکھتا ہو تو اس کو

چاہئے کہ وہ اپنے بھائی کو نفع پہنچائے۔ (اس کو امام مسلم نے سیدنا حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
سے روایت فرمایا۔ اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ ت)

مسئلہ ۲۰۱ از میر گنج مرسلہ ابو الحسن صاحب
۶ شعبان ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ سیونگ بینک یعنی ڈاکخانہ جات
سرکاری میں روپیہ جمع کرنا اور اس کا سود ۴ فیصدی جو حسب قاعدہ سرکاری جمع کنندہ کو ملتا ہے لینا
جائز ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

الجواب

سود مطلقاً حرام ہے قال اللہ تعالیٰ وحرم الربو (اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: حرام
کیا ہے اللہ تعالیٰ نے سود کو۔ ت) ہاں اگر کسی کا اپنا مطالبہ واجبہ یا مباحہ جائزہ زید پر آتا ہو اور
ویسے نہ ملے تو صرف بقدر مطالبہ جس طریقہ کے نام سے مل سکے لے سکتا ہے کہ اس صورت میں یہ اپنا حق
لیتا ہے نہ کہ کوئی چیز ناجائز، دینے والے کا اسے ناجائز نام سے تعبیر کرنا یا سمجھنا اسے مضرت ہوگا جبکہ اس کی
نیت صحیح اور حق جائز و واجب ہے واللہ یعلم السر و الخفی (اللہ تعالیٰ رازوں اور پوشیدہ باتوں کو جانتا
ہے۔ ت) اس امر میں مسلم و غیر مسلم سب کا حکم یکساں ہے بشرطیکہ غدر نہ کرے فتنہ نہ ہو۔

قال اللہ تعالیٰ والفتنة اکبر من القتل (اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فتنہ قتل سے بڑا گناہ)
واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۰۲ مرسلہ شیخ علامہ الدین صاحب از میر گنج لال کرتی ۱۳ شعبان المعظم ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے کچھ روپیہ بینک میں جمع کیا اس کے بعد اس کے
ورثہ سے عمرو نے اسے ناجائز جان کر بینک کو نوٹس دے دیا کہ میرا کل روپیہ دے دو۔ بینک والوں نے

صحیح مسلم کتاب السلام باب استجاب الرقیۃ من العین الخ
۲۲۴/۲ قیدی کتب خانہ کراچی
۲۷۵/۲ القرآن الکریم
۲۱۷/۲

اپنے ضابطہ کے موافق ایک سال میں دینے کا وعدہ کیا، عمرو کو روپیہ کی ضرورت ہوئی بنک سے منگایا، بنک والوں نے اسے قرض قرار دے کر دیا کہ عمرو کو عمرو کا روپیہ وہ اب بھی نہیں دیتے اب بعد تمام سال بنک والے اپنے اس قرض کا سود عمرو سے لیں گے اور عمرو کے روپیہ کا ابتداء سے سود اسے دیں گے وہ مقدار اس سے بہت زائد ہوگی جو وہ عمرو سے لیں گے تو بعد منہائی عمرو ہی کو زائد ملے گا لیکن عمرو قصد مصمم کر چکا ہے کہ نہ لونگا اس صورت میں اسے کہنا جائز ہو گا یا نہیں کہ ہم نہ سود لیں گے نہ دیں تم اپنے یہاں حساب کر لو۔ بیٹو! تو جروا۔

الجواب

اللهم لك الحمد (اے اللہ! تیرے لئے ہی حمد ہے۔ ت) شرع مطہر میں سود لینا مطلقاً اور بے ضرورت و مجبوری شرعی دینا بھی دونوں حرام ہیں مگر مال مباح جب بلا غدر و بے ارتکاب جرائم برضا مندی ملتا ہو تو اسے نہ بزہ نیت سود بلکہ اسی نیت مباح سے لینے میں حرج نہیں،

قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم
انما الاعمال بالنيات وانما لكل امرئ ما نوى وقد حققنا المسئلة بما لامزيد عليه بتوفيق الله تعالى في فتاونا۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیشک اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی اور ہم اس مسئلہ کی تحقیق اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اپنے

فتاویٰ میں اس انداز سے کر دی ہے کہ اس پر اضافہ کی ضرورت نہیں۔ (ت)

دینے والے کا اسے اپنے زعم میں سود سمجھنا اسے مضر نہ ہوگا جبکہ وہ نہ واقع میں سود نہ لینے والے کو سود مقصود،

الاتری الی قولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لکل امرئ ما نوى، فقد جعل كلا ونية و قال تعالیٰ لا یضركم من ضل اذا هتدیتم و قال تعالیٰ

کیا تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی طرف نہیں دیکھتا کہ ہر شخص کے لئے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی۔ تحقیق حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہر شخص کو اس کی نیت کے ساتھ چھوڑ دیا، اور اللہ تعالیٰ

۲/۱

قدیمی کتب خانہ کراچی

باب کیف کان بد الوحی

اصح البخاری

۲/۱

۱۰۵/۵ سورۃ القرآن الکریم

قل کل یعمل علی شاکلتہ^۱
 جبکہ تم خود ہدایت پر ہو۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے (میرے محبوب) آپ فرمادیں کہ ہر ایک اپنے طریقے پر عمل کرتا ہے۔ (ت)

مگر یہ اس صورت میں ہے کہ بنک میں کوئی مسلمان شریک نہ ہو، اور اگر مسلمان بھی حصہ دار ہوں تو ضرور ہے کہ یہ روپیہ جس قدر اسے زیادہ ملے گا اتنا یا اس سے زائد اس کا ان پر آتا ہو اس آتے ہوئے میں اس زیادت کو محسوب کر لے مثلاً اسی بنک سے پہلے بھی متعدد بار اس نے قرض لیا تھا جس کا سود سب بار کا پانسو روپے بنک کو پہنچ چکے ہیں اور اب اسے جو کچھ وہ بنام سود دینگے وہ اسی قدر یا اس سے کم ہے تو اسے لینا جائز ہے اور نیت اس آتے ہوئے کے واپسی کی کر کے جو قانوناً اس صورت کے سوا بلا رضامندی کے دوسری طرح واپس نہ لے سکتا تھا اور اگر وہاں مسلمان شریک ہیں اور اس کا پہلے سے کچھ نہیں آتا یا اس رقم سے جو اسے ملے گی کم آتا ہے اور وہ خواہی نخواستہ ہی اسے یہ زیادت دیں گے تو اسے اور مسلمانوں کی جانب سے لے جن سے ان لوگوں نے سود لیا تھا،

لانہم مامورون شرعاً بود ما اخذوا منہم
 الیہم وہم لایردون والمسلمون لایقدرون
 علی ان یستردوا فیکون ہذا عوناً لالاخوانہ۔
 کیونکہ اہل حرب مسلمانوں سے لیا مال انھیں واپس کرنے کے مامور ہیں حالانکہ وہ واپس نہیں کرتے اور مسلمان ان سے واپس لینے کی طاقت نہیں رکھتے تو اس طرح اسکے بھائیوں کی مدد ہوگی۔ (ت)

پھر جس قدر اپنا آتا تھا خود لے سکتا تھا باقی واجب ہے کہ فقرا پر تصدق کرے،
 لانہ سبیل کل مال صالح لایعلم مستحقہ
 کما فی الدر المنخار وغیرہ من معتمدات
 الاسفار۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔
 کیونکہ یہ سبیل ہے ہر مال صالح میں جس کا مستحق معلوم نہ ہو جیسا کہ در مختار وغیرہ قابل اعتماد کتابوں میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ت)

۲۰۳۰ ملکہ ملک بنگالہ ضلع نصیر آباد مرسلہ مولوی تمیز الدین صاحب ۸ ذیقعدہ ۱۳۲۲ھ
 کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اول سود کھاتا تھا اب اس نے توبہ کر لی کہ اب میں سود نہیں لوں گا اور نہ سود لیا پہلا جو مال اس کے پاس سودی ہے اس کا خرچ کرنا اپنے حوائج میں جائز ہے یا نہیں اور اس کے ورثاؤں کو وہ مال حلال ہے یا حرام؟

الجواب

سو میں جو مال ملتا ہے وہ سو دُخور کے قبضہ میں آکر اگرچہ اس کی ملک ہو جاتا ہے،

لان هذا هو حکم العقود الفاسدة و ذهل
الفاضل الشامی فی العقود الدریة۔
کیونکہ عقود فاسدہ کا یہی حکم ہے اور علامہ فاضل
شامی سے عقود دُریہ میں بھول ہوئی۔ (ت)

مگر وہ ملک غنیمت ہوتی ہے اس پر فرض ہوتا ہے کہ ناپاک مال جن جن سے لیا ہے انہیں واپس دے وہ نہ رہے
ہوں تو ان کے وارثوں کو دے وہ بھی نہ ملیں تو تصدق کر دے، بہر حال اپنے حوائج میں اسے خرچ کرنا حرام
ہوتا ہے اگر اپنے خرچ میں لائے گا تو وہ اب بھی سو دکھا رہا ہے اور اس کی توبہ جھوٹی ہے،

لانہ لم یندم علی الماضي و ما ترک فی الاقی
ولم یسح الباقی فلم یوجد شیئ من اس کان
التوبة۔
کیونکہ وہ گزشتہ پر نادم نہیں ہوا اور آئندہ کے لئے
اس کو چھوڑا نہیں اور نہ ہی باقی کو مٹایا تو اس طرح
ارکان توبہ میں سے کوئی بھی نہیں پایا گیا (ت)

وارث کو اگر معلوم ہو کہ اس کے مورث نے فلاں فلاں شخص سے اتنا اتنا مال حرام لیا تھا تو انہیں
پہنچا دے اور اگر سب معلوم ہو کہ بعینہ یہ روپیہ جو اس صندوق یا اس تھیلی میں ہے خالص مال حرام ہے تو
اسے فقرا پر تصدق کر دے اور اگر سب مخلوط ہے اور جن سے لیا وہ بھی معلوم نہیں تو وارث کے لئے جائز
ہے اور بچنا افضل ہے۔ درمختار میں ہے،

المحرمة تتعدّد مع العلم بہا الا فی حق
الوارث و قیدہ فی الظہیریة بان لا یعلم
اس باب الاموال
حرمت کا اگر علم ہو تو وہ منقل ہوتی ہے سوائے وارث
کے حق کے، اور ظہیر یہ میں حق وارث کے ساتھ
یہ قید لگائی کہ وہ وارث مال کے مالکوں کو نہ جانتا ہو
(تب اس کے لئے حلال ہے)۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے،

المحاصل انہ ان علم اس باب الاموال
وجب سادۃ علیہم، و الا فان علم
عین الحرام لا یحل لہ و یتصدق
بنہ بنیة صاحبہ و ان کان مالا
حاصل یہ کہ اگر وارث مال کے اصل مالکوں کا علم
رکھتا ہو تو ان کا مال انہیں لوٹانا اس پر واجب ہے
ورنہ اگر اس مال کے بعینہ حرام ہونے کا اسے علم
ہے تو اس کے لئے حلال نہیں بلکہ مالک کی طرف سے

نیت کرتے ہوئے صدقہ کرے اور اگر مال حرام
حلال سے مخلوط ہے اور وہ وارث اس کے مالکوں
کو نہیں جانتا، نہ ہی بعینہ اس کے حرام ہونے کا

مختلطاً مجتہداً من الحرام ولا يعلم
اس بابہ ولا شیئاً منہ بعینہ حل لہ
حکماً والا حسن دیانۃ التنزہ عنہ
اس کو علم ہے تو وہ حکماً اس کے لئے حلال ہے مگر دیانت کے اعتبار سے اس سے بچنا ہی زیادہ بہتر
ہے۔ (ت)

نیز در مختار میں ہے :

ولا يبطل حق الفسخ (ای فی البیع الفاسد)
بموت احدہما (ای احد العاقدین)
فی خلفہ الوارث بدیفتی اھ اقول فافاد
ان انتقال الملك فی الملك الخبیث
لا یزیل الخبث ویجب علی الوارث
فسخه فان لم یفعل اجبر القاضی -
واللہ تعالیٰ اعلم۔

بیع فاسد میں بائع یا مشتری کی موت کے سبب
سے حق فسخ باطل نہیں ہوتا، چنانچہ مرنے والے
کا وارث اس کا قائم مقام ہوگا اور اسی پر فتویٰ
دیا جاتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس کلام نے اس
بات کا فائدہ دیا کہ ملک خبیث میں ملک کا منتقل
ہونا خبیث کو زائل نہیں کرتا لہذا وارث پر واجب
ہے کہ بیع فاسد کو فسخ کرے اور اگر وہ ایسا نہ کرے
تو قاضی اس پر جبر کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ت)

مسئلہ ۲۰۳ ملک بنگالہ ضلع نصیر آباد مرسلہ مولوی تمیز الدین صاحب ۸ ذیقعدہ ۱۳۲۲ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ سود خور کے ساتھ میل جول کرنا
اور شادی اور پنچاپیت میں بلانا جائز ہے یا نہیں؟ بحوالہ کتب و بادل لیل جواب عنایت فرمائیں۔ بتینوا
توجہ روا۔

الجواب

سود خور کہ علانیہ سود کھائے اور توبہ نہ کرے، باز نہ آئے، اس کے ساتھ میل جول نہ چاہئے
اسے شادی وغیرہ میں نہ بلایا جائے،
قال اللہ تعالیٰ واما ینسینک الشیطن
اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اگر شیطان تجھے بھلائے

لہ ردالمحتار کتاب البیوع باب البیع الفاسد دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳۰/۴
لہ الدرالمختار " " مطبع مجتہبائی دہلی ۲۹/۲

فلا تعد بعد الذکری مع القوم الظلمین۔
تو یاد آنے پر ظالم قوم کے ساتھ مت بیٹھ۔ واللہ تعالیٰ
واعلم (ت)

مسئلہ ۲۰۵ از ریاست کشن گڑھ متصل اجمیر شریف مہاراجہ اسکول محقر ڈماسٹر مسئلہ سید امانت علی صاحب
، ربیع الآخر ۱۳۳۱ھ

شادی و زندگی کا بیمہ کرنا یا کروانا جائز ہے یا ناجائز؟ آپ کے شاگرد رامپوری مولوی صاحب نے جو
کہ اجمیر شریف میں عرصہ سے قیام پذیر ہیں دریافت کرنے پر یہ جواب دیا کہ میرے خیال سے تو یہ حرام نہیں ہے
انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ میرے مولانا مولوی احمد رضا خان صاحب سے دریافت کر لینا چاہئے میں امید کرتا ہوں
کہ آپ بافادہ اہل اسلام بصورت فتویٰ ارسال فرما کر ممنون و مشکور فرمائیں گے۔ اس بیمہ کا قانون بھی
گورنر جنرل کی کونسل سے ۱۳۱۲ء میں پاس ہو گیا مگر ہنوز اس پر کوئی اعتراض نہ ہوا۔ پراسپیکٹس اردو سالانہ
رپورٹ بزبان انگریزی جناب کے ملاحظہ کے لئے روانہ کرتا ہوں۔

الجواب

یہ نذر قمار ہے اس میں ایک حد تک روپیہ ضائع بھی جاتا ہے اور وہ منافع موہوم جس کی امید پر
دین اگر ملے بھی تو کمپنی بیوقوف نہیں کہ گره سے ہزار ڈیڑھ ہزار دے بلکہ وہ وہی روپیہ ہوگا جو اوروں کا
ضائع کیا اور ان میں مسلمان بھی ہوں گے تو کوئی وجہ اس کی حلت کی نہیں،

قال اللہ تعالیٰ لا تاکلوا اموالکم بینکم
اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپس میں ایک دوسرے
کا مال ناحق طور پر مت کھاؤ۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ت)

مسئلہ ۲۰۶ کاہلی علاوہ مسلمانوں کے غیر قوم سے جو سود لیتے ہیں ان کے یہاں کھانا پینا، ان کے پیچھے
نماز پڑھنا یا رسم رکھنا کیسا ہے؟

الجواب

یہ مسئلہ ایسا نہیں کہ ایسی شدت کا برتاؤ ان سے برتا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم
مسئلہ ۲۰۷ از سید ایوب علی صاحب محلہ بہار پور کا سگرہ، بریلی
زید نے کچھ روپیہ بکر کو دس سال کی مدت پر سودی قرض دیا اور اس کا کاغذ رجسٹری ہو گیا۔ جب

لے القرآن الکریم
۶۸/۶
۱۸۸/۲

اہل محلہ کو اس کی خبر ہوئی اور تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ اس کے علاوہ دو ایک مکان بھی زید کے پاس لوگوں کے رہن ہیں اور ان سے کرایہ وصول کرتا ہے اس پر اہل محلہ نے زید سے پوچھا جس کا اقرار زید نے کیا اور کہا کہ میرا ارادہ سود لینے کا نہیں کاغذ میں یہ شرط سود کی بقواعد تعزیرات ہند لکھا دی ہے پھر کہا اس کی مدت تو دس سال ہے جب وہ وقت آئے گا میں زید سود نہ لوں گا اور مکانوں کی نسبت کہا کہ اس کا روپیہ میں اپنی بیٹی کو دے دیتا ہوں اور بیٹی نے کہا کہ میں کرایہ مکان میں دیتی ہوں اپنے پاس نہیں رکھتی اور یہ اقبال تمام واقعات کا جب کیا جب دیکھا کہ اہل محلہ چھوڑنے پر آمادہ ہیں بلکہ بعض نے چھوڑ بھی دیا، ایسی صورت میں زید کے یہاں کھانے پینے سے احتراز کیا جائے یا نہیں؟ بیٹو! تو جروا۔

الجواب

صورت مذکورہ میں زید ضرور سود خور ہے اس سے احتراز کیا جائے، اس سے میل جول ترک کیا جائے، اس کے بہانے جھوٹے ہیں، کرایہ کہ وہ لیتا ہے یقیناً سود ہے، اس نے سود لیا چاہے خود کھائے یا بیٹی کو دے، قانون کی کوئی دفعہ ایسی نہیں ہے جو قرض میں سود لکھنا ضرور ہو یہ سود خور کذابوں کا جھوٹا عذر ہے اور یہ کہنا کہ لکھا لیا ہے لیس گے نہیں ایسا ہے کہ کوئی یہ کہے غلیظ منہ میں لیا ہے نگلیں کے نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۰۸ از ماہرہ مطہرہ ضلع ایٹہ حضرت سید برکات حسن صاحب ۲۴ رجب ۱۳۱۸ھ
ایک شخص چھ سو روپے قرض لیتا ہے اور جائیداد روپیہ دینے والے کو دیتا اور اس کا حق الخدمت یا حق التحصیل مثلاً سو یا پچاس روپے مقرر کرتا ہے لفظ سود سے دونوں بچنا چاہتے ہیں یہ عقد رہن ہے قرض تو ہے نہیں، قرض میں عوض نہیں ہوتا ہے، الحاصل رہن صحیح ہو جائے اس کی شکل فرما دیجئے اور روپیہ لینے والا دینے والے کو جو کچھ دینا چاہتا ہے اس کو دینا اور اس کو لینا جائز ہو جائے۔ بیٹو! تو جروا۔

الجواب

یہ رہن نہیں ہو سکتا، گاؤں سے انتفاع بطریق اجارہ ہوتا ہے کہ زمین مزارعین کے پاس اجارے میں ہے اور اجارہ دہن و عقد منافی ہیں باہم جمع نہیں ہو سکتے، مزارعین کے اجارے میں ہونا زمین پر ان کا قبضہ چاہے گا لاستحالة الانتفاع بدون القبض (کیونکہ بغیر قبضہ کے نفع حاصل کرنا محال ہے۔ تنا اور مرہون ہونا مرہن کا قبضہ چاہے گا لقولہ تعالیٰ فوہن مقبوضۃ (تو رہن قبضہ کیا ہوا۔ ت) اور دو مختلف قبضے شے واحد پر وقت واحد میں محال ہیں، ہاں زید مستقرض عمر و مقروض سے روپیہ قرض لے لے اور

عمر کو اپنے گاؤں پر بطور کارندگی نوکر رکھنے معمولی تنخواہ اگرچہ پانچ روپے ہوتی ہو اس کی دس بیس پچاس چالیس جس قدر ماہواری مناسب جانے اور باہم تراضی ہو مقرر کر دے مگر اتنا لحاظ کرے کہ تنخواہ توفیر کو محیط نہ ہو جائے کیلا یخرج من اجارات الناس (تاکہ لوگوں کے اجاروں سے خارج نہ ہو جائے۔ ت) اس قدر اسے لینا بہت اکابر کے نزدیک حلال ہوگا باقی توفیر کو مالک کو دیا کرے جب دین ادا ہو جائے زید عمرو کو موقوف کر دے،

ہندیہ میں بزازیہ کے حوالے سے مذکور ہے، مقروض کا کسی ایسی قیمتی معین شئی کی حفاظت کے لئے قرض دہندہ کو اجرت پر رکھنا جس شئی کی قیمت اجرت سے زیادہ ہو جسے چھری، کنگھی اور چمچہ کہ ہر ماہ اتنی اجرت دے گا، اس میں متاخرین ائمہ کا اختلاف ہے، بعض نے کہا ہے کہ بلا کر بہت جائز ہے ان میں امام محمد بن مسلمہ، امام صاحب کامل مولانا حسام الدین علیا بادی، جلال الدین ابوالفتح محمد بن علی اور صاحب ہدایہ شامل ہیں اور تحقیق جلیل القدر ائمہ کرام جواز پر متفق ہوئے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔ (ت)

فی الہندیۃ عن البزازیۃ استیجار المستقرض المقرض علی حفظ عین متقوم قیمتہ انرید من الاجارۃ کالسکین و المشط و المعلقۃ کل شہر بکذا، اختلف فیہ الائمة المتأخرون فقیل یجوز بلا کراہۃ منہم الامام محمد بن سلمۃ والامام الصاحب کامل مولانا حسام الدین علیا بادی و جلال الدین ابوالفتح محمد بن علی و صاحب الہدایۃ وقد وقع علی الجواز اجلة الائمة۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۰۹ ۹ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ

زید عمرو سے ڈیڑھ سو روپیہ بے سودی لینا چاہتا ہے قرض، اور عمرو کو یہ منظور ہے کہ اسے کچھ نفع جائز شرعی طور پر مل جائے اور سود نہ ہو اس صورت میں کیا کیا جائے؟

الجواب

علماء کرام نے اس کی متعدد صورتیں تحریر فرمائی ہیں از انجملہ بہت آسان طریقہ یہ ہے کہ زید جو قرض لینا چاہتا ہے عمرو کے ہاتھ کوئی مال مثلاً برتن یا کپڑا ڈیڑھ سو روپے کو بیچے عمرو خرید لے اور ڈیڑھ سو روپیہ زرمن کے زید کو دے دے بعد اسی جلسہ خواہ دوسرے جلسہ میں عمرو یہی مال زید کے ہاتھ دو سو روپیہ

لہ فتاویٰ ہندیہ کتاب الاجارۃ الباب الثانی والثلاثون نورانی کتب خانہ پشاور م/ ۵۲۲

کو مثلاً بوعده ایک سال نیچے زید خرید لے اور اب اس زین کے عوض چاہے تو عمرو کے پاس رہن بھی رکھ دے اس صورت میں زید کی چیز زید کے پاس آگئی اور اسے ڈیڑھ سو روپیہ مل گئے اور اس پر عمرو کے دو سو روپے واجب ہو گئے عمرو اس رہن سے کچھ انتفاع نہ کرے ورنہ سود ہو جائے گا۔ فتاویٰ امام قاضی خاں میں ہے،

رجل له على رجل عشرة دراهم فاراد ان يجعلها ثلثة عشر الح اجل قالوا يشتري من المديون شيئاً بتلك العشرة و يقبض المبيع ثم يبيع من المديون بثلثة عشر الح سنة فيقع التحريم عن الحرام، ومثل هذا مروى عن رسول الله صلى الله تعالى عليه و سلم انه امر بذلك الخ - والله تعالى اعلم -

ایک شخص کے دوسرے پر دس درہم قرض ہیں وہ چاہتا ہے کہ ایک معینہ مدت تک تیرہ درہم ہو جائیں۔ علماء نے فرمایا ہے وہ مقرض سے ان ہی دس درہم میں کوئی چیز خریدے اور بیع پر قبضہ کر لے پھر وہی چیز تیرہ درہم کے بدلے ایک سال کے ادھار پر مقرض کے ہاتھ فروخت کرے تو اس طرح سے حرام سے اجتناب ہو جائے گا، اور اسی کی مثل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے الخ۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ت)

مسئلہ ۲۱۔ ایک شخص سو روپے قرض لیا چاہتا ہے دوسرا دیا چاہتا ہے، روپے کے دینے والے کو سود لینے سے انکار ہے اور روپیہ کے لینے والے کو سود دینے سے انکار ہے، کس طریقہ پر دستاویز تحریر کرائی جائے اور ہندو سے لینا نہیں چاہتے مگر روپیہ دینے والے کو بلا کسی نفع کے دینا منظور نہیں ہے۔

الجواب

اس کی بہت سی صورتیں ہیں، ایک سہل صورت یہ ہے کہ دینے والا قرض نہ دے بلکہ اس کے ہاتھ نوٹ نیچے، مثلاً سو روپے یہ لینا چاہتا ہے اور سال بھر کا وعدہ ہے اور دینے والا نفع لینا چاہتا ہے تو سو روپے کا نوٹ اس کے ہاتھ ایک سال کے وعدہ پر مثلاً ایک سو بارہ روپے کو نیچے پھر اگر وہ سال کے اندر مثلاً چھ مہینے میں روپیہ دے دے تو صرف ایک سو چھ لے اس سے زیادہ

لینا حرام ہے یونہی اور کوئی چیز جو بازار کے عام بھاؤ سے سو روپے کی ہو ایک سو بارہ کو بیچے اس کا بھی یہی حکم ہے
در مختار میں ہے :

قضى المديون الدين المؤجل قبل الحل
لا يأخذ من المراجعة التي جرت بينهما
الا بقدر ما مضى من الايام

مقروض نے میعادی قرضہ میعاد سے پہلے ادا کر دیا تو
قرض دہندہ اس سے وہ نفع نہ لے جو ان کے درمیان
طے پایا تھا مگر صرف اتنے دنوں کے حساب سے
نفع لے سکتا ہے جتنے دن گزر چکے ہیں (ت)

دوسرے یہ کہ سو روپے سے قرض دے اور قرض لینے والا دینے والے کے پاس اپنی کوئی چیز مثلاً
چاقو یا تھالی امانت رکھے اور دینے والے سے کہے میری اس چیز کی حفاظت کریں اس کی حفاظت پر ایک
روپیہ یا ۲ یا ۲ روپے یا دس روپے ماہوار جو بٹھ جائے دوں گا مگر جو شے اس کے پاس رکھے اس کی قیمت
اس اجرت سے زیادہ ہو روپے مہینہ پر رکھے تو روپے سے زیادہ قیمت کی چیز ہو۔ عالمگیر یہ میں ہے ،
استیجار المستقرض المقرض على حفظ عين
متقوم قيمته ان يرد من الاجرة كالسكين
والمشط والمعلقة كل شرب كذا ،
اختلف فيه الاثمة المتأخرون ف قيل يجوز
بلا كراهة منهم الامام محمد بن سلمة
والامام صاحب الكامل مولانا حسام
الدين عليا بادي و جلال الدين ابوالفتح
محمد بن علي وصاحب الهداية وقد
وقع على الجواز اجلة الاثمة

مقروض کسی ایسی قیمتی معین شے کی حفاظت کے لئے
قرض دہندہ کو معین ماہانہ اجرت پر مقرر کرے جس
شے کی قیمت اجرت سے زیادہ ہے مثلاً چاقو ،
کنگھی اور چمچ وغیرہ ، تو اس میں متاخرین ائمہ کے
درمیان اختلاف ہوا ، بعض نے بلا کراہت جواز کا
قول کیا ان میں امام محمد بن سلمہ ، امام صاحب کامل
مولانا حسام الدین علیا بادی ، جلال الدین ابوالفتح
محمد بن علی اور صاحب ہدایہ شامل ہیں ، اور تحقیق
جلیل القدر ائمہ کرام نے جواز پر اتفاق کیا ہے (ت)

اور اس کے سوا اور صورتیں ہیں کہ ہم نے کفل الفقیہ میں ذکر کیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۱۱ مسئلہ مستولہ محمد حسین خاں بریلی شہر کہنہ ۳۳ سوال المکرم

جناب مولوی صاحب قبلہ و کعبہ دارین مدظلہ اللہ آداب! بصد نیاز گزارش ہے کہ مجھ سے ایک

۱۔ در مختار باب مسائل شتی مطبع مجتہائی دہلی ۲۵۱/۲
۲۔ فتاویٰ ہندیہ کتاب الاجارۃ الباب الثانی والثلاثون نوزانی کتب خانہ پشاور ۵۲۲/۲

شخص قرضہ چاہتا ہے اور بالعوض اس کے اپنا مکان وہ شخص رہن کرنا چاہتا ہے مجھ کو روپے دینے میں اور دوسرے کی حاجت نکالنے میں کچھ عذر اور انکار نہیں ہے کیونکہ روپیہ اللہ نے جبکہ دیا ہے تو دوسرے کی حاجت براری ہو جانے پر امید ہے کہ اللہ بھی خوش ہوگا مگر اس قدر ہے کہ سود کھانا نہیں چاہتا ہوں اب اس میں گزارش ہے وہ جائداد بالعوض روپیہ کے دخلی رہن کر دیں یا کس طرح سے روپیہ دوں کہ سود سے بچوں کیونکہ میں اہل اسلام ہوں۔
بتنوا توجروا۔

الجواب

دخلی رہن بھی سود اور حرام ہے بلکہ سبیل یہ ہے کہ آپ محض بلا سود و بلا رہن روپیہ قرض دیجئے پھر اس سے اپنا کوئی برتن مثلاً وہ مدیون آپ کو دے کہ اس کی حفاظت کرو و حفاظت کا اتنا ماہوار مثلاً ایک روپیہ یا دس روپے تمہیں دی جائیگی یوں اس حفاظت کی اجرت کا روپیہ لینا حلال ہوگا اور اگر مکان ہی چاہئے تو وہ کوئی برتن وغیرہ مثلاً دس روپے مہینے اجرت پر آپ کو حفاظت کے لئے دے اور آپ اس کا مکان مثلاً دس روپے یا کم و بیش کو جتنا کہ قرار پائے اسی سے کرایہ پر لیجئے حفاظت کی اجرت ماہوار اس پر واجب ہوگی اور مکان کا کرایہ آپ پر، پھر اگر دونوں اجرتیں برابر ہیں تو باہم آپ دونوں کا معاملہ برابر ہو گیا، نہ آپ اسے روپیہ دیں نہ وہ آپ کو، آپ اس کی چیز کی حفاظت کریں اور اس کرایہ کے مکان میں رہیں اور اگر برابر نہیں تو جس پر زیادہ ہے وہ قدر زیادہ ادا کرتا رہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۲۱۲ شعبان ۱۳۳۵ھ

علمائے دین اس مسئلہ میں کیا ارشاد فرماتے ہیں کہ ریاست بہاولپور کے حکام نے ہندوؤں کے قرض سے مسلمانوں کو رہائی دلانے کے لئے ہر بستی اور گاؤں میں بینک تجویز کیا ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ اس بستی کے چند معتبروں کو بینک کا ممبر ظاہر کر کے کہتے ہیں کہ ہر شخص سے اس کی حیثیت کے مطابق روپے بینک میں داخل کرا کے اپنے پاس جمع رکھو، پھر انہی خاص روپوں میں سے داخل کرنے والے کو یا دوسرے کو بوقت ضرورت تھوڑے سے سود پر میعاد قرض کے طور پر دیں اور

چہ می فرمایند علمائے دین دریں مسئلہ کہ حکام ریاست بہاولپور برائے مخلصی مسلمانان از قرض ہندوان در ہر موضع و دہ بنک تجویز کردہ اند بایں طور کہ چند معتبران موضع را ممبران بنک نمودہ می گویند کہ از ہر کس حسب حیثیت روپیہ داخل بنک کنایندہ نزد خود جمع سازید و ازاں روپیہ خاصہ داخل کنندہ را و بدیگرے را بوقت حاجت و لے قرض میعادی بسود سیردادہ باشید و عند الميعاد

میں عدا گزرنے پر وہ روپے سود سمیت اس سے واپس لیں اور پھر اسی طرح کسی دوسرے شخص کو اسی طریقے سے قرض دیں اسی طرح یکے بعد دیگرے حاجتمندوں کو سود پر قرض دیتے جائیں تاکہ تمہارے ادا کردہ سود سے تمہاری جائداد ترقی اختیار کرے اور مسلمانوں کی حاجات ان کے اپنے مال سے باہمانی پوری ہوں اور ہندوؤں سے قرض لینے کی ضرورت نہ پڑے۔ شرع شریف میں اس بنک کو روپیہ دینا اور اس سے لینا کیا حکم رکھتا ہے چونکہ اس معاملہ میں عام مسلمان حاکموں کی طرف سے مامور اور مجبور ہیں اس لئے اگر ان کے اس فعل کے جواز کی طرف کوئی اشارہ فرمایا جائے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ماجور اور مخلوق کی طرف سے شکریہ کے مستحق ہوں گے۔ (ت)

الجواب

سود لینا بالاتفاق حرام قطعی اور سخت کبیرہ گناہ ہے اور سود دینے کی محتاج کو حاجت شرعیہ صحیحہ کے وقت اجازت دی گئی ہے۔ درمختار میں ہے کہ محتاج کو سود پر قرض لینا جائز ہے، اس بنک کا حاصل یہ ہے کہ جو حرام ہندو کھاتے ہیں وہ حاصل ہو جائے تاکہ اس کو مسلمان کھائیں۔ گناہ سے بچنے اور نیکی کرنے کی طاقت نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کی توفیق کے، اس بنک کے کارکن اگر دین کا درد رکھتے ہیں تو ایک ایسی صورت مہیا ہے کہ وہ اپنے مقصد تک رسائی بھی حاصل کریں اور حرام سے خلاصی بھی پالیں، جو کوئی مثال کے طور پر سود پر روپیہ قرض چاہتا ہے اس کو زرنہ دیں بلکہ وہ کاغذیں جس کا نام نوٹ ہے

آں روپیہ مع سود از وصول نمودہ بایں طرز دیگرے را و سیس اخیر رami دہید از سود وادہ شما آں جائداد شما ترقی پذیرد و برآمدگی حاجات مسلمانان از مال خویش بسہولت گردد و ضرورت باستقراض از ہندوان نماند۔ پس در شرع شریف روپیہ دادن یا گرفتن ازیں بنک چہ حکم دارد، چونکہ دریں امر عامہ مسلمانان از حکام مامورند و مجبور، از آں اگر حیلہ جواز فعل ایشان ایما فرمودہ شود امید کہ قرین ماجوریت عند اللہ و مشکوریت من خلق اللہ خواہد شد۔

مجبور ہیں اس لئے اگر ان کے اس فعل کے جواز کی طرف کوئی اشارہ فرمایا جائے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ماجور اور مخلوق کی طرف سے شکریہ کے مستحق ہوں گے۔ (ت)

ربا گرفتن حرام قطعی بالاجماع و کبیرہ و شدیدہ است و ربا دادن محتاج بحاجت شرعیہ صحیحہ را رخصت کردہ اند فی الدر المختار یجوزنا للمحتاج الاستقراض بالرباء، حاصل این بنک آنست کہ حرامی کہ ہندوان می خورد بیاید تا مسلمانان خورد و لاحول و لا قوۃ الا باللہ کارکنان این بنک اگر درد دین دارند صورتی مہیا است کہ بہ مقصد رسد و از حرام وار ہند ہر کہ مثلاً صد روپیہ دام خواہد زرنہ ہند کاغذ زر کہ نوٹ نامند بدہند و آں ہم دام ندہند کہ بر دام ہر چہ سودے گیرد ربا باشد

لہ الاشباہ والنظائر بحوالہ القنیۃ الفن الاول القاعدة الخامسة ادارة القرآن کراچی ۱۲۶/۱

اور وہ بھی بطور قرض مت دیں کیونکہ قرض پر جو بھی نفع لے گا وہ سود اور حرام ہوگا۔ حدیث میں حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جو قرض نفع کھینچے وہ سود ہے۔ بلکہ سو روپے کا نوٹ اس نفع کے لئے جس پر دونوں باہم رضا مند ہوں مدت مقررہ تک اس کے ہاتھ فروخت کریں مثلاً وہ سو کا نوٹ ایک سال کے لئے ایک سو دس روپے کے بدلے فروخت کریں تو اس طرح یہ نفع بیع کا نفع ہوگا اور بیع کا نفع حلال ہے جبکہ قرض کا نفع حرام۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: کہا ان لوگوں نے کہ بیع تو سود کی طرح ہی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال کیا اور سود کو حرام۔ اس مسئلہ کو ہم نے اپنی

کتاب ”کفل الفقیہ الفاہم“ میں مکمل طور پر تفصیلی رنگ دیا ہے، اس طریقے سے حلال نفع بھی ہاتھ آئیگا اور وہ قرض لینے والا بھی اپنے مقصد کو حاصل کر لے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ت)

۲۱۳۳ مکملہ مرسلہ احمد خاں صاحب وکیل دربار مارواڑ متعینہ ریڈیٹنسی اودیپور میواڑ ۳ شعبان ۱۳۳۵ھ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین دریں باب کہ گورنمنٹ جو قرضہ کا منافع دے رہی ہے اس کا لینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

الجواب

سود کی نیت سے لینا جائز نہیں لاطلاق قولہ عزوجل وحرم الربو (کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ ”اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام کیا“ مطلق ہے۔ ت) اور اگر کسی گورنمنٹ پر اس کی رعیت خواہ

اور شخص کا شرعاً کچھ آتا ہے اس میں وصول سمجھنا بلاشبہ روا لاندہ ظفر بجنس حقہ کما فی
 رد المحتار وغیرہ (اس لئے کہ یہ اپنے حق کی جنس کو حاصل کرنے کی کامیابی ہے جیسا کہ رد المحتار
 وغیرہ میں ہے۔ ت) یونہی اگر بیت المال میں حقدار ہو تو اس میں لے سکتا ہے کما فی رد المحتار
 عن السید السمرودی وغیرہ (جیسا کہ سید سمودی وغیرہ سے رد المحتار میں ہے۔ ت) اور اگر
 کچھ نہ ہو اور اسے سوونہ سمجھے بلکہ یہ تصور کرے کہ ایک جائز مال برضائے مالک بلا عذر و بد عمدی ملتا ہے
 تو وہ بھی روا ہے کما حقتناہ فی فتاوانا (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاویٰ میں اس کی تحقیق کر دی ہے۔ ت)
 واللہ تعالیٰ اعلم۔ اصل حکم یہ ہے مگر اہل تقویٰ خصوصاً مقداد کو ان دو صورتوں خصوصاً اخیرہ سے احتراز
 چاہتے کہ ناواقف اسے متہم نہ کریں، حدیث میں ہے: اتقوا مواضع التہم (تہمت کی جگہوں سے
 بچو۔ ت) واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۱۴ از بریلی محلہ چک مرسلہ محمد رضا قادری متصل چوکی چنگی رجب ۱۳۳۵ھ
 کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے مرآؤ کو کچھ روپیہ واسطے بونے چنا
 کے لئے دیا اور بروقت دینے روپیہ یہ اس مرآؤ سے ٹھہرایا کہ چنا فصل کاٹنے پر فی روپیہ تین سیر چنا زائد
 بازار کے نرخ سے تم سے لئے جائیں گے۔

فصل کاٹنے پر مرآؤ نے بجائے چنے کے جتنا روپیہ زائد ہوا بالعوض چنے کے دیا۔ اب ایسی
 صورت میں اس روپیہ کا کیا کیا جائے اور روپیہ دینے والے کو اول اس کا علم نہ تھا لہذا اب معلوم ہونے
 پر اس زائد روپیہ کو علیحدہ رکھ لیا گیا ہے جو حکم ہو اس کی تعمیل بسر و چشم کی جائے کیونکہ ایمان ہے تو سب کچھ
 ہے ورنہ کچھ نہیں۔ بینوا تو جروا۔

الجواب

ایسا عقد شرعاً ضرور ناجائز ہے مگر اگر وہ مرآؤ کافر ہے جیسا کہ یہی ظاہر ہے تو یہ روپیہ کہ بغیر غدر
 اسے ملا اسے واپس دینا ضرور نہیں البتہ اور بہتر یہ ہے کہ فقیر مسلمان پر تصدق کر دے۔ واللہ
 تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۱۵ از لکھنؤ مدرسہ فرقانیہ مرسلہ مولوی سید مظفر صاحب مدرس مدرسہ مذکور
۲۱ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

زید نے عمر کو چھ سات ہزار روپیہ قرض دیا اور قرض دینے کے وقت زید کا ارادہ اشارۃً یا کنایۃً یا صراحتاً
سود لینے کا نہ تھا اور وعدہ عمر نے ادائیگی روپیہ کا دو ماہ کا کیا تھا بعد میں رقعہ تحریر کیا گیا تو اس میں سود
اس وجہ سے زید نے لکھوایا کہ قانون مرد جو گورنمنٹی کے رقعہ مذکورہ ناجائز نہ ہو اور ضرورت کے وقت بیکار
نہ ہو عمر نے دو ماہ کی جگہ پندرہ ماہ میں نصف روپیہ تو بمشکل تمام زید کو ادا کیا اور نصف نہیں حتیٰ کہ قریب
سال کے ہو گئے چونکہ میعاد رقعہ تین سال ہوتی ہے اس لئے زید کو عمر کی نالاش کرنی پڑی تو اس نالاش
کرنے میں زید کا روپیہ بہت سا خرچ ہوا اور زید کی ڈگری عمر پر مع سود کچھری مجاز سے ہو گئی اور عمر نے
اصل روپیہ مع سود داخل کچھری بھی کر دیا تو اب عند الشریع زید کو اپنا روپیہ مع سود لینا جائز ہے یا نہ؟ اگر
کل سود سے پرہیز کرے تو بقدر اپنے خرچ نالاش کے لینا جائز ہو گا یا نہ؟ اور روپیہ کچھری سے کل زید کو
بلا سود واپس بھی نہیں مل سکتا تو ایسی مجبوری میں زید کو اپنا روپیہ مع سود لینا جائز ہو گا اور اگر کچھری سے
روپیہ اس کو مع سود ملا تو کیا طریقہ احتراز کا ہو گا؟ اور بقدر اپنے خرچ کچھری کے نکال کر باقی کو صدقہ کر دے یا
اصل مالک کو واپس؟ مجموعہ فتاویٰ مولوی عبدالحی لکھنوی میں عدم جواز کا فتویٰ لکھا ہوا ہے کہ مدعی مسبب ہے
نہ مباشر، اور ضمان مباشر پر ہوتا نہ کہ مسبب پر، جیسا کہ واقف فقہ پر مخفی نہیں، جواب مع حوالہ کتب و دلائل
کے تحریر ہو۔

جواب دیوبندی

اس صورت میں زید کو اپنا اصل روپیہ رکھ کر باقی جو سود کے نام سے وصول ہوا ہے عمر کو واپس
کر دینا چاہئے کیونکہ خرچہ مقدمہ کا مدعی علیہ سے وصول کرنے نہ کرنے کے بارے میں اختلاف ہے، ایک یہ ہے
کہ قول جو مولانا عبدالحی صاحب نے لکھا ہے، اور دوسرا یہ کہ بصورت تعنت مدعا علیہ اور بلا نالاش کسی طرح
وصول نہ ہو سکنے کی صورت میں خرچہ مدعا علیہ سے لیا جائے تو صورت مذکورہ میں چونکہ مدعی نے محض قانونی
قاعدہ کو پیش نظر رکھ کر نالاش کی ہے اور عمر کا کوئی تعنت اور سرکشی و انکار ظاہر نہیں ہوا اس لئے زید کو
مناسب نہیں کہ وہ عمر و مدعا علیہ سے خرچہ وصول کرے، واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ عزیز الرحمن عفی عنہ مفتی
مدرسہ دیوبند ۸ ربیع الثانی ۱۳۳۶ھ

الجواب

سود کا ایک جبہ لینا حرام قطعی کہ سود لینے والے پر اللہ ورسول کی لعنت ہے۔ صحیح حدیثوں

میں فرمایا :

سو دکھانا تہتر گنا ہوں کا مجموعہ ہے جن میں سب سے ہلکا گناہ یہ ہے کہ آدمی اپنی ماں سے زنا کرے۔ (ت)

الرباثلثة وسبعون حوبا يسرهن كات
يقع الرجل على امه

دوسری حدیث میں ہے :

جو دانستہ ایک درہم سو دکھائے وہ اس کے مثل ہو جس نے چھتیس بار اپنی ماں سے زنا کیا۔ (ت)

من اكل درهم سربا وهو يعلم كات كمن
نماني بامه ستا وثلاثين مرة

ایک درہم تقریباً یہاں کے ۴۰ کے برابر ہوتا ہے جس کے اٹھارہ پیسے ہوتے تو فی دھیلا ایک بار ماں سے زنا ہوا۔ اگر وہ اس بیان میں سچا ہے کہ کچھری سے بلا سو درو پیہ اسے نہیں مل سکتا تھا تو روپیہ واپس لے اور اس میں سے صرف اپنا زر اصل اٹھالے باقی تمام و کمال عمر کو واپس دے مدعا علیہ سے خرچہ لینا بھی مطلقاً حرام ہے اگرچہ اس نے تعنت کیا ہو، اسے مختلف فیہ بتانا دیوبندی مفتی کا کذب محض ہے ہرگز کسی کتاب میں اس کا جواب نہیں، خرچہ کہ اس سے کچھری نے لیا دو حال سے خالی نہیں اس کے نزدیک حقا یا ظلماً لیا، اگر حقا لیا تو اس کا معاوضہ دوسرے سے کیا چاہتا ہے اور اگر اس کے نزدیک ظلماً لیا تو کونسی شریعت کا مسئلہ ہے کہ مظلوم دوسرے پر ظلم کرے، عقد نہیں وراثت نہیں مال مباح نہیں کوئی وجہ شرعی اس سے لینے کی نہیں تو نہ ہو اگر باطل، اور اللہ عزوجل فرماتا ہے :

آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق مت کھاؤ اور اس کو حاکموں کے پاس اس نیت سے مت لے جاؤ کہ تم لوگوں کا کچھ مال جان بوجھ کر گناہ کے ساتھ کھا جاؤ۔ (ت)

ولا تاكلاوا اموالكم بالباطل و تداوا
بها الى الحکام لتاكلوا فريقا من اموال
الناس بالاثم و انتم تعلمون

عقود الدرہ میں ہے :

۳۶/۲	دار الفکر بیروت	کتاب البیوع	المستدرک
۳۹۴/۴	دار الکتب العلمیۃ بیروت	حدیث ۵۵۱۹	شعب الایمان
۳۳۰/۳	مکتبۃ المعارف الریاض	حدیث ۲۷۰۳	المعجم الاوسط للطبرانی
۷/۳	مصطفیٰ البابی مصر	التزہیب من الربا حدیث	التزہیب والتزہیب
			۱۸۸/۲ القرآن الکریم

ایک شخص دوسرے شخص کا معین قرض کے بارے میں زید کے پاس ضامن بنا پھر زید نے ضامن شخص سے اس قرض کا مطالبہ کیا اور قاضی کے پاس اس پر اس کا لزوم ثابت کیا اب اس شخص (ضامن) نے زید سے مہلت مانگی تو زید نے اس وقت تک مہلت دینے سے انکار کر دیا جب تک وہ زید کو اس مقدمہ پر کیا ہوا خرچہ نہ دے چنانچہ اس نے زید کو وہ خرچہ دے دیا، پھر وہ قرض بھی زید کو اس نے ادا کر دیا

رجل كفل اخر عند زید بدین معلوم ثم طالبه زید به والنمہ به لدى القاضی فطلب الرجل من زید ان یبھله به فابی الا ان یدفع له الرجل قدر ما صرفه فی كلفة الا لزام دفع له ثم دفع له المبلغ المكفول به ویرید الرجل مطالبۃ زید بما قبضه زید منه من كلفة الا لزام فله ذلك ۛ واللہ تعالیٰ اعلم۔

جس کا وہ ضامن بنا تھا، اب وہ ضامن شخص چاہتا ہے کہ زید نے جو مقدمہ کا خرچ اس سے لیا تھا زید سے اس کا مطالبہ کرے تو اس کو ایسا کرنے کا حق ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ت)

مسئلہ ۲۱۶ از بمبئی دکان ایس کریم نمبر ۹ مسئلہ مولوی عبد العظیم صاحب میرٹھی ۱۵ صفر ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مبین و مضیبان شرع متین اس بارہ میں کہ کسی مسجد کے کرایہ کے روپے و رثاہ واقفہ مکان کے مقدمہ دائر کرنے کے سبب کورٹ کے رسیور یعنی محافظ کے پاس جمع ہیں آٹھ ہزار روپوں کی مذکور محافظ نے پرائیسری نوٹس خریدیں جب مقدمہ و رثاہ واقفہ اور متولیان مسجد نے آپس میں اتفاق کر کے کورٹ سے (کنٹ ڈگری لی) یعنی مقدمہ اٹھالیا اس وقت محافظ مذکور کے پاس سے پرائیسری نوٹوں کا بیاج سالانہ سیکرٹے ساڑھے تین ٹکے کے حساب سے ایک ہزار اٹھارہ روپے چودہ آنے دو پائی نقد اور چار ہزار ایک سو سینتالیس روپے نو آنے نقد بابت کرایہ متولیان مسجد کو دیئے متولیان مسجد کے قبضہ میں مذکور نوٹس کئی مہینوں تک مسجد کی تجوری میں رہیں جن کے رہنے سے مذکور نوٹوں کا ایک سو باسٹھ روپیہ آٹھ آنہ دس پائی بیاج بڑھا، اکثر متولیان مسجد نے آپس میں اتفاق کر کے یہ چھڑاؤ کیا کہ موجودہ جنگ کے سبب آپس میں اطمینان نہ ہونے کی وجہ قیمت اس وقت کم ہوئی ہے اور آئندہ اس سے بھی کم ہونے کا خوف ہے اس وجہ سے مذکور نوٹوں کو جلد فروخت کیا جائے اس وقت ایک متولی نے ترمیم کی کہ موجودہ جنگ کی وجہ سے ان کی قیمت کم ہوئی ہے اس لئے فی الحال فروخت نہ کریں، جنگ ختم ہونے کے بعد مذکور نوٹوں کی پوری قیمت آئے گی اس وقت فروخت کیا جائے کہ

مسجد کا نقصان بھی نہ ہوگا، اس ترمیم کی کسی نے تائید نہیں کی اور مذکورہ نوٹوں کو فروخت کرنے کے لئے ناظر مسجد کو اجازت دی اور اس وقت یہ بھی ٹھہراؤ کیا کہ مذکورہ بیاج کے روپوں کو مسجد کے دفتر میں بیاج کے نام سے درج کیا جائے اس وقت ایک متولی نے ترمیم کی کہ جس تاریخ کو مذکورہ نوٹیں محافظ نے خرید کی ہیں اس تاریخ سے جس تاریخ کو بکیں۔ اس تاریخ تک مذکورہ نوٹوں

کے بیاج کے روپے مسجد کے دفتر میں بیاج کے نام سے جمع نہیں کئے جائیں بلکہ وہ رقم مذکورہ محافظ کے حوالے کئے جائیں (مذکورہ محافظ کبرپارسی ہے) مذکورہ ترمیم کی بھی کسی نے تائید نہیں کی، کیا متولیان مسجد مذکورہ بیاج کی رقم کو لینا اور مسجد کے دفتر میں بیاج کے نام سے درج کرنا شرعاً جائز ہے؟ دیگر ہماری گورنمنٹ عالیہ مذکورہ نوٹوں کی جو اصل قیمت ہے وہی سمجھتی ہے اور اسی کے موافق آج تک مذکورہ نوٹوں کا بیاج پورا دے رہی ہے کیا اس وجہ سے مذکورہ بیاج کی رقم کو مذکورہ نوٹوں کی پوری قیمت نہ ملنے کی وجہ سے مذکورہ نوٹوں کی گھٹی ہوئی رقم میں داخل کر سکتے ہیں؟ دیگر متولیان مسجد کو مذکورہ بیاج کے روپے مذکورہ محافظ سے مسجد کے لئے لینا اور ثواب واقفہ کے شرعی حصہ میں بطور رضا مندی باہمی کے دینا جائز ہے یا نہیں؟ لہذا ازراہ ہمدردی ملی و احساس دینی مذکورہ بالا کی بابت شرعی حکم بصورت فتویٰ تحریر فرما کر مسلمانوں کو ورطہ گمراہی سے نجات دیں اور خداوند عالم سے دینی و اخروی اجر حاصل فرمائیں و ما علینا الا البلاغ خیر خواہ اسلام

الجواب

سود حرام ہے قال اللہ تعالیٰ وحرم الربوا (اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام کیا۔ ت) مسجد اسے قبول نہیں کر سکتی، قال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان اللہ طیب لا یقبل الا طیباً۔
نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، بیشک اللہ تعالیٰ پاک ہے اور وہ قبول نہیں فرماتا مکبر پاک کو۔ (ت)

مسجد کے دفتر میں سود کے نام سے جمع کرنا اسے نجاست سے آلودہ کرنا ہے، قیمت اگر گھٹ گئی تو گورنمنٹ نے کوئی مال مسجد کا نہ لے لیا جس کے تاوان میں یہ رقم لی جائے ملازم کورٹ کو اس کا دینا کوئی معنی نہیں رکھتا کہ وہ کسی طرح اس روپے کا مستحق نہیں۔ سود سمجھ کر لینے کا جواب تو یہ ہے ہاں اگر نہ ات سود سمجھیں

لہ القرآن الکریم ۲/۲۵

لہ السنن الکریمی للبیہقی کتاب صلوٰۃ الاستسار، باب الخروج من المظالم الخ دار صادر بیروت ۳/۲۴۶
صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۲۶

و سود کہیں، نہ سود کے نام سے دفتر مسجد میں جمع کریں بلکہ یہ جانیں کہ گورنمنٹ اپنی خوشی سے بغیر ہمارے غدر کے (کہ غدر شرعاً حرام ہے) ایک مال زائد ہمیں مسجد کے لئے دیتی ہے تو اس کے لینے اور مسجد میں صرف کرنے اور دفتر مسجد میں بنام ”رقم زائد از گورنمنٹ“ لکھنے میں کوئی حرج نہیں،

قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم
انما الاعمال بالنيات وانما لكل امرئ ما نوى - والله تعالى اعلم -

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ
بیشک عملوں کا دار و مدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص
کے لئے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی۔ اور
اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ (ت)

رسالہ

کِفْلُ لَفْقِيهِ الْفَاهِمِ فِي أَحْكَامِ قِرْطَاسِ الدِّرَاهِمِ^{۲۶}

(کاغذی نوٹ کے احکام کے بارے میں سمجھدار فقہیہ کا حصہ)

مسئلہ ۲۱۷

آپ کا کیا ارشاد ہے آپ کا فضل ہمیشہ رہے اس کاغذ کے باب میں جس پر سکہ ہوتا ہے اور اسے نوٹ کہتے ہیں، اور اس میں متعدد باتیں دریا فت کرنی ہیں، اول کیا وہ مال ہے یا دستاویز کی طرح کوئی سند، دوم جب وہ بقدر نصاب ہو اور اس پر سال گزر جائے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں، سوم کیا اسے مہر مقرر کر سکتے ہیں، چہارم اگر کوئی اسے محفوظ جگہ سے چرائے تو اس کا ہاتھ کاٹنا واجب ہوگا یا نہیں، پنجم اگر اسے کوئی تلف کر دے تو عوض میں اسے نوٹ ہی دینا ٹھہرے گا یا روپے ششم کیا روپوں یا اشرفیوں یا پیسوں کے عوض اس کی بیع جائز ہے، ہفتم اگر مثلاً کسی کپڑے سے

ما قولکم دام طولکم فی هذا القرطاس المسكوك المسمى بالنوط والسؤال عنه فی مواضع الاول هل هو مال ام سند من قبيل الصك الثاني هل تجب فيه الزکوة اذ ابلغ نصابا فاضلا وحال عليه المحول ام لا، الثالث هل يصح مهرا، الرابع هل يجب القطع بسرقة من حرم، الخامس هل یضمن بالانلاف بمثله او بالدراهم، السادس هل يجوز بيعه بدراهم او دنانیر او فلوس، السابع اذا استبدل

بشوب مثلاً يكون مقايضة او بيعاً
مطلقاً، الثامن هل يجوز اقراضه
وان جاز فيقضى بالمثل او بالدراهم،
التاسع هل يجوز بيعه بدراهم
نسبة الى اجل معلوم، العاشر
هل يجوز السلم فيه بان
تعطى الدراهم على نوط معلوم
نوعاً وصفة تؤدى بعد شهر مثلاً
الحادي عشر هل يجوز بيعه بان يرد
مما كتب فيه من عدد الربا بى كان
يباع نوط عشرة باثنى عشر وعشرين
او بانقص منه كذلك، الثاني عشر ان جاز
هذا فهل يجوز اذا اساءت استقرض
عشرة رباً بى من عمر ان يقول عمر لادراهم
عندى ولكن ابىعك نوط عشرة باثنى
عشرة ربية منجحة الى سنة تؤدى كل شهر
ربية وهل ينهى عن ذلك لانه احتيال
فى الربا وان لم ينه فما الفرق بينه و
بين الربا حتى يحل هذا ويحرم ذلك مع
ان المال وهو حصول الفضل واحد فيهما افيدوا
الجواب توجروا يوم الحساب۔

الجواب

اسے بدلیں تو یہ بیع مطلق ہوگی یا مقایضہ (جس میں
دونوں طرف متاع ہوتی ہے)، ہشتم کیا اسے
قرض دینا جائز ہے اور اگر جائز ہے تو ادا کرتے
وقت نوٹ ہی دیا جائے یا روپے، نہم کیا روپوں
کے عوض ایک وعدہ معینہ پر قرضوں اس کا بیچنا
جائز ہے، دہم کیا اس میں بیع سلم جائز ہے یوں
کہ روپے پیشگی دئے جائیں کہ مثلاً ایک مہینہ کے
بعد اس قسم کا اور ایسا نوٹ لیا جائے گا، یا زدہم
کیا یہ جائز ہے کہ جتنی رقم اس میں لکھی ہے اس سے
زائد کو بیچا جائے مثلاً دس کا نوٹ بارہ یا بیس
کو یا اسی طرح اس سے کم، دوازدہم اگر یہ
جائز ہے کہ جب زید عمر سے دس روپے قرض
لینا چاہے تو عمر وکے روپے تو میرے پاس نہیں ہیں
ہاں میں دس کا نوٹ بارہ کو سال بھر کی قسط بندی
پر تیرے ہاتھ بیچتا ہوں کہ تو ہر مہینے ایک روپیہ
دیا کرے، کیا اس کو منع کیا جائے گا کہ یہ سود کا
حیلہ ہے، اور اگر منع کیا جائے تو اس میں اور
ربا میں کیا فرق ہے کہ یہ حلال ہو اور وہ حرام،
حالانکہ مال دونوں کا ایک ہے یعنی زیادتی کا
ملنا، ہمیں جواب سے فائدہ بخشو قیامت کے
دن تمہیں اجر ملے۔

الہی! تیرے ہی لئے حمد ہے، اے بہت عطا
فرمایو اے! درود و سلام بھیج ان سردار پر
جو تیری طرف بہت رجوع فرمانے والے ہیں اور ان

اللهم لك الحمد يا وهاب
صل وسلم على السيد
الارباب وعلى اله و

آل وازواج واصحاب پر میں تجھ سے حق و راستی کی رہنمائی چاہتا ہوں جان اللہ تعالیٰ مجھے اور تجھے توفیق دے اور میری اور تیری ہدایت کا والی ہو کہ نوٹ ایک سب سے زیادہ جدید اور نوپیدا چیز ہے تو تالیفات علماء میں اس کا اصلاً نام و نشان نہ پائیگا یہاں تک کہ علامہ شامی اور ان کے مثل جن کا زمانہ ابھی قریب گزرا لیکن ہمارے اماموں نے (اللہ ان کی نیک کوششیں ٹھکانے لگائے اور ان کی عظیم برکتوں کا ہمیں فیض پہنچائے) اس دین حنیف کا شافی بیان فرمادیا جس میں اصلاً پوشیدگی نہیں تو بجز اللہ یہ شریعت ایسی روشن چمکتی ہو گئی کہ اس کی رات بھی دن کی طرح ہے تو انھوں نے قواعد مقرر فرمائے اور ہر بات جدا جدا دکھادی اور ایسے کلمے ذکر فرمائے کہ بیشمار جزیوں پر منطبق آئیں تو نئی پیدا ہونے والی باتیں اگر ختم ہونا نہیں مانتیں مگر وہ علم جو ائمہ ہم کو دے گئے ہیں اس سے کوئی باہر رہتی نہیں معلوم ہوتی اور اللہ نے چاہا تو زمانہ ایسوں سے خالی نہ ہوگا جسے اللہ تعالیٰ ان پوشیدہ باتوں کے نکالنے اور ان بخششوں اور فضیلتوں سے نفع اٹھانے پر قدرت دے یاں ہم بعضے بعید ہوتے ہیں اور بعضے قریب، اور آدمی خطا بھی کرتا ہے اور صواب بھی، اور علم تو اسی نور کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے جس بندے کے چاہے قلب میں القا فرماتا ہے تو سو اس کے کوئی چارہ نہیں کہ اللہ عز و جل کی توفیق و ہدایت کی طرف التجا کی جائے اور اللہ ہم کو کافی ہے اور بہت اچھا کام

ان واجه والاصحاب اسلك هداية الحق والصواب، اعلم وفقني الله واياك وتولي هداى وهداك انت النوط من احدث الاشياء واجدها لن تجد له ذكرا ولا اثر في شئ من مؤلفات العلماء حتى العلامة الشامي ومن ضاهاه من العلماء الماضين قريبا ولكن الائمة شكر الله تعالى مساعيمهم الجميلة وفاض علينا من بركاتهم الجليلة قد يتوا الملة الحنفية بيانا شافيا ليس دونه خفاء وقد اذنت بحمد الله تعالى غراء بيضاء ليلا كنهارها فاصلوا اصولا و فصلوا تفصيلا وذكروا كليات تنطبق على ما لا يحصى من جزئيات فالحوادث وان ابنت النهاية لا تكاد تخرج عما افادونا من الدراية ولن يخلوا لوجود ان شاء الملك الودود عن يقدره المولى سبحانه وتعالى على استخراج تلك الحبايا والاسترباح من تلك العطايا والمزايا نعم من الافهام بعيد وقریب والانسان يخطى ويصيب وما العلم الا نور يقذفه الله في قلب من يشاء من عبادة فلاحيلة الا التجاء الى توفيقه سبحانه وارشاده وحسبنا الله ونعم الوكيل

وعليه ثم على رسوله التعويلُ جل وعلا
وتكروم و صلى الله تعالى عليه وسلم
فأقول وبالله التوفيق وبه الوصول
إلى ذرى التحقيق أول أسئلتك
أصل أسئلتك وإذا علمت حقيقة
هذا القرطاس (تضمنت الأحكام
كلها من دون التباس) أما
أصله فمعلوم أنه قطعة كاغذ و
الكاغذ مال متقوم وما نرادته
هذه السكة المرغبة للناس إليه
وزيادة في صلوح ادخاره للحاجات
وهذا معنى المال أي ما يميل إليه
الطبع ويمكن ادخاره للحاجة كما
في البحر والشام وغيرهما ومعلوم
أن الشرع لم يرد بحجر المسلم
عن التصرف في قطعة
قرطاس كيفما كانت كما ورد به
في الخمر والخنزير وهذا هو
مناط التقوم كما في ابن عابدین
وفيه عن التلويح المال
ما من شأنه أن يدخر
للانتفاع وقت الحاجة والتقويم
يستلزم المالية، وفيه

بنانے والا اور اسی پر اور پھر اس کے رسول پر پھر سنا
وہ بزرگی و بلندی و کرم والا اور ان پر اس کے درود
سلام فاقول (تو میں کہتا ہوں) اور اللہ ہی کی
طرف سے توفیق ہے اور اسی سے تحقیق کی بلندیوں
تک پہنچنا، آپ کا پہلا سوال آپ کے سب سوالوں
کی اصل ہے اور جب اس کاغذ کی حقیقت معلوم
ہو جائیگی تو سب احکام واضح ہو جائیں گے جن میں
کوئی شبہ نہ رہے گا، اس کی اصل تو معلوم ہے
کہ وہ کاغذ کا ایک ٹکڑا ہے اور کاغذ مال متقوم ہے
اور اس سکہ نے اسے کچھ زیادہ نہ کیا مگر یہی کہ لوگوں کی
رغبتیں اس طرف بڑھ گئیں اور وقت حاجت کے لئے
اٹھار کھنے کا زیادہ لائق ہو گیا اور مال کے یہی معنی ہیں
یعنی وہ جس کی طرف طبیعت میل کرے اور حاجت
کے لئے اٹھار کھنے کے قابل ہو، جیسا کہ بحر و شامی
وغیرہما میں ہے اور معلوم ہے کہ شرع مطہر نے کبھی
مسلمان کو اس سے نہ روکا کہ وہ اپنے پارہ کاغذ
میں جس طرح چاہے تصرف کرے جیسا کہ شراب و
خوک کے بارے میں نہیں وارد ہوئی اور مال کے
قیمت والے ہونے کا اسی پر مدار ہے جیسا کہ
ردالمحتار میں ہے، اور اسی میں تلویح سے نقل فرمایا
مال وہ چیز ہے جس کی شان یہ ہو کہ وقت حاجت
اس سے نفع لینے کے لئے اٹھار کھا جائے اور قیمت
والا ہونا مال ہونے کو مستلزم ہے، اور اسی میں

بحوالہ بحر الرائق حاوی قدسی سے ہے، مال آدمی کے
سوا ہر شے کا نام ہے جو آدمی کی مصلحتوں کے لئے
پیدا کی گئی اور اس قابل ہو کہ اسے محفوظ رکھیں اور
باختیار خود اس میں تصرف کریں اور بیشک محقق
علی الاطلاق نے فتح القدر میں فرمایا اگر کوئی اپنے
کاغذ کا ٹکڑا ہزار روپے کو بیچے تو بلا کر بہت جائز ہے
انتہی، اور اگر تحقیق کیجئے تو یہ بعینہ نوٹ کا جزو ہے
کہ ان امام نے اس کی پیدائش سے پانچ سو برس
پہلے فرمادیا کہ یہ وہ کاغذ ہے جو ہزار کو بکتا ہے اور کچھ
اچنبھا نہیں ایسی کرامتیں ہمارے علمائے کرام
سے بکثرت ثابت ہوئیں اللہ ہمیں ان کی برکتوں سے
دنیا و آخرت میں نفع پہنچائے، آمین! تو کوئی
شک نہیں کہ نوٹ بذات خود قیمت والا مال ہے
کہ بکتا ہے اور مول لیا جاتا ہے اور بہہ کیا جاتا ہے
اور وراثت میں آتا ہے اور حتمی باتیں مال میں جاری
ہیں سب اس میں جاری ہوتی ہیں اقوال (میں
کہتا ہوں) اور گمان فاسد بلکہ نہایت بدتر شک
میں سے ہے یہ وہم کہ نوٹ دستاویز کے قبیل سے
کوئی سند ہے یعنی وہ سلطنت جو ان کاغذوں کو
راج کرتی ہے ان کے لینے والوں سے روپے
قرض لیتی ہے اور یہ ان کے قرضوں اور انکی مقداروں
کی یادداشت ان کو دیتی ہے تو جب وہ لوگ

عن البحر عن الحاوی القدسی
المال اسم لغير الأدمی خلق لمصالح
الأدمی وامکن احرازة والتصرف
فیه علی وجه الاختیار اھ وقد
قال المحقق علی الاطلاق فی فتح القدر
لو باع کاغذة بالف یجوز ولا یکره اھ
وهذا ان حققت جزئیة النوطاتی بها هذا
الامام قبل حدوثة بخمسائة
سنة، فانه هو کاغذ الذی
یباع بالف ولا غرو فکم من مثل
هذه الکرامات لعلمائنا الکرام نفعنا
الله تعالیٰ ببرکاتهم فی الدنیا
والآخرة آمین، فلا ریب ان النوط
بنفسه مال متقوم یباع ویشتري ویوهب
ویورث ویجری فیہ جمیع
ما یجری فی الاموال اقول
ومن الظن بل من اراء الشکوک
توهم انه سند من قبیل
الصکوک ای ان السلطنة التي
تروج هذه القراطیس تستدین
من أخذیها الدس اھم وتعطیهم هذه
تذکرۃ لدیونهم ولمقادیرها فاذا

۳/۴
۳۲۴/۶

دار احوار التراث العربی بیروت
مکتبہ نور بیروت ضویہ سکر

کتاب البیوع
کتاب الکفالة

لے رد المحتار
۲ فتح القدر

جاؤ ابہا الی السلطنة قضتہم دیونہم
واخذت قراطیسہا وان اعطوها
غیرہم من الرعا یا فرہم یستدینون
من اولیک الاخرین و یحیلونہم علی
السلطنة و یعطونہم تلك الذکرة
علما علی الاحالة کی يتوصلوا بہا
الی اخذ مثل دیونہم من السلطنة
المدیونۃ لمدینہم و ہکذا کما
تداولت الایدی تکررت
الادانات و الحوات ہذا معنی
کو نہ سند او کل طفل عاقل
یعلم ان ہذہ المعافی
مما لا یخطر ببال احد
من التعاملین بہا و
لا یقصدون قط بہذا
التداول ادانہ و لا استدانة
ولا حوالۃ و لا یندہب خاطرہم
الی شئ من ذلک اصلا ولا تری
احدہم قط ینذکرفی دفتر
دیونہ علی الناس من اخذ الدراہم
منہ باعطاء النوط و لا یقول
لہ مدۃ عمرۃ انک استدانت منی کذا
فاقضنی وخذت ذکرتک منی و لافی دفتریون
الناس علیہ من اخذہوا الدراہم منہ و اعطاء
النوط و لا ینذکر لاحد فی حیاتہ ولا عند مماتہ

سلطنت کے پاس وہ نوٹ لے کر آئیں —
سلطنت ان کے قرض
ادا کر دیتی اور اپنے کاغذ واپس لیتی ہے اور اگر نوٹ
لینے والے رعیت میں اوروں کو نوٹ دیں تو وہ ان
دوسروں سے روپے قرض لیتی ہیں اور اپنا قرضہ
سلطنت پر امارد دیتے ہیں اور اس حوالہ کی نشانی
کو وہی یادداشت کا کاغذ ان کو دے دیتے ہیں تاکہ
ان کے ذریعہ سے ان دوسروں نے جو قرض ان پہلوں
کو دیا تھا اسے سلطنت سے وصول کر سکیں جو ان
پہلوں کے مقروضوں کی مدیون ہے اور یونہی جتنے
الٹ پھیر نوٹوں کے ہوں قرض اور حوالے مکرر
ہوتے چلے جاتے ہیں اس کے سند ہونے کے یہ معنی
ہیں اور ہر سمجھ وال بچہ بھی جانتا ہے کہ جتنے لوگ نوٹ
کا معاملہ کرتے ہیں کسی کے دل میں ان باتوں کا
خطرہ بھی نہیں گزرتا اور کبھی اس الٹ پھیر سے
قرض دینے یا لینے یا حوالہ کا قصد نہیں کرتے اور
کبھی ان باتوں میں سے کسی طرف ان کا خیال
نہیں جاتا اور تو ان میں کبھی کسی کو نہ دیکھے گا کہ اپنے
قرض کے بھی کھاتے میں اس کا نام لکھے جس نے
نوٹ دے کر اس سے روپے لئے اور اپنی زندگی
بھرا اس سے یہ نہیں کہتا کہ تو نے مجھ سے قرض لیا،
ادا کر دے اور اپنی یادداشت مجھ سے لے لے
اور جو اوروں کا اس پر دینا آتا ہے اس میں بھی
اس کا نام کبھی نہیں لکھتا جسے نوٹ دے کر اس نے
روپے لئے اور اپنی زندگی بھریا مرتے وقت یہ نہیں

ان لفلان علی کذا فاقضوه وخذوا
تذکر فی منه والظلمة المهتکة
المعاداة باکل الربا جہا، الا یدینون
احدا دہما الا بر یا یوضع علیہ
کل شہر مالہ یقض و تراہم یاخذون
النوط و یعطون الدرہم ولا یطلبون
علیہا فلسا و احدا لا علی شہر ولا
علی سنین ولو علموا انہ ادا نہ لما ترکوا
قطعا، فالحق انہم جمیعا انما یقصدون
المبادلة والبیع والشراء ومن اخذ
النوط یعلم قطعاً انہ ملکہ بالدرہم
ومن اعطاه یعلم قطعاً انہ
اخرجہ من ملکہ بالدرہم و
صاحبہ یعدہ من مالہ و
کنزہ کالنقدین والفلوس و
یدخرہ ویہبہ ویوصی بہ ویصدق
فلا یفہموت الا البیع ولا یقصدون
الا البیع والناس عند مقاصدہم
وانما الاعمال بالنیات و
انما لکل امرئ ما سوی،
فمن المتیقن الذی
لا یحسوم حومة شہمة
انہ عند الناس مال

کہتا کہ فلاں کا مجھ پر اتنا آتا ہے اسے ادا کر دینا اور
میری یادداشت اس سے لے لینا اور وہ ظالم
بیباک جو سود علانیہ کھانے کے عادی ہوئے ہیں
ایک روپیہ کسی کو قرض نہ دیں گے جب تک تا ادا نہ
دین اس پر ماہوار سود نہ مقرر کر لیں اور تو انہیں
دیکھے گا کہ نوٹ لے کر روپے دیتے ہیں اور اس
پر ایک پیسہ بھی نہیں مانگتے نہ مہینے پیچھے نہ برسوں
بعد، اور اگر وہ جانتے کہ یہ قرض دینا ہے تو ہرگز
نہ چھوڑتے، تو حتی یہ ہے کہ وہ سب کے سب اس
سے مبادلہ اور خرید و فروخت ہی کا قصد کرتے ہیں
جو نوٹ لیتا ہے وہ یقیناً جانتا ہے کہ میں روپے
دے کر اس کا مالک ہو گیا اور جو نوٹ دیتا ہے
وہ یقیناً جانتا ہے کہ میں نے روپے لے کر نوٹ
اپنی ملک سے خارج کر دیا اور نوٹ لینے والا اسے
روپوں اشرافیوں پیسوں کی طرح اپنا مال اور اپنی
جمع سمجھتا ہے اور اسے جوڑ کر رکھتا ہے اور ہبہ کرتا
ہے اور اس میں وصیت کرتا ہے اور تصدیق کرتا
ہے تو وہ بیع ہی سمجھتے ہیں اور بیع ہی کا قصد کرتے
ہیں اور لوگوں کے معاملات وہی سمجھے جائیں گے جو
ان کے مقصود ہیں اور اعمال کا مدار نیت ہی پر
ہے اور ہر شخص کے لئے وہی ہے جو اس نے
نیت کی تو ایسے یقین سے ثابت ہے جس کے گرد
شہدہ کو اصلاً بار نہیں کہ نوٹ لوگوں کے نزدیک

متقوم محض مدخر مرغوب
 فیہ یباع ویشتری ویجری
 فیہ کل ما فی المال جری اماماتری
 من علو اثمانه فقطعة بعشرة
 وخری بمائة وخری
 بالف فاقول قد مناعن
 الفتح ان قطعة قرطاس
 تصلح ان تباع بالفن و
 ذلك بالتراضی بین العاقدین
 فقط فکیف اذا تراضی علیہ امم
 من الناس وجعلوا هذه القطعات
 بهذه الاثمان اصطلاحاً منهم علا
 ان الضرب السلطانی له قيمة عند الشرع
 ایضاً الا تری ان من سرق عشرة
 دراهم مضروبة قطع ومن سرق
 تبرا غیر مضروب ووزنه قدر عشرة
 ولا تبلغ قیمته عشرة مضروبة لم یقطع
 كما نص علیہ فی الهدایة و غیرها
 عامة کتب المذهب والفلوس المضروبة
 المقدسة بریئة ان اخذت قدرها وزن من
 النحاس لا یساوی ربية قطعاً بل قد لا یساوی
 نصفها بل تری مثل ذلك فی الفضة فقد
 كانت فی قریب من الزمان فضة تساوی

قیمت والا مال ہے جو محفوظ رکھا جاتا ہے جمع کیا جاتا
 ہے اس کی طرف رغبت ہوتی ہے بیچا جاتا ہے
 اور مول لیا جاتا ہے اور جو مال میں جاری ہے
 سب اس میں جاری ہوتا ہے اور یہ جو تم اس کی
 بڑی بڑی قیمتیں دیکھتے ہو کہ ایک نوٹ دس کا او
 دوسرا سو کا اور تیسرا ہزار کا اقول (میں کہتا
 ہوں) ہم فتح القدر سے بیان کر آئے کہ کاغذ کا
 ایک ٹکڑا ہزار کو بک سکتا ہے اور اس کے لئے
 صرف اتنا درکار ہے کہ بائع و مشتری دونوں راضی
 ہوں تو اس کا کیا کہنا جس پر گروہ کے گروہ راضی
 راضی ہوں اور ان قطعوں کی قیمتیں اپنی اصطلاح
 میں ٹھہرائیں علاوہ بریں سکہ شاہی شرع کے
 نزدیک بھی قیمتی ہے کیا نہیں دیکھا کہ جو شخص دس
 درہم سکہ کے چرائے ہاتھ کاٹا جائے گا اور جو
 ایسی چاندی بے سکہ کی چرائے جس کا وزن دس درہم
 بھر ہو اور اس کی قیمت سکہ کے دس درہم تک
 نہ پہنچی اس کا ہاتھ نہ کٹے گا، جیسا کہ ہدایہ وغیرہ
 عام کتب مذہب میں تصریح ہے اور ایک روپے
 کے سکہ دار پیسے جتنے آتے ہیں اگر تو ان کے وزن
 کا تانبا لے تو ہرگز ایک روپے کا نہ ہوگا بلکہ بعض
 وقت اٹھنی کا بھی نہ ہوگا بلکہ ایسی حالت چاندی
 میں بھی دیکھو گے ابھی تھوڑا زمانہ گزرا ہے کہ دو
 روپے بھر چاندی ہمارے ملک میں ایک روپے کو

بکتی تھی اور جاہل لوگ خریدتے تھے اور نہیں جانتے تھے کہ اس میں سود کا کیسا وبال ہے تو سکھ سے جب دو نادر و ندرت ہو گئی تو دو چنڈ اور ہزار چنڈ سب یکساں اور ہر شخص کہ شرع مطہر یا عقل سلیم کے گھاٹ گزرا، اگرچہ راہ چلتا ہوا، اس پر روشن ہے کہ ایک شئی نہایت حقیر میں ایک وصف لگ جاتا ہے کہ اسے اس جیسی ہزاروں سے بیش بہا کر دیتا ہے اور بارہا ایک کمینز دو لاکھ روپے اور اس سے زائد کو خریدی گئی اور دوسری کو کوئی تیس روپے کو نہیں پوچھتا حالانکہ اوصاف کے لئے ثمن میں سے کوئی حصہ نہیں یہاں تک کہ ہاتھ پاؤں جب تک کہ بالقصد نہ ہلاک کئے جائیں وہ ثمن ذات ہی کا ہے جسے رغبتیں بڑھنے کے سبب اوصاف نے بڑھا دیا جھلا بتا تو کہ ایک ورق کاغذ ہو جس میں ایک علم نفیس عجیب و غریب نادر ہو اور ایک شخص اس علم کا طلبگار ہو اور اس کی طلب جانتا ہو وہ اس ورق کو دس ہزار میں خرید لے تو کیا کوئی اس میں خلاف ہے ہرگز نہیں بلکہ حلال طیب ہے اس پر قرآن عظیم کا نص اور بلا انکار و منازعت اجماع قائم ہے، رب عزوجل فرماتا ہے مگر یہ کہ کوئی سودا تمہارے آپس کی خوشی کا ہو اور یہ دس ہزار اس لکھے ہوئے علم کی قیمت نہیں کہ وہ تو مال کے قبیل ہی سے نہیں جیسا کہ ہدایہ اور باقی تمام کتب میں تصریح ہے جن میں

ربیتین وزنا بریبة واحدة فی بلادنا
وكانت الجهلة یشترون ولا یعلمون
ما فیہ من وبال الربا فاذا حصل
بالضرب التضعیف فالضعف والاضعاف
سواء و من الجلی عند کل من و مراد
ولو عا بر سبیل مشرع الشرع الجلیل او
منهل العقل السلیم ان الشئی التافه جدا
سما یعرض له ما یجعله اعلی من الوف
امثاله و سما اشتريت جاریة بمائتی الف
واکثر و لا یغیب فی اخری بثلاثین درهما
مع ان الاوصاف لا قسط لهما من الثمن حتی
الاطراف ما لو تصر مقصودة بالانلاف فما
هی الا ثمن الذات زادتہ الاوصاف لزیادة
الرغبات ارایتک ان کانت ورقه کاغذ فیها
نفیس عجیب نادر غریب و کان رجل یطلبه
و یعرف قدره فاشترها بعشرة الاف
هل فیہ من خلاف کلابل حلال طیب
بنص القرآن والاجماع من دون نکیر
ولا نزاع، قال تعالیٰ الا ان
تکون تجارة عن تراض منکم
فهذه العشرة الاف ما هی ثمن المکتوب
فانه لا مالیه له اصلا کما نص علیه
فی الهدایة و سائر کتب المعللة و هذا

نصها ولا قطع في سرقة المصحف و
ان كانت عليه حلية لانه
لامالية له على اعتبار المكتوب
واحرارة لاجله لا للجلد والاوراق
والحلية وانما هي توابع، ولا
في الدفاتر كلها لان المقصود
ما فيها وذلك ليس بمال الادفاتر
الحساب لان ما فيها لا يقصد بالاخذ
فكان المقصود الكواغذ اذ ملتقطاً
فتبين ان الورقة الواحدة
هي التي تبلغ ثمنها لما فيها
عشرة آلاف فاق غرو في
بلوغ قيمة نوط عشرة او اكثر
لاجل ما كتب فيه مما
استجلب مرغبات الناس اليه
واي حرم من الشرع عليه
وبالجملة فالمسألة اوضح من
ان تحتاج الى ايضاح والى كم
تبتغي المصباح وقد اسفر الاصباح
ثم اقول بل حقيقة الامر
ان الاموال كما في البحر
وغيرة اربعة اقسام، الاول
ثمن بكل حال وهو النقود ان

مسائل مع دلائل مذکور ہیں اور یہ ہدایہ کی عبارت ہے
قرآن مجید چرانے میں ہاتھ نہ کاٹا جائے گا اگرچہ
اس پر سونا چڑھا ہو اس لئے کہ لکھے ہوئے کے
اعتبار سے تو وہ از قبیل مال ہی نہیں اور اس کا
محفوظ رکھنا اس مکتوب ہی کی غرض سے ہے نہ کہ
جلد اور ورقوں اور نقوش زر کے لئے یہ چیزیں تو
تابع ہیں اور کسی قسم کے دفتر کی چوری میں ہاتھ نہ کاٹا
جائے گا کہ ان سے مقصود وہ ہے جو ان میں لکھا
ہے اور وہ مال نہیں مگر حساب کی بہیاں کہ ان میں
جو لکھا ہے وہ دوسرے کے کام کا نہیں ہوتا جو
اس کا لینا مقصود ہو تو ضرور کاغذ ہی مقصود ہوتے
انہی ملخصاً، تو کھل گیا کہ ایک ورق کاغذ ہی کی
قیمت اس کی تحریر کے باعث دس ہزار کو پہنچ گئی
تو اس میں کیا تعجب ہے کہ اس لکھائی کے
سبب نوٹ کی قیمت دس یا زائد کو پہنچ جائے
جس کے باعث لوگوں کی رغبتیں اس کی طرف کھینچ
گئیں اور شرع سے اس پر کون سی روک ہے،
خلاصہ یہ کہ مسئلہ اس سے زیادہ روشن ہے کہ
روشن کرنے کا حاجت مند ہو اور کہاں تک تو چراغ
مانگے جائے گا حالانکہ صبح روشن ہوگی ثم
اقول (پھر میں کہتا ہوں) اصل بات یہ ہے کہ
مال چار قسم ہے جیسا کہ بحر الرائق وغیرہ میں ہے
اول وہ کہ ہر حال میں ممن ہی ہے اور وہ سونا چاندی

فانهما اثبات ایدا صحبتہما الباء
اولا وقوبلا بجنسہما اولاً وعدہما
العرف من الاثبات اولاً كالمصوغ
منہما فاتہ بسبب ما اتصل بہ من
الصنعة لم یبق ثننا صریحاً و
ولہذا یتعین فی العقد ومع ذلك
بیعہ صرف یشترط فیہ ما یشترط
فی الصرف لانہما خلقا للثمنیة
ولا تبدیل لخلق اللہ، والثانی
مبیع بکل حال كالثیاب
والدواب فانہا وان
صحبتہا الباء وقوبلت بما
تشاء لا تثبت دینا فی الذمۃ
وہذا هو المعنى بالثمنیة
فلا یردان فی المقایضۃ
كلام من العرضین ثمن
من وجہ ہكذا وجہ ابن عابدین
جواباً عن ایراد العلامة الطحاوی
اقول وفيہ ان المصوغ
من الجبریت ایضا
لا یثبت دینا فی الذمۃ بل
یتعین فی العقود كما
تقدم عن البحرفان سلم
هذا ورد النقص علی ذلك
فلیتامیل والاظہر عندی الجواب

ہیں کہ ہمیشہ ثمن ہی رہیں گے خواہ انکے عوض کوئی چیز بھی یا انکو کسی
چیز کے عوض بچینا کہیں خواہ اپنی جنس سے
بدلے جائیں یا غیر جنس سے خواہ اہل عرف نہیں
ثمن کہیں یا نہیں جیسے چاندی سونے کے برتن وغیرہ
کہ وہ اس گھڑت کے سبب جو ان میں ہوئی خالص
ثمن نہ رہے ولہذا عقد بیع میں متعین ہو جائینگے
اور باہنہ ان کی بیع شرعاً صرف ٹھہرے گی
(یعنی ثمن سے ثمن کا بچنا) اور جو شرائط صرف کے
وہ سب اس کے مشروط ہوں گے اس لئے کہ
چاندی سونا ثمن ہونے کے لئے ہی بنائے گئے اور
اللہ کی پیدا کی ہوئی چیز بدلی نہیں جاتی۔ قسم دوم وہ
جو ہر حال میں بیع ہے جیسے کپڑے، چوپائے کہ اگر
ان کے عوض کوئی چیز بچینا کہیں اور ان کا مبادلہ
کسی شے کے ساتھ ہو وہ کبھی ذمہ پر دین ہو کہ
لازم نہ ہوں گے، اور ثمن ہونے کے یہی معنی ہیں
تو یہ اعتراض وارد نہ ہوگا کہ بیع مقایضہ جس میں
متاع کے بدلے متاع بچتی جاتی ہے، اس میں
دونوں متاع ایک وجہ سے ثمن ہیں، اور انہما
طحاوی کے جواب میں علامہ شامی نے انہی طرز
توجیح فرمائی، اقول (میں کہتا ہوں) اس
میں یہ اعتراض ہے کہ چاندی سونے کی گھڑی ہوتی
چیز مثلاً برتن یا گنایہ بھی ذمہ پر دین نہیں ہوتے
بلکہ عقد میں متعین ہو جاتے ہیں جیسا کہ جو الراتق
سے گزرا، تو اگر یہ تقریر سالم رہے تو اس پر نقص
وارد ہوگا غافل، اور میرے نزدیک صاف جواب

بان كل سلعة في التباينة مبيع ايضا
ولا يمكن ان تصير ثمنا محضا و ان
كان لها وجهه الى الثمنية من حيث
ان البيع لا يقوم الا بالبدلين بخلاف
القسم الا ترى فانه تاسرة يصير ثمنا بحتا و
واخرى مبيعا خالصا فعنى القسمين انه
لا ينفك عنه كونه ثمنا او كونه مبيعا
لشئ من الاحوال وان اعتراه
وجهه اخرى ايضا في بعض الحال ثم
قوله كالتياب اس سلها ارسالا و اقرة
الشرح و الحواشي والمراد المختلفة افرادها مالية
والا كانت من الثالث حيث امكن ضبطها
بذكر جنس كقطن وكتان و صنعة كعمل
الشام و مصر ورقة او غلظة و ذرع طولا
و عرضا و وزن ان بيعت به و بذل ايجيون
السلم فيها كما عرف في محلة و الثالث
مالوصف في ذاته ثمن تاسرة و مبيع
اخرى و لا قول كقول التنوير ثمن
من وجه مبيع من وجه
ليعود حديث التباينة
اقول و انما نردت
لوصف في ذاته احترازا
عن قسم الرابع فانه

یہ ہے کہ بیع مقایضہ میں ہر شے بیع بھی ہے اور ثمن
خالص نہیں ہو سکتی اگرچہ اس کا ایک رخ ثمنیت کی
طرف بھی سہی اس لئے کہ بیع بغیر ثمن و بیع دونوں کے
نہیں ہو سکتی بخلاف قسم آئندہ کے کہ وہ کبھی خالص
ثمن ہوتی ہے اور کبھی خالص بیع، تو ان دونوں قسموں
کے معنی یہ ہیں کہ اس کا ثمن یا بیع ہونا کسی حال اس
سے جدا نہ ہو اگرچہ بعض اوقات اسے دوسرا رخ
بھی عارض ہو، پھر وہ جو کپڑوں کی مثال گزری مصنف
نے اسے یونہی مطلق چھوڑا اور شرح و حواشی
میں اسے برقرار رکھا اور مراد وہ کپڑے ہیں جو مالیت
میں ایک سے نہ ہوں، ورنہ تیسری قسم میں ہوں گے
جبکہ ان کا ضبط ہو سکے ذکر جنس سے جیسے روئی
اور کتان، یا کارخانہ کے ذکر سے جیسے شام و مہر کا
کام، یا پتیل اور دبیز ہونے سے یا طول و عرض کی
پیمائش سے یا وزن سے اگر قول کر بیچے جاتے ہوں
اور اسی بنا پر ان میں بیع سلم یعنی بدلی جائز ہے
جیسا کہ اپنے محل میں معلوم ہو چکا ہے۔ قسم سوم وہ
جن کی ذات میں کوئی ایسا وصف ہے جس کے سبب
کبھی ثمن کبھی بیع ہوتے ہیں اور میں ویسا نہیں کہتا
جیسا تنویر میں فرمایا کہ ایک جہت سے ثمن ہو اور ایک
جہت سے بیع کہ مقایضہ کی بات پلٹ پڑے،
اقول (میں کہتا ہوں) میں نے یہ قید کہ اس کی
ذات میں کوئی وصف ایسا ہو اس لئے بڑھا دی کہ

ایضاً یصیر مرة ثننا واخری لا ،
لا لوصف فی ذاته بل للاصلاح
وعدمه وهذه هی المثلیات فانها
امان تقابل باحد النقدین او
لا علی الاول مبیعات مطلقا سواء
دخلتها الباء او لا وتعینت اولاً کقولک
بعثک هذا الذہب بکربیر او
بهذا الکرب فاکرب بیع مطلقا
والبیع فی صورة التعیین
مطلق وفي غیره سلم یشترط
فیہ شرائطه وعلی الثانی اما
ان تدخلها الباء او لا علی
الاول اثبات مطلقا تعینت اولاً
کبعثک هذا الثوب بکربیر او بهذا
الکرب والبیع مطلق فی الوجهین والکرب
یثبت فی الذمۃ وعلی
الثانی ان تعینت فاثبات
کبعثک هذا الکرب بهذا الثوب
اولاً فبیعات کبعثک کرا بهذا
العبد والبیع سلم
بشروطه والحاصل ان
المثل ان قوبل بحجر
فبیع مطلقا و الا فان دخلته
الباء فثمن مطلقا و الا
فان تعین فثمن اولاً

قسم چارم نکل جائے کہ وہ بھی تو کبھی ثمن ہوتی ہے کبھی
نہیں لیکن کسی اپنے وصف کے سبب نہیں بلکہ
اصطلاح و عدم اصطلاح کی بنا پر ۔ اور یہ وہ
اشیاء ہیں جن کو مثلی کہتے ہیں اب ان کا مقابلہ یا
تو چاندی سونے سے ہو گیا اور چیز سے ، پہلی صورت
میں مطلقاً بیع ہیں چاہے خرید و فروخت میں ان
کو عوض ٹھہرایا ہو یا سونے چاندی کو ، اور یہ شے
مثلی معین ہو یا غیر معین جیسے کوئی یوں کہے میں نے
یہ سونا اتنے من گہیوں کو بیچا یا ان گہیوں کے عوض
بیچا تو گہیوں بہر حال بیع ہے پھر وہ گہیوں اگر معین
ہے تو بیع مطلق ہے اور اگر غیر معین ہے تو سلم
کہ اس کے شرائط لازم ہوں گے اور دوسری صورت
میں ان کے عوض کوئی چیز بیچنا کہی یا ان کو کسی
شے کے عوض بیچنا کہا پہلی تقریر پر بہر حال میں
ثمن ہوں گے خواہ معین ہوں یا نہیں جیسے یوں
کہا کہ میں نے یہ کپڑا اتنے گہیوں یا ان گہیوں کے
عوض بیچا اور بیع بہر حال مطلق ہے چاہے یہ
معین ہوں یا نہیں اور وہ گہیوں ذمہ پر لازم ہونگے
بر تقدیر دوم اگر یہ چیزیں معین ہوں تو ثمن ہیں جیسے
یوں کہا کہ میں نے یہ گہیوں اس کپڑے کے عوض بیچے
اور معین نہ ہوں تو بیع ہیں جیسے یوں کہے کہ میں نے
اتنے من گہیوں اس غلام کے بدلے بیچے اور بیع
سلم ہے اس کے شرائط کے ساتھ ، اور خلاصہ
کلام یہ ہے کہ مثلی چیز اگر سونے چاندی کے مقابل ہو
تو مطلقاً بیع ہے ورنہ اگر اس کے عوض بیچنا کہیں

فمبيع وهذا ايضا ما حرر الشامي
مع احسن ضبط لا يوجد فيه
والرابع ما هو سلعة بالاصل
وثن من بالاصطلاح كالفلوس فمادام
يروج فكثمت والاعاد لاصله و
لا شك ان المصطلحين اذا
اسادوا ان يجعلوا سلعة ثنا
لابد لهم ان يرجعوا في تقديرها
الى الثمن الخلق فان ما بالعرض
لا يتقوم الا بما بالذات فيجعلون
اربعة وستين من الفلوس الهندية
واحدى وعشرين من الهلات العربية
بربية وهكذا في غيرها وهم في ذلك
بالخيار يصطلحون كيف يشاؤون اذ لا مشاحة
في الاصطلاح وقد كان قبل نحو عشرين سنة
في الديار الهندية قسمان من الفلوس
يروجان احدهما مضروب والاخر قطعة نحاس
مستطيلة الشكل نحو ضعف الفلوس المضروب
في الوزن وكان من المضروب اربعة وستون
بربية لا تزيد ولا تنقص ومن الاخر مختلف
السعر وربما صار ثمانون منه بربية الى ان كسد
ونفذ فكل ذلك راجع الى الاصطلاح ولا يجوز
فيه من جهة الشرع الشريف اذا علمت هذا
فالنوط هو من القسم الرابع سلعة باصله لانه
قرطاس وثن بالاصطلاح لانه

تو مطلقاً ثمن ہے ورنہ اگر معین ہو تو ثمن ہے اور
غیر معین ہو تو بیع یہ اس کا ایضاً ہے جو علامہ شامی
نے یہاں منع فرمایا مگر ایسے نفیس ضبط کے ساتھ جو
شامی میں نہیں، قسم چہارم وہ یہ کہ حقیقتہً کوئی متاع
ہو اور اصطلاحاً ثمن جیسے پیسے تو وہ جب تک چلتے
ہیں ثمن ہیں ورنہ اپنی اصل کی طرف لوٹ جائیں گے
اور اصلاً شبہ نہیں کہ اہل اصطلاح جب کسی چیز کو
ثمن کرنا چاہیں تو انھیں ان کے اندازہ میں ثمن پیدا ہونے
کی طرف رجوع کرنے ناگزیر ہے کہ عرضی چیز کا قیام تو
ذاتی ہی سے ہوتا ہے تو ۶۴ ہندی پیسے یا ۲۱ عربی
ہلے ایک روپے کے قرار دیتے ہیں یوں ہی اس کے
ماسوا میں، اور اختیار ہے جیسے چاہیں اصطلاح مقرر
کریں کیونکہ اصطلاح میں کوئی روک ٹوک نہیں، ۲۰
برس پہلے ہندوستان میں دو طرح کے پیسے رائج تھے
ایک سکہ زدہ (ڈبل) دوسرے تانبے کے لمبے
ٹکڑے وزن میں ڈبل پیسے سے قریب، دونوں کے
(منصوری) ڈبل پیسے روپیہ کے ۶۴ سے نہ زائد
ہوتے ہیں نہ کم، اور منصوری کا بھاؤ گھٹتا بڑھتا
رہتا ہے اور کبھی ایک روپے کے اتنی ہو جاتے تھے
یہاں تک کہ چلن نہ رہا اور جاتے رہے تو یہ سب
اصطلاح کی جانب راجع ہے اور اس میں شرع ملہر
کی طرف سے کوئی روک نہیں۔ جب یہ معلوم ہو گیا
تو نوٹ چوتھی قسم سے ہے، اصل میں یہ ایک متاع
ہے اس لئے کہ ایک رچہ کاغذ ہے اور اصطلاح
میں ثمن ہے اس لئے کہ اس کے ساتھ ثمن کا سا

معاملہ کیا جاتا ہے اور یہ رقمیں کہ اس پر مرقوم ہیں یہ اس کی ثمنیت کا ثمن اصلی سے انداز ہے جیسا کہ معلوم ہو چکا تو بیک اصطلاح ہے اس میں کچھ مضائقہ نہیں نہ اس کی وجہ توجیہ دریافت کی جائیگی، بحمد اللہ القدر اس تقریر سے نوٹ کی حقیقت واضح ہو گئی اور تمام احکام اسی پر مبنی تھے تو ان شاء اللہ تعالیٰ اب کوئی دشواری کسی حکم کے اظہار میں آڑے نہ آئے گی، اور سب خوبیاں اللہ کو جو ہر چیز کا نگہبان ہے بلندی والا۔

جواب سوال اول

مع شے زائد واضح ہو لیا اور بڑھانے کی ضرورت نہیں۔

جواب سوال دوم

فاقول (تو میں کہتا ہوں) ہاں نوٹ میں زکوٰۃ اپنی شرطوں کے ساتھ واجب ہے اس لئے کہ آپ نے جان لیا کہ وہ خود قیمتی مال ہے دستاویز و رسید قرض نہیں کہ جب تک نصاب کا پانچواں حصہ قبضہ میں نہ آئے زکوٰۃ دینا واجب نہ ہو اور نوٹ میں نیت تجارت کی بھی حاجت نہیں اس لئے کہ فتویٰ اس پر ہے کہ ثمن اصطلاحی جب تک رائج ہے زکوٰۃ اس میں واجب ہے بلکہ نوٹ کو نیت تجارت سے اصلاً جدا ہی نہیں کہ بغیر مبادلہ اس سے نفع لے ہی نہیں سکتے جیسا کہ ظاہر ہے فتاویٰ علامہ قاری الہدایۃ میں ہے فتویٰ اس پر ہے کہ پیسے جب تک رائج ہیں ان پر زکوٰۃ واجب

یعامل به معاملة الاثمان وهذه الرقوم المكتوبة عليه تقديرات ثمنية بالثمن الاصلی كما علمت ، فهو اصطلاح لامضایقة فيه ولا یسأل له عن وجه وتوجیه وقد تبین بهذالتقریر والحمد لله الفتاح القدير حقیقة النوط وانما سائر الاحکام بها منوط فاذا ن لا یعتري ان شاء الله تعالى في ابانة شئ من الاحکام اشكال والحمد لله المهيمن المتعال۔

اما السؤال الاول

فقد بان الجواب مع المزيد ولا احتیاج الى ان تزيد۔

واما الثاني

فاقول نعم تجب فيه الزکوٰۃ بشرطها لما علمت انه مال متقوم بنفسه وليس سندا وتذكرة للدين حتى لا يجب اداؤها ما لم يقبض خمس نصاب ولا حاجة فيه الى نية التجارة لان الفتوى على ان الثمن المصطلح تجب فيه الزکوٰۃ مادام رائج بل لا انفك له عن نية التجارة لانه لا ينتفع به الا بالمبادلة كما لا يخفى في فتاوى قارى الهداية الفتوى على وجوب الزکوٰۃ في

جبکہ دوسو درہم چاندی یا بیس مشقال سونے کی قیمت کو پہنچے ہوں انتہی اور نوٹ جو سال زکوٰۃ تمام ہونے سے پہلے ملے وہ اپنی جنس کے نصاب یا قیمت رکھا کر سونے چاندی سے ملایا جائے گا جیسا تجارتی مال کا حکم ہے۔

جواب سوال سوم

فاقول (تو میں کہتا ہوں) ہاں وہ مہر ہو سکتا ہے اسی بنا پر کہ آپ جان چکے جبکہ وقت عقد اس کی قیمت سات مشقال چاندی ہو اگر کم ہوگی تو پوری کی جائے گی جس طرح اسباب میں ہے۔

جواب سوال چہارم

فاقول (تو میں کہتا ہوں) نوٹ کی چوری میں ہاتھ کاٹا جائے گا جب کہ اس کی شرطیں پائی جائیں یعنی چور عاقل بالغ ہو، گونگانہ ہو، اندھانہ ہو، نوٹ پوری حفاظت کی جگہ رکھا ہو، اور اس کے سوا جو شرائط ہیں اور جس دن چرایا تھا اور جس دن کاٹیں دونوں دن اس کی قیمت دس درہم سکے دار کھرتے تک پہنچے اور یہ سب اسی بنا پر ہے کہ ہم بیان کرتے کہ وہ بذات خود ایک قیمت والا مال ہے۔

جواب سوال پنجم

فاقول (تو میں کہتا ہوں) ہاں کوئی کسی کا نوٹ تلف کر دے تو اس کے تاوان میں نوٹ

الفلوس اذا تعومل بها اذا بلغت ما تساوی مائتی درہم من الفضة او عشرين مثقالاً من الذهب اھ والنوط المستفاد قبل تمام المحول یضم الی نصاب من جنسہ او من احد النقدین باعتبار القیمة كما موال التجارمة۔

واما الثالث

فاقول نعم یصح مہر الماعلمت اذا كانت قیمتہ وقت العقد سبع مثاقیل من فضة فان اقل یتم كما فی العروض۔

واما الرابع

فاقول یجب القطع بشروطہ من تکلیف ونطق و بصر و حرز تام وغیرھا اذا بلغت قیمتہ کلا یومی السرقة والقطع عشرة دراهم مضروبة جیادا وذلك كله لما بینا انه مال متقوم بنفسه۔

واما الخامس

فاقول نعم یضمن باتلاف بشلہ ولا یجبر المتلف

لہ فتاویٰ قاری الہدایۃ

ہی دینا آئے گا اور تلف کنندہ کو خاص روپیہ ادا کرنے پر مجبور نہ کیا جائے گا کہ نوٹ وہ چیز ہے جس کا لین دین گن کر ہوتا ہے اور دونوں میں اصلاً تفاوت نہیں سمجھا جاتا ہے جبکہ وہ ایک ٹکسال کے ہوں، ہاں ٹکسال جب مختلف ہو تو اگرچہ سلطنت ایک ہوا کثر قیمت مختلف ہو جاتی ہے اور یہ اس لئے کہ نوٹ الہ آباد یا الہ آباد و کلکتہ کا چلن مشرقی شمالی ممالک ہند میں بمبئی کے نوٹ سے زیادہ ہے و بالعکس اور بیشتر ایک جگہ کا نوٹ دوسرے مقام پر کچھ آنوں کی کمی سے لیا جاتا ہے تو ایک دوسرے کے برابر شمار نہ کیا جائے گا تا وقتیکہ چلن میں برابر نہ ہوں۔

جواب سوال ششم

فاقول (پس میں کہتا ہوں) ہاں جائز ہے جیسا کہ تمام شہروں میں عمل درآمد ہے اور تم اس کی تحقیق جان چکے۔

تنبیہ، میں نے جواب میں اسی پر اکتفا کی تھی اس لئے کہ ابتدائے کلام میں جو تقریر گزری اس سے امر واضح ہو چکا تھا پھر جب میں رسالہ تمام کر چکا مجھے بعض علماء رسالہ اللہ تعالیٰ سے خبر پہنچی کہ انھوں نے بطور مذاکرہ نہ بطور مجادلہ یہ فرمایا کہ علامہ ابن عابدین نے ردالمحتار میں اس مسئلہ پر کہ بیع منعقد ہونے کی شرط بیع کا مال مقوم ہونا ہے یہ تفریح ذکر کی کہ ایک ٹکڑے روٹی کی بیع باطل ہے کہ جواز بیع کے لئے کم سے کم ایک پیسہ قیمت

على اداء الدراهم خاصة لان النوط عددی غیر متفاوت اصلاً اذا اتحد دار ضربیه نعم اذا اختلف ولو اتحدت السلطنة فربما تختلف القيمة وذلك ان النوط الہ آباد او الہ آباد و کلکتہ یروج فی ممالک الہند المشرقیة الشمالية اکثر مما یروج نوط بمبئی و بالعکس و ربما یشتری نوط مکات فی اخر بنقص عدة آتات من رقمه المكتوب علیه فلا یعد احدهما مثل الاخر الا اذا استویا رواجا۔

واما السادس

فاقول نعم یجوز كما تعامله الناس فی عامة البلاد وقد علمت تحقیقه۔

تنبیہ، کنت قنعت فی الجواب بهذا القدر لوضوح الامر بما قررتہ فی الصدر فاذا انہیت الرسالة بلغنی عن بعض الافاضل انه حفظه الله تعالیٰ قال مذاکرۃ لا مجادلۃ ان العلامة ابن عابدین ذکر فی رد المحتار تفریعا علی ان من شروط انعقاد البیع کون المعقود علیہ مالا مقوما انه لم ینعقد بیع کسرة خبز لان ادنی القيمة التي تشترط

عہ یعنی فاضل حامد احمد محمد جدادی سلمہ ۱۲۔

لجواز البيع فلس الله ومعلوم ان
 هذا القدر من القرطاس لا يساوي
 فلساى فيكون البيع باطلا غير منعقد اصلا
 فضلا عن الحرمة والكراهة اقول وبالله
 التوفيق هذا قاله قبل ان يطالع رسالتي
 ولذلك وددت انه سلمه سربه طالعها
 واطلع على ما فيها والجواب ظاهر
 بملاحظة قوله لا يساوي فلسا
 فبؤن بؤن بين لا يساوي ولم يكن
 يساوي لانه الآن يساوي مائة
 و الف والنظر للحال لا للاصل
 الا ترى ان بيع او انى الخنزف
 والطين كبا رها وصغارها
 من الحب والجفنة الى نحو
 رأس الشيثة شائع ذائع بين
 عامة المسلمين ولم ينكرة
 احد مع ان اصله تراب والتراب
 ليس بمال بل لو نظر للاصل لعادت
 مسألة الفلس القتمسك بها على نفسها
 بالنقص لما علمت ان قطعة نحاس بوزن
 فلس لا تساوي فلسا قط بل لا تبلغ
 نصفه ايضا ولذا اولعت المجازفون
 باصطناع قوالب كقالب دار الضرب

ہونا شرط ہے انتہی، اور ظاہر ہے کہ اتنا ٹکڑا کاغذ
 کا ایک پیسہ کی قدر نہیں تو نوٹ کی بیع باطل ہونا چاہئے
 کہ اصلاً ہوتی ہی نہیں، حرام یا مکروہ ہونا تو درکنار،
 اقول وبالله التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق
 اللہ تعالیٰ سے ہے) ان عالم نے یہ بات میرا رسالہ
 دیکھنے سے پہلے کہی اور اسی لئے میں نے تمنا کی کہ
 کاش وہ میرا رسالہ دیکھ لیتے اور اس کے مضامین پر
 مطلع ہوتے اور اعتراض کا جواب تو خود ان کے اس
 کہنے ہی سے ظاہر ہے کہ یہ پرچہ کاغذ ایک پیسہ کا
 نہیں کہ ان دونوں باتوں میں کھلا فرق ہے کہ ایک
 پیسہ کا نہیں یا ایک پیسہ کا نہ تھا اس لئے کہ اب
 تو وہ سو روپے اور ہزار روپے کا ہے اور شے کی
 حالت موجودہ دیکھی جاتی ہے نہ یہ کہ اصل میں کیا تھی
 کیا نہیں دیکھتے کہ پکی اور کچی مٹی کے برتن چھوٹے بڑے
 گولی اور کوندے سے لے کر چلم تک ان کی بیع تمام
 مسلمانوں میں رائج و معروف ہے اور کوئی اس پر
 انکار نہیں کرتا حالانکہ ان کی اصل مٹی ہے اور مٹی
 مال نہیں اگر اصل کو دیکھیں تو وہ پیسہ کا مسئلہ خود
 اپنے ہی نفس کا ناقص ہوگا اس لئے کہ تمہیں معلوم
 ہو چکا کہ تانبے کا پتر جو وزن میں ایک پیسہ کے
 برابر ہو ہرگز ایک پیسے بلکہ دھیلے کا بھی نہیں ہوتا اور
 اسی لئے بیابا کوں کو پیسہ ڈھالنے کی بہت لت ہوتی
 ہے ٹکسال کی طرح سانچا بنا کر تانبہ گلا کر اس میں

ڈالتے ہیں کہ پیسہ ہو جاتا ہے اور اس میں جتنا خرچ ہوتا ہے اس سے دونا نفع مل جاتا ہے اور اسے روپے ڈھالنے سے زیادہ نافع بتاتے ہیں تو اصل پر نظر کرنے سے خود ایک پیسہ ایک پیسے کا نہیں تو مال مستقوم نہ ہو تو کیونکر قیمت اور ثمن ہو سکتا ہے اور ورق کی بات کہ اوپر گزری جو اسے دیکھے گا یقین کریگا کہ شے کی حالت موجودہ دیکھی جاتی ہے نہ کہ حالت گزشتہ، کیا نہیں دیکھتے کہ شرع میں عقل میں عرف میں عالم کی تعظیم ہے اور اس پر نظر نہیں کہ وہ اصل میں ان لوگوں سے ہے جن کی نسبت رب عزوجل نے فرمایا کہ اللہ وہ ہے جس نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹ سے اس حال پر پیدا کیا کہ تم کچھ نہ جانتے تھے تو یہ اسی سبب سے ہے کہ اس میں ایک وصف ایسا پیدا ہو گیا جس کے سبب خالق وخلق سب کے نزدیک اس کو وہ عزت ہو گئی جو پہلے نہ تھی اور ایسے ہی وہ علم کا ورق اس وجہ سے کہ اس میں وہ علم لکھ دیا گیا اور ایسے ہی نوٹ جس میں چھاپے کے سبب وہ بات پیدا ہو گئی جس نے نفع کے باعث رغبتوں کو اس کی طرف کھینچ دیا اور طبیعتیں اس کی طرف میل کرنے لگیں اور اس میں دینا اور روکنا جاری ہوا اور یہ اعراض کچھ حقیقت نہیں رکھتا کہ نوٹ سب شہروں میں نہیں چلتا کہ یہ تو کسی کے نزدیک مالیت کو لازم

یذیبون النحاس ویقلبونہ فیہا فیصیر
فلوسا ویربحون بہ ضعف ما خسروا
ویقولون انہ انفع من ضرب الربابی
فبالنظر للاصل لایساوی الفلوس نفسہ
فلسا فلا یكون ما لا متقوما فکیف یكون
قیمۃ وثماناً من تأمل حدیث
ورقۃ علم الذی قدمنا علم ان
الشیء انما ی نظر الیہ بما هو علیہ
الآن لایما قد کان الا تری ان العالم معظم
شرعا و عقلا و عرفا ولا نظر الی انہ فی الاصل
من الذین قال اللہ تعالیٰ فیہم واللہ الذی
اخرجکم من بطون امہتکم لا تعلمون
شیئا وما ذلک الا لانه بحدوث
وصف فیہ صار متقوما عند اللہ و
عند الناس بعد ان لم یکن وکذلک
ورقۃ العلم لما تجدد فیہا من
کتابۃ ذلک العلم وکذلک النوط
لما حدث فیہ بذالک الرقم والطبع
ما استجلب الرغبات الیہ للنفع
وصار ی میل الیہ الطبع و یجری
فیہ البذل والمنع ولا قیمۃ لایراد بانہ
لایمشی فی کل البلاد فان هذا
لیس من لوازم المالیتۃ عند احد

بل هذا هو حال اكثر العملة المضروبة
الآتري ان الخمسات والعشرات والهلالات
الرائجة ههنا لا تروج في الهند اصلا
وكذلك لا تمشي فلوس الهند هنا
بخلاف النوط فان نوط الهند نافق
ههنا بالمشاهدة وبعض النقصان لا يمنع
المشي ولا يوجب الكساد بل قد اصطفت
انا في ذي الحجة هذا بهذا البلد الامين
نوطا فرنجيا معلما برقم خمسمائة سربية
بثلثة وثلثين جنيتها وخمس ربابي وهذا
ثمنه سواء بسواء فالجنهيات باربعمائة
وخمس وتسعين وهي مع الخمس خمسمائة (ربية)
وقد قال في الكفاية اوائل باب البيع الفاسد
ان صفة المالية للشئ بتمول كل الناس او
بتمول البعض آياه او مثله في فتح القدير،
وفي رد المحتار عن البحر الرائق عن الكشف
الكبير المال ما يميل اليه الطبع ويكن
ادخاره لوقت الحاجة والمالية تثبت
بتمول الناس كافة او بعضهم
فتبين ان الفرع المذكور
التمسك به لاساس له بما نحن
فيه ولكن العبد الضعيف

نہیں بلکہ سکہ کی اکثر چیزوں کا یہی حال ہے کیا نہیں دیکھتے
کہ خمسة اور عشر اور ہلے جو یہاں (عرب شریف میں)
راج ہیں ہند میں اصلاً نہیں چلتے اور ایسے ہی ہندوستان
کے پیسے یہاں نہیں چلتے بخلاف نوٹ کے کہ ہندوستان
کا نوٹ یہاں آنکھوں دیکھا رائج ہے اور کچھ کم کو
پکنا چلنے کے منافی نہیں، نہ اس سے بے رواجی
لازم ہے بلکہ میں نے اسی ذی الحجہ میں اسی امان والے
شہر (مکہ معظمہ) میں ایک انگریزی نوٹ جس پر
پانسو کی رقم لکھی تھی تینتیس اشرفی اور پانچ روپے
کو بھنایا اور یہ اس کا پورا ثمن ہوا کہ وہ اشرفیاں
چار سو پچانوے روپے کی ہوئیں اور وہ ان پانچ روپوں
سے مل کر پورے پانسو ہو گئے اور بیشک کفایہ کی
اوائل باب بیع فاسد میں فرمایا کہ شئی کا مال
ہونا یوں ہوتا ہے کہ سب لوگ اُسے مال بنائیں
یا بعض انتہی، اور ایسا ہی فتح القدير میں ہے اور
رد المحتار میں بحوالہ بحر الرائق کشف کبیر سے نقل کیا
کہ مال وہ ہے جس کی طرف طبیعت میل کرے اور
وقت حاجت کے لئے اس کا اٹھا رکھنا ممکن ہو اور
مالیت یوں ثابت ہوتی ہے کہ سب لوگ یا بعض
اسے مال بتائیں انتہی، تو ظاہر ہو گیا کہ وہ پیسہ کا
مسئلہ جس سے ان عالم نے تمسک کیا ہمارے
مسئلہ نوٹ سے کچھ علاقہ نہیں رکھا مگر ہندو ضعیف

دوست رکھتا ہے کہ اس مسئلہ کا حال بھی کھول دے تاکہ کہیں دوسری جگہ کوئی اس سے دھوکا نہ کھائے باوصف اس وقت کے جو اس میں ہے کہ اس نے ایسی چیز کو تنگ کر دیا جسے شرع مطہر نے وسیع فرمایا تھا اقول وبہ استعین (میں کہتا ہوں اور اللہ ہی سے مدد مانگتا ہوں) اصل اس مسئلہ کی قنیہ سے ہے ردالمحتار نے اسے بحر سے نقل کیا اور بحر نے قنیہ سے اور ان کے شاگرد علامہ غزوی نے ان کی متابعت کی اور یہاں تک مبالغہ کیا کہ اس مسئلہ کو اپنے متن تنویر الابصار کی متفرقات البیوع میں کتاب الصرف سے کچھ پہلے داخل فرمایا حالانکہ تنویر کی اصل یعنی درر وغرر اس سے خالی ہے اور اس کے شارح علامہ علائی نے اسے قنیہ ہی کی طرف پھیر دیا بلکہ خود مصنف نے اس کی شرح منح الغفار میں اس کا اعتراف فرمایا متن کی اس عبارت کے بعد فرمایا کہ اسے بھی قنیہ میں نقل کیا ہے انتہی یعنی جیسے اس سے پہلا مسئلہ بھی قنیہ میں منقول ہے اور وہ یہ ہے کہ کبوتر کی بیٹ جو کثیر ہو اس کی بیح و ہبہ صحیح ہے اور قنیہ مشہور ہے کہ اس کی روایتیں ضعیف ہوا کرتی ہیں اور علمائے تصریح فرماتی کہ قنیہ جب مشہور کتابوں کی مخالفت کرے مقبول نہ ہوگی بلکہ نص فرمائی ہے کہ قنیہ اگر قواعد کی مخالفت کرے تو مقبول نہ ہوگی جب تک اس کی تائید میں کوئی اور نقل معتد نہ پائی جائے اور اعتبار منقول عنہ کا ہوتا ہے نہ ناقل کا اور نقلوں

یجب ان یکشف الحجاب عن حاله ایضا کیلا یفتربه فی محل اخر مع مافیہ من تحجیر ما وسعه الشرع المطہر فاقول وبہ استعین اصل الفرع للقنیة فرد المختار نقلہ عن البحر والبحر نقلہ عنہا وتبعہ تلمیذہ العلامة الغزوی وبالغ حتی ادخلہ فی متنہ فی متفرقات البیوع قبل الصرف مع خلاصہ اغنی الغری والدرر عنہ وقد مر دہ شارحہ العلامة العلائی الی القنیة بل اعترف بہ المصنف نفسہ فی شرحہ منح الغفار فقال بعد ایرادہ متنا نقلہ فی القنیة ایضا اع کما نقل المسألة قبلہ فیہا وہی صحیح بیع خرء حمام کثیر و ہبته ، والقنیة مشہورۃ بضعف الروایة وصرحوا انہا اذا خالفت المشاہیر لم تقبل بل قد تصوا انہا اذا خالفت القواعد لم تقبل ما لم یعضدہا نقل معتد من غیرہا والعبرة بالمنقول عنہ لا بالناقل وبکثرة

لے منح الغفار شرح الدر المختار

النقول لا تندفع الغرابة اذا لم يكن مستندهم الا واحد كما بينت كل ذلك في كتابي في اُداب المفتي سميته فصل القضاء في رسم الافتاء وحكم في الظهيرية استحباب القيام بعد سجود التلاوة مثل ما قبله ونقله ما في التارخانية والغنية والمضمرات وُعنها في البحر ومشي عليه في الدر وغيره ومع ذلك حكم في البحر انه غريب قال الشامي وجه غرابته انه الفرد بذكره صاحب الظهيرية ولذا عرّض من بعده اليها فقط **آه** وانت تعلم ان فرع القنية لم يترق من النقول هذا القدر ايضا ولا القنية كالظهيرية فاني تغرب عنه الغرابة وياليت له لم يكن الا غريبا فيكون كالشاذ لكنه كالمكران كلتا الخالفتين نقد وقتة مخالفة المشاهير ومخالفة قواعد الشرع المنير، اما الاولى فلقد كانت ناهيك فيها قول الفتح والشربلالي والطحطاوي ورد المتحا وغيرهما من معتمادات الاسفار لبواع كاغذة بالف يجوز، وجزاهم الله الحسنى وزيادة

کی کثرت سے مسئلہ کی غرابت دفع نہیں ہوتی جبکہ ایک ہی منقول عنہ ان سب کا منتهی ہو جیسے کہ میں نے ان تمام باتوں کا بیان اپنی اس کتاب میں کر دیا جو آداب مفتی میں لکھی جس کا نام میں نے فصل القضاء فی رسم الافتاء رکھا، اور ظہیریہ میں حکم فرمایا کہ سجدہ تلاوت کے بعد بھی قیام مستحب ہے جیسا اس سے پہلے اور یہ مسئلہ اس سے تارخانیہ اور قنیہ اور مضمرات نے نقل کیا اور ان سے بحر میں اور دروغیرہ میں اسی پر چلے باوصف اس کے بحر میں حکم فرمایا کہ وہ غریب ہے۔ علامہ شامی نے فرمایا، اس کی غرابت کی وجہ یہ ہے کہ تنہا ظہیریہ نے اس مسئلہ کو ذکر کیا اور اسی واسطے بعد والوں نے فقط اسی کی طرف اُسے نسبت کیا انتہی، اور تو جانتا ہے کہ قنیہ کے اس مسئلہ کو اتنی نقول بھی نصیب نہ ہوئیں اور نہ قنیہ مثل ظہیریہ کے ہے تو غرابت اس سے کہاں جائیگی اور کاش وہ صرف غریب ہی ہوتا تو حدیث شاذ کے مثل ہوتا مگر یہ تو مثل حدیث منکر کے ہے اس لئے کہ دونوں مخالفین اس کی نقد وقت ہیں کتب مشہورہ کی بھی مخالفت اور قواعد شرع روشن کی بھی مخالفت پہلی مخالفت کے ثبوت کو یہی بس تھا کہ فتح القدير اور شربلالی اور طحطاوی اور رد المحتار وغیرہ معتمد کتابوں میں فرمایا اگر ایک کاغذ ہزار روپے کو بچا تو جائز ہے تو اللہ تعالیٰ انھیں بجلانی اور اس سے زیادہ

۵۱۵/۱

دار احیاء التراث العربی بیروت

۳۲۳/۶

مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

رد المحتار باب سجود التلاوة

کتاب الکفالة

فتح القدير

جزا دے کہ انھوں نے کاغذ میں تائے وحدت
 بڑھادی (یعنی ایک کاغذ) لیکن یہاں تو ایک
 اور چیز ہے نہایت جلیل و عظیم کہ نہ رد ہو سکے نہ اس
 پر کوئی آنکھ اٹھا سکے نہ اوہام اس کی گرد پائیں،
 اور وہ یہ ہے کہ ہمارے تمام ائمہ نے ان روایات
 میں جو ان سے متواتر و مشہور ہیں اجماع فرمایا،
 اور متون و شروح و فتاویٰ مذہب کا اتفاق ہے
 کہ ایک چھو بارادو چھو باروں کو اور ایک اخروٹ
 دو اخروٹوں کو بچپ جائز ہے اور فتح القیصر
 درمختار میں یہ بھی زائد کیا کہ دو سوئیوں کے بدلے
 ایک سوئی، اور ہر شخص جانتا ہے کہ ان میں سے
 کوئی چیز ایک پیسہ کی نہیں ہوتی ہمارے شہروں
 میں معقول گنتی کے چھو بارے ایک پیسہ کے ہوتے
 ہیں اور یہاں اور بھی سستے ہیں اور ایسے ہی اخروٹ
 اور ہمارے شہروں میں زیادہ ارزاں ہیں اور ہندوستان
 میں ایک پیسہ کی آٹھ سے لے کر پچیس سوئیاں پائی ہیں
 تو اس مسئلہ فقہیہ کی یہ صریح مخالفت ہے تمام کتب
 مشہورہ بلکہ نصوص جمیع ائمہ مذہب سے اور محقق
 علی الاطلاق (امام ابن ہمام) نے اگرچہ امام محمد
 سے امام معلیٰ کی اس روایت کو ترجیح دی نہ وہ
 چھو باروں کے بدلے ایک چھو بار یا چھو باروں کے
 مگر وہ کراہیت ایک جانب زیادتی کے سبب سے
 ہے نہ اس لئے کہ چھو بار ایک پیسہ کی قیمت کا

على زيادة تاء الوحدة في كاغذة
 لكن ههنا شئ اخر اجل و اكبر
 لا يرد ولا يرام ولا يمس غباراً
 الا وهام وهو اجماع ائمتنا
 جميعاً في الروايات الظاهرة
 عنهم واطباق متون المذهب
 وشروحه وفتاواه على جواز
 بيع ثمرة بسمرتين و جوزة
 بجوزتين و زاد في الفتح و
 الدر ابرة بابتين و كل احد يعلم
 ان ليس شئ منها يساوي
 فلسا في بلادنا تكون عادة صالحة
 من التمر بفلس و هو ههنا
 ارخص و كذلك الجوز وهو ارخص
 في بلادنا و ثمة تجد الابريفس
 من ثمان الى خمس وعشرين
 فهذه مخالفة بينة لجميع المشاهير
 بل لنصوص جميع ائمة المذهب
 والمحقق حيث اطلق وان مرجح
 رواية المعل عن محمد بکراهة
 ثمرة بسمرتين لكنه لاجل
 التفاضل لالان ثمرة لايساوي
 فلسا فلو باع ثمرة من

البرف بتمرة من الجنيب
 مثلاً لہ تمسہ روایۃ المعلی ولا ترجیح
 المحققہ ثم الروایۃ ایضاً لا تقول
 الاب لکراہۃ فایت البطلان و
 عدم الاعتقاد الذی کنتہ تدعون
 واما الثانیۃ فاقول اکثر تعیش
 الفقراء فی مملکتہ الہند علی کبرہا
 ولساعہ افون عمارتہا عرضاً من ثمان
 درجہ شمالیۃ عن خط الاستواء الی خمس
 و ثثنین درجہ و طولاً من ست و ستین
 درجہ شرقیۃ عن قرینہن الی اثنتین و
 تسعین درجہ) انما هو بالمبايعات
 باجزاء فلس نصف و ربع و ثمن و غیرہا
 فرب فقیر یشتري لادامہ شیئاً من البقول بنصف
 فلس ویصیب فی دهن الشیرج بنصف فلس التوابل
 الثلث جميعاً برربع فلس و الثوم و البصل
 معاً برربع فلس و کذا الملح برربع فلس
 فیتھیولہ الادام فی فلسین الآسربعاً
 ویأکلہ غداء و عشاء و یشتري
 لسراجہ الدهن بنصف فلس یکفیہ
 من الماء الی قریب نصف اللیل
 و قریۃ کبیرۃ من الماء العذب
 بنصف فلس و قد کانت قبیل ہذا بثلاث فلس
 و تجد علیۃ الکبریۃ بنصف فلس و
 یشتري لعیالہ من الذنواک

نہیں ہوتا تو اگر مثلاً ایک پھر بار اقسماً ہونی ہا قسراً
 جنیب کے ایک پھر بار سے سے نیچے تو اسے
 نہ روایت معلیٰ کو کچھ تعلق ہو گا نہ تاریخ متفقہ کو۔ پھر وہ
 روایت بھی تو اتنا ہی کہتی ہے کہ مکروہ ہے بیع باطل
 اور اصلو منعتہ نہ ہونا جس کا میں دعویٰ تھا وہ کہاں
 گیا، رہی دوسری مخالفت اقوال میں کتابوں
 ملک ہند کہ اس قدر کبیرہ وسیع ہے (جس ۵۰۰ من
 خط استواء سے شمال کی جانب آٹھ درجے سے
 پینتیس درجے تک ہے اور طول تاریخ سے کہ
 لندن کی رومہ کا وہ ہے) شرق کی جانب چھاسٹھ درجے
 سے بانو سے درجے تک ہے) اس میں اکثر فقہاء
 کی معیشت اسی خرید و فروخت سے ہے جو پیسے
 کے حصے دھیلے چھام دہڑی وغیرہ سے ہوتی ہے تو
 بہتر سے فقیر اپنے سالن کے لئے کوئی ساگ دھیلے
 کا خرید لیتے ہیں اور اس میں دھیلے کا تلوں کا تیل
 ڈالتے ہیں اور تینوں سالے چھام کے اور لہس
 پیاز چھام کے اور یونہی چھام کا نمک، تو پونے دو
 پیسے میں اس کی بانڈی تیار ہو جاتی ہے اور اسے
 صبح و شام دو وقت کر کے کھا لیتا ہے اور اپنے
 چراغ کے لئے دھیلے کا تیل خریدتا ہے جو شام
 سے آدھی رات تک اس کے لئے کافی ہوتا ہے
 اور بیٹھے پانی کی بڑی مشک دھیلے کو، اور تھوڑا ہی
 زانہ گزرا کہ پیسے کی تین مشکیں تھیں، اور دیا سٹانی
 کی ڈبیا تھیں دھیلے کو بل جائے گی اور اپنے
 بال بچوں کے لئے ہندوستانی میروں میں

الهند المشهورة عند العرب باسم العنب
بفتح العين وسكون النون وبالفارسية
آنبه وبالهندية أم جملة كثيرة بنصف
فلس وكذا من الجامون ومن التمر
الهندي بربع فلس وان كان متعودا
بالتامول والتتن فيكفيه ليوم بليلة
الورق بنصف فلس والفوفل والكات
والتبناك الماكول كل بربع ربع
فتنقضي حاجة يومه في فلس وربع
وان كان يشرب الدخان فيكفيه التتن
بنصف فلس وامثال ذلك اشياء كثيرة
تباع باجزاء الفليس حتى الثمن ونصف
الثمن ولولا ذلك لضاق الامور وثقل على
اخفاء ذات اليد بحيث لا يطيقون ولو
ابطلنا تلك البياعات الشائعة في الألف مائة
من المسلمين والزمانهم ان لا يشتروا شيئا
باقل من فلس قط مع ان حاجاتهم
تندفع بالربع وبالثلث لكان هذا من
وضع الاصر عليهم وما جاءت هذه الشريعة
السحة السهلة الغراء الا برفعه وربا لا يجدون
هذا القدر من الفلوس فان الادام الذي كان
تهيأ في فلس واحد وثلاثة ارباع فلس الا
ان لا يتأق الا في ثمانية فلوس والتامول التام في
فلس وس ربع لا يتم الا في اربعة فلوس وقس عليه
فاذ لم يجد الادامه الافلسين والزمتمو ثمانية

مزه دارميوه (جسے اہل عرب عنب بفتح عين و
سكون نون) کہتے ہیں اور فارسی میں انہ اور
ہندی میں آم بہت سے ایک دھیلے کو اور ایسے
ہی جامن اور املیاں چھدام کو، اور اگر پان تمباکو کا
عادی ہے تو اسے ایک رات دن کیلئے کفایت
کمرینگے دھیلے کے پان اور کتھا اور چھالیا اور کھانے
کا تمباکو چھدام چھدام کے تو اس کی ایک دن کی
حاجت سوا پیسے میں نکل جائیگی اور اگر حقہ پیتا ہو
تو دھیلے کی تمباکو کافی ہے اور اسی طرح بہت چیزیں
پتیسہ کے حصوں سے بکتی ہیں یہاں تک کہ دمڑی اور
آدھی اور ایسا نہ ہو تو معاملہ تنگ ہو جائے اور کم
استطاعت والوں پر ایسا گراں گزرے کہ اٹھ
نہ سکیں اور یہ سببیں کہ ہزاراں ہزار مسلمانوں میں شائع
ہیں اگر ہم باطل کر دیں اور ان پر لازم کریں کہ کبھی کوئی
چیز پتیسہ سے کم کی نہ خریدیں حالانکہ ان کی حاجتیں
چھدام اور دمڑی میں پوری ہو جاتی ہیں تو یہ ان پر
بھاری بوجھ ڈالنا ہوگا اور یہ روشن اور نرم آسان
شرعیات تو نہ آتی مگر بوجھ کے دفع کرنے کو بلکہ
الشرافات اتنے پیسے انھیں ملیں گے بھی نہیں
اس لئے کہ وہ سالن جو پونے دو پیسے میں تیار
ہوتا تھا اب دو آنے سے کم میں نہیں تیار ہوگا اور
پان کہ سوا پیسے میں جس کا کام پورا ہوتا تھا اب ایک
آنہ میں ہوگا اور اسی پر قیاس کرو تو وہ جب اپنی
بانڈی کے لئے دو پیسے سے زائد نہ پائے اور تم
اس پر دو آنے لازم کرو تو بتاؤ کیا کرے آیا روکا

آٹا پھانکے یا جوگی خشک روٹی چبائے جس کے ساتھ کوئی سالن ایسا نہ ہو کہ اس کی اصلاح کرے اور اسے نکلنے کے قابل بنائے اور اس کے ہضم پر اعانت کرے اور تھیں سالن کی عادت پڑی ہوئی ہے اور تمام آدمی یا اکثر ایسے ہی ہیں اگر اس پر قناعت کریں تو انھیں راس نہ آئے اور ان میں بیماریاں پیدا کرنے کے عادت کا چھوڑنا خود اپنے ساتھ عداوت کرنا ہے یا یہ کہتے ہو کہ بھیک مانگے اور بھیک مانگنا ذلت و حرام ہے یا دوسروں کا مال چھین لے اور چھیننے میں سخت غضب اور سزا ہے یا بیچنے والوں اور ترکاری فروشوں اور ہشتیوں کو حکم دیا جائے گا کہ ان کی تمام حاجت کی چیزیں انھیں مفت دے دیں اس لئے کہ وہ ایک پیسہ کی قیمت کی نہیں اور جو ایک پیسہ کی نہیں وہ مال نہیں اور نہ اس کی کوئی قیمت، تو بیچنے والے اس پر کمزور راضی ہونگے، اور اگر راضی ہو جائیں تو ایک فقیر کو دوسرے فقیر پر ترجیح نہیں تو چاہئے کہ ہر ایک کو اس کی ضروریات مفت دیں تو ان کی تجارتیں یونہی جاتی رہیں تو ثابت ہوا کہ کوئی راستہ نہیں ہے سوا اس کے کہ بیع کا دروازہ کھولا جائے اور بیشک قرآن عظیم نے اسے اس مطلق ارشاد سے کھولا ہے کہ "حلال کی اللہ تعالیٰ نے بیع، اور اس ارشاد سے مگر یہ کہ کوئی سودا ہو تمہاری آپس کی رضامندی کا، اور

فما ذاتا مرون اکتفی بسف التدقیق او قضم خبز الشعیر و حدة بدون ادا م یصلحہ و ویسیغہ و یعین علی ہضمہ و المعتادون بالادام و ہم الناس کلہم او جلہم لو اکتفوا بہذا السم یلائمہم و اورث اسقاما فیہم فان ترک العادة عداوة مستفادۃ ام یتکفف و التکفف ذل و حرام، ام یغصب و فی الغصب اشد الغضب و الانتقام ام یؤمر بالبیاعون و البقائون و السقاؤن ان یعطوہ جمیع حاجاتہ مجانا لانہا لا تساوی فلسا و ما لا یساوی فلسا فلیس بمال و لا قیمة لہ فہم کیف یرضون بہذا و ان یرضوا فلا ترجیح لفقیر علی فقیر فلیعطوا کلا حوائجہ فتذهب متاجرہم بلا شیء فاذا لا سبیل الا فتح باب البیع و قد فتحہ القران بقولہ تعالیٰ مطلقا و احل اللہ البیع، و قولہ تعالیٰ الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم، و

وما كان شرع البيع الا لدفع تلك
الشنائع ففي تحجيرة وقد وسعه
الله اعادة لها وعود على مقصود
الشرع بالنقض قال المحقق في الفتح
لولا يشع البيع سببا للتمليك
في البدلين لاحتاج ان يؤخذ
على التغالب والمقاهرة او السؤال
والشحاذة او يصبر حتى يموت و
في كل منها ما لا يخفى من الفساد
وفي الثاني من الذل والصغار ما لا يقدر
عليه كل احد ويزري بصاحبه فكان
في شرعيته بقاء المكلفين المحتاجين
ودفع حاجاتهم على النظام الحسن اهو ومعلوم
ان الشرع لم يحد في هذا حدا انما
احل البيع وهو مبادلة مال بمال الخ
والمال كما مر ما يميل اليه الطبع
ويمكن ادخاره لوقت الحاجة وهذا
صادق قطعا على ما قصصنا
ما يساوي نصف فلس وربعه
فايجاب ان لا يكون الا بفلس
لا يكون الا تحكما وزيادة في الشرع فكيف يقبل
ثم لعل لقائل ان يقول لم يات الشرع بتقدير
الفلس وهو مختلف باختلاف الزمان والمكان

بيع کا مشروع کرنا انھیں قباحتوں کے دفع کرنے کو
تھا تو اس کے تنگ کرنے میں حالانکہ اللہ تعالیٰ اسے
واسع فرما چکا ہے انھیں قباحتوں کا پلٹ آنا ہے اور
مقصود شرع پر اس کے توڑنے کے ساتھ عود کرنا
ہے، محقق نے فتح القدر میں فرمایا اگر بیع ثمن و بیع
دونوں کی تملیک کا سبب بنا کر جائزہ کی جاتی تو حجت
پڑتی کہ یا تو زبردستی یا دھینکا دھینگی لیتے یا بھیک
مانگتے یا آدمی صبر کرتا یہاں تک کہ مر جائے اور ان
سب باتوں میں کھلا ہوا فساد ہے بھیک میں وہ ذلت
و خواری ہے جس پر ہر شخص قادر نہیں اور آدمی کو
حقیر کرتی ہے تو بیع کی مشروع کرنے میں محتاج
مکلفوں کی بقا ہے اور عمدہ انتظام کے ساتھ ان کی
حاجتوں کو پورا کرنا ہے انتہی اور معلوم ہے کہ شرع
مطہر نے اس بارہ میں کوئی حد مقرر نہ فرمائی بس بیع
حلال کی ہے اور وہ ایک مال کا دوسرے مال سے
بدلنا ہے الخ اور مال جیسا کہ گزر چکا وہ چیز ہے جس کی
طرف طبیعت میل کرے اور وقت حاجت کے لئے
اس کا اٹھا رکھنا ممکن ہو اور یہ تعریف یقیناً ان چیزوں پر
صادق ہے جو ہم نے اوپر بیان کیں جو دھیلے اور چھدام
کو آتی ہیں تو یہ واجب کرنا کہ پیسہ سے کم کو بیع نہ ہوگا
مگر زبردستی حکم اور شرع پر زیادت تو کیونکر مقبول ہو پھر
شاید کہنے والا کہ سکے کہ شریعت نے پیسہ کی مقدار
مقرر فرمائی نہیں اور وہ وقت اور جگہ کے بدلنے سے

ولاسبيل الى اعتبار كل في محلة
 لما تقدم ان المالية تثبت بتمول البعض
 فوجب الفحص كل حين عن اصغر
 فلس يروج في الدنيا وفيه حرج
 والخرج مدفوع بالنص فافهم
 وقال في الكفاية اول البيع الفاسد
 قد تثبت صفة التقوم بدون
 المالية فان حبة من المحنطة
 ليست بالحق لا يصح بيعها وان
 ابيع الانتفاع بها شرعا لعدم تمول
 الناس اياه اذ مثله في الكشف
 الكبير والبحر الرائق ورد المختار
 وقال في الفتح مكات حبة حبات
 ولم نرا احدا منهم ذكر ان مادون
 ما يساوى فلما ليس بمال و
 كانت مبنی الفرع على انه لم يكن
 في زمنه ثبت دون الفلس او
 لم يجده في تقديرات الشرع
 فحكم بان مادونه ليس بشئ
 كما حكم في الاسرار بان مادون
 الحبة من الذهب والفضة لا قيمة له كما
 نقل عنها في الفتح لانهم لم يعرفوا

بدلتا ہے اور اس طرف راہ نہیں کہ ہر جگہ وہیں کا پیسہ
 معتبر ہو کہ اوپر گزر چکا کہ مالیت بعض کے مال بنانے
 سے بھی ثابت ہو جاتی ہے تو واجب ہوا کہ ہر وقت
 اس کی تلاش کریں کہ تمام دنیا میں سب سے چھوٹا
 پیسہ کون سا ہے اور اس میں حرج سے اور حرج
 کو نص نے دفع فرمایا ہے فافہم اور بیشک کفاہ
 کے شروع باب باب بیع فاسد میں فرمایا کہ کبھی شے
 میں باقیمت ہونے کی صفت بغیر مالیت بھی ثابت
 ہو جاتی ہے کہ گہیوں کا ایک دانہ مال نہیں ہے یہاں
 تک کہ اس کی بیع صحیح نہیں اگرچہ اس سے نفع حاصل
 کرنا شرعاً جائز ہے اس لئے کہ لوگ اسے مال نہیں
 سمجھتے انتہی، اور ایسا ہی کشف کبیر و بحر الرائق و
 ردالمحتار میں ہے اور فتح القدر میں ایک دانہ کی جگہ
 چند دانے فرمایا اور ہم نے ان میں سے کسی کو یہ فرماتے
 نہ دیکھا کہ ایک پیسے سے کم کی چیز مال نہیں اور شاید
 اس مسئلہ فقہیہ کی بنا اس پر ہو کہ ان کے زمانے
 میں پیسے سے کم کوئی ثمن نہ تھا یا یہ کہ شرع مطہر نے
 جو اندازے مقرر فرمائے ان میں پیسے سے کم نہ پایا
 تو یہ حکم لگا دیا کہ ایک پیسے سے کم کی جو چیز ہو وہ کچھ
 نہیں جیسے اسرار میں حکم فرمایا کہ جو چاندی یا سونار تھی بحر
 سے کم ہو اس کی کچھ قیمت نہیں جیسا کہ ان سے فتح القدر
 میں نقل فرمایا اس لئے کہ ان علماء نے چاندی سونے

۴۳/۶

مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

باب البيع الفاسد

باب الكفاية مع فتح القدير

۱۸۰/۴

دار احیاء التراث العربی بیروت

باب الریار

رد المحتار بحوالہ فتح القدير

کے لئے رتی سے کم کوئی اندازہ نہ پہچانا اور ہمارے شہر
میں اس کا اندازہ رتی کے آٹھویں حصہ (ایک چاول)
تک معروف ہے اور آج کل ہمارے یہاں چاول بھر
سونے کی قیمت دو پیسے ہے یعنی یہاں کے ایک ہلہ
کے قریب، وہ بلاشبہ قیمت والا مال ہے نہ کہ وہ جو
اس سے بھی زیادہ ہے جو پاؤ رتی یا نصف رتی
یا اس سے زائد کا ہو ایک رتی تک اور جیسے بہت
علماء نے حکم فرمایا کہ نصف صاع سے جو کم ہو وہ اندازہ
سے باہر ہے تو اس میں ایک چیز اپنی جنس کے بدلے
کھی پیشی کے ساتھ بیچنا جائز ہے اور وہ مسئلہ کہ ایک
لپ گیہوں دو لپ کے بدلے بیچنا جائز ہے اسی پر
متفرع ہے اور محقق نے فتح القدر اس کا رد کیا یہ
فرماتے ہوئے کہ اس حکم پر دل کو اطمینان نہیں ہوتا
بلکہ جب حرمت کی وجہ لوگوں کا مال محفوظ رکھنا ہے،
تو اس پر نظر کر کے واجب ہے کہ دو سید کے بدلے
ایک سید اور دو لپ کے بدلے ایک لپ کا بیچنا
حرام ہو اگر نصف سے چھوٹے پیلے پائے جاتے ہوں
جیسے ہمارے دیار مصر میں چہارم پیالہ اور پیالہ کا
آٹھواں حصہ مقرر ہے جب تو کوئی شک نہیں اور
یہ بات کہ شرع نے واجبات مالیہ مثل کفارہ و صدقہ
فطر میں جو اندازے مقرر فرمائے ہیں ان میں نصف
صاع سے کم کوئی اندازہ نہ رکھا اس سے یہ لازم
نہیں آتا کہ وہ تفاوت جو یقیناً معلوم ہے بے اثر
کر دیا جائے الخ اور محقق کے اس کلام کو بحر اور نہر

لہما مقدار دون الحبة وقد عرفت فی
دیارنا الی ثمن حبة وقيمة ذہب
یساوی ثمن حبة فی بلادنا الان
فلسات ای نحو هائلة واحدة ههنا
وهو لا شك مال متقوم فكيف بما فوة
مما یساوی ربع حبة و نصفها
وان یرید منه الی حبة و كما حکم
کثیرون بان مادون نصف صاع
خارج عن المعیار فیجوز فیہ التفاضل مع
اتحاد الجنس وعلیه تتفرع مسألة
حفنة بحفنتین و قد رده المحقق
فی الفتح قائلًا لا یسکن الخاطر الی
هذا بل یجب بعد التعلیل بالقصد
الی صيانة اموال الناس تحريم التفاحه
بالتفاحتین و الحفنة بالحفنتین
امان كانت مکابیل اصغر
منها كما فی دیارنا من وضع
ربع القدح و ثمن القدح المصری
فلا شك و كون الشرع لم یقدس
بعض المقدرات الشرعیة فی
الواجبات المالیة كالکفارات و صدقة
الفطر باقل منه لا یستلزم اهدار
التفاوت المتیقن الخ و اقـرـه
فی البحر و النهـر

و الشربلالية والدر والمواشي وغيرها
وهو حسن وجيه كذلك نقول
ههنا يجب بعد تعريف المال بما مر
ان يكون كل ما ذكرنا مالا يساوي
فلما مالا متقوما امانت كانت اثمان
اصغر من فلس كما في ديارنا
من وضع ربع الفس و ثمن
الفلس فلا شك وكون الشروع
لم يذكر مادون فلس لا يستلزم
اهداء البالية المتيقنة - فهذا ما
عندي والعلم بالحق عند راجي،
والله سبحانه وتعالى اعلم -

واما السابع

فاقول قد اذناك انه ثمن
اصطلاحى فاستبداله بالشوب
لا يكون مقايضة بل بعا
مطلقا ولا يتعين النوط بل يلزم فى الذمة
كالفلوس -

واما الثامن

فاقول نعم يجوز اقراضه لما تقدم
انه مثلى ولا يقضى الا بالمثل
لانه شان القرض بل كل دين
لا يقضى الا بمثله الا ان يتراضيا -

اور شربلالية اور در مختار اور مواشى وغیر ہا میں
مقرر رکھا اور وہ اچھا اور موجب کلام ہے ایسا ہی
ہم یہاں کہتے ہیں کہ جب مال کی تعریف وہ ٹھہری جو
اوپر گزری تو واجب ہے کہ جتنی چیزیں اوپر ذکر کیں
جو ایک پیسہ کی نہ تھیں سب قیمت والے مال ہونگے
تو اگر پیسہ سے چھوٹے ثمن پائے جاتے ہوں جیسے
ہمارے شہروں میں چھدام اور دمری مقرر ہیں جب تو
شک نہیں اور یہ کہ شرع مطہر نے پیسہ سے کم کا ذکر
نہ فرمایا تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جو مالیت یقیناً
معلوم ہے باطل کر دی جائے۔ یہ وہ ہے جو میرے
پاس ہے اور حق کا علم میرے رب کے پاس ہے،
واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم -

جواب سوال ہفتم

فاقول (میں کہتا ہوں) ہم تمہیں بتا چکے ہیں کہ
نوٹ ثمن اصطلاحی ہے تو کپڑے سے اس کا بدلنا
مقايضہ نہ ہوگا بلکہ بیع مطلق ہوگا اور خاص کوئی معین
نوٹ دینا نہ آئے گا بلکہ پیسوں کی طرح ذمہ پر لازم
ہوگا -

جواب سوال ہشتم

فاقول (پس میں کہتا ہوں) ہاں نوٹ قرض
دینا جائز ہے اس لئے کہ اوپر گزر چکا کہ وہ مثلى ہے
اور مثل ہی کے دینے سے ادا کیا جائے گا کہ قرض کی
یہی شان ہے بلکہ کوئی دین ادا نہیں کیا جاتا مگر اپنے
مثل سے مگر یہ کہ طرفین (کسی دوسری چیز کے لینے دینے
پر) راضی ہو جائیں -

فاقول نعم يجوز اذا قبض النوط
في المجلس كيلا يفتراق عن دين
بدية وتحقيق ذلك ات بيع
النوط بالدرهم كالفلوس بها ليس
بصرف حتى يجب التقابض فان
الصرف بيع ما خلق للثمنية بما
خلق لها كما فسر به البحر
والدر وغيرهما ومعلوم ان النوط
والفلوس ليست كذلك وانما
عرض لها الثمنية بالاصطلاح
مادامت تروج والافروض و
بعد مكنونه صرفا صرح في رد المحتار
عن البحر عن الذخيرة عن
المشائخ في باب الربا نعم لكونها
اثمانا بالرواج لا بد من قبض احد
الجانبيين والاحرم لنهيه صلى الله
تعالى عليه وسلم عن بيع الكالئ
بالكالئ والمسئلة متصوص عليها
في مبسوط الامام محمد واعتمده في
السيوطي والمحامدي والبزازية والبحر والنهر

عنه اي محيط الامام السرخسي انتهى منه

فاقول (تو میں کہتا ہوں) ہاں جائز ہے جبکہ اسی
جلسہ میں نوٹ پر قبضہ کر لیا جائے تاکہ طرفین دین کے
بدلے دین بیچ کر جدا نہ ہوں اور تحقیق اس مسئلہ
کی یہ ہے کہ روپوں کے بدلے نوٹ بیچنا بیع
صرف نہیں جیسے روپے کے بدلے پیسے تاکہ دونوں
طرف کا قبضہ شرط ہو اس لئے کہ صرف یہ ہے کہ
جو چیز ثمن ہونے کے لئے پیدا کی گئی ہے اسے ایسی
ہی چیز کے ساتھ بیچیں جیسا کہ اس کی یہ تعریف
بجرو در وغیرہ میں فرمائی اور معلوم کہ نوٹ اور پیسے
ایسے نہیں ان میں تو ثمن ہونا اصطلاح کے سبب
عارض ہو گیا جب تک چلتے رہیں ورنہ وہ متاع
ہیں اور اس کے بیع صرف نہ ہونے کی ردالمحتار
باب ربا میں بجر، اس میں ذخیرہ، اس میں مشائخ
سے تصریح فرمائی، ہاں اس لئے کہ وہ چسبن کے
سبب ثمن ہے دونوں طرف میں سے ایک کا قبضہ
ضرور ہے ورنہ حرام ہو جائے گا اس لئے کہ نبی
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دین سے دین کو
بیچنے سے منع فرمایا ہے۔ مبسوط امام محمد رحمہ اللہ
تعالیٰ میں اس مسئلہ کی تصریح ہے اور اسی پر
اعتماد کیا محیط اور حاوی اور بزازیہ اور بجر اور نہر

وفتاوی الحانوقی والتنویروالہندیۃ
 وغیرھا وهو مفاد کلام الاسبیجانی
 کما نقلہ الشامی عن الزین عنہ
 ففي الہندیۃ عن المبسوط اذا اشتری
 الرجل فلوسا بدر اہم و نقد الثمن
 ولم تکن الفلوس عند البائع فالبیع
 جائزاً و فیہا عن الحاوی وغیرہ
 لو اشتری مائة فلس بدرہم فقبض الدرہم
 ولم یقبض الفلوس حتی کسدت
 لم یبطل البیع قیاساً ولو قبض خمین
 فلساً فکسدت بطل فی النصف و لو
 لم تکسد لم یفسد وللمشتری ما بقی
 من الفلوس ^۱ و فیہا عن
 محیط السرخسی نحوه و فیہا
 عن الذخیرۃ لو اشتری فلوساً او
 طعاماً بدر اہم حتی لم یکن العقد
 صرفاً وتفرقا بعد قبض احد البدلین
 حقیقۃ یجوز اما اذا حصل الافتراق
 بعد قبض احد البدلین حکماً لا غیر
 لا یجوز سواء کانت العقد صرفاً ولم یکن
 بیانہ فیما اذا کان لہ علیہ فلوس او طعام
 فاشتری من علیہ الفلوس
 او الطعام الفلوس او الطعام بدر اہم وتفرقا

اور فتاویٰ حانوقی اور تنویر اور در اور ہندیہ وغیرہا
 میں، اور وہی مفاد کلام امام اسپجانی کا جیسا
 کہ شامی نے بحوالہ بحر آن سے نقل کیا، ہندیہ میں
 مبسوط سے ہے کہ کسی نے روپوں کے عوض پیسے
 خریدے روپے تو اس نے دے دئے اور پیسے
 بائع کے پاس نہ تھے تو بیع جائز ہے انتہی، نیز عالمگیری
 میں حاوی وغیرہ سے ہے جب ایک روپے کے
 سو پیسے خریدے روپے پر تو اس نے قبضہ کر لیا اور
 پیسوں پر اس کا قبضہ نہ ہوا یہاں تک کہ ان کا چلن
 جاتا رہا تو قیاس یہ ہے کہ بیع باطل نہ ہو اور اگرچہ پاس
 پیسوں پر قبضہ کر چکا تھا اس کے بعد چلن جاتا رہا
 تو نصف میں بیع باطل ہو جائیگی اور اگر چلن رہے
 تو بیع فاسد نہ ہوگی اور خریدنے والا باقی پیسے
 لے لے گا انتہی، نیز اس میں محیط سرخسی سے اسی
 کے مثل ہے اسی میں ذخیرہ سے ہے اگر روپے کے
 بدلے پیسے یا غلہ خریدیے یہاں تک کہ وہ عقد صرف
 نہ ہو اور بائع مشتری ایک ہی طرف کا حقیقۃً قبضہ
 ہو کر جدا ہو گئے تو جائز ہے ہاں اگر کسی طرف کا قبضہ
 حقیقۃً نہ ہو اور صرف ایک طرف کا حکماً ہو تو جائز نہیں
 خواہ وہ عقد صرف ہو یا نہ ہو، بیان اس کا یہ ہے
 کہ ایک شخص کا دوسرے دوسرے پر پیسہ یا غلہ
 آتا تھا تو اس نے جس پر پیسہ یا غلہ آتا ہے انتہی
 پیسوں یا غلہ کو روپے سے خرید لیا اور روپے دینے

۱۱۱۱
 لے فتاویٰ ہندیۃ کتاب الصرف الفصل الثالث فی بیع الفلوس نوری کتب خانہ پشاور ۲۲۴/۳
 ۱۱۱۱
 ۱۱۱۱
 ۱۱۱۱
 ۱۱۱۱
 ۱۱۱۱

سے پہلے جدا ہو گئے تو بیع باطل ہو گئی، اس مسئلہ کا یاد رکھنا واجب ہے اور لوگ اس سے غافل ہیں انتہی، اور اسی میں ذخیرہ سے ہے کسی کو ایک روپیہ دیا اور کہا کہ آدھے کے اتنے پیسے دے دے اور آدھے کی اٹھنی تو یہ جائز ہے پھر اگر اٹھنی اور پیسوں پر قبضہ سے پہلے وہ دونوں جدا ہو گئے تو پیسوں میں بیع برقرار ہے اٹھنی کے حصہ میں باطل ہو گئی اور اگر روپیہ بھی نہیں دیا تھا ویسے ہی دونوں جدا ہو گئے تو اٹھنی اور پیسے سب میں باطل ہو گئی انتہی و نیز اسی میں اس سے ہے کوئی چیز پیسوں کو خریدی اور پیسے دے دئے اور دونوں جدا ہو گئے پھر بائع نے ان میں ایک پیسہ کھوٹا پایا اسے واپس دیا اور اس کے بدلے اور پیسہ لیا تو اس صورت میں یہ پیسے اگر کسی متاع کے ثمن تھے تو عقد باطل نہ ہوا خواہ وہ جو واپس دئے تھوڑے پیسے تھے یا زیادہ، اور بدلے میں دوسرے پیسے لئے یا نہیں، اور اگر وہ پیسے روپوں کے ثمن تھے اب اگر روپوں پر قبضہ ہو چکا تھا اس صورت میں کھوٹا پھیرا اور اس کے بدلے میں کھرا لیا یا نہ لیا تو عقد بدستور صحیح ہے اسی طرح اس صورت میں سب پیسے کھوٹے پائے اور واپس دئے اور ان کے عوض کھرے لئے یا ابھی نہ لئے جب بھی بیع صحیح رہے گی، اور اگر روپوں پر قبضہ نہیں ہوا تھا اگر سب پیسے

قبل نقد الدرہم کانت العقد باطلا وهذا فصل يجب حفظه والناس عنه غافلون^۱ وفيها عنها اعطى رجلا درهما وقال اعطني بنصفه كذا فلما و بنصفه درهما صغيرا فهذا اجاز فان تفرقا قبل قبض الدرهم الصغير والفلوس فالعقد قائم في الفلوس منتقض في حصة الدرهم وان لم يكن دفع الدرهم الكبير حتى افترقا بطل البيع في الكل^۲ وفيها عنها اشترى بفلوس واعطى الفلوس وافترقا ثم وجد فيها فلسا لا ينفق فرده فاستبدله ففي هذه الصورة اذا كانت الفلوس ثمن متاع لا يبطل العقد سواء كانت المردود قليلا او كثيرا استبدل او لم يستبدل وان كانت الفلوس ثمن الدرهم مقبوضة فرد الذي لا ينفق واستبدل او لم يستبدل فالعقد باق على الصحة وكذلك لو وجد الكل في هذه الصورة لا ينفق و ردھا واستبدل ويستبدل فالعقد باق على الصحة وان لم تكن الدرهم مقبوضة ان وجد كل

الفلوس لا ینفق فردھا بطل العقد فی
قول ابی حنیفة استبدال فی مجلس
الرد اولم یستبدل و قال ان استبدال
فی مجلس الرد فهو صحیح علی حاله
وان لم یستبدل انتقض وان کان
البعض لا ینفق فردھا فالقیاس ان ینتقض
العقد بقدره لکن ابی حنیفة رحمہ اللہ
تعالی استحسن فی القلیل اذا مرّہ واستبدال
فی مجلس الرد ان لا ینتقض العقد اصلا و
اختلفت الروایات عن ابی حنیفة رحمہ اللہ
تعالی فی تحدید القلیل فی روایة
اذا مرّ اد علی النصف فکثیر وما
دونه قلیل و فی روایة النصف کثیر و فی
روایة اذا مرّ اد علی الثلث اھ کلھا ملخصا
وانما اکثرنا النقول عن الذخیرة
لانه سیاتی عنھا نقل خلاف فی
بیع فلس بفلسین فلیکن علی
ذکر منک انه جزم فی مسألتنا
ھذا اعنی بیع الفلوس بالدرہم فی
غیر موضع بالجواز و لم یلم ہنہنا
بذکر خلاف اصلا و فی
تنویر الابصار والدر المختار باع
فلوسا بمثلھا او بدرہم و بدنانیر

کھوٹے پاتے اور واپس دے تو بیع امام اعظم کے
نزدیک باطل ہوگئی اگرچہ اسی مجلس میں کھرے بدل
لئے ہوں یا نہیں اور صاحبین فرماتے ہیں اگر اسی
مجلس میں کھرے بدل لئے تو بیع بدستور صحیح ہے اور
اگر نہ لئے تو بیع ٹوٹ گئی اور کچھ پیسے کھوٹے پا کر واپس
دے تو قیاس یہ ہے کہ اتنے میں بیع باطل ہو جائے
مگر امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ استحساناً فرماتے ہیں
کہ اگر واپس دے ہوئے پیسے تھوڑے ہوں اور
اسی جلسے میں بدلے کے پیسے لے لئے جائیں تو عقد
اصلاً نہ ٹوٹے گا اور یہ کہ تھوڑے کتنے کو کہیں اس میں
امام صاحب سے روایتیں مختلف آئیں، ایک
روایت میں ہے کہ نصف سے زائد کثیر ہیں اور اس
سے کم قلیل، اور ایک روایت میں یہ ہے کہ نصف
بھی زائد ہے، اور ایک روایت میں تہائی سے زیادہ
ہو تو کثیر ہے انتہی ملخصاً۔ اور ہم نے ذخیرہ سے نقول
بکثرت اس واسطے ذکر کیں کہ اس سے ایک نقل
اس کے مخالف آنے والی ہے ایک پیسہ دو پیسے سے
نیچے کے مسئلہ میں تو یہ تجھے یاد رہے کہ ذخیرہ نے
ہمارے اس مسئلہ یعنی روپوں کے عوض پیسے نیچے
کے بارے میں متعدد جگہ جواز پر جزم فرمایا ہے اور
یہاں اصلاً کسی ذکر خلاف کے قریب بھی نہ گئے اور
تنویر الابصار و در مختار میں ہے کہ پیسوں یا روپوں
یا شرفیوں کے عوض پیسے نیچے اور ایک طرف کا

قبضہ ہو گیا تو جائز ہے اور اگر کسی طرف کا قبضہ نہ ہو
 کہ دونوں جدا ہو گئے تو ناجائز ہے انتہی، الحاصل
 مسئلہ ظاہر ہے اور نقلیں وافر ہیں اگرچہ علامہ
 قاری الہدایہ نے اپنے فتاویٰ میں اس کی مخالفت
 فرمائی کہ دونوں جانب کا قبضہ شرط کیا اور کسی طرف
 ادھار ہونے کو حرام ٹھہرایا اس کی عبارت یہ ہے
 (سوال ہوا) کہ آیا ایک مثقال سونا پیسوں کی ڈھیری
 سے ادھار بیچنا جائز ہے یا نہیں؟ (جواب دیا) کہ
 پیسے سونے یا چاندی کے عوض ادھار بیچنا ناجائز ہے
 اس لئے کہ ہمارے علماء تصریح فرماتے ہیں کہ دو
 چیزیں جو قول کر بیچی جاتی ہیں (جیسے سونا چاندی
 تانبہ) ان میں ایک کی دوسرے سے بدلی جائز
 نہیں مگر اس صورت میں کہ وہ موزوں چیز جو
 بذریعہ سلم وعدہ پر یعنی ٹھہری ہے بیع ہو قسم ثمن سے
 نہ ہو جیسے زعفران وغیرہ اور پیسے جنس بیع سے نہیں
 ہیں بلکہ ثمن ہو گئے ہیں انتہی، اور علامہ حنفی نے
 اس کا رد فرمایا جبکہ ان سے پیسوں کے عوض سونا
 اور ادھار بیچنے کی نسبت سوال ہوا، جواب دیا کہ
 جائز ہے، اگر دونوں میں سے ایک کا قبضہ ہو گیا
 اس لئے کہ بزازیہ میں ہے کہ اگر ایک روپے کے
 سو پیسے خریدے تو ایک جانب کا قبضہ کافی ہے
 پھر فرمایا اگر اسی طرح چاندی یا سونا پیسوں کو بیچیں

فان نقد احدہما جائز وان تفرقا
 بلا قبض احدہما لم یجزأھ وبالجملة
 فالسئلة ظاهرة والنقول متوافرة و
 ان خالفها العلامة قاری الہدایة فی
 فتاواہ فشرط التفاضل وحریم النسئة
 وهذا نصھا (سئل) هل یجوز بیع
 مثقال من الذهب بقنطار من
 الفلوس نسئة ام لا، (اجاب)
 لا یجوز بیع الفلوس الی اجل بذهب
 او فضة لان علماءنا نصوا علی انه
 لا یجوز اسلام موزون فی موزون
 الا اذا كانت الموزون المسلم
 فیہ مبیعا کزعفران او غیرہ
 والفلوس لیست من المبیعات بل
 صارت اثمانا اھ واردة العلامة
 الحنفیة حین سئل عن بیع
 الذهب بالفلوس نسئة فاجاب
 بانہ یجوز اذا قبض احد البدلین
 لما فی البزازیة لو اشتري
 مائة فلس بدرهم یکنف
 التفاضل من احد الجانبین قال و
 مثله ما لو باع فضة او ذہبا بفلوس

۴۲ / ۲ مطبع مجتہاتی دہلی باب الربو کتاب البیوع شرح تنویر الابصار
 ۱۸۴ / ۴ دار احیاء التراث العربی بیروت ۴۲۹

كما في البحر عن المحيط قال
 فلا يغتر بما في فتاوى قارى الهداية
 اه و اجاب عنه في النهريات
 مرادة بالبيع السلم والفلوس لها
 شبه بالثمن ولا يصح السلم في
 الاثمان ومن حيث انها عروض
 في الاصل اکتفى بالقبض من احد
 الجانبين اقول وهذا هو استفاد
 من تعليله بات علمائنا
 نصوا على انه لا يجوز اسلام موزون
 في موزون الخ لکن لم يقنع به العلامة
 ابن عابدین فی رد المحتار و اجاب
 بحمل ما في فتاوى قارى الهداية على ما دل
 عليه كلام الجامع الصغير من اشتراط
 التقابض من الجانبين قال فلا يعترض
 عليه بما في البزانرية المحمول على
 ما في الاصل یعنی المبسوط ونقل قبيله
 عن البحر عن الذخيرة ان محمد اذكر
 مسألة بيع فلس بفلسين باعيانهم ما في
 صرف الاصل ولو يشترط التقابض و
 ذكر في الجامع ما يدل على انه

جیسا کہ بحر میں محیط سے ہے فرمایا تو وہ جو فتاویٰ
 قاری ہدایہ میں واقع ہو اس سے دھوکا نہ کھایا
 جائے انتہی، اور اس اعتراض کا نہر میں یہ
 جواب دیا کہ یہاں قاری ہدایہ کی مراد بیع سے بدلی
 ہے اور پیسوں کو ایک مشابہت ثمن سے ہے
 اور ثمن کی ثمن سے بدلی صحیح نہیں اور اس حیثیت
 سے کہ پہلے اصل میں متاع ہیں ایک جانب کا قبضہ
 کافی سمجھایا اقول (میں کہتا ہوں) یہی ان
 کی اس دلیل سے استفاد ہے کہ ہمارے علماء
 نے نص فرمایا کہ دو چیزیں جو وزن سے بچی جاتی ہوں
 ان میں بدلی جائز نہیں الخ مگر علامہ ابن عابدین نے
 رد المحتار میں اس پر قناعنت نہ فرمائی اور یوں جواب دیا
 کہ علامہ قاری ہدایہ کا کلام اس مسئلہ پر محمول ہے
 جو کلام جامع صغیر سے مفہوم ہوتا ہے کہ دونوں طرف
 سے قبضہ شرط ہے اور کہا تو اب اس مسئلہ بزازیہ سے
 اعتراض نہ ہو گا کہ وہ اس پر محمول ہے جو مبسوط امام
 محمد میں ہے اور اس سے پہلے بحوالہ بحر ذخیرہ سے
 نقل کیا کہ امام محمد نے مبسوط کی کتاب الصرف میں
 ایک پیسہ دو پیسے معین کے بدلے بیچے کا مسئلہ
 ذکر فرمایا اور طرفین کا قبضہ شرط نہ کیا اور جامع صغیر
 میں وہ عبارت ذکر فرمائی جو دلالت کرتی ہے کہ وہ

۱۸۲/۴	دار احياء التراث العربی بیروت	باب الربار	رد المحتار بحوالہ الخانوقی
"	"	"	"
"	"	"	النہر
"	"	کتاب البيوع	رد المحتار

شرط فمنهم من لم يصح الثاني
 لان التقابض مع التعيين شرط
 في الصرف وليس به ومنهم من صححه
 لان الفلوس لها حكم العروض
 من وجه وحكم الثمن من وجه
 فجاز التفاضل لاول واشترط التقابض
 للثاني اه اقول وبالله التوفيق
 ما جنح اليه الشامي تبعا للبحر
 تبعا للذخيرة من دلالة
 كلام الجامع الصغير على
 اشترط التقابض فللعبد الضعيف
 فيه تأمل قوي واني سراجعت
 الجامع فوجدت نصه هكذا
 محمد عن يعقوب عن ابي حنيفة رضي الله تعالى
 عنهم رجل باع رطلين من شحم البطن برطل من
 الية او باع رطلين من لحم برطل من
 شحم البطن او بيضة ببيضتين
 او جوزة بجوزتين او قلسا بفلسين
 او تمرة بتمرتين يدا بيد باعيانها
 يجوز وهو قول ابي يوسف رحمه
 الله تعالى وقال محمد رحمه الله
 تعالى عليه لا يجوز فلس بفلسين
 ويجوز تمرة بتمرتين اه

شرط ہے تو مشائخ میں بعض نے اس حکم ثانی کی تصحیح
 نہ کی کہ تعین کے ساتھ دونوں طرف کا قبضہ بیع
 صرف میں شرط ہے اور یہ وہ نہیں اور بعض نے
 اس کی تصحیح کی اس لئے کہ پیسوں کے لئے ایک
 جہت سے متاع کا حکم ہے اور ایک جہت سے
 ثمن کا تو پہلی جہت کے سبب کمی بیشی جائز ہوئی اور
 دوسری کے سبب طرفین کا قبضہ شرط ہوا انتہی ،
 اقول وبالله التوفيق (میں کہتا ہوں اور توفیق
 اللہ سے ہے) وہ جس کی طرف شامی نے بائع بکر
 اور بکر نے بائع ذخیرہ میل کیا کہ جامع صغیر کا کلام
 قبضہ طرفین شرط ہونے پر دلالت کرتا ہے بندہ ضعیف
 کو اس میں تا مل قوی ہے اور میں نے جامع کی
 طرف رجوع کی تو اس کی عبارت یوں پائی امام محمد
 روایت کرتے ہیں امام ابو یوسف سے اور وہ
 امام اعظم سے رضی اللہ تعالیٰ عنہم ، ایک شخص نے
 پیٹ کی دو رطل چربی ایک رطل چکتی کو یا دو رطل
 گوشت ایک رطل چربی کو یا ایک انڈا دو انڈے
 یا ایک اخروٹ دو اخروٹ یا ایک پیسہ دو پیسے
 یا ایک چھو ہارا دو چھو ہارے کو دست بدست
 کہ دونوں معین ہوں تو جائز ہے اور یہی قول ابو یوسف
 رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ
 علیہ نے فرمایا ایک پیسہ دو پیسے کو جائز نہیں اور
 ایک چھو ہارا دو چھو ہارے کو جائز ہے ختم ہوا ان کا

کلامہ الشریف قدس سرہ المنیف
 فمحل الاستناد انما هو قوله رحمه
 الله تعالى يدا بيد لکن قد علم
 من ما رس الفقہ ان هذا اللفظ ليس
 نصابا صريحا في التقابض بالبراجم
 الا ترى علما ن ارحمهم الله تعالى
 فسروه في الحديث المعروف
 بالعينية كما قال في الهداية ومعنى قوله
 صلى الله تعالى عليه وسلم يدا بيد
 عينا بعين كذا رواه عبادة بن
 الصامت رضي الله تعالى عنه اه
 كيف وقد قال اصحابنا رضي الله
 تعالى عنهم ان التقابض انما
 يشترط في الصرف واما ما سواه مما يجري
 فيه الرباء فانما يعتبر فيه التعيين كما في
 الهداية وغيرها وقال في التنوير المعتبر
 تعيين الربوي في غير
 الصرف بلا شرط تقابض
 قال في الدرحتي لو باع بربيعينهما
 وتفرقا قبل القبض جازا لله فان

کلام شریف پاک کیا گیا ان کا معظم، تو موضع سندان کا
 یہی قول ہے کہ دست بدست مگر جس نے فقہ
 کی مزاولت کی ہے اسے معلوم ہے کہ یہ لفظ
 اس میں صاف نص نہیں کہ دونوں جانب کا
 قبضہ ہاتھوں سے ہو جائے کیا نہیں دیکھتے کہ
 ہمارے علماء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اس
 لفظ کو ربار کی حدیث مشہور میں تعیین کے ساتھ
 تفسیر کیا جیسا کہ ہدایہ میں فرمایا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ
 علیہ وسلم کے ارشاد میں لفظ دست بدست کے
 یہ معنی ہیں کہ دونوں جانب تعیین ہو جائے (کسی طرف
 دین نہ رہے) جیسا کہ عبادة بن صامت رضی اللہ
 تعالیٰ عنہ نے روایت کیا انتہی، اور یہ کیونکہ نہ ہو
 حالانکہ ہمارے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے
 فرمایا کہ قبضہ طرفین صرف صرف میں شرط ہے
 اور اس کے سوا اور صورتیں جن میں ربا حباری
 ہو سکتا ہے ان میں فقط تعیین شرط ہے جیسا کہ
 ہدایہ وغیرہ میں ہے اور تنویر الابصار میں ہے کہ
 جس مال میں ربار کا احتمال ہے وہاں ماورا
 صرف میں مال کا فقط عین ہونا معتبر ہے قبضہ
 طرفین شرط نہیں، درمختار میں فرمایا یہاں تک کہ

۸۲-۸۳/۳	مطبع یوسفی لکھنؤ	باب الربا	کتاب البيوع	الهداية
۸۲/۳	"	"	"	"
۴۱/۲	مطبع مجتہبی دہلی	"	شرح تنویر الابصار	الدر المختار
۴۱/۲	"	"	"	"

اگر گہیوں کے بدلے گہیوں بیچے اور ان دونوں کو معین کر دیا اور بے قبضہ کئے ہوئے جدا ہو گئے تو جائز ہے انتہی، تو امام محمد کا یہ قول عبارت مذکورہ میں اگر قبضہ طرفین پر حمل کیا جائے اور اس سے یہ مطلب نکالا جائے کہ پیسوں کی باہم بیع میں قبضہ طرفین شرط ہے تو خرموں اور انڈوں اور اخروٹوں کی باہم بیع میں بھی اس کا شرط ہونا لازم آئے گا ان کے نزدیک جو کہتے ہیں کہ یہ قید ان تمام مسائل کی طرف راجح ہے جیسے نہر الفائق اور درمختار وغیرہما اس لئے کہ وہ سب مسئلے ایک ہی روش پر بیان میں آئے ہیں خصوصاً عبارت جامع صغیر میں کہ اس میں تو یہ قید بیع خرما کے بعد مذکور ہے اور پیسوں کی بیع اس سے پہلے ذکر فرمائی ہے اور یہ ہمارے ائمہ میں سے کسی کا قول نہیں، تو واجب ہوا کہ دست بدست بمعنی تعیین لیں اور امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد کہ معین ہوں اس دست بدست کی تفسیر ہو ورنہ محض بیکار بھرتی ہوگا جس کا کچھ فائدہ نہیں کہ قبضہ طرفین میں تعیین مع زیادت ہے تو اس کے بعد اس کا ذکر فضول ہے اس لئے جب امام برہان الدین صاحب ہدایہ نے جامع صغیر سے اس مسئلہ کو نقل کیا تو دست بدست کا لفظ اس سے ساقط فرما دیا اور صرف تعیین کا ذکر کیا جہاں کہ ہدایہ میں کہا کہ فرمایا (یعنی امام محمد جیسا کہ علامہ بدر الدین عینی نے بنایہ میں تصریح کی) ایک

حمل قوله هذا في العبارة التي ذكرنا على التقابض واستجلب منه اشتراط ذلك في فلسف بفلسين كانت ايضا مشترطاني ثمرة بثمرتين وبيضة بيضتين وجوزة بجوزتين عند من يقول ان القيد راجع للمسائل جميعا كالنهر والدر وغيرهما فان المسائل كلها مسوقة سياقا واحدا لا سيما في عبارة الجامع فان القيد مذکور فيه بعد ثمرة بثمرتين وانما ذكر فلسا بفلسين قبله، وهذا لم يقل به ائمتنا فوجب حمله على اشتراط التعيين وكان قوله رضي الله تعالى عنه باعيانها تفسيرا لقوله يدا بيد والا لكان حشوا مستغنى عنه لاطائل تحته اصلا فان التقابض فيه التعيين وانريد فذكرة بعد لغو ولذا لما نقل الامام برهان الدين صاحب الهداية رحمه الله تعالى هذه المسئلة عن الجامع الصغير اسقط عنها تلك الكلمة واقصر على ذكر العينية حيث قال قال (اي محمد كما صرح به العلامة بدر العيني في البناية) يجوز بيع البيضة

بالبيضتين والتمرة بالتمرتين والمجوز
 بالجوزتين ويجوز بيع الفس بالفلسين
 باعيانهما ^أ فظهر ظهور الشمس في
 سابعة النهار ان ليس في الجامع
 دليل على ما فهم هؤلاء الاعلام وان
 فرض فمع احتمال الغير احتمالاً اظهر
 وانزهر لا يرد ولا يرام ولا حجة في
 المحتمل بخلاف عبارة الاصل فانها
 نص ائى نص في عدم اشتراط التقابض
 كما سمعت فعليه فليكن التعويل
 والتوفيق بالله الملك الجليل ، ثم
 لا يخفى عليك ان هذا كله كان
 مما شاء منام العلامة الشامي والمقصود
 ابانة مفاد الجامع والا فالحق
 ان فتوى العلامة سراج الدين ما بها
 حاجة الى حمل كلام الجامع
 على اشتراط التقابض ^{عليه} ولا هو مدعاة
 ولا عليه توقف لما ادعا فانه
 عليه لانه سلمه ملما وانتم للصرف
 تصرفون اه منه .

عنه لان السلم لا يجوز في الثمن سواء
 كان فيما يشترط فيه التقابض كمن في ثمن
 اولاً كبيع في ثمن اه منه .

دوانڈے اور ایک خنما دو خرے اور ایک اخروٹ
 دو اخروٹ کو بیچا جائز ہے اور ایک پیسہ دو پیسے
 معین کو جائز ہے انتہی ، توپہروں چڑھے آفتاب
 کی طرح روشن ہو گیا کہ جامع صغیر میں اس پر کچھ
 دلالت نہیں جو یہ اکابر سمجھے اور اگر فرض بھی کر لی جائے
 تو اس کے ساتھ دوسرا احتمال بھی موجود ہے ظاہر تر
 روشن تر کہ نہ رد ہونے اس کی طرف کوئی بڑا قصد
 کر سکے اور احتمالی بات حجت نہیں ہوتی بخلاف
 عبارت مبسوط کے کہ وہ قبضہ طرفین شرط نہ ہونے
 میں نص اور کیسی نص ہے جیسا کہ سن چکے تو اسی
 پر اعتماد ہونا چاہئے اور توفیق اللہ عظمت والے
 بادشاہ کی طرف سے ہے ، پھر اتنا معلوم رہے
 کہ یہ سب کچھ ہماری طرف سے علامہ شامی کے ساتھ
 ان کی روش پر چلنا تھا اور مقصود مفاد جامع صغیر
 کا ظاہر کرنا ورنہ حتی یہ ہے کہ فتویٰ علامہ قاری الہدیہ
 کو اس کی طرف حاجت نہیں کہ عبارت جامع
 کو قبضہ طرفین شرط کرنے پر محمول کیجے اور نہ وہ
 ان کا مدعی ہے اور نہ اس پر ان کا دعویٰ موقوف
عنه کہ وہ تو اسے سلم مان رہے ہیں اور تم صرف کی
طرف پھرتے ہو ۱۲ منہ
عنه کہ ثمن میں سلم اصلاً جائز نہیں چاہے اس پتیر میں
ہو جس میں دونوں طرف کا قبضہ شرط ہے جیسے ثمن میں
ثمن کی بدلی یا ایسا نہ ہو جیسے ثمن میں بیع کی بدلی ۱۲ منہ

انما حرمة النسبة و حرمتها
لا توجب ^{عليه} عينية الجانبين ايضا
فضلا عن التقابض الاتري ان بيع ثوب بدمهم
حالا ليس بنسبة ولا فيه العينية
نعم ايجاب العينية من الجانبين يوجب تحريم
النسبة لان التاجيل للترفية في التحصيل
والعين متحصلة بالفعل فلو استدل
له بعبارة الجامع على هذا الوجه
لكان له وجه وسلم من الاعتراض
المذكور، واذن اقول و بالله التوفيق
لا يخفى عليك ان اشتراط العينية
من الجانبين في الربويات
وهي المكيلات والموزونات دون
المعدودات كما نص عليه
في سلم الفتح وغيره حيث قال
انما يمنع ذلك في اموال
الربا اذا قبولت بجنسها والمعدود
ليس منها اه كما قال في البحر تحت
عليه وانما كانت توجب لو كان انتفاء النسبة
مستلزما لوجود العيينين وليس كذلك
بل قد ينتفيان معا كما في المثال المذكور اه
لنه -
عليه لكونه دليلا على الحكم الذي افتي

کہ وہ تو ادھار کو حرام بنا رہے ہیں اور اس کی حرمت
دونوں طرف عین ہونے کو بھی واجب نہیں کرتی نہ کہ
قبضہ طرفین، کیا نہیں دیکھتے کہ کوئی کپڑا ایک روپے
نقد کو بیچنا نہ تو ادھار ہے نہ اس میں دونوں جانب
عین، ہاں دونوں طرف عینیت کا واجب کرنا ادھار
کی حرمت لازم کرتا ہے اس لئے کہ وعدہ مقرر کرنا اس
غرض سے ہوتا ہے کہ کشتی کے حاصل کرنے میں آسانی
ہو اور عین خود ہی فی الحال حاصل ہے تو اگر جامع کی
عبارت سے علامہ قاری الہدایہ کے اس طرز پر
استدلال کیا جاتا تو اس کی ایک وجہ ہوتی ہے اور
اعتراض مذکور سے محافظت رہتی اور اب میں کہتا ہوں
اور اللہ ہی سے توفیق ہے تم پر ظاہر ہے کہ دونوں طرف
سے عین کی شرط اموال ربا میں سے اور وہ چیزیں
ہیں جو نا پٹ تول سے بکتی ہیں نہ وہ کہ گنتی سے جیسا کہ
فتح القدر وغیرہ کی باب السلم میں تصریح ہے جہاں
آیا کہ صرف اموال ربا میں منع ہے جبکہ اپنی جنس کے
ساتھ نیچے جائیں اور گن کر بکنے کی چیزیں اموال ربا میں
سے نہیں انتہی، جیسا کہ گن کے اس قول کی شرح میں

عليه واجب توجب كرتي کہ ادھار نہ ہونے کو دونوں
طرف معین ہونا لازم ہوتا اور ایسا نہیں بلکہ کبھی
دونوں باتیں معدوم ہوتی ہیں کہ نہ ادھار ہو نہ
دونوں جانب عین جیسے مثال مذکور میں ۱۲ منہ
عليه کہ وہ اس حکم پر دلیل ہوتا جس کا انھوں نے
(باقی بر صفحہ آئندہ)

۲۰۸/۶ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھ باب السلم باب البيع باب القدر

قول الكنز "وَحَلَّ بَعْدَ مَهْمَا أَى الْفَضْلِ
وَالنَّسَاءُ عِنْدَ انْعِدَامِ الْقَدْرِ وَالْجِنْسِ
فِي جَوْزِ بَيْعِ ثَوْبٍ هَرَوِيٍّ بِمَرُوبِيٍّ نَسِيئَةً"
وَالْجَوْزُ بِالْبَيْضِ نَسِيئَةٌ، وَ
قَالَ تَحْتَ قَوْلِهِ "يَعْتَبِرُ
التَّعْيِينَ دُونَ التَّقَابُضِ فِي
غَيْرِ الصَّرْفِ مِنَ الرُّبُوبِيَّاتِ"

جب دونوں نہ ہوں تو دونوں حلال ہیں بحر الرائق
میں فرمایا یعنی جب قدر و جنس دونوں نہ ہوں تو زیادتی
اور ادھار دونوں حلال ہیں تو ہرات کے بنے ہوئے
ایک کپڑے کو مرد کے بنے ہوئے دو کپڑوں کے
عوض ادھار بیچنا جائز ہے اور انڈوں کے عوض اخروٹ
ادھار بیچنا اور کنز نے جو فرمایا کہ سوا صورت صرف
کے اموال رباً میں تعین معتبر ہے نہ کہ قبضہ طرفین اس

(بقیہ ماشیہ صفحہ گزشتہ)

بہ وهو عدم الجواز وان جاء
من قبل الصرفية دون السلمية و
من هذا الباب ما في الهندية عن
المحيط حيث ذكر مسائل شراء
الستقرض الكراقرض من المقرض
بمائة وانه يجوز اذا شري ما في
ذمته ونقد الثمن في المجلس والا لا
لافتراقهما عن دين بدین ثم قال
كذلك الجواب في كل مكيل
وموزون غير الدراهم
والفلوس اذا كانت قرضاً
فجعل الفلوس مما لا يجوز شراؤه
ديناً في الذمة بثمان مفقود كما في الحجرين
والصحيح ما قدمنا عن الهندية عن

فتویٰ دیا یعنی ناجائز ہونا اگرچہ یہاں صرف کے
سبب ہو انہ کہ سلم کی جہت سے، اور اسی باب
سے ہے جو ہندیہ میں محیط سے ہے و لہذا
جہاں انہوں نے اس کے مسائل ذکر کئے ہیں کہ غلہ
قرض لینے والا اس قرض غلہ کو قرض دینے والے
سے سو روپے کو مول لے اور یہ کہ وہ جائز ہے جبکہ
وہ غلہ خرید لے جو اس کے ذمہ پر لازم ہوا ہے
(نہ یعنی وہ غلہ جو غلہ قرض آیا ہے) اور قیمت اسی
جلے میں ادا کر دی ہو ورنہ حرام ہو گا کہ دونوں طرف
ادھار چھوڑ کر جدا ہو گئے پھر فرمایا ہر ناپ تول
کی چیز میں یہی حکم ہے سو اگر وہ پے اثر فی پیسوں کے
جب وہ قرض ہوں انتہی، تو پیسوں کو بھی روپوں،
اثر فیوں کی طرح انہیں چیزوں میں سے قرار دیا کہ جب
وہ ذمہ پر قرض ہوں تو ان کا حشر یہ ناجائز ہے
(باقی اگلے صفحہ پر)

۱۲۹/۶

ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

لے بحر الرائق کتاب البیوع باب الربو
لے فتاویٰ ہندیہ الباب التاسع عشر فی القرض الخ

۲۰۵/۳

نورانی کتب خانہ پشاور

کے نیچے بکرنے فرمایا بیان اس کا وہ ہے جو امام
اسبیجانی نے اپنے اس قول میں ذکر کیا کہ جب
ناپ کی چیز ناپ کی چیز سے یا تول کی چیز تول کی
چیز سے بیچی خواہ دونوں ایک جنس کی ہوں یا دو
جنس مختلف تو بیع جائز نہ ہوگی مگر اس شرط سے کہ
وہ دونوں ایک معین چیز ہوں جس پر عقد وارد
کیا گیا خواہ وہیں حاضر ہوں یا غائب، ہاں اس
کی ملک میں موجود ہونا چاہئے الخ پیسوں کی باہم
بیع میں جو عنایت کو واجب کیا اس کی یہی دلیل
بیان فرماتے ہیں کہ اگر ایک پیسہ معین دو پیسے
غیر معین کے عوض بیچے گا تو بائع کو اختیار ہوگا کہ
وہ معین پیسہ رکھ چھوڑے اور مشتری سے ایک پیسہ
مانگے یا وہ معین پیسہ مشتری کو دے کر پھر وہی پیسہ
مع ایک اور پیسے کے اس سے واپس لے کیونکہ مشتری

بیانہ ما ذکرہ الا سبیجانی بقولہ و اذا
تبايعا كيليا بكيلى او وزنیا بوزن فی
كلاهما من جنس واحد او
من جنسین مختلفین فان
البيع لا يجوز حتى يكون كلاهما
عینا اذیف الیه العقد وهو حاضر
او غائب بعد ان يكون موجودا فی
ملكه الخ وانما عللوا وجوبها فی
فلس بفلسین بان لو باع
فلسا بعینہ بفلسین بغیر
عینهما امسك البائع الفلس
المعین و طالبه بفلس اخر او سلم الفلس
المعین و قبضه بعینہ منه مع
فلس اخر لاستحقاقه فلسین فی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اگرچہ قیمت اسی جلسے میں ادا ہو جائے اور صحیح وہ ہے
جو ہم بحوالہ ہندیہ ذخیرہ سے نقل کر چکے کہ ماسواہ
صرف میں منع صرف یہ ہے کہ دونوں طرف میں سے
کسی پر حقیقہ قبضہ نہ کریں اگرچہ ایک پر قبضہ
حکمی ہو (جیسے ذمہ پر کا قرض کہ حکماً مقبوض ہے)
مگر جب ایک پر قبضہ ہو جائے تو جائز ہے اور
ایسا ہی ردالمحتار میں وجہ سے ہے غرض یہ کہ آ

الذخیرة ان المنع فی غیرا لصر ف مختص
بما اذا لم یقبض شی من البدلین قبضاً
حقیقیا وان قبض حکما ما اذا قبض
احدهما حقیقۃً جائز و مثله فی
ردالمحتار عن الوجیز وبالجملة جعله
صرفا صرف له عما نص علیه عامۃ الاصحاح
فی غیر ما کتاب ، والله تعالی اعلم۔

صرف ٹھہرانا اس سے پھرنا ہے جس پر ہمارے عام علماء نے متعدد کتابوں میں نص فرمایا واللہ تعالی اعلم

ذمتہ فیرجع الیہ عین مالہ و
یبقی الفلوس الآخر خالیاً عن
العوض و کذا الوباع فلسین باعیا نہما
بفلس بغیر عینہ قبض مشتری
الفلسین و دفع الیہ احدہما
مکان ما استوجب علیہ فی بقی الآخر
فضلاً بلا عوض استحق بعقد البیع
کما فی الفتح و نحوه فی العنایة
و غیرہا و ہذہ العلة لاجریان
لہما فی الدر اہم بالفلوس
نسبۃ کما لا یخفی فضلاً من النوط
بالدر اہم فعبارة قاری الہدایة
احسن محمل لہا ما ذکر فی النہر
ویکون اذن مبني علی روایة
نادرة عن محمد رحمۃ اللہ
تعالیٰ علیہ کما سیأتی و
ان لم یسلم فہی فتوی من دون
سند ولا تعلم لہ سلفاً
فیہا و ہو لم یستند لنقل

عہای بالوجه الذی ذکر وان صرف
الی الصرف فقد علمت مالہ من الضعف
الصرف اہمنہ۔

کے ذمہ پر اس کے دو پیسے آتے ہیں تو بائع کا اپنا
مال تو اس کی طرف بعینہ لوٹ آیا اور دوسرا پیسہ
بلا معاوضہ رہ گیا اور یونہی اگر دو معین پیسے ایک
غیر معین پیسہ کو بیچے تو مشتری دونوں پیسے لے لے گا
اور اس کے ذمہ جو ایک پیسہ لازم ہوا ہے اس کی ادا
کو انہیں میں سے ایک پیسہ بائع کو پھر دے گا تو
دوسرا پیسہ زائد رہ گیا ہے ایسے معاوضہ کے جس کا
استحقاق عقد بیع سے ہوا ہو جیسا کہ فتح القدر
میں ہے اور اس کے مثل عنایہ وغیرہ میں ہے
اور ادھار پیسوں کے بدلے روپیہ بیچنے میں یہ علت
جاری نہیں ہو سکتی جیسا کہ پوشیدہ نہیں، نہ کہ
روپوں کے بدلے نوٹ بیچنے میں، تو عبارت
قاری الہدایہ کا سب سے بہتر محل وہ ہے جو نہر
میں ذکر کیا اور اس وقت وہ ایک روایت نادرہ
پر مبنی ہوگی جو امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے آئی
ہے جیسا کہ عنقریب اس کا بیان آتا ہے اور
اگر یہ نہ مانیں تو وہ علامہ کا ایک فتویٰ ہے جس کے
ساتھ کوئی سند نہیں اور نہ اس میں ان سے پہلے ان کا کوئی
مستند معلوم نہ وہ اس پر کسی نقل سے سند لائے

عہ یعنی اس طریقے سے جو انہوں نے ذکر کیا
اور اگر صرف کی طرف پھر تو تمہیں معلوم ہو چکا جو
اس میں نراضعت ہے ۱۲ منہ

وما تجشم له الشامي فقد علمت حاله
 فكيف يعارض به ما تطابقت عليه
 كلمات اوليك الاجلة الكرام الذين
 قصصتهم عليك و امامهم فيها نص
 محمد في الاصل فهو القول ثم اقول
 علا ان ما ذكر العلامة قارى
 الهداية ذهوليت صريحين عن
 مسائل المذهب ذهول عما نص عليه
 علماء و نوات الفلوس بالاصطلاح خرجت
 عن الوزنية الى العدوية و ذهول عما
 نصوا عليه ان ثمنيتها تبطل باصطلاح
 العاقدين وان بطلانها لا يبطل
 الاصطلاح على العدوية، و كل ذلك
 منصوص عليه في الهداية
 وغيرها و هذا نصها و لهما ان
 الثمنية في حقها تثبت باصطلاحها
 و اذا بطلت الثمنية تتعين
 بالتعيين و لا يعود و ثمنيا
 لبقاء الاصطلاح على العدوية
 و سلقى عليك ان محمدا
 ايضا سلم في السلم
 بطلان الثمنية و انما
 انكره في البيع لعدم الدليل

اور وہ جو ان کے لئے علامہ شامی نے تکلف کیا اس کا
 حال معلوم ہو چکا تو اس سے کیونکر معارضہ ہو سکتا ہے
 اس حکم کا جس پر ان اکابر کرام کے کلمات متفق ہیں جن
 کے اسماء گرامی اوپر مذکور ہوئے اور اس میں ان کا
 امام مبسوط میں امام محمد کا نص ہے تو وہی قول فیصل
 ہے ثم اقول (پھر میں کہتا ہوں) علاوہ بریں
 وہ جو امام قاری الہدایہ نے ذکر کیا اس میں مسائل
 مذہب سے صاف و ذہول ہیں ایک ذہول تو اس
 سے جو ہمارے علمائے تصریح فرمائی کہ پیسے اصطلاح
 کے سبب وزن کی چیز ہونے سے خارج ہو کر گنتی کی
 چیز ہو گئے، اور دوسرا ذہول اس سے جو علماء نے
 نص فرمایا کہ پیسوں کا ثمن ہونا بائع و مشتری کی اپنی
 اصطلاح سے باطل ہو جاتا ہے اور ثمنیت کے بطلان
 سے وہ اصطلاح جو ٹھہری ہوئی ہے کہ پیسے گنتی کی
 چیز ہیں باطل نہیں ہوتی، ان تمام باتوں کی ہدایہ
 وغیرہ میں تصریح ہے، ہدایہ کی عبارت یہ ہے امام
 اعظم اور امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ ثمنیت بائع
 و مشتری کے حق میں ان کی اصطلاح سے ثابت
 ہوتی ہے اس لئے کہ اوروں کو ان پر کچھ ولایت نہیں
 تو وہ اپنی اصطلاح میں اسے باطل بھی کر سکتے ہیں
 اور جب ثمن ہونا باطل ہو گیا تو معین کئے سے معین
 ہو جائیں گے اور اس سے قول کی چیز نہ ہو جائیں گے
 کہ گنتی پر اصطلاح باقی ہے اھ اور عنقریب ہم تمہیں

بتائیں گے کہ امام محمد نے بھی سلم میں بطلان ثمنیت تسلیم فرمایا ہے ہاں بیع میں دلیل نہ ہونے کے سبب اس کا انکار کیا ہے تو اس پر ہاتھ سب اماموں کا اجماع ہے تو اس حالت میں روپے یا اشرفی سے پیسوں کی بدلی کو نا ثمن کی بدلی نہیں اور نہ باہم تول کی دو چیزوں میں بدلی بلکہ تول کی چیز کے عوض ایک متاع عدوی کی بدلی ہے جس کے افراد باہم مشابہ ہیں اور ہمارے علماء رحمہم اللہ تعالیٰ کا اجماع ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں، الحاصل بندہ ضعیف اس فتویٰ کے لئے اصلاً کوئی وجہ نہ نہیں جانتا، تامل کر، شاید ان کے کلام کے لئے کوئی ایسی وجہ ہو کہ میں اپنی فہم سست سے اسے نہیں سمجھتا اور کیا عجب کہ بہ نسبت ان علامہ کثیر المعرفہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے میں ہی غلطی سے زیادہ قریب ہوں۔

ثم اقول (تو میں کہتا ہوں) اگر تسلیم بھی کر لیں تو ہمیں اس کلمے کا اختیار ہے کہ وہ جو علامہ نے ذکر فرمایا وہ پیسوں ہی میں جاری ہوتا ہے اور نوٹ تو اصلاً وزن کی چیز نہیں اس لئے کہ کاغذ کے پرچے عرف میں کبھی تولے نہیں جاتے تو معیار انھیں شامل نہ ہوتی جیسے غلہ سے ایک ہتھیلی بھر اور سونے سے ایک ذرہ، تو ہمارا یہ مسئلہ بہر حال مخالفت سے محفوظ ہے اور حمد اللہ کے لئے جو بزرگی والا ہے ایسی ہی تحقیق ہونی چاہئے اور توفیق کا مالک اللہ ہے۔

فہو مجمع علیہ بین ائمتنا
 فاذا سلام احد النقدین
 فی الفلوس لیس سلما
 فی ثمن ولا اسلام موزون
 فی موزون بل موزون فی
 عدوی متقارب مثنی ولا
 یاس بہ باجماع علما ثنا رحمہم
 اللہ تعالیٰ وبالجملة فالعبد
 الضعیف لا یعلم لہذہ الفتوی
 وجہ صحۃ اصلا تأمل
 لعل لکلامہ وجہا لست احصلہ
 بفہمی السخیف ولعل انا
 الاولی بالخطا من ہذا العلامۃ
 العریف رحمہ اللہ تعالیٰ،
 ثم اقول ولئن سلمنا فلنا
 ان نقول ما ذکرنا ینما یتمشی فی
 الفلوس اما النوط فلیس بموزون
 اصلا فان الورقات لا توزن عرفا
 قط فلم یثملہا المعیار کحفنة
 من حب و ذرۃ من ذهب
 فمسئلنا ہذہ سالمة عن الخلاف
 علی کل حال والحمد للہ ذی الجلال ہکذا
 ینبغی التحقیق واللہ ولی
 التوفیق۔

جواب سوال دہم

فاقول (تو میں کہتا ہوں) ہاں نوٹ میں بدلی جائز ہے اور کبھی کہا جاتا ہے کہ جائز نہ ہو اس لئے کہ نوٹ ٹمن ہے اور ٹمن میں بدلی جائز نہیں جیسا کہ نہر سے گزرا، اور تحقیق یہ ہے کہ یہ قول صرف ایک روایتِ ناوردہ پر مبنی ہے جو امام محمد سے آئی ورنہ متون میں تو یہ نص ہے کہ پیسوں میں بدلی جائز ہے ہاں جو ٹمن ہونے کے لئے پیدا کئے گئے ان میں جائز نہیں اور وہ صرف چاندی سونا ہے و بس، اس لئے کہ بائع و مشتری ان کی ٹمنیت باطل کرنے پر قدرت نہیں رکھتے بخلاف ان چیزوں کے جو اصطلاحاً ٹمن قرار پاتی ہیں۔ تنویر الابصار اور درمختار میں فرمایا سلم جائز ہے ہر اس چیز میں جس کی صفت کا انقباض ہو سکے جیسے اُس کا کھر اور کھوٹا ہونا اور اس کا اندازہ پہچان سکیں جیسے ناپ اور تول کی چیز، اور یہ جو مصنف نے فرمایا کہ وہ چیز ٹمن نہ ہو اس سے روپے اور اشرفی نکل گئے اس لئے کہ وہ ٹمن ہیں تو ان میں بدلی جائز نہیں امام مالک کا اس میں خلاف ہے یا گنتی سے بکنے کی چیز ہو تو ایسی ہو کہ اُس کے افراد باہم قریب قریب ہوتے ہوں جیسے اخروٹ اور انڈے اور پیسے الخ علامہ شامی نے فرمایا کہ مصنف نے جو پیسہ کہا اولیٰ یہ ہے کہ پیسے کہیں اس لئے کہ فلس واحد کا صیغہ ہے، اسم جنس نہیں،

فاقول نعم يجوز السلم في النوط و قد يقال لا يجوز فانه ثمن و لا سلم في الاثبات كما تقدم عن النهرو والتحقيقات هذا انما بيتني على رواية نادرة عن محمد و الا فالمنصوص عليه في النوط جواز السلم في الفلوس وانما لا يجوز في الاثبات الخلقية وهي النقدان لا غير لعدم قدرة العاقدين على ابطال ثمنيهما بخلاف الاثبات الاصطلاحية قال في التنوير و الذك (يصح اى السلم فيما امكن ضبط صفته) كجودته و رداثته (ومعرفة قدره ككييل و موزون و) خرج بقوله (مثنى) الدر اھم و الدنانير لانهما اثبات فلم يجزئها السلم خلافا للمالك (و عددی متقارب كجوز و بيض و فلس الخ قال ابن عابدین قوله و فلس الاولى و فلس لانه مفرد لا اسم جنس، قيل

وفيه خلاف محمد لمنعه بيع
الفلس بالفلسين الا ان ظاهر
الرواية عنه كقولهما وبيات الفرق
في النهر وغيره ^ا فكان النهر
انما ابداه تاويلا لفتوى قارئ
الهداية حتى يحصل له مستند
ولو في النوادر ولم يرد به تعويلا
عليه ، وفي الهداية
وكذا في الفلوس عددا
وقيل هذا عند ابي حنيفة وابي يوسف
رحمهما الله تعالى وعند محمد لا يجوز
لانها اثبات ولها ان التمنية في
حقها باصطلاحها فتبطل باصطلاحها
قال في الفتح اى يجوز
السلم في الفلوس عددا هكذا
ذكرة محمد رحمه الله تعالى في
الجامع من غير ذكر خلاف
فكان هذا ظاهرا لرواية عنه و
قيل بل هذا قول ابي حنيفة وابي يوسف
اما عنده فلا يجوز بدليل منعه ببيع
الفلس بالفلسين في باب الربو لانها اثمان
واذا كانت اثمانا لم يجز السلم فيها لكن ظاهر الرواية

بعض نے کہا کہ اس مسئلہ میں امام محمد کا خلاف ہے
اس لئے کہ وہ دو پیسوں کو ایک پیسہ بچنا منع فرماتے
ہیں مگر روایت مشہورہ ان سے بھی مثل قول امام اعظم
اور ابو یوسف کے ہے اور فرق کا بیان نہر وغیرہ
میں ہے انتہی تو گویا نہر نے یہ بات فتویٰ قاری الہدیہ
کی تاویل کے لئے ظاہر کی تاکہ اُس کے لئے کوئی
سند ہو جائے اگرچہ نوادر میں اور اس سے اُس پر
اعتماد کرنا نہ چاہا اور ہدایہ میں ہے یونہی پیسوں میں
بدلی جائز ہے اُن کی گنتی مقرر کر کے ، اور کہا گیا کہ
کہ یہ امام اعظم اور امام ابو یوسف کے نزدیک ہے
اور امام محمد کے نزدیک جائز نہیں اس لئے کہ پیسے
ثمن ہیں اور شیخین کی دلیل یہ ہے کہ ثمن ہونا بائع
و مشتری کے حق میں ان کی اصطلاح کی بنا پر ہے
تو اُن کی اصطلاح سے باطل بھی ہو جائے گا ،
فتح القدر میں فرمایا پیسوں میں گنتی سے بدلی جائز ہے
اسی طرح امام محمد نے جامع میں ذکر فرمایا اور کسی
خلاف کا نام نہ لیا ، تو یہی امام محمد سے روایت
مشہورہ ہوئی اور بعض نے کہا کہ یہ قول شیخین کا
ہے امام محمد کے نزدیک جائز نہیں اس دلیل سے
کہ وہ دو پیسوں کو ایک پیسہ سے بچنا منع
فرماتے ہیں کہ وہ ثمن ہیں اور جب وہ ثمن ہوئے
تو ان میں بدلی جائز نہ ہوئی مگر روایت مشہورہ میں

کتاب البیوع باب السلم دار احیاء التراث العربی بیروت ۲۰۳/۴
مطبع یوسفی لکھنؤ ۹۲/۳

لہ رد المحتار
لہ الہدایہ

امام محمد سے بھی جواز ہی ہے اور بیع اور بدلی میں وہ یہ فرق کرتے ہیں کہ بدلی میں تو یہ امر ضرور ہے کہ جو چیز وعدہ پر یعنی ٹھہرے وہ ثمن نہ ہو تو جب انھوں نے پیسوں کی بدلی پر اقدام کیا تو ضمناً ان کی اصطلاح ثمنیت کو باطل کر دیا اور ان کی بدلی اسی طور پر جائز ہے جس طرح ان میں معاملہ کیا جاتا ہے یعنی گن کر بخلاف بیع کہ وہ ثمن پر بھی وارد ہو سکتی ہے تو بیع میں ان کو ثمنیت سے خارج کرنے کا کوئی موجب نہیں تو کمی بیشی جائز نہ ہوتی اور ایک پیسہ کی دو پیسے سے بیع منع ٹھہری انتہی اقول (میں کہتا ہوں) مگر اس فرق میں اعتراض ہے اس لئے کہ امام محمد اس کے قائل ہی نہیں کہ صرف عاقدین کے ارادہ سے وہ ثمنیت سے خارج ہو جائیں حالانکہ باقی تمام لوگ اس کے ثمن ہونے پر متفق ہیں، ہدایہ میں فرمایا کہ امام اعظم و امام ابو یوسف کے نزدیک ایک پیسہ دو پیسے معین کو بیچنا جائز ہے اور امام محمد نے فرمایا جائز نہیں اس لئے ان کا ثمن ہونا سب لوگوں کی اصطلاح سے ثابت ہوا تھا تو صرف ان دو کی اصطلاح سے باطل نہ ہو جائیگا اور جبکہ وہ ثمنیت پر باقی رہے تو متعین نہ ہوں گے تو یہ ایسا ہی ہو گیا جیسے ایک پیسہ دو پیسے غیر معین کو بیچ لیا اور جیسے ایک معین روپیہ دو معین روپے کو بیچ لیا اور شیخین کی دلیل یہ ہے کہ ثمنیت عاقدین کے تحت میں ان کی اصطلاح سے ثابت

عنه الجواز والفرق له بين البيع و السلم ان من ضرورة السلم كون المسلم فيه مثمنا فاذا اقدم على السلم فقد تضمن ابطالهما اصطلاحهما على التمنية و يصح السلم فيها على الوجه الذي يتعامل فيها به وهو العد بخلاف البيع فانه يجوز و رودة على الثمن فلا موجب لخروجها فيه عن التمنية فلا يجوز التفاضل فامتنع بيع الفس بالفلسين اه اقول لكن في الفرق نظرات محمدا لا يقول بخروجها عن التمنية بمجرد قصد العاقدين مع اتفاق سائر الناس عليها قال في الهداية يجوز بيع الفس بالفلسين باعيانهما عند ابى حنيفة و ابى يوسف رحمهما الله تعالى و قال محمد رحمه الله تعالى لا يجوز لان التمنية تثبت باصطلاح الكل فلا تبطل باصطلاحهما و اذا بقيت اثمانا لاتعين فصا رس كما اذا كانا بغير اعيانهما و كبيع الدرهم بالدرهمين ولهما ان التمنية في حقهما تثبت باصطلاحهما الى

من فتح القدير كتاب البيوع باب السلم مكتبة نوريه رضويه سكر مطبع يوسفى كهنو
 كتاب البيوع باب الربو
 كتاب البيوع باب الربو
 ۲۰۸-۹/۶
 ۸۳/۳

آخر ما تقدم وقد اقره المحقق في
الفتح وقرره على هذا النهج
فكيف يقول محمد ههنا ان اقدامهما
على السلم ابطال منهما لاصطلاح
التمنية الا ان يقال ان هذا رجوع
عن التعليل الاول ولم يكن
عن نص محمد وانما ابداه المشايخ
وظهر الات بهذا الفرق ان الوجه
لمحمد لم يكن ذلك بل هو ايضا قائل
بان لهما ابطال الاصطلاح في حقهما
ولكن اذا ثبت هذا عنهما
وقد ثبت في السلم لان المسلم
فيه لا يكون ثمننا قط فاقدامهما
على جعلها مسلما فيها دليل
على الابطال ولم يثبت في
البيع اذ ليس من ضرورته ان
لا يكون البيع ثمننا فلم يثبت منهما
ابطال الاصطلاح فبقية اثمانا فلم
تتعين فبطل البيع وهذا التقرير على
هذا الوجه ربما يميل الى ترجيح
قول محمد في البيع فانهم
والله تعالى اعلم.

ہوتی ہے آخر تقریر گزشتہ تک اور بیشک محقق نے
اسے فتح القدر میں مقرر رکھا اور اسی طور پر اس کی
تقریر کی تو امام محمد یہاں کس طرح فرمائیں گے کہ عاقدین
کا ان کی بدلی پر اقدام کرنا ان کی اصطلاح ثمنیت
کو باطل مان لینا ہے مگر یہ کہا جائے کہ یہ پہلی تعلیل
سے رجوع ہے اور وہ تعلیل خود امام محمد سے منقول
نہ تھی مشائخ نے پیدا کی تھی اور اب اس فرق سے
ظاہر ہوا کہ امام محمد کے نزدیک وجہ وہ نہ تھی بلکہ وہ
بھی اسی کے قائل ہیں کہ عاقدین کو اپنے حق میں
ثمنیت باطل کرنے کا اختیار ہے مگر یہ جب ہے
کہ عاقدین سے ابطال ثمنیت کا ارادہ ثابت ہو جائے
اور وہ بدلی میں ضرور ثابت ہو گیا اس لئے کہ اس
میں جو چیز و عدہ پر لینی ٹھہرے وہ کبھی ثمن نہیں
ہو سکتی تو پیسوں میں بدلی پر ان کا اقدام ان کی
ثمنیت باطل کرنے کی دلیل ہے اور بیع میں ان کا
یہ ارادہ ثابت نہ ہو کہ اس میں بیع کا ثمن نہ ہونا
کچھ ضرور نہیں تو عاقدین سے ابطال اصطلاح
ثابت نہ ہوا تو پیسے بحال خود ثمن رہے تو متعین
نہ ہوئے تو بیع باطل ہوئی، اور یہ تقریر اس طرز
پر کبھی اس طرف جھکے گی کہ مسئلہ بیع میں امام
محمد کے قول کو ترجیح دی جائے، تو غور کرو،
واللہ تعالیٰ اعلم۔

عہ یہ اس جواب کی طرف اشارہ ہے کہ عقد صحیح
(باقی بر صفحہ آئندہ)

عہ یشیر الی الجواب بان الحاجة الی

واما الحادی عشر

فاقول نعم يجوز بعه بان يمد من
سرقه وبانقص منه كيفما تراضيا
لم علمت ان تقديرها بهذه المقادير
انما حدث باصطلاح الناس وهما
لا ولاية للغير عليهما كما
تقدم عن الهداية والفتح
فلهما ان يقدر بما شاء من
نقص وزيادة وقد تم الجواب
بهذا القدر عند كل من له
سلامة الفكر وقد افتيت به
مرارا وافتى عليه ناس
من كبار علماء الهند كالفاضل الكامل
محمد ارشاد حسين الرامفوري رحمه الله تعالى

جواب سوال یازدہم
فاقول (تو میں کہتا ہوں) ہاں نوٹ پر جتنی رقم
لکھی ہے اُس سے زیادہ یا کم کو جتنے پر رضامندی
ہو جائے اس کا بیچنا جائز ہے اس لئے کہ
اوپر معلوم ہو چکا کہ نوٹ کا ان مقداروں سے اندازہ
کرنا صرف لوگوں کی اصطلاح سے پیدا ہوا ہے
اور بائع و مشتری پر اُن کے غیر کی کوئی ولایت نہیں،
جیسا کہ ہدایہ و فتح القدر سے گزرا تو اُن دونوں کو
اختیار ہے کہ کم زیادہ جتنا چاہیں اندازہ مقرر کر لیں
جو شخص فکر سلیم رکھتا ہے اس کے نزدیک جواب
اتنے ہی سے پورا ہو گیا اور میں نے بارہا اس پر
فتویٰ دیا اور اکابر علمائے ہند سے متعدد عالموں
کا یہی فتویٰ ہوا جیسے فاضل کامل مولوی
محمد ارشاد حسین صاحب رامپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کرنے کی حاجت اس پر کافی قرینہ ہے اور اس کا
خود ذات عقد کی طرف سے ناشی ہونا کچھ ضرور
نہیں جیسے کوئی ایک روپیہ اور دو اشرفیاں
دو روپوں اور ایک اشرفی کو نیچے تو اسے صورت جواز
پر حمل کرینگے جنس کو غیر جنس کی طرف پھیر کر حالانکہ
خود ذات عقد میں جنس کے مقابل جنس ہونے
سے انکار نہیں اور سود کا شبہ مثل حقیقت کے ہے
تو اس پر یہی حاجت تصحیح عقد کا باعث، اور اس
کی نظیریں بکثرت ہیں ۱۲ منہ۔

تصحیح العقد یکنی قرینة علی ذلك
ولا یلزم کون ذلك ناشیا عن نفس ذات
العقد کمین باع درهما و دینارین بدرهمین
و دینارین حمل علی الجواز صرف للجنس
الی خلاف الجنس مع ان نفس ذات العقد
لا تابی مقابلة الجنس بالجنس واحتمال
الربا کتحققه فبالعامل علیہ الا
حاجة التصحیح و کم له من
نظیر اھ منہ۔

وغيره وما خالفني فيها الا سرجل من
لكنو ممن يعدّ من الاعيات ويشار
اليه بالبنات ولم اطلع على خلافه
الا بعد موته لما طبعت وريقات باسم
فتاواه ولو ساجعته في حياته لرجوت
ان يرجع لان الرجل كان اذا
عرف عرف واذا عرف انصرف
فالان انريدك بيانا بعد بيان
لا يبقى ان شاء الله للحق الا
القبول والاذعان فاقول اولاً
نص علماءنا قاطبة ان علة
حرمة الربا القدر المعهود بكيلا ووزن
مع الجنس فان وجد احرم الفضل
والنساء وان عدم ما حلوا ان وجد
احدهما حل الفضل و
حرم النساء وهذه قاعدة
غير منخرمة وعلیها
تدور جميع فروع الباب و
معلوم ان لا اشتراك في
النوط والدراهم في جنس
ولا قدر اما الجنس فلان
هذا قرطاس وتلك فضة
واما القدر فلات الدراهم

وغیرہ اور اس میں میرا خلاف نہ کیا مگر کھنڈ کے ایک شخص
نے جو عمائد سے گئے جاتے اور ان کی طرف انگلیاں
اٹھتیں اور مجھے ان کے خلاف پر اطلاع نہ ہوئی مگر
ان کی موت کے بعد جبکہ کچھ مختصر ورق ان کے فتاویٰ کے
نام سے چھپے اور اگر میں ان کی زندگی میں اس بارے
میں ان سے گفتگو کرتا تو امید تھی کہ وہ رجوع کر لیتے
کہ ان صاحب کی عادت تھی جب سمجھائے جاتے
تو سمجھ لیتے اور جب سمجھ لیتے تو واپس آتے اور اب
میں تجھے ایضاح کے بعد اور ایضاح زیادہ کروں جو
ان شمار اللہ تعالیٰ حق کے لئے نہ باقی رکھے سوا
قبول و تسلیم کے، فاقول (تو میں کہتا ہوں)
اولاً ہمارے جمیع علماء رحمہم اللہ تعالیٰ نے تصریح
فرمائی کہ حرمتِ ربا کی علت وہ خاص اندازہ یعنی
ناپ یا تول ہے اتحاد جنس کے ساتھ، تو اگر
قدر و جنس دونوں پائی جائیں تو بیشی اور ادھار
دونوں حرام ہیں، اور اگر وہ دونوں نہ پائی جائیں تو
حلال ہیں، اور اگر دونوں میں سے ایک پائی جائے
تو بیشی حلال اور ادھار حرام ہے، اور یہ ایک عام
قاعدہ ہے جو کہیں منتقص نہیں اور باب ربا کے
جمیع مسائل اسی پر دائر ہیں اور معلوم ہے کہ ٹوٹ
اور روپوں میں شرکت نہ قدر میں ہے نہ جنس میں،
جنس میں تو اس لئے نہیں کہ یہ کاغذ ہے اور
وہ چاندی اور قدر میں اس لئے نہیں کہ روپے تول کی

عہدہ جن کو مولوی عبدالحی صاحب کہا جاتا ہے ۱۲۱۰ھ

عہدہ یدعی مولوی عبدالحی الکنوی ۱۲۱۰ھ

چیز ہیں اور نوٹ نہ تول کی نہ ناپ کی، تو واجب ہوا کہ ہمیشی اور ادھار دونوں جائز ہوں، تو ظاہر ہوا کہ نوٹ سرے سے مالِ ربا ہی سے نہیں اور ہم ان شاء اللہ تعالیٰ عنقریب زیادہ تحقیق بیان کریں گے ثانیاً ردالمحتار وغیرہ میں فرمایا جہاں ہمیشی حرام ہوتی ہے ادھار بھی حرام ہے اور اس کا عکس نہیں اور جہاں ادھار حلال ہو ہمیشی بھی حلال ہوتی ہے اور اس کا عکس نہیں انتہی اور ہم جو اب سوال نہم میں دلیل قطعی قائم کر چکے ہیں کہ نوٹ میں ادھار جائز ہے تو واجب ہوا کہ ہمیشی بھی حلال ہو اور آئندہ تقریر کے منظر پر ہو۔

ثالثاً یہ ہیں ہمارے سردار رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہ فرما رہے ہیں جب جنس مختلف ہو تو جیسے چاہو جو یہ حدیث صحیح مسلم میں عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اجازت کے بعد منع کرنے والا کون ہے، مرا ابعایہ تو ایسی روشن دلیلیں ہیں کہ بچے پر بھی مخفی نہ رہیں اور اب میں تجھ سے ایک ایسی چیز بیان کروں جس میں تجھے اپنی عقل کے لائق کچھ کلام کی گنجائش ہو پھر اظہار صواب کے لئے اس کا پردہ کھولوں فاقول (تو میں کہتا ہوں) بھلا بتا تو کیا تجھے اور ہر ذی عقل کو معلوم

موزونہ ولا قدر للنوط اصلاً لا مکیل و لا موزون فیجب ان یحل الفضل والنساء جیعا فاذا ن لیس النوط من الاموال الربویة اصلاً و سنزیدک تحقیق الامر فی ذلک عن قریب ان شاء اللہ تعالیٰ و ثانیاً قال فی رد المحتار وغیرہ کما حرم الفضل حرم النساء ولا عکس و کما حل النساء حل الفضل ولا عکس اھ وقد اقمنا البرهان القاطع فی جواب التاسع علی حل النساء ہرنا فوجب حل الفضل و انتظر ما یأتی و ثالثاً اھذا سیدنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بقول اذا اختلفت هذه الاصناف فبیعوا کیف شئتم رواہ مسلم عن عبادۃ بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فمن الحاجر بعد اذن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و مرا ابعایہ و لائل و اضحی لا تخف حتی علی الصبیان و الان انیک بشئ یكون لك فیہ مجال تکلم بحسب عقلک ثم اکشف الحجاب لابانۃ الصواب فاقول اس ایتک هل لیس من المعلوم عندک

وعند كل من له عقل ان المال الذي يكون في السعر العام المعروف المجمع عليه من الناس بعشرة دراهم يجوز لكل احد ان يبيعه بزضا المشتري بمائة او يعطيه بفلس واحد ولا حجر في شئ من ذلك عن الشرح المطهر قال تعالى الا ان تكون تجارة عن تراض منكم، وقد قال في الفتح كما تقدم ان لوباع كاغدة بالف يجوز ولا يكره وكل احد يعلم ان قطعة قرطاس لا تبلغ قيمته الف ولا مائة ولا درهما واحدا قط فما ذلك الا لان القيمة والتمن متغايران ولا يجب عليهما التقيد بها فيما تامتا بل لهما ان يقدر الثمن باضعاف القيمة او بجزء من مائة جزء لها فان قلت هذا في السلعة اما النوط فتمن اصطلاحا قلت او لا فكان ماذا وقد ابنت الجواب بقولك اصطلاحا فان اصطلاح غيرهما ليس مكرها لهما فصاع الفرق وضاء الحق وثانبات سلما انهما

نہیں کہ وہ مال کہ عام بھاؤ سے سب کے نزدیک دس روپے کی قیمت کا ہے ہر شخص کو جائز ہے کہ خریدار کی رضامندی سے اسے سو روپے کو بیچے یا ایک پیسہ کو دے دے اور شرع مطہر کی طرف سے اس بارے میں کوئی روک نہیں۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے، مگر یہ کہ کوئی سودا ہو تمھاری آپس کی رضامندی کا۔ اور بیشک فتح القدر میں فرمایا جیسا کہ اوپر گزرا کہ اگر ایک کاغذ ہزار روپے کو بیچا جائز ہے، اور اصلاً مکروہ بھی نہیں، اور ہر شخص جانتا ہے کہ کاغذ کے ایک ٹکڑے کی قیمت ہرگز نہ ہزار روپے تک پہنچتی ہے نہ سو تک نہ ایک روپے تک، تو اس کا یہی سبب ہے کہ قیمت اور تمن جدا جدا چیزیں ہیں اور بائع و مشتری پر قیمت (یعنی بازار کے بھاؤ) کی پابندی تمن میں لازم نہیں (یعنی جو ان کے باہم قرار دیا ہوا) بلکہ انھیں اختیار ہے کہ بازار کے بھاؤ سے کئی گنے زائد پر رضامندی کر لیں یا اس کے سوویں حصہ پر، اب اگر تو کہے کہ یہ تو متاع کا حکم ہے اور نوٹ تو اصطلاح میں تمن ہے میں کہوں گا اولاً پھر کیا ہوا تو نے اصطلاحاً کہہ کر خود ہی جواب ظاہر کر دیا کہ اوروں کی اصطلاح عاقدین کو مجبور نہیں کرتی تو فرق ضائع ہوا اور حق واضح ہو گیا ثانیاً ہم نے مانا

لا يقدر ان على ابطال الثمنية فمت
 اين لك ان الاثمان الاصطلاحية
 لا يمكن التغيير فيها عن التقدير
 المصطلح الا ترى ان فلوس ربية
 متعينة بتعيين العرف ابدافكل
 صبي عاقل يعقل ان ربية بست
 عشرة آنة لا بخمس عشرة ولا بسبع
 عشرة ثم هذا التعيين العرفي وكونها اثمانا
 مصطلحة لا يحرم على العاقدين النقص
 والزيادة قال في التنوير وشرحه للعلائي
 من اعطى صير فيادرها كبراقال اعطى به
 نصف درهم فلوسا ونصف الاحبة صح ويكون
 النصف الاحبة بمثله وما بقى بالفلوس اه
 ولفظ الهداية لوقال اعطى بنصفه
 فلوسا ونصفه نصف الاحبة جاتا
 و ثالثا اعل عن الثمن الاصطلاحى
 هذان حجران ثمنان خلقة و
 لا يقدر احد على ابطال ثمنيهما
 وقد عقل كل من عقل
 ان الدينار يساوى ابدافعدة
 دس اهم ولا يوجد دينار قط يقوم
 بدرهم واحد ومع ذلك نص اثمتنا

کہ عاقدین ابطال ثمنیت پر قادر نہ ہوں تو یہ تو نے
 کہاں سے نکالا کہ اصطلاحی ثمنوں کی مقدار مصطلح سے
 تغیر جائز نہیں، کیا نہیں دیکھتا کہ ایک روپے کے
 پیسے عرف کی تعیین سے ہمیشہ متعین رہتے ہیں کہ
 ہر سمجھ والا بچہ جانتا ہے کہ ایک روپیہ سولہ آنے
 کا ہے نہ پندرہ کا، نہ سترہ کا۔ پھر یہ عرفی تعیین اور
 پیسوں کا ثمن اصطلاحی ہونا بائع و مشتری پر
 کمی بیشی حرام نہیں کرتا۔ تنویر الابصار اور اس کی
 شرح در مختار میں فرمایا جس نے صرف کو ایک روپیہ
 دیا اور کہا اس کے عوض مجھے آٹھ آنے کے پیسے
 دے دے اور ایک سکہ کہ اٹھنی سے رتی بھر
 کم ہو تو ایسی بیع جائز ہے روپے کی اتنی چاندی
 جو اس چھوٹے سکہ کے برابر ہو وہ تو اس سکہ کے
 عوض رہے گی اور باقی کے عوض پیسے انتہی، اور
 ہدایہ کی عبارت یوں ہے کہ اگر کہا آٹھ آنے پیسے
 دے دو اور رتی کم اٹھنی تو جائز ہے ثالثا ثمن
 اصطلاحی سے اوپر چل یہ ہیں سونا چاندی کہ
 اصل پیدائش میں ثمن ہیں اور کوئی شخص ان کی
 ثمنیت باطل کرنے پر قادر نہیں اور ہر عاقل جانتا
 ہے کہ اشرفی ہمیشہ کئی روپے کی ہوتی ہے اور
 ہرگز کوئی اشرفی نہ پائی جائے گی جو ایک روپے
 قیمت کی ہو اور باوصف اس کے ہمارے ائمہ نے

لہ الدر المختار شرح تنویر الابصار کتاب البیوع باب الربو مطبع مجتہبی دہلی ۵۷/۲
 لہ الہدایہ کتاب الصرف مطبع یوسفی کھنؤ ۱۱۲/۳

ان بیع دینار بدرہم صحیح لا سببا فیہ
وما ذلک الا لان الجنس اذا اختلف
حل التفاضل و اختلاف جنس النوط
والربابی مما لا یجہلہ الامجنون
قال فی الهدایة والدر وعامة
الاسفار الغر صبح بیع درہمین
و دینار بدرہم و دینارین
بصرف الجنس بخلاف
جنسہ و کذا بیع احد عشر
درہما بعشرة درہم و دیناراً
قال ابن عابدین فتكون
العشرة بالعشرة والدرہم
بالدینار اھ فاذا صح بیع ربیة
بجنیہ قیمتہ بالعرف العام خمس
عشرة ربیة و لم یکن
سببا فکیف یكون بیع نوط
مرقوم علیہ رقم عشرة باثنتی
عشرة ربیة سببا ما هذا الا
بہت بحت فانقلت ما ذکرتم من المسائل
وان صح البیع فیہا لکنہ مکروہ والمکروہ
ممنوع فلا یحل وان صح کذا هذا قال فی
الهدایة لو تبایعا فضة بفضة او ذہبا بذہب

تصریح فرمائی کہ ایک اشرفی ایک روپے کی بیچنا
صحیح ہے اور اس میں اصلاً ربا نہیں اور اس
کے سوا اس کا کوئی سبب نہیں کہ جب جنس مختلف
ہوں تو کمی بیشی جائز ہے اور نوٹ اور روپوں
کی جنس مختلف ہونا ایسی بات ہے جس سے کوئی
مجنون ہی ناواقف ہو۔ ہدایہ اور در مختار اور عام
نورانی کتابوں میں فرمایا دو روپوں اور ایک اشرفی
کو ایک روپے اور دو اشرفی کے عوض بیچنا درست
ہے کہ ہر جنس اپنی مخالف جنس کے مقابل
کر دی جائے گی اسی طرح گیارہ روپوں کو دس
روپے اور ایک اشرفی کے عوض بیچنا انتہی ،
ردالمحتار میں فرمایا دس روپے تو دس روپے
بدلے ہو جائیں گے اور گیارہ روپوں کے
بدلے ایک اشرفی انتہی ، تو جب ایک روپیہ
ایک اشرفی کو بیچنا درست ہوا جس کی قیمت
عام طور پر پندرہ روپے ہیں اور ربا نہ ہوا
تو دس کا نوٹ بارہ کو بیچنا کیونکر سود ہوگا ، یہ
تو بڑا بہتان ہے ، اگر تو کہے کہ یہ جو مسئلے تم
نے ذکر کئے ان میں اگرچہ بیع صحیح ہے مگر
مکروہ ہے اور مکروہ ممنوع ہوتا ہے تو حلال
نہ ہوگا اگرچہ صحیح ہو ایسے ہی یہاں ہے ، ہدایہ
میں فرمایا اگر سونے کو سونے یا چاندی کو چاندی

مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/۹-۱۰۸

کتاب الصرف

لہ الہدایہ

۵۵/۲

مطبع مجتہاتی دہلی

کتاب البیوع باب الصرف

الدر المختار

۲۳۹/۲

دار احیاء التراث العربی بیروت

”

لہ ردالمحتار

سے بیچا اور ایک طرف کم ہے اور اس کے ساتھ کوئی اور چیز شامل ہے جس کی قیمت باقی چاندی کے برابر ہے جب تو بیع بلا کر اہت جائز ہے اور اگر اتنی قیمت کی نہیں تو کو اہت کے ساتھ، اور اگر اس کی قیمت کچھ نہیں جیسے مٹی تو اب بیع جائز ہی نہ ہوگی کہ سود موجود ہے اس لئے کہ جتنی زیادتی ایک طرف رہی اُس کے مقابل دوسری طرف کچھ نہیں تو سود ہوگا انتہی، اور اس کلام کو فتح القدیہ اور دیگر شروح اور بحر اور رد المحتار وغیرہ میں برقرار رکھا اور معلوم ہے کہ لفظ کراہت جب مطلق بولتے ہیں تو اس سے کراہت تحریم مراد ہوتی ہے بلکہ فاضل عبد الحلیم نے حاشیہ درر میں یہ مسئلہ نقل کیا اور اس کی تفصیل کو فتح القدیہ پر حوالہ کر کے یوں کہا جب تجھے یہ معلوم ہو چکا تو وہ جو سلطنت عثمانیہ میں رائج ہے کہ ایک ایک قرش انسی روپے عثمانی کو بیچتے ہیں جائز نہیں اس لئے کہ قرش زائد ہے اور اگر روپوں کے ساتھ مثلاً ایک پیسہ ہو تو کراہت کے ساتھ جائز ہے تو احتیاط والے پر واجب ہے کہ ان دونوں کا وزن برابر کر لے یا وہ چیز جو روپوں کے ساتھ ملائی جائے اتنی قیمت کی ہو جس قدر قرش میں روپوں پر زیادتی ہے تاکہ کراہت سے عمدہ برآ ہو انتہی، تو انھوں نے

واحدہما اقل ومع اقلہما شئ
آخر تبلغ قيمته باقى الفضة جان
البيع من غير كراهية وان لم تبلغ
فمع الكراهية وان لم يكن قيمة
كالتراب لا يجوز البيع لتحقق الربا
اذ الزيادة لا يقابلها عوض فيكون
سبأه واقرة في الفتح والشروح
والبحر ورد المختار وغيرها ومعلوم
ان مطلق الكراهية ينصرف
الى كراهية التحريم بل قال
عبد الحلیم على الدرر بعد نقل
المسئلة واحالة تفصيلها على الفتح
مانصه اذا عرفت هذا فما يتداول في
الدولة العثمانية من بيع
قرش واحد بثمانين درهما
عثمانيا لم يجز لزيادة القرش
ولو كانت مع الدرهم نحو
فلس جان مع الكراهية فالواجب
على المحتاط تسويتها وزنا
او يكون قيمة ما كانت
مع الدرهم قدر قيمة
الزيادة حتى يخلص عن
عهد الكراهية اه فقد صرح

مطبع يوسفى كهنو ۱۰۹/۳

طہ الہدایہ کتاب البیوع باب الصرف
طہ حاشیہ الدرر لعبد الحلیم

بالوجوب فكان في خلافه كراهة تحريم
وكفى بها للتأثير، قلت جئت لك
بتقرير الاعتراض بما لو ابديته
من نصك لعلك لم تقدر على
احسن منه الآن اسمع الجواب بتوفيق
الوهاب عز جلاله اما اولاً فلانه اين
ذهب عنك فرق الخلق والاصطلاح فان
مالية الذهب وكونه اعز من اضعاف
وزنه من الفضة امر خلقى لا مدخل
فيه لفرض احد وتقديره ففى مقابلة
دينار بدرهم ينقدح رجحان المالية فى كل
ذهن بخلاف النوط فان تقديره بعشرة مثلاً
انما هو مجرد اصطلاح من الناس والا
فنفس القرطاس لا يساوى دسهما
ولو عشرة فان نظرت الى الاصل فبيع ما قدر
بعشرة ايضاً رجحان عظيم فى المالية وان
نظر الى الاصطلاح فاصطلاح غير حاكم على
العاقدين كما اسمعك نص الهداية والفتح
فاذا قدره الناس بعشرة وما هو فى اصله
الابفس مثلاً فما المانع لهما ان يقدره باثنى
عشر فصاعداً او ثمانية فبادونهما فلا مساس
لهذه المسألة بما نحن فيه واما
ثانياً فلان كلامهم فى مقابلة
الجنس بالجنس اذ فيه يظهر
الفضل الا ترى الى قوله

وجوب كى تصريح كرى تو اس كا خلاف كرى وه تحرى
هوا اور گناه كى لى كراهت تحريم كانى هى هى
كهول كا كى تيرى لى هى هى اس اعراض كى اس
طور پر تقرير كرى كى كى اگر تو اپنى طرف سے كرتا تو شايد اس
سے بهتر نہ كر سكتا اور اب وهاب جل جلاله كى توفيق سے
جواب سن اولاً پيدائش اور اصطلاح كا فرق تيرى
ذهن سے كه صر جاتا رها كه سونى كى ماليت اور اس كا
چاندى سے كسى گنا هونا ايک خلقى بات هے جس هى كسى
كه فرض و قرار داد كو دخل نهى تو ايک اشرفى ايک
روپے سے بدلنى هى ماليت كى زيادتى هر ذهن هى
آجائى كى بخلاف نوط كى كه مثلاً اس كى قيمت
دس روپے هونا صرف لوگوں كى اصطلاح سے هے
ورنه خود كا عند تو نه ايک روپيه كا هے نه روپے كى
دسويں حصه كا، تو اگر تو اصل كو ديكھے تو دس كا نوط
دس كو بيچنى هى بهى ماليت هى زيادتى هے اور اگر
اصطلاح كو ديكھى تو اصطلاح بائع و مشتري پر
حاکم نهى جيسا كه هم نے تجھ كو هدايه و فتح العتير كا
نص سناديا تو جب لوگوں نے اسے دس كا قرار
دے ليا اور وه اپنى اصل هى مثلاً ايک هى پيسے
كا هے تو بائع و مشتري كو اس سے كون منع كرتا هے
وه اسے باره يا زياده يا آٹھ يا اس سے بهى كم كا
بھرا لى تو اس مسئله كو همارى بحث سے كوئى
علاقه نهى، ثانياً ان كا كلام اس صورت هى
هے جب جنس كى بدلے جنس هوكه اسى هى زيادتى
ظاھر هوتى هے تو كيا تونے هدايه كا يه قول نه ديكھا

جب چاندی چاندی سے یا سونا سونے سے بیچا اور ایک طرف کچی ہے اور یوں نہ فرمایا کہ سونے کو چاندی سے بیچا اور نرخ معروف کے اعتبار سے ایک طرف مالیت کم ہے تو سونا اپنی برابر کے سونے کے برابر جب کیا جائے گا زیادتی ظاہر ہو جائیگی اور اُس وقت عقل یہ تمیز کرے گی کہ وہ چیز جو کم کے ساتھ ملائی گئی ہے اس زیادتی کے قدر کو پہنچتی ہے یا نہیں بخلاف اُس کے کہ نوٹ روپوں کو بچپس کہ وہ دو جنس مختلف ہیں تو زیادتی کہ صر سے ظاہر ہوگی اور یہ فرع اس اصل کے کیونکہ مطابق آئے گی، فتح القدر میں فرمایا، رہا وہ زیادتی ہے کہ عقد معاوضہ میں عاقدین میں سے کسی کو اس کا مستحق قرار دیا جائے اور اس زیادتی کے مقابل کوئی عوض اس عقد میں شرط نہ کیا گیا ہو اور تجھے معلوم ہو گیا کہ عوض سے خالی ہونا اسی وقت مستحق ہوگا جبکہ شے کا اس کے جنس سے مقابلہ کیا جائے انتہی۔ اور بیشک ہمارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جب دو چیزیں مختلف قسم کی ہوں تو جیسے چاہو بیچو تو یہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت ہے اور حضور ہی صاحب شرع ہیں اور حضور ہی کی طرف رجوع اور حضور ہی کے یہاں پناہ، تو

تبايعا فضة بفضة او ذهبا بذهب واحدهما اقل ولم يقل تبايعا فضة بذهب واحدهما اقل مالية بالسعر المعروف فاذا قوبل الذهب بالذهب المساوي له ظهر الفضل وحينئذ يميز العقل ان المضاف هل يبلغ مقدار هذا الفضل اولا بخلاف النوط بالدرهم فانهما جنسات مختلفات فاني يظهر الفضل ومتى يطابق الفرع الاصل قال في الفتح الربا هو الفضل المستحق لاحد المتعاقدين في المعاوضة الخالي عن عوض شرط في العقد، وعلمت ان الخلو في المعاوضة لا يتحقق الا عند المقابلة بالجنس اه وقد قال سيدنا رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم اذا اختلف النوعان فبيعوا كيف شئتم، فهذا اطلاق منه صلى الله تعالى عليه وسلم وهو الشارح واليه المرجع واليه المفسر فمن

۱۰۹/۳

مطبع يوسفی لکھنؤ

کتاب الصرف

لہ الہدایہ

۱۵۱/۶

مکتبہ نوریہ رضویہ کھر

کتاب البیوع باب الربا

فتح القدر

۳/۴

المکتبۃ الاسلامیۃ لصاحبہا الریاض

کتاب البیوع

کتاب البیوع باب الربا

حجرة بعده ما سوغه فيرد عليه ولا يسمع، واما ثالثا فان الكراهة فيما اذا لم يبلغ المضموم قيمة الفضل انما اشرت عن محمد اما الامام الاعظم والهمام الاقدم وصاحب المذهب الاكرم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقد نص على عدم الكراهة فيه قال في الفتح بعد ذكر المسألة قيل لمحمد كيف تجده في قلبك قال مثل الجبل ولم تروا الكراهة عن ابى حنيفة بل صرح في الايضاح انه لا بأس به عند ابى حنيفة رضي الله عنه وسيأتي في مثله عن البحر عن القنية عن البقالى ان عدم الكراهة هو مذهب ابى حنيفة و ابى يوسف معارضى الله تعالى عنهما وفي الهندية قبيل الكفالة عن محيط السرخسى عن محمد رحمه الله تعالى انه قال لو باع الدرهم بالدرهم وفي احدهما فضل من حيث الوزن وفي الأخر فلوس جاز و لكن اكرهه لان الناس يعتادون التعامل بمثل هذا وليستعملونه فيما لا يجوز و قال ابو حنيفة رحمه الله تعالى لا بأس به لانه

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جائز کی ہوئی چیز کو جو منع کرے تو اس کا منع کرنا اسی پر زد کر دیا جائے گا اور مسموع نہ ہوگا، ثالثاً جس حالت میں تم کے ساتھ ملائی ہوئی چیز کی قیمت مقدار زیادت کو نہ پہنچے حکم کراہت صرف امام محمد سے مروی ہے اور امام اعظم، ہمام اقدم صاحب مذہب اکرم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تصریح فرمائی کہ اُس میں کچھ کراہت نہیں، فتح القدير میں اس مسئلہ کو ذکر کر کے فرمایا امام محمد سے عرض کی گئی کہ اس کو آپ اپنے نزدیک کیسا پاتے ہیں؟ فرمایا پہاڑ کی طرح گراں، اور امام اعظم سے کراہت مروی نہیں بلکہ ایضاً میں تصریح فرمائی کہ اُس میں امام اعظم کے نزدیک کچھ حرج نہیں انتہی۔ اور اس صورت کے مثل میں عنقریب بحر سے بکوالہ قنیہ آتا ہے کہ امام بقالی نے فرمایا کہ اس میں کراہت نہ ہونا امام اعظم اور امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں کا مذہب ہے اور فتاویٰ عالمگیری میں کفالت سے کچھ پہلے بکوالہ محیط امام سرخسی امام محمد سے ہے کہ اگر ایک روپیہ ایک روپیہ کو بیچا اور ایک وزن میں زیادہ ہے اور تم وزن والے کے ساتھ کچھ پیسے ہیں تو جائز ہے مگر میں اُسے مکروہ سمجھتا ہوں کہ لوگ اس قسم کے معاملے کے عادی ہو جائیں گے پھر ناجائز جگہ بھی یہ کارروائی کرنے لگیں گے اور امام اعظم نے فرمایا اس میں کچھ حرج نہیں اس واسطے کہ اُسے یوں

امکن تصحيحه بان يجعل الفضل بازاء
 الفلوس وبالجملة النقل عن الامام
 قاش مستفيض ومعلوم ان العلم
 والفتوى على قول الامام على الاطلاق الا
 لضرورة تكامل بخلافه ونحوه وقد فصلنا
 في كتاب النكاح من تعديا النبوية
 بالامزيد عبید و مراد وهو
 الضرر المعقولان بحسن هذه
 الكراهة يستلزم الاكثر هذه تذييه

صحیح ٹھہرانا ممکن ہے کہ وہ زیادتی بیسیوں کے مقابل
 ہو جائے۔ بالکل امام سے یہ روایت مشہورہ مذکورہ
 ہے اور معلوم ہے کہ عمل، فتویٰ پیشہ قوال امام پر
 نے ہر کسی ضرورت سے جیسے کہ عمل و آہ مسلمانوں
 کا اس کے خلاف نہ ہو گیا ہو اور ایسی ہی بات نہ
 نے العظایا النبویہ فی کتاب النکاح میں یہ بھی
 بیان کی ہے جس سے زیادتی کوئی بیان میں نہ
 اور وہی سب سے بہا، و جمالی بات سے تقیہ
 یہ روایت صرف روایت مذہبی سے روایت کے

عہ اقوال محمد و نہ دریند محمد
 محمد عبید مسود معر حدیب
 مسود قاری حدیب کیر سع
 حدیب من کتاب حدیب روایت حدیب
 حدیب حدیب حدیب حدیب حدیب
 حدیب حدیب حدیب حدیب حدیب
 حدیب حدیب حدیب حدیب حدیب
 حدیب حدیب حدیب حدیب حدیب
 حدیب حدیب حدیب حدیب حدیب
 حدیب حدیب حدیب حدیب حدیب
 حدیب حدیب حدیب حدیب حدیب
 حدیب حدیب حدیب حدیب حدیب
 حدیب حدیب حدیب حدیب حدیب
 حدیب حدیب حدیب حدیب حدیب
 حدیب حدیب حدیب حدیب حدیب

اقول میں تمہاری قوم اور تمہاری
 یہ قوم کو جو کہ میں نے روایت کے لئے
 و تازہ نہیں کرتے۔ وہ حدیب پر
 تب ظاہر ہے کہ حدیب سے حدیب حدیب
 حدیب حدیب حدیب حدیب حدیب
 حدیب حدیب حدیب حدیب حدیب
 حدیب حدیب حدیب حدیب حدیب
 حدیب حدیب حدیب حدیب حدیب
 حدیب حدیب حدیب حدیب حدیب
 حدیب حدیب حدیب حدیب حدیب
 حدیب حدیب حدیب حدیب حدیب
 حدیب حدیب حدیب حدیب حدیب
 حدیب حدیب حدیب حدیب حدیب
 حدیب حدیب حدیب حدیب حدیب
 حدیب حدیب حدیب حدیب حدیب
 حدیب حدیب حدیب حدیب حدیب
 حدیب حدیب حدیب حدیب حدیب

مختصر تہذیبی کتاب بیروت مجلس اسلامی

ولا تغتر بالاطلاق فانهم ربما يطلقون

مطلق چھوڑنے سے دھوکا نہ کھانا کہ فقہا برابر ہا سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

فلو الفضة غالبية لا يجوز لان المغلوب
ساقط الاعتبار فكأن الكل فضة
فلا يجوز الا مثل بمثل ولو الصفر
غالبا او كانا سواء جانرا متفاضلا
صرفا للجنس الح خلاف جنسه
ويشترط كونه يدا بيد نقله في
الفصل السادس من بيوع
الذخيرة وقال وعلى هذا
قالوا اذا باع من العدليات
التي في ضمان واحد باثنتين
يجوز يدا بيد اقول و
اباحة التفاضل يشمل
واحد باثنتين و بمائة
وبالوقت فليكن واحد مما
ثلاثة صفر في الوزن
ثلاثة ارباع ما نصفه فضة
فيكون ثلثا ذاك ونصف
هذا مساوية في الوزن
وبيع واحد من ذلك
بعشرة الاف من هذا
يدا بيد ولا بد من

اسی قسم کے روپے سے کمی بیشی کو بیچنا اس میں اگر
اس روپے میں چاندی کا حصہ زیادہ ہے تو جائز
نہیں کہ مغلوب اعتبار سے ساقط ہے تو گویا وہ زری
چاندی ہے تو برابر ہی کو بیچنی جائز ہوگی اور اگر پتیل
زیادہ یا دونوں برابر ہیں تو کمی بیشی جائز ہوگی، اسی
طرح کہ ہر ایک کی چاندی دوسرے کے پتیل کے
کے مقابلہ کریں گے اور دست بدست ہونا ضروری
ہوگا کہ دونوں طرف چاندی بھی ہے فقط پتیل نہیں
کہ باعیا نہما ہونا یعنی تعیین شرط ہوگی اسے فتاویٰ
ذخیرہ کی کتاب البیوع فصل ششم میں نقل کیا
اور کہا اسی بنا پر مشائخ نے فرمایا کہ ہمارے زمانے
میں جو کھوٹے روپے عدلی نام سے چلتے ہیں ان میں
ایک روپیہ دو روپوں سے دست بدست بیچنا
جائز ہے انتہی۔ اقول (میں کہتا ہوں) اور جب
کمی بیشی روا ہوتی تو جیسے ایک روپیہ دو روپے کو
بیچنا ویسے ہی سو، ویسے ہی ہزاروں کو۔ اب فرض
کیجئے کہ وہ روپیہ جس میں دو تہائی پتیل ہے تول میں
اس روپے کا پونا ہے جس میں آدھی چاندی ہے
تو اس کی دو تہائی اور اس کا آدھا تول میں برابر
ہونگے اور ان میں کا ایک روپیہ ان میں کے دس ہزار
روپوں کو دست بدست بیچنا اور یہ ضرور ہے کہ

فصل ششم (باقی بر صفحہ آئیندہ)

لہ الجامع البکیر لہ فتاویٰ ذخیرہ کتاب البیوع

ویریدون بہ ماہوا عم من التنزیہ
 والتحریم و ربما یطلقون و لا
 یریدون بہ الا کراہة تنزیہ
 کہا لا یخفی من عاشر نفائس عرائس
 کلماتہم وقد نصوا علیہ فی غیر
 موضع قال فی رد المحتار
 قبیل باب الشہید ما ذکرہ غیرہ
 (ای غیر الامام الطحاوی) من
 کراہة الوطاء والقعود ای علی القبور الخ
 یراد بہ کراہة التنزیہ فی غیر
 قضاء الحاجة و غایة

مطلق چھوڑتے ہیں اور اُس سے مراد وہ معنی ہوتے
 ہیں جو کراہت تنزیہی اور تحریمی دونوں کو عام ہیں
 اور بارہا مطلق بولتے ہیں اور اُس سے صرف کراہت
 تنزیہیہ مراد لیتے ہیں جیسا کہ اس پر پوشیدہ نہیں
 جس نے ان کے کلمات کی نفیس دُہنوں کے ساتھ
 زندگی بسر کی ہے اور علماء نے اس معنی کی متعدد
 مواضع میں تصریح فرمائی رد المحتار میں باب شہید
 سے کچھ پہلے ہے امام طحاوی کے سوا اور علماء نے
 جو قبروں پر پاؤں رکھنے اور بیٹھنے کی کراہت ذکر فرمائی
 ہے فقہائے حاجت کے سوا اور صورتوں میں اس
 سے کراہت تنزیہی مراد ہے اور زیادہ سے زیادہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

صرف الجنس الی خلافہ فكانت عشرة
 الألف من الفضة بواحد من الصفر
 و ای اس بقاء فی المالیة ترید اکثر من
 هذا وهذا محرر المذهب محمد ناصبا
 علی انه لا یاس فوجب ان لا تكون الكراہة
 ان كانت الا کراہة تنزیہ و لا کلام
 لاحد بعد نص صاحب المذهب فعلیک
 بہ و باللہ التوفیق ۱۲ منہ۔

جنس کو خلاف جنس کے مقابل ٹھہرائیں تو چاندی
 کے دس ہزار پتل کے ایک کو بچے اس سے زیادہ
 مالیت میں اور کیا بیشی چاہتا ہے اور یہ محرر مذہب
 ہیں کہ صاف فرما رہے ہیں کہ اس میں کوئی حرج
 نہیں تو واجب ہو کہ اس میں اگر کراہت ہو
 تو صرف کراہت تنزیہی ہو اور خود صاحب مذہب
 کی تصریح کے بعد کسی کو کلام کی کیا گنجائش ہے تو
 اسی پر جم جاؤ اور اللہ ہی کی طرف سے توفیق ہے ۱۲ منہ۔

عہ یہ وہ حکم ہے جس کی طرف علامہ شامی یہاں
 مائل ہوئے اور حق یہ ہے کہ قبر پر پاؤں رکھنا یا بیٹھنا
 مکروہ تحریمی ہے جیسا کہ میں نے اپنے رسالہ
 (باقی بر صفحہ آئندہ)

عہ هذا ما مال الیہ هنا فالحق کراہة
 التحريم كما حقیقته فی رسالتی
 الامر باحترام المقابر وقد اعترف بہ

ما فيه اطلاق الكراهة على ما يشمل
المعنيين وهذا كثير في كلامهم ومنه
قولهم مكروهات الصلوة اه بل قال في
الدر المختار في فصل الاستنجاء تحت
قول الماتن يكره للمرأة امسالك
صغير لبول نحو القبلة الخ هذه
تعم التحريمية والتنزية اه وقال
الشامى في مكروهات الوضوء ليست
الكراهة مصروفة الى التحريم مطلقا
اه، وقال قبله بقليل تحت قوله ومكروه
هو ضد المحبوب قد يطلق على
المحرام وعلى المكروه تحريما وعلى
المكروه تنزيها ثم نقل عن البحر
ان المكروه في هذا الباب نوعان ما كره

اس متن میں یہ ہوا کہ کراہت ایک ایسے معنی پر بولی گئی
جو تحریم و تنزیہ دونوں کو شامل ہے اور یہ ان کے کلام
میں بکثرت ہے اسی باب سے ہے فقہا کا مکروہات
نماز فرمانا انتہی بلکہ در مختار کی فصل استنجاء میں مصنف
کے اس قول کے نیچے کہ عورت کو مکروہ ہے کہ بچے کو
پیشاب کے لئے قبلہ کی طرف بٹھائے الخ یہ فرمایا
کہ کراہت تحریم و تنزیہ یہ دونوں کو عام ہے انتہی اور
شامی نے مکروہات وضو میں فرمایا کراہت مطلقاً
تحریم ہی کی طرف نہیں پھیری جاتی انتہی، اور اس سے
کچھ پہلے جہاں مصنف نے کہا کہ وضو کے مکروہ یہ یہ
ہیں یہ فرمایا کہ مکروہ ضد ہے محبوب کی، اور وہ کبھی
حرام پر بولا جاتا ہے اور کبھی مکروہ تحریمی پر اور کبھی
مکروہ تنزیہی پر، پھر بحر الرائق سے نقل کیا کہ مکروہ
اس باب میں دو قسم ہیں ایک مکروہ تحریمی اور جب

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

الامر باحترام المقابر^{۱۲} میں اس کی تحقیق کی
اور بیشک محقق شامی خود اپنی کتاب کی فصل
استنجاء میں اس کے معترف ہوئے کہ فرمایا علماء
نے تصریح فرمائی ہے کہ قبروں میں جو نیار راستہ
نکلا ہو اس میں چلنا حرام ہے ۱۲ منہ۔

هذا المحقق اعنى الشامى فى كتابه هذا
فى فصل الاستنجاء اذ قال انهم نصوا
على ان المرور فى سكة حادثة فى المقابر
حرام^{۱۲} منه۔

۶۰۶/۱	دار احیاء التراث العربی بیروت	باب صلوة الجنائز	لہ ردالمحتار کتاب الصلوة
۵۷/۱	مطبع مجتہبائی دہلی	فصل الاستنجاء	لہ در مختار شرح تنویر الابصار
۹۰/۱	دار احیاء التراث العربی بیروت	کتاب الطہارة	لہ ردالمحتار
۲۲۹/۱	"	فصل فى الاستنجاء	لہ ردالمحتار کتاب الطہارة

تحريمًا وهو المحمل عند اطلاقهم الكراهة
والمكروه تنزيها وكثيرا ما يطلقونه
كما في شرح المنية فيحذ اذا
ذكروا مكروها فلا بد من النظر
في دليله فان كان نهيا ظنيا يحكم
بكراهة التحريم الا لصارفات فان
لم يكن نهيا بل مفيدا للترك الغير
المجانس منهي تنزيهية اه ملخصا
قلت ومن الاخير قول المتون كالتنوير
وغیره يكره امامة عبد، في الدكا
تنزيها، قال ابن عابدين لقوله
في الاصل امامة غيرهم احب
الى بحر عن المجتبي والمعراج اه
اذا علمت هذا وجب الفحص
عن الدليل انه الى اى الكراهتين
يميل كما افادة البحر في
البحر فرأينا هم ليستدلون
على الكراهة المذكورة
بوجهين لا يفيد شئ منهما
كراهة التحريم وانما

وہ کراہت کو مطلق رکھتے ہیں تو اسی پر محمول ہوتی
ہے، دوسرا مکروہ تنزیہی اور بکثرت اسے بھی مطلق
چھوڑتے ہیں جیسا کہ شرح منیہ میں ہے اور جب
بات یہ ہے تو جس وقت فقہا کسی شئی کو مکروہ کہیں
تو اس کی دلیل پر نظر لازم ہوگی اگر وہ دلیل کوئی ظنی
نہی ہے تو کراہت تحریم کا حکم دیں گے مگر کسی اور
دلیل کے باعث جو اس سے پھرے، اور اگر وہ
دلیل نہی نہ ہو بلکہ غیر قطعی ترک چاہتی ہے تو وہ کراہت
تنزیہی ہے انتہی ملخصاً، میں کہتا ہوں شکل اخیر سے
ہے متون مثل تنویر وغیرہ کا یہ قول کہ غلام کی امامت
مکروہ ہے، درمختار میں فرمایا تنزیہاً، شامی نے
کہا اس کے تنزیہی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ امام نے
مبسوط میں فرمایا ان کے غیر کی امامت مجھے زیادہ
پسند ہے یہ بحر الرائق میں مجتبیٰ اور معراج سے ہے
انتہی، جب تجھے یہ معلوم ہو لیا تو واجب ہوا کہ دلیل
تلاش کریں کہ وہ دونوں کراہتوں میں کس طرف
جھکتی ہے جیسا کہ دریائے علم نے بحر الرائق میں
افادہ فرمایا اب ہم نے علماء کو دیکھا کہ اس کراہت
پر دو وجہ سے استدلال کرتے ہیں اور ان میں کوئی
بھی کراہت تحریم کا فائدہ نہیں دیتی ان کی نہایت

۸۹/۱	دار احياء التراث العربی بیروت	كتاب الطهارة	لہ رد المحتار
۸۳/۱	مطبع مجتبیٰ دہلی	كتاب الصلوة باب الامامة	لہ الدر المختار شرح تنویر الابصار
۸۳/۱	"	"	"
۳۶۱/۱	دار احياء التراث العربی بیروت	"	لہ رد المحتار

قصار سہما التنزیہ قال فی العنایة
الکراہة اما لانه احتیال لسقوط
الربا فیصیر کبیع العینة فی اخذ الزیادة
بالحیلة واما لانه یفرضی الی ان
یالف الناس فیستعملوا ذلک فیما لا یجوز^{لہ}
ونقل فی الفتح عن الایضاح الوجه
الثانی ثم قال وهکذا ذکر فی المحیط
ایضا ثم قال وقیل انما کرهه لانہما
باشرا الحیلة الی آخر ما صرفی
الوجه الاول وصاحب العنایة بعد ذکر
الوجهین عاد فحصر فی الوجه الاول
حیث قال الکراہة انما هی للاحتیال
لسقوط ربا الفضل^۳ اھ وعلیہ اقتصر
فی الکفایة قال انما کره لانه احتیال
لسقوط الربا لیاخذ الزیادة بالحیلة
فیکره کبیع العینة فانه مکروه لهذا^{کھ}
وانت تعلم ان فی الوجه الثانی
ترك ما لا بأس به حذرا
مما به بأس فهو مقام
الوسع و ترك الوسع لا یوجب
کراہة تحریم وقد قال

صرف کراہت تنزیہ ہے۔ عنایہ میں فرمایا کراہت
یا تو اس لئے ہے کہ وہ دفع ربا کا حیلہ ہے تو بیع
عینہ کے مثل ہو جائے گا کہ حیلہ کر کے زیادہ لیا اور
یا اس لئے ہے کہ لوگ اس کے خوگر ہو جائیں گے
تو پھر ناجائز جگہ بھی ایسی کارروائی کرنے لگیں گے
انتہی، اور فتح القدر میں ایضاح سے وجہ دوم
نقل فرمائی، پھر فرمایا کہ اسی طرح محیط میں ذکر
کیا، پھر فرمایا بعض کہتے ہیں اس لئے مکروہ ہوا
کہ انھوں نے ایک حیلہ کیا وہی تقریر جو وجہ اول
میں گزری اور صاحب عنایہ نے دونوں وجہیں
ذکر کر کے بالآخر وجہ اول میں حصر کر دیا جس سے کہ
فرمایا کراہت صرف اس وجہ سے ہے کہ انھوں
نے اس سے زیادتی ربا کے دفع کا حیلہ کیا انتہی
اور اسی پر کفایہ میں اقتصار فرمایا کہ وہ صرف
اس لئے مکروہ ہے کہ وہ ربا سا قوط کرنے کا حیلہ ہے
تاکہ حیلہ سے زیادت حاصل کرے تو مکروہ ہوگا
جیسے بیع عینہ کہ وہ بھی اسی سبب سے مکروہ ہے
انتہی، اور تو جانتا ہے کہ وجہ دوم کا حاصل تو
صرف اس قدر ہے کہ خرابی کے ڈر سے اس چیز
کو چھوڑے جس میں خرابی نہیں تو یہ مقام ورع کا
ہے اور ورع چھوڑنے میں کراہت تحریمی نہیں آتی

۲۶۱-۶/۶	مکتبہ نوریہ رضویہ گھر	کتاب الصرف	۱	العنایة علی ہاشم فتح القدر
۲۶۱/۶	"	"	"	۲ فتح القدر
۲۶۲/۶	"	"	"	۳ العنایة علی ہاشم فتح القدر
۲۶۱/۶	"	"	"	۴ الکفایة مع فتح القدر

يفضى الى ان يالفوه فيستعملوه فيما لا يجوز
 فافادات هذا استعماله فيما يجوز و
 انما كره خشية التجاوز الى ما لا يجوز
 و اما الوجه الاول فابيت و اظهر
 فان الاحتيا ل سقوط الربا فراس
 عنه وهو غير ممنوع بل الممنوع
 الوقوع فيه وقد علم علماء ونا رجم
 الله تعالى عدة حيل لتحصيل
 الفضل من دون حصول الربا وقد عقد
 لها الامام فقيه النفس قاضى خان
 فى فتاواه فصلا مستقلا فقال فصل فيما
 يكون فراس اعن الربا و قال فيه
 راجل له على رجل عشرة دراهم
 فارادات يجعلها ثلثة عشر
 الى اجل قالوا يشتري من المديون
 شيئا بتلك العشرة و يقبض المبيع
 ثم يبيع من المديون بثلثة عشر
 الى سنة فيقع التجوز عن الحرام
 و مثل هذا مروى عن رسول الله
 صلى الله تعالى عليه وسلم انه امر
 بذلك و مثله فى البحر عن الخلاصة
 عن النوازل للامام الفقيه ابى الليث
 رحمه الله تعالى ثم قال فى الخانية

اور خود فرمایا کہ وہ اس طرف لیجائے گی کہ اس کے
 عادی ہو جائیں تو ناجائز جگہ بھی اُسے برتنے لگیں تو
 صاف بتا دیا کہ یہ کاروائی جائز جگہ پر ہے اور کراہت
 فقط اس خوف سے ہوئی کہ بڑھ کر ناجائز تک نہ پہنچ
 جائیں، رہی پہلی وجہ وہ اور بھی زیادہ واضح و روشن
 ہے کہ ربا سا قظ کرنے کے لئے حیلہ کرنا تو ربا سے بھاگنا
 ہے اور وہ منع نہیں بلکہ ممنوع تو ربا میں پڑنا ہے اور
 بیشک ہمارے علماء رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس کے
 متعدد حیلے تعلیم فرمائے ہیں کہ زیادہ لیں اور سود نہ ہو
 اور امام فقیہ النفس قاضی خاں نے اپنے فتاویٰ میں
 اس کے لئے ایک مستقل فصل وضع کی، فرمایا کہ یہ فصل
 ہے اُن باتوں کے بیان میں جو سود سے گریز میں ہیں اور
 اس میں ایک جیلہ یہ بیان فرمایا کہ ایک شخص کے دوسرے
 پر دس روپے آتے تھے اس نے یہ چاہا کہ میں دس
 کے تیرہ کر لوں ایک میعاد تک علماء نے فرمایا کہ
 وہ مادیوں سے اُن دس کے عوض کوئی چیز خرید لے
 اور اس پر قبضہ کر لے پھر وہی چیز اس مادیوں کے ہاتھ
 سال بھر کے وعدہ پر تیرہ روپے کو بیچ ڈالے تو
 حرام سے بچ جائے گا اور اس کا مثل نبی صلی اللہ
 تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی ہوا کہ حضور نے ایسا کرنے
 کا حکم دیا انتہی، اور اسی طرح بحر الرائق میں بحوالہ
 خلاصہ نوازل امام فقیہ ابواللیث رحمۃ اللہ تعالیٰ
 علیہ سے ہے۔ پھر خانیہ میں (دوسرا جیلہ) یہ فرمایا

رجل طلب من رجل دس اہم لیقرضہ
 بده دوازده فوضع المستقرض متاعا
 بين يدي المقرض فيقول للمقرض
 بعث منك هذا المتاع بمائة درهم
 فيشترى المقرض و يدفع اليه
 الدراهم و يأخذ المتاع ثم يقول للمستقرض
 بعني هذا المتاع بمائة وعشرين
 فيبيعه ليحصل للمستقرض مائة
 درهم و يعود اليه متاعه و يجب
 للمقرض عليه مائة وعشرون
 درهما والا وثقت والا حوط ان
 يقول المستقرض للمقرض بعد
 ما قرر المعاملة كل مقالة
 و شرط كان بينا فقد تركته ثم
 يعقدان بيع المتاع اه ثم قال فان
 كان المتاع للمقرض وليس
 للمستقرض شيء و يريد ان
 يقرضه عشرة بثلاثة عشر
 الى اربل فان المقرض
 يبيع من المستقرض سلعة
 بثلاثة عشر و يسلم السلعة الى
 المستقرض ثم ان المستقرض
 يبيع السلعة من اجنبي بعشرة

ایک شخص نے دوسرے سے کچھ روپے قرض مانگے
 اس طور کہ دینے والے کو دس کے بارہ ملیں تو یوں
 چاہئے کہ قرض لینے والا دینے والے کے سامنے
 کوئی متاع رکھے اور اس سے کہے میں نے یہ متاع
 تیرے ہاتھ سو روپے کو بھی قرض دینے والا خرید لے
 اور روپے اسے دے دے اور متاع پر قبضہ
 کر لے پھر قرض لینے والا اس سے کہے یہ متاع میرے
 ہاتھ ایک سو بیس روپے کو بیچ ڈال وہ بیع کر دے
 تاکہ قرض لینے والے کو سو روپے مل جائیں اور
 اُس کی متاع بھی اس کے پاس واپس آئے اور
 قرض دینے والے کے اس پر ایک سو بیس لازم آئیں
 اور زیادہ اطمینان و احتیاط کی بات یہ ہے کہ قرض
 لینے والا قرض دینے والے سے معاملہ مذکورہ کی
 قرارداد کر کے یوں کہ دے کہ جو کچھ گفتگو اور شرط
 ہمارے آپس میں ٹھہری تھی وہ میں نے چھوڑ دی
 پھر متاع کی خرید و فروخت کریں انتہی تیسرا حیلہ
 یہ فرمایا کہ وہ متاع بھی قرض دینے والے کی ہو قرض
 لینے والے کے پاس کوئی متاع بھی نہیں اور دینے والا
 چاہتا ہے کہ دس روپے قرض دے اور کسی میعاد
 پر تیرہ روپے اس سے وصول کرے تو قرض دینے
 والا لینے والے کے ہاتھ کوئی متاع تیرہ روپے کو
 بیچے اور متاع اُس کے قبضہ میں دے دے پھر
 قرض لینے والا اس متاع کو کسی اجنبی کے ہاتھ دینا

ویدفع السلعة الى الاجنبي ثم الاجنبي
یبيع السلعة من المقرض بعشرة
ویأخذ بعشرة منه ویدفعها الى
المستقرض فیدفع الاجنبي من الثمن
الذی كان علیه للمستقرض وفتصل
السلعة الى المقرض بعشرة و
للمقرض على المستقرض ثلاثة عشر الى
اجل ثم قال وحيلة اخرى ان
یبيع المقرض سلعة بثلاثة عشر
الى اجل معلوم ویدفع السلعة
الى المستقرض ثم یبعها المستقرض
من الاجنبي ثم ان المستقرض یقبل
البیع مع الاجنبي قبل القبض او بعده
ثم بیعها المستقرض من
المقرض بعشرة ویاخذ العشرة
فیحصل للمستقرض عشرة وعلیه
للمقرض ثلاثة عشر وتصل السلعة
الى المقرض والمقرض وان
صار مشترياً ما باع باقل مما باع قبل
الثمن الا ان ذلك جائز لتخلل البیع الثاني
وهو البیع الذی جرى بين المستقرض و
الاجنبي ثم قال وحيلة اخرى ان

روپے کو بیچے اور وہ متاع اُس اجنبی کو دے دے
وہ اجنبی قرض دینے والے کے ہاتھ دس کو بیچ
ڈالے اور وہ اجنبی اُس سے دس روپے لے کر
قرض لینے والے کو دے دے تو اجنبی پر جو قرض لینے
والے کا دین تھا وہ اُتر جائے گا اور وہ متاع
قرض دینے والے کے پاس دس میں پہنچ جائیگی
اور قرض لینے والے پر اُس کے تیرہ روپے ایک
وعدہ پر لازم ہو جائیں گے انتہی۔ چوتھا جیلہ یہ فرمایا
کہ قرض دینے والا لینے والے کے ہاتھ کوئی متاع
ایک معین وعدہ پر تیرہ روپے کو بیچے اور اس کے
قبضہ میں دے دے اور قرض لینے والا اسے
کسی اجنبی کے ہاتھ بیچے پھر قرض لینے والا اُس
اجنبی کے ساتھ بیع فسخ کرے خواہ متاع اس کے
قبضہ میں دی ہو یا نہ دی ہو پھر قرض لینے والا دینے
والے کے ہاتھ اُسے دس کو بیچے تو قرض لینے والے
کو دس روپے ملیں گے اور دینے والے کے اُس
پر تیرہ لازم ہوں گے اور متاع دینے والے کے پاس
پہنچ جائے گی قرض دینے والے نے اس صورت میں
اگرچہ اپنی بیچ ہوئی چیز ادا نہ تھی سے پہلے جس قدر
کو بیچ تھی اُس سے کم کو خرید لی مگر یہاں یہ جائز ہے اس
واسطے کہ بیچ میں دوسری بیع آگئی وہ جو قرض لینے والے
اور اجنبی میں ہوئی انتہی۔ پھر ایک جیلہ یہ فرمایا کہ

۱۔ فتاویٰ قاضی خان کتاب البیوع باب فی بیع مال الربو
۲۔ نوکشور لکھنؤ ۲۰۶/۲

۲۰۶/۲

يبيع المقرض من المستقرض سلعة بثمن مؤجل ويدفع السلعة الى المستقرض ثم ان المستقرض يبيعها من غيره باقل مما اشترى ثم ذلك الغير يبيعها من المقرض بما اشترى لتصل السلعة اليه بعينها يأخذ الثمن ويدفعه الى المستقرض فيصل المستقرض الى القرض ويحصل الربح للمقرض اه
اقول هذه هي الحيلة الثالثة البارة قال وهذه الحيلة هي العينة التي ذكرها محمد رحمه الله تعالى و مشايخ بلخ بيع العينة في زماننا خير من البيوع التي تجرى في اسواقنا وعن ابي يوسف رحمه الله تعالى انه قال العينة جائزة ما جورة وقال اجرة لمكان الفرار من الحرام اه ثم قال سرجبل له عشرة دراهم صحاح فاسراده ان يبيعها باثني عشر دراهم ما مكسرة لا يجوز لانه سرباقان اراد الحيلة يستقرض من المشتري اثني عشر دراهم ما مكسرة ثم يقضيه عشرة دراهم ان

قرض دینے والا لینے والے کے ہاتھ کوئی متاع ادھار نیچے اور متاع اس کے قبضہ میں دے دے پھر قرض لینے والا اس متاع کو کسی اور کے ہاتھ اتنے سے کم کو نیچے جتنے کو خریدی پھر وہ دوسرا شخص اس قرض دینے والے کے ہاتھ اتنے کو نیچے جتنے کو خود خریدی تاکہ وہ متاع بعینہا اُسے پہنچ جائے اور اُس سے قیمت لے کر قرض لینے والے کو دیدے تو قرض لینے والے کو قرض مل جائیگا اور دینے والے کو نفع حاصل ہو جائیگا انتہی، اقول (میں کہتا ہوں) یہ وہی تیسرا حیلہ ہے جو گزر چکا، امام قاضی نے فرمایا کہ اس حیلہ کا نام بیع عینہ ہے جس کو امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا اور مشائخ بلخ نے فرمایا کہ بیع عینہ ان بیعوں سے کہ ہمارے بازاروں میں آج کل رائج ہیں بہتر ہے، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا عینہ جائز ہے اور اس پر ثواب ملے گا اور فرمایا ثواب کی وجہ یہ ہے کہ اس میں حرام یعنی سود سے بھاگنا ہے انتہی۔ پانچواں حیلہ یہ فرمایا کہ ایک شخص کے پاس دس روپے صحیح ہیں وہ چاہتا ہے کہ ان کو بارہ روپے پھوٹے ہوؤں سے نیچے تو جائز نہیں کہ سود ہے پھر اگر وہ حیلہ چاہے تو یہ چاہئے کہ مشتری سے بارہ روپے پھوٹے ہوئے قرض لے پھر دس کھرے اس کو ادا کرے پھر وہ

المقرض يبرئه من درهين فيجوز ذلك له
ثم قال ولو كان له على رجل عشرة دراهم
مسكرة الى اجل فلما حل الاجل جاء
المديون بتسعة صحاح فقال هذه
التسعة بتلك العشرة لا يجوز لان
سرافات امراد الحيلة يأخذ التسعة
بالتسعة ويبرئه عن الدرهم الباقي
فات خاف المديون ان لا يبرئه عن
الدرهم الباقي يدفع الى صاحب الدين
تسعة دراهم صحاحا و فلسا و شيئا
يسيرا عوضا من الدرهم الباقي جاز ذلك و
يقع الامن اه و فيها فوائد لا تخفى
عليك و سنم عليها فيما يأتي ان شاء
الله تعالى و كفانا تشبيهه في الوجه
الاول ببيع العينة و قولهم فانه
مكروه لهذا و ذلك لانه لا يكره
الا تنزيها فكذا هذا و لا يهولتك
قول محمد انه يجب
مثل الجبل فانه قال مثله
بل اشد منه في العينة
و ما ثبت لها الاكراهة

اُسے باقی دو روپے معاف کر دے تو یہ جائز ہے،
چھٹا حیلہ یہ فرمایا اگر کسی شخص پر دس روپے پھوٹے ہوئے
ایک وعدہ پر آتے تھے جب وعدہ کا وقت آیا
مدیون نو روپے کھرے لایا اور کہا کہ اُن دس کے
بدلے یہ نو ہیں تو یوں جائز نہیں اس لئے کہ
سو دس ہے، تو اگر حیلہ چاہے تو نو کے بدلے نو
لے لے اور ایک معاف کر دے پھر اگر مدیون کو اندیشہ
ہو کہ وہ ایک جو باقی رہا یہ معاف نہ کرے گا تو
قرض خواہ کو نو روپے کھرے اور ایک پیسہ یا کوئی
اور تھوڑی سی چیز اس باقی روپے کے عوض دے دے
تو اب جائز ہوگا اور وہ اندیشہ جاتا رہے گا انتہی
اور اس عبارت میں وہ فائدے ہیں جو تجھ پر
پوشیدہ نہ رہیں گے اور آئندہ تقریر میں ان شاء اللہ
ہم اوپر گزر کر یہ گے اور ہم کو یہی کافی ہے کہ وجہ
اول میں اسے بیع عینہ سے تشبیہ دی اور علماء
نے فرمایا وہ بھی اسی وجہ سے مکروہ ہے اور یہ
اس لئے کہ بیع عینہ نہیں مگر مکروہ تترزیہی، تو
ایسے ہی یہ بھی، اور امام محمد کا یہ ارشاد کہ وہ ان
کے نزدیک پہاڑ کی طرح گراں ہے تجھے ہول میں
نہ ڈالے کہ انھوں نے ایسا ہی کہا بلکہ اس سے
بھی سخت تر بیع عینہ میں فرمایا ہے اور اس کے لئے

۲۰۶/۲	نو لکھنؤ	کتاب البيوع باب في بيع مال الربو	لہ فتاویٰ قاضی خاں
۲۰۶/۲	"	"	۲
۲۰۶/۲	"	"	۳
۲۰۶/۲	مکتبہ نوریہ رضویہ کمر	کتاب الصرف	۳ فتح القدر

التزیه قال فی رد المحتار عن الطحطاوی عن ابی یوسف العینة جائزة ماجور من عمل بها كذا فی مختار الفتاویٰ ہندیة وقال محمد هذا البیع فی قلبی كما مثال الجبال ذمیم اخترعه أكلة الربا وقال علیه الصلوة والسلام اذا تبایعتم بالعين واتبعتم اذنا ب البقر ذلتم وظهر علیکم عدوكم، قال فی الفتح ولا کراهة فیہ الاخلاق الاولى لما فیہ من الاعراض من مبرة القرض اذ واقرة علیہ فی البحر والنهر والدر والشرنبلا لید و غیرها وقال ایضاً فی فتح القدر قال ابو یوسف لا یکره هذا البیع لانه فعله کثیر من الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنہم وحمدوا علی ذلك ولم یعدوه من الربا ثم اقول قول ابی یوسف فعله کثیر من الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنہم مرسل اصولی فانه عندنا ما لم یتصل سندہ مطلقاً

ثابت نہ ہوئی مگر کراہت تخریج، رد المحتار میں طحاوی اُس میں عالمگیری اُس میں مختار الفتویٰ اس میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے ہے کہ عینہ جائز ہے اس کے کرنیوالے کو ثواب ملے گا، اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس بیع کی برائی میرے قلب میں پہاڑوں کے برابر ہے اسے سود خوروں نے ایجاد کیا، اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم بطور عینہ خرید و فروخت کرو اور سیلوں کی دُم کے پیچھے چلو تو ذلیل ہو جاؤ گے اور تمہارا دشمن تم پر غالب آجائے گا۔ فتح القدر میں فرمایا عینہ میں کوئی کراہت نہیں سوا خلاف اولیٰ کے، اس لئے کہ اس میں قرض دینے کے اچھے سلوک سے روگردانی ہے انتہی۔ اور اسے بحر الرائق اور نہر الغائق اور در مختار اور شرنبلالیہ وغیر ہانے برقرار رکھنا نیز فتح القدر میں ہے امام ابو یوسف نے فرمایا یہ بیع مکروہ نہیں اس لئے کہ بہت سے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اُسے کیا اور اُس کی تعریف کی اور اسے سُود نہ ٹھہرایا انتہی اقول (میں کہتا ہوں) امام ابو یوسف کا فرمانا کہ اسے بہت سے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کیا، اصول فقہ کی اصطلاح پر حدیث مرسل ہے کہ ہمارے نزدیک مرسل ہر اس حدیث کو کہتے ہیں جس

دار احیاء التراث العربی بیروت ۲۴۴/۴
مکتبہ نوریہ رضویہ سکس ۳۷۴/۹

کتاب الصرف
کتاب الکفالة

رد المحتار
فتح القدر

کی سند متصل نہ ہو اور اُس کے اقسام میں فرق کرنا اور اُن کے جدا جدا نام مرسل و منقطع و مقطوع و معضل رکھنا یہ محدثین کی نری اصطلاح ہے جس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اس میں کتنی صورتیں ہوتی ہیں، رہا حکم وہ ہمارے نزدیک ایک ہے اور وہ یہ ہے کہ ثقہ اگر کوئی حدیث مرسل لائے تو مقبول ہے جیسا کہ ہم نے اپنی کتاب منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین میں اس کی تحقیق بیان کی اور مسلم الثبوت وغیرہ میں اس کی تصریح فرمائی اور امام ابو یوسف سے بڑھ کر تجھے اور کون سا ثقہ درکار ہے، تو جب بکثرت صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اس کا کرنا اور اس کی تعریف ثابت ہوئی تو اس سے عدول نہ ہوگا اس لئے کہ ہمارے امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تقلید ہے اور بیشک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں ان کی پیروی کا حکم دیا، رہی وہ حدیث کہ جب تم بطور عینہ فریوید و فروخت کرو گے اسے امام احمد و ابو داؤد و بزار و ابو یعلیٰ و بیہقی نے نافع سے انہوں نے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا امام ابن حجر نے فرمایا اس کی سند ضعیف ہے اور امام احمد کے یہاں اس کی ایک سند اور ہے اس سے بہتر انتہی۔

والفرق بین انواعہ و تسمیتہا مرسل و منقطع و مقطوع و معضل مجرد اصطلاح من المحدثین لافادۃ ما یقع فیہ من الصور، اما الحکم فتحد عندنا و هو القبول اذا کان من ثقۃ کما حققناہ فی کتابنا منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین^{۱۳} ونص علیہ فی مسلم الثبوت وغیرہ وای ثقۃ او ثق ترید من ابی یوسف فاذا صح عن کثیر من الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنہم فعلہ و مدحہ لایعدل عنہ لان مذہب امامنا رضی اللہ تعالیٰ عنہ تقلید ہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم و قد امرنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باقتدائہم اما الحدیث اذا تبایعتم بالعینہ، رواہ احمد و ابو داؤد و البزار و ابو یعلیٰ و البیہقی عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال ابن حجر سندہ ضعیف ولہ عند احمد اسناد اخر امثل من ہذا

سنن ابو داؤد باب فی النہی عن العینہ

آفتاب عالم پریس لاہور ۱۳۲/۲

سند احمد بن حنبل مروی از عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۸۴، ۲۲/۲

منیر العین الاعتدال

و نرعتم كما فسرہ به في الفتح
قال لا نهم حينئذ يتركون الجهاد
وتألف النفس الجبن لاه بل
هوفى نفس رواية بلفظ اخذتم
اذناب البقر ورضيتم بالزراع و
تركتم الجهاد الحديث و معلوم
ان الزرع غير منهي عنه بل هو
افضل وجوه الكسب بعد الجهاد
عند الجمهور وقيل التجارة ثم
الزراعة ثم الصناعة كما في
وجيز الكردي لاجرم لما
اجتج في العناية بالحديث على
ذمه قال العلامة سعدى أفندي اقول
لوصح ذلك تكون الزراعة مذمومة
ايضا ^٣ ولم يعلل الكراهة في الهداية
والتبيين والدر وغيرها الا بالاعراض
عن مبرة الاقراض ^٤ نادى
الهداية مطاوعة لمذموم
البخل ^٥ ، وانت تعلمان الاعراض
عن المبرة لا توجب كراهة تحريم

یعنی کھیتی کر و زراعت میں پڑو جیسا کہ اس کی یہ
تفسیر فتح القدير میں فرمائی، فرمایا اس لئے کہ
وہ اس وقت جہاد چھوڑ دینگے اور طبیعت نامردی
کی عادی ہو جائے گی انتہی بلکہ وہ نفس روایت
ابوداؤد میں ان لفظوں سے ہے کہ جب تم بیوں
کی دُمیں پکڑو اور کشت کاری میں پڑ جاؤ اور جہاد
چھوڑ دو آخر حدیث تک، اور معلوم ہے کہ کھیتی
منع نہیں بلکہ وہ جمہور کے نزدیک جہاد کے بعد
سب پیشوں سے افضل ہے، اور بعض نے
کہا کہ جہاد کے بعد تجارت، پھر زراعت، پھر
حرفت، جیسا کہ وجیز کردری میں ہے۔ ولہذا
جبکہ عنایہ میں اس حدیث سے بیع عینہ کی مذمت
پر دلیل لائے، علامہ سعدی أفندی نے فرمایا کہ
میں کہتا ہوں اگر یہ دلیل صحیح ہو جائے تو زراعت
بھی مذموم ہو جائے گی اہ اور ہدایہ و تبیین و
درمختار وغیرہا میں اس کی کراہت کی صرف اتنی
دلیل بتائی کہ اس میں قرض دینے کے نیک
سلوک سے روگردانی ہے ہدایہ میں اتنا زیادہ
فرمایا کہ نخل مذموم کی پیروی کر کے اور تجھے معلوم ہے
کہ نیک سلوک سے روگردانی کچھ کراہت تحریم کی

۱۔ فتح القدير
۲۔ سنن ابوداؤد کتاب البيوع باب في النهي عن العينة
۳۔ حاشیہ آفندی علی ہاشم فتح القدير کتاب الکفالة
۴۔ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر
۵۔ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر
۶۔ ۳۲۴/۶
۷۔ ۱۳۴/۲
۸۔ ۳۲۴/۶
۹۔ مطبع یوسفی لکھنؤ ۲۴/۳-۱۲۳

ولذا قال في الفتح لا بأس في
 هذا فان الاجل قابل له قسط من
 الثمن والقرض غير واجب عليه
 دائماً بل هو مندوب اه و قال
 في العناية الاعراض عن الاقراض
 ليس بمكروه والبخل المحاصل
 من طلب الربح في التجارات
 كذلك والا لكانت المراجعة مكروهة
 اه ، اقول بل ليست التجارة الا ان
 تبغوا فضلا من ربكم والمباكسة
 في البيعة مسنونة ، وقد قال صلى الله
 تعالى عليه وسلم المغبون لا محمود
 ولا ماجور رواه اصحاب السنن عن
 الحسين بن علي والطبراني في الكبير عن الحسن
 بن علي والخطيب عن سيدنا علي كرم الله تعالى
 وجوههم الكرام فغاية ما فيه كراهة التنزيه
 والا فعد صح ان الصحابة فعلوه وحمدوه و
 في حاشية الفاضل عبد الحلیم معاصر
 العلامة الشرنبلالی رحمها الله تعالى علی الدر
 والمروی عن ابی یوسف انه قال العینة جائزة
 مأجورة لمكان الفرار فيها عن الحرام و

موجب نہیں، لہذا فتح القدير میں فرمایا اس میں کچھ
 حرج نہیں کہ وعدہ کے مقابل تو ثمن کا ایک حصہ
 ہو لیا اور آدمی پر واجب نہیں کہ ہمیشہ فترض
 دیا کرے بلکہ وہ ایک نیک بات ہے انتہی، اور
 عنایہ میں فرمایا قرض دینے سے روگردانی مکروہ
 نہیں اور اتنا بخل کہ آدمی تجارتوں میں نفع چاہے
 وہ بھی ایسا ہی ہے ورنہ نفع پر بچپا مکروہ ہوتا
 انتہی اقول بلکہ تجارت تو اسی کا نام ہے کہ
 اپنے رب کا فضل تلاش کرو اور خرید و فروخت
 میں قیمت کم کرانا سنت ہے، اور بشیخ نبی
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غبن کھانے
 میں نہ ناموری نہ ثواب، یہ حدیث اصحاب سنن
 نے امام حسین اور طبرانی نے اپنی معجم میں امام حسن
 اور خطیب نے مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجوہہم الکرام
 سے روایت کی تو اس میں انتہا درجہ کراہت
 تنزیہ ہے ورنہ بصحت ثابت ہو لیا کہ صحابہ کرام
 نے اسے کیا اور تعریف فرمائی اور علامہ عبد الحلیم
 معاصر علامہ شرنبلالی رحمہما اللہ تعالیٰ حاشیہ در
 میں لکھتے ہیں امام ابو یوسف سے روایت یوں
 ہے کہ بیع عینہ جائز اور ثواب کا کام ہے اس
 لئے کہ اس میں حرام سے بھاگنا ہے اور حرام

۳۲۲/۶

مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

۳۲۳/۶

" " "

۸۳/۳

المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت

۱ فتح القدير كتاب الكفالة

۲ العناية على ما مش فتح القدير "

۳ المعجم الكبير للطبراني حديث ۲۴۳۲

الاحتیال للفرار عن الحرام مندوب
ولانه فعله كثير من الصعابة و
وحدوا ذلك اذ وظاهر سياقه ان جملة
والاحتیال للفرار عن الحرام مندوب
من كلام الامام ابی یوسف رحمه الله تعالى
والله تعالى اعلم، هذا الحد الدلائل عليه والثاني
تصريحهم قاطبة ان القدر والجنس
اذا عدم احدهما حل الفضل ومعلوم
قطعا ان الدينار والدرهم او الدينار و
الفلس لا يتجانسان فيجب الحل فمن اين
تأتي كراهة التحريم وتحقيقه ان للتفاضل ربع
صور الاول ان يكون الاكثر مائة هو الاكثر
قدرا والثاني ان يكون اقل ولكن مائة بعد
مائة بل اضعاف مضاعفة كالجنبة مع
الربية والثالث ان يكون اقل الى حد تنقص
مالية ايضا من البدل والرابع ان يقل الى
ان يتساوى المائتان وهم قاطبة قالوا عند
اختلاف الجنس حل التفاضل ولم يقيدوا
بشي من الصور اصلا فيعلمها جميعا ولو
كانت ثم كراهة تحريم لم تحل الا صورة
واحدة من الاربعة وهي الرابعة ثم هنا وجه
اخر ان يكون جنسان متحدى المالية عند
اتحاد القدر وهم قد حكموا بحل التفاضل

سے بھاگنے کا جیلہ کرنا مستحب ہے اور اس لئے کہ
بکثرت صحابہ نے اُسے کیا اور اس کی تعریف فرمائی تھی،
اور ان کی روش عبارت سے ظاہر یہ ہے کہ یہ جملہ
بھی امام ابو یوسف کا کلام ہے کہ حرام سے بھاگنے
کا جیلہ کرنا مستحب ہے واللہ تعالیٰ اعلم، یہ صورت
مذکورہ کے مکروہ تحریمی نہ ہونے کی ایک دلیل ہے،
دلیل دوم تمام علماء کی تصریح ہے کہ جب قدر یا جنس
میں کوئی معدوم ہو تو زیادتی حلال ہے اور یقیناً معلوم
ہے کہ اشرفی اور روپیہ یا اشرفی اور پیسہ ایک جنس نہیں
تو حلال ہونا واجب ہوا تو کراہت تحریمی کدھر سے آئیگی،
اور تحقیق یہ ہے کہ زیادتی کی چار صورتیں ہیں: اول یہ کہ
جس کی مالیت زیادہ ہو اسی کی مقدار زیادہ ہو۔ دوسری
یہ کہ اس کی مقدار تو کم ہو مگر مالیت اب بھی زیادہ ہو بلکہ
کئی گنا بڑھ کر جیسے روپے کے ساتھ اشرفی تیسری یہ کہ
مقدار میں اتنی کم ہو کہ اس کی مالیت بھی اس کے مقابل سے
گھٹ جائے، چوتھی یہ کہ اس کی مقدار اس تک کم ہو کہ دونوں مالیت
میں برابر ہو جائیں اور تمام علماء نے اتنا ہی فرمایا ہے
کہ جب جنس مختلف ہو تو کمی بیشی جائز ہے اور اُسے
کسی خاص صورت کے ساتھ مقید نہ کیا تو چاروں
صورتوں کو شامل ہوگا اور اگر وہاں کراہت تحریمی
ہوتی تو چاروں صورتوں میں سے صرف ایک حلال
ہوتی اور وہ چوتھی صورت ہے پھر یہاں ایک صورت
اور ہے وہ یہ کہ دو جنس کی چیزیں مقدار میں برابر ہوں
تو ان کی مالیت بھی یکساں ہو اور علماء نے کمی بیشی

لے ماشیۃ الدرر لعبد الحلیم کتاب البیوع

وهو يستلزم التفاضل في المآلية فوجب حله والثالث قوله صلى الله تعالى عليه وسلم إذا اختلف النوعان فبيعوا كيف شئتم، فمن ذا الذي يعدة معصية ومكروها تحريما مع اذن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم فيه والرابع ما قد منا انقاعت الخانية انه يدفع فلسا عوضا عن الدرهم فيجوز ذلك و يقع الامن ای امن بعد حصول المعصية والخامس ليس التفاضل بين درهم او دينار او فلس ودينار مثلا الا بالمالية فان كان ذلك موجبا لكرهية التحريم لانه حصل لاحد العاقدين اكثر واربح مما حصل للاخر فاربي هذا عليه يجب ان يكون مساواة الجيد والردى وزنا مكروها تحريما اذا اسرى الجيد على الردى بما لا لا يتغابن فيه الناس كأن تكون مآليته ضعف مآليته او اضعا فها لات موجبها المذكور حاصل ههنا ايضا قطعاً والشئ لا يتخلف عن موجبه مع ان المساواة هو المآل موربه شرعا وكذلك ما اراد بالصناعة حتى صارت

حلال ہونے کا حکم فرمایا اور وہ اس صورت میں مالیت کی کمی بیشی کو مستلزم ہے تو اس کا حلال ہونا واجب ہوا، دلیل سوم نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد کہ جب جنس مختلف ہو تو جیسے چاہو بچو تو وہ کون ہے جو اسے گناہ اور مکروہ تحریمی بتائے گا حالانکہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کی اجازت فرما چکے۔ دلیل چہارم وہ جو ابھی ہم فناوی قاضی خان سے بیان کر آئے کہ روپے کے بدلے ایک پیسہ دے دے تو یہ جائز ہو جائے گا اور امان حاصل ہوگی اور گناہ ہونے کے بعد کون سی امان ہے۔ دلیل پنجم مثلاً اشرفی اور روپے یا پیسہ اور اشرفی میں کمی بیشی نہیں مگر مالیت کی، تو اگر اس سے کراہت تحریم لازم ہوتی اس بنا پر کہ دونوں عاقدوں میں سے ایک نے وہ پایا جو مالیت اور نفع میں زائد ہے تو اس کو اس پر زیادتی رہی تو واجب ہوگا کہ کھرے اور کھوٹے کا وزن میں برابر ہونا مکروہ تحریمی ہو جبکہ کھرے کی قیمت کھوٹے سے اتنی زیادہ ہو جس میں لوگ ایک دوسرے سے غبن نہ کھائیں جیسے اس کی مالیت اس کی مالیت سے دونی یا کسی گناہ ہو اس لئے کہ کراہت تحریم کا وہ موجب یہاں بھی یقیناً حاصل ہے اور حکم اپنے موجب سے بچنے نہیں ہوتا حالانکہ کھوٹے کھرے کا وزن میں برابر ہونا اسی کا شرع نے حکم دیا ہے اور ایسے ہی وہ جو

صناعی کے سبب بڑھ جائے یہاں تک کہ اسکی قیمت اس کے ہم وزن پتھر یا روپوں سے کئی گنا ہو جائے تو اس میں وزن کی برابری اسی کراہت تحریم کی موجب ہوگی جو تم نے قرار دی ہے حالانکہ وہی شرعاً واجب ہے تو اس وقت یہ ہوگا کہ شرع نے وہ چیز واجب کی جو گناہ ہے اس لئے کہ مکروہ تحریمی ممنوع ہے اور اس کا کرنا گناہ اگرچہ صغیرہ ہے جیسا کہ بحر الرائق و درمختار وغیرہما نے تصریح کی اور عادت ڈالنے سے کبیرہ ہو جائیگا، اور شک نہیں کہ شرع اس سے بلند و بالا ہے کہ معصیت کا حکم دے اور گناہ کرنا واجب کرے بخلاف مکروہ تنزیہی کے کہ وہ مباح میں سے ہے اور معصیت میں سے یقیناً نہیں، کبھی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اسے قصد کرتے ہیں کہ اس کا جائز ہونا ظاہر ہو جائے اور انھیں لکھنوی کا حقہ کے رسالہ میں قدم پھسلا تو مکروہ تنزیہی کو گناہ اور اس پر اصرار کو کبیرہ ٹھہرا دیا اور یہ فاحش غلطی ہے کہ اس کا عیب میں نے ایک مستقل رسالہ میں بیان کیا اس کا نام ”جمل مجلیہ ان المکرورہ تنزیہا لیس بمعصیۃ“^{۱۳۰۲} رکھا اور یہ عذر کرنا کہ ایک جنس ہونے کی حالت میں شرع نے مالیت کا اعتبار ساقط فرما دیا ہے کچھ نفع نہ دے گا اس لئے کہ یہی تو پہلی بحث ہے کہ اگر شرع کی نظر میں مالیت کی زیادتی موجب معصیت تھی تو کیوں اس کا اعتبار ساقط فرما دیا حالانکہ اس میں خود مقصود شرع کا باطل کرنا تھا مقصود کیا ہے لوگوں کا

قیمتہ اضعا ف قیمتہ ما یساویہ و نرنا من التبر و الدرہم یكون التساوی فیہ موجب لما اوجبتہ یہ کراہتہ التحريم مع انه هو الواجب شرعا فاذا یكون الشرع قد اوجب ما هو معصیة فات المکرورہ تحریمًا منہی عنہ و ارتکابہ اثم و معصیة و ان كانت صغيرة كما نص علیہ فی البحر و الدر و غیرہما و بالاعتدای صیر کبیرة و لاشک ان الشرع متعال عن ان یامر بمعصیة و یوجب ارتکاب اثم بخلاف المکرورہ تنزیہا فانہ من المباح و لیس من المعصیة قطعًا و ربما یتمدہ الانبیاء علیہم الصلوٰۃ و السلام بیانًا للجواز و قد زلت قدم ذاک الکنوی فی رسالته فی الدخان فجعل المکرورہ تنزیہا من المعاصی و الاصرار علیہ من الکبائر و ہذا مزلة فاحشة بینت عوارھا فی رسالۃ مستقلة سمیتها ”جمل مجلیہ ان المکرورہ تنزیہا لیس بمعصیة“^{۱۳۰۲} و الاعتذار بان الشرع اهدر اعتبار المالیه عند اتحاد الجنس لا یجدی نفعًا فذک اول الکلام ان لو کان الامر بآء فی المالیه موجب المعصیة فی نظر الشرع فلم اهدر اعتبارھا مع ما فیہ من ابطال مقصد نفسه اعفی الشرع و هو صیانة اموال

الناس وانما الاموال بالمالية وفيه ايصال
اكله الربا الى قصد هم الفاسد فان
غرضهم انما يتعلق بالمالية فاذا الربوا
فيها فقد فاسدوا وابتداهم ولا نظر
لهم الى زيادة الوزن وقلته فتبين
ان الامر بقاء في المالية لا نظر اليه
للسرع ولا يمكن ان يوجب كراهة تحريم
اصلا وهو المقصود، والسادس طفحت
المتون قاطبة بجواز بيع فلس بفلسين
وقال في البحر ليس مرادهم
خصوص بيع الفلس بالفلسين
بل بيان حل التفاضل حتى لو باع فلسا
بمائة على التعيين جائز عندهما
اي عند الشيخين رضي الله تعالى
عنهما وای نص ترید النص
من هذا على حل التفاضل بالمالية
والحمد لله ، نعم الحل قد يجامع
كراهة التنزيه كما نصوا عليه ،
السابع العينة المذكورة فانما مبناها
على التفاضل في المالية ولا يتقيد
بنحو عشرة باثني عشر او ثلثة عشر
كما في الخانية او خمسة عشر كما في الفتح بل
صورت بصورت الضعف ايضا قال في الفتح من

مال بچانا اور زمال کی حقیقت مالیت ہی ہے اور
اس میں سود خوروں کو ان کے قصد فاسد تک
پہنچانا ہوگا کہ ان کی غرض تو مالیت ہی سے متعلق
ہے جب انہوں نے مالیت زیادہ پالی تو اپنی
مراد کو پہنچے اور وزن کی کمی بیشی کی طرف ان کی
نظر نہیں تو ظاہر ہو گیا کہ مالیت میں زیادتی کی طرف
شرع اصلاً نظر نہیں فرماتی تو ممکن نہیں کہ اصلاً
کراہت تحریم واجب کرے اور یہی مقصود ہے۔
دلیل ششم تمام متون بالاتفاق اس تصریح سے
لبریز ہیں کہ ایک پیسہ دو پیسے کو بیچنا جائز ہے اور
بحر الرائق میں فرمایا کہ ان کی مراد خاص ہی نہیں ہے
کہ ایک پیسہ دو پیسے کو بلکہ کمی بیشی حلال ہونے کا
بیان مقصود ہے یہاں تک کہ اگر ایک پیسہ سو معین پیسے
کو بیچے تو امام اعظم اور امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ
عنہما کے نزدیک حلال ہے اور اس سے بڑھ کر
تو اس پر اور کون سا روشن تر نص چاہتا ہے کہ
مالیت میں کمی بیشی روا ہے والحمد للہ ہاں حلال ہونا
کبھی کراہت تنزیہ کے ساتھ جمع ہو جاتا ہے جیسا کہ
علماء نے تصریح فرمائی۔ دلیل ہفتم عینہ مذکورہ کہ اسکی بناء
ہی مالیت میں کمی بیشی پر ہے اور وہ کچھ سی پر بند نہیں کہ دس کے
بارہ یا تیرہ کریں جیسا کہ فتاویٰ قاضیخان میں ہے یا تیرہ جیسا
فتح القدر میں بلکہ دو نادون کی صورت بھی اس میں بیان
کی گئی ہے، فتح القدر میں فرمایا کہ عینہ کی ایک صورت

صور العينة ان يبيع متاعه بالفين من المستقرض
الى اجل ثم يبعث متوسطا يشترى به
لنفسه بالف حالة ويقبضه ثم يبيعه من
البائع الاول بالف ثم يحيل المتوسط بائعه
على البائع الاول بالثمن الذي
عليه وهو الف حالة في دفعها
الى المستقرض وياخذ منه الفين
عند الحلول ثم واذ جاز ضعف جازت
الاضعاف اقول ولا يلزم المتوسط بل
له ان يبيعه من المستقرض بالفين
فبيعه المستقرض في السوق بالف
كيلا تعود العين الى المقرض
فيكون مكروها تحريما في بحث
المحقق وان كان فيه للكلام مجال
فان شراء ما باع باقل مما باع
جائز عند توسط ثالث بالاجماع
ولم يذكر فيه تاثيرا
وقد تقدم عن فقيه النفس
في حيل الفرار عن المحرام
وان في تتم الحيلة مع بقاء
المغصية لاجرم قال العلامة
عبد الحلیم في حواشی الدرر
الظاهر كراهة تنزيه سواء

یہ ہے کہ اپنی متاع قرض لینے والے کے ہاتھ ایک
وعدہ پر دو ہزار کو بیچے پھر کسی درمیانی شخص کو بھیجے کہ
وہ اس سے اپنے لئے ہزار نقد کو خرید کر قبضہ کر لے پھر
یہ درمیانی شخص پہلے شخص سے اسے ہزار کو بیچ ڈالے
پھر وہ درمیانی اپنے بائع یعنی قرض لینے والے کا ثمن
پہلے بائع پر اتار دے اور وہ ہزار روپے نقد ہیں
تو پہلا بائع ہزار روپے قرض لینے والے کو دے دے
اور وعدہ پر دو ہزار اس سے لے اٹھی، اور جب
دونا جائز ہوا تو کئی گنا بھی جائز ہے اقول (میں
کہتا ہوں) اس درمیانی شخص کا ہونا ضرور نہیں
بلکہ یہ بھی کر سکتا ہے کہ قرض لینے والے سے (ہزار
کی چیز) دو ہزار کو بیچے وہ بازار میں ہزار کو بیچ لے
تاکہ وہ متاع قرض دینے والے کی طرف عود نہ کرے
کہ عود کرنے کی حالت میں محقق کے نزدیک مکروہ طریقی
ہو جائے گی، اگرچہ اس میں کلام کی گنجائش ہے کہ
اپنی بیچی ہوئی چیز جتنے کو بھی ہے اس سے
کم کو خریدنا بالاجماع جائز ہے جبکہ تفسیر اشخص متوسط
ہے اور علماء نے اس میں کوئی گناہ تحریر نہیں فرمایا
اور امام فقیہ النفس قاضی خان سے یہ امر اوپر گزر چکا
جہاں انھوں نے حرام سے بھاگنے کے حیلے بیان
فرمائے ہیں اور اگر معصیت باقی رہے تو حیلہ کہاں
پورا ہوا، لاجرم علامہ عبد الحلیم نے حواشی دہر میں
فرمایا ظاہر یہ ہے کہ کراہت تنزیہی ہے چاہے

كان في صورة عود كل المدفوع او
بعضه الى الدافع اولاً تدبر، والثامن
شروطوا الجواز شراء الوصي مال اليتيم
لنفسه او ببعه مال نفسه له الخيرية
ليتيم وجعلوها في العقار بالضعف
وفي غيرها بمثل ونصف كما في الخانية
والهندية وشروط الجواز ببعه مال
اليتيم من اجنبى ان لم تكن
لصغير حاجة الى ثمنه ولا على
الميت دين لا ولاء له الا به ان
يبعه بضعف القيمة قال في الهندية
عن محيط السرخسى وعليه الفتوى
فهذا تفاضل في المالية ما موربه من
جهة الشرع والتاسع ما تقدم
عن الفتوح وغيره من المعتمديات
من قوله لو باع كاغذة بالف يجوز
ولا يكره والعاشر في باب الربا من رد المختار عن
الذخيرة اذا دفع المنطة الى خياز جملة واخذ الخبز
مفردا ينبغى ان يبيع صاحب المنطة خاتماً
او سكيناً من الخبايا بالف من

جو متاع دی وہ پوری دینے والے کی طرف عود کر آئے
یا اس کا حصہ یا کچھ نہیں، تدبر، دلیل ہشتم وصی اگر
یتیم کا مال خود خریدنا یا اپنا مال اس کے ہاتھ بیچنا چاہے
تو اس کے جواز کے لئے علماء نے یہ شرط فرمائی ہے
کہ اس خرید و فروخت میں یتیم کا نفع ہو اور اس نفع
کی مقدار جائداد غیر منقولہ میں دو چہرہ رکھی اور منقولہ میں
ڈیوڑھی، بیسیا کہ فناوی قاضی خان اور فناوی عالمگیری
میں ہے اور وصی اگر یتیم کا مال کسی دوسرے کے ہاتھ
میں بیچنا چاہے اور نابالغ کو اس کی قیمت کی
ضرورت نہ ہو اور نہ مورث پر کوئی دین ہو کہ بغیر اس کے
بیچے پورا نہ ہو تو اس صورت میں جواز بیع کی یہ شرط
لگائی کہ دونی قیمت پر بیچے، ہندیہ میں محیط سرخسی سے
نقل کیا کہ اسی پر فتویٰ ہے تو مالیت کی اس کمی بیشی
کا خود شرع کی طرف سے حکم ہے، دلیل نہم وہ جو
فتح القدير وغيره معتمد کتابوں سے گزرا کہ اگر ایک کاغذ
ہزار روپے کو بیچا تو جائز ہے اور مکروہ نہیں۔
دلیل دہم رد المحتار کے باب ربا میں ذخیرہ سے ہے
جب نابنائی کو گھوں اکٹھے دے دے اور روٹی
تھوڑی تھوڑی کر کے لی تو یوں چاہئے کہ گھوں والا نابائی
کے ہاتھ ایک انگوٹھی یا چپا تو مثلاً ہزار روٹی

۱۰ حاشیۃ الدرر لعبد الحليم

۱۱ فتاویٰ ہندیہ باب السابع عشر فی بیع الاب والوصی الخ فورانی کتب خانہ پشاور ۱۶۹/۳

۱۲ فتح القدير کتاب الکفالة مکتبہ نوریہ رضویہ کٹرہ ۳۲۳/۶

الخبز مثلاً الخ و این یقع سکین من الف
من من الخبز ونظائر هذا الواردنا هالم نستطع
احصاءها وانما تنزلنا بعد السادس الى هنا
لان كلامهم في المضموم الاقل مطلق
من ان يكون من الاثمان او الاعيان
ومن الاموال الربوية او من غيرها
فهذا غاية تحقيق المسألة،
اما كلام الشيخ عبد الحليم
فاقول اولاً ليس الوجوب للاحتياط وجوب
الشيء في نفسه ولا شك ان ترك
مال باس به حذر اما به باس من
قبيل الاحتياط في الدين ولا يحصل
ذلك الا بما ذكر فكات من واجباته
اذ الواجب للشيء هو الذي لا تحصل له
الابه وثانياً سيما يطلق الواجب
عرفاً على المندوب ومنه قول الدر
لا باس به اي بالتكبير عقب العيد
لان المسلمين توام ثوة فوجب
اتباعهم اه ونظر له الشامي في
موضع اخر بقولهم حقق
واجب على وفي كتاب

کو بیچے الخ اور بھلا کہاں چا تو اور کہاں ہزار من روٹی
اور اس کے نظائر اگر ہم بیان کرتے جائیں تو ان کا
احتاط نہ کر سکیں گے اور دلیل ششم کے بعد جو ہم
یہاں تک اتر آئے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ جو
علماء نے فرمایا تھا کہ جس جانب وزن کی کمی ہے
کوئی چیز ملا دی جائے وہ ان کے کلام میں مطلق ہے
خواہ ثمن ہو یا متاع اور اموال ربا سے ہو یا نہیں
تو یہ تحقیق مسئلہ کی انتہا ہے، رہا فاضل عبد الحليم
رومی کا کلام اقول اولاً حصول احتیاط کیلئے کسی شی
کا وجوب اس کا فی نفسه وجوب نہیں اور شک نہیں
کہ خرابی کے ڈر سے جس چیز میں خرابی نہیں اُسے
چھوڑنا دین میں احتیاط کے قبیل سے ہے اور یہ
اُسی طور پر حاصل ہوگا جو انھوں نے ذکر کیا تو احتیاط
کے واجبات سے ہوا کہ کسی شے کے لئے واجب
وہی ہے جس کے بغیر شے حاصل نہ ہو، ثانياً اکثر
عرف میں مستحب کو واجب کہتے ہیں، اور اسی میں سے
ہے در مختار کا یہ قول کہ نماز عید کے بعد تکبیر کہنے میں
کوئی حرج نہیں اس لئے کہ یہ مسلمانوں میں سلف
سے چلا آتا ہے تو ان کی پیروی واجب ہوتی انتہی،
اور شامی نے دوسری جگہ اس کی ایک نظیر یہ بیان کی
کہ عرف میں کہتے ہیں تیرا حق مجھ پر واجب ہے اور

۱۸۶/۴

۱۱۷/۱

دار احياء التراث العربی بیروت
مجتبائی دہلی

لحد والمختار کتاب البيوع باب الربا
باب العیدین

ادب القاضی من الفتح تحت قوله "وليشهد
(ای القاضی) الجنانۃ و يعود المریض" ذکر
حدیث البخاری فی الادب المفرد عن
ابی ایوب الانصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ
قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم یقول ان للمسلم علی اخیه ست
خصال واجبة ان ترک شیئا منها فقد
ترک حقاً واجبا علیہ لایخیه یسلم علیہ
اذا لقیہ ویجیبہ اذا دعاه ویشمتہ
اذا عطس ویعودہ اذا مرض ویحضرہ
اذا مات وینصحہ اذا استنصحہ
ثم قال ولا بد من حمل
الوجوب فیہ علی الاعم من
الوجوب فی اصطلاح الفقہ
الحادث فان ظاہرہ وجوب
الابتداء بالسلام وکون الوجوب
وجوب عین فی الجنانۃ فالمراد
به امر ثابت علیہ اعم من
ان یكون ندبا او وجوبا بالاصطلاح
ولا بد من الحمل علیہ لما اقمنا من الادلة
وان ابیت الاحمله علی ظاہرہ
فهذا فہم من الشیخ
عبد الحلیم لم یستند فیہ

فتح القدر کی کتاب ادب القاضی میں اس قول ماتن
کے نیچے کہ قاضی جنازہ پر حاضر ہو اور بیمار کے پوچھنے
کو جائے ادب المفرد میں بخاری کی یہ حدیث ابویوب
انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ذکر کی کہ میں نے
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سنا
مسلمان کے مسلمان پر چھ حق واجب ہیں اگر ان میں سے
کوئی چیز ترک کرے تو اپنے بھائی کا ایک حق چھوڑیگا
جو اس کے لئے اس پر واجب تھا، ملاقات کے
وقت اسے سلام کرے، اور وہ دعوت کرے تو
قبول کرے یا وہ پکارے تو جواب دے، اور
جب اسے چھینک آئے (اور وہ حمد الہی بجالائے)
تو پراسے برحمت اللہ کہے، اور بیمار پڑے تو اسے
پوچھنے جائے، اور اس کی موت میں حاضر ہو، اور
اگر اس سے نصیحت چاہے تو نصیحت کرے۔ پھر محقق
نے فرمایا ضرور ہے اس حدیث میں وجوب کو ایسے
معنی پر حمل کریں جو وجوب کے اس معنی سے کہ فقہ کی
اصطلاح حادث میں ہے عام ہو اس لئے کہ ظاہر
حدیث یہ ہے کہ ابتداء بہ سلام واجب ہو اور نماز
جنازہ فرض عین ہو تو حدیث کی مراد یہ ہے کہ یہ حقوق
مسلمان پر ثابت ہیں خواہ مستحب ہوں یا واجب فقہی
انہی، اور عبارت عبد الحلیم میں یہ معنی وجوب لینا ضرور
ہے بسبب ان دلیلوں کے جو ہم قائم کر چکے اور اگر
تو اسے ظاہر پر محمول کئے بغیر نہ مانے تو یہ شیخ عبد الحلیم

لنقل وفهمه غير حجة في الشرع
 لاسيما عند قيام البراهين على
 خلافه وثالثات لم يحمل على
 ما قلنا يكون كلامه قد ناقض نفسه
 لانه ذكر بعد هذا بورقة واقعة تحدث
 في الدولة العثمانية من تبديل
 الدراهم العتيقة المغشوشة الغالبة
 فيها الفضة بدراهم جديدة جيدة و
 يمنع بظهورها التعامل بالعتيقة و
 من رداة العتيقة ان الدرهم
 الكبير الرومي وهو المسعى بالقرش
 يكون بمائة وعشرين درهما منها
 والدينار بمائتين واربعين فاذا ظهرت
 الجديدة ينزل القرش الى ثمانين من
 الجديدة والدينار الى مائة وعشرين
 فيقع بين الناس نزاع كثير في ديونهم
 الواقعة في زمن العتيقة قال فافتى
 اسلافنا من ساداتنا علماء قسطنطينية
 المحمية بتنزيل ثلث الدين فبمقابلة
 دين مائة وعشرين درهما يعطى
 المديون الدائن ثمانين درهما جديدا او قرشا واحدا
 وبمقابلة مائتين واربعين دينارا او قرشين الى ان
 جاء من افتاء اساذنا المرحوم اسعد بن سعد الدين
 فافتى بان يعطى قيمة العتيقة في زمن
 العقد من الدينار مثلاً لكل

کی اپنی ایک سمجھ ہے جس پر انھوں نے کوئی نقلی سند
 پیش نہ کی اور ان کی فہم شرع میں حجت نہیں خصوصاً
 جبکہ اس کے خلاف پر دلائل قائم ہوں۔ ثالثاً اگر
 اس معنی پر محمول نہ کیا جائے تو ان کا کلام خود اپنے
 نفس کا منقض ہوگا، اس لئے کہ انھوں نے اس
 کلام سے ایک ورق بعد دولت عثمانیہ کا ایک واقعہ
 بیان کیا ہے، پرانے روپے جن میں میل ہے اور چاندی
 غالب ہوتی ہے انھیں نئے کھرے روپے سے بدلتے
 ہیں اور ان نیوں کے بعد پرانوں سے معاملہ کرنا منع
 کر دیا جاتا ہے اور پرانوں کا کھڑا پن یہاں تک ہے
 کہ ایک بڑا روپیہ رومی جسے قرش کہتے ہیں ان پرانوں
 کے ایک سو بیس کے برابر ہوتا ہے اور اشرفی
 دو سو چالیس کے برابر، جب نئے روپے چل جاتے
 ہیں تو قرش کی قیمت ان نیوں سے اتنی روپے رہ جاتی
 ہے اور اشرفی ایک سو بیس کی، تو لوگوں کو وہ لیں دین
 جو پرانے روپیوں کے زمانے میں ہوا تھا اس میں
 بڑا جھگڑا پڑ جاتا ہے تو علمائے محرمہ قسطنطنیہ سے
 ہمارے اگلوں سرداروں سے یہ فتویٰ دیا کہ تہائی
 دین آتا رہیں، تو ایک سو بیس پرانے روپے کی جگہ
 مایون دائن کو نئے اتنی روپے یا ایک قرش دے
 اور دو سو چالیس پرانے روپے کی جگہ ایک اشرفی
 یا دو قرش یہاں تک ہمارے اساذ مرحوم اسعد
 بن سعد الدین کے افنا کا وقت آیا تو انھوں نے
 یہ فتویٰ دیا کہ زمانہ عقد میں پرانے روپیوں کی جو قیمت
 تھی اتنی قیمت کی اشرفیاں دی جائیں مثلاً ہر

مائتین و اس بعین دس ہا یعنی دینار و لہ
یجوز اعطاء درہما جیدا و لا قرشا و
صرح بان فی المسلك السابق حقيقة
الرباء او شبهته، ثم قال يقول العبد
ان ما افق به او لا صحيح ايضا مع ان فيه
یسر او توسیع دائرۃ لاداء الدين اما
صحة فان الدراهم العتيقة لما كانت
س ائجة كما يروج القرش و الدينار
من غير فرق بينهن تقرر ان دين
المديون استقر في ذمته على هذا التفصيل
وصوت الدين الى ما قدر به في الاداء
من كل نوع اي نوع كان من العتيقة و
القرش و الدينار كما صرح الفقهاء بهذا
في صورة استواء س و اج الاحادي و
الثنائي و الثلاثي فاذا منع تعاطى العتيقة
وظهر الجديدة و رخص القرش و الدينار
بالتنزيل الى ما سبق ذكره نزل الدين
كذلك وفيه توسيع دائرۃ و يسر تام اذ
يؤدى المديون من اي نوع قدر بخلاف
ما افق به ثانياً اذ قد لا يكون للمديون
دينار و قد لا يجد و قد يكون
الدين او الباقي غير بالغ الى
قيمة الدينار فيعسر الاداء مع

دو سو چالیس روپے کے بدلے ایک اشرفی دے
اور یہ جائز نہ رکھا کہ اسے نیا روپیہ یا قرش دے
اور تصریح فرمائی کہ اگلے مسئلہ میں یا تو حقیقۃً سو
ہے یا اس کا شبہہ۔ پھر شیخ عبد الحلیم نے کہا کہ
وہ جو پہلوں نے فتویٰ دیا وہ بھی صحیح ہے اور اس کے
ساتھ اس میں آسانی ہے اور ادائے دین کے
دائرہ میں وسعت اس کی صحت تو اس سبب سے ہے
کہ پرانے روپوں کا جب بعینہ ایسا ہی چلن تھا جیسے
اشرفی اور قرش کا، تو ثابت ہوا کہ مدیون پر دین
اسی تفصیل سے ٹھہرا اور دین کا حاصل اس طرف
پھیرے گا کہ اتنی مقدار کا مال لازم ہے کسی نوع
میں سے ہو، پرانے روپے ہوں یا قرش یا
اشرفی، جیسا کہ فقہانے اس کی تصریح فرمائی ہے
جب کہ مختلف سکوں کا ایک ساحلن ہو، تو
جب پرانوں کا چلن بند کر دیا گیا اور نئے چلنے لگے
اور قرش اور اشرفی کا بھاؤ اس مقدار پر کہ اوپر
مذکور ہوئی اتر گیا دین بھی اتنا ہی اتر جائے گا اور
اس میں دائرہ کی وسعت اور پوری آسانی ہے
اس لئے کہ مدیون جس نوعیت پر قدرت پائیگا
اس میں سے ادا کریگا بخلاف دوسرے فتویٰ کے
اس لئے کہ کبھی مدیون کے پاس اشرفی نہیں ہوتی
اور نہ اسے ملتی ہے اور کبھی کل دین یا باقی اتنا
نہیں ہوتا کہ اشرفی کے مقدار کو پہنچے تو ادا دشوار

لہ حاشیۃ الدرر لعبد الحلیم

ہوگی حالانکہ جو ثمن زمانہ عقد میں رائج تھے وہ پرانے روپیوں کے سوا بدستور رائج ہیں ان کا نہ چلن گھٹا نہ منع کیا گیا سوا اس کے کہ نئے روپیوں سے ان کا بھاؤ سستا ہو گیا تو کہاں سے مدیون کو مجبور کیا جائے گا کہ خاص اشرفی ہی سے اپنا دین ادا کرے تو ظاہر ہوا کہ وہ جو پہلا فتویٰ تھا صحیح اور آسان ہے اس میں کچھ دشواری نہیں، ہاں اگر یہ مان لیا جائے کہ نئے روپے یا قرش سے ادا کرنے میں حقیقتاً ربا ہے یا حکماً یوں کہ دونوں کا وزن برابر نہیں یا برابر ہی کا علم نہیں تو وہ یوں دفع ہو جائے گا کہ نئے روپے یا قرش کے ساتھ مثلاً ایک پیسہ ملا کر دیا جائے جیسا کہ پوشیدہ نہیں انتہی ملخصاً، اور یہ مسئلہ درمختار و غیرہ میں مذکور ہے اور صاحب درمختار نے اسی کو اختیار کیا جو سعدی آفندی کا فتویٰ ہے کہ مدیون پر سونے ہی سے ادا کرنا واجب ہے اور علامہ شامی نے اس طرف میل کیا جس طرف شیخ عبدالحلیم کی رائے جھکی اور اس کا حاصل یہ ہے کہ اول تو ہم یہی نہیں مانتے کہ مدیون کے ذمہ خاص پرانے روپے ہی دینا واجب تھے تاکہ نئے روپے یا قرش سے ادا کرنا جبکہ وہ پرانوں سے وزن میں برابر نہ ہوں ربا ٹھہرے بلکہ اتنی مالیت لازم تھی جس کا اندازہ ان تینوں سکوں میں سے جس سے چاہے کر لے تو جب ان میں سے ایک کا چلن جاتا رہا تو دو باقیوں میں سے جس سے

ان الاثمان الواجبة في نر من العقد سوى العتيقة باقية على سوا جها وليس فيها كساد ولا منع سوى الترخيص بالنسبة الى الجديدة فمن اين التكليف للمديون باء الدين بالدينار فقط فظهر ان ما افق به اولا صحيح على وجه اليسر لا عسر فيه نعم لو سلم وجد ان الربا اقسا حقيقة او حكما في الاداء بالجديدة او بالقرش بان لا مساواة بينهما و نرنا اولا يعلم فانه يدفع بضم نحو فلس الى الجديدة او القرش كما لا يخفى له ملخصاً، والمسئلة مذكورة في الدر وغيره واختار العلاني ما افق به سعدى افندى وهو الا لزام بالذهب ومال ابن عابدين الى نحو ما مال اليه عبدالحليم وحاصله اذ لا منع ان اللانر م على ذمة المديون عيت العتيقة حتى يكون الاداء بالجديدة او القرش مع عدم مساواتها للعتيقة و نرنا سوا بل اللانر م تلك المالية المقدرة باى الثلاثة شاء فاذا كسد منها واحد جاز الاداء عن احد الباقيين

له عايشية الدرر لعبدالحليم

قلت وبه ظهران تعبیرهم بتزیل
ثلث الدین مسامحة نظر الی ظاهر
التغیر فی عدد الدراهم حیث یعطى
من الجديدة ثمانین مکان مائة وعشرین
والا فلا تنزیل فی المالیة اصلا وثانیاً ان
سلم لزوم العتیقة عیناً فیدفع بضم نحو
فلس الی الجديدة او القرش وقد اختلف
هو به الناس وجعله یسراً تاماً من دون عسراً
تاماً من دون عسراً وی یسر
بعد حصول کراهة التحیم فاذن
لامحید عما ذکرنا و بالله التوفیق
وبالجملة ما کانت امثال هذه
الشبهات لتذکر وتسطر لولا ما
فی جوابها من فوائد تظہر وترہر،
اقول وبه تبیین والحمد لله ان
یس فیہ اعنی فی بیع دینار
بدرهم بل فلس فضلاً عن بیع نوط عشرة
یاثنی عشر شبهة س یا ایضا فضلاً
عن الربا خلافاً لما ترعم اللکنوی اذ الشبهة
فی المحرمات ملحقة بالیقین كما نص
علیه فی الهدایة وغیرها فلو کانت لوجبت
المحرمة فضلاً عن کراهة التحیم وقد
قامت الادلة ان لا کراهة تحیم ههنا
فضلاً عن الحرمة فظهران لا س با و
لا شبهة هذا وانما جمل

چاہے ادا کر دے اقول یہیں سے ظاہر ہوا کہ ان
کا یہ فرمانا کہ تہسانی دین اتا دیا جائے
مسامحہ ہے روپیوں کی گنتی میں جو ظاہر تغیر ہوا اس
پر نظر فرما کر ایسا کہا کہ ایک سو بیس کی جگہ نئے اسی
دے گا ورنہ مالیت میں اصلاً تغیر نہ ہوا، دوسرے
یہ کہ اگر خاص پرانے روپے ہی لازم ہونا مان لیا جائے
تو سو دیوں دفع ہو جائے گا کہ نئے روپیوں یا قرش
کے ساتھ مثلاً ایک سپہ ملا کر دے اور فاضل عبدالمجلیم
نے لوگوں کو اس کا فتویٰ دیا اور اُسے پوری آسانی
بلا دشواری بتایا اور کراہت تحریم ہونے کے بعد
کون سی آسانی ہے تو وہ معنی جو ہم نے ذکر کئے ان
سے مفر نہیں اور توفیق اللہ ہی کی طرف سے ہے
بالجملہ ایسے شبہات اس قابل نہ تھے کہ ذکر کئے جائیں
اور لکھے جائیں اگر یہ نہ ہوتا کہ ان کے جوابوں سے
چمکتے ہوئے قائدے ظاہر ہوئے اقول الحمد للہ
اس تقریر سے روشن ہو گیا کہ دس کا نوٹ بارہ کو
بچھا دینا ایک اشرفی ایک روپے بلکہ ایک پیسہ
کو بیچنے میں ربا تو ربا اس کا شبہ بھی نہیں برخلاف
اس کے جو کھنوی نے زعم کیا اس لئے کہ حرام چیزوں
میں شبہ بھی حکم یقین میں ہے جیسا کہ ہدایہ وغیرہ
میں منصوص ہے تو اگر یہاں شبہ ہوتا تو حرمت
واجب ہوتی چہ جائے کراہت تحریم، اور
دلائل قائم ہو چکے کہ یہاں کراہت تحریم بھی
نہیں چہ جائے حرمت، تو ظاہر ہوا کہ یہاں
نہ سود ہے نہ سود کا شبہ، یہ تو لیجئے اور آگے منئے

مايتثبت به هذا المانع ان النوط

ان منع کرنے والے کی بڑی سند جو کچھ ہے یہ ہے کہ نوٹ

عہ بلکہ اس مولوی لکھنوی نے یہ زعم کیا کہ سو روپے کا نوٹ جب بیچا جاتا ہے تو مقصود اس سے قیمت ملنا اس کاغذ کی نہیں ہوتی ہے بلکہ مقصود سو روپے بیچنا اور اس کی قیمت لینا ہوتا ہے (اقول میں کہتا ہوں) اولاً اگر معاملہ یوں ہوتا تو روپیوں کے بدلے نوٹ بیچنا اصلاً جائز نہ ہوتا کہ اب یہ سو روپے انگریزی سو روپے کو بیچنا ہوا اور انگریزی روپے باہم کچھ فرق نہیں رکھتے تو یہ سو روپے دے کر وہ سو روپے لینا زاعبت ہو اور شرع عبت کو مشروع نہیں فرماتی، اشباہ میں ہے عقد جب صحیح ہوتا ہے کہ اس سے کچھ فائدہ بھی ہو جو محض بے فائدہ ہے وہ عقد صحیح نہیں تو ایک روپیہ ایک روپے کو بیچنا ناجائز ہے جبکہ دونوں روپے وزن و حالت میں برابر ہوں جیسا کہ ذخیرہ میں ہے انتہی، ثانیاً مولوی صاحب ذرا اپنی سند سے اٹھ کر کسی دن بازار جائے جب دیکھتے کہ زید نے عمرو کے ہاتھ کوئی نوٹ بیچا تو اس سے پوچھے کیا تو نے اس سے یوں کہا تھا کہ میں نے تیرے ہاتھ سو روپے بیچے وہ ابھی بھی جواب دے گا کہ نہ، بلکہ میں نے تو یہ کہا کہ یہ نوٹ تیرے ہاتھ بیچا، اب اس سے پوچھے کیا تو نے یہ قصد کیا تھا کہ اپنے سو روپے عمرو کے سو روپیوں سے (باقی اگلے صفحہ پر)

عہ بل ناعم ذاك اللكنوى ان من باع نوطا معلما برقم مائة مثلا فانما يريده بيع مائة ربية واخذ بدلها لابل النوط اقول اولاً لو كانت الامر كما زعمت لما صح بيع النوط بالربابي اصلاً لانه اذت بيع مائة درهم افرنجي بمائة درهم افرنجي وهي لا تتفاوت فيما بينهما بشئ فكان الاستبدال عبثاً والشروع لا يشرع العبت في الاشباه العقود تعتمد صحتها الفائدة فما لم يفد لم يصح فلا يصح بيع درهم بدرهم اذا تساويا وزنا وصفة كما في الذخيرة اهـ وثانياً قم يوماً عن امر يكتك واذهب الى البياعين فاذا سأيت نريدا باع نوطاً من عمرو فاسأله هل قلت له بعثك مائة ربية فيقول لا وانما قلت بعثك هذا النوط فاسأله هل اردت ان تستبدل مائة ربية لك بمائة ربية لعمرو فيقول لا وانما اردت استبدال

له الاشباه والنظائر الفن الثاني كتاب البيوع ادارة القرآن والعلوم الاسلاميه كراچي ۳۲۵/۱

مغروق فی الربابی کا نہ ہی من دون فرق

روپوں میں غرق ہے گویا وہ بعینہ روپیہ ہے اور کچھ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

نوٹی بریابیہ فاسألہ هل اخذت
ثمن من بابيك فسيقول لا بل ثمن
نوٹی فاسألہ هل تنقله مائة
سربية من كيسك فسيقول لا بل اعطيه
نوٹی فعند ذلك يتميزك النهار
من الليل، وثالثاً لیتك تعرف
المبيع من المعدوم فان البائع
سبما لا تكون عند الربابی بل
ولا سربية واحدة وبيع المعدوم
باطل وقد نهى عنه رسول
الله صلى الله تعالى عليه و
سلم، و رابعاً من احتاج
الى النوط ليرسله في
الوسطة فان ارساله
فيها ايسر و اقل مصروفنا
فباعه نريد نوطه ثم اسأله
ان يعطيه مائة سربية
لا يقبله المشتري ويقول انما
اشتريت منك النوط وقد كانت
الربابی عندى فما كان يحوجني
الى شرائها منك وعند ذلك تعرف

بدلے، وہ ابھی جواب دے گا کہ نہ، بلکہ اپنا نوٹ
اس کے روپیوں سے بدلنا چاہا، اب اس سے پوچھئے
کیا تو نے اپنے روپیوں کی قیمت لی وہ ابھی جواب دیگا
نہ، بلکہ اپنے نوٹ کی۔ اب اس سے پوچھئے کیا تو
اپنی تھیلی میں سے سو روپے اسے دے گا وہ ابھی
جواب دے گا کہ نہ بلکہ اسے اپنا نوٹ دوں گا اس
وقت آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ دن اور رات میں
یہ فرق ہے، ثالثاً کاشس آپ کو مبيع و معدوم
کا فرق معلوم ہوتا اس لئے کہ بارہا نوٹ بیچنے والے
کے پاس روپے نہیں ہوتے بلکہ ایک روپیہ تک
نہیں ہوتا تو اگر اسے سو روپے بیچنا مقصود ہوتے
تو معدوم کی بیع کر رہا ہے اور معدوم کی بیع باطل ہے
اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے
منع فرمایا ہے۔ رابعاً جسے ڈاک میں بھیجنے کیلئے
نوٹ درکار ہو کہ ڈاک میں نوٹ بھیجا روپے بھیجنے سے
آسان بھی ہے اور خرچ بھی کم ہے اس کے ہاتھ
جبکہ زید نوٹ بیچے اور پھر نوٹ نہ دے بلکہ اس کی
جگہ سو روپے دینا چاہے تو خریدار ہرگز نہ لے گا اور
اس سے کہے گا کہ میں نے تو تجھ سے نوٹ خریدنا تھا
روپے تو خود میرے پاس موجود تھے مجھے تجھ سے روپے
خریدنے کی کیا حاجت تھی اس وقت آپ کو معلوم
(باقی بر صفحہ آئندہ)

ولذا لا يفرقون بينهما في الاخذ والاعطاء فرق نہیں اسی واسطے لوگ معاملات میں روپے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ہو جائیگا کہ نوٹ بیچنے میں ان کا یہ قصد قرار دینا کہ روپے بیچتے ہیں ان پر اقرار ہے۔ خامساً نوٹ بیچنے والا جب قیمت کے روپے لے کر نوٹ نہ دے بلکہ روپے ہی پھیرے تو یہ ان کے نزدیک بیع کا نسخ ٹھہرتا ہے نہ یہ کہ اس نے جو چیز بیچی تھی وہی خریدار کو دے رہا ہے اور یہ سب باتیں ہر اس شخص پر روشن و ظاہر ہیں جسے دہنے باتیں میں تمیز ہو تو سبحان اللہ وہ سو روپے جو بیچنے ٹھہرائے عجب بیع ہیں کہ نہ ان پر خرید و فروخت کا لفظ واقع ہوا، نہ ان کے لینے دینے کا ارادہ ہوا، نہ بائع نے وہ دئے بلکہ وہ دے تو خریدار لے نہیں اور بیع کا دینا نہ ٹھہرے بلکہ بارہا وہ بائع کے پاس ہوتے بھی نہیں تو دنیا میں ایسی کوئی بیع سنی ہے کہ بیک گئی اور نہ عقد نہ نقد نہ قصد نہ وجود، مگر سے یہ کہ فہم یا فکر کی کمی عجائب لاتی ہے ہم اللہ تعالیٰ سے معافی و عافیت مانگتے ہیں اور یہیں سے ظاہر ہو گیا کہ مولوی صاحب نے جو پیسوں اور نوٹ میں یوں فرق نکالنا چاہا ہے کہ اگر ایک روپیہ کے عوض کوئی چیز خریدے یا ایک روپیہ کسی سے قرض لے اور بوقت ادا پیسے ایک روپیہ کے دے تو دائن اور فروخت کنندہ کو اختیار رہتا ہے لے یا (باقی اگلے صفحہ پر)

ان نسبة ذلك القصد اليهم فرية عليهم، وخامساً بائع النوط اذا قبض دراهم الثمن واسرادهها يعد هذا عندهم اقالة البيع لا تسليماً للمبدل وهذا كله واضح جلي على من يعرف الشمال من اليمن فسيحن الله من مبيع لم يعقد عليه ولا قصد اليه ولا نقد منه بل ان نقد لم يقبل ولم يعد نقد المبدل بل ربما لا يكون عند من باع فهل سمعت بمثله مبيعاً في الدنيا ولا عقد ولا نقد ولا قصد ولا وجد ولكن قلة الفهم والتدبر يأتي بعجائب نسأل الله العفو والعافية، وبه علم بطلان ما قصد به التفرقة بين الفلوس والنوط بان من اشترى شيئاً برؤية او استقرض ربية واراد ان يعطى بدلها فلوس ربية فالدائن والبائع بالخيار في قبولها و

اور نوٹ کے لین دین میں کچھ فرق نہیں کرتے تو گویا وہ یوں ہوا کہ دس روپے بارہ کو بیچے گئے اور وہ بلا شک ربا ہے تو یہ اگر سود نہ ہو تو اس کی مشابہت کے سبب سود سے لاحق ہو کر حرام ہو جائے گا۔

اقول وباللہ التوفیق (میں کہتا ہوں اور اللہ ہی کی طرف سے توفیق ہے۔ ت) یہ شبہ تو اور بھی ردی اور بھونڈا ہے مگر کوئی تعجب نہیں کہ کمان انجان کے ہاتھ میں ہے ہر وہ شخص جو بچپن سے کچھ بھی آگے بڑھا ہے جانتا ہے کہ اصطلاحی ثمنوں کے اندازے حقیقی ہی ثمن سے کئے جاتے ہیں بلکہ تمام نقدوں کے لئے روپیوں سے اندازہ، خواہ اشرفیاں ہوں یا اور کچھ، اور انھیں کچھ نہ کچھ روپیوں سے نسبت ضرور ہوگی تو ایک ساورن پنڈہ روپے کی اور دوانی روپے کا آٹھواں حصہ اور چوانی چوتھائی اور اٹھنی آدھا اور ایک روپے کے سولہ آنے اور فلاں نوٹ دس روپے کا فلاں سوکا و علیٰ هذا القیاس، اور جب ان کا چلن اور مالیت یکساں ہو تو اہل عرف معاملات میں

فی المعاملات فاذا كانتا عشرین ربا بی بیعت باثنی عشرۃ ربا بیۃ و هو ربا قطعاً فہذا ان لم یکن ربا فبشبهہ ینتق بہ و یحرم۔

اقول وباللہ التوفیق ہذا اسراء واخنع ولا غر و اذا القوس فی ید غیر با ربا یہا قد علم کل من ترعرج عن الصبا ولو قلیات الاثمان الاصطلاحیۃ انما تقدر بالحقیقۃ بل النقود کلہا لہا تقدیر بالدرہم دنانیر کانت او غیرہا ولا بدلہا من نسبۃ الی الربا بی فجنیہ بخمسۃ عشر و قطعۃ صغیرۃ بثمان ربا بیۃ و آخری بالربع و آخری بالنصف و ست عشر اثنی عشر ربا بیۃ و النوط الفلان بعشرۃ و الفلان بمائۃ هكذا و اذا استوت رواجاً و مالیۃ فاهل العرف لا یفرقون

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

نہ لے اور حاکم کی طرف سے اس پر جبر نہیں ہو سکتا بخلاف نوٹ کے یہ فرق باطل ہے اور یہ ادعا انھوں نے کہا ہے نیکالا اور کون اس کا قائل ہے اور عنقریب چند سطر کے بعد اس امر میں جو حق ہے اس کا بیان آتا ہے اور اللہ ہی کی طرف سے توفیق ہے ۱۲ منہ۔

ولا یجبرۃ علیہ القاضی بخلاف النوط و من این لہ ادعاء ہذا و من قال بہ و سیأتیک و تحقیق الامر بعد اسطر وباللہ التوفیق اھ منہ۔

بینہا فی الاخذ والاعطاء فی معاملاتہم
 فمن شری ثوبا بجنیہ افرنجی وادی
 خمس عشر ربیۃ او بالعکس لا یعد
 هذا تبديلا ولا تحویلا ولا ینکرہ البائع
 ولا غیرہ وكذا القطعة الصغیرة وثمانیة
 فلوسا افرنجیة لا یفرقون بینہما فی اخذ
 ولا اعطاء وكذا ربع الربیة وستة
 عشر فلوسا ومن اشتری شیئا بنصف
 ربیة، فامانت یودی النصف بعینہ
 او ربعی ربیة اور اس بعة اثمانہ اور ربعا
 وثمانین اور ربعا وثمانین فلوس او ثلثۃ
 اثمان وثمانیة فلوس اور ربعا وستة عشر فلوسا او
 ثمنا واربع وعشرین فلوسا او الكل بالفلوس اثنین
 وثلثین فلوسا الصور التسع جمیعا سواء عندہم
 ولا یفرقون بینہما اصلا لاستوائہا جمیعا
 فی المالیة والرواج ولیس هذا فی العرف
 فقط بل الشرع ایضا خیر المشتري ان یودی
 ایہا شاء ولو امتنع البائع من قبول بعضہا و
 اراد الزام المشتري باحد الوجوه کانت
 تعتامنہ ولم یقبل قال ابن عابدیت

ان کے لین دین میں کوئی فرق نہیں کرتے تو جو کوئی
 کپڑا ایک پونڈ انگریزی کو خریدے اور دس پندرہ
 روپے یا اس کا عکس تو نہ اسے کوئی تبدیل کے گا
 نہ قرار داد کا پھرنا اور نہ اس سے بائع انکار کرے گا
 نہ کوئی اور، یونہی دوانی اور آٹھ پیسے انگریزی ان
 کے لین دین میں بھی کوئی فرق نہیں کرتا، یونہی چونی
 اور سولہ پیسے اور جس نے کوئی چیز اٹھنی کو خریدی وہ
 یا تو خود اٹھنی دے یا دو چونیاں یا چار دوانیاں
 یا ایک چوانی اور دو دوانیاں یا ایک چوانی اور
 ایک دوانی اور آٹھ پیسے یا ایک چوانی اور سولہ
 پیسے یا ایک دوانی اور چوبیس پیسے یا سب کے
 بیس پیسے، یہ نو کی نو صورتیں سب ان کے نزدیک
 برابر ہیں اور ان میں اصلاً فرق نہیں کرتے اس لئے
 کہ سب میں مالیت اور چلن یکساں ہیں اور یہ کچھ
 عرف ہی میں نہیں بلکہ شریعت نے بھی خریدار کو
 اختیار دیا ہے کہ ان میں سے جس صورت پر چاہے
 ادا کرے اور اگر بیچنے والا ان میں سے کسی صورت
 کو نہ مانے اور کوئی دوسری صورت مشتری پر
 لازم کرنا چاہے تو یہ اس کی طرف سے بیجا ہٹ
 ہوگی اور مافی نہ جائے گی۔ تنویر الابصار میں جو

عہ اور اب کہ ایک نئی ریزنگاری چل گئی ہے جسے
 اکتی کہتے ہیں تو اٹھنی کے دام چھتیس طرح ادا
 ہو سکتے ہیں اور سب برابر ہیں جیسا کہ پوشیدہ
 نہیں ۱۲ منہ۔

عہ والان اذ قد سراج تفریق جدید یسمی
 انہ صح اداء نصف ربیة بستة وثلثین
 وجہا واکل سواء کمالا یخفی اہمنہ۔

تحت قول المتن ينصرف مطلقه لاي مطلق
 الثمن الى غالب نقد البلد وان اختلف النقود
 مالية فسد العقد مع الاستواء في رواجها
 ما نصه اما اذا اختلف رواجها مع اختلاف ماليتهما او
 بدونه فيصح وينصرف الى الاروج وكذا يصح
 لو استوت مالية ورواجا لكن يخير
 المشتري بين ان يؤدى ايهما
 شاء و مثل في الهداية مسألة
 الاستواء في المالية والرواج بالثنائي
 والثلاثي واعترضه الشراح
 بان مالية الثلاثة اكثر من
 الاثنيت و اجاب في البحر بان
 المراد بالثنائي ما قطعان منه
 بدرهم و بالثلاثي ماثلثة منه
 بدرهم ، قلت و حاصله انه
 اذا اشترى بدرهم فله دفع درهم
 كامل او درهم مكسر قطعتين او ثلثة
 حيث تساوى الكل في المالية
 والرواج و مثله في زماننا
 الذهب يكون كاملا و نصفين و
 اربعة ارباع وكلها سواء في المالية
 والرواج و منه يعلم حكم
 ما تعورف في زماننا

فرمایا کہ مطلق ثمن شہر کے اُس نقد کی طرف پھرتا ہے
 جس کا چلن زیادہ ہو اور اگر وہ سکتے مالیت میں
 مختلف ہوں اور چلن ایک سا ہو تو عقد فاسد ہو جائیگا
 اس کے تحت میں علامہ شامی نے فرمایا لیکن اگر چلن
 ایک ساتھ ہو مالیت خواہ مختلف ہو یا نہیں تو عقد
 صحیح رہے گا اور جس کا چلن زیادہ ہے وہ مراد ٹھہریگا
 یونہی اگر مالیت اور چلن دونوں یکساں ہوں جب بھی
 عقد صحیح رہے گا مگر اس صورت میں خریدار کو
 اختیار ہوگا کہ دونوں میں سے جو چاہے ادا کرے،
 اور ہدایہ میں چلن اور مالیت یکساں ہونے کی مثال
 ثنائی اور ثلاثی سے دی اور شارحوں نے اس پر
 اعتراض کیا کہ تین کی مالیت دو سے زیادہ ہے اور
 بحر الرائق میں جواب دیا کہ ثنائی سے وہ مراد ہے
 جس کے دو ایک روپے کے برابر ہوں، اور ثلاثی
 وہ جس میں تین ایک روپے کے برابر ہوں، میں
 کہتا ہوں اس کا حاصل یہ ہے کہ جب اس نے
 کوئی چیز ایک روپے کو خریدی تو چاہے ایک روپے
 پورا دے چاہے دو اٹھنیاں چاہے تین تھانیاں
 جبکہ سب مالیت اور رواج میں برابر ہوں۔ اسی
 طرح اشرفی ہمارے زمانے میں پوری اور دو نصف
 اور چار پاؤلی ہوتی ہے اور سب کی مالیت اور
 چلن یکساں ہیں، اور اسی سے معلوم ہو گیا قرشبوں
 کے عوض خریدنے کا حکم جو ہمارے زمانے میں

شائع کی ہے کہ قرش اصل میں ایک چاندی کا سکہ ہے جس کی قیمت چالیس قطعہ مصری ہوتی ہے جس کو مصر میں نصف کہتے ہیں پھر قسم قسم کے لئے سب کی قیمت قرشوں سے لگائی جاتی ہے تو ان میں کوئی دس قرش کا کوئی کم کا کوئی زیادہ کا، تو جب کوئی چیز سو قرش کو خریدی تو عادت یہ ہے کہ وہ جو چاہے دے خواہ قرش ہی دے یا اور سکتے جو مالیت میں اس کے برابر ہوں ریال یا گنی اور یہ کوئی نہیں سمجھتا ہے کہ خریداری خاص اس ٹکڑے پر واقع ہوتی ہے جس کا نام قرش ہے بلکہ قرش یا اور سگوں سے جو مالیت میں مختلف ہیں اور چلن میں یکساں ہیں اتنا کہ اس کی مالیت کے برابر ہو جائیں اور یہ اعتراض وارد نہ ہوگا کہ مالیت مختلف ہونا اور چلن میں یکساں ہونا یہی تو فساد عتد کی صورت ہے اس لئے کہ یہاں ثمن کی مالیت میں اختلاف نہ پڑا جب کہ اس کا اندازہ قرشوں سے کیا گیا، ہاں اختلاف جب ہوتا کہ ان سے اندازہ نہ کرتے جیسے کہ سوا شرفیوں کو خریدے اور وہاں اشرفیاں کئی قسم کی ہوں چلن میں سب ایک سی اور مالیت میں مختلف، اور جب قرشوں سے اندازہ کر لیا یہ ایسا ہو گیا گویا مالیت اور چلن سب برابر ہیں، اور اوپر گزر چکا کہ مشتری کو اختیار ہوگا کہ ان میں سے جو چاہے دے۔ بحر الرائق میں فرمایا اگر بائع ان میں سے ایک سگہ طلب کرے تو مشتری کو اختیار ہے کہ دوسرا دے اس لئے کہ جو

من الشراء بالقروش فان القرش في الاصل قطعة مضروبة من الفضة تقوم باسبعين قطعة من القطع المصرية المسماة في مصر نصفان ان انواع العملة المضروبة تقوم بالقروش فمنها ما يساوي عشرة قروش ومنها اقل ومنها اكثر فاذا اشترى بمائة قرش فالعادة انه يدفع ما اساد اما من القروش او ما يساويها من بقية انواع العملة من ريال او ذهب ولا يفهم احد ان الشراء وقع بنفس القطعة المسماة قرشاً بل هي او ما يساويها من انواع العملة متساوية في الرواج المختلفة في المالية ولا يرد ان صورة الاختلاف في المالية مع التساوي في الرواج هي صورة الفساد لانه هنالم يحصل اختلاف مالية الثمن حيث قدر بالقروش و انما يحصل الاختلاف اذا لم يقدر بها كما لو اشترى بمائة ذهب وكان الذهب انواعا كلها سائجة مع اختلاف ماليتهما فقد صار التقدير بالقروش في حكم ما اذا استوت في المالية والرواج وقد مر ان المشتري بخير في دفع ايها شاء قال في البحر فلو طلب البائع احدها للمشتري دفع غيره لان امتناع

البائع من قبول ما دفعه المشتري ولا فضل
تعنت له (مخلصاً) وهذا كله واضح جلي
واعى تسوية وعدم تفرقة اعظم
من ان يشتري المشتري بالقرش
ثم يخيرات يؤدى منها او
من الريال او من الذهب الكامل
او من التفاريق وان لم يقبل
البائع كان متعنتاً ومع هذا
لايتوهم عاقل ان القروش والريال
والجنيه والتفاريق كلها صارت جنسا
واحد الا يحل فيها التفاضل اوان
بعضها مغرق في بعض كانه هو
من دون فرق فالتفاضل ان لم
يكن ربا فبشبهه يلحق به ويحرم
مع نصهم قاطبة اجمعين ان عند
اختلاف الجنس يحل التفاضل بل
مع قول رسول الله صلى الله تعالى عليه
وسلم اذا اختلف النوعات فبيعوا
كيف شئتم ، وقد قدما تحقيق مسئلة
دينار بدرهم وان ليس ربا و
لاشبهه ربا بما لا مزيد عليه فاذا كان
هذا في القروش والريال

مشتري دے رہا ہے اس کے لینے سے بائع کا
انکار بے جا ہٹ ہے جبکہ مالیت میں تفاوت
نہیں انتہی۔ اور یہ سب ظاہر و روشن باتیں ہیں
اور اس سے بڑھ کر اور کیا برابر جاننا اور فرق نہ کرنا ہے
کہ مشتری خریدے تو قرشوں کو، پھر اسے اختیار
دیا جائے کہ چاہے قرش دے خواہ ریال چاہے
سونے کا پورا سکہ یا اس کی ریزگاری، اور بائع
نہ مانے تو بے جا ہٹ ٹھہرے، باایں ہمہ کوئی
یہ وہم نہیں کر سکتا کہ قرش اور ریال اور اشرفی اور
ریزگاری سب کے سب ایک جنس ہو گئے ان میں
سے ایک دوسرے کو بچیں تو کمی بیشی جائز نہ ہو یا
ان میں ایک دوسرے میں ایسا غرق ہے کہ گویا بعینہ
بلا فرق دونوں ایک ہیں تو کمی بیشی اگر سود نہ ہو تو
اس کی مشابہت کے سبب اس کے حکم میں ہو کہ
حرام ہو جائے حالانکہ تمام علماء بالاجماع تصریح
فرما رہے ہیں کہ اختلاف جنس کے وقت کمی بیشی
جائز ہے بلکہ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم کا ارشاد موجود ہے کہ جب نوعیں بدلیں تو جیسے
چاہو بیچو، اور ہم نے اس مسئلہ کی تحقیق کہ ایک
روپے کو ایک اشرفی میں بیچنے میں نہ سود ہے نہ
سود کا شبہہ، اور اس طرح بیان کی جس سے
بڑھ کر کوئی بیان نہیں تو جب یہ حکم قرشوں اور ریال

اور اشرفی اور ریزہ گاری میں ہوا حالانکہ وہ سب کے سب خلقتِ ثمن ہیں اور ان سب میں ربا کی دو علتوں میں سے ایک علت یعنی وزن موجود ہے تو روپیوں کے بدلے نوٹ پر تیرا کیا گمان ہے حالانکہ نوٹ تو صرف ثمن اصطلاحی ہے اور اس کی مالیت کا اندازہ بھی ایک اصطلاح ہے جس کی پابندی بائع و مشتری پر لازم نہیں اور اس میں ربا کی دو علتوں میں سے کوئی نہیں، نہ جنس نہ قدر تو یہاں ناجوازی کا حکم تین ہی شخصوں میں سے کوئی کر سکے گا جن پر سے قلم شرع اٹھایا گیا ہے، بچہ اور سوتا اور دیوانہ۔ ہم اللہ تعالیٰ سے معافی اور پناہ مانگتے ہیں، اس باب میں یہی تحقیق جواب ہے اور امید کرتا ہوں کہ دولہا کے بعد عطر نہیں ولیکن اے شخص! اگر تو کچھ نہ مانے سوا اپنی اسی بات کے کہ نوٹ روپیوں میں ایسا غرق ہے کہ گویا وہ روپے کا عین ہے تو اب میں تجھ سے پوچھتا ہوں کہ اس غرق ہونے اور فرق نہ ہونے کے سبب آیا نوٹ حقیقتاً چاندی کا روپیہ ہو یا حکماً بایں معنی کہ روپیوں سے نوٹ کی بیع میں شرع نے وہی حکم جاری فرمایا جو روپیوں سے روپیوں کی بیع میں ہے جیسا کہ تو نے کہا تھا کہ گویا وہ دس روپے ہیں کہ بارہ کو بیچے گئے یا حقیقتاً حکماً کسی طرح نہیں تیسری تفسیر پر یہ کیا بے منشا و معنی لفاظیاں ہیں اور پہلی دونوں صورتوں میں ربا خود تجھ پر پلٹے گا جب کہ تو دس کا نوٹ دس کو بیچے اس لئے کہ روپیوں سے روپے کی بیع میں شرع کا حکم یہ نہ تھا کہ مالیت میں

والجنیة والتفاریق معات کلها اثمان خلقیة وکلها تشملها احدی علی الرباء وهو الوزن فما ظنک بالنوط مع الربابی مع ان النوط لیس الا ثنا مصطلحا ولا تقدیر مالیة الا بالاصطلاح الغیر اللانہ علی العاقدین ولا یثملہ شیء من علة الربا لا الجنس ولا القدر فالحکم ہرہنا لا یتأتی الا من احد ثلثة رفع عنہم القلم صبی و نائم و مجنون ، نسأل اللہ العفو و العافیة ہو تحقیق الجواب فی ہذا الباب وارجو ان لا عطر بعد عروس و لکن یا ہذا ان ابیت الاما تیت من ان النوط مغرق فی الربابی کانہ ہی فانا اسئلك ابہذا الاعراف و عدم الافتراق صار النوط حقیقة دراہم فضة او حکما بات اجری الشرع فی مبادلته بالدراہم ما ہو حکم مبادلۃ الدراہم بالدراہم کما قلت کانہا عشر ربابی بیعت باثنی عشر اولاً و لا علی الثالث ما ہذا الشقا شق الفاسرغۃ عن منشاء و معنی و علی الاولین یعود الربا علیک انت اذا بیعت نوط عشرۃ بعشرۃ و ذلک لان حکم الدراہم بالدراہم لہو لکن فی الشرع التساوی فی

المالية لاجتماع الامة ان الجيد والردى
 ههنا سواء وانما كان الحكم التساوى فى
 القدر فيجب عليك ان تضع النوط فى
 كفة والفضة من تفرقت درهم
 او غيره فى الكفة الاخرى فلا تبعه الا بما ساواه
 وزنا ولا يكون ذلك الا قطعة صغيرة او
 قطعتين فان تردت عليه شيئا فقد اكلت
 الربا واحللت الربا وان نرعت ان المحكم
 السارى الى النوط من الربا لا جل
 هذا الاغراق وعدم الافتراق هو التساوى
 فى المالية فهذا جهل منك عظيم يساوى
 هنلا ويتساوى هنلا فان التسوية فى
 المالية لم يكن حكم الربا بنفسها
 فكيف يسرى منها الى شبهها ما ليس فيها
 علا ان النوط ان اتحد مع الربا
 حقيقة او حكما لا يتحد مع الذهب
 لامتناع الاتحاد بين نوعين متباينين
 فاذا ان بيع نوط عشرة باثنى عشر
 جنيها لا يلزم فيه مالزم ثمه لعدم
 الاتحاد فى الجنس حقيقة ولاحكاما
 فحينئذ يرجع مال فتواك الى ان
 من باع نوط عشرة باثنى عشر ربية فهذا
 حرام لانه حصل فضلا بلا عوض وان باعه
 باثنى عشر جنيها فهذا الا حرج عليه لانه
 لم يحصل فضلا يعتد به

برابر ہوں تمام امت کا اجماع ہے کہ یہاں کھرا کھوٹا
 برابر ہے بلکہ حکم تو یہی تھا کہ وزن میں برابری ہو تو
 تجھ پر واجب ہے کہ ایک پلہ میں نوٹ رکھے اور
 دوسرے پلہ میں روپے کی ریزگاری یا اور کوئی چاندی
 بس اتنے ہی کو اسے نیچے جتنی چاندی وزن میں
 نوٹ کے برابر ہو اور یہ دو انی یا چوٹی بھر سے زائد
 نہ ہوگی اور اگر اس پر کچھ زیادہ لے تو تو نے سود کھایا اور
 سود حلال کیا اور اگر تو یہ زعم کرے کہ اس غرق ہونے
 اور فرق نہ ہونے کے سبب روپوں سے جو حکم نوٹ کی
 طرف آیا وہ یہ ہے کہ مالیت میں برابر کر لو تو یہ تیرا
 بڑا بہل ہے جو مٹھٹھے بازی کے مثل ہے اور دبلے پن
 سے لچک لچک ہو رہا ہے کہ مالیت میں برابر کرنا
 خود روپیوں کا حکم نہ تھا تو روپیوں سے ان کے مشابہ
 نوٹ کی طرف وہ حکم کیونکر سرایت کرے گا جو خود ان
 میں نہیں، علاوہ بریں اگر نوٹ روپیوں کے ساتھ
 حقیقتاً یا حکماً متحد ہو بھی جائے تو سونے کے ساتھ متحد
 نہ ہوگا کہ دو قبایین نوعیں متحد نہیں ہو سکتیں تو اس
 تقدیر پر اگر دس روپے کا نوٹ بارہ اشرفی کو
 بیچا جائے تو وہ حرج لازم نہ آئے گا جو بارہ روپے
 سے بیچنے میں تھا کہ یہاں نہ جنس حقیقتاً ایک ہے
 نہ حکماً تو اب تیرے فتویٰ کا انجام یہ ٹھہرے گا کہ
 دس روپے کا نوٹ بارہ کو بیچنا تو حرام ہے اس لئے
 کہ اس نے بلا معاوضہ ایک زیادتی حاصل کی اور
 اگر بارہ اشرفی کو بیچے تو کوئی حرج نہیں اس لئے کہ
 اس نے کوئی ایسی زیادتی حاصل نہ کی جس کا اعتبار

کیا جائے تو سبحان اللہ اس فتویٰ کا کیا کہنا، کس قدر اس کی نظر دقیق ہے اور ربا کے حرام کرنے میں شرع شریف کا جو مقصد تھا یعنی لوگوں کے مال محفوظ رکھنا کس درجہ اس نے اس کی رعایت کی ہے ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلیٰ العظیم، خلاصہ یہ کہ اس منع کرنے والے کا کلام نہ کسی اصل کی طرف پلٹتا ہے نہ دلیل کی جانب، وہ تو ایک بات ہے کہ وہی اس کا قائل ہے اللہ نے اس پر کوئی دلیل نہ اتاری، سب خوبیاں خدا کو اور اسی پر بھروسہ ہے اور اسی سے مدد کی طلب۔

جواب سوال دو از دہم

فاقول (تو میں کہتا ہوں) ہاں جائز ہے جبکہ دونوں حقیقۃً بیع کا ارادہ کریں نہ کہ قرض کا اس لئے کہ بیچنا جائز اور کئی بیسی جائز اور مدت معین پر ادھار جائز، جیسا کہ ہم سب باتوں کی تحقیق بیان کر آئے اور قسط بندی بھی ایک قسم کی مدت ہی معین کرنا ہے ہاں اگر دس کا نوٹ قرض دیا اور شرط کر لی کہ قرض لینے والا بارہ روپے یا گیارہ یا مثلاً ایک دوانی اوپر دس، اب یا کچھ مدت بعد قسط بندی سے یا بلا قسط واپس دے تو یہ ضرور حرام اور سود ہے اس واسطے کہ وہ ایک قرض ہے جس سے نفع حاصل کیا اور بیشک ہمارے سردار رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو قرض کوئی نفع کھینچ کر لائے وہ سود ہے۔ یہ حدیث

فسیخن اللہ من ہذا الفتویٰ ما ادقہا نظرا واحقہا سرعایۃ لمقصد الشرع الشریف من تحريم الربا وهو صيانة اموال الناس ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلیٰ العظیم، وبالجملة کلام هذا المانع لا يرجع الى اصل شرعی ولا برہان وما هو الا کلمة هو قائلها ما انزل اللہ بہا من سلطن، والحمد للہ وعلیہ التکلیف و هو المستعان۔

واما الثاني عشر

فاقول نعم يجوز اذا قصد البيع حقيقة دون القرض وذلك لان البيع جائز والتفاضل جائز والتاجيل جائز كما حققنا كل ذلك وما التنجيم الا نوع من التاجيل نعم ان اقرض نوط عشرة وشروط ان يرد المستقرض اثنتي عشرة ربية او احدى عشرة او عشرة وقطعة مثلا حالا او مالا منجا او غير منجم فهذا حرام و ربا قطعاً لانه قرض جر نفعاً وقد قال سيدنا رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم كل قرض جر منفعة فهو ربا، رواة

حارث بن ابی اسامہ نے امیر المؤمنین علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے روایت کی بخلاف اس کے جبکہ قرض دیا اور کچھ زیادہ لینا شرط نہ کیا اور نہ ان کے اگلے عمل درآمد سے زیادہ لینا معروف تھا (کیونکہ جو معروف ہے وہ تو مثل شرط کے ہے) پھر قرض لینے والے نے قرض ادا کیا اور اپنی طرف سے احساناً کچھ ایسا زیادہ دیا جو الگ ممتاز ہو (یہ اس لئے کہ قابل تقسیم شے میں ہبہ مشاع نہ ہو جائے) تو یہ جائز ہے اس میں کچھ حرج نہیں بلکہ اس قبیل سے ہے کہ احسان کا بدلہ کیا ہے سو احسان کے۔ اور بیشک حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو ایک پاجامہ فریدا (اور وہاں قیمت تول کر دی جاتی تھی) تولنے والے سے فرمایا کہ تول اور زیادہ دے، یونہی اگر نوٹ قرض دیا تھا اور قرض خواہ نے اس سے تقاضا کیا اس کے پاس ویسا نوٹ نہ تھا یا اس نے نوٹ دینا نہ چاہا عوض میں روپے دینے چاہے دس کے نوٹ کے بدلے بارہ روپے پر صلح ہوئی اور اسی جلسے میں روپے ادا کر دئے (تاکہ عاقدین یوں جدا نہ ہوں کہ دونوں طرف دین ہو) تو یہ بھی جائز ہے پھر اگر وہ نوٹ جو اس نے لیا تھا اس کے پاس نہ رہا جب تو بالاتفاق جائز ہے اور اگر نوٹ اس کے پاس موجود ہے مگر خاص اس

الحارث بن ابی اسامة عن امیر المؤمنین علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ بخلاف ما اذا اقرض ولم یشتط شیئا من الزیادة ولا كانت معهودة من تعاملهما لان المعروف کالمشروط ثم ان المستقرض اوفاه و نراد من عند نفسه تکرما من زیادة ممتازة منحازة کیلا تكون هبة مشاع فیما یقسم فهذا اجاز لا یأس به بل هو من باب "هل جزاء الاحسان الا الاحسان" وقد قال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم للوزان فی ثمن سراویل اشتراها نمان وارحج^۲ وکذا اذا تقاضاه المقرض فلم یکن عنده النوط اولم یرد ردة فوق الصلح علی اثنتی عشرة ربیة عوضا عن النوط الذی فی ذمته وقبضت الدراهم فی المجلس کیلا یكون افتراقا عن دیت بدین فهذا ایضا جائز بالاتفاق ان كانت النوط الذی استقرضه مستهنکا وعند الطرفين مطلقا

۱۰/۵۵ لہ القرآن الکریم

۲ سنن النسائی

جامع الترمذی

کتاب البیوع

ابواب البیوع

المکتبة السلفية لاہور

ایمن کپنی دہلی

۲۱۶/۲

۱۵۶/۱

نوٹ کو روپیوں سے نہ خریدیں بلکہ ذمہ پر جو قرض تھا اسے
 خریدنا تو امام اعظم اور امام محمد کے نزدیک جائز ہے۔
 ہاں اگر وہی نوٹ کہ قرض لیا تھا موجود ہے اور بعینہ
 اسی کو بارہ روپے یا دس یا جتنے سے چاہے خریدے
 تو یہ طرفین کے نزدیک باطل ہے اور امام ابو یوسف
 رضی اللہ تعالیٰ عنہم اسے جائز کہتے ہیں، باطل
 ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جب اس نے یہ نوٹ قرض لیا
 تو قرض لینے ہی اس کا مالک ہو گیا تو خود اپنی ملک
 چیز کو دوسرے سے کیونکر خریدے گا، وجہ کروری میں
 ہے جب اس کا کسی پر غلہ یا پیسے آتے ہوں بیرون
 نے وہ دین اس سے روپیوں کو خرید لیا اور روپیوں
 پر قبضہ ہونے سے پہلے دونوں جدا ہو گئے تو یہ بیع
 باطل ہو گئی اور یہ ان مسائل میں سے ہے جن کا
 یاد رکھنا لازم ہے انتہی، اور ردالمحتار میں ذخیرہ سے
 ہے قرض دینے والے کا جو غلہ اس پر آتا تھا وہ
 اس نے اس سے سوا شرفی کو خرید لیا جائز ہے
 کہ یہ دین اس پر نہ عقد صرف سے تھا نہ عقد سلم
 سے، پھر اگر وہ غلہ خریداری کے وقت خرچ ہو چکا
 تھا جب تو سب کے نزدیک جواز ہے اس لئے
 کہ وہ خرچ کر دینے سے بالاتفاق اس کا مالک
 ہو گیا اور اس کے ذمہ پر اتنا غلہ واجب رہا اور
 اگر غلہ موجود ہے تو امام اعظم و امام محمد کے نزدیک
 اب بھی جائز ہے اور امام ابو یوسف کے قول پر
 چاہئے کہ جائز نہ ہو اس لئے کہ ان کے نزدیک

وان كانت باقيا عنده اذا لم يورد
 العقد عليه، نعم ان كانت موجودا
 واشتراه بعينه باثني عشر او بعشرة
 او بما شاء فهذا باطل لا يجوز عندهما
 خلافا لابي يوسف رضي الله تعالى
 عنهم لانه قد ملكه بالاستقراض
 فكيف يشتري ملك نفسه من غيره
 في وجيز الكورى اذا كانت له على
 اخر طعام و فلو س فاشتراه من
 عليه بدراهم وتفرقا قبل قبض
 الدراهم بطل وهذا
 مما يحفظاه وفي رد المحتار
 عن الذخيرة اشترى من
 المقرض الكراذى له
 عليه بمائة دينار جاز لانه
 دين عليه لا بعقد صرف و
 لا سلم فان كانت مستهلكا
 وقت الشراء فالجواز قول الكل
 لانه ملكه بالاستهلاك وعليه
 مثله في ذمته بلا خلاف
 وان كانت قائما فكذلك
 عندهما وعلى قول ابي يوسف
 ينبغى ان لا يجوز لانه لا يملكه
 ما لم يستهلكه فلم يجب مثله

۱۵ فتاویٰ بزاز علی ہاشم فتاویٰ ہندیہ کتاب الصرف نورانی کتب خانہ پشاور ۶/۵

فی ذمته فاذا اضاف الشراء الى
الكرالذی فی ذمته فقد اضافه
الی معدوم فلا يجوز اھ^۱ وفيه عنها
استقرض من رجل كرا وقبضه ثم
اشترى ذلك الكر بعينه من المقرض
لا يجوز علی قولہما لانه ملكه بنفس
القبض فیصير مشتريا ملك نفسه اما
علی قول ابی یوسف فالكر باق علی
ملك المقرض فیصير المستقرض
مشتريا ملك غیره فیصح اھ^۲
اما الاحتیال لدفع الربا فقد
اسمعناك فیہ ما یكفی ویشفی
وقد تقدم قول ابی یوسف
رحمہ اللہ تعالیٰ ان العینة
جائزة ماجور من عمل بها
قال واجرة لسان الفراس
من الحرام اھ^۳ و تقدم
قوله ان الصحابة فعلوا
ذلك وحمدوا و تقدم
قول الخانية ان مثل هذا

جب تک خرچ نہ کر لے اس کا مالک نہ ہوگا تو اس
غلہ کا مثل اس کے ذمہ پر واجب نہیں اب جو یہ
کہا کہ وہ غلہ جو میرے ذمہ ہے میں نے خریدا تو معدوم
چیز خریدی لہذا ناجائز ہو انتہی، نیز ردالمحتار میں
ذخیرہ سے ہے کسی سے ایک پیمانہ غلہ قرض لے کر
قبضہ کر لیا پھر بعینہ وہی غلہ قرض دینے والے سے
خرید امام اعظم اور امام محمد کے قول پر جائز نہیں کہ
وہ تو قبضہ کرتے ہی اس غلہ کا خود مالک ہو گیا تو
اب اپنی ملک دوسرے سے کیسے خرید سکتا ہے،
ہاں امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر وہ
غلہ ابھی قرض دینے والے کی ملک پر باقی ہے تو
یوں ہوگا کہ پرائی ملک اس سے خریدی تو صحیح
ہوگی انتہی، ربا دفع ربا کے لئے حیلہ کرنا اس میں ہم
تجھے وہ کچھ سنا چکے جو کافی و شافی ہے، اور امام
ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گزر چکا کہ عینہ
جائز ہے اور اس کا کرنے والا ثواب پائے گا
فرمایا اس میں ثواب اس وجہ سے ہے کہ حرام سے
بھاگنا ہے انتہی، اور ان کا یہ ارشاد بھی گزرا کہ صحابہ
کرام نے اسے کیا اور اس کی تعریف فرمائی۔
اور فتاویٰ قاضی خان کا قول گزرا کہ اس کا مثل

۱۷۳/۴	دار احیاء التراث العربی بیروت	فصل فی القرض	کتاب البیوع	ردالمحتار
۱۷۳/۴	"	"	"	"
۲۰۷/۲	نو لکشر بکھنو	باب فی بیع مال الربو	"	فتاویٰ قاضی خان
۳۲۲/۶	مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر	کتاب الکفالة	"	فتح القدير

مروی عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم انه امر بذلك ثم بعد رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم واصحابه وفي البحر عن القنية لاباس بالبيع التي يفعلها الناس للتحرز عن الربا ثم رقم اخره مكرهة ذكر البقالي الكراهة من محمد وعندهما لاباس به قال الزرنجری خلاف محمد في العقد بعد القرض اما اذا باع ثم دفع الدراهم لاباس بالاتفاق اه وكذلك حكى الاجماع الامام خواهرزاده رحمه الله تعالى اذا لم يكن البيع مشروطا في القرض فاذا ثبت عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم تعليمه وصحة عن الصحابة فعله وتمديحه واجمع اثمتنا على جوارحه فاي محل بقى للاس تياب والله الهادي الصواب اقول ثم هذا ايضا في اجتماع البيع والقرض بان يقرضه دراهم ويبيعه شيئا يسيرا

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی ہوا کہ حضور نے اس کا حکم دیا انتہی، تو اب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے بعد اور کون ہے، اور بکر الراتی میں قنیہ سے ہے کہ وہ بیعین جو لوگ ربا سے بچنے کے لئے کرتے ہیں ان میں کچھ حرج نہیں پھر ایک اور عالم کے نام کی رمز لکھی کہ انہوں نے کہا مکروہ ہے، امام بقالی نے ان کی کراہت امام محمد سے روایت کی اور امام اعظم اور امام ابو یوسف کے نزدیک ان میں کچھ حرج نہیں، امام شمس الامجد زرنجری نے فرمایا امام محمد کا خلاف اس صورت میں ہے جبکہ قرض دے کر پھر ایسی بیع کرے اور اگر بیع کر دی پھر روپے دیے تو بالاتفاق کچھ حرج نہیں انتہی، اور اسی طرح امام شیخ الاسلام خواہر زادہ نے اس کے جواز پر اتفاق نقل فرمایا جبکہ قرض میں بیع کی شرط نہ لگالی ہو، تو جب کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس کی تعلیم ثابت اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اس کا کرنا اور اس کی تعریف ثابت اور ہمارے اماموں کا اس کے جواز پر اجماع قائم تو اب شک کی کون سی جگہ باقی رہی اور اللہ ہی ٹھیک راستہ دکھانے والا ہے اقول (میں کہتا ہوں) پھر یہ بھی اس صورت میں ہے کہ بیع اور قرض جمع ہوں یوں کہ اسے کچھ روپے قرض دے اور

بشمن کثیر فی قبلہ لحاجة القرض فف
 هذا ان تقدم القرض قبل كره
 البيع لانه قرض جرنفعا وان تقدم
 البيع لم يكن به باس اتفاقا لانه بيع
 جرقرضا كما افاده الامام شمس الائمة
 الحلواني وبه افق كافي
 رد المحتار اما ما نحن فيه
 من مسألة النوط فبيع خالص
 لا قرض فيه اصلا لا ببدأ
 ولا عودا فذا اولى واحرى ان
 يحل بالاتفاق من دون
 نزاع ولا شقاق وان شئت
 الزيادة في امر الحيل فهذا ربنا تبارك
 وتعالى قائل لا عبدة ايو ب عليه
 الصلوة والسلام "خذ بيدك ضغثا
 فاضرب به ولا تحنث" وهذا
 سيدنا رسول الله صلى الله تعالى
 عليه وسلم قد علم المخلص من
 الربا وطريق الوصول الى المرام
 مع التحرز عن الحرام روى الشيخان
 عن ابي سعيد الخدري رضی اللہ
 تعالیٰ عنہ قال جاء بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ الى
 النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بتمر برفی

تھوڑی سی چیز زیادہ قیمت کو اس کے ہاتھ نیچے تو
 حاجت قرض کے سبب اسے قبول کرے گا تو
 اس صورت میں اگر قرض پہلے ہے تو بعض نے بیع کو
 مکروہ کہا اس لئے کہ یہ وہ قرض ہوا جس نے ایک
 منفعت کھینچی اور اگر بیع پہلے ہو چکی تھی تو بالاتفاق
 اس میں کوئی حرج نہیں اس لئے کہ وہ ایک بیع
 ہے جو قرض کا نفع لاتی جیسا کہ امام شمس الائمہ حلوانی
 نے افادہ فرمایا اور اسی پر فتویٰ دیا جیسا کہ رد المحتار
 میں ہے اور وہ مسئلہ جس میں ہم بحث کر رہے ہیں
 یعنی نوٹ یہ تو خالص بیع ہے اس میں قرض
 اصلا نہیں، نہ ابتدا میں نہ بعد کو، تو اس کا بالاتفاق
 بلا خلاف و بلا نزاع جائز ہونا زیادہ لائق و مناسب
 ہے اور اگر تو مسئلہ حیلہ میں زیادت چاہے تو
 یہ ہے ہمارا رب، وجل تبارک وتعالیٰ اپنے بند
 ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرماتا ہوا اپنے
 ہاتھ میں ایک جھاڑو لے لے اس سے مار اور
 قسم نہ توڑ اور یہ ہیں ہمارے سردار رسول اللہ صلی اللہ
 تعالیٰ علیہ وسلم کہ انھوں نے ربا سے بچنے کا حیلہ
 اور ایسا طریقہ کہ مقصود کہ حاصل ہو جائے
 اور حرام سے محافظت رہے تعلیم فرمایا اسے بخاری
 وسلم نے ابو سعید خدري رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے
 روایت کیا کہ انھوں نے فرمایا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ
 نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس غنم برفی

فقال له صلى الله تعالى عليه وسلم من
 اين هذا ، قال بلال كات عندنا
 تمر سدئ فبعت منه صاعين بصاع
 فقال رسول الله صلى الله تعالى عليه
 وسلم اؤة عين الربا عين الربا لا تفعل و
 لكن اذا اردت ان تشتري فبع
 التمر ببيع آخر ثم اشتر به و
 وايضا لهما عنه وعن ابى هريرة رضى الله
 تعالى عنهما ان رسول الله صلى الله
 تعالى عليه وسلم استعمل من جلا
 على خيبر فجاءه بتمر جنيب
 فقال له رسول الله صلى الله تعالى عليه
 وسلم اكل تمر خيبر هكذا قال
 لا والله يا رسول انا لناخذ الصاع من
 هذا بالصاعين والصاعين بالثلث
 فقال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم
 لا تفعل بع الجمع بالدرهم
 ثم ابع بالدرهم جنيبا قول اما
 كراهة من كرهه كمحمد فانما كات
 كما تقدم عن الفتح والايضاح

لائے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا
 کہ یہ تم نے کہاں سے لئے ، بلال رضی اللہ تعالیٰ
 عنہ نے عرض کی ہمارے پاس خراب چھو ہارے تھے
 ہم نے اس کے دو صاع کے بدلے ان کا ایک صاع
 خریدا ، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ان خاص
 ربا ہے خاص ربا ہے ایسا نہ کر۔ مگر جب ان کو خریدنا
 چاہو تو اپنے چھو ہاروں کو کسی اور چیز سے بیچ کر اس
 شے کے بدلے ان کو خریدو نیز بخاری و مسلم نے ابو سعید
 خدری اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما دونوں سے روایت
 کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک صاع
 کو خیبر پر عامل صوبہ کر کے بھیجا وہ خدمت اقدس میں
 خرمائے جنیب لے کر حاضر ہوئے حضور اقدس صلی اللہ
 تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا خیبر کے سب چھو ہارے ایسے
 ہی ہیں عرض کی نہیں خدا کی قسم یا رسول اللہ! ہم اس
 میں کا ایک صاع دو صاع کو دو صاع تین صاع کو
 لیتے ہیں۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا
 ایسا نہ کرو اپنے چھو ہارے روپیوں سے بیچ کر
 روپیوں سے یہ چھو ہارے خرید لو۔ اقول (میں کہتا
 ہوں) وہ جس نے اس میں کراہت سمجھی جیسے امام محمد
 ان کا سمجھنا تو صرف اس بنا پر تھا جیسا کہ فتح القدير

۳۱۱/۱	قدیمی کتب خانہ کراچی	باب اذا باع الوكيل شيئا فاسدا الخ	صحیح البخاری کتاب الوكالة
۲۶/۲	"	باب الربا	صحیح مسلم کتاب المساقات
۲۹۳/۱	"	باب اذا راد بيع تمر بتمر خیر منه	صحیح البخاری کتاب البيوع
۲۶/۲	"	باب الربا	صحیح مسلم کتاب المساقات

والمحيط كُنْ لا يَأْلِفُهُ النَّاسُ
 فَيَقْعُوا فِي الْمَحْظُورِ وَفِي زَمَانِنَا قَدْ
 انْعَكَسَتْ الْأُمُورُ وَفَشَا الرِّبَا فِي أَهْلِ
 الْهِنْدِ جَهَارًا لَا يَسْتَحْيُونَ مِنْهُ كَانَهُمْ
 لَا يَعْدُونَهِ عَيْبًا وَلَا عَارًا فَمَنْ نَزَلَهُمْ
 عِتْ هَذَا الْبَلَاءُ الْعَظِيمُ وَالْكَبِيرَةُ
 الشَّدِيدَةُ إِلَى بَعْضِ هَذِهِ الْحِيلِ
 الْجَائِزَةِ كَبَيْعِ نَوَاطِعِ عَشْرَةِ بَاشْتَقِي
 عَشْرَةَ مَنْجَمًا وَغَيْرِ ذَلِكَ هَذَا تَقَدَّمَ
 عَنِ الْإِمَامِ فَقِيهِ النَّفْسِ فَلَا شَكَّ أَنَّهُ
 نَاصِحٌ لِلْمُسْلِمِينَ وَمَا الدِّينَ إِلَّا النَّصِيحَ لِكُلِّ مُسْلِمٍ
 وَهُمْ أَنْ جَاهِرُوا بِالْمَعَاصِي فَالْإِسْلَامُ بَاقٍ بَعْدَ
 وَلِلَّهِ الْحَمْدُ، فَاذْأَسْمَعُوا مَا يَصِلُونَ بِهِ الْمُرَامَ
 مَعَ النَّجَاةِ عَنِ الْحَرَامِ فَمَا لَهُمْ أَنْ لَا يَتَوَبُّوا
 فَانَّهُمْ غَيْرُ مُعَانِدِينَ لِلشَّرْعِ وَالْإِسْلَامِ وَ
 قَدْ قَالَ مَشَايِخُ بَلْخِ مِنْهُمْ مُحَمَّدُ بْنُ سَلْمَةَ
 لِلتَّجَارِ أَنْ الْعَيْنَةَ الَّتِي جَاءَتْ فِي الْحَدِيثِ
 خَيْرٌ مِنْ بَيَاعَاتِكُمْ قَالَ الْمُحَقِّقُ حَيْثُ أَطْلَقَ
 وَهُوَ صَحِيحٌ فَلَا شَكَّ أَنَّ الْبَيْعَ الْفَاسِدَ بِحُكْمِ
 الْغَضَبِ الْمَحْرُومِ فَإِنَّهُ هُوَ مِنْ بَيْعِ
 الْعَيْنَةِ الصَّحِيحِ الْمَخْتَلَفِ فِي كِرَاهَتِهِ إِنْ مَا
 نَزَعُ الزَّاعِمُ أَنَّهُ لَمْ يَنْهَ عَنْهُ فَمَا
 الْفَرْقُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الرِّبَا مَعَ حُصُولِ الْفَضْلِ

الایضاح و محیط سے گزرا کہ لوگ اس کے خوگر ہو کر
 ناجائز بات میں نہ پڑیں اور ہمارے زمانے میں
 معاملہ الٹا ہو گیا اور ہندوستان میں سودِ علانیہ
 شائع ہو گیا کہ اُس سے شرماتے نہیں گویا وہ اُن
 کے نزدیک نہ کوئی عیب ہے نہ عار، تو جو ان کو
 اس عظیم بلا اور سخت کبیرہ سے ان جائز حیلوں میں کسی
 کی طرف اتار لائے جیسے دس کانوٹ قسط بندی کر کے
 بارہ کو بیچنا اور اس کے سوا اور حیلے جو امام فقہانہ
 قاضی خاں سے گزرے تو کچھ شبہ نہیں کہ وہ مسلمانوں
 کا خیر خواہ ہے اور دین نام نہیں مگر ہر مسلمان کی
 خیر خواہی کا، اور لوگ اگرچہ گناہ علانیہ کر رہے
 ہیں مگر اسلام ابھی باقی ہے وللہ الحمد، تو
 جب وہ ایسی بات سنیں جس سے اپنی مراد پائیں
 اور حرام سے بچیں تو کیا وجہ ہے کہ توبہ نہ کریں کہ ان کو
 شریعت اور اسلام سے کچھ عداوت تو نہیں اور بیشک
 مشایخِ بلخ مثل امام محمد بن سلمہ وغیرہ نے تاجروں سے
 فرمایا وہ عینہ جس کا ذکر حدیث میں ہے تمہاری ان
 بیعوں سے بہتر ہے محقق علی الاطلاق نے فرمایا
 یہ ٹھیک بات ہے اس لئے کہ بلا شبہ بیع فاسد
 غضب حرام کے حکم میں ہے تو کہاں وہ اور کہاں
 بیع عینہ کہ صحیح ہے اور اس کی کراہت میں بھی اختلاف
 انتہی، رہا زعم کرنے والے کا یہ زعم کہ اگر یہ منع نہ ہو
 تو اس میں اور ربا میں کیا فرق ہے حالانکہ زیادتی

فيهما اقول هذا اعتراض اوساده
المشركون وقد تكفل الجواب عنه
سبنا تبارك وتعالى في القرأت العظيم
قالوا انما البيع مثل الربو واحل الله
البيع وحرمة الربو، الم ير المعترض
انا انما احلنا الربح في بيع جنسين
متخالفين فان حرمة هذا لانسد
باب البياعات ولا حول ولا قوة الا بالله
العلي العظيم انتهى الجواب بتوفيق
الوهاب والحمد لله اولاً و آخراً و باطناً و
ظاهراً و سميته كفل الفقيه الفاهم
في احكام قرطاس الدرهم^{۱۳۲۴} ليكون
العلم علماً على عام التأليف وقد ابتدا فيه
العبد الضعيف يوم السبت ثم عاودته
الحجى يوم الاحد فانهيته ضحى يوم الاثنين
لسبع بقين من المحرم الحرام سنة^{۱۳۲۴} وذلك
في بلد الله الحرام باقتراح الفاضل
الصفى الوفى امام المقام الحنفى
مولانا الشيخ عبد الله بن شيخ الخطباء
وسيد الائمة العظماء العالم العامل
الفاضل الكامل الزاهد الوسع
التقى النقى مجمع الفضائل ومنبع الفواضل
حضرة الشيخ احمد ابى الخير حفظها الله تعالى عن

دونوں میں حاصل ہوئی اقول (میں کہتا ہوں)
یہ وہ اعتراض ہے کہ کفار نے کیا تھا اور خود رب العزہ
تبارک وتعالیٰ نے قرآن عظیم میں اس کا جواب
دیا، کافر بولے بیع بھی تو ایسے ہی ہے جیسے رباؤ
ہے یہ کہ اللہ نے حلال کی بیع اور حرام کیا سود، کیا
معرض نے یہ نہ دیکھا کہ ہم نے نفع وہیں حلال کیا جہاں
دو جنسوں کی بیع ہو تو اگر یہ حرام ہو تو خرید و فروخت کا
دروازہ ہی بند ہو جائے ولا حول ولا قوة الا بالله العلی
العظیم، وہاں جل جلالہ کی توفیق سے جواب تمام ہوا
اور اللہ ہی کے لئے حمد ہے آگے اور پیچھے اور نہاں و
عیان، اور میں نے اس کا نام کفل الفقیہ الفاہم
فی احکام قرطاس الدرہم رکھا تاکہ نام سال
تصنیف کی علامت ہو اور بندہ ضعیف نے شبہ
کے دن لکھنا شروع کیا تھا پھر اتوار کے دن بخار
عود کر آیا تو پیر کے دن پہروں چڑھے میں نے اسے
تمام کیا، محرم شریف کی تیسری تاریخ ۱۳۲۴ھ او
یہ تصنیف اللہ کے حرمت والے شہر (مکہ معظمہ) میں
ہوئی ان کی خواہش سے جو فاضل کامل پاکیزہ مصلحت
حنفی کے امام ہیں مولانا شیخ عبداللہ ان کے صاحبزادہ
جو خطیبوں کے شیخ اور عظمت والے اماموں کے
سردار ہیں یعنی عالم باعمل، فاضل کامل، زاہد، متورع،
متقی، پاکیزہ، مجمع فضائل و منبع فواضل حضرت شیخ
احمد ابی الخیر اللہ تعالیٰ ہر ضرر سے ان دونوں کا نگہبان ہو

کل ضیرو سرزقہما من کل خیر وغفرلنا
ذنوبنا وستر عیوبنا و خفف اثقالنا و
و حقق اماننا و رزقنا العود بعد
العود الیٰ ہذا البیت الکریم و بیت
الحبیب الرؤف الرحیم علیہ و علیٰ آلہ
افضل الصلوٰۃ و التسلیم بقبولہ و رضاہ
حتیٰ یجعل اٰخذک موتنا علی الایمان
فی المدینۃ المنورۃ و الدفن بالبقیع و الفوز
بشفاعۃ الشفیع الرفیع صلی اللہ تعالیٰ
علیہ و علیٰ آلہ و صحبہ و باریک و کرم امین
والحمد للہ رب العالمین۔

اور ہر بھلائی سے ان کو حصہ دے اور ہمارے گناہ
بخشتے اور ہمارے عیب چھپائے اور ہمارے بوجھ
ہلکے کرے اور ہماری آرزوئیں پوری کرے اور ہمیں
بار بار اس عزت والے گھر اور مزار نبی رؤف رحیم
علیہ و علیٰ آلہ افضل الصلوٰۃ و التسلیم کی طرف
اپنے قبول و رضا کے ساتھ عود کرنا نصیب فرمائے
یہاں تک کہ آخر میں ہمیں ایمان کے ساتھ مدینہ منورہ
میں مرنا اور بقیع میں دفن ہونا اور رفعت والے
شفیع کی شفاعت پانا نصیب کرے، اللہ تعالیٰ
ان پر درود و سلام بھیجے اور ان کی آل و اصحاب
پر اور اپنی برکت و تکریم ان پر اتارے، آمین، والحمد للہ
رب العالمین۔

کتبہ عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی
عفی عنہ بحمد المصطفیٰ النبی الامی
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کتبہ عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی
عفی عنہ بحمد المطفی النبی الامی
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

فتویٰ حامی سنتِ حاجی بدعت جناب مولانا مولوی شاہ محمد ارشاد حسین رامپوری
مسئلہ ۲۱۸ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نوٹ جو آج کل رائج ہے
ان کا خرید و فروخت زیادہ و کم پر جائز ہے یا نہیں؟ بتیو اور توجروا۔

الجواب هو الملہم للصواب

خرید و فروخت نوٹ مذکور کی زیادہ یا کم پر جائز ہے اس واسطے کہ حکام نے اس کو مال قرار دیا ہے
اور جو شئی کہ اصطلاح قوم میں مال قرار دی جائے خواہ فی اصلہ اس میں ثمنیت اور مالیت ثابت
نہ ہو لیکن فقط قوم کے قرار دینے سے ثمنیت اور مالیت اس میں ثابت ہو جاتی ہے اور کم اور بیش پر اس کی

خرید و فروخت جائز ہے۔

قال في الهداية ويجوز بيع الفلس
بالفلسين باعيا نهما عند ابي حنيفة
واجب يوسف وقال محمد لا يجوز
لان التمنية تثبت باصطلاح الكل
فلا تبطل باصطلاحهما واذا بقيت
اثمانا لاتعين فصاركما اذا
كانا بغير اعيانهما وكبيع
الدرهم بالدرهمين ولهما ان
التمنية في حقهما تثبت باصطلاحهما
اذ لا ولاية للغير عليهما فتبطل باصطلاحهما
واذا بطلت التمنية تتعين بالتعين اهـ۔

ہدایہ میں فرمایا اور ایک پیسہ کی دو معین پیسوں سے
امام اعظم ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ کے
نزدیک بیع جائز ہے اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے
فرمایا جائز نہیں اس لئے کہ ان کی ثمنیت تمام لوگوں
کی اصطلاح سے ثابت ہوئی تو ان دو بیع کرنے والوں
کی اصطلاح سے باطل نہ ہوگی اور جب یہ ثمنیت
پر باقی ہیں تو متعین نہ ہو سکیں گے تو ایسے ہوئے جیسے
غیر معین چیز ہو، اور ایک درہم کی بیع دو درہموں کے
بدلے ہو اور امام اعظم اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ
کی دلیل یہ ہے کہ دونوں کی ثمنیت ان خرید و فروخت
کرنے والوں کی اصطلاح سے ہوگی کیونکہ غیر کو ان پر
ولایت نہیں تو ان کی اصطلاح سے باطل ہو جائے گی تو جب ثمنیت جاتی رہی تو اب متعین کرنے سے متعین ہو جائیں گے (ت)
پس جبکہ نوٹ مذکور میں کہ کاغذ ہے مالیت ثابت ہوئی تو اس کا بھی خرید و فروخت ساتھ کمی اور بیشی
کے جائز ہے۔

في رد المحتار في باب العينة حتى لو باع كاغذة
بالف يجرى ولا يكره انتهى۔

رد المحتار کے باب العینہ میں ہے کہ، حتی اگر کاغذ کو
ہزار روپے سے فروخت کرے جائز ہے اور کراہت
نہیں ہے، انتہی۔ (ت)

والله اعلم وعلمه اتم، العبد المجيب محمد رياست علي
عفي عنه

محمد رياست علي خاں

الجواب صواب

محمد حسن

الجواب صحيح

كاتبه

حامد حسين عفي عنه

الجواب صحيح

محمد اعجاز حسين

الجواب صواب

احمدى

محمد ارشاد حسين

۸۳ / ۳

۲۷۹ / ۴

مطبع يوسفى لکھنؤ

دار احیاء التراث العربی بیروت

کتاب البيوع باب الربو

کتاب الکفالة

لے الهدایہ

کے رد المحتار

حکم کرنا مجیب کا نسبت صحت بیع مذکور کے صحیح اور درست ہے۔

العبد محمد عنایت اللہ عفی عنہ
الجواب ہو الجواب

محمد نظر علی

البتہ بیع و شراء مذکور جائز ہے فقط
العبد محمد عبدالقادر عفی عنہ

بلاشبہ اصطلاح میں قرار دیا جاتا ہے اور
بیع و شراء مذکور جائز ہے فقط
العبد ابوالقاسم محمد فرمل عفی عنہ

الجواب صواب

محمد عبدالجلیل بن محمد عبدالحق خان

۲۹
 كَابِرُ السَّقِيَّةِ الْوَاهِمُ فِي اِبْدَالِ قِرطَاسِ الدَّرَاهِمِ
 ۱۳
 (کاغذی نوٹ کے بدلنے سے متعلق بیوقوف وہمی کو شکست دینے والا)

کا ترجمہ ملقب بلقب تاریخی

۲۹
 الذَّيْلُ الْمَنُوطُ لِرِسَالَةِ النُّوْطِ
 ۱۳

(رسالہ نوٹ کا معلق دامن)

مسئلہ ۲۱۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّيْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِیْمِ

الحمد لله رسالہ مبارکہ کفّل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم^{۱۳} فی نوٹ کے متعلق جملہ مسائل ایسے بیان نفیس سے روشن کئے کہ اصلاً کسی مسئلہ میں کوئی حالت منظرہ باقی نہ رہی۔ یہ یہ رسالہ مکہ معظمہ میں وہیں کے دو علمائے کرام کے استغفار پر نہایت قلیل مدت میں تصنیف ہوا اس وقت تک رقم سے کم زیادہ کو نوٹ بیچنے کے بارے میں مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی کا خلاف معلوم تھا ان کا قوی اگرچہ وہاں موجود نہ تھا مگر اس کا مضمون ذہن میں تھا بفضلہ تعالیٰ گیا رحوں مسئلہ میں اس کا وافی سانی

رد گزرا کہ مصنف کو کافی اور اوہام کا کافی ہے واللہ الحمد۔ یہ معلوم بھی نہ تھا کہ دیوبندیوں کے مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی آنجنابی نوٹ کو تمسک ٹھہرا کہ سرے سے مال سے خارج اور کم و بیش درکنار برابر کو بھی اُس کی خرید و فروخت ناجائز کر چکے ہیں تاہم بالہام الہی شروع کتاب میں اس پر بقدر کفایت بحث ہوئی جس نے حتیٰ کے چہرے سے نقاب اٹھائی اور سفاہت سفاہت گھرتک پہنچائی واللہ۔ حاجت نہ تھی کہ اب اُس وہم یا اُس سفاہت کی طرف مستقل توجہ ہو لیکن نفع برادرانِ دینی کے لئے مناسب معلوم ہوا کہ ان دونوں تحریروں کو ذکر کروں اور ان کے فقرے فقرے کا جہاں جہاں اس کتاب میں رد مذکور ہوا ہے اس کا پتہ بتا دوں اور باقتضائے توجہ مستقل جو بعض مباحث تازہ خیال میں آئیں اضافہ کروں اور اس کا تاریخی نام کاسر السفیہ الواہم فی ابدال قرطاس الدرہم رکھوں۔ سفاہت سے اشارہ تحریر جناب گنگوہی صاحب کی طرف ہے، اور وہم سے فتوئے مولوی لکھنوی صاحب کی طرف۔ اول کے لحاظ سے لفظ ابدال بکسر ہمزہ مصدر پڑھنا چاہئے کہ ان کو نفس مبادلہ و بیع نوٹ میں عروض سفاہت ہے اور دوم کے اعتبار سے اعتبار سے بفتح ہمزہ صیغہ جمع کہ یہ نوٹ کا صرف ایک بدل یعنی جو رقم کے برابر ہو جائے رکھتے ہیں اور دربارہ کم و بیش وہم ممانعت ہے ہذا واللہ التوفیق۔

ردِ سفاہت

جناب گنگوہی صاحب کی جلد دوم فتاویٰ ص ۱۶۹ میں ہے ”نوٹ وثیقہ اس روپے کا ہے جو خزانہ حاکم میں داخل کیا گیا ہے مثل تمسک کے اس واسطے کہ نوٹ میں نقصان آجائے تو سرکار سے بدلا سکتے ہیں اور اگر کم ہو جائے تو بشرط ثبوت اس کا بدل لے سکتے ہیں اگر نوٹ بیع ہوتا تو ہرگز مبادلہ نہیں ہو سکتا تھا دنیا میں کوئی بیع بھی ایسا ہے کہ بعد قبض مشتری کے اگر نقصان یا فنا ہو جائے تو بائع سے بدل لے سکیں پس اس تقریر سے آپ کو واضح ہو جائیگا کہ نوٹ مثل فلوس کے نہیں ہے فلوس بیع ہے اور نوٹ نقدیں ان میں زکوٰۃ نہیں اگر بہ نیت تجارت نہ ہوں اور نوٹ تمسک ہے اس پر زکوٰۃ ہوگی اکثر لوگوں کو شبہ ہو رہا ہے کہ نوٹ کو بیع سمجھ کر زکوٰۃ نہیں دیتے کاغذ کو بیع سمجھ رہے ہیں سخت غلطی ہے فقط“ اور جلد اول ص ۵۷، ۶۱ میں ہے ”نوٹ کی خرید و فروخت برابر قیمت پر بھی درست نہیں مگر اس میں حیلہ حوالہ ہو سکتا ہے اور بحیلہ عقد حوالہ کے جائز ہے مگر کم زیادہ پر بیع کرنا ناجائز ہے یہ تفصیل اس کی ہے فقط“ جناب

۳۵۶ ص

محمد سعید اینڈ سنز کراچی

کتاب الزکوٰۃ

۱۰ فتاویٰ رشیدیہ

۴۱۸

” ” ”

کتاب البیوع

” ” ”

گنگوہی صاحب نے اول نوٹ کو تمسک بنایا اور آخر میں صرف اس جرم پر کہ وہ کاغذ ہے اور کاغذ بھلا کہیں بکنے کی چیز ہے وہ تو دریا کے پانی، نہیں نہیں بلکہ ہوا کی طرح ہے جس کی بیع ہو ہی نہیں سکتی اس کی خرید و فروخت کو مطلقاً ناجائز ٹھہرایا اگرچہ برابر کو ہو، مگر خود ہی اسی جلد دوم کے ص ۱۷۳ پر فرمانے والے تھے کہ ”روپیہ بھیجنے کی آسان ترکیب نوٹ کو جسٹری یا بیمہ کر دینا ہے“ اب گھبرائے کہ نوٹ کی خرید و فروخت تو میں حرام کر چکا ہوں نوٹ آئیے گے کس گھر سے کہ جسٹری کر اگر مرسل ہوں ناچار ادھر ادھر ٹولا حوالہ پر ہاتھ پڑا لہذا اس حیلہ حوالہ کی گھڑدی کہ بجیلہ عقد حوالہ جائز ہے“ یعنی زید نے عمر سے پانچ روپے کا نوٹ مول لے کر پانچ روپے اسے دیے وہ اگرچہ خریدیم فروختیم (میں نے خرید اور میں نے بیچا۔ ت) کہہ رہے ہیں مگر زبردستی ان کے سر یہ منڈھو کہ نہ بیچا نہ مول لیا نہ قیمت دی بلکہ زید نے عمر کو پانچ روپے قرض دیے اور عمر جو گورنمنٹ خزانے سے یہ نوٹ مول لے چکا تھا وہ بھی قرض کا لین دین تھا، ان کے نزدیک گورنمنٹ پر ایسا وقت پڑا تھا کہ وہ عمر سے پانچ روپے قرض لینے بیٹھی تھی اور اس کی سند کے لئے یہ نوٹ کا تمسک اس کے ہاتھ میں تھا دیا تھا کہ سند باشد و عند الحاجة بکار آید (کہ سند رہے اور بوقت ضرورت کام آئے۔ ت) اب جو عمر ویٹھ پر وقت پڑا اس نے زید سے پانچ روپے ادھار لئے اور وہی تمسک اب اسے پکڑا دیا کہ گورنمنٹ پر ہمارے پانچ روپے اگلے وقتوں کے قرض آتے ہیں جن کو برسوں گزریں اب تک گورنمنٹ نے ادا نہ کئے ہم نے اپنے اوپر کے گورنمنٹ پر اتار دیے تم اس سے وصول کر لینا، یہ حضرت کی اس ٹیٹل کا حاصل ہے جسے ہر عاقل جانتا ہے کہ محض سفاہت و باطل ہے اس کا رد کافی رسالہ کے صفحہ ۱۲۶ و ۱۲۷ و ۱۲۸ میں گزرا پھر بھی اس کی بعض جہالتوں کا اظہار خالی از فائدہ نہیں کہ اس ضمن میں ناظر کو بہت سے مسائل و فوائد پر اطلاع ہوگی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

فاقول و باللہ التوفیق (پس میں کہتا ہوں اور اللہ ہی کی طرف سے توفیق ہے۔ ت) اول تو یہی سرے سے سخت حماقت ہے کہ جہان بھر کے عاقدین جس عقد کا قصد کریں زبردستی اس سے تڑا کر وہ عقدان کے سرچسپو جوان کے خواب و خیال میں نہیں، گنگوہ کے کوردہ سے اٹھ کر تمام دنیا کے جس شہر قصبے میں چاہو جاؤ اور تمام جہان سے پوچھو کہ نوٹ کے لین دین میں تمہیں خرید و فروخت مقصود ہوتی ہے بیچا اور مول لیا کہتے ہو یا بیع اپنی ملک سے نوٹ کا خارج ہو کر مشتری کی ملک میں داخل ہونا اور مشتری اس کے عوض روپے دے کر نوٹ کا اپنی ملک میں آنا سمجھتا ہے یا یہ کہ نوٹ دینے والا اس سے قرض مانگتا ہے

اور قرض کی سند میں نوٹ بجائے تمسک دیتا ہے۔ ہدایہ میں ہے: العبرة في العقود للمعاني عقود میں معانی کا اعتبار ہے، مگر یہ عجب عقد ہے کہ لفظ بھی بیچنے خریدنے کے قصد بھی بیچنے خریدنے کا یہی مقصد ہی مراد، یہی مفہوم ہی مفاد، اور خواہی بخواہی جہاں بھر کو پاگل بنا کر کہہ دیجئے کہ اگرچہ نہ تم کہتے ہو نہ قصد رکھتے ہو مگر تمہاری مراد ہے کچھ اور، اگر ایسی تصحیح ہو تو دنیا میں فاسد سے فاسد عقد ٹھیک ہو جائے گا مثلاً زید نے عمرو کے ہاتھ ایک روپیہ میں سیر بھر چاندی کو بیع کیا تو اگرچہ انہوں نے کہا یہی کہ بیچا خرید اور ان کا قصد بھی یہی تھا مگر یوں ٹھہرائیے کہ وہ کچھ کہیں سمجھیں مگر یہ بیع نہ تھی بلکہ زید نے ایک روپیہ عمرو کو ہبہ کیا عمرو نے اس کی جزا میں سیر بھر چاندی اس کو ہبہ کر دی اس میں کیا حرج ہوا لہذا سود حلال طیب ہے ولا حول ولا قوة الا باللہ العلیٰ العظیم۔ ہدیہ میں زیادہ عوض دینا منع نہیں بلکہ سنت ہے کسی صاحب نے ایک اونٹنی نذر بارگاہ عالم پناہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے عوض چھ ناقے جو ان عطا فرمائے،

سواة احمد والترمذی والنسائی بسند صحیح عن ابی ہریرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان فلانا اهدى الحی ناقۃ فعوضته منها ست بکرات، الحدیث۔

اس کو امام احمد، ترمذی اور نسائی نے سند صحیح کے ساتھ سیدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: فلاں شخص نے مجھے ایک اونٹنی ہدیہ بھیجی تو میں نے اس کے بدلے اس کو چھ جوان اونٹنیاں ہدیہ بھیجی ہیں، الحدیث (ت)

تو عقدر باکو عاقدین کے لفظ و معنی سب کے خلاف عقد ہبہ میں کھینچ لائیے اور سود حلال کر لیجئے، ایسے جیلے حوالے کوٹے کا گوشت اور بکرے کے کپورے کھا کر سو جھتے ہوں گے مگر علم و عقل و بصیرت والے ان کو محض مضحکہ سمجھتے ہیں۔ ہدایہ میں ہے:

عقد کو صحیح بنانا اسی محل میں واجب ہے جس میں عاقدین نے عقد ٹھہرایا۔ (ت)

التصحیح انما یجب فی محل اوجبا العقد فیہ ۱۰

۹۳/۳	مطبع یوسفی لکھنؤ	۱۰	لہ الہدایۃ	کتاب البیع	باب السلم
۲۲۲/۲	امین کمپنی دہلی	۱۱	جامع الترمذی	ابواب المناقب	باب فی فضل العجم
۲۹۲/۲	المکتب الاسلامی بیروت	۱۲	مسند احمد بن حنبل	مروی از ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ	المکتب الاسلامی بیروت
۹۳/۳	مطبع یوسفی لکھنؤ	۱۳	لہ الہدایۃ	کتاب البیوع	باب السلم

فتح میں اس کی شرح میں فرمایا :

تصحیح العقد انما يكون في المحل الذي اوجب
المتعاقدان البيع فيه لاني غيره

عقد کو صحیح بنانا صرف اسی محل میں ہے جس محل میں
متعاقدین (باع و مشتری) نے بیع ٹھہرائی نہ کہ
اس محل کے غیر میں۔ (ت)

ہدایہ میں ہے :

التغییر لا یجوز وان کان فیہ تصحیح
التصرف

تغییر کرنا جائز نہیں اگرچہ اس میں تصرف کو صحیح کرنا
ثابت ہوتا ہو۔ (ت)

فتح میں شرح میں فرمایا :

تغییر تصرفہا لا یجوز وان کان فیہ تصحیح
التصرف بدلیل الاجماع (الی ان قال)
فہذہ احکام اجماعیۃ کلہا دالۃ علی
ان تغیر التصرف لا یجوز وان کان یتوصل
بہ الی تصحیحہ

عاقدین کے تصرف میں تغیر کرنا جائز نہیں اگرچہ اس
میں تصرف کا صحیح کرنا ثابت ہوتا ہو اس پر دلیل
اجماع ہے (یہاں تک کہ شارح نے کہا) تو یہ
اجماعی احکام ہیں جو تمام اس بات پر دلالت
کرتے ہیں کہ تصرف میں تبدیلی کرنا جائز نہیں اگرچہ
تبدیلی تصرف کے صحیح کرنے کا ذریعہ بنتی ہو۔ (ت)

ہدایہ میں اسی کے متعلق ہے : فیہ تغیر وصفہ لا اصلہ (اس میں وصف عقد کی تبدیلی ہے
نہ کہ اصل عقد کی۔ ت) ، عنایہ میں اس کی شرح میں فرمایا :

والجواب عن تغیر تصرفہ ان یقال فیہ تغیر
وصف التصرف او اصلہ والاول مسلم ولانسل
انہ مانع عن الجواز والثانی
ممنوع

اس کے تصرف میں تبدیلی کا جواب یہ ہے کہ یوں
کہا جائے اس میں وصف تصرف کی تبدیلی ہے
یا اصل عقد کی اول مسلم ہے مگر ہم یہ نہیں
مانتے کہ جواز سے مانع ہے اور ثانی ممنوع ہے (ت)

۲۰۶/۶	مکتبہ نوریہ رضویہ سکھ
۱۰۸/۳	مطبع یوسفی لکھنؤ
۲۶۸/۶	مکتبہ نوریہ رضویہ سکھ
۱۰۹/۳	مطبع یوسفی لکھنؤ
۲۶۰/۶	مکتبہ نوریہ رضویہ سکھ

۱	فتح القدر	کتاب البیوع	باب السلم
۲	الہدایہ	کتاب الصرف	
۳	فتح القدر		
۴	الہدایہ	کتاب الصرف	
۵	الغایت علی الہدایہ علی حاشیہ فتح القدر		

ہدایہ میں ہے :

اذا اشترى قلباً بعشرة وثوباً بعشرة ثم
باعهما مرابحة لا يجوز وان امكن
صرف الربح الى الثوب لانه يصير تولية
في القلب بصرف الربح كله الى الثوب۔

فتح میں ہے :

اما مسألة المrabحة فعدم الصرف
لانه يتغير اصل العقد اذ يصير
تولية في القلب۔

کسی شخص نے ایک کنگن دس درہم کے بدلے اور
ایک کپڑا دس درہم کے بدلے خرید پھر ان دونوں
کو اکٹھا بطور مراجمہ بیچا تو جائز نہیں کیونکہ تمام نفع کو
کپڑے کی طرف پھرنے سے کنگن میں یہ بیع تولیہ ہو جائیگی (ت)

لیکن مسئلہ مراجمہ میں عدم صرف اس لئے ہے کہ
اس میں اصل عقد میں تبدیلی لازم آتی ہے کیونکہ
کنگن میں بیع تولیہ ہو جاتی ہے۔ (ت)

ان تصریحات ائمہ سے روشن ہوا کہ متعاقبین جو عقد کر رہے ہیں وہ اگرچہ باطل و فاسد ہو اور دوسرا
عقد ٹھہرانے میں اس کی تصحیح ہوتی ہو ہرگز ایسی تصحیح جائز نہیں اور اس تصحیح کے بطلان پر اجماع قائم ہے
جب کہ اس میں اصل عاقبین کی تغیر ہوتی ہے اور تصحیح فرمائی کہ بیع کو مراجمہ سے تولیہ قرار دینا بھی ایسی ہی
تغیر ہے کہ بالاجماع جائز نہیں حالانکہ وہ رہی بیع کی بیع ہی، تو بیع کی سرے سے کاپاپٹ کر کے حوالہ کر دینا
کیسے جاہل مخالف اجماع کا کام ہوگا آپ کے لکھے بیع نہ ہوتی ایفونی کی ریوڑی ہوتی کہ گرتے ہی مرزہ بدل گیا
ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

دوم ہر عاقل جانتا ہے کہ تمسک ایک معین مثلاً زید کی طرف سے دوسرے معین مثلاً عمرو کے لئے ہوتا ہے
کہ اگر زید عمرو کے دین سے منکر ہو تو عمرو بذریعہ تمسک اس سے وصول کر سکے تمسک اس لئے نہیں ہوتا
کہ عمرو جہاں چاہے جس ملک میں چاہے جس شخص سے چاہے اسکے دام وصول کر لے زید کے پاس عمرو، بکر، خالد، ولید
دنیا بھر کا کوئی شخص اسے لے کر آئے یہ اسے دام پر کھادے بلکہ زید و عمرو و دائن و مدیون دونوں بالائے
طاق رہیں، تیسرا شخص اجنبی، چوتھے شخص زے بیگانے کو دے کر اس سے دام لے لے دنیا میں کوئی
تمسک بھی ایسا سنا ہے اور نوٹ کی حالت یقیناً یہی ہے کہ جو چاہے جہاں چاہے اگرچہ غیر ملک
غیر سلطنت ہو جبکہ یہاں کا سکہ اس سلطنت میں چلتا ہو جس شخص سے چاہے اس کے دام لے لے گا

۱۰۸-۰۹/۳

مطبع یوسفی بکھنو

کتاب الصرف

لہ الہدایہ

۲۴۰/۶

مکتبہ نوریہ رضویہ کھر

۱۱

۱۲ فتح القدیر

یہ حالت یقیناً مال کی ہے نہ کہ تمسک کی، تو اسے تمسک کہنا کیسا اندھا پن ہے بلکہ وہ بالیقین مال ہے سکتا ہے
ولکن العمیان لا یبصرون (لیکن اندھے نہیں دیکھتے۔ ت)۔

سوم ہر عاقل جانتا ہے کہ تمسک کے وجود و عدم پر دین کا وجود و عدم موقوف نہیں ہوتا بلکہ جب دین ثابت ہو
مدیون پر دینا لازم آئے گا تمسک رہے یا نہ رہے۔ اب فرض کیجئے کہ زید نے لاکھ روپے دے کر خزانے سے
ہزار ہزار روپے کے سونوٹ لئے اور اپنا نام پتہ اور نوٹ کے نمبر سب درج کرادیے، تو اب لازم ہے کہ
وہ جب چاہے خزانے سے اپنے آتے ہوئے لاکھ روپے وصول کر لے اگرچہ نوٹ اس کے پاس جل گئے
یا ریزہ ریزہ ہو گئے یا چوری ہو گئے یا اس نے کسی کو دے دئے کہ خزانہ آپ کے نزدیک اس کا مدیون ہے اور
تمسک نہ رہنے سے دین ساقط نہیں ہوتا اور جب نوٹوں کے نمبر لکھے ہوئے ہیں تو گورنمنٹ کو یہ اندیشہ نہیں ہو سکتا
کہ مبادا نوٹ نہ جلے نہ پھٹے بلکہ اس کے پاس موجود ہوں یا اس نے کسی کو دے دیے ہوں تو جب وہ نوٹ یہ یا
دوسرے لے کر آئے ہیں دوبارہ دینا پڑے گا، دوبارہ کیوں دینا ہوگا، یہ لایا تو کہہ دیا جائے گا کہ ہم نے جو روپیہ
تجھ سے قرض لیا تھا تجھے ادا کر دیا اب مکرر کیسے طلب کرتا ہے، اور دوسرا لایا تو کہہ دیا جائے گا کہ اس تمسک
کا روپیہ ہم اصل قرضخواہ کو دے چکے ہیں اب ہم پر مطالبہ نہیں مگر ایسا ہرگز نہ ہوگا نوٹ خود جلا کر یا پھاڑ کر کسی کو
دے کر گورنمنٹ سے روپیہ مانگئے تو، اگر اس نے پاگل جانا تو اتوار کو کھیر دے گی ورنہ بڑے گھر کی ہوا کھلائیگی،
اس وقت آپ کی آنکھیں کھلیں گی کہ نوٹ کیسا تمسک تھا یہ حالت صراحتاً مال کی ہے کہ جو شخص کسی سے ایک
مال خرید کر پھر اسے تلف کر دے یا کسی کو دے دے اور اپنے روپے بائع سے واپس مانگے تو کم از کم
پاگل ٹھہرتا ہے۔

چہارم یہیں سے آپ کے شبہ کا کشف ہو گیا کہ گم جائے یا نقصان آجائے تو بدلو اسکے ہیں یہ مطلقاً ہرگز
صحیح نہیں اور اگر تمسک ہوتا تو واجب تھا کہ ہمیشہ ہر حال میں بدل دیا جاتا کہ تمسک کے نقصان یا فقدان یا خود
ہلاک یا تلف کر دینے سے دین پر کچھ اثر نہیں پڑتا اور بعض صورتوں میں اگر بدل دینے کا وعدہ ہو بھی تو اس سے
تمسک ہونا لازم نہیں آتا، سلطنتوں نے یہ ایک طرفہ اکسیر ایجاد کی کہ ہزار کیمیا کو اس سے کچھ نسبت
نہیں چھدام کے کاغذ کو ہزار کا کر دیں دس ہزار کا کر دیں ایسی سخت مہم بات عام میں مقبول ہونے کے لئے
بعض رعایتوں کی ضرورت تھی ملک کو اندیشہ ہوتا کہ کاغذ بہت ناپائدار چیز ہے آگ میں جل جائے، پانی
میں گل جائے، استعمال سے چاک ہو، گم جائے، کیا ہو کیا ہو تو ہمارا مال یوں ہی برباد ہو اس کی تسکین کیلئے
کچھ وعدوں کی حاجت ہوئی ورنہ ملک ہرگز نوٹ کو ہاتھ نہ لگاتا، یہ تو اتنی بڑی کیمیا ہے سوداگر اپنے تھوڑے
سے نفع کے لئے اس قسم کے وعدوں سے اطمینان دلاتے ہیں برسوں کے لئے گھڑیوں کی گارنٹیاں

کہتے ہیں کہ اس مدت میں بگڑے یا بیکار ہو تو بنا دیں گے بدل دیں گے یہاں بھی کہہ دینا کہ ”بھلا دنیا میں کوئی بیع بھی ایسی ہے“ آپ ایک کوردہ میں رہ کر دنیا بھر کا ناحق ٹھیکہ لیں ہاں یہ کہتے کہ تاجروں کا یہ کہنا خلاف شرع ہے پھر گورنمنٹ کے سب اقوال مطابق شرع ہونا کس نے لازم کیا۔

پچھم سود دینے لینے میں گورنمنٹ کی حالت معلوم ہے کہ وہ اسے ہر قرض و دین کا لازم قطعی مانے ہوئے ہے یہاں تک کہ جو شخص سو تک بنک میں روپیہ جمع کرے یا وہ ملازم جن کی تنخواہ کا کچھ حصہ کٹ کر جمع ہوتا رہتا اور ختم ملازمت پر ان کو دیا جاتا ہے وہ مانگیں یا نہ مانگیں ساری مدت کا سود حساب لگا کر انھیں دیتی ہے بلکہ وہ کہے کہ میں سود نہ لوں گا جب بھی ماہوار سود اس کے نام سے درج ہوتا رہتا ہے، اگر خزانہ سے نوٹ لینا روپیہ داخل کر کے اس کا وثیقہ لینا ہوتا تو لازم تھا کہ گورنمنٹ اس کے لئے سود لکھتی رہتی جب تک وہ نوٹ دے کر روپیہ واپس لیتا۔ اب آپ کو تو یہ حیلہ ہو گا کہ ہائیں ہم اور سود مانگیں اگرچہ اللہ عز و جل کی تکذیب، حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین، ابلیس کو خدا کی خاص صفت میں شریک ماننا کروڑوں درجہ سود بلکہ سو رکھانے سے بدتر ہے، خیر آپ نہ جاتیے امتحان کے لئے کسی بننے کو بھیج دیکھئے کہ ہزار روپے کا نوٹ خزانے سے خریدے پھر سال بھر بعد وہ بنیا اپنے اس ہزار کا سود گورنمنٹ سے مانگنے جائے دیکھئے تو ابھی اسے آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو جائے گا اور جتنی اس پر پڑی گی حقیقتاً اس پر نہ ہوگی بلکہ اس پر ہوں گی جس نے اسے یہ حکم دیا تھا کہ نوٹ کی خریداری نہیں بلکہ روپیہ قرض دے کر تمسک لینا ہے۔

ششم زید عمر سے وقتاً فوقتاً سو اور دو سو اور ہزار قرض لیتا رہے اس تمام مدت میں وہ تمسکات لکھ کر عمر کو دیتا رہے گا اور جس تمسک کی میعاد ختم ہونے آئے گی بدل دے گا یہاں تک کہ اس پر عمر کے دس ہزار جمع ہو گئے اب اس نے ہزار ہزار کے دس نوٹ عمر کو دیئے اسی وقت سے اس کا حساب بند ہو جائے گا عمر سب تمسکات اسے پھیر دے گا اسے فارغ خطی لکھ دے گا زید اور خود عمر و اور سارا جہان سمجھے گا کہ قرض دام دام وصول ہو گیا، مگر گنگو ہی صاحب فرماتے ہیں دس ہزار کے نوٹ دیئے تو کیا ہوا وصول ابھی ایک کوڑی بھی نہ ہوئی، اس جہاں بھر زالی مت کا کیا کہنا!

ہفتم فرض کیجئے گورنمنٹ نے کسی بنک سے بیس لاکھ روپے قرض لئے اور تمسک لکھ دیا کہ دس برس کے اندر ادا کیا جائے گا، تین برس گزرنے پر بیس لاکھ کے نوٹ بنک کو دے دیئے تمام جہاں اول

بنک اور گورنمنٹ سب تو یہی سمجھیں گے کہ قرض ادا ہو گیا مگر گنگوہی صاحب سے پوچھتے کہ اگر یہ نوٹ بھی تمسک ہی تھے تو اس فضول کاروائی کا محصل کیا ہوا تمسک تو پیلے سے لکھا ہوا موجود تھا اس جدید تمسک کی کیا حاجت ہوتی، بھلا زید کو تو اتنا فائدہ ہوا بھی تھا کہ نوٹ دے کر اپنا قرض گورنمنٹ پر اتار دیا گورنمنٹ کو کیا نفع ہوا اس کا قرض اسی پر تو رہا اور بنک کی بیوقوفی تو دیکھتے نہ تھے تمسک پر پھول کر حساب بند کر بیٹھا، ظاہر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اپنی بند تو سب کی بند۔

ہیشتم حوالہ اپنا قرض دوسرے پر اتارنے کو کہتے ہیں تو اگر زید پر عمر و کا قرض نہ آتا ہو بلکہ زید کا قرض بکر پر ہو اور اس صورت میں زید عمر و کو بکر پر حوالہ کرے تو یہ حقیقہ حوالہ نہ ہو گا بلکہ عمر و کو اپنا قرض بکر سے وصول کرنے کا وکیل کرنا اور اگر نہ عمر و کا قرض زید پر آتا ہو نہ زید کا قرض بکر پر، اور اس حالت میں زید عمر و کو بکر پر حوالہ کرے تو یہ محض باطل و بے اثر ہے اگرچہ بکر اس حوالہ کو قبول بھی کر لے کہ اب نہ زید اپنا قرض دوسرے پر اتارتا ہے نہ دوسرے پر اپنا آتا وصول کرتا ہے بلکہ بلا وجہ عمر و سے کہتا ہے کہ بکر کے مال سے اتنے روپے لے لے بکر کا قبول کرنا وہ نہ ایک وعدہ ہوا کہ میں اتنا مال عمر و کو بخش دوں گا اور محض وعدہ پر جبر نہیں لہذا اس قول کا کچھ اثر نہیں، عالمگیری میں ہے،

جب کسی شخص نے دوسرے کو اپنے مقروض پر حوالہ کیا (کہ اس سے قرض وصول کرے) حالانکہ جس کے لئے حوالہ کیا گیا اس کا حوالہ کرنے والے پر کوئی قرض نہیں تو یہ کالت ہے حوالہ نہیں، یونہی خلاصہ میں ہے۔ (ت)

اذا احوال من جلا علی غریبہ و لیس
للمتعالی علی المحیل دین فہذہ
وکالۃ و لیست بحوالۃ کذا فی
الخلاصۃ۔

اسی میں ہے،

کسی شخص نے دوسرے پر سومن گندم کا حوالہ کیا حالانکہ جس پر حوالہ کیا اس پر حوالہ کر نیوالے کا کوئی قرض نہیں اور نہ ہی جس کے لئے حوالہ کیا گیا اس کا حوالہ کرنے والے پر کوئی قرض ہے، اور جس پر حوالہ کیا گیا اس نے اس کو قبول کر لیا تب بھی

احال علیہ مائتہ من من حنطۃ
ولم یکن للمحیل علی المحتال
علیہ شیء ولا للمحتال لہ
علی المحیل فقبل المحتال
علیہ ذلک لا شیء علیہ کذا

اس پر کوئی شئی لازم نہیں، قنیہ میں یونہی ہے (ت)
 اب فرض کیجئے کہ ایک بنک نے خزانہ سے بیس لاکھ کے نوٹ متفرق اوقات میں لئے تھے پھر گورنمنٹ
 کو قرض لینے کی حاجت ہوئی اس نے بنک سے بیس لاکھ قرض مانگے بنک نے وہی نوٹ دے دیئے تو تمام
 دنیا یہی جانے لگی کہ بنک نے ضرور قرض دیا مگر آپ اپنی کتنے اب نوٹ دینا حوالہ تو ہو نہیں سکتا کہ گورنمنٹ
 کا بنک پر قرض نہ آتا تھا انتہا یہ کہ وکالت ہوگی جس کا حاصل اتنا کہ گورنمنٹ نے اس سے قرض مانگا
 اس نے بیس لاکھ کے نوٹ جو نرے تمسک تھے دے کر بات عاشقان برشاخ آہو پر ٹال دیا یعنی گورنمنٹ
 کو وکیل کر دیا کہ خود اپنے خزانہ سے وصول کر وہم کچھ نہ دیں گے لطف یہ کہ گورنمنٹ بھی نہیں کہتی کہ ہم تجھ سے قرض
 چاہتے ہیں، تو کہتا ہے اپنے ہی خزانہ سے لے لو یہ کیا قرض دینا ہوا، زید پر عمرو کے روپے آتے ہوں زید اس
 سے اور قرض لینے آئے، اس پر عمرو کے کہ میرا پہلا قرض جو تم پر آتا ہے اسی سے وصول کر لو، تو اس نے
 یہ قرض دیا یا ٹال دیا بلکہ اسے یوں ٹھہراؤ کہ دین معاف کیا اور تمسک واپس دیئے معاملہ ختم ہوا گورنمنٹ
 بیس لاکھ کے نوٹ لے لے اور کوڑی نہ دے سستے چھوٹے۔

اہم فرض کرو گورنمنٹ نے بیس لاکھ کسی کو انعام دیئے تھے پھر ایک وقت پر اس سے قرض مانگا اس
 نے وہی نوٹ دے دیئے دنیا جانے لگی کہ گورنمنٹ پر اس کے بیس لاکھ قرض ہو گئے مگر گنگوہی صاحب
 کہیں گے ایک پسیہ بھی قرض نہ ہوا گورنمنٹ بیس لاکھ کے نوٹ مفت لے لے اور کچھ نہ دے اس لئے
 کہ یہ وہ صورت ہے کہ نہ حوالہ کرنے والے پر قرض آتا تھا نہ جس پر حوالہ کیا اس پر اس کا پہلے کوئی دین
 تھا تو کارروائی باطل ہوتی اور گورنمنٹ کو کچھ دینا نہ آئے گا ولا حول ولا قوۃ الا باللہ، غرض یہ آپ
 نے وہ گھڑی ہے کہ نہ گورنمنٹ کی خواب میں ہے نہ ملک بھر کے خیال میں آپ ہی اپنی ڈیڑھ چھٹانک
 کی انگ بگھار رہے ہیں۔

دہم حوالہ میں مدیون محیل کہلاتا ہے اور دائن محال، اور جس پر قرض اتارا گیا کہ اس سے وصول کر لینا
 اسے محال علیہ یا حویل کہتے، یہاں جب زید نے عمرو کے ہاتھ ہزار روپے کے نوٹ بیچے تو آپ کے طور پر
 زید عمرو کا مدیون اور محیل ہوا اور عمرو زید کا دائن اور محال ہوا اور گورنمنٹ حویل، اور شرعی مسئلہ ہے کہ ہر شخص
 حویل ہو سکتا ہے اگرچہ محیل کا اس پر کچھ نہ آتا ہو کہ اس نے جب حوالہ قبول کر لیا تو اس کا دین اپنے سر لیا
 اگرچہ اس کا اس پر کچھ مطالبہ نہیں لیکن جبکہ حویل محیل کا مدیون نہ ہو اور محیل کا حوالہ مان کر اس کا دین محال کہ

ادا کرنے تو اسی قدر محیل سے واپس لے گا کہ میں نے تیرے کچھ سے تیرا ذین ادا کیا ہے اور اگر محتمل حویل کو ذین ہبہ کر دے یا کہے میں نے وہ ذین تیرے لئے چھوڑ دیا جب بھی حویل محیل سے بھروالے گا کہ ہبہ ہونا بھی ادا ہو جانے کی مثل ہے۔ فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے :

شرائطها انواع بعضها يرجع الى المحتمل عليه ومنه رضا وقبول الحوالة سواء كان عليه دين او لم يكن عند علمائنا رحمهم الله تعالى كذا في المحيط الملتقط.

حوالہ کی شرطیں کئی قسم کی ہیں، ان میں سے بعض محتمل علیہ کی طرف لوٹی ہیں جن میں سے محتمل علیہ کی رضا مندی اور حوالہ کو قبول کرنا ہے چاہے اس پر قرض ہو یا نہ ہو یہ ہمارے علماء کے نزدیک ہے رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم، یوں ہی محیط میں ہے اھ التقاط (ت)

اسی میں ہے :

اذا ادى المحتمل عليه الى المحتمل له او وهبه له او تصدق به عليه او مات المحتمل له فورثه المحتمل عليه يرجع في ذلك كله على المحيل ولو ابرأ المحتمل له المحتمل برئى ولم يرجع على المحيل كذا في الخلاصة واذا قال للمحتمل عليه قد تركته لك كان للمحتمل عليه ان يرجع على المحيل كذا في خزانه الفتاوى

جب محتمل علیہ، محتمل لہ کو قرض ادا کر دے یا محتمل لہ وہ قرض محتمل علیہ کو ہبہ کر دے یا اس پر وہ قرض صدقہ کر دے یا محتمل لہ مر جائے اور محتمل علیہ اس کا وارث بن جائے تو ان تمام صورتوں میں محتمل علیہ محیل کی طرف رجوع کرے گا اور اگر محتمل لہ نے محتمل علیہ کو قرض سے بری کر دیا تو وہ بری ہو گیا اور اب محیل کی طرف رجوع نہیں کر سکتا۔ یہ خلاصہ میں ہے۔ اور محتمل لہ نے محتمل علیہ سے کہا کہ

میں نے وہ قرض تیرے لئے چھوڑ دیا ہے تو اس صورت میں محتمل علیہ کو محیل کی طرف رجوع کا حق ہے جیسا کہ خزانه الفتاوى میں ہے۔ (ت)

روالمختار میں ہے :

المحتمل له لو ابرأ المحال عليه لم يرجع اگر محتمل لہ نے محتمل علیہ کو قرض سے بری کر دیا تو

لے فتاویٰ ہندیہ کتاب الحوالہ الباب الاول نورانی کتبخانہ پشاور ۲۹۵-۹۶/۳
عے " " " " الباب الثانی ۲۹۸/۳

على المحيل وان كانت بامره كالکفالة ولو
وهبه من جمع ان لم يكن للمحيل عليه دين
وتمامه في البحر

محمال علیہ محیل کی طر رجوع نہیں کرے گا اگرچہ اس کے
امر سے ایسا ہوا ہو، اور اگر محمال نے فرض
محمال علیہ کو ہبہ کر دیا تو محمال علیہ محیل کی طرف رجوع

کر سکتا ہے بشرطیکہ محیل کا اس پر فرض نہ ہو، اس کی مکمل بحث بحر میں ہے۔ (ت)

اب فرض کیجئے کہ گورنمنٹ نے کسی خدمتگاری کے صلہ میں دس ہزار روپے کا نوٹ آپ کو انعام
دیا ایک بننے نے روپے دے کر وہ نوٹ آپ سے خرید لیا پھر کسی موقع پر اس نے گورنمنٹ کی تذر کر دیا اب وہی صورت
آگئی آپ بننے کے محیل تھے اور بنیا محمال اور گورنمنٹ حویل۔ اور ظاہر ہے کہ گورنمنٹ آپ کی مدیون نہ تھی
آپ بننے کے مدیون تھے آپ نے اپنا دین نوٹ دے کر گورنمنٹ پر اتار دیا تھا اور گورنمنٹ نے اپنے
قانون عام سے کہ جو نوٹ لائیگا روپیہ پائے گا حوالہ قبول کر چکی اور بننے نے نوٹوں کا روپیہ یعنی دین گورنمنٹ
کو تذر کر دیا ہبہ کر دیا ترک کر دیا تو لازم کہ گورنمنٹ چاند ٹھونک کر آپ سے دس ہزار وصول کر سکے اس
آپ کو حوالہ ماننے کا مزہ آجاتا کہ نوٹ کے نوٹ غائب اور دس ہزار کھوپڑی پر واجب، بحمد اللہ اس
سفاہت کا بہت طرح رد ہو سکتا ہے مگر آپ کے حوالہ کی مٹی پلید کرنے کو، ملک عشرۃ کاملۃ
(یہ پورے دس ہیں۔ ت) یہ پورے دس کیا کم ہیں وباللہ التوفیق۔

یا زوہم تمام جہان تو نوٹ کو مال مانے ہوئے ہے آپ کو اس میں کیا دکھتی سوجھی ہے کہ وہ کچھ محالات
اور ٹھننے عالم بھر کی آنکھوں میں خاک جھونکنے مگر اسے مال ماننا منظور نہیں آپ کی روش تو یہ تھی کہ جو
امر محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و سائر محبوبان خدا جل و علا کی تعظیم و محبت کا پہلوئے ہوتے ہو
اس میں اپنے صد کی تنگی دکھاؤ بننے نہ بنے شرک کفر حرام گناہ اور اپنے معتقدوں کے لئے ذرائع اکل و معاش
میں خوب وسعت لاؤ، کو اکلانا حلال بلکہ ثواب (دیکھو جلد ۲ ص ۱۰۹) بکرے کے خضیے کھانا حلال
(دیکھو جلد ۳ ص ۱۹۰) تعجب ہے کہ اسے ثواب نہ لکھا، کو کالا کالا یہ گورے گورے، ان میں تو گنگوہی
شرعی سے بڑا چمکتا ثواب چاہئے تھا، پاخانہ اٹھانے کی اجرت مباح خالص حلال طیب جس میں

دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۸۸

لہ رد المحتار کتاب الحوالہ

۱۹۶/۲

لہ القرآن الکریم

ص ۲۹۳

محمد سعید اینڈ سنز کراچی

کتاب المحظور والاباحۃ

لہ فتاویٰ رشیدیہ

لہ

کراہت درکنار کراہت کا شبہ بھی نہیں بھنگی نے پاخانہ اٹھا کر جو مال کمایا ایسا مقدس ہے کہ اسے تعمیر مسجد میں صرف کرنا بھی درست ہے (دیکھو جلد اول ص ۱۰۵) واقعی آپ جیسے مقدسوں کے کھانے پینے اور آپ حضرات کی مساجد ملوثہ بیدعات توہین و تنقیص کے لائق ایسی ہی کمائی تھی ع

ہر شکم و لقمہ شایان او

(ہر پیٹ کی شان کے مطابق لقمہ چاہئے۔ ت)

غرض ذرائع دنیا میں اپنوں کے لئے آپ کی یہ وسعت تھی نوٹ کی خرید و فروخت اور اسے مال سمجھنے میں کون سا حصہ تعظیم و محبت محبوبانِ خدا پایا جسے باطل کرنا آپ پر لازم ہو اور جو تو بتائیے کہ یہ تمام عالم کا اسے مال ماننا کیوں نہ مقبول ٹھہرا ثمن اصطلاحی ٹھہرانے میں اصطلاح قوم و ملک پر کاربندی واجب ہوتی ہے یہاں جملہ اقوام و تمام ممالک عالم اپنی اصطلاح روشن طور پر بتا رہے ہیں اور آپ ہیں کہ ایک نہ ہزار نہ۔ کوئی یہ تو پوچھے کہ آپ ہیں کون اصطلاح جملہ جہاں میں دخل دینے والے نوٹ کی مالیت کا ثبوت رسالہ میں ص ۱۲۶ سے ص ۱۳۲ تک سوچئے۔

دوازدهم پیسوں میں نیت تجارت کی حاجت اس وقت ہے جب وہ ثمن ہو کر نہ چلتے ہوں ورنہ ثمن میں ہرگز نیت تجارت کی حاجت نہیں اگرچہ ثمن اصطلاحی ہو نہ خلقی، غنیہ ذوی الاحکام و ردالمحتار وغیرہا میں ہے:

الفوس ان کانت اثمانا سائجة او سلعا
للتجارة تجب الزکوة فی قیمتها
والا فلا۔
پیسے اگر ثمن ہوں اور رائج ہوں یا سامان تجارت
ہوں تو ان کی قیمت میں زکوٰۃ واجب ہے
ورنہ نہیں۔ (ت)

در مختار و بحر الرائق و نہر الفائق میں ہے:

ما غلب غشه یقوم كالعرض و یشترو
فیہ النیة الا اذا کانت اثمانا سائجة۔
جس میں ملاوٹ غالب ہو اس کی قیمت لگائی جائے گی
جیسے سامان کی قیمت لگائی جاتی ہے اور اس
میں نیت تجارت شرط ہے سوائے اس کے کہ وہ ثمن رائج ہوں۔ (ت)

۱۔ فتاویٰ رشیدیہ کامل
۲۔ ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب زکوٰۃ المال
۳۔ در مختار
محمد سعید اینڈ سنز کراچی
دار احیاء التراث العربی بیروت
مطبع مجتہبی دہلی
ص ۴۰۸
۳۲/۲
۱۳۵/۱

شامی میں ہے :

ماکان ثمناراً تجب نركاته سواء نوى
التجارة اولاً.

جو ثمن رائج ہو اس کی زکوٰۃ واجب ہے چاہے
تجارت کی نیت ہو یا نہ ہو (ت)

اسی میں ہے :

عين النقدين لا يحتاج الى نية التجارة
وكذا ما كان ثمناراً تجاباً

عین نقدین (سونا اور چاندی) میں تجارت کی
نیت کی حاجت نہیں اسی طرح جو ثمن رائج ہو (ت)

بحر الرائق میں کتب کثیرہ سے ہے :

ان غلب الغش فليس كالفضة كالستوقه
فينظر ان كانت رائجة او نوى التجارة
اعتبرت قيمتها فان بلغت نصاباً وجبت
فيها الزكوة والا فلا، ملخصاً.

اگر ملاوٹ (کھوٹ) غالب ہو تو وہ چاندی کی
طرح نہیں جیسے کھوٹے روپے، پھر دیکھا جائیگا
کہ وہ رائج ہیں یا ان میں نیت تجارت ہے تو
ان کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا اگر وہ نصاب کو
پہنچے تو اس میں زکوٰۃ ہے ورنہ نہیں (ت)

ص ۱۳۷ دیکھئے کہ اسی پر فتویٰ ہے ایک ادھر روایت طویل میں آجانا اور محل و محل نہ دیکھنا اور رائج و
مرجوح و شاذ و مشہور میں فرق نہ کرنا فقہانیت نہیں ہوتا مگر حضرات وہابیہ کے نصیبوں تو فقہانیت بجماعت
نصیب دشمنان ہے۔ ان وجہ قاہرہ کے علاوہ اس دو سطرے تحریر گنگوہیت خمیر میں اور بھی مواخذات
ہیں مثلاً :

(۱۳) نوٹ نقدین بتایا یعنی نوٹ سونا چاندی ہے اور پھر اسی منہ میں یہ کہ تمسک ہے۔

(۱۴) تمسک کو کہنا کہ اس پر زکوٰۃ ہے حالانکہ تمسک سرے سے مال ہی نہیں، نہ اس کے عدم و
وجود کو زکوٰۃ کے وجوب و عدم میں کچھ دخل۔

(۱۵) نوٹ کے طبع سمجھنے پر اس کی زکوٰۃ نہ دینے کی بنا سمجھنا، کیا طبع پر زکوٰۃ نہیں ہوتی، ابھی تو آپ
پیسوں کو طبع کہہ کر بحال نیت تجارت زکوٰۃ واجب مان چکے ہیں۔

۳۲/۲	دار احوال التراث العربی بیروت	باب زکوٰۃ المال	كتاب الزکوٰۃ	رد المحتار
"	"	"	"	"
۲۲۸/۲	ایچ ایم سعید کمپنی کراچی	"	"	بحر الرائق

(۱۶) کاغذ کے بیع سمجھنے کو سخت غلطی کہنا شاید عمر بھر کا غنہ خریدنے کا اتفاق نہ ہوا، نہ ان کے گاؤں میں خبر پہنچی کہ دنیا میں کاغذ بھی بکتا ہے۔

(۱۷) لطف یہ کہ ابھی تو نوٹ کو اس جرم پر کہ کاغذ ہے بیع سمجھنا سخت غلطی تھا اور ایک ہی ورق بعد صفحہ ۷۳ پر خود فرماتے ہیں کہ ”نوٹ خرید کر بھیج سکتا ہے“ اے سبحان اللہ! نوٹ تو بیک سکتا ہی نہ تھا خرید کیسے جائے گا مگر حضرت کی اُن عظیم سفاہتوں کے آگے ایسی نزاکتوں کی کیا گنتی صر

ما علی مثلہ بعد المخطا

(اس کی مثل پر خطاؤں کا شمار نہیں کیا جاتا۔ ت)

تسأل الله العفو والعافية ولا حول ولا قوة
 ہم اللہ تعالیٰ سے معافی اور عافیت مانگتے ہیں،
 اور گناہ سے بچنے اور نیکی کی طاقت نہیں مگر اللہ تعالیٰ
 کی توفیق سے۔ (ت)

(۱۸) آپ کیا جواب دیں گے اگر کوئی آپ کی پھلی نزاکت پر کہے کہ جب آپ نے اس عقد کو کہ لفظ میں نیت میں قصد میں فہم میں قطعاً بیع تھا تمام جہاں کے فہم و ارادہ کے خلاف کا یا پلٹ کر کے حوالہ تراش لیا تو آپ اب کس مُنہ سے کہتے ہیں کہ کم زیادہ پر بیع کرنا ربا و ناجائز ہے زیادہ پر بیع کا یہ حاصل کیوں نہیں ٹھہراتے کہ زید نے جو عمر و کے ساتھ سورو پے کا نوٹ سوا سورو پے کو بیچا ہے یہ بیع نہیں سوا سوا کا سوا سے بدلنا نہیں کہ ربا ناجائز ہو بلکہ زید نے عمر و سے سوا سوا قرض لئے ہیں اور زید کے گورنمنٹ پر سوا آتے تھے وہ اس پر اتار دیے، رہے پچیس وہ عمر و نے زید کو چھوڑ دیے اور اس میں کون سا ربا ہے، فتاویٰ امام قاضی خان سے رسالہ کے صفحہ ۱۷۲ میں گزرا،

فان اسراد المحيلة يستقرض من المشتري
 اثني عشر درهم مكسرة ثم يقضيه عشرة
 جيا د اثم ان المقرض يبرئه عن درهمين
 فيجوز ذلك
 اگر حیلہ کا ارادہ کرے تو مشتری سے بارہ درہم
 ٹوٹے ہوئے قرض لے پھر دس کھرے درہم اس کو واپس
 دے اور قرض دہندہ باقی دو درہموں سے اس کو
 بری کر دے تو یہ جائز ہے۔ (ت)

لہ فتاویٰ رشیدیہ باب الربو محمد سعید اینڈ سنز کراچی ص ۲۳۱
 لہ فتاویٰ قاضی خان کتاب البیوع باب فی بیع مال الربو نوکسور لکنو، انڈیا ۲/۲۰۷

نیز خانیہ سے اس کے متصل گزرا،

فان اسر ادا الحيلة ياخذ التسعة بالتسعة
ويبرئه عن الدرهم الباقي.

اگر حیلہ کرنا چاہے تو نو درہم نو درہموں کے بدلے میں
لے لے اور باقی ایک درہم سے اس (مقروض)
کو بری کرے۔ (ت)

اگر کہتے یہ قرض بشرط ابرار عن البعض ہوا تو اولاً کیوں نہ کہتے کہ جب سرے سے سو کا نوٹ
لے کر سو سو سو رہا ہے تو قرض بعض و ہبہ بعض ہوا پھر اگر زیادت ممتازہ یا تبعض مضر ہو جب بلا خدشہ
جائز و صحیح و روا ہے اور آپ کا حکم باطل و پا در ہوا ہے ورنہ غایت یہ کہ بوجہ شیوع نا تمام ہو یا کہاں
سے آیا۔

ثانیاً قرض شرط فاسدہ سے فاسد نہیں ہوتا بلکہ شرط باطل ہو جاتی ہے تو یہ کہتے کہ زید پر

چھپس روپے اور واجب رہے نہ کہ سود ہوا،

تو سمجھ لے اگر تو سمجھتا ہے لیکن تو سمجھتا ہے کہ بیشک
تو نہیں سمجھے گا۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم (ت)

فافهم ان كنت تفهم لكنك تفهم انك
لا تفهم - واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

رَدِّ دَرِّهَمٍ

بحمد اللہ تعالیٰ مولوی صاحب لکھنوی کے رد میں کلام مشیح گزرا مسئلہ یا زودہم خاص انھیں کے
رد میں تھا بلکہ کتاب کا اکثر حصہ ان کے رد میں ہے یہاں غالباً ان کا پتا دینے پر اکتفا ہو، مولوی صاحب کی
جلد دوم فتویٰ نمبر ۱۲۶،

قولہ هو المصوب (وہ درست بنانے والا۔ ت)

اقول (میں کہتا ہوں) مولوی صاحب کی عادت ہے کہ ہر جواب سے پہلے ہی لفظ لکھتے ہیں حالانکہ
اولاً اللہ عزوجل پر اس نام کا اطلاق وارد نہیں ہوتا۔

ثانیاً معنی لغت بھی اس کے مساعد نہیں لغت میں مَصَوَّبٌ وہ ہے جو دوسرے کی بات
ٹھیک بتائے، نہ وہ جو اس کی بات کو ٹھیک بنائے یعنی اسے توفیق صواب بخشے، تصویب بعد وقوع قول

لے فتاویٰ قاضیخان کتاب البیوع باب فی بیع مال الربو نکشور لکھنؤ انڈیا ۲/۴۰۷
لے مجموعہ فتاویٰ کتاب الاکل والشرب مطبع یوسفی لکھنؤ، انڈیا ۲/۱۱۵

ہوتی ہے اور توفیق صواب اس سے مقدم۔

ثالثاً اس کے اور معنی بھی ہیں کہ باری عزوجل پر محال ہیں، مصوَّب وہ جو سر جھکائے ہوئے ہو، مصوَّب وہ سوار کہ گھوڑا تیز چلائے۔ قاموس میں ہے :

صوبہ قال له اصبت وراسه خفضه
صَوَّبَهُ کسی کو کہا کہ تُو نے ٹھیک بات کی صوب
راسه اس نے سر جھکایا۔ (ت)

تاج العروس میں ہے :

صوبت العروس اذا ارسلته في الجرى
صوبت العروس یعنی میں نے گھوڑے کو تیز
دوڑایا۔ (ت)

ہاں مصوَّب وہ بھی ہے کہ دوسرے کا سر نیچا کرے یا بلندی سے پستی میں اتارے۔ تاج العروس
میں ہے :

التصويب خلاف التصعيد ومن قطع
صدره صوب الله راسه في النار
ای نكسه اھ مختصراً۔
تصويب، تصعيد کے خلاف ہے اور جس نے بری
کا درخت کاٹا اللہ تعالیٰ نے اس کا سر آگ
میں جھکا دیا اھ مختصراً (ت)

یہ اگر ہوتا تو مثل خافض رافع سے جدا نہ بولا جاتا کما فی کتاب الاسماء والصفات للامام البيهقي
(جیسا کہ امام بیہقی کی کتاب الاسماء والصفات میں ہے۔ ت) پھر جبکہ مضاف الیہ مذکور نہیں تو امثال
مقام میں خود متکلم کی طرف اس کی اضافت مفہوم ہوتی ہے جیسے هو الہادی (وہی ہدایت دینے والا
ہے۔ ت) سے شروع کرنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ قائل اپنے لئے ہدایت مانگتا ہے اس تقدیر پر یہ کیا
دعا ہوتی کہ الہی! قائل کا سر نیچا کر دے، الہی! اُسے پستی میں ڈال دے۔ یہ بحث اگرچہ مسئلہ نوٹ سے
جدا تھی مگر منکر یا ناپسندیدہ پر اطلاع دینا مناسب ہے وباللہ التوفیق۔

قولہ نوٹ ہر چند کہ خلقتہ ثمن نہیں مگر عرفاً حکم ثمن میں ہے۔

۹۷/۱	مصطفیٰ الحلبي مصر	فصل الصادق باب البار	لہ القاموس المحيط
۳۴۱/۱	دار احیاء التراث العربی بیروت	"	لہ تاج العروس
"	"	"	لہ "
۳۹۷/۱	مطبع یوسفی لکھنؤ	کتاب البیوع	لہ مجموعہ فتاویٰ

اقول اولاً یونہی اکتیاں اور پیسے بھی، پھر اس سے کیا حاصل ہوا۔

ثانیاً اگر یہ مراد کہ اہل عرف اس کے لئے ثمن کے جملہ احکام شرعیہ ثابت کرتے ہیں تو صریح غلط بلکہ عامہ اہل عرف ان احکام سے آگاہ بھی نہیں بلکہ یہ عرف مومنین کافرین میں مشترک اور اگر یہ مقصود کہ ثمن سے جو اغراض اہل عرف متعلق ہیں ان سب میں نوٹ کو اُس کا قائم مقام سمجھتے ہیں جب بھی غلط۔ ثمن کے مقاصد سے ایک عمدہ مقصد لباس میں تزیین ظروف وغیرہ میں تجل ہے، اور نوٹ ہرگز اس میں قائم مقام ثمن نہیں، اور اگر یہ مطلب کہ ثمن کے بعض اغراض یعنی تمول اور حوائج تک اس کے ذریعہ سے تو سل میں نائب مناب جانتے ہیں تو ثمن اصطلاحی کے معنی ہی یہ ہیں کہ اہل عرف اپنی اصطلاح سے ان اغراض میں اُسے مثل ثمن کام میں لائیں پھر اس سے جملہ احکام شرعیہ ثمن کا ثبوت کیونکہ ہو گیا کیا ثمن خلقی و اصطلاحی میں شرعاً فرق احکام نہیں۔

ثالثاً حکم شئی میں ہونا جنس و قدر شئی میں شئی سے اتحاد نہیں اور یہاں بتصریح حدیث و جملہ

کتب فقہ اسی پر مدار ہے۔

قولہ بلکہ عین ثمن سمجھا جاتا ہے!

اقول اولاً ثمن اصطلاحی سے عینیت مثل اتحاد خاص و عام مسلم مگر وہ آپ کو مفید نہیں

اور ثمن خلقی یعنی زر و سیم سے عینیت مسلم نہیں، کوئی سمجھ والا کچھ بھی نہیں سمجھتا کہ نوٹ بعینہ چاندی سونا ہو گیا، اگر کہئے مراد یہ ہے کہ لین دین میں اسے ایسا ہی سمجھتے ہیں جیسے روپیہ اشرفی، تو یہ وہی عرفاً حکم ثمن میں ہونا ہوا نہ کہ عین ثمن سمجھا جانا، تو ”بلکہ“ لغو بلکہ غلط ہوا۔

ثانیاً نوٹ بداہتہ ثمن اصطلاحی ہے اور اصطلاحی و خلقی متباین اور متباینین میں عینیت

محال اور اہل عرف مجابین نہیں اور تاویل مذکور ”بلکہ“ سے مہجور۔

ثالثاً اگر بفرض غلط اہل عرف ایسا سمجھ بھی لیتے تو شرع مطہر تو عندیہ کا مذہب جنون روا

نہیں رکھتی کہ ان کے سمجھ لینے سے خود بھی اسے عین ثمن قرار دے کہ جملہ احکام ثمن نافذ فرما دے۔

رابعاً ثمن خلقی جنس ہے دو قسم ذہب و فضہ میں منحصر، اور نوٹ فی نفسہ ایک نوع مستقل

ہے، اس کا عین مفہوم کلی معنی جنس سمجھا جانا تو بداہتہ باطل، اسی طرح انواع مباینہ و متباینہ سے عینیت

اور جنس سے اتحاد خاص و عام کی عینیت تشکیث کرے گی اور وہ شرعاً باطل ہونے کے علاوہ مقصود پر

نص سے عود کرے گی کہ انواع مختلفہ ثمن میں بتصریح حدیث اجماع امت تفاضل حلال۔

قولہ اس وجہ سے کہ اگر نوٹ سو روپے کا کوئی ہلاک کر دے تو اصل مالک سو روپے تاوان لیتا ہے۔

اقول اولاً اگر کوئی سو روپے کا گھوڑا ہلاک کر دے جب بھی مالک سو روپے تاوان لیتا ہے تو کیا گھوڑا اور روپے بھی عین ہو گئے اور پھر نوٹ بھی گھوڑا ہو جائے گا کہ عین کا عین ہے اور لفظ اصل جشو ہے۔

ثانیاً یہ تو ظاہر عبارت پر تھا اب حل سنئے ”لیتا ہے“ سے بخوشی لینا مراد یا یہ کہ وہی حکم شرع ہے کہ اس پر جبر ہو گا اول مسلم اور اس سے وہم عینیت مدفع، اور اگر فرق نہ سمجھنے کا پیوند لگائیے جب بھی لایفنی من جوع کوئی ۶۴ پیسے کسی کے تلف کر دے تو مالک بخوشی ایک روپہ لے لے گا اور اس میں اور ۶۴ پیسے لینے میں کچھ فرق نہ سمجھے گا اس سے روپہ اور پیسے متحد نہ ہو گئے اور ثانی میں جبر متلف پر ہے یعنی اسے روپے ہی دینے پر مجبور کرینگے یا مالک پر کہ اسے قبول زر پر جبر کرینگے اول صراحۃً باطل، وہ سو کا نوٹ بھی دے سکتا ہے اور مالک کو انکار کی کوئی وجہ نہیں بلکہ وہی حکم اصلی ہے کہ نوٹ مثلی ہے معنہذا یہ مقصود پر نص کے ساتھ عائد ہو گا کہ اتلاف نوٹ میں ادائے دراہم پر جبر ہو تو نوٹ قیمتی ٹھہرے اور روپہ مثلی ہے اور قیمت و مثلی ایک نہیں سمجھے جاسکتے اور ثانی بر تقدیر تسلیم مفید عینیت نہیں کہ اثمان راجحہ میں بحال تساوی رواج و مالیت ادا کرنیوالا منحیر ہوتا ہے اور انکار لعنت۔ اس کا بیان رسالہ کے ص ۱۸۵ سے ۱۹۰ تک دیکھئے۔

قولہ اور سو روپے کا نوٹ جب بیچا جاتا ہے تو مقصود اس سے قیمت ملنا اس کا غذ کی نہیں ہوتی ہے کیونکہ پُر ظاہر ہے کہ وہ کاغذ دو پیسہ کا بھی نہیں ہے بلکہ مقصود سو روپے کا بیچنا اور اس کی قیمت لینا ہوتا ہے۔

اقول (۱۳ تا ۱۷) اس کے پانچ رد حاشیہ ص ۱۸۴ میں گزرے، اور (۱۸ تا ۲۲) وہ جو کہا کہ وہ کاغذ دو پیسہ کا بھی نہیں اس کے بھی پانچ رد گزرے چار صفحہ ۱۲۲، ۱۲۵، ۱۲۸، ۱۲۹ پر، اول یہ کہ حسب تصریح علماء کاغذ کا ایک ٹکڑا صرف عاقدین کی تراضی سے ہزار روپے کو بک سکتا ہے نہ یہ کہ بہاں لاکھوں آدمیوں کی اصطلاح۔ دوم کہ قیمتی ہے، سوم حقیر شئی کسی وصف کے سبب اپنے ہزاروں امثال سے گراں ہو جاتی ہے، چہارم ورق علم کا مسئلہ اور پانچواں رد صفحہ ۱۳۸ و ۱۳۹ پر کہ تعوم

میں حال پر نظر ہے نہ کہ اصل پر۔

قولہ اور نوٹ سو روپے کا اگر کوئی شخص قرض لے تو بوقت ادا خواہ نوٹ سو روپے کا دیوے یا سو روپے دیوے دونوں امر مساوی سمجھے جاتے ہیں اور دائن کو کسی کے لینے میں مدیون سے عذر نہیں ہوتا حالانکہ اگر مدیون غیر جنس بوقت ادا دیوے تو دائن نہیں لیتا ہے۔

اقول اولاً پندرہ روپے اگر کوئی قرض لے تو وقت ادا پندرہ روپے دے یا ایک ساؤرن دونوں امر مساوی سمجھے جاتے ہیں اور دائن کو کسی کے لینے میں عذر نہیں ہوتا حالانکہ مدیون غیر جنس دے تو دائن نہیں لیتا تو آپ کے نزدیک روپے اور اشرفی یعنی چاندی اور سونا بھی جنس واحد ہوئے اور قدر تو متحد تھی ہی تو فرض قطعی ہوا کہ سونا جب چاندی سے بچیں دونوں کانٹے کی تول برابر کر لیں رتی بھری ڈبٹی ہوتی تو سود حرام و گناہ کبیرہ و استحقاق نارجم و عذاب الیم ہو گا یہ اجماع قطعی جمیع امت مرحومہ و تواتر قطعی و عقل جملہ عقلائے عالم سب کے خلاف ہے۔

ثانیاً آٹھ آنے پیسے اگر کوئی قرض لے تو وقت ادا پیسے ہی دیے یا آٹھ اکتیاں یا ایک اٹھنی تینوں امر مساوی سمجھے جاتے ہیں دائن کو کسی کے لینے میں عذر نہیں ہوتا حالانکہ مدیون غیر جنس دے تو دائن نہیں لیتا تو چاندی اور تانبہ بھی جنس واحد ہوئے اور چاندی اور سونا پہلے متحد ہو چکے ہیں تو تانبہ اور سونا بھی ایک جنس ہوئے کہ متحد کا متحد ہوتا ہے اور ان سب میں قدر تو متحد تھی ہی تو فرض قطعی ہوا کہ تولہ بھر سونا دو ہی پیسے کو بیچا جائے ایک چھد ما بھی زیادہ ہوا تو سود کا سامنا اور جہنم کی آگ ہے والعیاذ باللہ تعالیٰ، اور تو کیا عرض کروں لیکن صراف اگر اس فتوے پر عمل کر لیں تو بازار تو ایک ہی دن میں پٹ جائے۔

ثالثاً پندرہ روپے کے نوٹ اگر کوئی قرض لے ایک دس اور ایک پانچ کا یا تینوں پانچ پانچ کے، تو وقت ادا خواہ پندرہ کے نوٹ دے یا ایک ساؤرن، دونوں مساوی سمجھے جاتے ہیں اور دائن کو کسی کے لینے میں عذر نہیں ہوتا حالانکہ مدیون غیر جنس دے تو دائن نہیں لیتا تو اب نوٹ اور سونا ایک جنس ہوئے اور آپ نوٹ اور چاندی ایک جنس کر چکے ہیں اور سونا قطعاً دو جنس قبائین ہیں ولہذا باجماع امت و تواتر قطعی ان میں تفاضل روا ہے تو کسی واحد و نوع قبائین سے کیونکر متحد ہوگی۔ ظاہر ہوا کہ اس عذر نہ ہونے کو مفید اتحاد جنس سمجھنا سخت وہم باطل تھا بلکہ اس کی

وجہ وہی تساوی رواج و مالیت ہے جس کا بیان صفحہ ۹، سے صفحہ ۱۰ تک گزرا۔

رابعاً حل یہ ہے کہ بے عذری یعنی قبول ذی حق و اتحاد جنس میں عموم خصوص من وجہ ہے کہیں اتحاد جنس ہے اور قبول نہیں جیسے سونے کا گنا خریدنے والا اس کے بدلے اشرفیاں نہ لے گا اور کہیں قبول ہے اور اتحاد جنس نہیں جیسے پندرہ روپے اور اشرفی، روپے اور نوٹ، نوٹ اور اشرفی، اٹھنی اور پیسے، اٹھنی اور اکنیاں اور مادہ اجتماع ظاہر ہے تو ایک کے وجود سے دوسرے کے حصول پر استدلال ایسا ہے کہ یہ کاغذ ابیض ہے لہذا حیوان ہے کو حیوان ہے لہذا ابیض ہے ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

خامساً یہ شبہ وہی ہے جو نوٹ ہلاک کرنے پر فرمایا تھا وہاں اہلاک سے ضمان آئی تھی یہاں قرض سے بات ایک ہی ہے اور یہی مولوی صاحب کے سارے شبہ کی جڑ ہے اس غرض کے لئے کہ کچھ تو شاندار ہو جائے اسے بار بار دو ایک لفظ بدل کر فرماتے ہیں ہاں بیان میں اتنا فرق ضرور ہو کہ پہلی عبارت نہایت ناقصہ قاصرہ تھی مگر پوری بات اب بھی ادا نہ ہوئی عذر نہ ہونا عذر نہ ہو سکنے کو مستلزم نہیں اور ممکن کہ بوصفت تغایر جنس کسی غرض و وجہ خاص کے سبب عذر نہ ہوں ہاں عذر نہ ہو سکنے کچھ وہم ڈالتا مگر ہم انھیں صفحات میں بحر الرائق و رد المحتار سے اس کا ازالہ کر آئے کہ شرعاً بھی باوجود مغایرت جنس ہنگام استوائے رواج و مالیت قبول پر جبر کیا جاتا ہے اور عذر لعنت قرار پاتا ہے تو اب جرد کا شبہ جڑ سے اکھڑ گیا ولہذا الحمد۔

سادساً طرف مزہ یہ ہے کہ ابھی تو نوٹ کو بے قدر ٹھہرا کر کہ وہ کاغذ دو پیسے کا بھی نہیں اسے معاملہ سے جدا اور خود روپوں پر درود عقد بیان کر چکے ہیں اور یہ بلا فصل اس کے متصل ہی نوٹ پر درود عقد اور اس کے عین جنس نقد بنا دینے کی کوشش ہو رہی ہے یہ تناقض کتنا بالطف ہے۔

سابعاً میں ایک ہی تناقض کہہ رہا ہوں وہاں پہلے فقرے میں نوٹ کو سو روپے کا مال بتایا جس کا تاوان سو روپے آیا دوسرے فقرہ میں اسے موارد عقد سے جلا وطن ہونے کا حکم فرمایا کہ حقیقتہً روپے بکتے ہیں وہ کاغذ تو ٹکے کا بھی نہیں، تیسرے فقرہ میں وہی کاغذ جو نوٹ لے تو پھر سو روپے کا بلکہ سو روپے سے متحد الجنس ہو گیا۔

ثامناً لطف یہ کہ دعویٰ تو وہ فرمایا کہ نوٹ عین ثمن سمجھا جاتا ہے اور اخیر تک بار بار اسی کی تکرار ہوگی اور اس کے دلائل میں یہ کہ روپیوں کا بیچنا مقصود ہوتا ہے نہ اس کاغذ کا، اور ہر شخص جانتا ہے کہ نوٹ نہیں مگر یہ کاغذ تو اگر نوٹ عین ثمن سمجھا جاتا خود اس کاغذ ہی کا بیچنا مقصود ہوتا نہ کہ روپیوں کا تو دلیل مناقض دعویٰ ہے فافہم (پس تو سمجھ)۔

عہ اس طرف اشارہ ہے کہ ان تین اور ۱۳ تا ۲۲ میں اکثر سے عذر خواہی کیلئے (باقی اگلے صفحہ پر)

قولہ بخلاف پیسوں کے کہ وہ بھی اگرچہ عرفاً ثمن ہیں مگر یہ کیفیت اُن کی نہیں، اگر ایک روپے کے عوض میں کوئی چیز خریدے یا ایک روپیہ کسی سے قرض لے اور وقت ادا پیسے ایک روپے کے دے تو دائن اور فروخت کنندہ کو اختیار رہتا ہے کہ وہ لے یا نہ لے اور حاکم کی طرف سے اس پر جبر نہیں ہو سکتا کہ خواہ مخواہ وہ پیسے لے لے۔

اقول اولاً خلاف منصوص ہے جیسا کہ گزرا۔

ثانیاً مشاہدہ کے خلاف اوریوں اعتبار نہ آئے تو اس کا عکس کر دیکھئے کہ ۶۴ پیسے قرض لے یا ثمن قرار دیئے ہوں اور ایک روپیہ دے تو دائن و بائع کو ہرگز کچھ عذر نہیں ہوتا بے تکلف قبول کر لیتا ہے اور عذر کرے تو متعنت ہے اور متعنت کی بات مردود۔

ثالثاً مولوی صاحب چوکے، سوروپے کی مثال لاتے تو بات نظر عوام میں لگتی ہوتی ہوتی واقعی جو سوروپے قرض لے پھر ان کے بدلے چھ ہزار چار پیسے دینا چاہے تو دائن کے گا کہ میں کہاں سیر بھر چاندی کی جگہ دو من پکتے سے زیادہ تانبا لادتا پھروں صندوقچی کے ایک خانہ کی جگہ پیسوں سے مٹکا بھروں مگر ساتھ ہی دوانی چوانی، اٹھنی سب نقص کو آ موجود ہوتیں ہر شخص جانتا ہے کہ دوانی کا کچھ خرید کر دو آنے پیسے دیکھے تو اصلاً جائے انکار نہیں ہوتی اور جب ریز گاری اور پیسے متحد الجنس ہوئے اور ریز گاری اور روپے ایک جنس ہیں تو روپے اور پیسے بھی ایک جنس ٹھہرے کہ متحد کا متحد ہے بلکہ بالواسطہ عینیت کیوں لیجئے اسی کا عکس دیکھئے ۶۴۰۰ پیسے قرض لئے ہوں اور ادا میں سوروپے دیئے ابھی دیکھے بلا عذر قبول ہوں گے اور نہ مانے تو خطلی ٹھہرے تو ظاہر ہوا کہ یہاں بنائے عذر امر خارجی ہے مثلاً منوں بوجھ وغیرہ۔

رابعاً اگر ہم آپ کی ارخائے عنان کو مان بھی لیں کہ صحت عذر اگرچہ بعض صورتوں میں ہو، تانی اتحاد جنس ہے، تو اب نوٹ میں اتحاد کی خیر نہیں ادا ئے قرض کے وقت عذر نہ ہو تسلیم بیع کے وقت ضرور متصور، زید کو سوروپے کا نوٹ ڈاک میں بھجنا ہے کہ ۰۲ کی رجسٹری بس ہوگی اور مٹی آرڈر ایک

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

شاید ایک تاویل گھڑتے کہ ہم نے اشارہ میں صرف ذات من حیث المقدر مراد لی اور مع سائر الاوصاف اسی کو روپے جانا مگر یہ گھڑت کے علاوہ بداہت سے صاف مکابہ اور دعویٰ پر صریح مصادره ہے کمالاً مخفی، لہذا نہ قابلِ عمت نہ بعد سماعت اعتراض سے نجات، بات بن جائے یہ بہر حال ناممکن ۱۲ منہ حفظ رہے۔

روپے میں ہوگا خصوصاً اگر گنگوہی دھرم کا ہوا تو وہ منی آرڈر کو حرام ہی جانے گا اس نے عمر سے نوٹ خریدنا
عمر و تسلیم بیع کے وقت روپے یا بیس بیس کی پانچ اشرفیاں دکھائے زید ہرگز نہ مانے گا تو معلوم ہوا کہ
نوٹ اور من ایک جنس نہیں۔

**قولہ پس پیسے اگر عرفاً من ہیں مگر عین ثمن خلقی نہیں سمجھے گئے ہیں بخلاف نوٹ کے کہ یہ عین
ثمن خلقی ہے گو عینیت خلقیہ نہیں بلکہ عینیت عرفیہ ہوئے**

اقول اولاً اس پس کا حل بھی وہی ہے جو پیشتر گزارا کہ قبول و اتحاد جنس عام خاص من
وجہ ہیں تو جس طرح ایک کے وجود سے دوسرے کے وجود پر استدلال باطل، یوں ہی عدم سے عدم پڑا
کا پہلا استدلال اس طرز کا تھا کہ کو حیوان ہے لہذا یہ ابیض ہے یہ دوسرا اس رنگ کا ہوا کہ کو ابیض
نہیں لہذا حیوان نہیں۔

ثانیاً آپ نے محنت بہت اٹھائی مگر افسوس کہ دعویٰ بے دلیل ہی رہا، آپ کو چاہئے تھا
کہ اولاً عینیت عرفیہ کا مناط منع کرتے نہ کہ ایسا جس پر اتنے نقض ہوں۔ ثانیاً اس مناط کا یہاں
تحقق پایہ ثبوت کو پہنچاتے۔ ثالثاً کلام ائمہ سے اس کا ثبوت دیتے کہ جہاں عینیت عرفیہ ہو شرع اسے
اتحاد جنس مان لیتی ہے اور جب یہ کچھ نہیں تو شرط التصاد سے کیا حاصل۔

ثالثاً ساری کوشش اتحاد جنس کی طرف تو مبذول فرمائی اتحاد قدر کی شرط کہاں بھلائی نئے
اتحاد جنس سے تو تفاضل حرام نہیں ہو جاتا اتحاد قدر بھی تو لازم ہے نوٹ سرے سے قدر ہی
نہیں رکھتا کہ نہ مکمل ہے نہ موزون بلکہ معدود ہے تو ہزار خرابی اگر اتحاد جنس کا چاک ر فوجی ہو جائے
تو اتحاد قدر کا پیوند کہ ہر سے آئے گا تفاضل تو اب بھی حلال رہا۔

رابعاً رسالہ نے ص ۱۴۷ سے ص ۱۵۷ تک دلیل قاہرہ سے ثبوت دے دیا کہ نوٹ
روپیوں کے عوض ادھار بیچنا جائز ہے اگر قدر یا جنس کوئی بھی ایک ہوتی تو نسید حرام ہوتا تو ثابت ہوا کہ
یہاں اصلاً کچھ متحد نہیں۔

قولہ پس تفاضل بیع فلوس میں جائز ہونے سے یہ نہیں لازم کہ نوٹ بھی جائز ہو جائے
کیونکہ پیسے غیر جنس ثمن ہیں حقیقہً بھی اور عرفاً بھی، گو بوجہ اصطلاح اور عرف کے اس میں صفت ثمنیت
کی آگئی ہوئے

اقول اولاً یہ دوسری "پس" اسی پس پیشین کی پس رو ہے جسے پیشتر لپسا کر دیا گیا الشجرة
تنبی عن الشرة (درخت پھل کی خبر دیتا ہے۔ ت)

ثانیاً بعینہ ہی حال نوٹ کا ہے ولکن لا تعلمون (لیکن تم نہیں جانتے۔ ت)

ثالثاً روپے اور اشرفی کا مسئلہ کہاں بھولے صفحہ ۱۶۳ دیکھئے ایک اشرفی کو ایک روپیہ بیچنا
قطعاً درست ہے حالانکہ وہ تو دونوں یقیناً جنس ثمن ہیں حقیقتاً بھی اور عرفاً بھی، اگر کہئے وہ جنس ثمن ضرور
ہیں مگر باہم تو متباین نوعین ہیں اقول یونہی نوٹ بھی، کون عاقل کہے گا کہ روپیہ اور اشرفی دو چیزیں
جدا ہیں مگر اشرفی اور نوٹ ایک ہی چیز ہے اور تفصیل تحقیق یہ ہے کہ ثمن ایک جنس ہے جس کے تحت
دو جنسیں ہیں، خلقی، اصطلاحی۔ اصطلاحی کی نوعیں نوٹ، پیسے، کوڑیاں، اور خلقی پھر ایک جنس ہے
جس کے نیچے دو جنسیں ہیں، سونا، چاندی۔ شرع میں جنس وہ کلی ہے جس کے افراد مختلفۃ الاغراض ہوں،
ظاہر ہے کہ روپے یا اشرفی کی غرض اور ہے اور سونے چاندی کے گنے کی اور، برتنوں کی اور، گوٹے پٹھے کندے
کی اور، تو نوٹ کہ نوع حقیقی ہے جس کے سبب افراد متفقۃ الاغراض ہیں کسی جنس کا بھی عین نہیں ہو سکتا
کہ اتفاق و اختلاف متباین ہیں نہ کہ جنس الجنس کا اور دخول تحت الجنس کا حال اوپر گزرا۔

سابعاً جانے دیجئے ثمن خلقی کی نوع سے ہی اتحاد سہی تو دو نوع متباین سے تو متحد نہیں
ہو سکتا ورنہ متباین باہم متحد ہو جائیں گے اور شعی اپنے نفس کی مباین ہوگی ناچار ایک سے اتحاد ماننے گا
اور وہ نہیں مگر روپیہ کہ آپ دس کا نوٹ بارہ روپے کو بیچنا حرام کر رہے ہیں تو اشرفی سے یقیناً متحد نہ ہوگا
اب دس روپے کا نوٹ ہزار اشرفی کو بیچنا حلال کیجئے اور دوانی اوپر دس روپے کو بیچنا حرام، دنیا میں
اس سے بڑھ کر بھی کوئی عجیب فتویٰ ہوگا۔ دیکھئے رسالہ کا صفحہ ۱۸۸:

قولہ پس ہرگاہ نوٹ عرفاً جمیع احکام میں عین ثمن خلقی سمجھا گیا۔

اقول اولاً اغراض کہئے کہ یہی اہل عرف کے ہاتھ میں ہیں نہ کہ احکام شرعیہ جو نہ ان کے
ہاتھ میں ہیں نہ ان کے اکثر کو معلوم، نہ ان کی طرف انھیں التفات بلکہ اکثر کو ان پر ایمان بھی نہیں تو
احکام شرعیہ میں اہل عرف کا اسے عین سمجھنا محض کذب اور اپنی اغراض میں یکساں جاننا احکام شرعیہ
میں اتحاد کو مستلزم نہیں اور بقیہ کلام رد قول اول میں گزرا۔

ثانیاً جیسی عینیت آپ یہاں بتا سکتے ہیں بعینہا ویسی ہی اکتیوں اور پیسوں کو دوانی چوانی اٹھنی

سے وہاں تفاضل کیوں جائز ہوا۔

ثالثاً روپے اشرفیاں تو خود عین ثمن خلقی ہیں کسی کے سمجھنے پر موقوف نہیں ان میں کمیوں درست ہوا۔

قولہ باب تفاضل میں اسی بنا پر حکم دیا جائے گا اور تفاضل اس میں حرام ہوگا۔

اقول اولاً یہاں آکر اس تیسری ”پس“ کا خاتمہ ہوا اور پہلی دلیل نے دم توڑا مگر یہ ”پس“

پسینہ تو سب پسہائے پیشینہ سے علاقہ بہ عقل میں پس اور وضوح بطلان میں پیش ہے سب خرابیاں اور طہ کر فرض کر لیجئے کہ بان تفاضل حرام ہوا تو وہ تفاضل تو حرام ہوگا جو ثمن خلقی میں حرام تھا جس کا اسے عین سمجھا گیا یا دلیل لاتے وقت تک عینیت تھی اور نتیجہ دیتے وقت غیریت کا یا پلٹ ہو کر کوئی نیا حکم نکالے گی جو ثمن خلقی میں اصلاً نہیں آخراً اسی بنا پر تو حکم لگاتے تھے کہ نوٹ ثمن خلقی کا عین ہے تو وہی حکم لازم ہوگا جو ثمن خلقی میں تھا، نہ اس کا غیر کہ حکم لازم شئی ہوتا ہے اور تغیر لازم نافی عینیت ملزوم، اب دیکھ لیجئے کہ ثمن خلقی میں کون سا تفاضل حرام ہے قدر میں یعنی کانٹے کی تول وزن میں برابر ہونا لازم اگرچہ مالیت میں کتنا ہی فرق ہو، اب جو آپ سو روپے کا نوٹ سو روپے کو بیچنا حلال کر رہے ہیں اپنے طور پر یقیناً سو دھلال کر رہے ہیں کہ سو کا نوٹ کبھی وزن میں سیر بھر نہ ہوگا، دیکھئے رسالہ ص ۱۹۰ تا ۱۹۲۔

ثانیاً (۴۸ تا ۵۷) تفاضل مالیت کے جواز پر دس دلیلیں رسالہ میں گزریں صفحہ ۷۵ تا ۸۰

ملاحظہ ہو۔

قولہ فانما الاعمال بالنیات^۲ (اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے۔ ت)

اقول جناب گرامی نے صفحہ بھر کی دلیل میں محض اپنے تخیلات سے کام لیا کوئی حرف سند میں نہ لائے

اور یہ بھی پسند نہ فرمایا کہ دلیل یونہی من گھڑت پر گزر جائے اصلاً سند کا نام نہ آئے لہذا یہ حدیث شریف صرف وزن بنانے دلیل کا بھرم رکھنے کو ذکر فرمادی، اگر عرض کیجئے کہ اسے محل سے کیا علاقہ آپ کی دلیل کے کس مقدمہ کا اس سے ثبوت، تو جواب یہی ہوگا کہ کچھ نہیں مگر آخر حدیث صحیح ہے اس کا پڑھنا ثواب سے تو خالی نہیں اگرچہ محل سے بے علاقہ ہو اسی نیت سے ہم نے لکھ دی وانما الاعمال بالنیات و لکل امری ما نوى (اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی۔ ت) دلیل کا حاصل صرف اتنا ہے کہ نوٹ اہل عرف کے نزدیک جمیع احکام میں ثمن خلقی کا عین ہے کچھ تفاوت

نہیں سمجھتے اور جو جمع احکام میں بلا تفاوت عین ہو تفاضل میں بھی عین ہو گا کہ یہ بھی ایک حکم ہے لہذا نوٹ میں تفاضل حرام اس میں کبریٰ تو واضح ہے کہ محتاج استدلال نہیں اور حدیث کا اس سے بے علاقہ ہونا بھی واضح۔ ساری عرق ریزی ثبوت صغریٰ میں فرمائی ہے جس کی خدمت گزارہ گزری کہ ایک حرف بھی ٹھکانے کا نہیں مگر یہ فرمائیے کہ حدیث اس کا کیا ثبوت دیتی ہے اعمال نیتوں پر ہیں اور ہر شخص اور اس کی نیت اس سے کیا ثابت ہوگا کہ نوٹ عرفاً جمع احکام میں ثمن خلقتی کا عین ہیں ہاں یہ کہتے کہ جب اہل عرف نے دیدہ و دانستہ کاغذ کو کاغذ، سیم و زر کو سیم و زر سمجھتے ہوئے نیت کر لی کہ یہ کاغذ جمع احکام میں سونے چاندی کا عین ہے تو ان کے حق میں عین ہو گیا کہ اعمال نیت پر ہیں اور ہر شخص اور اس کی نیت۔

اقول نوٹ کا بعینہ سونا چاندی ہونا کوئی عمل نہیں بیع و شرار وغیرہ معاملات عمل ہیں اور نوٹ ان کا محل اور محل تابع نیت نہیں ورنہ عندیہ کا مذہب لازم آئے زوجہ میں ماں ہونے کی نیت لے لے حرام ابدی کرے حالانکہ بنص قطعی قرآن اُسے ماں کہنے کی صریح تصریح بھی حرام نہیں کرتی صرف یہ قول باطل و گناہ ہوتا ہے۔

قال تعالیٰ الذین یظہرون منکم من نسائہم ماہن امہتہم ان امہتہم الا اللہ ولدنہم وانہم لیقولون منکرا من القول وزورا وان اللہ لعفو غفور لہ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا، تم میں جو اپنی عورتوں کو اپنی ماں کہیں وہ ان کی ماں نہیں ان کی مائیں تو وہی ہیں جن سے وہ پیدا ہیں اور وہ بیشک ضرور بُری اور جھوٹی بات کہتے ہیں اور بیشک اللہ ضرور معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔

اور عکس کی نیت اور بھی شنیع و ناپاک تر ہے یوں ہی اگر بفرض غلط تسلیم کر لیا جائے کہ اہل عرف نے نیت کر لی کہ نوٹ بعینہ ثمن خلقتی اور بذاتہ سونا چاندی ہے تو ان کی نیت سے نہ وہ کاغذ سے سونا چاندی ہو جائے گا نہ اصطلاحی سے خلقتی، ان کا اختیار اصطلاح تک ہے تو اس سے ثمن اصطلاحی ہو گا نہ خلق و آفرینش پر کہ ثمن خلقتی ہو جائے لا تبدیل لخلق اللہ (اللہ تعالیٰ کی خلق میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ ت) پھر فرمائیے حدیث کو یہاں سے کیا علاقہ ہوا۔

قولہ ولکل امرئ ما نوى (ہر شخص کے لئے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی۔ ت)

لہ القرآن الکریم ۲/۵۸
لہ القرآن الکریم ۳۰/۳۰
کتاب البیوع
مطبع یوسفی لکھنؤ
۳۹۷/۱
لہ مجموعہ فتاویٰ

اقول الحمد للہ حدیث کا یہ جملہ تو ہمیں کو مفید ہے آپ کی خاطر سے پہلا باطل یہ تسلیم کر لیں کہ اہل عرف نے وضو کر کے نیت باندھ لی ہے کہ نوٹ بعینہ سونا چاندی ہے دوسرا اس سے بڑھ کر اشد باطل، — یہ مان لیں کہ دیدہ و دانستہ اُن کی اس غلط نیت سے شرع نے بھی ان کے حق میں اُسے سونا چاندی کر دیا، تیسرا سخت باطل یہ اور ٹھہ لیں کہ شرع نے اسے سونا چاندی مان کر خود سونے چاندی میں جو حکم شرعی تھا کہ تفاضل وزن میں حرام ہے نہ کہ مالیت میں، اس زبردستی کے سونے چاندی میں اسے بالکل پلٹ دیا کہ اس میں تفاضل مالیت میں حرام ہے نہ کہ وزن میں، اب تو بالکل سب گھڑتیں آپ کی من مانتی مان لیں مگر الحمد للہ یہی حدیث بتا رہی ہے کہ اب بھی دس روپے کا نوٹ زید و عمرو باہم سو روپے کو بچیں مول لیں خواہ ایک روپیہ کو سب حلال جناب من! جب یہاں تفاضل کا طبعی مالیت پر ٹھہرا اور نوٹ کی یہ مالیت بھی خلقی نہیں محض اصطلاحی ہے آپ خود فرما چکے ہیں کہ وہ کاغذ و پیسہ کا بھی نہیں تو اہل عرف ہی کی اصطلاح و نیت نے اسے دس روپے کا کر دیا اور اُن کی اصطلاح و نیت ان دونوں عاقدوں پر حاکم نہیں انھیں اپنی جدا اصطلاح و نیت کا اختیار ہے آپ خود حدیث نقل کرتے ہیں، لکل امریٰ مانوی (اور ہر شخص کے لئے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی۔ ت) ہر شخص کے حق میں اس کی اپنی نیت کا اعتبار ہے، نیز رسالہ کا صفحہ ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵ ملاحظہ ہو، تو جب زید و عمرو نے اپنے معاملہ میں اُس اختیار کی بنا پر جو شرع مطہر نے اُن کو دیا اصطلاح عام کی پیروی نہ کی بلکہ اس سے عدول کر کے جو نوٹ عرف عام نے دس روپے کا ٹھہرایا تھا سو روپے یا ایک ہی روپیہ کا قرار دیا ان پر اصلاً اس میں مواخذہ نہیں، نہ زہار مالیت میں کچھ تفاضل ہوا کہ مالیت بر بنائے اصطلاح تھی ان کے حق میں وہی مالیت ہے جو انھوں نے باہم قرار دے لی اس لئے کہ لکل امریٰ مانوی (ہر شخص کے لئے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی۔ ت) ہر شخص اور اس کی نیت حدیث سے اچھا استدلال کرنے چلے کہ اور لینے کے دینے پڑ گئے۔

لطیفہ جلیلیہ : یہ جگہ تہی دلیل جسے مولوی صاحب نے گل سرسبد بنایا اور آخر میں ہذا ماسنح لی (یہ وہ ہے جو میرے لئے ظاہر ہوا۔ ت) فرمایا یعنی یہ وہ ہے جو اچانک میرے خیال

لے و لے صحیح البخاری باب کیف کان بدو الوجی قیدی کتب خانہ کراچی
لے مجموعہ فتاویٰ کتاب البیوع مطبع یوسفی کھنؤ

۲/۱
۳۹۸/۱

میں آیا مولوی صاحب کی اپنی سعی بازو نہیں بلکہ اسی فقیر بارگاہ قدیر غفرلہ کے فتویٰ سے اخذ کی ہے تیس برس ہوئے فقیر کے پاس اس کا سوال آیا تھا کہ نوٹ پر بٹالگانا مثلاً سو روپے کا نوٹ ننانوے میں خرید لینا جائز ہے یا نہیں فقیر نے نظر فقہی کا مقتضی جواز بتایا اور تنویر الابصار و عام کتب سے اس پر استدلال کیا، میرا یہ فتویٰ مولوی صاحب کے یہاں پہنچا جسے انھوں نے اپنے مجموعہ فتاویٰ میں درج کیا کہ اس کی جلد دوم میں فتویٰ حامی سنت جناب مولانا مولوی محمد ارشد حسین صاحب رامپوری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ طبع ہوا اور وہیں سے مجھے ملا کہ اُس وقت تک مجھے اپنے فتاویٰ رکھنے کا التزام نہ تھا اور اسی سے حضرت فاضل رامپوری کا فتویٰ معلوم ہوا جس پر مجموعہ فتاویٰ مولوی لکھنوی صاحب میں نمبر ۱۲۳ ہے اور میرا فتویٰ نمبر ۱۲۴ ہے دونوں میں حکم جواز ہے، پھر ایک چار سطر کی فتویٰ بعض علمائے مدراس کا نمبر ۱۲۵ ہے اس میں بھی جواز ہی کا حکم ہے اس کے متصل نمبر ۱۲۶ میں مولوی صاحب کا یہ فتویٰ ہے جس میں انھوں نے فتویٰ فقیر کے بعض کلمات سے تعرض کیا اور باقی کا کچھ جواب نہ دیا، میں نے اس بنا پر کہ نوٹ بہت جدید حادث ہے کتب فقہیہ میں اس کا ذکر صرح نہیں مگر تمام کتب کا ضابطہ کلیہ حکم جواز بتا رہا ہے حکم لکھ کر ادہام کا جواب دے کر آخر میں ہذا ما ظہری واللہ سبحنہ و تعالیٰ اعلم (یہ وہ ہے جو میرے لئے ظاہر ہوا، اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ ت) مولوی صاحب نے اس بنا پر کہ میرے کلام کا کوئی جواب کتاب سے نہ دے سکے اپنے مخیلات پر عامل ہوئے آخر میں ہذا ما سنح لی واللہ اعلم بالصواب (یہ وہ ہے جو میرے لئے ظاہر ہوا اور اللہ سبحنہ و تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ ت) لکھا یہ دلیل کہ مولوی صاحب کی معتمد ہوتی فقیر نے پہلے ہی اپنے فتویٰ میں بنام وہم لکھ کر رد کر دی تھی مولوی صاحب نے دلیل تو اٹھالی اور رد کے جواب سے عمدہ برائی نہ کی میرے فتویٰ میں بعد بیان حکم و عبارت کتب تھا ”مسئلہ کا جواب تو اسی قدر سے ہو گیا لیکن غیر فقہیہ کو ایسی جگہ یہ وہم گزرتا ہے کہ ہر چند اصل حقیقت میں نوٹ صرف ایک چھپے ہوئے کاغذ کا نام ہے مگر عرف و اصطلاح میں گویا وہ بعینہ روپیہ ہے اس لئے ہر جگہ روپے کا کام دینا ہے لہذا میں سو روپے کا نوٹ دینے اور سو روپے دینے میں ہرگز تفاوت نہیں سمجھا جاتا عموماً اس کے ساتھ معاملہ اٹمان برتا جاتا ہے تو گویا وہ سو روپے تھے کہ بعض ننانوے کے خریدے گئے اور اس کی حرمت میں کچھ شبہ نہیں تو صورت مستفسرہ میں حکم تحریر دینا چاہئے۔“ دیکھئے اسی وہم کو مولوی صاحب نے اخذ کیا اور دلیل بنایا جس مضمون کو میں نے چار پانچ سطر میں ادا کیا تھا مولوی صاحب نے اسی کو

صفر بھر میں پھیلا یا مگر افسوس کہ پھر بھی ویسا ادا نہ ہو سکا،

اولاً مولوی صاحب نے ثمن خلقتی سے عینیت لی جس کے تحت میں اجناس داخل اور اس کے سبب جو اعتراضات ہوئے آپ نے سُننے میں نے ابتداءً ہی روپے کی تخصیص کی کہ گویا وہ بعینہ روپیہ ہے۔
ثانیاً مولوی صاحب نے عینیت فی الواقع ثابت مان لی کہ بار بار فرمایا "عین ثمن سمجھا جاتا ہے" فرمایا "عین ثمن خلقتی ہے" اس پر جو اعتراضات قاہرہ وارد ہوئے ناظرین کے پیش نظر ہیں فقیر نے انھیں کے انسداد کو لفظ گویا زائد کر دیا تھا کہ گویا بعینہ روپیہ ہے، گویا وہ سُو روپے تھے۔

ثالثاً مولوی صاحب نے اہل عرف کے سر یہ تھوپا کہ نوٹ عرفاً جمیع احکام میں عین ثمن خلقتی سمجھا گیا جس کا رد سُن چکے، میں نے اسے ان لفظوں میں ادا کیا تھا کہ "عموماً اس کے ساتھ معاملہ اٹمان برتا جاتا ہے" جس سے وہ اعتراض کہ بر بنائے لفظ احکام وارد ہے وارد نہ ہوا، ہاں میں نے غیر فقیہ کے لئے بھی یہ وہم پسند نہ کیا تھا کہ نوٹ بیچنے میں اس کی قیمت یعنی مقصود نہیں ہوتی بلکہ سُو روپے بیچنا اور روپیوں کی قیمت لینا منظور ہوتا ہے یہ خاص مولوی صاحب کا حصہ ہے اس کے اعتبار سے ان کا ماسنح لی فرمانا بجا ہے لکل ساقطۃ لا قطة (ہر گری پڑی شئی کو کوئی اٹھانے والا ہوتا ہے - ت)۔ اب جواب کی طرف چلے، فقیر نے دفع دخل کے لئے وہ وہم ذکر کر کے لکھا "مگر جسے فن شریف فقہ میں کچھ بھی بصیرت حاصل ہے اس کے نزدیک اس وہم کا ازالہ نہایت آسان ہے" (پھر مال کی چاروں قسمیں جو رسالہ کے ص ۱۳۳ سے ۱۳۴ تک گزریں بیان کر کے لکھا "نوٹ کے ساتھ اگر معاملہ اٹمان برتا جاتا ہے تو غایت درجہ قسم رابع سے قرار پائے گا کہ اصل خلقت میں سلع ہے مگر بسبب تعارف ثمن ٹھہرا ہوا ہے اور از انجا کہ اٹمان اصل یہ سوا سیم وزر کے کچھ نہیں لہذا اہل عرف اگر غیر ثمن کو ثمن کرنا چاہیں تو ناچار اس کی تقدیر اٹمان خلقتی ہی سے کریں گے اس لئے پیسوں کی مالیت یونہی بتائی جاتی ہے کہ روپے کے سولہ آنے پس نوٹ کو جب عرفاً ثمن کرنا چاہا اس کے اندازہ میں بھی اصل ثمن کی جانب رجوع ضرور ہوتی اور یوں ٹھہرایا گیا کہ فلاں نوٹ سُو روپے کا فلاں دو سو کا فلاں ہزار کا، مگر یہ صرف تقدیر ہی تقدیر ہے اس سے اتحاد جنس و قدر ہرگز لازم نہیں آتا جیسے اندازہ فلوس سے چونسٹھ پیسے کا عین نہ ہو گئے یونہی اس قرار داد سے وہ نوٹ حقیقہ سُو روپے یا چاندی نہ ہو جائے گا پس علت ربا کا تحقق ممکن نہیں، باقی رہا عرف و اصطلاح اس کا اتباع عاقدین پر بایں معنی ضرور نہیں کہ جو قیمت انھوں نے ٹھہرا دی ہے یہ اس سے کم و بیش نہ کر سکیں، یہ دونوں اپنے معاملہ میں مختار ہیں چاہے سُو روپے کی چیز ایک پیسے کو بیچ ڈالیں یا ہزار اشرافی کو خرید لیں صرف تراخی درکار ہے و بس۔ امام علامہ محقق علی الاطلاق فتح القدر میں فرماتے ہیں،

لوباع کاغذۃ بالف یجوز ولا یکرۃ الخ۔ اگر کسی نے ایک کاغذ ہزار کا بیچا تو بلا کر اہت
جائز ہے الخ (ت)

آخر نہ دیکھا ایک روپے کے پیسے بتعین عرف ہمیشہ معین رہتے ہیں مگر علمائے اٹھنی سے زیادہ کے عوض
میں آٹھ آئے بچار وار کھا اور سب جانتے ہیں کہ ایک اشرفی کئی روپے کی ہوتی ہے لیکن فقہانے ایک روپے کے
عوض ایک اشرفی خریدنا جائز ٹھہرایا تو وجہ کیا ہے وہی اختلاف جنس جس کے بعد تفاضل میں کچھ حرج نہیں رہتا،
پھر ان مسائل کے ثبوت میں درمختار کی عبارتیں لکھ کر کہا ”جب یہاں تک شرعاً جائز رہا تو سو روپے کا نوٹ
ننانوے کے عوض خریدنے میں کیا حرج ہو سکتا ہے کہ یہاں نہ تو قدر متحدہ جنس واحد الیٰ اخوۃ۔ یہ ہے بحمد اللہ
تعالیٰ وہ نفس منیر تقریر کہ بنگاہ اولیں قلب فقیر پر فیضِ قدیر سے فائز ہوئی تمام رسالہ گویا اسی کی شرح
اسی کے اجمال کی تفصیل ہے والحمد للہ سب العالمین میرے بیان کا حاصل چند امر تھے،

(۱) نوٹ اور روپے ایک جنس نہیں۔

(۲) ان میں قدر مشترک نہیں۔

(۳) نوٹ کے ساتھ اہل عرف کا معاملہ اثمان برتنا اُسے اصطلاحی کرے گا نہ کہ خلقی۔

(۴) روپیوں سے اندازہ قیمت نے اُسے روپے نہ کر دیا ہر اصطلاحی کا اندازہ خلقی ہی سے ہوتا ہے جیسے پیسے۔

(۵) اصطلاح کی پیروی عاقدین پر نہیں وہ اپنی تراضی سے جو چاہیں کم و بیش کریں۔

(۶) علمائے کاغذ کا ٹکڑا ہزار روپے کو بیچنا جائز فرمایا۔

(۷) پیسوں میں اصطلاح عام کی مخالفت جائز فرماتی۔

(۸) خود شن خلقی روپے اشرفی میں مخالفت عرف عام کی اجازت دی کہ ایک روپیہ ایک اشرفی کو بیچیں۔

مولوی صاحب نے اوکلا یکم کے جواب کو وہی وہم سیکھا جسے لفظ گویا اڑا کر باسکل کھویا، مگر
دوم سے کچھ تعرض نہ کیا یا شاید اپنے زعم میں عینیت عرفیہ فی الاحکام کہتے کہتے عینیت حقیقیہ فی الاجسام
سمجھ لے ہوں یعنی ہم نے کاغذ کو پیٹ پاٹ کر چاندی سونا کر دیا پھر اتحاد قدر کیوں نہ ہو گا کہ شے اپنے نفس
سے مختلف نہیں ہو سکتی۔

ثانیاً ادعائے عینیت پر وہی وہم والی ایک دلیل لائے کہ نوٹ عرفاً جمیع احکام میں عین شن خلقی
سمجھا گیا اور آخر فتوے میں اتنا اور بڑھائیں گے کہ اور تمام مقاصد شن خلقی کے اس کے ساتھ متعلق ہوتے

اسی کو میں نے ان صحیح و مختصر الفاظ سے تعبیر کیا تھا کہ عموماً اس کے ساتھ معاملہ اٹھان برتا جاتا ہے میں نے امر سوم میں جو اس کا رد کیا تھا کہ اس سے ثمن اصطلاحی ہوا نہ خلقی اس کا جواب غائب۔

ثالثاً اس پر دوسری دلیل بھی وہی وہم والی لائے جسے بیگمیں میں پھیلا یا اور بات اُتی ہی ہے جو میں نے لکھی کہ لین دین میں سوکانوٹ اور سو روپے میں تفاوت نہیں سمجھا جاتا اور میں نے امر چہارم میں جو اس کا رد کیا کہ عرف نے اُسے ثمن بنایا اور اصطلاحی کا اندازہ خلقی ہی سے ہوگا لہذا اس نوٹ کا اندازہ سو سے کیا اور سو روپے کی جگہ کام آیا جیسے سولہ آنوں کا اندازہ روپے سے کیا اور روپے کی جگہ کام آئے نہ یہ کہ نوٹ یا پیسے روپے کا عین ہو گئے اس کا جواب غائب۔

رابعاً امر پنجم میں جو میں نے ایک عظیم قاہر زرد کی طرف اشارہ کیا تھا جو سب کچھ مسلم ٹھہرا کر لگی نہ رکھی جس کا بیان ابھی صفحہ ۱۳۲ میں گزرا اور جس پر نصوص جلیلہ کتب مذہب اور خود قرآن عظیم و احادیث نبی کریم علیہ و علی آلہ افضل الصلوٰۃ و التسلیم شاہد اس کا جواب غائب۔

خاصاً تین امر باقی کہ میں نے اسی امر پنجم کے نظائر دکھائے تھے ان میں بھی امر پنجم یعنی روپے اشرفی کی کئی مثال کا جواب غائب، اور ہفتم کے جواب کی خدمت گزار ہی سُن چکے اور ششم کا جو مزہ دار جواب سب میں آخر میں دیا ہے اُس کا لطف ان شاء اللہ تعالیٰ عنقریب اٹھائے گا، غرض آٹھ باتوں میں پانچ کا جواب کچھ نہ دیا اور تین کا جواب وہ دیا کہ نہ دینا اس سے ہزار جگہ بہتر تھا۔

الحمد للہ اہل انصاف ملاحظہ فرمائیں گستاخی معاف وہ اجلہ اکابر فضلار کہ ائمہ مجتہدین عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اقوال کو پرکھنے کا ادعا رکھیں کہ قال ابو حنیفہ کذا والحق کذا (ابو حنیفہ نے یوں کہا اور حق یوں ہے) استدلالاً ابی حنیفہ بوجوہ والکل باطل (ابو حنیفہ کے لئے متعدد دلائل بیان کئے گئے اور سب باطل ہیں) ہہنا وہم آخر لصاحب الکتاب (یہاں اس کتاب والے (یعنی سیدنا امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کا ایک اور وہم ہے) ایسے گرانمایہ اجتہاد پایہ حضرات کسی مسئلہ میں ابو حنیفہ کے گدایانِ در کے غلامانِ غلام کی خاکِ پا کے زلہ رباؤں کے ادنیٰ خوشہ چینی سے خلاف کریں تو اپنے لئے دلیل اسی سے سیکھ کر لکھیں اور وہ بھی جس روش پر اُس نے ادا کی ادا نہ کر سکیں پھر اس نے جو اُس کے جواب دیئے اُن سے عمدہ برآ نہ ہوں، اُس کے کلام کے مقاصد و فوائد تک نہ پہنچیں اکثر سے سکتا کریں اور بعض کا جواب محض ناصواب دیں، طولانی تقریر فرمائیں جس کا فقرہ فقرہ جملہ جملہ والکل باطل (اور سب باطل ہے۔ ت) کے گہرے رنگ میں رنگا ہو ایک ایک لفظ ایک حرف پر ہہنا وہم آخر (یہاں ایک اور وہم ہے۔ ت) کا دیر پڑا ہویا امام الائمہ سراج الائمہ کاشف الغمہ مالک الائمہ نائل العلم

من الشریا ابو حنیفہ اور ان کے چھوٹے بیٹے امام ربانی محرم المذہب محمد بن الحسن شیبانی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی کرامت نہیں تو کیا ہے۔ حاشا میں اس سے مولوی صاحب کی کسر شان نہیں چاہتا، وہ ایک وسیع الباع طویل الذراع فاضل طباع ہیں اور فقیر حقیر ایک غریب طالب علم قاصر القدرۃ قلیل المقدر اپنے مولائے کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کی بشارت عظیم فطوبی اللعرباء (غریبوں کے لئے خوشخبری ہے۔ ت) کا بلا استحقاق محض ان کے فضل سے امیدوار بلکہ مقصود اپنے امم کرام کی کرامت عالیہ کا اظہار ہے ولس، الہی! تیری بے شمار رضائیں ابو حنیفہ پر اور ان سب پر جو عقائد میں ان کے موافق ہو کر اعمال میں ان کے مقلد ہیں، یونہی بقیہ امم مجتہدین کرام اور ان کے ایسے ہی مقلدوں پر تاروز قیام و علیٰ حبیبنا وشفیعنا افضل الصلوٰۃ والسلام (ہمارے حبیب اور شفاعت فرمانے والے پر بہترین درود و سلام ہو۔ ت)۔

تسلیمہ : اتنا ملحوظ رہے کہ میدان بجز اللہ تعالیٰ ہمارے ہاتھ ہے مقاصد بحث پر ہمارے سب اعتراض حق و لا جواب ہیں اور بعض کہ بیان مولوی صاحب پر ہیں اگر اہل تاویل تبدیل و تحویل کریں تو بعد درود اعتراض تسلیم اعتراض ہے کاش مولوی صاحب اس شبہہ کا بیان ہم سے کرا لیتے تو بہت بادی چھنٹ جاتی اور ہمارے قلم کو بھی آرام ملتا کہ رد میں ایک مختصر سا کلام ہوتا اور کوئی آپ کو یہ بھی نہ کہتا کہ کہا اور کہہ نجانا مگر مولوی صاحب کی عنایات نے وسعت دکھائی کہ یہاں تک نوبت آئی بہر حال ہمیں ہر طرح نفع ہے ولعہ الحمد۔

تسجیل حلیل : چلتے وقت سب سے بھاری خود اپنی دھوم دھامی گواہی لیتے جاتے کہ نوٹ اور روپوں میں ربا ممکن ہی نہیں آپ کے فتاویٰ کی تیسری جلد جس کے سوالات خود آپ نے پیدا کر کے ان کے جواب لکھے اور ان میں دو جلدیں پیشین کے اغلاط کی جا بجا اصلاح کی جیسا کہ ناظرین پر مخفی نہیں اسی کے باب الربا کا پہلا سوال و جواب دیکھے جس میں آپ نے ربا کی تعریف لکھی ہے اور دل ہی دل میں انصاف کر لیجئے کہ یہ تعریف مسئلہ نوٹ میں کیونکر صادق آسکتی ہے، آپ فرماتے ہیں،

سوال : ربا چیست ؟

جواب : مالی معاوضہ میں دو ہم جنس چیزوں سے ایک کی کیل یا وزن کے اعتبار سے دوسری پر بلا عوض زیادتی۔ بحر الرائق میں وارد ہے کہ مطلق زیادتی بالاجماع مراد نہیں کیونکہ تمام مسلم ممالک میں بازاروں اور منڈیوں کا کھلنا زیادتی اور نفع کے حصول کے لئے ہوتا ہے بلکہ بیشک مخصوص زیادتی

جواب : فضل احد المتجانسین کیل یا وزن تا بردیگر در معاوضہ مالیہ بلا عوض، در بحر الرائق آورد و لیس المراد مطلق الفضل بالاجماع فان فتح الاسواق فی سائر بلاد المسلمین للاستفصال والاسترباح وانما المراد فضل مخصوص

وہو فضل مال بلا عوض فی معاوضۃ
 مال بہ مال ای فضل احد المتجانس علی
 الاخر بالمعیار الشرعی ای الکیل و
 الوزن، انتھی۔
 مراد ہے اور وہ مال کے عوض مال میں بلا عوض مالی اضافہ
 اور زیادتی ہے یعنی دو ہم جنس چیزوں میں سے ایک
 کی دوسری پر زیادتی معیار شرعی یعنی کیل و وزن کے
 ساتھ، انتھی۔ (ت)

دیکھئے کیسی کھلی تصریح ہے کہ ہر زیادت سود نہیں، بازار کھلے ہی اس لئے ہیں کہ زیادت ملے نفع ہاتھ
 لگے بلکہ سود ہونے کو ضرور ہے کہ دو متحدہ جنس چیزوں میں کہ دونوں وزنی یا دونوں کیلی ہوں کہ تول یا ناپ
 سے بکتی ہوں ایک دوسری سے خاص اسی ناپ یا وزن میں زائد ہو اس کے سوا کسی اور بات میں زیادتی کا
 یہاں لحاظ نہیں بیشک ہمارے علماء کے اجماع سے ربا کی یہی تعریف ہے شکر ہے کہ اس کے آپ
 مقرر ہوئے اور والکل باطل (اور سب باطل ہے۔ ت) نہ فرما دیا مگر اس اقرار نے اس تفسیر کو
 والکل باطل (اور سب باطل ہے۔ ت) بنا دیا، نوٹ اور روپے سرے سے ایک جنس ہی نہیں، بچہ
 بھی جانے گا کہ چاندی اور کاغذ ایک جنس نہیں ہو سکتے، اور بفرض باطل مجالست سہی تو نوٹ تول کر
 نہیں بکتا، اور اگر تول بھی موجود ہو تو سو کا نوٹ سو کو بیچنا بھی قطعی سود ہو کہ سو روپے بلاشبہ تول میں نوٹ سے
 کہیں زائد ہیں اور آپ اسی کو واجب کر رہے ہیں تو آپ نے سود نہ صرف حلال بلکہ واجب کر دیا تو مفروضی ہے
 کہ نوٹ اور روپیہ ایک جنس نہیں یا تول نہیں یا دونوں نہیں بہر حال آپ ہی کے اقرار سے کھل گیا کہ چاہے
 دس کا نوٹ لاکھ روپے کو بیچے یہاں ربا ہی نہیں سکتا کہ یہ اس کی تعریف ہی میں داخل نہیں، و
 هو المقصود (اور وہی مقصود ہے۔ ت)۔

قولہ اور اگر اس میں ربا حقیقہ نہ ہو تو شبہہ ربا سے تو مفر نہیں اور تمام کتب فقہ میں
 مرقوم ہے شبہہ ربا باعث حرمت ہے۔

اقول اولاً یہ مولوی صاحب کا دوسرا پہلو ہے، خود بھی سمجھے کہ یہاں ربا کی گاڑی چلتی نظر نہیں
 آتی لہذا شبہہ کے ٹھیلے کی طرف جھکے مگر کیوں مفر نہیں اس کا ثبوت فی البطن۔ مولوی صاحب کو
 اولاً منع کرنا تھا کہ شبہہ ربا کا مناط یہ ہے جہاں یہ پایا جائے شبہہ متحقق ہوگا۔ ثانیاً ادھر ادھر
 خوب جھانک لینا تھا کہ تصریحات ائمہ سے اس پر نقص تو نہیں پڑتا کہ تنقیح کا نتیجہ کر دے۔ ظاہر ہے

کہ نوٹ میں تحققِ شبہہ منصوص نہیں کہ تقلیداً حکم مان لینا پڑے اگرچہ دلیل پر ہمارے فہم میں ہزار شبہے ہوں ہم حکم کے مقلد ہیں نہ کہ دلیل کے منقذ۔ بہت دلائل علمائے متاخرین شکر اللہ تعالیٰ سعیہم نے اپنے فہم سے استنباط فرمائے ہیں ان میں کسی دلیل کا تزلزل حکم کا بطلان نہیں، ممکن کہ مجتہد کے پاس اور دلیل ہو اور یہاں تو آپ کو خود اثبات حکم کرنا ہے توجیہ تک مناط کامل طور پر مضبوط اور تمام نقوض و شبہات سے منزہ نہ کر لیجئے ز ازبانی قیاس محض و سواس۔ ثالثاً اس سب کے بعد یہ ثبوت دینا تھا کہ وہ مناط نوٹ میں متحقق، اس وقت آپ کا فرمانا قابلِ سماعت ہوتا اور خالی دعویٰ تو پا در ہوا۔

ثانیاً اپنی جلد سوم باب الربا کا فتویٰ یاد کیجئے کہ چھٹانک بھر گہیوں سوا سیر گہیوں کے عوض بیچنا آپ نے جائز مانا یونہی ایک سیب دو سیب کو، یہاں تو جنس یقیناً متحد تھی اور زیادتی بداہتہ معلوم، یہاں شبہہ ربا کیوں نہ جانا، آپ کی عبارت یہ ہے:

سوال: بیع یک سیب عوض دو سیب یا بیع یک مشت گندم عوض دو مشت گندم جائز است یا نہ؟

جواب: جائز است چہ معیار شرعی نصف صاع ست نہ کم از اس پس در کم از نصف صاع تفاضل درست است، در عالمگیری یہ می آرد یجوز بیع الحفنة بالحفتین والتفاحة بالتفاحتین ومادون نصف الصاع فی حکم الحفنة انتھی۔

سوال: ایک سیب کی بیع دو سیبوں کے بدلے میں یا ایک مٹھی گندم کی بیع دو مٹھی گندم کے بدلے میں جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جائز ہے کیونکہ معیار شرعی نصف صاع ہے نہ کہ اس سے کم، لہذا نصف صاع سے کم میں زیادتی جائز ہے، عالمگیری میں آتا ہے کہ مٹھی بھر کی بیع دو مٹھی بھر سے اور ایک سیب کی بیع دو سیبوں سے جائز ہے اور نصف صاع سے کم ایک مٹھی کے کم میں ہے۔ (ت)

ثالثاً رسالہ صفحہ ۱۶۹، ۱۷۰ پر بحر الرائق کا ارشاد دیکھئے کہ ایک پیسہ سو پیسے کو بیچنا جائز، یہاں بھی اتحاد جنس قطعی اور زیادت بدیہی، پھر شبہہ ربا کیوں نہ ہوا۔

سابعاً آپ کو اگر کاغذ اور چاندی کا دو جنس ہونا نہ معلوم ہو تو انھیں اہل عرف سے پوچھ دیکھئے جن پر آپ کے خیال کا سارا دار و مدار ہے کہ وہ جس طرح یوں کہتے ہیں کہ یہ اشرفی پندرہ کی ہے یہ بیس کی یہ پیسے اٹھنی کے ہیں یہ چوانی کے یہ نہیں کہتے کہ یہ اشرفی پندرہ روپے ہے یہ پیسے اٹھنی چوانی

ہیں، اسی طرح یوں کہتے ہیں کہ یہ نوٹ دس کا ہے یہ سو کا، یہ نہیں کہتے کہ یہ نوٹ دس روپے ہے، خود آپ نے فرمایا ہے کہ نوٹ سو روپے کا کوئی ہلاک کر دے، اور فرمایا ”سو روپے کا نوٹ جب بیچا جاتا ہے“ اور فرمایا ”نوٹ سو روپے کا دیوے“ اتحاد جنس کا نشہ اس سے اتنا کر۔ وہ مسائل یاد کیجئے جو ائمہ کرام نے فرمائے کہ:

- ۱۔ ایک روپیہ ایک اشرفی بلکہ سو اشرفیوں کو بیچنا جائز ص ۱۶۳۔
- ۲۔ ایک پیسہ ایک روپیہ بلکہ ہزار روپیوں کو بیچنا جائز۔ ص ۱۷۷، ۱۸۳، ۱۸۴۔
- ۳۔ ایک اشرفی ایک پیسہ کو خریدنے میں نہ رہا ہے نہ شبہ رہا۔ ص ۱۸۳ و ۱۸۴۔
ان میں شبہ رہا کیوں نہ ہوا۔

خاصاً بتصریح ائمہ یہاں شبہ عتت مثل عتت اور حکم عتت لازم عتت، تو یہاں عتت ہو یا شبہ عتت، بہر حال لزوم حکم عتت اور حکم عتت تحریم تفاضل فی القدر ہے تو سو کا نوٹ جو آپ سو کو بیچنا جائز کر رہے ہیں صراحتاً سو حلال کر رہے ہیں۔

قولہ علاوہ ازیں جو بیع و شرائع نوٹ میں تفاضل اختیار کرے گا مقصود اس کو بجز اس کے کہ بعوض کم روپے کے زیادہ روپے حاصل ہو جائیں اور کچھ نہ ہوگا مگر بطور حیلہ کے وہ نوٹ کا معاملہ کرے گا اور پر ظاہر ہے کہ ایسے ارتکاب حیلہ سے حکم عتت کا نہیں ہو سکتا۔

اقول اولاً قصور معاف ص

مستی از بادہ شبانہ ہنوز

(جوانی کی مستی ابھی موجود ہے۔ ت)

بعوض کم روپیہ کے کہنا باطل ہے نوٹ والے کی طرف سے تو نوٹ ہے، روپیہ ایک بھی نہیں نہ کم نہ زائد۔ ہاں یوں کہتے کہ کم روپیوں کا مال دے کر زیادہ روپے حاصل کرنا۔ ہاں یہ بیشک مقصود ہے پھر اس میں کیا گناہ ہے دنیا بھر کی تجارتیں اسی لئے ہوتی ہیں آپ خود جلد ۳ میں بحر الرائق سے نقل کر چکے ہیں کہ مطلقاً زیادتی بالاجماع حرام نہیں، تمام جہان میں بازار اسی لئے کھولے گئے ہیں کہ زیادتی ملے نفع حاصل ہو۔

ثانیاً آپ کی ”علاوہ ازیں“ کہہ رہی ہے کہ اب ربا و شبہ ربا دونوں سے قطع نظر فرما کر

یہ تیسرا پہلو لیا ہے کہ اگرچہ یہاں ربا سے کچھ علاقہ نہ ہو، ربا تو ربا اس کا شبہ بھی نہ ہو، مگر اس نے زیادہ ملنے کا جیلہ کیا ہے اس لئے (زبردستی) حرام ہے، اب فرمائیے اگر زید عمر و سے سو روپے قرض مانگے عمر و کاغذ کا ایک سادہ پرچہ اس کے ہاتھ مثلاً سال بھر کے وعدہ پر یا نقد چھپس روپے کو بیچے وہ قبول کر لے پھر عمر و سو روپے زید کو قرض دے اور قرض کے بدلے سو ہی لے چھپس اپنے اس کاغذ کے جدا لازم کرے تو اس میں حرمت کدھر سے آئے گی آیا اس لئے کہ کاغذ کا سادہ پرچہ چھپس روپے کو بیچا تو آپ تو ابھی فرمانے والے ہیں کہ سادہ پرچہ ہزار روپیہ کو بیچنا جائز ہے چھپس کو کیوں حرام ہوا، یا اس لئے کہ اس نے اس فعل سے نفع حاصل کرنا چاہا تو وہ صورت بتائیے کہ کاغذ کا ٹکڑا ہزار روپے کو بیچے اور نفع لینا نہ ہو، یا اس لئے کہ قرض پر نفع لیتا ہے قرض میں تو وہ پورے سو کے سولے رہا ہے اس پر نفع کہاں، یا اس لئے کہ یہ نفع بسبب قرض ہے تو قرض تو اس وقت تک دیا بھی نہیں سبب کہاں سے متحقق ہوا، یا اس لئے کہ ان کے دل میں تو آئندہ قرض لینے دینے کی نیت ہے تو اس کا ثبوت شرع سے دیجئے کہ آئندہ سال قرض کا لین دین ہونے والا ہو تو آج بیع پر نفع لینا حرام ہو جائے وہ بیع کہ بلاشبہ حلال تھی حکم تحریم پائے، حالانکہ یہاں تو آئندہ لین دین ہونا بھی معلوم نہیں آئندہ غیب ہے اور غیب مجہول اور انسانی ارادہ ممکن التخلف نکاح میں کہے کہ میں نے تجھے مہینہ بھر یا دس برس بلکہ سو برس کے لئے اپنے نکاح میں لیا تو ناجائز و حرام، اور اگر نکاح کرے اور ارادہ صرف مہینہ بھر یا ایک ہی دن رکھنے کا ہو تو بیشک حلال۔

ثالثاً صفحہ ۱۹۴ پر وہ تصریحات ائمہ کرام مثل امام شمس الاممہ حلوانی و امام شمس الاممہ زرنجری و امام بکر خواہر زادہ و بحر الرائق و رد المحتار وغیرہ یاد کیجئے کہ پہلے بیع کر کے پھر قرض کا لین دین کریں تو ہمارے ائمہ مذہب امام اعظم، امام ابو یوسف اور امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہم سب کے نزدیک بالاتفاق بلا کر اہت جائز و حلال ہے کہتے یہ کیوں حلال ہوا، ظاہر ہے کہ یہ معاملہ اس نے زیادہ لینے ہی کے لئے بطور جیلہ کیا۔

سابعاً اپنی یاد کیجئے جلد دوم فتویٰ نمبری ۴۴ میں حکم تھا کہ گہیوں قرضوں نرخ بازار سے کم کو بیچنا جائز ہے، اس پر سائل نے شبہہ کیا تھا کہ یہاں ربا نہیں تو شبہہ تو ہے اور شبہہ بھی مثل حقیقت حرام۔ اس کا آپ نے جواب فرمایا کہ "خدا شہ ربا کا یوں مدفوع ہے کہ گندم وغیرہ اقسام غلہ بعض دراہم و دنانیر کے فروخت کرنے میں ربا نہیں ہے اور نہ شبہہ ربا، اگر دو سیر گہیوں کہ بازار میں مثلاً دو آنے کو ملتا ہے کوئی شخص بعض ایک روپیہ نقد نیچے تو بھی درست ہے ایسے ہی اگر نسیدہ میں قیمت بڑھائے اور مشتری راضی ہو جائے تب بھی درست ہے۔"

اقول یہ "اب بھی تب بھی" فقط اٹھ گنی قیمت تک حلال ہے یا بلا قید۔ بر تقدیر اول کیا دلیل شرعی ہے کہ ۲ کے گھوں ایک روپے کو بچنا حلال اور دو یا دس یا سو کو حرام۔ چو آب از سرگزشت چه یک نیزہ چه یک دست (جب پانی سر سے گزر گیا تو کیا ایک نیزہ اور کیا ایک ہاتھ، یعنی دونوں برابر ہیں۔) بر تقدیر ثانی ہر عاقل جانتا ہے کہ کوئی ذی عقل دو آنے کے گھوں سو روپے بلکہ انصافاً ایک روپے کو بھی ہرگز خریدنے نہ بیٹھے گا جب تک کوئی دباؤ نہ ہو اور بچنے والا ۲ کا مال دے کر سو روپے لینے میں ضرور براہ حیلہ زیادہ ستانی ہی چاہے گا، پھر باو شبہہ رہا نہ سہی جیسا کہ اب آپ کو اس تیسرے پہلو پر نوٹ میں بھی ملحوظ نہیں مگر معاملہ حیلہ کے سبب حکم حرمت آنا لازم تھا۔

خاصاً (۸۰ تا ۸۵) وہ چھ حیلے یاد کیجئے جو ائمہ کرام نے ارشاد فرمائے اور رسالہ کے ص ۱۰۷ سے ۱۰۲ تک گزرے یہاں از کتاب حیلہ سے حکم حلت کیسے ہو گیا۔

سادسا یہی چھ کیا ہزار با حیل ہیں جن کی تصریحات جلیلہ کلمات ائمہ میں مذکور اگر ان کو جمع کیجئے تو آپ کی اس جلد بھر سے زیادہ ہونگے سر دست علمگیری کی کتاب الحیل ہی ملاحظہ ہو کہ ساری کتاب کی کتاب اسی میں ہے۔

سابعا آپ خود اپنی ہی نہ کہتے، سیدنا امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے موطا میں روایت فرمائی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "خرما خرا برابر کر کے بیچو۔" اس پر عرض کی گئی کہ یا رسول اللہ! خیر پر حضور کے صوبہ ار تو دو صاع کو ایک صاع لیتے ہیں، ارشاد ہوا: انھیں بلاؤ۔ وہ حاضر ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ایسا نہ کرو۔ عرض کی: یا رسول اللہ! وہ قسم جمع کی دو ہی صاع کو جنب کی ایک صاع بیچتے ہیں یعنی برابر کو مل ہی نہیں سکتی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

بع الجمع بالدرہم ثم ابع بالدرہم جنباً
یہ قسم (جمع) روپوں سے بیچ کر وہ قسم (جنب) روپوں سے خریدے۔

اس پر آپ حاشیہ لکھتے ہیں:

علمہ صومۃ لا تدخل فیہ الربا مع حصول المقصود
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو وہ صورت سکھادی جس میں بانہ آنے پائے اور مطلب حاصل ہو جائے۔

لہ الموطا للامام محمد باب الربوفیما یکال ویوزن نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۵۲-۵۳
لہ التعلیق المجد علی موطا محمد " " " " " " " " " " ص ۵۳

ائمہ مذہب اس پر عمل فرما رہے ہیں جس کا امام محمد نے اظہار کیا، اب یہ آپ کی ”والحی“ اگر اس کے موافق ہے چشم مارو شن دلِ ماشاد (ہماری آنکھیں روشن اور ہمارا دل خوش ہے۔ ت) اور اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد اور ائمہ مذہب کے اتفاق کے خلاف کچھ اپنی ڈیڑھ اینٹ کی الگ چٹنی چاہتے ہیں جیسا کہ ظاہر عبارت ہے تو وہ آپ ہی کو مبارک رہے اہل حق کے نزدیک ”بجوتے نیرزد“ (ایک جو کے لائق بھی نہیں۔ ت)

قالا آپ نے کچھ کھولی نہیں کہ کیا نیت ہو تو حیلہ جائز اور کیا ہو تو ناجائز، اگر یہ مقصود کہ بیچ میں مبادلہ درہم صرف برائے نام ہو، نہ یہ قسم خرمادراہم سے یعنی مقصود ہونہ وہ قسم درہم سے خریدنی بلکہ منظور انھیں دو قسم کا باہم مبادلہ ہو اور ذکر درہم بیع تلجیہ کے طور پر محض اسم فرضی تو یہ ضرور صحیح ہے، مگر امام عظیم و امام محمد و جملہ ائمہ مذہب نے معاذ اللہ اسے کب جائز کیا تھا، حضرت وہ تو حیلہ شرعیہ کو جائز فرما رہے ہیں جس کی خود آپ کے اقرار سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تعلیم دی یہ ناپاک حرکت ”حیلہ شرعیہ ہی کب ہوتی“ بلکہ قصد شرع کی مخالفت اور صورت عالم الغیب کو دھوکا دینا، پھر آپ نے جملہ ائمہ مذہب کے مقابل اپنی ”والحی“ کی الگ چٹائی کا ہے چٹنی۔ اور اگر یہ مقصود کہ اگرچہ یہ قسم روپیوں سے بیچ کر وہ قسم روپیوں سے خریدنی مقصود ہو مگر اس فعل پر باعث وہی غرض ہو کہ یہ قسم ہماری ملک سے خارج ہو کر وہ قسم داخل ہو جائے اسے ناجائز کہتے ہو تو قصور معاف، یہ معاذ اللہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اصلاح دینی ہے ابوحنیفہ وغیرہ ائمہ تو درکنار رہے، ظاہر ہے کہ اسی غرض کی تحصیل کے لئے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ طریقہ تعلیم فرمایا، خود حدیث صحیح مسلم و صحیح بخاری سے صفحہ ۱۹۵ و ۱۹۶ پر گزرا کہ جب تو مول لینا چاہے تو یوں کر۔ حدیث کی نہ سنئے اپنی ہی، دونوں جگہ لفظ دیکھتے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وہ صورت سکھادی جس میں ربا سے بیچ جائے اور مقصود حاصل ہو جائے، کہتے تو وہ کیا مقصود تھا جس کا حاصل کرنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تعلیم فرمایا، اس کے بعد جو آپ نے امام عظیم و امام محمد و ائمہ مذہب کے رد میں ابن قیم گمراہ کی ایک نقل اس کے استاذ ابن تیمیہ بد مذہب سے ذکر کی ہے اس کا ایک ایک حرف حرف ہذیان یا مجنون کی بڑ ہے، آپ خود اس کے بعد اتنا لکھ گئے کہ یہاں طویل بحثیں ہیں کہ مبسوط کتابوں میں ملیں گی جس سے آپ کو کہنے کی گنجائش رہی کہ میں نے اس نقل کو مقبول نہ رکھا لہذا ہم بھی اس کے رد سے تطویل نہ کریں کہ یہاں تو غرض آپ سے مکالمہ ہے۔

التعلیق لمجد علی موطا امام محمد باب الربو فی یقال ویوزن نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۵۴

تاسعا جانے دیجئے آپ گول ہی رہیں اور نیت کا پردہ نہ کھولیں اتنا تو آپ کے بیان سے بھی ثابت ہوا کہ حیلہ نیک نیت سے حلال ہے، جناب من! پھر یہاں یہ مطلق تبروتی حکم کیسا کہ ایسے ارتکاب حیلہ سے حکم حلت نہیں ہو سکتا۔

قولہ تہذیب الایمان میں ہے:

اقول مولوی صاحب! عجب ہے کہ آپ جیسا محقق جو اتنے اعلیٰ پائے پر ہو کہ ائمہ مجتہدین کی جانچ پڑتال کرے ان کا حق و باطل نکالے وہ اور مسائل شرعیہ کے لئے سند لانے میں ایسا کرے کہ مجاہد بے قدر و بے وقعت زید و عمر و سب سے استناد کرے کہیں آپ مجالس الابرار سے سند لاتے ہیں کہیں رسالہ اسلمی سے اور اتر کر اربعین میاں اسحق دہلوی سے، کہیں اور گھٹ کر ان کے کسی شاگرد کی عمدۃ التحریر سے، کہیں سب سے بدتر صراط مستقیم اسماعیل دہلوی سے، انہیں مجاہد بے پیل میں یہ آپ کی تہذیب الایمان ہوگی جس پر بعض اصحاب نے کہا کہ آج تک تہذیب لمنطق، تہذیب الکلام، تہذیب الاخلاق، تہذیب الامار، تہذیب الخوشنئی تھی معلوم نہیں ان بزرگ کو ایمان میں کیا بے تہذیبی سوجھی کہ اس کی تہذیب لکھی آپ استناد کرتے وقت جب ایسوں کی تقلید تک اتر آتے ہیں تو مسئلہ نوٹ میں حضرت مولانا مولوی محمد ارشد حسین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا فتویٰ آپ کے سامنے تھا اور وہ آپ کے ان اکثر مستندین سے ہر طرح اعلیٰ و اعلم و افضل و اکمل تھے کاش اس میں ان کی تقلید فرمائیے تو جھگڑا چکنا۔

قولہ انما السحرم ان یقصد
بالعقود الشرعیۃ غیر ما شرعها اللہ لہ فیصیر
مخادعاً لدینہ، کائد الشرعہ

قولہ بے شک حرام یہ ہے کہ عقود شرعیہ سے
اس شے کا غیر مقصود ہونا جس کے لئے اللہ تعالیٰ
نے ان عقود کو مشروع فرمایا کیونکہ ایسا کہ نیوالا
اسکے دین دھوکا اور اسکی شرع سے مکر کر نیوالا ہوگا۔

اقول یہ بالکل ہمارے موافق ہے وہ حصر کرتا ہے کہ حیلہ وہی حرام ہے جس میں عقد شرعی سے اس کا مقصود شرعی مراد نہ ہو یہ وہی صورت ہوتی کہ بیع میں بیع دراہم کا نام بلا قصد مبادلہ محض بطور اسم فرضی لے اس کی حرمت میں کیا کلام ہے اور جب بیع سے حقیقتاً "مبادلہ ملک کا قصد کیا تو یہی وہ مقصود شرعی ہے جس کے لئے شرع نے اسے مشروع فرمایا تو جب آپ کی اسی سند کی رو سے اس کی حرمت ناممکن۔ پھر نوٹ میں تو اس کو کچھ دخل ہی نہیں، نوٹ بیچنے خریدنے والے یقیناً یہی چاہتے ہیں کہ بائع کی ملک سے

نوٹ خارج ہو کر مشتری کی ملک میں آئے اور مشتری کی ملک سے روپے خارج ہو کر بائع کی ملک میں آئیں، شرع نے بیع اسی لئے مشروع کی ہے تو اسی عبارت کے حکم سے اُس کی حلت واجب۔ اگر کئے مراد یہ ہے کہ اُس نے تھوڑے روپوں کے بدلے زیادہ لینے چاہئے مگر روپے دے کر زیادہ روپے لیتا تو سود ہوتا اسی لئے نوٹ بیع کر روپے لئے کہ جنس بدل جانے سے ربا جاتا ہے۔

اقول تو کیا گناہ کیا، اُس نے گناہ سے بچنا ہی تو چاہا، گناہ سے بچنے کی تدبیر بھی گناہ ہو تو مفر کہہ کر، شرع نے بیع اس لئے مشروع فرمائی ہے کہ منہیاتِ شرعیہ سے بچ کر اپنا مطلب جائز طریقہ سے حاصل کر لو، وہی اس نے چاہا تو مقصد شرعی کی نہ کہ مخالفت، پھر حرمت کہہ سے آئی۔

قولہ فان مقصودہ حصول الذی حرم اللہ بتلك الحيلة او اسقاط ما اوجبه انتهى۔
قولہ کیونکہ اس حیلہ سے اس کا مقصد
 اس چیز کو حاصل کرنا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا یا اس چیز کو ساقط کرنا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے واجب کیا، انتہی۔ (ت)

اقول اولاً حرام سے مراد لازم المحرمہ ہے جس سے حرمت کبھی جُدا نہ ہو یا وہ جسے حرمت عارض منفک ہے، بر تقدیر اول اسی لازم المحرمہ کو اختیار کرے گا یا اس سے کسی امر جائز کی طرف عدول و فرار، پہلی صورت پر حیلہ ہی کب ہو، صراحتاً حرام میں پڑنا ہو، پھر اس سے تحریم حیلہ کیوں لازم آئی، اور دوسری صورت میں شاید حرمت اس وجہ سے ہوگی کہ حرام سے کیوں بچا جائز کی طرف کیوں عدول کیا۔ بر تقدیر ثانی شکل وہ اختیار کرتا ہے جس میں وہ عارض منفک منفک ہو جائے اور شے حلال محض رہ جائے یا وہ کہ عارض حرمت باقی رہے، صورت ثانیہ پھر حیلہ نہیں اور اولے پر حرمت کی کوئی وجہ نہیں۔

ثانیاً دُور کیوں جائیے خود اپنی سُننے، شراب حرام قطعی اور پیشاب کی طرح نجس بہ نجاست غلیظ ہے مسلمان کو اس کا بیچنا حرام، چھونا حرام، اس سے کسی طرح کا نفع لینا حرام۔ اب فرض کیجئے کہ ایک مسلمان کی ملک میں ہزار ملٹے شراب آئی مثلاً یوں کہ اول نصرانی تھا اب مسلمان ہو گیا وہ نہیں چاہتا کہ اتنا مال کثیر ضائع ہو جائے، اس نے نمک ڈال کر سب کو سرکہ کر لیا، آپ خود فرماتے ہیں کہ جائز و روا ہے اپنے رسالہ نفع لمفتی میں دیکھئے،

الانتفاع بالمحرم لا يجوز کذا قال البرجدی حرام سے نفع حاصل کرنا جائز نہیں، یہ تو ہی برجدی

میں کہا ہے اگر تو کے اس پر گوبر کے سبب سے اشکال وارد ہوتا ہے کیونکہ اس سے جلانے میں نفع حاصل کیا جاتا ہے تو میں کہوں گا کہ نجس سے نفع حاصل کرنا نجس کو ہلاک کر کے جائز ہے جیسے شراب

فان قلت ليشكل هذا بالسرقين فان ه ينتفع بها في الايقاد قلت الانتفاع بالنجس بالاستهلاك جائز كإراقة الخمر وتخليل الخمر وهذا كذلك فيجوز له باختصار۔

کو بہا دینا اور شراب کو سرکہ بنانا اور یہ انھیں صورتوں جیسی ہے لہذا یہ جائز ہے اھ اختصار۔ (ت)

دیکھئے اس نے یہاں حرام خدا کو گا، ہی میں لانا چاہا مگر یوں کہ حرام نہ رہا پھر اس میں کیا عرج ہوا۔
قولہ پس اگر نوٹ میں تفاضل قضاء جائز بھی ہو لیکن دیانہ فیما بینہ و بین اللہ کسی طرح سے درست نہ ہو گا۔

اقول عجب کہ جو کاغذ کو کاغذ ہی جانے اور بوجہ عرف ثمن اصطلاحی مانے اور شرع مطہر سے یقیناً معلوم ہوا کہ اصطلاح عامہ کی پابندی اس پر لازم نہیں وہ سو کے نوٹ کو روپوں سے کم و بیش پر نیچے تو عند اللہ کسی طرح درست نہ ہو، اور جو اپنے زعم میں کاغذ کو ثمن خلقی کا عین مانے اور اُسے بعینہ چاندی سمجھے وہ یہ ماشہ دو ماشہ پھر چاندی سپر کی چاندی کو نیچے اور سُود نہ ہو حلال طیب رہے، اس زبردستی کی کوئی حد ہے خیر یہ تو پہلے معروض ہو چکا مگر یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اب مولوی صاحب ربا و شبہہ ربا سے قطعاً گزر گئے۔ "علاوہ ازیں" کہہ کر تو ان کے لحاظ ہی سے گزرے تھے اب یہ صورت لیتے ہیں کہ کوئی ایسا وصف ہے ہی نہیں جس میں ربا یا شبہہ ربا ہو ورنہ قضاء جائز ہونا محال تھا اور اس سے ظاہر کہ حکم عینیت کا تسمہ لگانہ رکھا ورنہ ربا یا شبہہ ربا ہو کہ دیانہ، قضاء ہر طرح حرام ہونا لازم تھا تو عینیت عرفیہ کا اگر نام لیا بھی جائے محض اسم بے مسمیٰ و لفظ بے معنی ہو گا کہ اس کا حکم و اثر شرعی منتفی ہے اور جب ایسا ہے تو حقیقہً و شرعاً غیریت محضہ رہی اب خود ہی حاصل اُسی قدر بٹھرا دیا کہ کم روپوں کا مال برضائے خریدار زیادہ کو بیچ لیا، کہئے اس میں کون سا خلافِ دیانت ہے۔
قولہ اسی وجہ سے کتب فقہ میں بیع عینہ اور شراء باقل مما باع و غیر ذلك (کسی چیز

عہ الا صوب بہ ۱۲

۱۳۶ ص مطبع مجتہبائی دہلی

۱۱ نفع لفتی والسائل ما يتعلق بالانتفاع بالاشیاء النجسة الخ

۳۹۸/۱ مطبع یوسفی لکھنؤ

کتاب البیوع

۱۱ مجموعہ فتاویٰ

کو اس سے کم پر خریدنا جتنے پر بیچا ہے وغیر ذلک۔ (ت) کی ممانعت مذکور ہے یہ

اقول اولاً الحمد للہ اب تو آپ کنارے پر آیا چاہتے ہیں، جی ہاں یہ بیع عینہ کے مثل ہے پھر
بیع عینہ کو ہمارے ائمہ کرام نے کیا ٹھہرایا ہے، کیا ممنوع ناجائز حرام مکروہ تحریمی۔ حاشا ہرگز نہیں، یہ محض غلط و
باطل ہے بلکہ جائز حلال زودا درست۔ غایت درجہ اس میں اختلاف ہوا کہ خلاف اولیٰ بھی ہے یا نہیں،
ہمازے امام اعظم بلا کراہت مانتے ہیں امام ابو یوسف خود ثواب و مستحب جانتے ہیں، امام محمد احتیاط کیلئے
صرف خلاف اولیٰ ٹھہراتے، یہ تمام مباحث رسالہ میں صفحہ ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲ تا ۱۷۶، ۱۷۸، ۱۷۹،
۱۸۰ بلکہ ۱۶۴ تا ۱۶۶ میں گزرے، اب تو اپنے ہی اقرار پر قائم رہ کر بول اٹھئے کہ سوکانوٹ دوسو کو بیچنا
امام اعظم کے نزدیک جائز و مباح، امام ابو یوسف کے نزدیک اجر و ثواب، امام محمد کے نزدیک صرف
خلاف اولیٰ۔

ثانیاً وہ خلاف اولیٰ بھی اس لئے تھا کہ اس وقت تک مسلمان سود کو سوئے سمجھتے تھے اس کے
سایہ سے بھاگتے تھے تو اس امر کی جائز عادت ڈالنے سے اندیشہ تھا کہ مبادا آگے بڑھ جائیں جیسا کہ اس کا
بیان صفحہ ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱ وغیرہ پر گزرا، اب کہ علانیہ سود مسلمانوں میں رائج ہو گیا جیتا نکلتے ہیں اور شرماتا
درکنار آنکھ تک نہیں جھپکاتے، تو انہیں ایک جائز بات بتانا جس سے ان کا مقصود حاصل ہو اور
اللہ واحد قہار کے عذاب سے بچیں عین خیر خواہی مسلمین ہے اور اس میں ناحق کے شاخصانے نکالنا
مسلمانوں کی صریح بدخواہی، ذرا انصاف درکار ہے کہ خود آپ کے اقرار سے صبح آشکار ہے والحمد للہ
لشرب العالمین۔

ثالثاً شراء ما باع باقل مما باع عند التحقيق ربح مالہ یضمن (کسی چیز کو اس سے
کم پر خریدنا جتنے پر بیچا ہے تحقیق کی رو سے اس لئے حرام ہے کہ اس میں اس چیز پر نفع لینا ہے جس کا
ضامن نہیں بنا۔ (ت) کے سبب حرام ہے یعنی جو چیز اپنی ضمان میں نہ آئی اس پر نفع لینا کہ رسول اللہ صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا، ظاہر ہے کہ قیمت جب تک ادا نہ ہوئی خود بائع کی ضمان پر باقی ہے
ہلاک ہو جائے تو اس کی جائے مشتری پر اس کا اثر نہ ہو، ولہذا یہاں درہم و دینار ایک جنس ہیں کما
فی الدر وغیرہ (جیسا کہ دروغیرہ میں ہے۔ ت) حالانکہ باب ربا میں دو جنس ہیں کما فی جمیع
الکتب (جیسا کہ تمام کتابوں میں ہے۔ ت) ہاں ثمن اول و ثانی ایک ہی جنس ہو تو شبہہ ربا بھی ہے

بعض نے اسی سے مسئلہ کی تعلیل کی یوں کہ اس نے ہزار کو بیچی اور ابھی قیمت وصول نہ ہوئی ممکن تھا کہ عیب کے سبب واپس ہو کر ثمن نہ ملے اب کہ خود اس نے پانچ سو کو خرید لی، احتمال سقوط ساقط ہو گیا تو اس نے پانچ سو دے کر اپنے وہ ہزار پکے کر لئے یوں شبہہ رہا آیا بہر حال ان وجوہ کو یہاں سے کیا علاقہ آپ خواہی تو خواہی اسی وجہ سے کہہ رہے ہیں، ہدایہ میں ہے:

من اشتری جاریة بالف درهم حالة او
نسئة فقبضها ثم باعها من البائع
بخسمائة قبل ان ينقد الثمن
الاول لا يجوز البيع الثاني لان الثمن
لم يدخل في ضمانه فاذا وصل اليه المبيع
ووقعت المقاصة بقي له فضل خمس
مائة وذلك بلا عوض
تو باقی پانچ سو درہم اس کے زائد بیچ گئے اور وہ بلا عوض ہیں۔ (ت)

فتح القدر میں ہے:

الذی عقل من معنی النہی انہ استوبح
مالیس فی ضمانہ ونہی رسول اللہ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن سبوح
مال میضمن وھذا لان الثمن لا یدخل
فی ضمانہ قبل القبض
وہ جو نہی کے معنی سے سمجھا گیا یہ ہے کہ اس نے
اس چیز پر نفع لیا جو اس کی ضمان میں نہیں اور
نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس چیز پر
نفع سے منع فرمایا جو اس کی ضمان میں نہ ہو اور
یہ اس لئے ہے کہ قبضہ سے پہلے ثمن بائع کی ضمان
میں داخل نہیں ہوتا۔ (ت)

اسی میں ہے:

وھذا احسن من تقریر قاضی خان
اعتبار الشبهة بان اللف
یہ قاضی خان کی اس تقریر سے بہتر ہے جو شبہہ
رہا کا اعتبار کرتے ہوئے انھوں نے کی بایں طو

وهو الثمن الاول على شرف السقوط لاحتمال ان يجد المشتري بها عيبا فيرده فيسقط الثمن عن المشتري و بالبيع الثاني يقع الامن عنه فيكون البائع بالعقد الثاني مشتريا الفأ بخمسائة انتهى۔

کہ ہزار درہم جو کہ ثمن اول تھا وہ ساقط ہو سکتا تھا اس احتمال کی بنا پر مشتری اس لونڈی میں کوئی عیب پا کر واپس کر دیتا تو اس طرح مشتری سے ثمن ساقط ہو جاتا اور بیع ثانی کی وجہ سے سقوط کا خوف جاتا رہا تو اس طرح بائع عقد ثانی کے ساتھ پانچ سو درہم کے عوض ہزار کو خریدنے والا ہوا۔ انتہی (ت)

رابعاً وجہ محقق سے گزر کر دوسری ہی وجہ لیجئے اور یہاں اُس کے عدم جریان سے بھی قطع نظر کیجئے جب بھی آپ کو مفید نہیں کہ اس وجہ پر علتِ حرمتِ شبہہ ربا ہے آپ ربا و شبہہ ربا سے اتر کر تیسری وجہ سے تحریم لے رہے ہیں تو جہاں شبہہ ربا ہے اُس سے اس پر استناد کیونکر کر سکتے ہیں۔

خاصاً آپ اسی وجہ سے کہہ کر دونوں مسئلوں میں علتِ حکم ایک بنا رہے ہیں تو واجب تھا کہ حکم بھی ایک ہوتا، کیا شراء ما باع باقل ما باع (کسی چیز کو اس سے کم پر خریدنا جتنے پر بیچا ہے۔ ت) بھی صرف دیانہ حرام ہے قضاءً جائز، فافہم۔

سادساً آپ نے سنا ہو کہ یہ شرار باقل قیمت ادا ہونے کے بعد بلا شبہہ جائز ہے مثلاً ایک چیز زید نے عمرو کے ہاتھ ہزار روپے کو بیچی عمرو نے روپے ادا کر دیئے پھر زید نے وہی چیز عمرو سے پانچ سو روپے کو خرید لی کہ چیز کی چیز واپس آگئی اور پانچ سو مفت بیچ رہے، یہ جائز و حلال ہے۔ درمختار میں ہے :

فسد شراء ما باع باقل قبل نقد الثمن وجاز بعد النقد اھ ملتقطا۔
اپنی ہی فروخت کی ہوئی چیز پہلے ثمن سے کم کے بدلے خریدنا ادا ایگی ثمن سے پہلے ہو تو جائز نہیں اور اگر ادا ایگی کے بعد ہو تو جائز ہے اھ ملتقطا (ت)

آپ کی وجہ پر قیمت ادا ہونے نہ ہونے سے کیا فرق ہو گیا، کم روپے دے کر زیادہ حاصل کرنے کا مقصود بہر حال موجود، مولوی صاحب امشکل یہ ہے کہ آپ اپنی تحقیق کے زور میں فقہ حنفی سے بخیر ہیں ورنہ آپ جیسے محقق پر ایسی باتیں مخفی نہ رہتیں۔

قولہ اور احادیث اس باب میں بکثرت وارد ہیں جن سے حرمت ایسے حیل کی ثابت ہوتی ہے۔

اقول اولاً احادیث اس باب میں بکثرت وارد ہیں جن سے حلت ایسے حیل کی ثابت ہوتی ہے دو بلکہ تین حدیثیں رسالہ کے صفحہ ۱۹۵، ۱۹۶ میں گزریں اور ایک حدیث موطا یہاں مذکور ہوئی۔
ثانیاً خود آیہ کریمہ جواز پر شاہد ہے کہ صفحہ ۱۸۹، ۱۹۰ پر تلاوت ہوئی، فتاویٰ ذخیرہ و فتاویٰ ہندیہ میں ہے؛

اس طرح کے حیلے جائز ہونے کی اصل اللہ عزوجل کا یہ ارشاد ہے کہ اپنے ہاتھ میں ایک جھاڑو لے کر وارد و اور قسم نہ توڑو۔ حضرت ایوب نبی اللہ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو اپنی زوجہ مقدسہ کی نسبت قسم کھالی تھی کہ سو لکڑیاں ماریں گے یہ اللہ عزوجل نے اس قسم سے عہدہ برآئی کا طریقہ تعلیم فرمادیا (کہ قسم بھی پوری ہو جائے اور ایذا بھی نہ پہنچے) اور مشایخ کرام فرماتے ہیں کہ اس آیت کا حکم منسوخ نہیں اور یہی صحیح مذہب حنفی ہے۔

الاصل فی جواز هذا النوع من الحیل
قول اللہ تعالیٰ وخذ بیڈ ضغثاً فاضرب
به ولا تحنث وهذا تعلیم المخرج
لا یوب النبی علیہ وعلی نبینا الصلوٰۃ و
السلام عن یمینہ التي حلفت لیضربن
امراتہ مائة عود و عامۃ المشایخ علی
ان حکمہا لیس بمنسوخ وهو الصحیح
من المذہب۔

قولہ اگر یہ شبہ ہو کہ نوٹ ہر گاہ ثمن خلقی نہیں ہے پس حکم اس کا بعینہ کیونکر ہو سکتا ہے تو جواب اس کا یہ ہے کہ چونکہ عرفاً وہ عین ثمن خلقی سمجھا گیا اور تمام مقاصد ثمن خلقی کے اس کے ساتھ متعلق ہونے لاجرم باب تفاضل میں اسی کا اعتبار ہوگا لاسیما دیانۃ فانہا متعلقۃ بالمقاصد وان کانت خفیۃ (خصوصاً دیانت کے اعتبار سے کیونکہ یہ مقاصد سے تعلق رکھتی ہے اگرچہ وہ (مقاصد) پوشیدہ ہوں۔ ت)

اقول اولاً یہ ہر گاہ اور چونکہ سرگاہ میں گزر چکیں اگر پہلا بیان صحیح تھا تو یہ شبہ وہیں دفع

۳۹۸/۱	مطبع یوسفی لکھنؤ	کتاب البیوع	لے مجموعہ فتاویٰ
۳۹۰/۶	نورانی کتب خانہ پشاور	کتاب الحیل الفصل الاول	لے فتاویٰ ہندیہ
۳۹۸/۱	مطبع یوسفی لکھنؤ	کتاب البیوع	لے مجموعہ فتاویٰ

ہو چکا، پھر ”اگر یہ شبہ ہو“ کا محل کیا اور غلط تھا تو اب تو وہی جواب دیا ہے اب کیوں صحیح ہو گیا بات وہی ہے کہ لے دے کر ایک ہی شبہ آپ کے ہاتھ میں ہے بار بار بتکرار اُس کا اعادہ فرماتے ہیں کہ معنی نہ سہی عبارت تو زنی ہو جائے، ہاں یہاں تمام مقاصد کا لفظ زائد فرمایا ہے جس کا صاف ابطال اوپر گزرا اور کشف شبہ بھی بروجہ اتم کر دیا گیا اور یہ بھی سمجھا دیا گیا کہ بہت اچھا باب تفاضل میں اسی کا اعتبار کیجئے تو تفاضل فی القدر حرام مانئے اور خود اپنی ذات گرامی کو سود حلال کرنے والی جانئے مگر جناب تو اپنی ایک دھن میں کسی کی سنتے ہی نہیں۔

ثانیا ہاں ایک لاسیما یہاں اور بڑھائی ہے یعنی جب نوٹ سے تمام مقاصد ثمن متعلق ہیں اور دیانت میں نظر مقاصد ہی پر ہے اگرچہ خفی ہوں نہ صورت پر تو کاغذ اور چاندی کا فرق صورت نہ دیکھا جائیگا مقاصد میں دونوں ثمن خلقتی ہیں اس پر نظر ہوگی اور حرمت لازم۔

اقول بجائے پھر ایک اشرفی کو ایک روپیہ کیسے حلال ہو گیا وہ تو نہ صرف مقاصد بلکہ اصل حقیقت میں ثمن خلقتی ہیں اور مقاصد میں بھی پندرہ روپے اور ایک پونڈ میں کچھ فرق نہیں سمجھا جاتا۔

ثالثا حل کروں آپ مقاصد شرعیہ و اغراض انسانیہ میں فرق نہ سمجھے، مقاصد شرع وہ ہیں جن پر صحت و فساد و حلت و حرمت کا مدار ہے اور اغراض انسانیہ وہ نتائج کہ اُن کے نزدیک انھیں حاصل ہوں مقاصد باختلاف عقود مختلف ہو جاتے ہیں اور نتائج بار ہا عقود متباہینہ میں متحد رہتے ہیں مثلاً زید اپنا نصف مکان قابل قسمت بلا تقسیم اپنے شریک مساوی کو ہبہ کر کے اپنا قبضہ اٹھائے کہ سارا مکان قبض و تصرف شریک میں رہے یا اس کے ہاتھ بیع کر ثمن اس کو معاف کرے، دونوں صورتوں میں نتیجہ واحد ہے انسانی غرض اُن میں فرق نہیں کرتی مگر مقصد شرعی کا اختلاف شدید ہے کہ پہلی صورت فاسد و حرام اور دوسری صحیح و حلال، یونہی اگر کوئی شخص دس کے پندرہ لینا چاہے اب دس روپوں کو خواہ پندرہ روپوں کے عوض بیچے خواہ ایک ساورن کے بدلے، اس کی غرض دونوں طرح بلا تفاوت حاصل ہے مگر مقاصد شرعیہ اتنے مختلف ہیں کہ صورت اولیٰ سود، ربا، گناہ کبیرہ، حرام قطعی، موجب دخول نار۔ اور دوسری شکل درست، صحیح، حلال، روا، بے اعتراض، بلا اتکار۔ نوٹ سے اگر اغراض انسانیہ ثمن خلقتی کی طرح بلا تفاوت متعلق ہوں تو اس سے احکام و مقاصد شرعیہ میں اتحاد سمجھ لینا کیسی سخت نادانی ہے، احسان تو نہ مانئے گا کہ کیسے کیسے جواہر زواہر میرا قلم جناب کے قلب پر القاء کرتا ہے، انصاف کیجئے تو ایک یہی نکتہ آپ کی ساری عرق ریزی کا علاج کافی و دافی ہے و اللہ الحمد۔

رابعاً ایک ذرا اور بھی انصاف کی سہی آپ تو کمال مقاصد شناس دیانت پرور ہیں ، اسی جلد دوم کے فتویٰ نمبری ، ۹ میں جو بایں خلاصہ تحریر ہے ”خرید کرنا مال کفار سے بایں طور کہ نقد روپیہ ادا کرے تو پوری قیمت معینہ دے اور بعد ایک یا دو یا تین مہینے کے ادا کرے تو فی سیکڑا تین روپے فی ماہ زیادہ اس قیمت معینہ سے دینا ہوگا۔ یہ فی الحقیقت بیان ہے نرخ مال کا یعنی نقد خریدے تو مثلاً سو روپے قیمت دے اور بعد ایک یا دو ماہ یا سہ ماہ کے ادا کرے تو قیمت ایک سو تین یا چھ سو نو دے پس یہ یہ عقد حق خریدار میں جائز ہے اور زیادت ثمن کی فی سیکڑا تین روپے ہر ماہ میں اس میں بھی خریدار کو شرعاً کوئی قباحت نہیں اور درمیان میعاد مذکورہ کے قیمت ادا کرے تو بائع کو اختیار ہے چاہے لے چاہے علی المیعاد لے اس واسطے کہ رجوع اس کا جانب بائع سے طرف حط بعض قیمت کے اور جانب خریدار سے طرف حط اجل کے ہوگا اور ان دونوں میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ، صحیح الجواب واللہ اعلم ، حررہ محمد عبدالحی عفی عنہ ، ذرا فرمائیے تو یہ تین روپے سیکڑا ہر مہینے پیچھے بڑھانے کا مقصد سو اسود کے کیا ہے خصوصاً وہ بھی کفار کی طرف سے جو بغیر سو کبھی ٹکڑا نہیں توڑتے اور سو کا لینا دینا دونوں قطعی حرام ہیں دونوں پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے اور فرمایا وہ سب برابر ہیں اسے آپ نے کیا سمجھ کر حلال کر دیا اور بلا دغدغہ صحیح الجواب جرڈیا ، پھر ائمہ کرام کی صاف تصریح ہے کہ اگرچہ قرضوں بیچنے میں نقد سے قیمت زائد لینا جائز ہے والاجل یقابلہ قسط من الثمن مگر ایک بات قطع ہونا لازم اس طور پر بیع کہ بحال نقد اتنے پر بیچی اور بصورت فلاں میعاد اتنے پر ، یہ حرام و فاسد ہے۔ فتح القدر میں ہے :

لابد ان یکون الاجل معلوما لان
 جهالته تفضی الی المنازعة فی
 التسلم والتسلیم وعلی کل ذلک انعقد
 الاجماع واما البطلان فیما اذا قال بعتک
 بالف حالا وبالفین الی سنة
 فلجهالة الثمن لہ

میعاد کا معلوم ہونا ضروری ہے کیونکہ اس کی جہالت
 لینے اور دینے میں جھگڑے کا سبب بنتی ہے اس
 تمام پر ائمہ کرام کا اجماع منعقد ہے ، رہا اس صورت
 کا بطلان کہ کسی نے کہا میں یہ چیز تیرے ہاتھ نقد
 ایک ہزار کی اور ایک سال کے ادھار پر دو ہزار
 کی فروخت کی تو یہ جہالت ثمن کی وجہ سے (باطل)
 ہے۔ (ت)

۳۹۲-۹۵/۱

مطبع یوسفی لکھنؤ

کتاب البیوع

لہ مجموعہ فتاویٰ

۴۶۹، ۴۶۸/۵

مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

۲ فتح القدر

پھر اس سے بھی قطع نظر ہو تو خود اجل میں تردید ہے یہ خود مفسد ہے اگرچہ نقد و اجل کی تردید نہ ہو اور صرف دو ہی شقیں مفسد ہیں یہاں تو تین ہیں کہ ایک مہینہ میں دے تو قیمت اور، دو میں یہ اور تین میں یہ۔ فتاویٰ خلاصہ و فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے :

سجل باع علی انہ بالنقد بکذا و بالنسیئة بكذا والی شہر بكذا والی شہرین بكذا لم یجزیہ

ایک شخص نے کوئی چیز یوں بیچی کہ نقد اتنے کی اور ادھار اتنے کی یا ایک ماہ کے ادھار پر اتنے کی اور دو ماہ کے ادھار پر اتنے کی، تو یہ بیع جائز نہ ہوئی۔

عجب کہ آپ نے حرام در حرام طرح طرح حرام کو کیسے حلال کر دیا، پھر بین المیعاد ضمن قبول کر لینے کو بائع کی طرف سے بعض ضمن کا حط قرار دینا کس قدر عجیب ہے کم میعاد پر اتنا ہی ضمن ٹھہرا تھا اس نے کم کیا کیا پھر اگر مشتری تین مہینے کے اندر روپیہ دے تو بائع کو اختیار دینا کہ قبول نہ کر جب تک پوری میعاد گزر کر سود کا پیٹ پورا نہ بھر جائے سب سے عجیب تر ہے میعاد تو خالص حق مشتری ہے۔ کتب ائمہ میں تصریح ہے کہ دیون میعاد سے پہلے دین ادا کرے تو دائن کو جبراً قبول کرنا ہوگا۔ اشباہ میں ہے :

الذین المؤجل اذا قضاه قبل حلول الاجل یجبر الطالب علی تسلیمہ لان الاجل حق المدیون فله ان یسقطہ ہکذا ذکر الزلیعی فی الکفالة وہی ایضاً فی الخانیة والنهاية

اگر مقرض میعاد کی قرض کو میعاد پوری ہونے سے قبل ادا کرے تو قرض دہندہ کو اس کے وصول کرنے پر مجبور کیا جائے گا کیونکہ میعاد تو مقرض کا حق ہے اور اس کو اختیار ہے کہ وہ اس کو ساقط کر دے۔ زلیعی نے باب الکفالة میں یونہی ذکر کیا اور یہ خانیہ اور نہایہ میں بھی ہے۔ (ت)

خیر یہ چار تو جملہ معترضہ تھے اب ذرا مقاصد شناسی کی خبریں کہنے، ایک مقلد عالم سے بھی ایسی لغزش ضرور تعجب خیز ہے مگر وہ گرانمایہ اجتہاد پایہ محقق کہ امام اعظم کے ارشادات پر لکھنے کا ادعا رکھے اس سے ایک اپنے معاصر مقلد کی ایسی جاہد تقلید کیسا سخت نمونہ قیامت ہے ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم (گناہ سے بچنے اور نیکی کرنے کی طاقت نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کی توفیق کے۔ ت)

اس کی نظریہ ہو سکتی ہے کہ مولوی عالم علی صاحب مراد آبادی نے براہِ خطا صریح دودھ کے چچا کو

بھتیجی حلال لکھ دی، خیر وہ تو لکھ گئے اب فتویٰ پہنچا دہلی، امام غیر مقلدان مولوی نذیر حسین صاحب نے بھی بے دھڑک الجواب صحیح لکھ کر اس پر مہر چپکا دی اور اپنے اہالی موالی سب کی لگوا دیں، فتویٰ یہاں آیا فقیر نے تحریم کا حکم دیا اور بعض طلبہ نے مجتہد صاحب کی مزاج پر سی کی، اب غیر مقلدوں کے کل فی السکل کی آنکھیں کھلیں سونے سے جاگے، مجتہد جی کو بخاری و مسلم کی حدیثیں سچھائے سے سوجھیں اور دوسرا فتویٰ حرمت پر لکھا اور پہلے فتویٰ کا یہ عذر بدتر از گناہ پیش کیا کہ:

قبل ازیں بر فتوائے مولوی عالم علی صاحب کہ در حلت آن نوشته بودند بر اعتماد ایشان بنظر سرسری مہر من کردہ باشد۔
قبل ازیں مولوی محمد عالم صاحب جنھوں نے حلت لکھ دی تھی ان پر اعتماد کرتے ہوئے سرسری نظر سے مہر لگا دی گئی۔ (ت)

حلال و حرام خصوصاً معاملہ فروج میں نظر سرسری کا عذر اپنی کیسی صریح بددیانتی اور آتش جہنم پر سخت جرات و بیباکی کا گھلا اقرار ہے، حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اجروکم علی الفتیا اجر وکم علی النار۔
تم میں سے جو فتویٰ میں زیادہ بیباک ہیں وہ جہنم کی آگ پر زیادہ بیباک ہیں۔ (ت)

خیر یہ تو غیر مقلدی کے لئے لازم بین ہے مگر براعتاد ایشاں نے ان کے اجتہاد کی پوری قیامت توڑ دی، اے سبحان اللہ! مجتہد کی کا دعویٰ اور ایک ادنیٰ سے ادنیٰ مقلد پر حلال و حرام میں یہ تکیہ بھروسا، اور اس کردہ شد کے لطف کو تو دیکھتے کیا شرمایا ہوا صیغہ مجہول ہے گویا انھوں نے خود اس پر مہر نہ کی کوئی اور کر گیا، اللہ یوں اپنی نشانیوں دکھاتا اور ائمہ کے مقابلہ کا فرہ چکھاتا ہے نسأل اللہ العفو والعافیۃ (ہم اللہ تعالیٰ سے معافی اور عافیت مانگتے ہیں۔ ت)

قولہ باقی رہا قول فتح القدر کا لوباع کا غذا بالف یجوز انتھی (اگر کسی نے ایک

کاغذ ہزار درہم پر بیچا تو جائز ہے انتھی۔ ت)

اقول انتھی نہیں اس کے بعد ولا یکرۃ (اور مکروہ نہیں ہے۔ ت) بھی ہے اور خود میرا

لہ فتاویٰ نذیریہ

۵۳/۱

نشر السنۃ ملتان

سنن الدارمی باب الفتیاء و ما فیہ من الشدة

۳۹۸/۱

مطبع یوسفی لکھنؤ

کتاب البیوع

مجموعہ فتاویٰ

۳۲۲/۶

مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

کتاب الکفاله

فتح القدر

فتویٰ آپ کے پیش نظر ہے اُس میں بھی منقول یعنی کاغذ کا ایک پرچہ ہزار روپے کو بیچنا ایسا جائز ہے جس میں اصلاً کراہت بھی نہیں، اسے پردہ انتہی میں نہ چھپائیے یہ بہت کام کی چیز ہے آپ کو یہ لایکڑہ کر وہ لگتا تھا تو محقق کی شان یہ تھی کہ اُسے نقل کر کے رد فرماتے، آخر امام ابن الہمام اور ان کے ساتھ کے علمائے کرام جنہوں نے اس لایکڑہ کی تصریح فرمائی امام الائمہ امام عظیم سے تو اعظم نہ تھے یہ نہ ہو سکا تھا اور اس کا نقل کرنا ناگوار تھا تو الیٰ آخر لکھ دیا ہوتا یہ بھی نہ سہی یجوز تک لکھ کے یونہی چھوڑ دیا ہوتا کہ اخفائے ظاہر کا الزام تو نہ آتا انتہی نے تو موضع تہمت میں غلط بیانی کی یہ جناب کی شان سے بعید واقع ہوئی۔

قولہ پس مراد اس کی یہ کاغذ نہیں کہ عین شمن خلقتی سمجھا گیا کیونکہ اس کا وجود ان زمانوں میں نہ تھا بلکہ سادہ کاغذیہ

اقول اولاً عینیت تو بارہا گھر تک پہنچا دی گئی اس کی آرٹ تو چھوڑیے اور اب فرمائیے کہ نوٹ اور اس پرچہ کاغذ میں وجہ فرق کیا ہے سادہ پرچہ تو ہزار روپے کو یک سکے مگر جس پر پانچ روپے کا لفظ و ہندسہ لکھ دیا وہ پانچ سے زیادہ کو بیچنا حرام ہو جائے بڑی منحوس گھڑی سے چھاپا تھا کہ چھپتے ہی نو سو پچاس روپے آگئے۔

ثانیاً عینیت کے جو قاہر رد ہوئے انھیں جانے دیجئے تو آپ خود اپنے تزل اخیر میں اُس سے یکسر گزر چکے ہیں مہربانی فرما کر اپنی اس اخیر تقدیر پر فرق کی تقریر سنا دیجئے، جی ہاں سادہ کاغذ ہزار کو بیچنا جائز بتایا ہے اور کیسا کاغذ ناجائز ہے ذرا بتائیے۔

ثالثاً صاف انصاف تو یہ ہے کہ علماء نے مطلق کاغذ فرمایا ہے جو سادہ اور لکھے قلمی اور چھپے نوٹ اور غیر نوٹ سب کو شامل ہے یہ سادگی تو آپ کی زیادت ہے اور مطلق کا کوئی مقید نیا پیدا ہو تو صرف اس بنا پر اُسے حکم مطلق سے اخراج سراسر خلاف فقہائیت ہے، ہزار ہا حوادث نئے پیدا ہوتے جاتے ہیں اور تاقیامت ہوتے رہیں گے، اُن کے احکام اطلاقِ ائمہ کرام سے لئے جاتے ہیں، اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ چیزیں اُس زمانے میں کب تھیں لہذا یہ اُن کی مراد و زیر حکم نہیں۔

سابعاً سُنئے تو جناب نے اس جرم پر کہ وہ کاغذ دو پیسہ کا بھی نہیں بیچارے نوٹ کو قصد بیع کے قابل نہ سمجھا بلکہ خود سو روپے بیچنا مقصود بتایا تھا، اب یہ سادہ پرچہ کہ دھیلے چھدام کا بھی نہیں یہ کیسے ہزار روپے کو بکنے لگا یہاں کون سے روپے لائے گا جن کا بیچنا مقصود بنائیے گا، ایک محقق عالم

کو لکھتے وقت خود اپنے آگے پیچھے کا خیال تو رہے نہ یہ کہ ایک ہی صفحہ میں نفسی ما قدمت ید اہ (مبجول گیا وہ جو اس کے ہاتھوں نے مقدم کیا۔ ت)

خاصاً جناب نے یہ بھی ملاحظہ کیا کہ امام ابن الہمام نے یہ یجوز ولا یکرہ بلا کر اہت جائز ہے کس بحث میں فرمایا ہے، بیع عینہ کی بحث میں، اب وہ بیع عینہ کی ممانعت کدھر گئی یہ تو پانچ ہی سطر میں نفسی ما قدمت ید اہ ہو گیا، کیا اسی دن کے لئے جناب نے لایکرہ چھوڑ کر انتھی لکھ دی تھی اب تو کہہ دیجئے کہ سوکانوٹ دوسو کو بیچنا ایسا جائز ہے جس میں کراہت بھی نہیں، آپ کی اسی انتھی پر انتہا کروں کہ رد و اعتراض کا عدد و بفضلہ تعالیٰ ایک سو بیس تک تو پہنچ گیا ولتہ الحمد۔

قولہ ہذا ما سنح لیؑ (یہ وہ ہے جو مجھ پر ظاہر ہوا۔ ت)

اقول ای من دوت دلیل و میں کتا ہوں بغیر دلیل خفی اور دلیل

مایلی لاخفی و لاجلی۔ جلی ہے (ت)

قولہ واللہ اعلم بالصواب وعندہ ام الكتاب (اللہ تعالیٰ درست بات کو خوب

جانتا ہے اور اس کے پاس ام الكتاب ہے۔ ت)

اقول هو المصوب سے یہاں تک فتویٰ بھر میں ایک یہ جملہ حق و بجا ہے بیشک اللہ عزوجل

اعلم بالصواب ہے اور اسی کے پاس ام الكتاب ہے اور اسی ام الكتاب میں یہ پاک خطاب ہے جس

سے بیع مذکور برضائے عاقدین کا جواز بے حجاب ہے،

الا ان تکون تجارة عن تراض منکم۔ مگر یہ کہ ہو وہ تجارت تمہاری باہمی رضامندی سے۔

اللہم من بنا اس رض عنا بکرمک و اے اللہ ہمارے پروردگار! اپنے فضل و احسان

منک و سؤفة حبیبک محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و وفقنا کے صدقے سے اور اپنے محبوب محمد مصطفیٰ صلی اللہ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مہربانی کے طفیل ہم سے راضی

لتجارة لت تبور یا عزیز ہو جا اور ہمیں ایسی تجارت کی توفیق عطا فرما جس

۳۲۲/۶

مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

کتاب الکفالة

۱۰ فتح القدر

۳۹۸/۱

مطبع یوسفی لکھنؤ

کتاب البیوع

۱۱ مجموعہ فتاویٰ

” ” ”

”

۱۲ ”

۱۳ القرآن الکریم ۲۹/۴

یا غفور أمین والحمد لله رب
 العالمین وافضل الصلوة واکمل السلام
 علی سید المرسلین محمد و
 آلہ وصحبہ اجمعین آمین سبحنک
 اللهم وبحمدک اشهدات لا اله
 الا انت استغفرک واتوب الیک سبحن
 ربک رب العزة عما یصفون و
 سلم علی المرسلین والحمد لله
 رب العالمین۔

میں خسارہ نہ ہو اے عزت والے اے بخشنے والے
 ہماری دعا قبول فرما، تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ
 کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے،
 بہترین درود اور کامل ترین سلام ہو رسولوں کے
 سردار محمد مصطفیٰ اور آپ کی تمام آل و اصحاب
 پر، اے اللہ! ہماری دعا قبول فرما، تو پاک ہے
 اور ہم تیری ہی تعریف کرتے ہیں، میں گواہی دیتا
 ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، میں تجھ سے
 مغفرت طلب کرتا ہوں اور تیری بارگاہ میں توبہ

کرتا ہوں، تیرا رب رب العزت پاک ہے ان اوصاف سے جو وہ لوگ بیان کرتے ہیں اور سلام ہو
 رسولوں پر اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ (ت)

الحمد لله کلام اپنے ملتہی کو پہنچا اور تحقیق مسئلہ ذرۃ اعلیٰ کو، تیس سال ہوئے کہ اس
 کا سوال فقیر سے ہوا اور مسئلہ بالکل حادث تازہ اور اپنی بے بضاعتی کا خوف و اندیشہ لہذا آغاز
 جواب ان لفظوں سے کیا، ظاہر ہے کہ نوٹ ایک ایسی حادث چیز ہے جسے پیدا ہونے بہت قلیل
 زمانہ گزرا فقہائے مصنفین کے وقت میں اس کا وجود اصلاً نہ تھا کہ ان کے کلام میں اس کا جزئیہ
 بالصریح پایا جائے مگر اس وقت جہاں تک خیال کیا جاتا ہے نظر فقہی میں صورت مسئلہ کا جواز
 ہی معلوم ہوتا ہے، اور عدم جواز کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی اور انتہا ان لفظوں پر کہ ہذا ما ظہری
 والله سبحانه وتعالى اعلم (یہ وہ ہے جو میرے لئے ظاہر ہوا اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ بہتر
 جانتا ہے۔) پھر بفضل ربّ قدير عز جلالہ برابر اس کے مویدات ظاہر ہوتے رہے،

موید اول محرم ۱۳۲۲ھ میں مکہ معظمہ کے دو علمائے کرام مولانا عبداللہ احمد میرداد امام مسجد
 الحرام اور ان کے استاذ مولانا حامد احمد محمد جدّ اوی واما بالاکرام نے نوٹ کے متعلق جملہ مسائل فقہیہ
 کا سوال اس فقیر سے کیا جس کے جواب میں بفضل و باب عز جلالہ ڈیڑھ دن سے کم میں رسالہ
 کفل الفقیر وہیں لکھ دیا، پہلا فتویٰ ایک خفیف ساعت کی نظر تھا یہ رسالہ بفضلہ تعالیٰ پیروں کا
 نوحہ کامل، جہاں تک غور کیا وہی رنگ کھلتا گیا اور کوئی شک سہ راہ نہ ہوا، یہ نظر اولیں کا پہلا
 موید تھا۔

مؤید دوم اس سے پہلے فتوئے مولوی لکھنوی صاحب چھپ کر زیر نظر آچکا تھا، رسالہ میں اس پر بھی خوض تام کیا اور نظر انصاف نے وہی حکم صاف دیا، یہ دوسرا مؤید اقوی ہوا کہ ایک ذکی طباع عالم کی دلیل خلاف آگے رکھ کر نتیجہ کامل کی اور اس کی بے اثری ظاہر ہوئی۔

مؤید سوم مکہ معظمہ کے اجلہ علمائے کرام و مفتیانِ عظام نے کفل الفقیہ کو ملاحظہ فرمایا پڑھا کہ سنا اس کی نقلیں لیں اور بجز اللہ سب نے یک زبان مدحیں کیں جیسے حضرت شیخ الائمہ والخطباء کبیر العلماء حضرت مولانا احمد ابوالخیر میرداد حنفی حضرت عالم العلماء مفتی سابق وقاضی حال علامہ مولانا شیخ صالح کمال حنفی، حضرت مولانا حافظ کتب الحرم فاضل سید اسمعیل خلیل حنفی، حضرت مولانا مفتی حنفیہ عبد اللہ صدیق حفظہم اللہ تعالیٰ، ان فاضل جلیل نے کہ اس وقت یہی جانب سلطانی سے افتائے مذہب حنفی کے عمدہ جلیلہ پر ممتاز تھے، کتب خانہ حرم محترم میں کفل الفقیہ رکھا دیکھ کر بطور خود مطالعہ فرمانا شروع کیا فقیر بھی حاضر تھا، مگر ان سے کوئی تعارف نہ تھا، نہ اس سے پہلے میں نے ان کو نہ انھوں نے مجھ کو دیکھا، حضرت مولانا سید اسمعیل افندی اور ان کے بھائی سید مصطفیٰ افندی وغیرہا بھی تشریف فرما تھے، حضرت مفتی حنفیہ نے رسالہ مطالعہ کرتے کرتے دفعۃً نہایت تعجب کے ساتھ اپنے زانو پر ہاتھ مارا اور فرمایا:

این کان الشیخ جمال بن عبد اللہ بن عمر
من هذا البیان اولفظا هذا معناه۔
شیخ جمال بن عبد اللہ بن عمر اس بیان تک کیوں
نہ پہنچ سکے یا اس کے ہم معنی لفظ کھے (ت)

حضرت مفتی اعظم مکہ معظمہ مولانا جمال بن عبد اللہ بن عمر حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہ سند حدیث وفقہ میں اس فقیر کے استاذ الاستاذ ہیں، اور اپنے زمانہ مبارک میں وہی مفتی حنفیہ تھے اُس جناب رفیع سے نوٹ کے بارے میں استفسار ہوا تھا حضرت ممدوح قدس سرہ نے علمائے ربانی کی جوشان ہے اُس کے مطابق صرف اتنا تحریر فرما دیا کہ العلم امانة فی اعناق العلماء واللہ تعالیٰ اعلم علم علماء کی گردنوں میں امانت ہے واللہ تعالیٰ اعلم، یعنی کچھ جواب عطا نہ فرمایا حنفیہ کے مفتی حال نے اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا کہ حضرت ممدوح قدس سرہ کا ذہن مبارک ان دلائل کو کیوں نہ پہنچا جو اس رسالہ کا مصنف لکھ رہا ہے، حضرت مولانا سید اسمعیل افندی نے تعریف فرمائی کہ مصنف رسالہ یہ موجود ہے حضرت مفتی حنفیہ نہایت کرم اکرام سے ملے اور بہت دیر تک بفضلہ تعالیٰ علمی تذکروں کی مجلس گرم رہی۔ ان تمام حضرات علماء کے مدائح و قبول کیسے مؤید جلیل ہوئے، واللہ شہد رب العالمین۔

مؤید چہارم اب کہ کفل الفقیہ دوبارہ مع ترجمہ چھپا، مولوی گنگوہی صاحب کا فتویٰ نظر پڑا، اس کی طرف توجہ کی اور ساتھ ہی چاہا کہ فتوئے جناب مولوی لکھنوی صاحب پر بھی مستقل نظر ہو جائے، خیال تھا کہ مباحث

تو رسالے ہی میں تمام ہو چکے ہیں غایت درجہ چھ ورق لیس ہوں گے مگر فیضِ قدیر سے اضافہ مضامین کی لگاتار بارش ہوئی اور قلم روکتے روکتے چھ ورق کی جگہ تین سبز کا رسالہ ہو گیا جس نے دونوں کلام مخالف میں کوئی فقرہ لگانا رکھا یہ بجز اللہ تعالیٰ اور بھی قوی تر مویدِ عظیم ہوا، رائیں ملنے سے علمِ پختگی پاتے ہیں اور اس کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ ذی رائے حضرات موافقت فرمائیں۔ دوسری یہ کہ خلاف کرنے والوں کی انتہائی کوششیں سن لی جائیں اور باطل و بے اثر ثابت ہوں، یہ پہلی صورت سے بھی اقویٰ ہے کہ جب مخالفانہ کوششیں اثباتِ خلاف میں عرق ریزی کر کے ناکام رہیں، واضح ہو جاتا ہے کہ بجز اللہ تعالیٰ مسئلہ حق ہے اور خلاف کی طرف راہ مسدود، بفضلہ تعالیٰ اس مسئلہ نے دونوں قسم سے حظ وافی پایا بالجملہ جہاں تک نظر کی جاتی ہے آسمانِ فیضِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے متواتر تائیدوں کا نزول ظاہر ہے ولہذا الحمد۔ بایں ہمہ عا شا فقیر مجتہد ہے نہ ائمہ مجتہدین کے ادنیٰ غلاموں کا پاسنگ ان کی خاکِ نعل کے برابر بھی مُنہ نہیں رکھتا، نہ معاذ اللہ شرع الہی میں اپنی عقل قاصر کے بھروسے پر کچھ بڑھا سکتا۔ اس فتویٰ اور ان دونوں رسالوں میں جو کچھ ہے جہدِ المقل ہے یعنی ایک بینوا محتاج کی اپنی طاقت بھر کوشش۔ اگر حق ہے تو محض میرے مولا پھر اس کے حبیبِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کرم ہے اور اسی کے وجہ کریم کے لئے حمد اور اس کے فضل سے امید ہے کہ ان شاء اللہ الکریم ضرور حق ہے اس کے گھر کی برکات و نکشا اس کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کرم جانفزا نے اپنے گدائے بیقید پر یہ فیضان کئے ہیں ورنہ کہاں یہ عاجز اور کہاں ڈیڑھ دن سے کم میں یہ رسالہ تصنیف کر دینا، پھر اس کے شہرِ کریم کے اکابر علمائے کرام نے اس درجہ پسند فرمایا یہ بفضلہ عزوجل سب آثار قبول ہیں اور اگر شاید یہاں علم الہی میں کوئی دقیقہ ایسا ہے جس تک نہ میری نظر پہنچی نہ ان علمائے کرام بلکہ اللہ الحرام کی تو میں اپنے رب عزوجل کی طرف انابت کرتا اور ہر مسئلہ میں اس پر اعتقاد رکھتا ہوں جو اس کے نزدیک حق ہے اور وہ کہتا ہوں جو میرے امام اعظم حضور سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا :

فان يك صوابا فمن الله تعالى وان
يك خطأ فمني ومن الشيطان
والله ورسوله بريان له

اگر یہ درست ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اگر
غلط ہے تو میری طرف سے اور شیطان کی طرف
سے ہے، اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم اس سے بری ہیں۔ (ت)

واقول كما قال ابونا آدم على نبينا
اور میں کہتا ہوں جیسے ہمارے باپ آدم نے کہا

الکریم وعلیه افضل الصلوٰۃ والتسلیم اللهم
انک تعلم سری وعلانیتی فاقبل معذرتی
وتعلم حاجتی فاعطنی سوئی وتعلم ما فی
نفسی فاغفر لی ذنوبی وصلی اللہ تعالیٰ
علی سیدنا محمد و آلہ وصحبہ وابنہ و
حزبہ وبارک وسلم ابد ابد ا و آخر دعوانا
ان الحمد للہ رب العالمین سبحنک اللهم
وبحمدک اشهد ان لا اله الا انت استغفرک
و اتوب الیک قالہ الفقیر احمد رضا القادری
البرکاتی البریلوی غفر اللہ تعالیٰ لہ وحقق
املہ واصلح عملہ والحمد للہ والصلوٰۃ و
السلام علی مصطفیٰ اٰخرا کل کلام واولہ
امین۔

(اللہ تعالیٰ ہمارے نبی کریم اور حضرت آدم پر بہترین
درود و سلام نازل فرمائے) اے اللہ! تو میرے
ظاہر و باطن کو جانتا ہے پس میری معذرت قبول فرما
اور تو میری حاجت کو جانتا ہے پس میری مراد مجھے
عطا فرما، اور تو اس کو جانتا ہے جو میرے دل میں ہے
پس میرے گناہ معاف فرما۔ اور اللہ تعالیٰ ہمارے
سرور اور آقا محمد مصطفیٰ، آپ کی آل، اصحاب، اولاد
اور جماعت پر ہمیشہ ہمیشہ درود، برکت اور سلام
نازل فرمائے۔ اور ہماری دعا کا خاتمہ یہ ہے کہ تمام تعریفیں
اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے
تو پاک ہے اے اللہ! اور تیری حمد کے ساتھ میں گواہی
دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں،
میں تجھ سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور تیری طرف
رجوع کرتا ہوں، یہ بات فقیر احمد رضا قادری برکاتی بریلوی نے کہی، اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمائے اور اس
کی امید کو پورا فرمائے اور اس کے عمل کو درست رکھے، اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور درود و
سلام ہو اس کے منتخب نبی (محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) پر ہر کلام کے اول و آخر میں۔ آمین۔ (ت)

باب الاستحقاق

(استحقاق کا بیان)

مسئلہ ۲۲۰ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ غلام حسین نے زوجہ نیازن اور ہمیشہ بنی وارث اپنے اور دو مکان ایک پنچتہ اور ایک خام جن کی قیمت بقدر چھ سو روپے کے ہے ترکہ چھوڑ کر انتقال کیا نیاز بی بی کا ایک ہزار روپیہ مہر ذمہ غلام حسین واجب الادا تھا، نیاز بی بی نے بذریعہ مہر دونوں مکانوں پر قبضہ کیا اور مکان پنچتہ بعض ساڑھے چار سو روپیہ کے شیخ محمد وزیر کے ہاتھ بیع کیا اور بیعنامہ میں حسب معمول صرف اپنا مالک و قابض و متصرف ہونا لکھا اور مشتری کو قبضہ دلا دیا بعدہ بالنعج کو گئی اس کے پیچھے بنی نے بذریعہ وراثت تین ربح کا مکان پر دعویٰ کیا اور کچھری سے ڈگری پائی ایک ربح مشتری کے پاس رہا، نیاز بی بی حج سے واپس آ کر انتقال کر گئی وارثان نیاز بی بی نے دعویٰ مہر کیا مہر ثابت ہوا بنی پر ڈگری ہوئی تین ربح مکان پنچتہ اور کل مکان خام مہر میں نیلام ہو گئے اب وارثان نیاز بی بی ایک ربح باقی ماندہ کو بھی مہر میں نیلام کر لینا چاہتے ہیں اس صورت میں شرعاً کیا حکم ہے، آیا وہ بیع کہ نیاز بی بی نے کی تھی جائز ہے یا نہیں اور دعویٰ وارثان صحیح ہے یا باطل؟ اور تین ربح کہ مشتری سے نکل گئے اور یہ ربح باقی ماندہ بھی اگر بحکم شرع نکل جائے تو آیا وہ ثمن کہ مشتری نے نیاز بی بی کو دیا قابل واپسی ہے یا نہیں؟ بیٹو! تو جو!۔

الجواب

صورت مستفسرہ میں نیاز بی بی نے جس کا مہر مال غلام حسین سے زائد تھا کل متروکہ پر جو بذریعہ مہر

قبضہ کیا صحیح تھا اور اس مذہب پر جس پر اب علماء کا فتویٰ ہے نیاز بی بی ان مکانوں کی مالک مستقل ہو چکی اور وہ بیع کہ اس نے بدست محمد زبیر کی صحیح و نافذ تھی نہ بتی کو اپنا دعویٰ وراثت پہنچاتا تھا کہ ادائے مہر تقسیم ترکہ پر مقدم ہے نہ وارثان نیاز بی بی دعویٰ مہر کر سکتے تھے کہ نیاز بی بی اپنی حیات میں اپنا مہر پا چکی آخر کل متروکہ پر اس کا قبضہ کر لینا بذریعہ مہر ہی تھا تو اب دین ادا شدہ کا دعویٰ کیا یعنی نہ اس جائداد کا مہر میں نیلام ہونا چاہئے تھا بلکہ حکم یہ تھا کہ نیاز بی بی اپنا مہر پا چکی اور دونوں مکانوں کی وہی مالک ٹھہری ایک مکان وہ اپنی حیات میں بیع کر چکی وہ تمام ملک مشتری ہے دوسرا مکان خام کہ باقی رہا متروکہ نیاز بی بی ٹھہر کر وارثان نیاز بی بی پر تقسیم ہو جائے،

شامی اور طحاوی میں علامہ حموی کی شرح کنز سے بحوالہ امام علامہ علی مقدسی منقول ہے، انھوں نے اپنے دادا اشقر سے بحوالہ شرح قدوری از امام اخصب ذکر کیا کہ خلاف جنس سے وصول کرنے کا عدم جواز مشائخ کے زمانے میں تھا کیونکہ وہ لوگ حقوق میں باہم متفق تھے، آج کل فتویٰ اس پر ہے کہ جب اپنے حق کی وصولی پر قادر ہو چاہے کسی بھی مال سے ہو تو وصول کر لینا جائز ہے۔ (د ت)

فی الشامی والطحاوی عن شرح الكنز للعلامة الحموی عن الامام العلامة علی المقدسی عن جده الاشقر عن شرح القدوری للامام الاخصب ان عدم جواز الاخذ من خلاف الجنس کانت فی زمانہم لمطاوعتہم فی الحقوق و الفتویٰ الیوم علی جواز الاخذ عند القدرة من ای مال کان لہ

اور بالفرض اگر اس فتویٰ کو مانو نہ رکھیں تو متروکہ غلام حسین کسی وارث کی ملک نہ تھا نہ نیاز بی بی کی نہ بتی کی،

فان الدین المحيط یمنع ملک الوارث،
کہا فی الاشباہ وغیرہا۔
کیونکہ تمام مال کا احاطہ کرنے والا قرض وارث کی ملکیت سے مانع ہے، جیسا کہ اشباہ وغیرہ میں ہے۔ (د ت)

تو بیع کہ نیاز بی بی نے کی اس شے کی بیع تھی جس کی وہ مالک نہ تھی اور ثمن مشتری سے لے کر اپنے تصرف میں لائی اس صورت میں جبکہ ادائے مہر کے لئے بیع کو ناجائز ٹھہرا کر جائداد مشتری سے نکال لی جائے

۱۵/۵ کتاب الحجر دار احیاء التراث العربی بیروت
۲۰۴/۲ لے الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملك ادارة القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی

قطعاً مشتری زرمن کی واپسی کا استحقاق رکھتا ہے وجہ کیا ہے کہ بیع بھی اس سے لے لیں اور ثمن ادا کر دہ بھی واپس نہ دیں پس جو کچھ روپیہ مہر نیاز بی بی سے حاصل ہوا یا اب ہو اس میں سے اول ساڑھے چار سو مشتری کو دیے جائیں جو بچے وارثان نیاز بی بی تقسیم کر لیں،

فی الخانیة وغیرھا مشتری شیئا فاستحق
من یدہ سرجع مشتری علی البائع
بالمثل اء ملتقطا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

خانیہ میں ہے کہ کسی نے کوئی شے خریدی پھر اس کے قبضہ میں اس شے میں استحقاق ثابت ہو گیا (تو وہ اس کے قبضہ سے نکل گئی) تو مشتری بائع سے ثمن واپس لے گا اء التقاط۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ت)

مسئلہ ۲۲۱ از شہر کہنہ مرسلہ سید فرحت علی صاحب ۱۰ رمضان المبارک ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص فوت ہوا اس نے ایک زوجہ اور تین پسرنابالغ اور ایک دختر نابالغ چھوڑی تھی منجملہ ان در شمار کے زوجہ اور دختر نے کل مکان متوفی اپنا قائم کر کے فروخت کر دیا، اب پسران اپنے حصہ شرعی کے واپسی کے خواستگار ہیں، اس اثنا میں مشتری نے کچھ مکان میں جدید تعمیر کیا، اگر حصص پسران عدالت سے قابل واپسی قرار پائیں تو صرفہ تعمیر و مرمت جدید ہ از روئے شرع ادا کرنے کے سزاوار ہیں جبکہ پسران استطاعت ادا کئے صرفہ نہیں رکھتے ہیں یا مشتری مستوجب اس امر کا ہے کہ وہ اپنی عمارت جدید توڑ لے جائے۔

الجواب

اگر ثابت ہو کہ شرعاً مدعیوں کا بھی بیع میں حصہ ہے تو بعد ثبوت حکم تقسیم کر دینگے اگر وہ جدید تعمیر جو مشتری نے کی خود مشتری کے حصہ میں پڑے فبہا ورنہ مدعیوں کو جائز ہوگا کہ مشتری سے کہیں اپنی تعمیر جدید ہماری زمین سے توڑ کر لے جا اور وہ کوئی خرچ عمارت و مرمت ان مدعیوں سے لینے کا مستحق نہ ہوگا اور رضامندی باہمی سے یہ بھی جائز ہوگا کہ مشتری مدعیوں سے عمارت جدید کے دام لے کر عمارت انھیں چھوڑ دے واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۲۲ مرسلہ شاہزادہ میاں از ریاست رامپور مستولہ علی بہادر خاں صاحب ۱۶ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بجر نے زید کے ہاتھ ایک زمین معافی کی دو نمبروں پر مشتمل بایں الفاظ بیع کی کہ موازی للبعہ پختہ اراضی نمبری ۲۲۴، ۲۳۵ بعوض چار سو روپے بدست زید

بیع شرعی کیا اگر کوئی سہیم و شریک پیدا ہو ضمان ذمہ بائع ہے مشتری سے تعلق نہیں فقط بکرنے زمین تمام و کمال وصول کر لیا بیعہ پر مشتری کو قبضہ کر دیا جب زید نے داخل خارج چاہا حاکم ریاست کو معلوم ہوا کہ بائع کی ملک واقع میں صرف للعمہ تھی ۱۴ بسوہ زائد پر اس نے دخل کر لیا ہے اور کاغذات تحصیل میں بھی اس کا اندراج بنام بکر ہو گیا ہے اور اس نے وہ مجموعہ للعمہ بیع ڈالی جس میں ۱۴ بسوہ زمین سرکاری ہے لہذا حکم صادر ہوا کہ جتنا قطعہ زمین اس نے بڑھالیا ہے اس کے نام سے خارج کر کے ضبط سرکار ہو باقی للعمہ کا داخل خارج بنام مشتری ہو چنانچہ حکم کا عمل درآمد ہوا اور اتنا ٹکڑا قبضہ مشتری سے نکال کر باقی کا داخل خارج اس کے نام ہو گیا اب مشتری اس چودہ بسوہ خارج شدہ کی رسدی قیمت بائع سے واپس لینا چاہتا ہے شرعاً سے اس کا حق ہے یا نہیں؟ بینوا تو جبروا۔

الجواب

اگر بکر ایک زمین للعمہ بنا کر زید کے ہاتھ بیچتا اور وہ زمین جتنی بیچی تھی زید کو تمام و کمال ملتی مگر پیمائش میں ۱۴ بسوہ خواہ بیگھوں کم آتی تو زید کو بکر سے ایک پائی واپس لینے کا اختیار نہ ہوتا۔
لان المساحة وصف في المسوح ولم تقصر مقصودة كانت يقول كل ذراع بكذا فلم يقابلها الثمن۔
کیونکہ پیمائش وصف ہے اس چیز میں جس کی پیمائش کی جاتی ہے اور وہ (مساحت) مقصود نہیں ہوتی جیسے یوں کہے کہ ہرگز اتنے کا ہے تو اس کے مقابل ثمن نہیں ہوتے۔ (ت)

بلکہ اس کم پر مشتری کی رضائے ظاہر ہوتی تو اسے یہ اختیار دیا جاتا کہ یا تو اسی کو پوری قیمت پر قبول کرے یا بیع پھیر کر ثمن واپس لے لے لاندہ فات علیہ وصف مرغوب فیہ فی تخییر (کیونکہ اس پر پسندیدہ وصف فوت ہو گیا ہے لہذا اس کو اختیار ملے گا۔ ت) در مختار میں ہے؛

ان باع صبرة على انها مائة قفيز بمائة درهم وهب اقل او اكثر اخذ المشتري الاقل بحصته ان شاء او فسخ ، و ما نداد للبائع ، وان باع المذروع على انه مائة ذراع مثلاً اخذ المشتري الاقل بكل
اگر ڈھیر بیچا اس شرط پر کہ یہ سو بوری ہے سو درہم کے بدلے میں، حالانکہ وہ ڈھیر سو بوری سے کم یا زیادہ ہے، تو مشتری کو اختیار ہے کہ کتر کو اس کے حصے کی قیمت کے بدلے میں لے لے یا بیع کو فسخ کر دے اور جو سو بوری زائد ہے وہ بائع کا ہے، اور اگر مذروع کو مثل سابق بیچا کہ یہ مثال کے طور پر سو گز ہے سو درہم کے بدلے میں تو مشتری کو اختیار ہوگا

التمن او ترك واخذ الاكثر بلا خيار
للبائع له

کہ وہ کمتر کو پورے ٹمن کے عوض لے لے یا چھوڑ دے
اور اکثر کو مشتری لے لے گا، بائع کو اس میں اختیار
حاصل نہ ہوگا۔ (ت)

مگر یہاں یہ صورت نہیں بیع تمامہ قبضہ میں رہ کر پیمائش میں کم نہ آئی بلکہ بیع سے ایک قطعہ ملک ریاست
قرار پا کر قبضہ سے نکل گیا، یہ صورت استحقاق کی ہے اور استحقاق میں ضرور مشتری کو اتنے کی قیمت بائع
سے واپس لینے کا اختیار ہوتا ہے جتنا مستحق کے دعوے پر اس کے قبضہ سے نکل گیا اور اس میں مثلی و قبی مذروع
و معدود وغیرہ سب برابر ہیں، عالمگیری میں ہے،

اذا كان المشتري شيئاً واحداً كالشوب
الواحد والعبد فاستحق قبضه قبل
القبض او بعده فللمشتري الخيار في
الباقي ان شاء اخذة بالحصه وان شاء
ترك الخ وعزاه للمحيط وظاهر ان الشوب
قبضه مذروع قال في رد المحتار وان باع
المذروع كشوب وارض در منتقى اھ وقد
حكوا في استحقاق قبضه باخذ الباقي
بالحصه۔

جب خریدی ہوئی چیز ایک ہو جیسے ایک کپڑا یا غلام،
پھر قبضہ سے پہلے یا بعد اس کے بعض میں استحقاق
ثابت ہو گیا تو مشتری کو اختیار ہے چاہے تو باقی
کو اس کے حصے کی قیمت کے بدلے میں لے لے اور
اگر چاہے تو چھوڑ دے الخ اور اس کو محیط کی طرف
منسوب کیا ہے، اور ظاہر ہے کہ کپڑا قیمتی مذروع ہے،
رد المحتار میں کہا کہ اگر مذروع کو بیچا جیسے کپڑا اور زمین،
در منتقى اھ، بے شک اس کے بعض میں استحقاق
ثابت ہونے کی صورت میں باقی کو اس کے حصے کی
قیمت کے بدلے میں لینے کا حکم کیا گیا ہے (ت)

جامع الفصولین میں ہے،

استحق قبض المبيع فلول لم يميز
الا بضرر كدار وكرم وارض
ومزاج خف ومصراعي باب

بعض بیع میں استحقاق ثابت ہو گیا تو (دیکھیں گے کہ)
اگر وہ بلا نقصان جدا نہیں ہو سکتا جیسے مکان،
انگور کی بیل، زمین، موزوں کا جوڑا اور ایک

۴/۲	مطبع مجتہائی دہلی	کتاب البيوع	لہ در مختار
۱۶۶/۳	نورانی کتب خانہ پشاور	کتاب البيوع الباب الخامس عشر	لہ فتاویٰ ہندیہ
۳۱/۴	دار احیاء التراث العربی بیروت	کتاب البيوع	لہ رد المحتار

وفق يتخير المشتري والا فلا ، ثم لو اورث الاستحقاق عيباً فيما بقى يخير المشتري كما مر ولو لم يورث عيباً كثوبين استحق احدهما فالمشتري ياخذ الباقي بحصته بلا خيار ، ملتقطاً .
 ہو جائے تو مشتری باقی کو اس کے حصے کی قیمت کے بدلے میں لے گا اس صورت میں اس کو اختیار نہیں ملے گا، ملتقطاً (ت)

پس صورت مستفسرہ میں زید بکر سے ثمن کے $\frac{۱۴}{۹}$ یعنی ستاون روپے پونے بارہ آنے واپس لے سکتا ہے ایک خفیف مقدار کم جس کی مقدار نصف پائی تک بھی نہیں یعنی $\frac{۴۵}{۵}$ پائی۔ یہ سوال کا جواب تھا مگر ملاحظہ بیعنامہ سے واضح ہوا کہ یہ بیع فاسد واقع ہوئی کہ اس کے آخر میں شرط فاسد مذکور ہے مثلاً یہ کہ اگر جہز کل اراضی قبضہ مشتریان سے نکل جائے تو اس کا بار ہر جہ و خرچہ ذمہ بالیمان ہے اور جو درخت اراضی میں کھڑے ہیں ان کو آخر سال ۱۳۱۸ء تک قطع کر کے اراضی مکشوف کر دیں گے ورنہ درخت بھی قیمت مذکورہ بالا میں بیع متصور ہوں گے اس کو دعویٰ چوب درختان نہ رہے گا بیعنامہ میں شرط فاسد کے ذکر سے بیع پر حکم فساد ہوگا۔ درمختار میں ہے :

لو كتب في الصك فما اتفق المشتري فيها من نفقة اورم فيها من مرمة فعلى البائع يفسد البیع .
 اگر بیعنامہ میں لکھا گیا کہ جو کچھ مشتری بیع پر حرج کرے گا یا اس میں مرمت کرے گا وہ بائع کے ذمے ہوگا تو بیع فاسد ہو جائیگی۔ (ت)

تو بائع و مشتری دونوں پر واجب ہے کہ توبہ کریں اور اگر موانع فسخ سے کوئی مانع نہ پایا گیا ہو تو واجب ہے کہ بیع فسخ کر دیں ، زید زمین واپس دے اور بکر پوری قیمت پھیر دے ، اگر وہ دونوں نہ مانیں حاکم جبراً فسخ کر دے۔

درمختار میں ہے :

يجب على كل واحد منهما فسخه فساد کو ختم کرنے کے لئے قبضہ سے پہلے یا قبضہ

لے جامع الفصولین الفصل السادس عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۲۱۹-۲۰/۱
 لے درمختار " " " مطبع مجتہدانی دہلی ۲۶/۲

قبل القبض او بعدة مادام المبيع
بحالہ فی يد المشتري اعداها
للفساد لانه معصية فيجب رفعها
بحر، واذا اصر احد هما على امساكه وعلم به
القاضي فله فسخه جبوا
عليهما حق للشرع، بزانية^ل

کے بعد جب تک بیع مشتری کے پاس اپنے حال میں
موجود ہے بیع فاسد کو فسخ کرنا بائع اور مشتری
میں سے ہر ایک پر واجب ہے کیونکہ یہ معصیت ہے،
اس لئے اس کو دور کرنا واجب ہے، بحر۔ اور
اگر ان میں سے کوئی ایک اس کو برقرار رکھنے پر اصرار کرے اور
قاضی کو اس کا علم ہو تو وہ حق شرع کے لئے ان دونوں
پر جبر کرتے ہوئے فسخ کر سکتا ہے، بزانیہ۔ (ت)

اس کے بعد پھر چاہیں تو آپس میں بیع صحیح کر لیں جتنے ثمن پر تراضی ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب البيع السلم

(بيع سلم کا بیان)

مسئلہ از فیروز پور ۲۹، جمادی الاخرہ ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کٹوتی کاروپہ پیشگی دے دیا اور ناج فصل پر لینا ٹھہرا کن کن شرطوں سے جائز ہے؟ بیٹو اتو جبروا۔

الجواب

اسے بیع سلم کہتے ہیں، یہ بارہ شرطوں سے جائز ہوتی ہے اگر ان میں سے ایک بھی کم ہوگی تو بالکل ناجائز اور سود ہو جائے گی:

(۱) اس شے کی جنس بیان کر دی جائے مثلاً گہوں یا چاول یا گھی یا تیل، اگر ایک عام بات کہی مثلاً غلہ لیں گے تو ناجائز ہے۔

(۲) وہ جنس اگر کئی قسم کی ہوتی ہے تو اس کی قسم معین کر دی جائے جیسے چاول میں باسمتی ہنس راج، اگر زرے چاول کئے بیع صحیح نہ ہوگی۔

(۳) اس کی صفت بیان کر دی جائے مثلاً عمدہ یا ناقص جیسے چنوں میں فردیا کیلے۔

(۴) اس کی مقدار معین کر دی جائے مثلاً اتنے من، اور یہ بات بھاؤ کاٹ دینے سے بھی حاصل ہو جاتی ہے یعنی فی روپیہ اتنے سیر کہ روپوں کی گنتی معلوم ہونے سے کل کی مقدار خود معلوم ہو جائیگی

اور جہاں مختلف پسپوں کا رواج ہو وہاں پسپوں کی تعیین بھی ضروری ہے کہ فلاں پسپوں سے اتنے من اور جہاں کچا پکا دونوں من بولا جائے وہاں اس کی تعیین بھی لازم ہے غرض کوئی بات وہ نہ رہے جس میں آئندہ جھگڑا اٹھنے کی صورت ہو۔

(۵) میعاد معین کر دی جائے جو ایک مہینہ سے کم نہ ہو اگر تعیین نہ کی مثلاً جب چاہیں گے لے لیں گے یا سفر کو جاتا ہوں جب پلٹ کر آؤں گا لے لوں گا تو ناجائز ہوگا۔

(۶) اگر وہ چیز بار برداری کی ہے جس کے یہاں سے وہاں لے جانے میں خرچ ہوگا تو وہ جگہ بھی معین کی جائے جہاں پہنچنا منظور ہے مثلاً فلاں شہر یا فلاں گاؤں میں پہنچتے ہوئے، اس میں بیچنے والے کو اختیار رہے گا کہ اس گاؤں یا شہر کے جس مقام و محلہ میں چاہے پہنچا دے اور جو مکان بھی خاص کر دیا تو وہیں پہنچنا پڑے گا۔

(۷) ثمن کی بھی تعیین ہو جائے مثلاً روپے یا اشرفی۔

(۸) اگر وہ ثمن چند قسم کا ہوتا ہے تو قسم بھی معین کر دے مثلاً اشرفی محمد شاہی یا انگریزی۔

(۹) کھرے کھوٹے کا بیان بھی ہو جیسے لکھنؤ کا روپیہ یا انگریزی چہرہ دار یا بے پور کی چاندی یا اینٹ کا سونا۔

(۱۰) اگر ثمن اس قسم کا ہے کہ اس کے ہر ٹکڑے کے مقابل شے بیع کا ٹکڑا ہوتا ہے جیسے سونا چاندی روپیہ،

اشرفی کہ گیسوں روپیہ کے من بھر ہوئے تو اٹھنی کے بیس سیر چوٹی کے دس سیر ہوں گے تو ایسی ثمن کی تعیین مقدار بھی ضرور ہے مثلاً اتنے تولہ چاندی یا اس قدر روپے اور اگر وہاں مختلف وزن کے سکتے چلتے ہوں جیسے حیدرآباد میں نوابی و انگریزی روپیہ وہاں سکتے کی تعیین بھی چاہئے۔

یہ دسوں باتیں خاص عقد ایجاب و قبول میں بیان کرنی ضرور ہیں، مثال اس کی یہ ہے کہ زید عمر و سے کہے میں نے تجھ سے بریلی کی تول سے دس من سچتہ چاول منسراج کھرے بالعوض سو روپے انگریزی چہرہ دار کے آج سے چار مہینے کے وعدہ پر بریلی پہنچتے ہوئے خریدئے وہ کہے میں نے بیچے یا میں نے تجھ سے بدایوں کے وزن سے چار من پکا گھی بھینس کا خالص آج سے دو مہینے کے وعدہ پر مراد آباد پہنچتا ہوا بالعوض چھ اشرفی محمد شاہی بیس بیس روپے والی کے خریدئے وہ کہے میں نے بیچا، یہ سب باتیں خوب خیال کر لی جائیں کہ لوگوں میں آج کل بیع سلم کا بہت رواج ہے۔ ان زبانی شرطوں کے ترک سے حلال کو ناحق اپنے لئے حرام کر لیتے اور خدا کے گناہ میں گرفتار ہوتے ہیں۔

(۱۱) شرط یہ کہ اسی جلسہ میں ثمن ادا کر دیا جائے ورنہ اگر یہ ساری گفتگو کر کے ثمن دینے بغیر متفرق ہو گئے تو بنا بنایا عقد فاسد و ناجائز ہو جائے گا یہاں تک کہ اگر وہاں سے اٹھ کر گھر میں روپے لینے گیا اور

بیچنے والے کی نگاہ سے آرہوگئی عقد فاسد ہو گیا۔

(۱۲) وہ چیز اس قسم کی ہو کہ روز عقد سے ختم میعاد تک ہر وقت بازار میں مل سکے ورنہ عقد ناجائز ہوگا اسی لئے اگر گھیوں کی کٹوتی میں یہ لفظ کہہ دئے کہ نئے گھیوں لیں گے اور اس وقت نیا گھیوں بازار میں نہیں تو عقد ناجائز و گناہ ہے اور اسی سبب سے رس کی کٹوتی جو ایکھوں کے وقت کرتے ہیں حرام ہوئی کہ رس اس وقت بازار میں نہیں ہوتا۔

تنویر الابصار، درمختار اور ردالمحتار میں مخلوط عبارت بطور اختصار یوں ہیں کہ بیع سلم کے صحیح ہونے کی وہ شرطیں سات ہیں جن کا عقد میں ذکر کیا جانا (یہ تعداد اجمالی ہے ورنہ پہلی چار شرطیں راس المال (ثمن) اور مسلم فیہ (بیع)، دونوں میں پائی جاتی ہیں تو اس طرح تفصیلاً یہ چار کے بجائے آٹھ ہوتیں، بحر)

(۱) مسلم فیہ جنس کا بیان جیسے گندم یا کھجور (۲) نوع کا بیان جیسے نہری پانی سے اس کو سیراب کیا گیا ہے یا بارش کے پانی سے سیراب ہوئی ہے اور اس میں خلاصہ سے منقول ہے کہ جس میں کوئی نوع نہ ہو اس میں نوع کا بیان شرط نہیں اور اس میں معراج سے منقول ہے کہ راس المال میں نوع کا بیان کرنا شرط ہے جبکہ شہر میں مختلف نقود رائج ہوں ورنہ نہیں۔

(۳) مسلم فیہ کی صفت کا بیان جیسے عمدہ یا ناقص۔

(۴) مسلم فیہ کی مقدار کا بیان جیسے کیل کے اعتبار سے اتنی۔ (۵) مدت کا بیان اور سلم میں کم از کم مدت ایک ماہ ہے اسی پر فتویٰ ہے۔ (۶) راس المال کی مقدار کا بیان اگر عقد کا تعلق راس المال کی مقدار سے ہو بایں طور کہ مسلم فیہ کے اجزاء راس المال کے اجزاء پر منقسم ہوتے ہوں (فتح) اس تقسیم کی صورت یہ ہے

فی تنویر الابصار والدر المختار ورد المحتار بالتلفیق والاختصار شرطہ ای شروط صحته التي تذكر في العقد سبعة (اجمالا والا فالاربعة الاول منها تشتت في كل من راس المال والمسلم فيه ثمانية بالتفصيل، بحر) بیان جنس کبر او نمر، و بیان نوع کسقی (ما یسقی بالماء الجاری) او بعلی (ما سقته السماء، و فیہ عن الخلاصة لا یشتت بیان النوع فیما لا نوع له و فیہ عن المعراج انما یشتت بیان النوع فی راس المال اذا کانت فی البلد نقود مختلفة والافلا) وصفة کجید اور دئی، و قدر کذا کیلا، و اجل و اقله شہر بہ یفتی، و قد راس المال ان تعلق العقد بمقدارہ ربات تنقسم اجزاء السلم فیہ علی اجزائه فتح ای بان یقابل النصف

بالنصف والرابع والرابع وهكذا وذلك انما يكون في المثل) والسابع بيان مكان الايفاء للمسلم فيه فيما له حمل و مؤنة شرط الايفاء في مدينة فكل محللاتها سواء فيه حتى لو اوفاه في محلة منها برئ وليس له ان يطالبه في محلة اخرى بزانية ولو عين مكانا تعين في الاصح فتح وبقى من الشروط قبض رأس المال ولو عيننا قبل الافتراق بايد انهما وان ناما او سارا فرسخا واكثر ولو دخل ليخرج الدراهم ان توارى عن المسلم اليه بطل وان بحيث يراه لا وهو شرط بقائه على الصحة لا شرط انعقاده بوصفها فينعقد صحيحا ثم يبطل بالافتراق بلا قبض به

کہ نصف مسلم فیہ نصف راس المال کے بدلے میں اور چوتھائی چوتھائی کے بدلے میں ہو اسی طرح یہ سلسلہ چلتا جائے، اور یہ صورت صرف مثل چیزوں میں متحقق ہو سکتی ہے (۷) اس جگہ کا بیان جہاں مسلم فیہ پہنچانا منظور ہے جبکہ مسلم فیہ میں بار برداری اور مشقت ہے، کسی شہر سے پہنچانے کی شرط لگائی تو اس شہر کے تمام محلے اس مسئلہ میں برابر ہیں اگر کسی محلہ میں بائع نے مسلم فیہ کو پہنچا دیا تو بری الذمہ ہو گیا مشتری کو یہ حتی حاصل نہیں کہ وہ دوسرے محلہ میں پہنچانے کا مطالبہ کرے (بزازیہ) اور اگر کوئی مکان معین کر دیا تو وہی معین ہو گا صحیح مذہب پر (فتح) اور باقی رہا شرطوں میں سے راس المال پر قبضہ کرنا اگرچہ راس المال معین ہو اور یہ قبضہ عاقدین کے بدنی طور پر جدا ہونے سے قبل شرط ہے اگرچہ وہ دونوں مجلس میں سو گئے ہوں یا ایک فرسخ یا اس سے کچھ زیادہ اگٹھے چلتے گئے ہوں (اس کے بعد قبضہ کیا ہو) اور اگر رب المسلم (مشتری) درہم لینے گھر میں اس طرح داخل ہو کہ مسلم الیہ (بائع) کی نظر سے اوچھل ہو گیا تو عقد باطل ہو گیا اور اگر وہ نظر آتا رہا تو عقد باطل نہیں ہوا اور راس المال پر مجلس میں قبضہ کرنا عقد مسلم کے صحت پر باقی رہنے کی شرط ہے نہ کہ وصف صحت پر اس کے منعقد ہونے کی شرط ہے، تو بیع کا انعقاد صحیح ہو جائے گا پھر راس المال پر قبضہ کئے بغیر دونوں کے جدا ہونے سے باطل ہو جائے گی۔ (ت)

اسی میں ہے :

ایسی چیز میں عقد مسلم صحیح نہیں جو وقت عقد سے وقت استحقاق یعنی ختم میعاد تک بازار میں موجود نہ رہے۔ (ت)

لا یصح فی منقطع لا یوجد فی الاسواق من وقت العقد الی وقت الاستحقاق به

۲۸/۲

مطبع مجتہبائی دہلی

باب المسلم

کتاب البیوع

۱۷ درمختار شرح تنویر الابصار

۲۰۶-۰۶/۲

"

"

"

ردالمحتار

۲۶/۲

"

"

"

۱۷ درمختار

اسی میں ہے :

ولا في حنطة حديثه قبل حدوثها لانها
منقطعة في الحال ^۱ والله تعالى اعلم

عقد سلم نئی گندم میں اس کے پیدا ہونے سے پہلے صحیح
نہیں کیونکہ وہ فی الحال موجود نہیں۔ (ت)

مسئلہ ۲۲۴ از شہر کہنہ دہم ربیع الثانی شریف ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر گھیوں کی کٹوتی جسے بدنی بھی کہتے ہیں اس طور پر کریں
کہ روپے دے دے اور بھاؤ معین نہ کیا بلکہ یہ بھٹرا کہ فصل کا بھاؤ یا اس سے مثلاً دو سیر زائد لیں گے
تو یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟ بیٹنوا توجروا۔

الجواب

محض ناجائز ہے جب تک مقدار معین نہ کر دی جائے،

في الدر المختار شرط صحته بيان
جنس وقدر كذا اكيلاً ^۱ ملخصاً - والله
تعالى اعلم۔

در مختار میں ہے عقد سلم کے صحیح ہونے کی شرط جنس کو
بیان کرنا اور مقدار کو بیان کرنا ہے جیسے کیل کے
اعتبار سے اتنی ہے ^۱ تلخیص۔ واللہ تعالیٰ

اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۲۵ از شہر کہنہ دہم ربیع الثانی شریف ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ رس کی خریداری اس طور پر کہ ابھی ایک کھڑی ہے اور
رس خرید لیا اور روپیہ دے دیا جائز ہے یا نہیں؟ بیٹنوا توجروا۔

الجواب

محض ناجائز ہے کہ صورت بیع سلم کی ہے اور بیع سلم انھیں چیزوں میں جائز ہے جو ہنگام عقد سے
میسر اور استحقاق تک ہر وقت بازار میں موجود رہیں گھروں میں موجود ہونا کفایت نہیں کرتا اور ظاہر ہے
کہ رس اس وقت بازار میں نہیں ہوتا۔ ہدایہ میں ہے :

لا يجوز السلم حتى يكون المسلم فيه
موجوداً من حين العقد الى
جب تک مسلم فیہ وقت عقد سے لے کر وقت استحقاق
تک مسلسل بازار میں موجود نہ رہے بیع سلم

۲۷/۲

مطبع مجتہدانی دہلی

باب السلم

کتاب البيوع

لہ در مختار

۲۸/۲

”

”

”

جلد ۲

حین المحلہ

جائز نہیں۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے،

نایاب ہونے کا معنی یہ ہے کہ چیز بازار میں موجود نہ ہو
اگرچہ گھروں میں موجود ہو تبیین شربلایہ میں یونہی
ہے اور اس کی مثل بخر، نہر اور فتح میں ہے،
واللہ تعالیٰ اعلم (ت)

حد الانقطاع ان لا یوجد فی الاسواق
وان کانت فی البیوت کذا فی التبیین
شربلایہ ومثلہ فی الفتح والبحر والنہر
واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۲۶

۸ رجب ۱۳۰۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنے یا غیر گاؤں کے اسامیوں کو
روپیہ کٹوتی پر دیا اور نرخ کاٹ کر غلہ ٹھہرا لیا اب اگر کسی آفت ارضی یا سماوی کی وجہ سے غلہ نہ پیدا ہو
تو یہ شخص اسی نرخ معین کے حساب سے قیمت پانے کا مستحق ہے یا نہیں؟ بیٹو تو جروا۔

الجواب

جب عدم پیداوار وغیرہ کی وجہ سے بائع و مشتری اس عقد کو فسخ کریں تو مشتری کو صرف اتنا ہی روپیہ
لینا جائز ہے جس قدر اس نے دیا تھا اس سے زیادہ ایک جہ لینا حرام اور سُود ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم فرماتے ہیں:

یعنی یا تو وہ چیز لے یا جتنا روپیہ دیا تھا وہ واپس
کر لے اس کے سوا کچھ نہ لے، جیسا کہ رسول اللہ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

لا تاخذ الا سلمک اور اس مالک^۳ او
كما قال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۲۲۷

۴ رمضان المبارک

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اسامیان کو بدنی پر روپیہ دیا اور فی روپیہ ۲۰ تار یا ۱۹ تار گندم
عمدہ ماہ فلاں میں لینے ٹھہرے لیکن اسامی کے یہاں پیداوار کم ہوئی اور غلہ مذکور ادا نہ کر سکا تو اسے زر قیمت
غلہ لینا جائز ہے یا ناجائز؟ یا کہ جو روپیہ دیا ہے وہ لیا جائے؟ اور اگر غلہ وقت معینہ پر لیا جائے تو آیا صاف

۹۵/۶	مطبع یوسفی لکھنؤ	باب السلم	کتاب البیوع	لہ الہدایہ
۲۰۵/۲	دار احیاء التراث العربی بیروت			۵۲ ردالمحتار
۱۱۲/۲	تبیین الحقائق باب السلم	و	۲۹/۲ باب السلم	۳۵ درمختار

کرا کر عمدہ لیا جائے یا جیسا پسیدہ ہو اسے کس طور پر، اور اگر بحالت باقی آئندہ سال پر غلہ لیا جائے تو کس شرح سے یعنی کہ زرقمیت بقیہ غلہ کے گندم بحساب بدنی مذکور لے جائیں یا کہ بقیہ زردادہ کے گندم بحساب بدنی لے جائیں۔
بیٹنوا تو جروا۔

الجواب

روپیہ دینے والے کو دو ہی بات کا اختیار ہے چاہے جو غلہ جتنا لینا ٹھہرا ہے اب خواہ آئندہ سال اسی قدر لے کہ دانہ بڑھانے کا اختیار نہیں ہے اور چاہے تو اس صورت میں اپنا اتنا ہی روپیہ جس قدر دیا تھا پورا خواہ حساب سے کہ مثلاً سو روپے چاکس من گہیوں پر دیئے تھے چکیس من ملے تو باقی چاکس روپے واپس لے ایک کوڑی زیادہ حلال نہیں اور یہ جو کر لیتے ہیں کہ جو باقی رہا اس وقت کے بھاؤ اس کے دام کاٹے اور بدنی کے حساب سے ان داموں کا غلہ اس کے ذمہ کر دیا یہ زرا سود قطعی حرام بلکہ سود در سود ہے۔

در مختار میں ہے کہ اگر مسلم فیہ استحقاق کے بعد نایاب ہوگئی تو رب المسلم کو اختیار دیا جائے گا کہ یا تو اس کے دستیاب ہونے کا انتظار کرے یا عقد فسخ کر کے اس المال واپس لے لے اور اسی میں ہے قبضہ سے پہلے مسلم الیہ کے لئے اس المال میں اور رب المسلم کے لئے مسلم فیہ میں تصرف جیسے بیع، شرکت، مراجمہ اور تولیہ جائز نہیں اگرچہ یہ تصرفات اسی شخص سے کئے جائیں جس پر اس المال یا مسلم فیہ ہے یہاں تک کہ اگر رب المسلم نے مسلم الیہ کو مسلم فیہ ہبہ کر دیا تو یہ اقالہ ہوگا جبکہ مسلم الیہ اس کو قبول کرے اور صغریٰ میں ہے کہ بعض مسلم کا اقالہ جائز ہے الخ۔ (ت)

فی الدر المختار لو انقطع بعد الاستحقاق خیر رب المسلم بین انتظار وجودہ والفسخ واخذ اس مالہ فیہ لایجوز التصرف للمسلم الیہ فی رأس المال ولا لرب المسلم فی المسلم فیہ قبل قبضہ بنحو بیع وشركة ومراجمہ وتولیة ولو من علیہ حق لو وهبه منه كانت اقالة اذا قبل وفي الصغری اقالة بعض المسلم جائزۃ الخ۔

اور گہیوں جیسے ٹھہرے تھے ویسے لینے کا مستحق ہے اگر عمدہ صاف کی شرط تھی تو عمدہ صاف ہی لے گا،
فی الہندیۃ اسلام فی گندم نیکو او ہندیہ میں ہے اگر کسی نے گندم میں عقد سلیم کیا اور

قال نیک او قال سرہ یجونہذا ہوا صحیح
والماخوذ بہ کذا فی الغیاثیۃ اللہ واللہ
تعالیٰ اعلم و علمہ جل مجدہ احکم۔

مسئلہ ۲۲۸ غزہ محرم الحرام ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اینٹوں کی بیع سلم جائز ہے یا نہیں ایسی صورت میں کہ ابھی بیچنے والے نے صرف زمین اس نیت سے لی ہے کہ بعد چار ماہ کے اسی سے مٹی کھود کر اینٹ بنائی جائے گی، خالد نے ابھی سے دو روپیہ ہزار کا نرخ کاٹ کر چار ماہ کے وعدہ پر دو سو روپے اسے دے دیئے یہ صورت شرعاً جائز ہے یا نہیں؛ یلتوا تو جروا۔

الجواب

جائز ہے جبکہ سانچا معین کر دیا گیا ہو اور باقی شرائط بیع سلم متحقق ہوں اور یہ شرط نہ کی گئی ہو کہ اس مٹی سے جو اینٹ بنے گی وہ لی جائے گی،

لأنہ منقطع فی الحال کحظۃ جدیدہ
قبل وجودہا وفی التئویر یصح
فیہا امکن ضبط صفتہ و معرفۃ
قدرہ کمکیل و موزون و مثن و عددی
مقارب کجون و بیض و فلس و
لبن و اجر بلبین معین لہ واللہ
تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۲۹ از آنولہ شفاخانہ مرسلہ شیخ محمد بخش صاحب ڈاکٹر ۶ ربیع الاول شریف ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس بارہ میں کہ فلوس سکے رائج الوقت بحساب فی روپیہ ساڑھے سولہ آنہ یعنی تینتیس ٹکے فروخت ہوتے ہیں اگر زید کسی قدر روپیہ عمر و کو دے اور عمر و سے بحساب فی روپیہ ساڑھے سولہ آنہ یعنی تینتیس ٹکے بلا تعیین وقت روز یا ماہ کے

لے فتاویٰ ہندیۃ الباب الثامن عشر الفصل الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۱۷۹/۳
۲ در مختار کتاب البیوع باب السلم مطبع مجتہبی دہلی ۲/۳

کٹوتری کر لے اور عمر و پتہ پتہ بیچ فلوس ادا کرے تو کٹوتی فلوس اس صورت سے مشرعاً درست ہے یا نہیں اور اگر عمر و فلوس کے ہمراہ دونی یا چونی زید کو دے تو دونی یا چونی ہمراہ فلوس کے عمر و سے لینا جائز ہے یا نہیں اور اگر عمر و باجائز زید کے کسی قدر فلوس کٹوتری شدہ بہ نرخ راجح الوقت خود فروخت کر کے زید کو نقد روپیہ بعض فلوس دے تو درست ہے یا نہیں؟

الجواب

پیسوں کی بیع سلم (یعنی کٹوتی) میں یہ تینوں صورتیں ناجائز و گناہ ہیں، بیع سلم کی ایک ضروری شرط یہ بھی ہے کہ میعاد عقد میں معین کر دی جائے جب یہاں تعین وقت نہ ہو، بیع حرام ہوگئی،

فی الدر المختار شروط صحته التي تذكر في العقد بيان جنس ونوع و صفة و قدر و اجل آه ملخصاً۔
در مختار میں ہے عقد سلم کے صحیح ہونے کی وہ شرطیں جن کو عقد میں ذکر کیا جاتا ہے یہ ہیں: جنس، نوع، صفت، مقدار اور اجل کا بیان کرنا اہل تخصیص (ت)

پھر بیع سلم جس چیز کی ہو اسے بدل کر دوسری شے یعنی جائز نہیں، تو کل یا بعض پیسوں کے عوض میں دونی چونی اٹھنی وغیرہ نہیں لے سکتا بلکہ خاص پیسے ہی لئے جائیں گے،

لقله عليه الصلوة والسلام لا تاخذ الا سلمك او اس مالك اي الا سلمك حال قيام العقد او اس المال عند الفساخه فامتنع الاستبدال آه در مختار۔
کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ سوائے اپنے مسلم (مسلم فیہ) یا اس المال کے کچھ مت لے یعنی اگر عقد قائم رہے تو مسلم فیہ اور اگر عقد فسخ ہو جائے تو اس المال لے لے، چنانچہ بدلے میں کوئی اور چیز لینا ممتنع ہوا اہل در مختار (ت)

نہ یہ روا ہے کہ اپنے قبضہ میں آجانے سے پہلے اس میں کوئی تصرف مثل بیع وغیرہ کیا جائے تو عمر و کا باجائز زید خواہ بلا اجازت پیسے بیچ کر روپے وغیرہ ان کے بدلہ کی کوئی شے زید کو دینا درست نہیں نہ زید اسے لے سکتا ہے،

فی الدر المختار لا يجوز التصرف للمسلم اليه في راس المال ولا لرب المسلم
در مختار میں ہے کہ قبضہ سے پہلے مسلم الیہ کے لئے راس المال میں اور رب المسلم کے لئے مسلم فیہ

۴۸/۲

۴۹/۲

مطبع مجتہاتی دہلی

باب السلم

کتاب البیوع

۱۰ در مختار

فی المسلم فیہ قبل قبضہ بنحو بیع و شرکت۔
واللہ تعالیٰ اعلم۔
میں تصرف جیسے بیع اور شرکت ناجائز ہے۔

مسئلہ ۲۳۰ کیا فرماتے ہیں علمائے دین بیع اس مسئلہ کے مثلاً زید نے بکر کو دس روپے دیئے اس شرط پر کہ آئندہ فصل میں فی روپیہ بیس سیر گندم لوں گا خصوصاً شرط مذکور پر زید نے فصل مقررہ پر گندم وصول کئے فصل معین میں گندم فی روپیہ ۵ مار فروخت ہوتے ہیں تو زید کو پندرہ سیر گندم جو کہ خلاف نرخ مل رہے ہیں یہ جائز ہے یا ناجائز؟ بیٹنوا تو جروا۔

الجواب

اگر یہ روپے زید نے بکر کو قرض دیئے تھے اور شرط یہ کی کہ آئندہ فصل میں فی روپیہ بیس سیر گہیوں لیں گے تو یہ ناجائز اور حرام ہے اور اگر روپیہ گہیوں کو قیمت قرار دے کر دیئے تھے تو اس کہنے سے کہ بیس سیر گندم لوں گا بیع نہ ہوتی نرا وعدہ ہوا اب جب گہیوں موجود ہوئے بکر اگر اس بجا و پرندہ دے تو اسے اختیار ہے زید جبر نہیں کر سکتا اور اپنی خوشی سے بکر دے تو حلال ہے اور اگر اس وقت گہیوں کی بیع کر لی کہ اس نے کہا بیچے اور اس نے کہا خریدے تو بیع سلم کی سب شرطیں اگر کر لی ہیں اور وہ متحقق ہیں تو جائز ہے اور فی روپیہ دس من زیادہ ملے تو حلال ہے ورنہ حرام۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۲۳۱ از میر انپور کٹرہ ضلع شاہجہانپور مستولہ محمد صدیق بیگ صاحب ۲۵ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک اسامی کو پانچ روپے دے دیئے ہیں اور اس سے یہ قرار پایا ہے کہ بیساکھ میں ساڑھے چار روپے من فرد چنے دیں گے یہ بیع کیسی ہے؟

الجواب

یہ صورت بیع سلم کی ہے اور اس میں بارہ شرطیں ہیں جن کی تفصیل ہمارے فتاویٰ میں ہے ان میں سے ایک بھی کم ہو تو حرام ہے اور سب جمع ہوں تو جائز، اور اگر وہ آسامی مسلمان نہیں تو جو معاہدہ اس سے ٹھہر جائے حرج نہیں کما مراراً۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

عہ اصل میں اسی طرح ہے ہونا چاہئے ”تو بھی حلال ہے“

مسئلہ ۲۳۲ از موضع خورد متوڈا کخانہ بدوسرائے ضلع بارہ بنکی مرسلہ صفدر علی صاحب ۶ ربیع الاول ۱۳۳۸ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ روپیہ اس شرط پر کسی کو دینا اور مال لینا جائز ہے کہ فصل میں
جو نرخ ہو گا ہم فلاں غلہ لیں گے۔

الجواب

فلاں غلہ لیں گے، یہ تو ایک وعدہ ہے کوئی عقد نہیں ہے اس کی پابندی پر جبر نہیں ہو سکتا اُسے اختیار
ہے کہ روپیہ پھیر دے اور غلہ نہ دے، اور اگر عقد بیع کیا تو یہ بیع سلم ہے اس کی بارہ شرطیں اگر جمع ہیں حلال
ہیں ورنہ حرام، اور اس طور پر کہ فصل کے نرخ پر بیچا خریداً مطلقاً حرام ہے کہ وہ مجہول ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۳۳ از شہر مرسلہ شوکت علی صاحب ۱۴ جمادی الآخر ۱۳۳۷ھ

کیا حکم ہے اہل شریعت کا اس مسئلہ میں کہ زید کچھ روپیہ دہقانوں کو فصل سے پہلے اس شرط پر تقسیم
کر دیتا ہے مثلاً جس وقت روپیہ دیا اس وقت گندم خواہ کوئی غلہ ۱۰ مار کا تھا اور اس نے ۱۴ مار فی روپیہ
نرخ ٹھہرا کر روپیہ دے دیا اب فصل پر خواہ کوئی نرخ کم و بیش ۱۴ مار سے ہو سکیں وہ فی روپیہ ۱۴ مار کے حساب
سے غلہ لے لے گا، بجز کہتا ہے کہ تُو نے سود لیا کیونکہ نرخ سے زیادہ ٹھہرا لیا۔ بیٹو تو جروا۔

الجواب

یہ صورت بیع سلم کی ہے اگر اس کے سب شرائط پائے گئے تو بلاشبہ جائز ہے اور کسی طرح سود نہیں
اگرچہ دس سیر کی جگہ دس من قرار دے، ہاں اگر جبر ہے تو حرام ہے اگر دس سیر کی جگہ سیر ہی بھر لے،
لقلولہ تعالیٰ الا ان تکون تجاساً عن
تھارے درمیان تجارت تمھاری باہمی رضامندی
تراض منکو۔

سے۔ (ت)

اور اگر بیع رضامندی سے ہوئی مگر کوئی شرط رہ گئی مثلاً غلہ کی جنس یا نوع یا صفت یا وزن کی تعیین نہ ہوئی
یا وہ چیز ٹھہری جو اس وقت سے وقت وعدہ تک ہر وقت بازار میں موجود نہ رہے گی یا میعاد مجہول رکھی یا اسی
جلسہ میں روپیہ تمام و کمال ادا نہ کر دیا تو ضرور حرام و سود ہے اگرچہ نرخ بازار سے کچھ زیادہ نہ ٹھہرا ہو
اور اگر خریدیم و فروختم (میں نے خریدا اور میں نے فروخت کیا۔ ت) کا مضمون درمیان نہ آیا مثلاً اس نے

لے القرآن الکریم ۲۹/۴

ف: یہ بارہ شرطیں جلد ہذا کے مسئلہ ۲۲۳ کے تحت مندرج ہیں۔

کہا کہ روپیہ کے چودہ سیر لیں گے اس نے کہا دوں گا تو یہ نہ سود ہے نہ حرام، نہ اس کے لئے کسی شرط کی حاجت نہ اسے اس پر مطالبہ پہنچے، اس کی خوشی پر ہے چاہے دے یا نہ دے کہ یہ ہرے سے بیع ہی نہ ہوتی نہ ا وعدہ ہوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳۴۲۲۵
از گھٹنگاہ میوبندہ باغات ضلع جورہاٹ آسام مستولہ عبید اللہ، ۱۳۳۹ رمضان ۱۳۳۹
کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ:

(۱) زید نے بکر کو دو روپے دیئے اور غلہ کا دینا بروقت دروزراعت بہ تعیین وزن مثلاً فی روپیہ کا بیس سیر دھان، اور حال یہ ہے کہ اس وقت بازار کے نرخ سے دو چند ہوتا ہے اب یہ بیع شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(۲) زید نے دس بیگہ زمین خرید کر زراعت کار کو خزانہ پر دیا ہے مگر خزانہ کار روپیہ نقد نہیں وصول کیا یہ بند و بست کیا کہ جب خزانہ کار روپیہ کے ہر روپیہ میں بعد دروزراعت بیس روپے کر کے دھان لوں گا اب یہ بھی نرخ بازار سے دو چند ہوتا ہے، یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

(۱) یہ صورت بیع سلم کی ہے اگر اس کی سب شرطیں ادا ہوئیں جائز ہے ورنہ حرام منجملہ ان شرائط کے میعاد معلوم ہو کہ ایک مہینہ سے کم نہ ہو اور وقت درو میعاد غیر معلوم ہو کہ آگے پیچھے ہوتا رہتا ہے لہذا صورت مذکور ناجائز و حرام ہوتی۔ در مختار میں ہے:

لا یصح البیع الی الحصاد والدیاس
والقطاف لانہا تتقدم وتتاخر، واللہ
تعالیٰ اعلم۔
فصل کاٹنے، گاہنے اور پھل چننے کی میعاد پر بیع
کرنا صحیح نہیں کیونکہ ان میں تقدم و تاخر ہوتا رہتا
ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ت)

(۲) یہ صورت پہلی سے بھی زیادہ حرام ہے
لانہ بیع الکائی بالکائی وقد نہی عنہ رسول
اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، واللہ
تعالیٰ اعلم۔

کیونکہ یہ ادھار کی ادھار سے بیع ہے حالانکہ
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے
منع فرمایا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم (ت)

مسئلہ ۲۳۶ از موضع گمگورہ ڈاکخانہ سند گنج ضلع رنگپور مرسلہ منشی سفیر الدین صاحب ۲۶ ربیع الاول ۱۳۳۶
 زید نے بکر کے پاس ۲۳ من پٹو ادینے کی شرط پر معہ روپے لئے جب موسم پٹو آیا تو بکر نے اپنے دیے
 ہوئے روپے کے عوض پٹو مانگا اس وقت زید پٹو ادینے سے مجبور ہوا اور قرض ادا کرنے کے خیال سے اپنے
 دو بیل فروخت کرنے پر آمادہ ہو گیا یہاں تک کہ ایک بیل کو فروخت کر دیا قیمت اس کی پچاس روپے ہوئی، اس
 بیل کی فروخت کی بات بکر نے سنتے ہی زید کو کہا اگر بیل کو فروخت کرنا چاہتے ہو تو وہ بیل ہم کو دو، تب زید
 نے فروخت کیا ہوا ۵۰ روپے قیمت والا بیل ۴۵ روپے قیمت مقرر کر کے اور دیگر ایک بیل ۲۵ روپے قیمت کیے ہوئے
 بیل کو ۲۰ روپے مقرر کر کے پہلے خریدار سے واپس لاکر بکر کو دے دیا اور بکر نے رسید بھی لے لی اور زید نے
 ۲۰ روپے نقد بھی دئے تھے جبکہ زید نے دو بیل دیے اور عنانہ بھی دیے تو اب مبلغ ۱۰۰ روپے ہوئے
 اصل سے معہ روپے زیادہ ہوتے ہیں اب مطلب یہ ہے کہ بیع سلم صحیح ہوئی یا کہ نہیں اور اس زیادہ روپے
 کا کیا حکم ہے؟

الجواب

بیع سلم صحیح تھی اگر سب شرائط جمع ہونے تھے مگر جبکہ وہ پٹو ادینے سے عاجز آیا اور روپیہ واپس
 دینا قرار پایا تو بکر پر فرض تھا کہ صرف وہی معہ روپے واپس لے ان کے عوض بیل لے یہ حرام، پندرہ روپے
 زیادہ لے یہ حرام اور زاسود،

قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم
 لا تأخذوا لاسمك ادس اس مالك و الله
 تعالى اعلم۔
 رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم نے فرمایا کہ
 سوائے اس چیز کے جس میں تو نے عقد سلیم کیا (مسلم فیہ)
 یا سوائے اس المال کے کچھ مت لے۔ واللہ
 تعالیٰ اعلم (ت)

مسئلہ ۲۳۷ از کچھوچھو شریف مرسلہ مولانا مولوی سید محمد صاحب سلم ۹ صفر ۱۳۳۶ھ
 کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائل ذیل میں :

- (۱) زید نے بکر کو ایک من گھیوں و ایک آنہ پیسہ دے کر کہا کہ ایک من گھیوں تم کو بلا معاوضہ چرنے دیتا ہوں
 اور ایک آنہ پیسہ کے عوض فلاں مہینہ میں گھیوں اوسط درجہ کا یا کہا کہ عمدہ ایک من بیس تار لوں گا۔
- (۲) زید نے بکر کو ایک گنی دے کر کہا کہ فلاں مہینہ میں ڈونوٹ دس دس روپیہ کالوں گا یا بیس روپیہ کے

لے تبیین الحقائق کتاب البیوع باب السلم المطبعة الکبریٰ بولاق مصر
 در مختار " " مطبع مجتہائی دہلی
 ۱۱/۴ ۲۹/۲

پیسے ٹوں گا۔

(۳) زید نے بکر کو دس روپیہ قرض دیا کہ بعد ایک سال کے ادا کر دے اور ایک آنہ پیسہ دیا کہ اس کے عوض بعد ایک سال کے دو روپیہ دے، یہ تینوں صورتیں شرعاً جائز ہیں یا نہیں؟ بیٹو اتوجروا۔

الجواب

(۱) ایک من گہیوں دینا نہ دینا کچھ ضرور نہیں جملہ شرائط بیع سلم کا تحقق ضرور ہے جن کی تفصیل و تمثیل ہمارے فتاویٰ میں ہے ان میں سے ایک بھی کم ہے تو حرام ہے،

لانہ بیع معدوم لم یرد الشرع بجوانہ
وقد نہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم عن بیع ما لیس عندہ۔
کیونکہ یہ معدوم کی بیع ہے جس کے جواز پر شرع
وارد نہیں ہوئی اور تحقیق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم نے اس چیز کی بیع سے منع فرمایا جو
بائع کے پاس موجود نہ ہو۔ (ت)

اور اگر شرائط مجتمع ہوں تو جائز ہے اگرچہ ایک پیسہ کو ہزار من گہیوں خریدے،

قال اللہ عزوجل الا ان تكون تجارة
عن تراض منکم، وقال رسول اللہ صلی
اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا اختلف النوعان
فبیعوا کیف شئتم۔
اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا مگر یہ کہ ہو تمہارے درمیان
تجارت باہمی رضامندی سے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جب بدلین مختلف نوعوں
کے ہوں تو جیسے چاہو بیچو۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے :

فی الذخیرة اذا اخذ الخبز مفرقا ینبغی
ان یدبغ صاحب الحنطة خاتما او سکینا
من الخباز بالف من الخبز۔

ذخیرہ میں ہے کہ اگر کوئی شخص (گندم اکٹھی دے کر
اس کے بدلے میں) روٹیاں متفرق طور پر لینا چاہے
تو گندم والے کو چاہئے کہ وہ انگوٹھی یا پھری ہزار
روٹیوں کے بدلے میں روٹیاں پکانے والے کے ہاتھ فروخت کرے (پھر روٹیوں والا گندم والے کے

۲۴/۲	مطبع مجتہاتی دہلی	باب البیع الفاسد	کتاب البیوع	لہ درمختار
			۲۹/۳	لہ القرآن الکریم
۲/۳	المکتبۃ الاسلامیۃ الریاض	کتاب البیوع		لہ نصب الرایہ
۱۸۹/۳	دار احیاء التراث العربی بیروت	باب الربو		لہ ردالمختار

باعتدہ انگوٹھی یا چھری گندم کی مطلوبہ مقدار کے عوض بیچ کر گندم لے لے۔ (ت)۔
عز العیون والبصائر میں ہے :

جوان بیع المقرض من المستقرض مما یساوی
طسوجا بعشرة دنانیر فانه علی فاق الدلیل
لانہ بیع موجود مملوک له بالقاضی لہ
قرض دینے والے کو قرض مانگنے والے کے ہاتھ دورتی
برابر کوئی چیز دس دینار کے عوض فروخت کرنے کا
جواز دلیل کے موافق ہے کیونکہ یہ اپنی موجود ملکیت
کا قاضی کے حکم سے سودا ہے (ت)

یہ سب اس حالت میں ہے کہ بیع ہو بعت اشتریت فروخت خریدیم (میں نے بیچا میں نے خریدت)۔
کہیں لوں گا دوں گا عقد نہیں وعدہ ہے اور اس کے لئے کوئی اثر نہیں کما بینا ہ فی فتاوانا (جیسا کہ
ہم نے اسے اپنے فتاویٰ میں بیان کر دیا ہے۔ ت) واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) نوٹ ہوں یا پیسے دونوں کی بیع سلم جائز ہے کہ ثمن اصطلاحی ہیں نہ خلقی، تنویر الابصار و
درمختار باب السلم میں ہے :

(یصح فیما مکن ضبط صفته و معرفة
قدرة کمکیل و موزون) خرج بقوله
(ثمن) الدراهم والدنانیر لانها
اثبات فلم یجز فیها السلم (وعددی
متقارب کجوز و بیض و فلس لہ
عقد سلم اس چیز میں صحیح ہے جس کی صفت کو ضبط
کرنا اور اس کی مقدار کو پہچاننا ممکن ہو جیسے
کیلی چیز اور ایسی وزنی چیز جو ثمن یعنی بیع بنے،
اس قید سے دراہم و دنانیر خارج ہو گئے کیونکہ وہ
ثمن ہیں جن میں بیع سلم جائز نہیں، اور ایسی چیز
جو عددی متقارب ہو جیسے اخروٹ، انڈے اور پیسے (ت)

شرائط بیع سلم موجود ہوں اور ایجاب و قبول ہوں گا کوئی چیز نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم
(۳) ایسی بیع حرام ہے کہ یہ روپے کی بیع سلم ہوگی اور وہ جائز نہیں کما تقدم انفا عن الدر المختار
(جیسا کہ ابھی ابھی درمختار کے حوالہ سے گزرا ہے۔ ت) واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۴۰ از کرتولی ضلع بدایوں مرسلہ جناب مولوی محمد رضا خان صاحب ۲۰ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ
بیع سلم بحساب فی روپیہ ۱۲ سیر ربیع گزشتہ میں وکبید سے کہ کافر ہے قرار پائی اب خریف

لہ عز عیون البصائر الفن الاول بیان ان المعبر العرف العام لالخاص ادارة القرآن کراچی ۱۳۵/۱
لہ درمختار شرح تنویر الابصار کتاب البیوع باب السلم مطبع مجتہائی دہلی ۲۴/۲

موجودہ میں عمر کو جس کا روپیہ تھا وہ جنس طے شدہ نہیں دیتا عمر و اگر یہ کرے کہ جس قدر گیسوں ولید کا فراز زید مسلمان کے ذمہ چاہئے ہیں کسی دوسرے شخص کو اپنی ملکیت کے ہبہ کر دے اور وہ شخص جس پر واجب الادا ہے عمر کو خرید کر شخص موہوب لہ کو دے دے یہ جائز ہو گا یا نہیں؟

الجواب

بیع سلم میں حکم ہے کہ جنس قرار یافتہ لے یا جتنا روپیہ دیا تھا واپس لے دوسری چیز عوض میں لینا حرام ہے ہاں اگر بائع کے پاس گیسوں نہیں اور مشتری اپنے پاس سے گیسوں ثالث کو ہبہ کر دے پھر بائع اس ثالث سے خرید کر مشتری کے مطالبہ میں دے تو جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۲۲۱ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک کھنڈ ساری نے ایک موضع کارس وہاں کے اسامیوں سے ۲۵ روپیہ کے نرخ سے خرید اور روپیہ دے دیا پھر اس کھنڈ ساری نے اپنے اس خریدے ہوئے کو وہاں کے زمیندار کے ہاتھ فروخت کر دیا ۲۵ روپیہ کے حساب سے اور کچھ نفع یا نقصان نہیں ہوا۔ پھر زمیندار نے کوشش کی کہ میرا اس کوئی شخص خرید لے اور دوسرے کھنڈ ساریوں نے ۲۸ روپے تک لگائے جب زمیندار نے دیکھا کہ مجھ کو ۲۸ روپیہ سے زائد نہیں ملتا تو اس نے اپنے اسامیوں سے کہا کہ تم لوگ اپنے اس کا گڑ بنا لو میرا روپیہ ۳۰ روپیہ کے نرخ حساب سے مجھ کو ادا کر دینا پہلے بائع کو معلوم ہے کہ اس میں اختلاف ہے مگر یہ معاہدہ زمیندار کا اسامیوں سے کہ ۳۰ روپیہ کے حساب سے ادا کر دینا جائز ہے یا نہیں؟ بیٹنوا بالذلیل توجروا عند الجلیل (دلیل کے ساتھ بیان کریں جلال والے اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر دئے جاؤ گے۔ ت)

الجواب

پہلی دوسری تیسری یہ سب بیعیں ناجائز و حرام ہوتیں جبکہ رس موجود ہونے سے پہلے عمل میں آئیں جیسا کہ یہاں دستور ہے۔ حدیث میں ہے:

نہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن بیع مالیس عندہ اما ما رخص فی السلم فلہ شرائط منها عدم القطاع المسلم فیہ یوم العقد الی یوم الوعد۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس چیز کی بیع سے منع فرمایا جو بائع کے پاس موجود نہ ہو۔ بیع سلم میں جو رخصت دی گئی ہے تو اس کے لئے کچھ شرطیں ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ مسلم فیہ

عقد والے دن سے لے کر وعدہ والے دن تک بازار سے منقطع نہ ہو۔ (ت)

اور خاص تیسری بیع اگر رس کے وجود پر بھی ہوتی تو ناجائز ہے

لان المشتري فاسد الا يملك قبل القبض
وبعدہ ایضا لا يرتفع الاثم ، و اللہ
تعالیٰ اعلم۔
کیونکہ بیع فاسد کے ساتھ خریدی ہوئی چیز
مملوک نہیں بنتی قبضہ سے اور بعد بھی اس کا گناہ
مرقع نہیں ہوتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ت)

مسئلہ ۲۲۲ از پبلی بھیت محلہ شیر محمد مرسلہ شیخ نادر حسین صاحب ۲۳ جمادی الاخر ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع میں اس مسئلہ میں کہ فی زمانہ جیسا رواج رس نیشکر کے
فروخت کا ہے کہ ادھر کھیت میں درخت نمود ہوئے ادھر اس وقت کے نرخ بموجب پیشگی روپیہ دے دیا
آیا کسی حیلہ شرعی سے یہ بات جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر وقت تیار ہونے نیشکر کے اس وقت کے نرخ
بموجب رس خریداجائے تو بھی جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر جائز نہیں ہے تو ضرورت کے لئے کوئی حیلہ شرعی
بھی ہے یا نہیں کیونکہ زمانہ کار و راج بہت مجبور کر رہا ہے۔ بیٹو! توجروا۔

الجواب

نہ درختوں کے نمود پر جائز، نہ نیشکر کی تیاری پر جائز، نہ یہ جائز کہ جب رس موجود ہو جائے اور بکنے لگے
اس آئندہ سال کے رس کی بیع کر لیں کہ بیع سلم میں شرط ہے کہ وہ شے وقت عقد سے وقت قرارداد تک
کسی وقت بازار سے منقطع نہ ہو پہلی دو صورتوں میں تو اس وقت عقد منقطع تھا گئے کی تیاری سے رس
بازار میں تو نہ آگیا جو شرط جواز متحقق ہو اور کھلی صورت میں اگرچہ رس وقت عقد موجود ہے مگر وقت قرارداد یعنی
آئندہ سال تک موجود نہ رہے گا چند روز بعد بازار سے ختم ہو جائے گا ہمارے تمام ائمہ مذہب کا ان سب
صورتوں کے ناجائز و حرام ہونے پر اجماع ہے متون و شروح و فتاویٰ ان کی تحریر سے مالا مال ہیں ہمیں خلاف
مذہب فتویٰ دینے کی کسی طرح اجازت نہیں، ہاں اگر رس کہیں تیار ہو گیا کہیں ابھی ایک کھڑی ہے ایسے
زمانہ میں جن کے یہاں ہنوز رس نہیں ان سے رس کی بیع سلم کر لینا بلاشبہ جائز ہے جبکہ وعدہ اتنی قریب
مدت کا کیا جائے جس میں اس سال کارس بازار میں سے ختم نہ ہونے پائے۔ بجز الراقی و درمختار میں ہے،
ما یکتب فی وثیقۃ السلم من قولہ جدید عامہ
مفسد لہ ای قبل وجود جدید اما
بعده فیصح کما لا یخفی لہ
وہ جو عقد سلم کے وثیقہ میں لکھا جاتا ہے کہ اس سال
کی جدید (گندم) تو یہ جدید کے موجود ہونے سے مفسد
ہے لیکن اس کے موجود ہونے کے بعد صحیح ہے۔ (ت)

۲۸/۲

مطبع محبتانی دہلی

باب السلم

کتاب البیوع

لے درمختار

۱۶۰/۶

ایچ ایم سعید پبلیشرز کراچی

باب السلم

کتاب البیوع

بجز الراقی

اور اس تیاری وغیر تیاری میں کچھ گاؤں یا پرگنہ یا ضلع کا اتحاد بھی شرط نہیں بلکہ اگر اس ضلع بھر میں ابھی کہیں رس بلکہ گنا بھی تیار نہیں اور دوسرے ضلع میں رس بکنے لگا ہے تو جہاں ہنوز معدوم ہے وہاں والے بھی بیع سلم کر سکتے ہیں جبکہ ان دونوں ضلعوں میں اتنا بضع عظیم نہ ہو کہ ان کے یہاں کی ایک ماری جائے یا رس پر کوئی آفت آئے تو وہاں سے رس منگا کر دینے میں سخت شدید مشقت ہو جیسے ہندوستان میں ابھی مفتود ہے اور مثلاً مصر یا برہما میں تیار ہو گیا تو ایسی تیاری پر ہندوستان میں اس کی بیع سلم حلال نہیں۔ درمختار میں ہے :

لو انقطع في إقليم دون آخر لم يجز في المنقطع
ردالمحتار میں ہے :

ای المنقطع فيه لانه لا يمكن احضار الامشقة
عظيمة فيعجز عن التسليم ، بحر
یعنی جس ملک میں نایاب ہے کیونکہ سوائے سخت مشقت کے وہاں سے لانا ممکن نہیں لہذا تسلیم سے عجز لازم آئے گا ، بحر (ت)

یہ سب اس صورت میں ہے کہ واقع میں وہ عقد بیع شرعی ہو بعض دستاویزیں رس کی جو آج کل دیکھنے میں آئیں ان کا مضمون یہ ہے کہ (جو کہ مبلغ اس قدر یافتنی فلاں بن فلاں کے میرے ذمہ واجب الادا ہیں اقرار کرتا ہوں اور لکھے دیتا ہوں کہ بعوض مبلغان مذکور کے مال اس کاشت ۳۰۰۰۰ ف جس کا پیداوار ۱۳۰۰۰ ف میں ہوگا وقت تیار ہو جانے بیل کے اس زرخ سے فلاں ماہ تک ادا کروں گا اپنے خرچ میں کسی طرح نہ لاؤں گا) اور سنا گیا کہ عام دستاویزیں اسی مضمون کی ہوتی ہیں اگر فی الواقع زبانی بھی کلمات بیع درمیان نہیں آتے نہ وہ کہتا ہے کہ میں نے رس تیرے ہاتھ بیچا، نہ یہ کہتا ہے کہ میں نے خریدا بلکہ اسی قسم کی گفتگو ہوتی ہے تو اسے بیع سے اصلاً علاقہ نہیں، یہ تو ایک وعدہ و اقرار ہے کہ زر مطالبہ اس راہ سے ادا کروں گا، یہ صورت فی نفسہ جواز کی تھی، اگر کسی کا کسی پر کچھ قرض آتا ہو اور مدیون برضائے خود وعدہ کر لے کہ اس کے بدلے میں تجھے فلاں چیز اس زرخ سے دوں گا تو اس میں کوئی حرج نہیں جس وقت دے گا اس وقت بعوض اس قرض کے بیع ہو جائے گی اس طریقہ میں نہ پہلے سے کسی قرارداد کی حاجت نہ کوئی شرط درکار، فقط اتنا چاہئے کہ دیتے وقت انھیں باہم معلوم ہو کہ اس بجا و پردی گئی۔ فتاویٰ علامہ خیر الدین رحلی میں ہے :

لہ درمختار کتاب البیوع باب سلم مطبع مجتہبی دہلی ۲/۴۰
لہ ردالمحتار دار احوال التراث العربی بیروت ۲۰۵/۴

سئل في رجل استلم من آخر الفجر
قرش دينا ووعده ان يعطيه بها زيتا
بالسعر الواقع يوم كذا فلما جاء اليوم
الموعود وكانت سعر الزيت معلوما
فيه ارسل يطلبه منه فارسل به زيتا
هل يكون بيعا بالسعر المعلوم يومئذ
ام لا يكون بيعا وللمديون طلب الزيت
(اجاب) نعم يكون بيعا نافذا والحال
هذه كما صرح به في مجمع الفتاوى
والقنية والمجتبى معزيا الى النصاب
وقد افتى بذلك المرحوم صاحب منہ
الغفار (الى قوله) والاصل في ذلك
ان البيع عندنا يعقد بالتعاطى فافهم
والله تعالى اعلم، ورأيتني كتبت على
هامشه ما نصه اقول انما انعقد بالتعاطى
لان الذى جرى بينهما من قبل
انما كان وعدا اما لو كان ذلك عقدا
لما صح لعدم اجتماع شرائط السلم
كما لا يخفى واذا لم يصح ذلك لم يجز
التعاطى المبني عليه كما صرح به في
البحر والدر وغيرهما۔

اس شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے دوسرے
سے دو ہزار (ترکی سکتے) قرش بطور قرض وصول کئے
اور وعدہ کیا کہ اس کے بدلے فلاں دن روغن زیتون
دوں گا اس بھاؤ پر جو اس دن ہوگا۔ پھر جب وعسے
کا دن آگیا اور اس دن زیتون کا بھاؤ معلوم تھا
چنانچہ قرض دہندہ نے مديون سے روغن زیتون مانگ
بھیجا اور اس نے روغن زیتون بھیج دیا تو کیا یہ اس
دن کے معلوم بھاؤ پر بیع ہوگی یا نہیں ہوگی اور مديون
کو روغن زیتون واپس مانگنے کا حق ہوگا؟ آپ نے
جواب دیا ہاں بیع نافذ ہوگی اور حال یہی ہے جیسا
کہ نصاب کی طرف منسوب کرتے ہوئے مجمع الفتاویٰ
قنیہ اور مجتبى میں اس کی تصریح کی گئی ہے اور تحقیق
اسی پر مرحوم صاحب مجمع الغفار نے فتویٰ دیا اس
کے اس قول تک کہ اور اس میں اصل یہ ہے
کہ ہمارے نزدیک تعاطی (باہمی لین دین) کے
ساتھ بیع منعقد ہو جاتی ہے پس سمجھ اور اللہ تعالیٰ
بہتر جانتا ہے اھ مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے اس
پر یوں حاشیہ لکھا میں لکھتا ہوں کہ تعاطی سے صرف
اس لئے بیع منعقد ہوتی کہ جو گفتگو اس سے پہلے
ان کے درمیان ہو چکی تھی وہ وعدہ تھا لیکن اگر وہ عقد
ہوتا تو صحیح نہ ہوتا کیونکہ اس میں عقد سلم کے شرائط
جمع نہیں ہیں جیسا کہ پوشیدہ نہیں، تو جب یہ عقد صحیح نہیں تو تعاطی بھی جائز نہیں جس کی بنا پر اسی عقد پر ہے
جیسا کہ بحر اور دروغیرہ میں اس کی تصریح کی گئی ہے۔ (د)

مگر یہاں اور وقت درپیش ہے یہ صورت یوں نہیں کہ پہلے سے بسبب قرض وغیرہ کسی پر کچھ دین آتا تھا جس کے عوض کوئی شے دیکر لینا نہ قرار پایا تھا اس کے بعد دیون نے بطور خود وعدہ کر لیا کہ میں بعوض دین یہ شے دوں گا یہاں تو وہ روپیہ اسی لئے دیا جاتا ہے کہ اس کے عوض رس لیں گے اور اسی بنا پر لیتا ہے تو اگرچہ بیع نہ سہی مگر قرض کے ذریعہ سے نفع حاصل کرنا ہوا اور وہ سود ہے، حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

كل قرض جرم منفعة فهو ربا۔ جو قرض نفع کھینچے وہ سود ہے۔ (ت)

اب اس عقد کا حاصل یہ ہوا کہ اتنا روپیہ تجھے قرض دیتا ہوں اس شرط پر کہ تو اس کے عوض مجھے اتنا رس دے قرض اگرچہ شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتا بلکہ وہ شرط ہی باطل ہو جاتی ہے

اس بنا پر جو در اور اس کے متن میں خانہ سے منقول ہے کہ قرض جائز شرط کے ساتھ متعلق نہیں ہوتا تو فاسد شرط قرض کو باطل نہیں کرتی لیکن دوسری شے لوٹانے کی شرط لغو ہو جاتی ہے، چنانچہ اگر کسی نے پھوٹے درہم قرض لئے اس شرط پر کہ صحیح درہم واپس کرے گا تو یہ شرط باطل ہے اور یوں ہی اگر کسی کو اناج قرض دیا اس شرط پر کہ دوسرے شہر میں واپس لوٹائے گا، اس صورت میں مقروض پر واجب ہے کہ جیسی چیز اس نے قرض لی تھی ویسی ہی واپس لوٹائے (ت)

على ما في الدر ومثنه عن الخانية القرض لا يتعلق بالجائز من الشروط فالفاسد منها لا يبطله ولكنه يلغو شرطه شئ اخر فلو استقرض الدراهم المكسومة على ان يؤدى صحيحا كان باطلا وكذا لو اقترضه طعاما بشرط سادة في مكات اخر وكان عليه مثل ما قبض الخ۔

مگر ایسا قرض خود ہی معصیت و حرام ہے

در میں خلاصہ سے منقول ہے کہ شرط کے قرض دینا حرام ہے اور شرط لغو ہے جیسے کوئی شخص اس شرط پر قرض دے کہ مقروض اس کو فلاں شہر کی طرف

في الدر عن الخلاصة القرض بالشرط حرام والشرط لغوبات يقرض على ان يكتب به الخ بلد كذا

لیونی دینہ الخ۔

لکھتے تاکہ وہاں اس کا قرض ادا کیا جائے الخ (ت)

اور یہاں صراحتاً شرط نہ بھی کریں تاہم حکم عرف اس کا مشروط ہونا قرض دینے لینے والے دونوں پر ظاہر و آشکار ہوتا ہے

والمعہود عرفاً كالمشروط لفظاً فی ردالمختار
من آخر الحوالۃ عن الفتح عن الواقعات
قالوا انما یحل ذلك عند عدم الشرط
اذا لم یکن فیہ عرف ظاہر فان كان
یعرف ان ذلك یفعل كذلك فلا۔

جو عرف میں معہود ہو وہ ایسے ہی ہے جیسے لفظاً شرط
لگائی گئی ہو ردالمختار میں باب الحوالہ کے آخر میں
فتح سے بحوالہ واقعات منقول ہے فقہار نے کہا
ہے کہ عدم شرط کے وقت یہ قرض اس وقت حلال
ہے جب اس میں (دوسرے شہر کی طرف لکھنے کا)

عرف ظاہر نہ ہو چنانچہ اگر معروف ہے کہ وہ ایسا کرے گا تو حلال نہیں۔ (ت)

غرض یوں بھی جواز حاصل نہ ہوا، ہاں اس کی صورت یہ ہے کہ جس قدر کارس خریدنا ہوا اتنے
روپوں کے عوض اپنی کوئی چیز اس کا شتکار کے ہاتھ ایک قریب وعدہ پر بیچے مثلاً کہ میں نے یہ شئی
تیرے ہاتھ سو روپے کو بیچی اس شرط پر کہ یہ روپے ایک گھنٹہ کے بعد ادا کئے جائیں گے وہ کہے میں نے خریدی
اس سے زائد کوئی رس وغیرہ کا ان لفظوں میں نہ ہو پھر وہ شئی بیع اس کا شتکار کے قبضہ میں دے دے
اور اس سے زبردستی نہ لے جب وہ قابض ہو جائے اسی چیز کو اب کاشت کار اس بائع کے ہاتھ سو روپے
پر بیع کرے اور اس میں کوئی میعاد ادا کے ثمن مقرر نہ کرے یہ خریدے اور اسی وقت کاشتکار کو روپے
دے کر شئی بیع لے لے، یہ بیع ثانی اور اس کے روپے ادا کرنے کی کارروائی اس مدت وعدہ سے پہلے ہو لے
جس مدت تک کاشتکار کے لئے بیع سابق میں ثمن موصول کیا ہے مثلاً وہاں ایک گھنٹہ کا وعدہ کھڑا تھا
تو یہ کارروائی گھنٹہ گزرنے سے پہلے ہو لے و علیٰ ہذا القیاس، اور بہت ضرور ہے کہ ان دونوں بیعوں سے
حقیقۃً خرید و فروخت کا قصد کریں فقط فرضی طور پر نہ ہوں اب اس کی چیز تو اس کے پاس واپس آئی اور کاشتکار
کو سو روپے مل گئے اور اس کے سو روپے اس کے ذمہ پر دین رہے، جب گھنٹہ یا میعاد جو قرار پائی تھی
گزر جائے یہ اپنے اس دین کا کاشتکار سے مطالبہ کرے وہ کہے گھڑی بھر میں تیرا دین دیتا ہوں اگر نہ دو
تو معاہدہ کرتا ہوں کہ اس دین کے عوض فلاں مہینے میں اس نرخ سے اتنا رس ادا کروں گا بعدہ اسی

۲۰/۲

۲۹۶/۴

مطبع مجتہاتی دہلی
دار احیاء التراث العربی بیروت

کتاب البیوع باب القرض
کتاب الحوالہ

لے در مختار
لے ردالمختار

مضمون کا اقرار نامہ لکھا جائے جیسا کہ کھنڈ ساری میں رائج ہے جس کی نقل عبارت اوپر گزری اس طور پر نہ تو بیع مسلم ہوئی جس میں اس شے کا بازار میں ہونا مشروط ہوتا نہ قرض ہو جس سے انتفاع مشروط حرام ٹھہرتا بلکہ بذریعہ بیع صحیح ایک دین اس کا شتکار پر لازم ہوا بعد اس دین کی نسبت یہ وعدہ و معاہدہ قرار پایا بیع سابق کے بعد جو یہ قرار دیا ہوئی اس عقد کی شرط نہ ٹھہرے گی کہ بوجہ شرط فاسد بیع فاسد ہو کر پھر گناہ لازم آئے

کیونکہ یہ سب سے شرط ہی نہیں بلکہ نیا وعدہ ہے، تحقیق اردوالمختار میں بحوالہ بحر فرمایا کہ اگر اس نے بطور وعدہ اس کو ذکر کیا تو بیع فاسد نہ ہوگی اور اس کی صورت جیسا کہ ولوالجیہ میں ہے یوں ہے کہ بائع نے کہا تو (انگور کے خوشے) خرید لے میں (باغ کی) دیواریں بنا دو ونگا اھ، میں کہتا ہوں کہ ہندیہ میں بحوالہ ظہیر یہ امر کے صیغہ کے ساتھ ہے یعنی "اشتر" (تو خرید)، یہ اس وعدہ کے بارے میں ہے جو عقد سے مقرر ہو اگر اس سے جدا ہو تو کیسے بیع فاسد ہو سکتی ہے تو یہ صحت بیع کو بالاجماع ثابت کرتی ہے، اور اگر تسلیم کر لیا جائے (کہ یہ شرط ہے) تو شرط مؤخر صاحبین کے نزدیک اصل عقد کے ساتھ لاحق نہیں ہوتی، اور امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ایک روایت میں یوں ہی ہے، اور ان سے منقول دوسری روایت میں ہے کہ لاحق ہوتی ہے تحقیق دونوں روایتوں کی تصحیح کی گئی ہے، اور جب تصحیح مختلف ہو جائیں تو تجھے اختیار ہے ان میں سے جس پر چاہے عمل کرے خصوصاً وہ تصحیح جس پر صاحبین بھی امام اعظم سے متفق ہوں رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین، ردالمحتار

فانه ليس بشرط سائل وعد مستأنف و
وقد قال في رد المختار ذكر في البحر انه
لو اخرج مخرج الوعد لم يفسد و
صورتہ كما في الولوالجية قال اشترحتی
ابن الحوائط اه قلت والذی فی
الهندیة عن الظہیریة اشتر بصفیة
الامر فاذا كانت هذا فی الوعد
المقارن فكيف فی المقارن
فهذا یوجب الصحة اجماعاً و
لوسلم فالشرط المتأخر لا یلتحق
باصل العقد عندہما، و فی
سوا یة عنہ رضی اللہ تعالیٰ
عنہم و فی اخرى له یلتحق
وقد صححتہ فعند اختلاف التصحیح
لك العمل بایتہما شئت
لا سیما ما وافق علیہ الصاحبان
رضی اللہ تعالیٰ عن الجمیع
قال فی رد المختار قوله
ولا بیع بشرط اشار بقوله

دار اخیار التراث العربی بیروت ۱۲/۴

نورانی کتب خانہ پشاور ۱۳۶/۴

باب بیع الفاسد

الباب العاشر

کتاب البیوع

ردالمختار

کتاب فتاویٰ ہندیہ

بشرط الح انه لا بد من كونه مقارنا
 للعقد لان الشرط الفاسد لو التحق
 بعد العقد قيل يلتحق عند ابي حنيفة
 وقيل لا وهو الاصح كما في جامع
 الفصولين في فصل ۳۹ لكن في الاصل
 انه يلتحق عند ابي حنيفة وان كان
 اللاحق بعد الافتراق عن المجلس
 وتامه في البحر قلت هذه الرواية
 الاخرى عن ابي حنيفة وقد علمت
 تصحيح مقابلهما وهي قولهما ويؤيده
 ما قدمه المصنف تبعا للهداية
 وغيرها من انه لو باع مطلقا عن
 هذه الاجال ثم اجل الثمن اليها
 صح فانه في حكم الشرط الفاسد كما
 اشرنا اليه هناك اهـ

میں کہا کہ ماتن نے اپنے قول ”ولا بيع بالشرط“
 میں لفظ بشرط سے اس بات کی طرف اشارہ کیا
 ہے کہ شرط کا عقد کے مقارن ہونا ضروری ہے کیونکہ
 شرط فاسد اگر عقد کے بعد لگائی گئی تو ایک قول
 یہ ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے
 نزدیک عقد کو لاحق ہوگی اور ایک قول یہ ہے
 کہ لاحق نہیں ہوگی اور یہی زیادہ صحیح ہے جیسا کہ
 جامع الفصولین فصل ۳۹ میں ہے لیکن اصل میں ہے
 کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک
 لاحق ہوگی اگرچہ اس کا لاحق مجلس سے عاقدین کے
 جدا ہونے کے بعد ہو اور اس کی پوری بحث بحر
 میں ہے۔ میں کہتا ہوں یہی امام اعظم ابو حنیفہ
 رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دوسری روایت ہے حالانکہ
 اس کے مقابل روایت کی تصحیح تو معلوم کر چکا ہے
 اور وہ صاحبین کا قول ہے اور اس کی تائید کرتا
 ہے وہ جو ہدایہ وغیرہ کی اتباع میں مصنف پہلے ذکر کر چکے ہیں وہ یہ کہ اگر کسی نے مذکورہ مدتوں کا عہد میں
 ذکر کئے بغیر بیع کی پھر ثمن کو ان میعادوں کے ساتھ موجد کر دیا تو بیع صحیح ہے کیونکہ یہ شرط فاسد کے حکم میں ہے
 جیسا کہ ہم نے وہاں اس کی طرف اشارہ کر دیا (ت)

اس طریقہ سے ایک اور نفع عظیم کی امید ہے وہ دستاویز جو بطور مذکور لکھی جاتی ہیں نرا وعدہ ہی
 وعدہ ہوتی ہیں کہ اس شخص کو اس پر جبر کا اصلاً اختیار نہیں ہوتا اگر وہ رس نہ دے تو یہ صرف اپنے روپے
 کا اس سے تقاضا کر سکتا ہے رس کا مطالبہ نہیں پہنچتا کہ وعدہ کی وفا پر قضا جبر نہیں کما نصوا علیہ
 قاطبہ (جیسا کہ اس پر تمام فقہا نے نص کی ہے۔ ت) اور یہ صورت جو ہم نے لکھی علماء فرماتے ہیں
 ایسی شکل کا وعدہ وعدہ لازمہ ہو جاتا ہے کہ اس کے ایفا پر جبر پہنچتا ہے۔ جامع الفصولین میں ہے ،

ردالمحتار باب البيع الفاسد مطلب في البيع بشرط فاسد دار احياء التراث العربي بيروت ۱۲۰/۴

لو ذکر البیع بلا شرط ثم ذکر الشرط علی وجه العدة جائز البیع ولزم الوفاء بالوعد اذا المواعید قد تكون لان مة فیجعل لان ما لم حاجة الناس ۱

اگر بائع اور مشتری نے بغیر شرط کے بیع کا ذکر کیا پھر بطور وعدہ شرط کا ذکر کیا تو بیع صحیح ہے اور وعدہ کو پورا کرنا لازم ہے کیونکہ وعدوں کو پورا کرنا کبھی ضروری ہوتا ہے لہذا لوگوں کی حاجت کے لئے اس کے پورا کرنے کو ضروری قرار دیا جائے گا۔ (ت)

فتاویٰ خیرہ میں ہے :

قد صرح علماؤنا بانہما لو ذکر البیع بلا شرط ثم ذکر الشرط علی وجه العدة جائز البیع ولزم الوفاء بالوعد ۲

ہمارے علمائے اس بات کی تصریح فرمائی کہ اگر بائع اور مشتری نے بیع کو بلا شرط ذکر کیا پھر بعد میں شرکاء کا ذکر وعدہ کے طور پر کیا تو بیع جائز ہے اور وعدہ کو پورا کرنا لازم ہے (ت)

در مختار میں ہے :

لو بعدة علی وجه البیع جاز ولزم الوفاء به لان المواعید قد تكون لان مة لم حاجة الناس وهو الصحیح کما فی کافی والمخانیة واقرة خسروہنا والمصنف فی باب الاکراه وابن الملک فی باب الاقالة الخ ۳

اگر عقد کے بعد شرط کا ذکر بطور وعدہ کیا تو بیع جائز ہے اور وعدہ کو پورا کرنا لازم ہے کیونکہ وعدوں کو پورا کرنا لوگوں کی حاجت کے پیش نظر کبھی لازم ہوتا ہے اور یہی صحیح ہے جیسا کہ خانیہ اور کافی میں ہے۔ خسرو نے یہاں، مصنف نے باب الاکراه میں اور ابن الملک نے باب الاقالة میں اس کو برقرار رکھا (ت)

بزازیہ میں ہے :

اذا قال معلقا بان قال ان لم یؤد فلا فانا ادفعه الیک ونحوه یکون کفالة لما علمات

اگر کوئی بطور تعلیق ضامن بنا یا بی صورت کہ کہا اگر فلاں نے قرض کی ادائیگی نہ کی تو میں تجھے ادا کر دوں گا یا اس جیسی کوئی اور صورت کی تو یہ کفالت درست ہے

۱۲۰/۴

دار احیاء التراث العربی بیروت

۱۰ ردالمحتار بحوالہ جامع الفصولین باب البیع الفاسد

۲۳۸/۱

دار المعرفہ بیروت

۱۱ فتاویٰ خیرہ کتاب البیوع باب البیع الفاسد

۵۴، ۵۸/۲

مطبع مجتہبی دہلی

۱۲ در مختار باب الصرف

کیونکہ تجھے معلوم ہو چکا ہے کہ وعدے تعلیق کی صورت میں لازم ہوتے ہیں چنانچہ کسی کے یوں کہنے سے کہ میں حج کروں گا اس پر کچھ لازم نہیں ہوتا اور اگر یوں کہا کہ اگر میں گھر میں داخل ہوا تو حج کروں گا یعنی تعلیق کی تو اس صورت میں (دخول دار سے) اس پر حج لازم ہوگا۔ (ت)

المواعید باكتساء صور التعلیق تكون لازمة فان قوله انا حج لا يلزم له شيء ولو علق وقال ان دخلت الدار فانا حج يلزم الحج

اہل اسلام اس نفیس طریقہ کے بجالانے میں کاہلی نہ کریں اس میں نہ کوئی خرچ ہے نہ حرج نہ دقت صرف زبانی دو تین لفظوں میں مطلب کامل مراد حاصل گناہ زائل۔ دستاویز تو لکھواتے ہی ہیں صرف اتنا زائد ہے کہ اس سے پہلے ایک چیز اس کے ہاتھ گھنٹہ بھر کے وعدہ پر بیع کر قبضہ میں دے کر فوراً خرید لے اور روپیہ دے دے اور گھنٹہ گزرنے کے بعد دین کی نسبت اس کا وہ وعدہ لے لے اس الٹ پھیر میں نہ کچھ دقت و محنت ہوگی نہ کوئی پیسہ خرچ ہوگا اور معصیت الہی سے بچ کر مال حلال ہاتھ آئے گا اللہ عزوجل توفیق بخشنے، آمین!

تنبیہ: یہ قیدی جو ہم نے ذکر کیا کہ پہلی بیع میں ثمن موبل ہو دوسری میں معجل، اور دوسری بیع اور اس کے ثمن کا ادا کر دینا پہلے ثمن کے میعاد مثلاً گھنٹہ گزرنے سے پیشتر ہو لے اور دوسری بیع کا شتکار کی طرف سے شئی بیع پر قبضہ کر لینے کے بعد ہوا نہیں ضرور ملحوظ رکھیں زائد و بیکار تصور نہ کریں یہاں منظور تو یہ ہے کہ کا شتکار کو روپیہ پہنچ جائے اور اس کا دین اس پر قائم رہے تاکہ اس کی نسبت وہ وعدہ ہو سکے اگر دونوں ثمن معجل ہوتے تو جیسے بیع ثانی میں سو روپے اس پر لازم ہوئے اور اس کے سو روپے اس پر لازم تھے دونوں پر سے برابر ہو کر اتر جاتے تو نہی اگر یہ بیع ثانی اور اس کے ثمن دے دینے کی کارروائی اس میعاد مقررہ سے پہلے نہ ہو لیتی تو میعاد گزر کر وہ دین پھر معجل ہو جاتا اور دونوں بری الذمہ ہو جاتے اب کہ کا شتکار کا دین اس پر معجل ہوا اور اس کا دین اس پر ہنوز موبل ہے کہ اس کی میعاد نہ آئی اور اس نے اس کے روپے دے دیئے اس نے لے لئے تو اس کا دین اس پر قائم رہے گا،

ردالمحتار میں حلی سے بحوالہ بحر منقول ہے کہ نفقہ کے سوا تمام قرضوں میں اولہ بدلہ ہو سکتا ہے چاہے فریقین خود ایسا کریں یا نہ کریں بشرطیکہ دونوں طرف کا

فی ردالمحتار عن الحلی عن البحر سائر الادیون ای ماسوی النفقة يقع التقاص فیها تقاصا اولاً بشرط

قرض باہم برابر ہو، اور اگر مختلف ہو مثلاً ایک طرف عمدہ اور دوسری طرف ردی ہو تو عمدہ والے کی رضامندی ضروری ہے، اور استباہ میں ہے کہ ایک شخص پر ہزار روپے قرض ہے اس نے قرض دہندہ کے ہاتھ کوئی چیز ہزار روپے کے بدلے میں ادھار فروخت کر دی پھر مقروض کے مرض الموت میں ادھار کی مدت پوری ہوگئی درانحالیکہ ابھی تک اس پر قرض موجود ہے تو اب یہ قرض، ثمن موجد کا بدلہ

ہو کر اتر جائے گا الخ، غمز العیون میں کہا کہ اس کو مدت کے پورے ہونے کے ساتھ مقید کیا گیا کیونکہ اگر مدت پوری نہ ہوئی تو اولہ بدلہ نہ ہوگا کیونکہ وصف مختلف ہے جیسا کہ عمدہ اور ردی میں ہوتا ہے۔ (ت) اور کاشتکار کی طرف سے بیع ثانی بعد قبضہ ہونے کے ضرورت یہ ہے کہ اگر پیش از قبضہ بائع کے ہاتھ بیع کر دے گا تو بیع فاسد و ناجائز ہوگی غیر کے ہاتھ بیچنے میں تو صرف اشیائے منقولہ پر قبضہ شرط ہے مثلاً عمر و نے زید سے کوئی منقول چیز مول لی اور ہنوز اپنے قبضہ میں نہ آئی کہ بکر کے ہاتھ بیچ ڈالی یہ بیع فاسد ہوئی اور جائداد غیر منقول لے کر پیش از قبضہ غیر بائع کے ہاتھ بیع کر دی تو جائز ہے مگر جس سے مول لی تھی اس کے ہاتھ قبضہ سے پہلے اشیائے غیر منقولہ کی بیع بھی جائز نہیں لہذا قبضہ لازم ہے،

در مختار میں ہے غیر منقول جائداد کو اس کے بائع سے لے کر اپنے قبضہ میں کرنے سے پہلے فروخت کرنا صحیح ہے جبکہ اس جائداد کی ہلاکت کا خوف نہ ہو (من بائعہ کا تعلق قبض کے ساتھ ہے بیع کے ساتھ نہیں کیونکہ غیر منقول کو قبضہ سے پہلے اس کے بائع کے ہاتھ فروخت کرنا فاسد ہے جیسا کہ

التساوی فلو اختلفا کما اذا کان احدهما جیداً و ردیاً فلا بد من رضا صاحب الجید^۱ و فی الاشباہ علیہ الف قرض فباع من مقرضہ شیئاً بالف مؤجلۃ ثم حلت فی مرضہ و علیہ دین تقع المقاصۃ الخ قال فی غمز العیون انما قید بالمحلول لانہا لولم تحل تقع المقاصۃ لا خلاف الوصف کالجید مع الردی^۲۔

فی الدر المختار صح بیع عقار لا ینحی ہلاکہ قبل قبضہ من بائعہ (متعلق قبض لا بیع لان بیعہ من بائعہ قبل قبضہ فاسد کما فی المنقول) ولا یصح

۱ رد المختار

۲ الاشباہ والنظائر کتاب المدینات

۳ غمز عیون البصائر

۴۷/۲

ادارة القرآن کراچی

" " "

اتفاقاً بیع منقول قبل قبضہ ولو من بائعہ
بخلاف ہبتہ واقراضہ و سہنہ و اعارتہ
من غیر بائعہ فانہ صحیح علی الاصح اخصاً
مزید امن رد المحتار۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مال منقول میں ہوتا ہے) اور مال منقول کی بیع قبضہ
سے پہلے اگرچہ اس کے بائع کے ہاتھ ہو بلا اتفاق
صحیح نہیں بخلاف اس منقول کے غیر بائع کو ہبہ کرنے،
قرض دینے، رہن رکھنے اور عاریت پر دینے کے کہ

یہ اصح قول کے مطابق درست ہے اخصاً تلخیص (مع رد المحتار سے کچھ اضافہ کے)۔ (د ت)

۲۲۳ مکملہ ۲۹ شعبان ۱۳۳۳ھ مرسلہ حافظ ایاز نجیب آباد ضلع بجنور محلہ پورہ

ماہ جون میں جو زراعت نیشکر پر کو لہو بدلی ہوتی ہے اور نرخ مال کی یہ شرط قرار داد ہوتی کہ شاہ نگر
کے سے ایک روپیہ یا ۸ کم یا زیادہ طرفین کی رضامندی سے تحریر ہو جاتی ہے اور جو روپیہ اس وقت بوقت
تحریر لینا ٹھہرتا ہے وہ دے دیا جاتا ہے باقی آئندہ مال آتا رہتا ہے اور روپیہ جاتا رہتا ہے آئندہ
اختتام پر کل مال کا حساب و کتاب ہو جاتا ہے اگر صورتہ مذکور جائز ہے تو فہا ورنہ اس کے جواز کے واسطے
کیا حیلہ ہے کیونکہ اس کا عام رواج ہے۔

الجواب

نیشکر کے بدلے جس طرح کہ رائج ہے محض بے اصل و بوجہ ناجائز ہے اس وقت گنا بھی موجود
نہیں ہونا اور نہ رس، اس کے جواز کی یہ صورت ہو سکتی ہے کہ مثلاً سو روپیہ کے بدلی کرنی منظور ہے تو اس کی
خرید و فروخت کا کچھ نام نہ لیں بلکہ اپنی کوئی چیز سو روپے کی اس کے ہاتھ ایک معین مدت مثلاً گھنٹے بھر کے
وعدہ پر بیع کریں اور وہ شے اس کے قبضے میں دے دیں اور وہ ابھی گھنٹہ نہ گزرنے پائے کہ شخص مذکور وہی
شے سو روپیہ نقد کو مالک اول کے ہاتھ بیع کر دے اور یہ اسی وقت سو روپیہ اس کے ادا کر دے اب اس
کی چیز اس کے پاس آگئی اور سو روپیہ نقد سے پہنچ گئے اور اس کے سو روپیہ اس پر دین رہے جب
وہ وعدے کا گھنٹہ گزرے یہ اپنے روپیوں کا اس سے تقاضا کرے وہ کہے میں تیرے روپے دس منٹ
میں دوں گا اگر نہ دوں تو وعدہ کرتا ہوں کہ اپنے روپیوں کے عوض اس نرخ سے رس دوں گا اس کے دستاویز
جیسے لکھی جاتی ہے لکھالیں اب اس کی خریداری جائز ہوگی اس حیلہ شرعیہ کی تحقیق و تفصیل ہمارے فتاویٰ
میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۷۱/۴ مطبع مجتہباتی دہلی ۳۷/۴
دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۶۱/۴
۱۷۱/۴ کتاب البیوع فصل فی التصرف فی البیوع
۱۶۱/۴ کتاب البیوع فصل فی التصرف فی البیوع

باب الاستصناع

(بیع استصناع کا بیان)

مسئلہ ۲۴۲ مستولہ حافظ یعقوب خان صاحب ۱۶ ربیع الآخر ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بڑھتی نے اقرار کیا کہ فلاں قسم کی کرسیاں ایک درجن ایک ماہ کے اندر بقیتمت مبلغ سے، کو دوں گا اور جب تک تمہاری کرسیاں تیار نہ کروں اور کسی کا یا اپنا مال نہ بناؤں گا اگر وعدہ خلافی کروں تو کرسیاں مذکورہ بقیتمت للعیسے کو دوں گا، پس بڑھتی نے وعدہ خلافی کی یعنی اور کسی کا مال بنایا اور کرسیاں بھی ایک ماہ کے بعد دیں پس اس صورت میں حسب اقرار للعیسے کو درجن لینا درست ہے یا نہیں؟

الجواب

صورت مستفسرہ میں وہ کرسیاں اس عقد کی بنا پر نہ للعیسے درجن کو لینا جائز نہ سے، کو بلکہ اس عقد کا فسخ کرنا واجب ہے کہ یہ عقد فاسد ہوا اور عقد فاسد گناہ ہے اور گناہ کا ازالہ فرض، ہاں اگر چاہیں تو عقد کو فسخ کر کے اب یہ کرسیاں بعقد جدید باہمی رضا مندی سے جتنے کو ٹھہر جائیں خرید لیں، وجہ یہ ہے کہ کسی سے کوئی چیز اس طرح بنوانا کہ وہ اپنے پاس سے اتنی قیمت کو بنادے یہ صورت استصناع کہلاتی ہے کہ اگر اس چیز کے یوں بنوانے کا عرف جاری ہے اور اس کی قسم و صفت و حال و پیمانہ و قیمت وغیرہ کی ایسی صاف تصریح ہوگئی ہے کہ کوئی جہالت آئندہ منازعت کے قابل نہ رہے اور اس میں کوئی میعاد

مہلت دینے کے لئے ذکر نہ کی گئی تو یہ عقد شرعاً جائز ہوتا ہے اور اس میں بیع سلم کی شرطیں مثلاً روپیہ پیشگی اس جلسہ میں دے دینا یا اس کا بازار میں موجود رہنا یا مثلی ہونا کچھ ضرور نہیں ہوتا، مگر جب اس میں میعاد ایک مہینہ یا زائد کی لگادی جائے تو وہ عقد بعینہ بیع سلم ہو جاتا ہے اور اس وقت تمام شرائط بیع سلم کا متحقق ہونا ضرور ہوتا ہے، اگر ایک بھی رہ گئی عقد فاسد ہو گیا،

فی رد المحتار عن البدائع من شروطه
بیان جنس المصنوع ونوعه و قدسما و
صفته وان یکون مافیہ تعامل وان
لا یکون مؤجلا والا کان سلماً الخ وفیہ
المرا د بالاجل ما تقدم وهو شهر فما
فوقه الخ وفی الطحاوی الاجل تاسرة
یکون کاجل السلم بان کان شهرا
فانرید وهو عند سلم من غیر تفصیل الخ
وفی الہندیۃ ان ضرب الاجل صار
مسلماً حتی لا یجوز الا بشرائط السلم
هذا اذا کان ضرب المدة علی وجه
الاستمهال بان قال شهرا وما شبه ذلك
اما اذا ذکر علی وجه الاستعجال بان
قال علی ان تفرغ منه غدا او بعد غدا
لا ینصیر سلماً کذا فی الصغری الخ ملخصاً
تجہ سے یہ چیز اس شرط پر بنو اتا ہوں کہ تو کل یا پرسوں اس کو بنا کر فارغ ہو جائے تو یہ عقد سلم نہ ہو گا
یہ صغری میں ہے الخ ملخص (ت)

رد المحتار میں بحوالہ بدائع ہے استصناع کی شرطوں
میں سے یہ ہے کہ مصنوع (جو چیز بنوانا مطلوب
ہے) کی جنس، نوع، صفت اور مقدار کو بیان کرنا
اور یہ کہ اس میں لوگوں کا عرف جاری ہو اور یہ کہ
اس کی کوئی میعاد مقرر نہ کی جائے ورنہ وہ عقد سلم
ہو جائے گا الخ، اور اسی میں ہے کہ میعاد سے
مراد وہی ہے جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے یعنی ایک
ماہ یا اس سے زیادہ الخ، طحاوی میں ہے کہ میعاد
کبھی سلم کی میعاد جیسی ہوتی ہے یعنی ایک ماہ یا
اس سے زائد۔ تو اس صورت میں بغیر کسی تفصیل کے
یہ سلم ہے الخ۔ ہندیہ میں ہے کہ اگر میعاد معتبر کی
تو یہ عقد سلم ہو گا (جو کہ سلم کی شرطوں کے بغیر جائز نہیں)
یہ اس وقت ہے جب بیان مدت مہلت طلب کرنے
کے طور پر ہو مثلاً ایک ماہ یا اس کی مثل ذکر کیا اور
اگر مدت کا بیان طلب عجلت کے طور پر ہو مثلاً کہا
اس کو بنا کر فارغ ہو جائے تو یہ عقد سلم نہ ہو گا

۲۱۲/۴	دار احیاء التراث العربی بیروت	باب السلم	۱۰ رد المحتار کتاب البیوع
۱۲۹/۴	دار المعرفۃ بیروت	•	۱۰ الطحاوی علی الدر المختار
۲۰۸/۴	نورانی کتب خانہ پشاور	الباب التاسع عشر فی القرض الخ	۱۰ فتاویٰ ہندیہ

یہاں کہ میعاد ایک مہینہ یا زائد ہی کی تحتی عقد بیع سلم ہو گیا اور بوجہ تردید کہ ایک مہینہ میں تیس اور زیادہ میں چوبیس نہ قیمت معین ہوگی نہ مدت، حالانکہ ان کی تعیین سلم میں ضرور ہے لہذا عقد فاسد ہو گیا بلکہ عند تحقیق استصناع ہر حال میں بیع ہی ہے

جیسا کہ متون میں اس پر نص کی گئی اور محقق شارحین نے اس کی تصحیح فرمائی، چنانچہ نقایہ میں ہے استصناع میں اگر مدت مقرر کی جائے تو وہ سلم ہو جاتا ہے چاہے لوگوں کا عرف اس میں جاری ہو یا نہ ہو اور بغیر مدت مقرر کرنے کے اگر اس میں عرف جاری ہو تو وہ بیع ہے اور بیع عین (مصنوع) ہے نہ کہ عمل اھ اور اصلاح، ملتی اور تنویر وغیرہ میں اس کی مثل ہے۔ ہدایہ میں ہے کہ یہ بطور بیع جائز ہے نہ کہ بطور وعدہ۔ اور معدوم کو کبھی کبھی حکمی طور پر موجود اعتبار کر لیا جاتا ہے اور معقود علیہ (بیع) عین ہے نہ کہ عمل، اور یہی صحیح ہے اھ تلخیص، اور اسی کی مثل ہے ایضاح اور دروغیرہ روشن کتابوں میں، اور ہم نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ردالمحتار پر اپنی تعلیقات میں اس مقام کی وضاحت کرتے ہوئے تمام وہوں کا ازالہ کر دیا ہے۔ (د)

کما نص علیہ فی المتون و صححہ المحققون من الشراح ففی النقایۃ الاستصناع باجل سلم تعاملوا فیہ اولاً، و بلا اجل فیما یتعامل فیہ بیع و المبیع العین لا العمل اھ و مثلہ فی الاصلاح و الملتقب و التنویر و غیرہا و فی الہدایۃ الصحیح انہ یجوز بیعاً لا عدۃ و المعدوم قد یتبرم موجوداً حکماً و المعقود علیہ العین دون العمل هو الصحیح اھ ملخصاً و نحوہ فی الايضاح و الدس و غیرہما من الاسفار الغر و قد اوضحنا المقام مع انزالہ الادھام بتوفیق الملک العلام فیما علقنا علی رد المحتاس۔

اور بیع ہرگز ایسی جہالت میں کا تحمل نہیں کر سکتی کہ اتنی مدت ہو تو یہ قیمت اور اتنی ہو تو وہ،

خلاصہ میں ہے ایک شخص نے کسی شیئی کی بیع اس طرح کی نقد اتنے کی اور ادھار اتنے کی یا ایک ماہ کے ادھار پر اتنے کی اور دو ماہ کے ادھار پر اتنے کی، تو جائز نہیں (د)

فی الخلاصۃ ما جل باع شیئاً علی انہ بالنقد بكذا و بالنسۃ بكذا و الی شہر بكذا و الی شہرین بكذا المہجزیہ

۱۰۳ ص	نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی	کتاب البیوع	لہ مختصر الوقایۃ فی مسائل الہدایۃ
۱۰۲/۳	مطبع یوسفی لکھنؤ	باب السلم	کتاب البیوع
۶۰/۳	مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ	فصل خامس الجنس الاول فیما یتعلق بالثمن	کے خلاصہ الفتاوی

تو استصناع میں اگرچہ ایک مہینہ یا اس سے زائد نہ ہو جب ایسی تردید کی جائیگی عقد فاسد ہوگا اور فسخ واجب، ہذا ما ظہری، واللہ تعالیٰ اعلم (یہ وہ ہے جو میرے لئے ظاہر ہوا، اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ ت)

مسئلہ ۲۲۵ زید کے دوست نے فرمائش لکھی کہ مجھ کو کحل الجواہر بھیجو، زید عمر کے دکان سے قرض خرید لایا، اور بعد دو ایک روز کے واپس کر دیا اس کے یہاں جا کر، اور خیال دل میں یہ تھا کہ شاید وہ دوست قیمت نہ بھیجے تو مجھ کو دینا ہوگی، غرض اس کے سامنے یعنی مالکان دکان کو دے دیا اور یہ اس سے کہا بھی مالک کحل الجواہر نے، میاں ذرا سی بات کے لئے پھر شرمندہ ہونا پڑتا ہے اور قیمت تو میری پڑیا کحل الجواہر پر لکھی ہوئی ہے وہ بھیج دیں گے تم کو قیمت، تم ان کو کحل الجواہر بھیج دو، پس بامر بائع دوبارہ زید نے اس کو لاکر بھیج دیا اپنے دوست کے پاس۔ سوال یہ ہے کہ اس صورت میں مالک کحل الجواہر زید سے قیمت وصول کرنے کا مجاز ہے یا نہیں؟ اب زید نے اس کے امر سے بھیجا ہے۔ بیٹو! تو تجروا۔

الجواب

ضرور وصول کر سکتا ہے کہ فرمائش دوست کا حاصل اگر فرمائش نہ بھی ہو جس میں حقیقتہً خود زید مشتری ٹھہرے تو غایت درجہ توکیل سہی،

والحقوق فی البیوع ترجع الی الوکیل بخلاف
النکاح فلیس فیہ الامعیرا اوسفیرا کما صرحوا
بہ فی عامۃ الکتب۔

بیوع میں حقوق وکیل کی طرف لوٹتے ہیں بخلاف نکاح کے کہ اس میں وکیل محض تعبیر کرنے والا اور سفیر ہوتا ہے جیسا کہ فقہان نے عام کتابوں میں اس کی تصریح کر دی ہے۔
توکیل سے قیمت وصول کرنے کا یقیناً اختیار ہے اور اس کے کہنے سے خریدنا اس کا مانع نہیں ہو سکتا
فانہ اشارۃ لا اکراه فالشراء انما وقع من
زید برضاہ واللہ سبحنہ وتعالیٰ اعلم و
علمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

کیونکہ یہ مشورہ ہے اکراہ نہیں ہے اور زید سے بیع اس کی رضامندی سے ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے اور اس کا علم اتم و مستحکم ترین ہے۔ (ت)

باب الصرف

(بیع صرف کا بیان)

مسئلہ ۲۴۶ از شاہجہانپور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نوٹ پر بڑے لگانا مثلاً سو روپے کا نوٹ ننانوے روپے کو خریدنا جائز ہے یا نہیں؟ بتیو اور تبروا۔

الجواب

ظاہر ہے کہ نوٹ ایک ایسی حادث چیز ہے جسے پیدا ہونے بہت قلیل زمانہ گزرا فقہائے مصنفین کے وقت میں اس کا وجود اصلاً نہ تھا کہ ان کے کلام میں اس کا جزیئہ یا تصریح پایا جائے مگر اس وقت جہاں تک خیال کیا جاتا ہے نظر فقہی میں صورت مسئلہ کا جواز ہی معلوم ہوتا ہے اور عدم جواز کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی پڑتا ہے کہ علت تحریم ربا قدر مع الجنس ہے یہ اگر دونوں متحقق ہوں تو فضل و نسیہ دونوں حرام اور ایک ہو تو فضل جائز نسیہ حرام اور دونوں نہ ہوں تو دونوں حلال،

جیسا کہ عام کتابوں میں ہے، اور تنویر الابصار میں ہے کہ زیادتی کے حرام ہونے کی علت قدر مع الجنس ہے، اگر یہ دونوں موجود ہوں تو زیادتی اور ادھار

کما فی عامۃ الاسفار و فی تنویر الابصار
علتہ القدس مع الجنس فان
وجد احرما الفضل والنساء وان

عد ما حلاوان وجد احدهما حل الفضل
 وحرمة النساء
 دونوں حرام ہیں اور اگر ایک موجود ہو تو زیادتی حلال
 اور ادھار حرام ہے اور اگر دونوں معدوم ہوں تو
 زیادتی اور ادھار دونوں حلال ہیں (ت)

اور ما نحن فیہ میں بالبداہتہ دونوں مفقود عدم مجانست اس لئے کہ یہ کاغذ ہے وہ چاندی، اور انعدام قدر اس طرح
 کہ یہ نہ مکمل ہے نہ موزون، پس حسب ضابطہ مقررہ یہاں فضل و نسبہ دونوں حلال ہونا چاہئے، مسئلہ کا جواب
 تو اسی قدر سے ہو گا لیکن غیر فقیہ کو اس جگہ یہ وہم گزرتا ہے کہ ہر چند اصل حقیقت میں نوٹ صرف ایک چھپے ہوئے
 کا نام ہے مگر عرف و اصطلاح میں گویا وہ بعینہ روپیہ ہے اسی لئے ہر جگہ روپیہ کا کام دیتا ہے لہذا دین میں سو روپے
 کا نوٹ دینے اور سو روپیہ نقد دینے میں ہرگز تفاوت نہیں سمجھا جاتا عموماً اس کے ساتھ معاملہ اٹمان برتا جاتا
 ہے تو گویا وہ سو روپے تھے کہ بعض ننانوے کے خریدے گئے اور اس کی حرمت میں کچھ شبہ نہیں تو صورت
 مسئلہ میں حکم تحریم دیا چاہئے۔

اقول جسے فن شریف فقہ میں کچھ بھی بصیرت حاصل ہے اس کے نزدیک اس وہم کا ازالہ نہایت
 آسان، نوٹ کے ساتھ معاملہ اٹمان برتا جانا اسے حقیقہً ثمن یعنی احد النقدین نہ کر دے گا غایت یہ کہ اٹمان
 مصطلح سے ٹھہرے یعنی وہ کہ اصل خلقت میں سلع و کالا ہیں مگر عرف و اصطلاح نے انھیں ثمن ٹھہرا لیا ہے جیسے
 پیسے یا بعض بلاد ہند میں کوڑیاں بھی، اور ازانجا کہ اٹمان اصلہ سوا زر و سیم کے کچھ نہیں تو اہل عرف اگر
 غیر ثمن کو ثمن کرنا چاہیں ناچار اس کی تقدیر اٹمان خلقیہ سے کریں گے اسی لئے پیسوں کی مالیت یونہی بتائی جاتی
 ہے کہ روپے کے سولہ آنے پس نوٹ کو جب عرفاً ثمن کرنا چاہا اس کے اندازے میں بھی اصل ثمن کی جانب رجوع
 ضرور ہوتی اور یوں قرار دیا گیا کہ فلاں نوٹ سو روپے کا، فلاں دو سو کا، فلاں ہزار کا، مگر یہ صرف تقدیر ہی
 تقدیر ہے اس سے اتحاد جنس و قدر ہرگز لازم نہیں آتا جیسے اندازہ قلوں سے چونستھ پیسے روپے کا عین نہ ہو گئے
 یوں ہی اس قرار داد سے وہ نوٹ حقیقہً سو روپے یا چاندی نہ ہو جائے گا، پس علت ربا کا تحقق ممکن نہیں
 نہ عاقدین اتباع عرف و اصطلاح پر مجبور کہ جو قیمت انھوں نے ٹھہرا دی یہ اس سے کم و بیش نہ کر سکیں یہ اپنے
 معاملہ کے مختار ہیں چاہیں سو روپے کی چیز ایک پیسے کو بچیں یا ہزار اشرفی کو خریدیں صرف تراخی درکار ہے،
 آخر نہ دیکھا کہ ایک روپے کے پیسے بتعین عرف ہمیشہ معین رہتے ہیں مگر علماء نے اٹھنی سے زیادہ کے عوض میں
 آٹھ آنے بچپا روارکھا، اور سب جانتے ہیں کہ ایک اشرفی کئی روپے کی ہوتی ہے لیکن فقہانے ایک روپے

کے عوض ایک اشرفی خریدنا جائز ٹھہرایا تو وجہ کیا ہے وہی اختلاف جنس جس کے بعد تفاضل میں کچھ حرج نہیں رہتا
 فی الدر المختار ومن اعطی صیرفیاً درهما
 کبیراً فقال اعطنی به نصف درہم فلوساً
 (بالنصف صفة نصف) و نصفاً (من
 الفضة صغیراً) الاحبة صح (ویکون
 النصف الاحبة بمثلہ وما بقی من الفلوس)^۱
 اور اسی میں ہے :
 صح بیع درہمین و دینار بدرہم و دینارین
 لصرف الجنس بخلاف جنسہ^۲
 دو درہم اور ایک دینار کی بیع ایک درہم اور دو دیناروں
 کے بدلے میں صحیح ہے کیونکہ ہر جنس کو اپنی جنس کے
 خلاف کے مقابل قرار دیا جائے گا۔ (ت)
 جب یہاں تک شرعاً جائز رہا تو سو روپے کا نوٹ ننانوے کے عوض خریدنے میں کیا حرج ہو سکتا ہے
 کہ یہاں تو نہ قدر متحدہ نہ جنس واحد، یہ حکم بیع و شراہ کا ہے جہاں نفع و انتفاع شرعاً روا۔ البتہ قرض اس
 طرح پر دینا کہ ننانوے روپے دیتا ہوں اور ان کے بدلے سو روپے کا نوٹ لے لوں گا بے شک ممنوع ہوگا
 فان کل قرض جرنفعاً فهو ربو نطق
 بذلک الحدیث والفقہ^۳
 یہاں تک کہ علمائے نے تو منفعت سقوط خطر طریق کے سبب ہندوی کو ناجائز ٹھہرایا کما ذکر وہ آخر کتاب الحوالة
 (جیسا کہ فقہانے اس کا ذکر کتاب الحوالة کے آخر میں کیا ہے۔ ت) اور اسی طرح بقال کے پاس اس شرط پر
 روپیہ پیشگی رکھ دینا کہ حسب حاجت وقتاً فوقتاً چیزیں خریدتے رہیں گے صرف اسی نفع کی وجہ سے مکروہ فرمایا
 کما فی کراہیة الہدایة وغیرہا قبیل
 مسائل متفرقة۔
 جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں کتاب الکرہیة کے تحت
 مسائل متفرقة سے تھوڑا پہلے مذکور ہے (ت)
 حالانکہ یہ منفعات کوئی مال نہیں تو مالیت میں رجحان کیونکہ درست ہوگا بیشک یہ امر مقصد شرع کے (کہ صیانت

۵۴/۲	مطبع مجتہدانی دہلی	باب الصرف	کتاب البیوع	۱۵ در مختار
۵۵/۲	"	"	"	۱۶
۲۳۸/۶	موسسة الرسالة بیروت	حدیث ۱۵۵۱۶		۱۷ کنز العمال

اموال ناس ہے اور وہی علت تحریم ربا کما فی الفتح (جیسا کہ فتح میں ہے۔ ت) بالکل خلاف ہے ہذا ما ظہری (یہ وہ ہے جو میرے لئے ظاہر ہوا۔ ت) واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۴۷ مسئلہ مرحومہ شیخ حسین بخش صاحب رضوی فاروقی خیر آبادی ۲۹ رجب ۱۳۰۵ھ

چھ میٹرا باند مسند آریان شرع مبین و مولویان دین متین در باب کہ زید یک درم نزد بکر آورد و گفت کہ ایں درم برگیر و فلوس بدہ بکر منجملہ نرخ فلوس رائج الوقت زید را داد و گفت کہ فلوسے چند بموجب نرخ کم اند باز آمدہ برگیرید آید وقت دوم آمدہ باقی ماندہ فلوس بر گرفت بموجب شرع لطیف ایں عمل نام مشروع ست یا جائز و فلوسہائے باقی ماندہ از روئے شرع شریف ربا باشد یا نہ؛ بتینوا توجروا بحوالہ کتاب والیہ المرجع والمآب واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

مسند شریعت پر جلوہ افروز ہونے والے دین متین کے علماء کرام اس مسئلہ میں کیا ارشاد فرماتے ہیں کہ زید ایک درہم بکر کے پاس لایا اور کہا یہ درہم لے لو اور اس کے پیسے دے دو، بکر نے بازار کے نرخ کے مطابق رائج الوقت پیسے زید کو دیتے ہوئے کہا کہ کچھ پیسے کم ہیں پھری وقت آکر لے جانا۔ چنانچہ زید بعد میں کسی وقت آیا اور باقی پیسے لے لئے شریعت لطیفہ کی رو سے یہ عمل جائز ہے یا ناجائز؟ بقیہ پیسے جو بعد میں لئے گئے سود ہونگے یا نہیں؟ بحوالہ کتب بیان فرمائیں اور اجر پائیں، اللہ تعالیٰ کی طرف ہی لوٹ کر جانا ہے اور وہی بہتر جانتا ہے۔ (ت)

الجواب

در بیع فلوس بدرہم بر مذہب رائج تقابض شرط نیست ہمیں قبضہ یک جانب کافیست پس چون زید درہم بہ بکر داد قبضہ از یک طرف متحقق شد اگر زید آں دم یک پول ہم نگر فتنے روا بودے حالانکہ بعض آں وقت و بعض دیگر وقت دیگر گرفت و ہنوز فلوس رائج بودہ کا سد نشدہ ہم جائز ماند و بیچ احتمال ربا راہ نیافت فت الہندیۃ عن المبسوط اذا اشتوی الرجل فلوسا بدماہم و نقد الثمن

رائج مذہب کے مطابق پیسوں کی درہم کے ساتھ بیع میں دو طرفہ قبضہ شرط نہیں بلکہ صرف ایک طرف کا قبضہ کافی ہے لہذا جب زید نے بکر کو درہم دے دیا تو ایک طرف سے قبضہ متحقق ہو گیا، اگر زید اس وقت ایک پیسہ بھی نہ لیتا تب بھی جائز تھا حالانکہ یہاں تو کچھ پیسے اس وقت اور کچھ دوسرے وقت اس لئے اور دوسرے وقت تک وہ پیسے رائج تھے کھوٹے نہیں ہوئے تو یہ جائز ہے اور سود کا اس میں کوئی احتمال نہیں، ہندیہ میں مبسوط کے حوالے سے مذکور ہے کہ ایک شخص نے درہموں کے بدلے

میں پیسے خریدے اور ٹمن نقد ادا کر دیئے جبکہ بائع کے پاس اس وقت پیسے موجود نہیں تھے تو یہ بیع جائز ہے، اسی میں حاوی وغیرہ کے حوالے سے مذکور ہے کہ اگر کسی نے ایک درہم کے عوض سو پیسے خریدے بائع نے درہم پر قبضہ کر لیا اور مشتری نے پچاس پیسوں پر قبضہ کر لیا اب پیسے کھوٹے ہو گئے تو نصف میں بیع فاسد ہوگئی اگر وہ کھوٹے نہ ہوتے تو بیع فاسد نہ ہوتی اور مشتری کو باقی پیسے لینے کا حق ہوتا تھا تلخیص، اس مسئلہ کو میں نے دوسرے فتویٰ میں تمام تر تفصیل کارنگ دیا ہے، اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ (ت)

ولم تكن الفلوس عند البائع فالبیع جائزاً وفيها عن الحاوی وغيره لو اشترى مائة فلس بدرهم فقبض الدرهم و قبض خمسين فلسا ففسدت بطل في النصف ولو لم تكسد لم يفسد و للمشتري ما بقى من الفلوس اھ ملخصاً و این مسئلہ را در فتوای دیگر ہر چہ تمام تر رنگ تفصیل دادہ ام، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۲۸ از پیکر انواں ڈاکخانہ رسول پور ضلع رائے بریلی مسئلہ عبدالوہاب ۲۰ رمضان ۱۳۳۹ھ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے بکر سے ایک روپیہ کے پیسے بھنائے بکر نے روپیہ لے کر بارہ آنے اسی وقت زید کو دے دئے اور کہا چار آنے اس وقت نہیں کل یا پرسوں دے دو تگنا اب بقیہ پیسہ زید کو دوسرے یا تیسرے دن لینا جائز ہے یا رہا لازم آئے گا؟ بتیوا تو جروا۔

الجواب

روپے اور پیسوں کے مبادلہ میں ایک طرف کا قبضہ کافی ہے صورتِ مسطورہ میں کوئی ربا نہ ہوگا، واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۲۲۹ از کانپور گورکھپوری دکان مرسلہ محمد حنی صاحب ۵ جمادی الآخرہ ۱۳۳۸ھ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نوٹ مردجہ مبلغ یک صد روپیہ کا ہے اس کا خوردہ نوٹ لیا جائے کم بیش پر جائز ہے یا نہیں؟ خوردہ میں نقد روپیہ ہو یا چھوٹے نوٹ ہوں سو روپے نقد کے مقابلہ میں سو روپے کا نوٹ لیا جائے یا اس پر کچھ بڑے نوٹ کی بیشی جائز ہے یا نہیں؟ بتیوا تو جروا۔

لہ فتاویٰ ہندیہ کتاب الصرف الباب الثانی الفصل الثالث ذرائع کتب خانہ پشاور ۲۲۳/۳
۲۲۵/۳

الجواب

نوٹ کی بیع اور مبادلہ میں کمی بیشی برضا مندی فریقین مطلقاً جائز ہے کہ وہ اموال ربویہ سے نہیں، ہاں سو روپے کا نوٹ قرض دیا جائے اور یہ ٹھہرا لیا جائے کہ پیسہ اوپر سولیں گے یہ سود اور حرام قطعی ہے اور اس کے تمام مسائل کی تفصیل اگر درکار ہو تو ہمارے رسالہ کفل الفقیہ الفاہم میں ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۵ از گونڈل معرفت قاضی قاسم صاحب مرسلہ سید غلام محی الدین صاحب راندیری ۱۱ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ موتی کے بیوپاری موتیوں کی خرید و فروخت کرتے ہیں سو روپے اور بروقت قیمت لینے دینے کے فیصدی دس روپے کم کے حساب سے معاملہ طے ہوتا ہے پھر بھی اگر خریدنے والا نقد روپے ادا کرے تو فیصد پنہارہ روپے کم سے معاملہ طے ہوتا ہے ورنہ مہینے کی میعاد کے بعد ادا کرے تو وہی فیصدی دس روپے کم لینے دینے کا رواج ہے، آیا اس طرح کا معاملہ طے کرنا اور خرید و فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

جبکہ باہمی تراضی سے ایک امر متعین منقطع ہو کوئی حرج نہیں،

قال تعالیٰ الا ان تكون تجارة عن تراض منكم۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔
تجارت باہمی رضامندی سے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ت)

مسئلہ ۲۵ مرسلہ الف خاں مہتمم مدرسہ انجمن اسلامیہ سانگور ریاست کوٹہ راجپوتانہ ۲۳ صفر ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان کرام اندریں معاملہ کہ قصبہ سانگور کے مدرسہ انجمن اسلامیہ کا روپیہ عرصہ دراز سے جمع رہتا ہے اس سے کوئی تجارت وغیرہ نہیں ہوتی ہے کہ جس سے روپے کی افزائش کی صورت ہو، لہذا اگر ان روپیوں کی اشرفیاں کسی قدر کہ جن کا نرخ اس وقت کمی بیشی ہو جاتا ہے خرید کر ہمراہ روپیہ ان اشرفیوں کا نرخ اس وقت کے حساب سے زیادہ قیمت پر لگا کر ادھار میں بیع کی جائے تو یہ عمل شرعاً درست ہے کہ نہیں یا کہ برائے اطمینان اس عمل کے ساتھ زیور رہن لیا جائے تو یہ طریقہ بیع اشرفیوں کا درست تو نہیں ہے جو اب بطریق مذہب حنفی دیا جائے، آفرید گار عالم جزائے خیر عنایت فرمائے گا۔ بینوا توجروا۔

الجواب

صورت مذکورہ سوال حرام ہے ،

قال صلى الله تعالى عليه وسلم الالهاء
وهاء

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا : مگر یہ
اس وقت جائز ہے جب ہاتھوں ہاتھ ہو یعنی مجلس

میں دونوں طرف سے قبضہ کر لیا جائے۔ (ت)
ہاں یہ جائز ہے کہ اشرفیاں وقت ارزانی خریدیں اور وقت گزانی بیچیں یا جائز اہل چنہ نوٹ خرید کر دھار یا ڈکویں مگر عقد بیع ہو جس میں
ثمن ایک مدت معینہ بعدینا قرار پائے، یہ نہ ہو کہ اس کا نوٹ دو مہینہ کے وعدے پر قرض دیا اور پیسہ اوپر لینا قرار پایا کہ یہ
حرام ہے۔ حدیث میں ہے :

كل قرض جرم منفعة فهو ربا
جو قرض نفع کھینچے وہ سود ہے (ت)

بخلاف بیع کہ اس پر نفع لینا جائز ہے ،

اللہ تعالیٰ نے فرمایا : اور اللہ تعالیٰ نے بیع کو
حلال اور سود کو حرام کیا۔ (ت)

قال الله تعالى واحل الله البيع وحرم
الربو

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں :

اذا اختلف النوعان فبيعوا كيف شئتم
جب نوعیں مختلف ہوں تو جیسے چاہو بیع کرو (ت)

اور اس کی کامل تفصیل ہمارے رسالہ "کفل الفقہ الفاہم" میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۲۵۲ از بریم نگر ڈاکخانہ سرگدا مرسلہ غلام صدیق صاحب مدرس ۱۰ شوال ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید پیسے کوڑی بیچنے کا پیشہ کرتا ہے جو وقت خریداری
روپیہ قیمت کا دیتا ہے اس کو پونے سولہ گنڈے پیسے دیتا ہے اور جو روپیہ قیمت کا اسی وقت نہیں دیتے
ہیں دوسرے وقت کا وعدہ کرتے ہیں ان کو یا زودہ گنڈے پیسے دیتا ہے اور مدت وعدہ اور کمی بیشی نرخ
کا جیسے سود کا شبہہ پڑے کچھ حساب نہیں کرتا ہے بطور نوٹ فروشی یہ بیع بھی صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا تو جو ا

۲۹۰/۱	قدیمی کتب خانہ کراچی	کتاب البیوع باب بیع الشعیر بالشعیر	صحیح البخاری
۲۳۸/۶	موسمۃ الرسالۃ بیروت	حدیث ۱۵۵۱۶	کنز العمال
		۲۷۵/۲	قرآن الکریم
۴/۴	المکتبۃ الاسلامیہ ریاض	کتاب البیوع	نصب الرایہ

الجواب

صرف کہ نقد روپیہ دینے والے کو پونے سولہ آنے دے یہ بیع بلا کر بہت جائز ہے اور جو روپیہ اس وقت نہ دے دوسرے وقت کا وعدہ کرے اسے روپے کے عوض بارہ آنے دینا بھی جائز ہے، سود و حرام و گناہ نہیں، صرف مکروہ تنزیہی یعنی خلاف اولیٰ ہے کہ نہ کرے تو بہتر ہے اور کرے تو حرج نہیں،

فی فتح القدير ورد المحتار وغيرهما من الاسفار لا كراهة فيه الاخلاق الاولى لما فيه من الاعراض عن مبرة القرض. والله تعالى اعلم۔

فتح القدير اور رد المحتار وغيرہ کتابوں میں مذکور ہے کہ اس میں کراہت نہیں تاہم یہ خلاف اولیٰ ہے کیونکہ اس میں قرض دینے کے احسان سے اعراض ہے، اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے (ت)

مسئلہ ۲۵۳ از بدایوں محلہ سو تہنہ مرسلہ مولوی حامد بخش صاحب خان بہادر، رمضان المبارک ۱۳۲۲ھ

۲۵۴ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

- (۱) زید نے دس روپیہ کا سرکاری نوٹ بکر کے ہاتھ بارہ روپیہ میں اس شرط سے بیچا کہ بکر اس کو ایک سال میں بارہ روپیہ باقسط یا کل یکمشت ادا کرے تو یہ بیع صحیح ہے اور سود تو نہیں ہے؟
- (۲) زید نے مختلف دھات کے سکہ دس روپیہ کے جمع کر کے بکر کے ہاتھ سے روپیہ میں بیچ کئے اور یہ روپیہ چار ماہ کے بعد لینا چاہا تو یہ بیع صحیح ہے یا نہیں؟ یا اس پندرہ روپیہ کا غلہ کسی قسم کا کسی نرخ پر بٹھرایا تو وہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

(۱) نوٹ اگر قرض دیا جائے اور ایک پیسہ زیادہ لینا بٹھرایا جائے تو قطعی حرام ہے قال اللہ تعالیٰ و حرم الربو (اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام کیا۔ ت) اور اگر نوٹ روپیہ کے عوض بیع کریں اور اس پر جو قیمت مکتوب ہے اس سے کم یا زیادہ برضائے باہمی معجل خواہ موجل باجل معلوم ثمن قرار دیں تو ضرور حلال ہے قال اللہ تعالیٰ و احل اللہ البیع (اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال کیا۔ ت) جس شخص نے یہ گمان کیا کہ نوٹ عرفاً چاندی کا عین ہو رہا ہے تو

۱۔ رد المحتار کتاب البیوع باب الصرف دار احیاء التراث العربی بیروت ۲۴۴/۴

۲۔ القرآن الکریم ۲۴۵/۲

۳۔ " ۲۴۵/۲

دس کانوٹ بارہ کو بیچنا گویا دس روپے بارہ روپیہ کو بیچنا ہے اور سود ہے یہ اس کی محض نا فہمی اور قواعد شرع سے بیگانگی بہ استیلائے وہی ہے نوٹ اگر چاندی کا ہم جنس نہیں اور قطعاً نہیں جب تو کمی بیشی حرام ٹھہرانا کیا معنی کہ ہمارے ائمہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجماع کے اجماع سے اختلاف جنس کی حالت میں تفاضل حلال ہے اور اگر بضر غلط اسے چاندی کا عین سمجھ لیجئے تو اب دس کانوٹ دس کو بیچنا عین سود اور حرام مردود ہوگا اموال ربویہ میں شرع نے مالیت کا لحاظ نہیں فرمایا بلکہ وزن و کیل میں برابری کا حکم دیا ہے تمام کتب میں تصریح ہے کہ جیدہ و ردیہ سوا (اس کا عمدہ اور ردی برابر ہیں۔ ت) سادہ کاری کا زیور ایک ماشہ وزن کا ایک ایک روپیہ کی مالیت کا ہوتا ہے پھر کیا شرعاً ماشہ بھر چاندی کی انگوٹھی ایک روپے کو بیچنی حلال ہوگی حاشا بلکہ قطعاً سود ہوگی واجب یہ کہ تول میں بلا تفاوت یکساں ہوں تو نوٹ بھی اگر چاندی ہی قرار پا گیا تو ہرگز اس کا لحاظ جائز نہیں کہ مالیت میں دس یا سو یا ہزار روپے کا ہے بلکہ وزن معتبر ہوگا کانٹے میں ایک طرف نوٹ دوسری طرف چاندی رکھے دوئی چوٹی جو کچھ چڑھے بس اتنے کو بیچنا حلال اور اس سے ایک پیسہ زیادہ لیا اور سود کا وبال تو ظاہر ہوا کہ نوٹ کو چاندی ٹھہرا کر جو لوگ دس کانوٹ دس ہی کو بیچنا بتا رہے ہیں اب اپنے منہ آپ سود کو حلال کرتے اور بندگان خدا کو حرام کاراستہ سکھا رہے ہیں، جانے دیں ان کی خاطر ہم نے تسلیم کر لیا کہ نوٹ بالکل چاندی ہے اور روپے سے بدلنے میں اس کی مالیت ہی کی برابری لازم ہے بہت اچھا، جب وہ چاندی ٹھہرا تو سونا تو نہ ہو سکے گا یا ایک ہی چیز چاندی یا سونے دونوں کی عین ہے اور جب سونا نہیں تو نوٹ اور اشرفی ضرور مختلف الجنس ہیں اور اب تفاضل یقیناً سود نہیں دو روپے اور ایک اشرفی کو دو اشرفیوں اور ایک روپے کے عوض بیچنے کا جزئیہ درمختار وغیرہ کتب مذہب میں مصرح ہے صرف الجنس الحی خلاف الجنس (جنس کو خلاف جنس کی طرف پھیرتے ہوئے۔ ت) یعنی یہ قرار دینگے کہ ایک اشرفی ایک روپے کو بیچی اور دو روپے دو اشرفیوں کے عوض بیع کئے اور یہ صحیح ہے کہ جنس مختلف ہے تو دس روپے کا نوٹ بارہ اشرفیوں کو بیچنا تو سود نہ ہوگا اب اپنے اس مسئلہ کا اندازہ خود وہی کر سکیں گے کہ دس روپے کا نوٹ بارہ روپے کو بیچنا تو سود اور بارہ اشرفیوں کو بیچنا صحیح و غیر مردود۔

بالجملہ یہ سب ہوسات بے معنی ہیں جن پر شرع مطہر سے اصلاً دلیل نہیں اور ہمارے علمائے کرام قدست اسرار ہم کی کرامت ہے کہ حدوث نوٹ سے صد ہا سال پہلے اس کا جزئیہ ارشاد فرما گئے۔ فتح القدر میں فرمایا:

لوبياع کاغذۃ بالف یجون ولا یکرہ لہ

یعنی اگر کسی نے کاغذ کا ٹکڑا ہزار روپے کو بیچ
جائز ہے اور اصلاً کراہت بھی نہیں۔

اس وقت کاغذ کا ٹکڑا ہزار کو بیٹنا کہاں تھا وہ یہی نوٹ ہے کہ اب حادثہ ہوا اور علمائے صدہا سال پیشتر
اس کا حکم بتایا، یہ اجمال ہے اور اس مسئلہ کی باقی تفصیل فتاویٰ فقیر میں ہے اور اہل انصاف کو اسی قدر
کافی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) غلہ کہ ابھی نہ لیا جائے گا اور وعدہ پر ٹھہرایا گیا اس میں تو بیع سلم کی شرائط درکار ہیں جن کی تفصیل و
تمثیل سب تکمیل فتاویٰ فقیر میں مذکور، اور اگر ان دھاتوں میں سونا چاندی دونوں میں سے کچھ نہیں تو دس کے
مالیت کی پندرہ روپے کو چار ماہ کے وعدہ پر بیچنا جائز جبکہ ایک طرف سے قبضہ ہو جائے اور اگر سونا یا چاندی
بھی ہے تو وعدہ پر بیچنا حرام، ہاں نقد پندرہ روپے کو دس روپے کے مختلف دھاتوں کے سکے دے دینا
صحیح ہے اور سود نہیں،

جیسا کہ گزرا کہ جنس کو خلاف جنس کی طرف پھیرا جائیگا
یعنی چاندی کے بدلے درہم میں سے اس وزن
کے برابر ہوگا اور باقی باقی کے بدلے۔ اور اللہ تعالیٰ
بہتر جانتا ہے (ت)

لما مر صرف الجنس الی خلاف الجنس
ای فیکون بالفضة ما یساویہا وزننا
من الدراہم وبالباقی الباقی۔ واللہ
تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۵۵ از شہر کہندہ مرسلہ حمایت اللہ خاں صاحب ۲۹ رجب ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ دس روپے کا نوٹ دے کر
بارہ روپیہ عوض میں لینا حلال ہے یا حرام؟ بتیوا تو جروا۔

الجواب

بیع میں حلال ہے یعنی دس کا نوٹ بارہ یا بیس کو برضاے مشتری بیچے تو کچھ مضائقہ نہیں،
فتح القدیر و رد المحتار وغیرہما کتب معتدہ میں ہے،

لوبياع کاغذۃ بالف یجون ولا یکرہ لہ
اس میں کوئی کراہت نہیں (ت)

۳۲۴/۶	مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر	کتاب الکفالہ	۱ فتح القدیر
۵۵/۲	مطبع مجتہبی دہلی	باب الصرف	۲ در مختار
۳۲۴/۶	مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر	کتاب الکفالہ	۳ فتح القدیر

اور اصطلاحی طور پر اس کی قیمت معین ہونا بائع اور مشتری کے باہمی رضا کو نہیں روکتا، ہر شخص کو اختیار ہے کہ اپنا مال جو عام نرخ سے دس روپے کا ہو برضا کے مشتری سو روپیہ کو بیچے یا ایک ہی پیسہ کو دے دے۔
 قال اللہ تعالیٰ الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم۔
 اللہ تعالیٰ نے فرمایا، مگر یہ کہ ہو تمہارے درمیان تجارت تمہاری باہمی رضامندی سے۔ (ت)

نوٹ کاٹن اصطلاحی ہونا بھی اس کا مانع نہیں کہ اختلاف جنس کی حالت میں ہمارے ائمہ کے اجماع سے تفاضل جائز ہے ایک روپے کے پیسے بہ تعین عرف ہمیشہ معین رہتے ہیں ہر بچہ جانتا ہے کہ روپے کے صرف سولہ آنہ آتے ہیں، نہ پندرہ نہ سترہ۔ یہ عرفی تعین اور اس کاٹن مصطلح ہونا عاقدین پر کمی بیشی حرام نہیں کر سکتا، علماء نے تصریح فرمائی کہ اٹھنی سے زیادہ کے عوض میں آٹھ آنے پیسے بیچنا حلال ہے۔ درمختار میں ہے،

من اعطی صیر فیاد رہا کبیرا فعال اعطی بہ نصف درہم فلوسا و نصف الاجبة صح و یكون النصف الاجبة بمثلہ و ما بقی بالفلوس۔
 کسی نے صرف کو ایک بڑا درہم دیتے ہوئے کہا کہ نصف درہم کے پیسے دے دو اور نصف درہم دے دو جس میں سے ایک جہ کم تو ہو تو بیع صحیح ہوگی نصف درہم ایک جہ کم اپنی مثل کے مقابل ہو جائیگا اور باقی پیسوں کے مقابل ہوگا (ت)

نوٹ اور پیسے تو اصطلاحی ثمن ہیں سونا چاندی ثمن خلقی ہیں اور ہر شخص جانتا ہے کہ ایک اشرفی کئی روپے کی ہوتی ہے، مگر علماء تصریح فرماتے ہیں کہ ایک روپیہ ایک اشرفی کو بیچنا صحیح ہے تو وجہ وہی ہے کہ اختلاف جنس کے بعد تفاضل جائز ہے، درمختار میں ہے،

صح بیع درہم و دینار بد درہم و دینارین بصرف الجنس بخلاف جنسہ۔
 دو درہموں اور ایک دینار کو دو دیناروں اور ایک درہم کے بدلے فروخت کرنا صحیح ہے جنس کو خلاف جنس کی طرف پھیرنے کی وجہ سے۔ (ت)

عام اشیاء کی قیمت کا اندازہ روپوں ہی کے ساتھ کیا جاتا ہے اس سے وہ روپے کے عین یا چاندی کی جنس نہیں ہو جاتی اشرفیوں کا اندازہ بھی یونہی ہے کہ فلاں اشرفی سولہ روپے کی فلاں بیس کی فلاں

۲۹/۴

لہ القرآن الکریم

۵۷ درمختار

۵۷

باب العرف

مطبع مجتہدانی دہلی

۵۷/۲

۵۵/۲

پچیس کی۔ پیسوں کا اندازہ بھی یہی ہے کہ روپے کے سولہ آنے پونستھ پیسے اس سے اگر پیسے یا اشرفی روپے کے عین یا چاندی کی جنس ہو جاتے تو ایک اشرفی ایک روپیہ کو کیونکر جائز ہوتی جبکہ بیس روپے کی اشرفی ایک روپے کو بیچنا یا یوں کہئے کہ مشتری کی طرف سے ایک روپیہ پچیس روپے کی اشرفی کو بیچنا صحیح ہو اور ربا نہ ٹھہراتو دس کانوٹ بارہ کو دینا کہاں سے ربا ہو جائیگا پچیس کے اشرفی کہنے نے جس طرح اشرفی کو چاندی نہ کر دیا تھا یونہی دس کانوٹ کہنا کاغذ کو فقرہ نہ بنا دے گا، عام کتب مذہب میں تصریح ہے کہ علت ربا اتحاد قدر و جنس ہے اس کے بعد وزن میں برابری فرض ہے مالیت کا کچھ لحاظ نہیں مثلاً کھری چاندی کا عمدہ زیور کہ صناعتی کے عیث اپنے وزن سے دو چند قیمت کا ہو گیا ہو جب چاندی کے عوض بیچیں تو فرض ہے کہ دونوں کانٹے کے تول برابر ہوں اختلاف مالیت پر نظر کر کے کمی بیشی کی تو حرام اور ربا ہو جائے گا یونہی عمدہ سونا پچیس روپے تولے والا خراب سونے دس روپے تولے والے سے بیچیں جب بھی فرض ہے کہ وزن بالکل یکساں ہو اس کا خیال نہ کریں گے کہ اس کی مالیت تو اس سے ڈھائی گنی ہے۔ ہدایہ و درمختار میں ہے،

لا یجوز بیع الجید بالردی مافیہ الربا الا
اموال ربویہ میں عمدہ کی بیع ردی کے ساتھ صرف
مثلاً بمثل لا ہدار التفاوت فی الوصف لہ
اسی صورت میں جائز ہے کہ وہ برابر برابر ہو کیونکہ
یہاں وصف میں تفاوت معتبر نہیں (ت)

اگر نوٹ عرف میں بفرض غلط روپے کا عین ہی سمجھا جاتا ہو تو اب ہم پوچھتے ہیں کہ شرعاً بھی اس پر روپے کی تمام احکام جاری ہونا ضرور ہے یا نہیں، اگر نہیں تو ربا کہہ کر سے آیا، ابھی فتح القیور و رد المحتار وغیرہا سے تصریح گزری کہ کاغذ کا ایک پرچہ ہزار روپے کو بیچنا جائز ہے اور جائز بھی ایسا جس میں نام کو کراہت تک نہیں، خدا انصاف دے تو یہ نوٹ کی بیع مذکور کا صریح جزئیہ ہے جسے علمائے کرام حدوث نوٹ سے صد ہا سال پیشتر تحریر فرما گئے اور ثمنیت اصطلاحیہ سے فرق محض جہالت ہے جس کا بیان مشرح گزرا، اور اگر آپ کے زعم میں شرعاً بھی نوٹ پر روپے ہی کے احکام ہیں تو اب التا رباتم پر وارد ہو گا روپے کا حکم یہ نہ تھا کہ دوسرے روپے سے اسے بدلے تو مالیت برابر دیکھ لو بلکہ وزن برابر کرنے کا حکم تھا تو چاہئے کہ جو لوگ دس کانوٹ دس کو بیچیں حرام قطعی اور سود ہو کہ ایک طرف ماشہ بھر وزن ہے اور دوسری طرف دس تولہ بلکہ واجب ہو کہ کانٹے میں نوٹ رکھ کر جتنی چاندی اس پر چڑھے اسی قدر کو بیچیں تو نوٹ میں برابری فرض کرنے والے خود ہی اپنے زعم کے رو سے سود حلال کر رہے ہیں اس سے بھی قطع نظر سہی نوٹ اگر عین

ہو گیا تو روپے کا ہوا اشرفی کا تو نہ ہو گا یا ایک ہی چیز سونے اور چاندی دونوں کا عین ہو جائے گی اور ابھی درمختار سے گزرا کہ ایک روپے کی بیع ایک اشرفی سے صحیح ہے اور ہرگز ربا نہیں، نوٹ جبکہ روپے کا عین ٹھہرا تو دس روپے کا نوٹ بارہ اشرفیوں کو بیچنا قطعاً ربا نہ ہو گا اب یہ عجیب حکم پیدا ہو گا کہ دس کا نوٹ بارہ روپے کو بیچو جب تو سود اور دس کے نوٹ پر بارہ اشرفیاں لے جاؤ تو اصلاً سود نہیں، عرض ان لوگوں کی مخالفت اصلاً کسی اصل شرعی کی طرف راجع نہیں محض اپنے تخیلات بے سرو پا ہیں یہ حکم بیع کا تھا البتہ دس کا نوٹ قرض دینا اور یہ ٹھہرا لینا کہ ادائے قرض کے وقت بارہ روپے یا پسیہ اوپر دس روپے لوں گا یہ حرام اور سود ہے، حدیث میں ہے:

رسول اللہ ﷺ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا،
جو قرض نفع کھینچے وہ سود ہے۔ اس کو عارث
بن ابوسامہ نے سیدنا امیر المؤمنین حضرت علی
کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت کیا (ت)

قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم
كل قرض جرم نفعه فهو ربا. رواه الحارث
بن ابى اسامة عن امير المؤمنين على
كرم الله تعالى وجهه.

اور یہ خیال کہ بیع میں زیادہ کو بیچنا کیوں جائز ہو اور قرض دے کر زیادہ ٹھہرا لینا کیوں حرام ہو ایہ تو دونوں ایک ہی سے ہیں یہ وہ مہمل اعتراض ہے کہ کافروں نے شریعت مطہرہ پر کیا اور قرآن عظیم نے اس کا جواب دیا،

قال الله تعالى قالوا انما البيع مثل
الربو واحل الله البيع وحرم الربو
الله تعالیٰ نے فرمایا: کافر بولے بیع تو ایسے ہی ہے جیسے سود اور ہے یہ کہ اللہ نے حلال فرمائی بیع اور حرام فرمایا سود۔

فقیران مضامین عالیہ کی تفصیل میں بعون تعالیٰ ایک رسالہ لکھ سکتا ہے مگر عاقل ذی انصاف کو یہی جگے بس ہیں مسلمان انھیں بغور و انصاف دیکھیں اور اہل حق پر جاہلانہ اعتراض سے احتراز کریں والہادی دولی الایادی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۵۶ مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک نوٹ قیمتی عس روپے کا زید نے عمرو کے ہاتھ مبلغ عس روپے کو اس شرط پر بیع کیا کہ ایک روپیہ ہو اور قسط کر کے بارہ مہینہ میں اس زرمن کو

لے کنز العمال
حدیث ۱۵۵۱۶
مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۲۳۸/۶
۲۴۵/۲
سۃ القرآن الکریم

پورا کر دے جو زید نے عمرو سے مقرر کی ہے اور اس کے اطمینان کے لئے عمرو نے اپنے مکان وغیرہ کو مستغرق کر دیا کہ اگر روپیہ نہ ادا ہو تو اس سے وصول کر سکے۔ بتینوا تو جروا۔

الجواب

جبکہ حقیقتہً بائع و مشتری دونوں کو فی الواقع بیع صحیح شرعی مقصود ہو اور فریقین کی سچی رضامندی سے عقد واقع ہو اور نوٹ اسی جلسہ میں مشتری کے قبضہ میں دے دیا جائے تو اختلاف جنس کی حالت میں شرع مطہر نے بازار کے بھاؤ پر کمی بیشی منع نہ کی اور جہاں قرض دینا اور اس پر زیادہ لینا ہو وہ ضرور سود اور حرام ہے، جہاں اگر اس فرق کو نہ جانیں تو یہ وہی امر ہے جس کی خود قرآن عظیم میں تصریح ہے:

قال الله تعالى قالوا انما البيع مثل الربو واحل الله البيع وحرم الربو.
اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کافر بولے بیع تو ایسے ہی ہے جیسے سود اور ہے یہ کہ اللہ نے حلال فرمائی بیع اور حرام فرمایا سود۔

اور خالی استفراق بے قبضہ شرعاً کوئی چیز نہیں، قال الله تعالى فوهن مقبوضة (اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پس رہن قبضہ کیا ہوا۔ ت) اور بعد قبضہ اس سے نفع اٹھانا حلال نہیں مثلاً زید کو اس مکان میں رہنایا کر ایہ پر دے کر اس کا کرایہ لینا حرام ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۵۷ از ما رہرہ مطہرہ ضلع ایڑہ مرسلہ حضرت سید ارتضائین صاحب ۱۴ رجب ۱۳۲۶ھ

بیع الفس بالفلسین جائز یا ناجائز؟ زیادہ نیاز

الجواب

راجح یہ کہ ناجائز ہے،

جیسا کہ محقق علی الاطلاق نے فتح میں اس کی تحقیق فرمائی اور بعد میں آنے والے محققین نے اس کو برقرار رکھا جیسے بحر، نہر، غزی، معتدی اور شرنبلالی۔ اور در مختار میں ہے کہ امام محمد نے سب کو حرام کہا اور اس قول کو صحیح قرار دیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

كما حققه المحقق علی الاطلاق فی الفتح و اقره علیہ من بعدہ من المحققین كالبحر والنهر والغزی والمقدسی و الشرنبلالی وفي الدال المختار حرم الكل محمد و صححہ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲ القرآن الکریم ۲۸۳/۲

۲ القرآن الکریم ۲۵۷/۲

۲/۲۱

مطبع مجتباتی دہلی

باب الربو

کتاب البیوع

۳ در مختار

مسئلہ ۲۵۸ از ملک بنگال ضلع نواکھالی مقام ہتیا مسئلہ مولوی عباس علی عرف مولوی عبدالسلام صاحب
۲۰ ذی الحجہ ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دس روپے دے کر پندرہ روپے کا پیسہ لینا جائز ہوگا
یا نہیں؟ بیٹنوا توجروا۔

الجواب

بیع میں جائز ہے قال اللہ تعالیٰ واحل اللہ البیع (اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور حلال کیا ہے اللہ تعالیٰ
نے بیع کو۔ ت)، درمختار میں ہے:

صح بیع درہمیت و دینار بدرہم و
دینارین بصرف الجنس بخلاف الجنس
ومثله بیع کرب و کر شعیر
بکری بروکری شعیر و کذابیع
احد عشر درہم باعشرۃ درہم
و دینارین

جنس کو خلاف جنس کی طرف پھیرنے کی وجہ سے دو
درہمیں اور ایک دینار کو دو دیناروں اور ایک
درہم کے عوض بیچنا صحیح ہے، اور اسی کی مثل ہے
ایک بوری گندم اور ایک بوری جو کو دو بوری گندم اور
دو بوری جو کے عوض فروخت کرنا، اور اسی طرح
گیارہ درہمیں کو دس درہم اور ایک دینار کے عوض

بیچنا۔ (ت)

اور قرض میں حرام قال اللہ تعالیٰ و حرم الربو (اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور اس نے سود کو حرام کیا۔ ت)
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:
کل قرض جر منفعۃ فهو ربا

جو قرض نفع کھینچے وہ سود ہے۔ (ت)

یعنی اگر دس روپے دو سو چالیس آنے کو بیچے تو حلال، اور اگر دس روپے قرض دے اس شرط پر کہ دو سو چالیس
یا ایک سو اسیٹھ ہی آنے لوں گا، تو حرام۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۵۵/۲	مطبع مجتہائی دہلی	باب الصرف	کتاب البیوع	۲۷۵/۲	۱
۲۳۸/۶	مؤسسۃ الرسالۃ بیروت	حدیث ۱۵۵۱۶	مؤسسۃ الرسالۃ بیروت	۲۷۵/۲	۱

مسئلہ ۲۵۹ مرحلہ مولوی احسان حسین

۲۳ شعبان ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی شخص نے بنیت تجارت ہزار پانسو کے نوٹ کچھری سے خرید کر کے دس روپے کا نوٹ بارہ روپیہ کو قرض فروخت کر کے ایک روپیہ ماہوار سال بھر تک مدیون سے لینا مقرر کیا اور اگر دو نوٹ دس دس روپے کے فروخت کئے تو دو روپے ماہوار قسط ایک سال تک مقرر کیا اور اور مدیون سے تمسک لکھا کر شرط کر لیتے ہیں کہ سال بھر میں ادا نہ کرو گے تو نالش کر کے مع فرج کے مدیون کی جائداد سے یا اس کے ضامن سے وصول کیا جائے گا۔ بیٹو! تو جروا۔

الجواب

یہ صورت ناجائز ہے کہ شرط فاسد مفسد بیع ہے اور بیع فاسد حرام و واجب الفسخ، اور مدار اعمال کائنیت پر ہے واللہ یعلم المفسد من المصلح (اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے بگاڑنے والے کو سنوارنے والے سے۔ ت) جو فعل سود کی نیت سے کیا جائے قطعاً موجب گناہ ہوگا اگرچہ فی نفسہ ربا نہ ہو اور قرضوں زیادہ کو بیچنا بھی کراہت سے خالی نہیں اور نوٹ کی خرید و فروخت پر کمی بیشی بلا شبہ جائز ہے و التفصیل فی فتاواننا (اور تفصیل ہمارے فتاویٰ میں ہے۔ ت) واللہ تعالیٰ اعلم

۸ رمضان المعظم ۱۳۱۴ھ

مسئلہ ۲۶۰

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نوٹ رائج الوقت سو روپیہ کا ایک سو بیس روپیہ کو کسی شخص کے ہاتھ فروخت کیا جائے اور دس روپے ماہوار مشتری سے وصول کیا جائے تو یہ فروخت جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب

نوٹ مثل اور اشیاء فروختی کے ایک چیز ہے مالک کو اپنی ملک پر نفع لینے کا بیع و شرعاً شرعی میں اختیار ہے جبکہ مشتری کی رضامندی ہو دس روپے کا تھان مشتری کی رضامندی سے سو روپے کو بیچے تو کچھ مضائقہ نہیں پھر وہ روپے چاہے نقد ٹھہریں خواہ قسط بندی سے۔ امام ابن الہمام فتح القدر شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں؛

لو باع کاغذاً بالف یجوز ولا یکرہ
اگر کاغذ کا ایک ٹکڑا ہزار درہم کے بدلے میں بیچا تو جائز ہے اور اس میں کراہت نہیں ہے۔ (د ت)

۲۲۰/۲

لہ القرآن الکریم

۳۲۴/۶

مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

کتاب الکفالہ

لہ فتح القدر

ہاں یوں کہ سو روپے قرض دئے اور یہ ٹھہرا لیا کہ اس کے عوض ایک سو دس روپے کا نوٹ لوں گا یا سو روپے کا نوٹ ایک سو دس کو بچا اور قرار داد کیا کہ یہ زر ثمن اگر بتدریج دو تو سال بھر تک دس روپے ماہوار دو یہ صورتیں قطعی سود و حرام ہیں، حدیث میں ہے،

كل قرض جرم منفعة فهو حرام۔ جو قرض نفع کھینچے وہ سود ہے۔ (ت)

اور یہ خیال کہ بیع میں زیادہ کو بچینا کیوں جائز ہوا اور قرض دے کر زیادہ ٹھہرا لینا کیوں حرام ہوا دونوں ایک ہی سے ہیں۔ یہ وہ مہمل اعتراض ہے کہ کافروں نے شریعتِ مطہرہ پر کیا اور قرآنِ عظیم نے اس کا جواب دیا،

قال الله تعالى قالوا انما البيع مثل الربو واحل الله البيع وحرم الربو۔
اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کافر بولے بیع تو ایسی ہی ہے جیسے سود، اور ہے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حلال فرمائی بیع

اور حرام فرمایا سود۔ (ت)

واللہ تعالیٰ اعلم
مسئلہ ۲۶۱ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے بقال کو ایک روپیہ دیا کہ اس کے پیسے دے دے، اس نے ۸ دے اور کہا کہ ۸ کل دوں گا، یہ چھوڑ دینا گناہ ہے یا نہیں؟ بینوا تو جروا

الجواب

اس صورت کے جواز میں روایات مختلف ہیں لیکن اکثر معتبرات مثل تنویر الابصار و در مختار و فتاویٰ بزازیہ و مبسوط و محیط و ذخیرہ و بحر الرائق و نہر الفائق و فتاویٰ علامہ جانوٹی و فتاویٰ ہندیہ و غیبہا میں جواز بر جزم فرمایا تو بہتر بچنا ہے خو وجاعن الخلاف (اختلاف سے نکلنے کے لئے۔ ت) اور اگر ایسا کرے تو کچھ گناہ بھی نہیں لجنوح عامۃ العلماء الی الجوارن (عام علماء کا جواز کی طرف میلان ہونے کی وجہ سے۔ ت)، تنویر الابصار میں ہے،

باع فلوسا بمثلها او بدراهم او بدنانیر فان نقدا احدهما جانوا ان تفرقا بلا قبض احدھما لم یجز انتھی۔
کسی نے پیسے فروخت کئے اپنی مثل کے عوض یا درہموں یا دیناروں کے عوض، اگر دونوں میں سے ایک نے نقد ادائیگی کی تو جائز ہے اور اگر قبضہ سے پہلے بائع اور مشتری دونوں جدا ہو گئے تو ناجائز ہے انتھی۔ (ت)

۲۳۸/۶

مؤسسۃ الرسالہ بیروت

حدیث ۱۵۵۱۶

لہ کز العمال

۲۷۵/۴

لہ القرآن الکریم

۲۲/۴

لہ در مختار شرح تنویر الابصار کتاب البیوع باب الربو مطبع مجتہاتی دہلی

فتاویٰ عالمگیری میں ہے :

إذا اشترى الرجل فلوسا بدرهما و نقد الثمن ولم تكن الفلوس عند البائع فالبيع جائز كذا في المبسوط و روى الحسن عن ابى حنيفة إذا اشترى فلوسا بدرهما وليس عند هذا فلوس ولا عند الآخر دراهم ثم ات أحدهما دفع و تفرقا جائز و ات لم ينقد واحد منهما حتى تفرقا لم يجز كذا في المحيط ۱۷ ملخصاً۔

ادائیگی نہ کی تو ناجائز ہے محیط میں یوں مذکور ہے اھ تلخیص (ت)

ردالمحتار میں ہے :

سئل المحتار عن بيع الذهب بالفلوس نسئة فاجاب بانه يجوز اذا قبض احد البديلين لما في البرازية لو اشترى مائة فلس بدرهم يكفي التقابض من احد الجانبين قال ومثله لو باع فضة او ذهباً بفلوس كما في البحر عن المحيط قال فلا يفتربما في فتاوى قارئ الهداية من انه لا يجوز بيع الفلوس الح اجل بذهب او فضة اھ قلت

اگر کسی نے درہموں کے بدلے پیسے خریدے اور ثمن نقد ادا کر دیئے مگر بائع کے پاس اس وقت پیسے موجود نہ تھے تو بیع جائز ہے یونہی مبسوط میں ہے، اور حسن نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ اگر کسی نے درہموں کے عوض پیسے خریدے جبکہ نہ اس (بائع) کے پاس پیسے ہیں نہ دوسرے (مشتري) کے پاس درہم ہیں پھر اگر ان میں سے ایک نے ادائیگی کر دی اور وہ جدا ہو گئے تو جائز اور اگر جدا ہونے تک دونوں میں سے کسی نے بھی

حائوتی سے سونے کے پیسوں کے عوض ادھار بیع کے بارے میں سوال کیا گیا تو انھوں نے جواب دیا کہ اگر بدلیں میں سے ایک پر قبضہ کر لیا گیا ہے تو جائز ہے اس دلیل کی وجہ سے جو بزاز یہ میں ہے کہ اگر کسی نے ایک درہم کے عوض سو پیسے خریدے تو صرف ایک طرف سے قبضہ کافی ہے اور فرمایا اگر کوئی پیسوں کے بدلے سونا یا چاندی بیچے تو اس کا حکم بھی یہی ہے جیسا کہ محیط کے حوالے سے بحر میں مذکور ہے، اور فرمایا کہ جو فتاویٰ قاری الہدایہ میں اس سے دھوکہ مت کھانا یعنی یہ کہ پیسوں کی سونے یا چاندی کے عوض ادھار بیع ناجائز ہے اھ، میں کہتا ہوں

جواب یہ ہے کہ جو فتاویٰ قاری الہدایۃ میں ہے وہ اس پر محمول کیا جائے گا جس پر جامع کا کلام دلالت کرتا ہے یعنی ایک طرف سے قبضہ کرنا شرط ہے لہذا اس پر بزازیہ کی اس عبارت سے اعتراض نہیں کیا جائیگا جو کہ مبسوط کے بیان پر محمول ہے الخ تلخیص (ت)

اگر کوئی چاندی کو پسیوں کے عوض نیچے تو اس میں افتراق سے پہلے بدلیں میں سے صرف ایک پر قبضہ شرط ہے دونوں پر قبضہ شرط نہیں جیسا بحر میں بحوالہ ذخیرہ مذکور ہے، نہر میں فتاویٰ قاری الہدایۃ سے منقول ہے کہ بدلیں میں سے ایک کو موبل کرنا صحیح نہیں، پھر صاحب نہر نے اس کا جواب دیا الخ اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ (ت)

۲۶۲ مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ڈبل پیسہ کہ وزن میں کم ہے منظوری پیسے سے بدلنا اور کچھ کوڑیاں اوپر لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

ناجائز ہے اگرچہ کوڑیاں بھی نہ لے

جیسا کہ امام محمد کا مذہب ہے اور وہی راجح اور حق کے قریب ترین کیونکہ اس میں علت ربا یعنی قدر و جنس متحقق ہے اور قطعی طور پر تفاضل موجود ہے اور اس کی یقینی حرمت پر شرع وارد ہے اور وہ جو فقہاء نے فرق والی بات ذکر کی ہے کہ اگر کوئی چیز

کما هو مذہب الامام محمد وهو الراجح والاقرب الى الصواب لتحقق العلة اعنى القدر والجنس ووجود التفاضل قطعاً وورود الشرع بحرمة يقيناً واما ما ذكره من حديث التفرقة

۱۸۴/۴

دار احیاء التراث العربی بیروت

لہ رد المحتار کتاب البیوع باب الربو

۲۳۵/۴

دار احیاء التراث العربی بیروت

باب الصرف

بين ما اذا دخل تحت العيار فلا يجوز
 واما اذا لم يدخل كحفنة بحفنتين
 وفس بفسين فيجوز فقد زيفه العلامة
 المحقق على الاطلاق في الفتح بما تركت
 اليه البصائر وتسكن لديه الخواطر
 فليراجعه من شاء، قال الشامي
 وقد نقل من بعده كلامه هذا
 واقروه عليه كصاحب البحر والنهر
 والمنح والشربلالية والمقدسي انتهى
 قال العلائي وحرر الكل محمد وصححه
 كما نقله الكمال انتهى فافهم، والله
 تعالى اعلم۔

معیار کے تحت داخل ہو تو بیع ناجائز، اور اگر نہ داخل
 ہو جیسے ایک مٹھی دو مٹھی کے بدلے میں اور ایک
 پلسید دو پلسیوں کے بدلے میں تو جائز ہے اس کا
 رد علامہ محقق علی الاطلاق نے فتح میں کیا ہے جس
 کی طرف نظریں مائل ہوتی ہیں اور دل سکون پاتے
 ہیں تو جو چاہے اس کی طرف رجوع کرے، شامی
 نے کہا کہ اس کے بعد والوں نے اس کا یہ کلام
 نقل کیا ہے اور انھوں نے اس کو برقرار رکھا ہے
 جیسے صاحب البحر، نہر، منح، شربلالیہ اور مقدسی
 (انتہی) علائی نے کہا امام محمد نے اس سب کو
 حرام کہا اور ان کے قول کی تصحیح کی گئی جیسا کہ کمال
 نے اس کو نقل کیا (انتہی) پس سمجھ۔ اور اللہ تعالیٰ
 بہتر جانتا ہے۔ (ت)

۲۶۳ مسئلہ از کاٹھیا وار دھوراجی محلہ سیاہی گران مستولہ حاجی عیسیٰ خان محمد صاحب
 تا ۲۶۵
 ۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۰ھ

(۱) زید نے عمرو کے ہاتھ روپے سے نوٹ ایک وعدہ پر بیچا عمرو بوقت ادا نوٹ لایا اور اس نوٹ کے
 عوض زید سے روپے لے کر قبضہ کر لیا پھر روپے زید کو ادا کر دیئے، یہ جائز ہے یا نہیں؟
 (۲) زید نے عمرو کے ہاتھ ہزار روپے کا نوٹ گیارہ سو کو آٹھ ماہ کے وعدہ پر بیچا اور عمرو سے تمسک لکھا لیا
 پھر زید نے یہ تمسک بکر کو دے دیا کہ تم روپے وصول کر لو عمرو نے بجائے گیارہ سو روپوں کے گیارہ سو
 کا نوٹ دیا، یہ جائز ہے یا نہیں؟

(۳) زید نے دلال سے کہا میں ہزار کا نوٹ گیارہ سو کو بچیتا ہوں تم خریدار تلاش کر دو، دلال عمرو کے

۱۸۱/۴	دار احیاء التراث العربی بیروت	باب الربو	کتاب البیوع	ردالمحتار
۱۶۲-۶۳/۶	مکتبہ نوریہ رضویہ کھر	باب الربو		فتح القدير
۱۸۱/۴	دار احیاء التراث العربی بیروت	"	کتاب البیوع	ردالمحتار
۴۱/۲	مطبع مجتہبائی دہلی	"	"	ردمختار

پاس آیا عمر و نے دلال سے کہا میرے لئے خرید لاؤ دلال نے عمر و سے تمسک لکھوا لیا اور زید سے نوٹ خرید کر تمسک دے دیا اور نوٹ لا کر عمر و کو دے دیا، یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

(۱) جائز ہے مگر ایک صورت میں کہ وہی نوٹ لے کر آئے اور پہلی قیمت سے کم کو بیچے تو یہ ناجائز ہے،

کیونکہ یہ اپنی ہی فروخت کردہ شئی کو اس قیمت سے کم پر خریدنا ہے جس پر اس نے فروخت کی تھی اور تو کہے کہ وہ ٹمن ہے اور ٹمن عقود میں متعین نہیں ہوتے چنانچہ یہ حکم نہیں لگایا جائے گا کہ وہ اسی چیز کو بیچ رہا ہے جس کو اس نے خریدا۔ میں کہتا ہوں کہ وہاں دار و مدار عقد کے بعینہ اس چیز پر وارد کرنے پر ہے جس کا وہ سابق عقد میں مالک ہوا اور وہ عدم تعین کے وقت منقعی ہے، لیکن یہاں دار و مدار اس پر ہے کہ اس کا مملوک بعینہ اس کے پاس لوٹ آئے جیسے اس کی ملک سے خارج ہوا تھا۔ تبیین میں اس مسئلہ کی تعلیل یوں فرمائی کہ چونکہ ٹمن قبضہ سے پہلے بائع کی ضمان میں داخل نہیں ہوا اور جب اس کا مال بعینہ اس کے پاس لوٹ آیا اسی صفت کے ساتھ جس کے ساتھ اس کی ملک سے خارج ہوا تھا اور بعض ٹمن بعض کا بدلہ ہو گئے تو اس کے لئے دوسرے پر کچھ زیادتی بلا عوض رہ گئی تو یہ نفع ہے اس چیز پر جو ابھی ضمان میں نہیں آئی، اور یہ نص سے حرام ہے اھ، فتح میں کہا یہ حکم اس لئے ہے کہ ٹمن

لکونہ شراء ما باع باقل مما باع فان قلت هو ثمن والا ثمن لا تعين في العقود فلا يحكم بانه يبيع ما شري قلت المناط ثمه ايراد العقد على عين ما ملكه سابقا وهذا منتف عند عدم التعين اما ههنا فالمناط ان يعود اليه عين ملكه كما خرج قال في التبيين في تعليل المسألة لان الثمن لم يدخل في ضمان البائع قبل قبضه فاذا عاد اليه عين ماله بالصفة التي خرج من ملكه وصار بعض الثمن قصاصا ببعض بقى له عليه فضل بلا عوض فكان ذلك ربح ما لم يضمن وهو حرام بالنص اھ وقال في الفتح وهذا لان الثمن

لا یدخل فی ضمانہ قبل القبض فاذا عاد الیہ الملك الذی نزل عنہ بعینہ وبقوله بعض الثمن فهو ربح حصل لا علی ضمانہ من جهة من باعہ اھ و مثله فی سائر الکتب المعللة ومعلومات الاثمان لاسیما الاصطلاحیة وان لم تتعین فی العقود متعینة فی الملك قطعاً فلیس للمودع ان یدل دراهم الودیعة بدراهم من عندہ فعود ماملک کما خرج ثابت قطعاً وعلیہ تدور سحی المنع کما علمت هذا ما ظهر لی وارجوات یكون صواباً ان شاء الله تعالی - والله تعالی اعلم۔

قبضہ سے پہلے بائع کی ضمان میں داخل نہیں ہوتے پھر اس کی مملوک جو اس کی ملکیت سے زائل ہوتی تھی بعینہ اس کی طرف لوٹ آئی اور اس کے بعض ثمن باقی رہے تو یہ ایسا نفع ہے جو اس چیز پر حاصل ہوا جو اس کی ضمان میں نہیں اور اس شخص کی طرف سے حاصل ہوا جس کو اس نے یہ چیز بیچی تھی اھ اور اس کی مثل تمام تعلیل بیان کرنے والی کتابوں میں ہے، اور یہ معلوم ہے کہ ثمن خصوصاً اصطلاحی ثمن اگرچہ عقود میں متعین نہیں ہوتے مگر ملک میں قطعی طور پر متعین ہوتے ہیں لہذا جس کے پاس امانت کے طور پر درہم رکھے گئے ہوں وہ ان کو اپنے پاس سے دوسرے درہموں سے بدل نہیں سکتا چنانچہ مملوک کا لوٹ کر آنا جیسا کہ وہ ملک سے خارج ہوا تھا قطعی طور پر ثابت ہو گیا اور ممانعت کی چکی اسی پر گھومتی ہے

جیسا کہ توجان چکا ہے، یہ وہ ہے جو میرے لئے ظاہر ہوا اور مجھے امید ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ یہ درست ہوگا، اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ (ت)

(۲) جائز ہے خواہ زید نے بکر کو صرف وصول کرنے کا وکیل کیا ہو یا اس دین کا مالک کر کے قبضہ کرنے کا

حکم دیا ہو، غمز العیون میں ہے؛

فروع واقعات حسامیہ سے مفہوم ہوتا ہے دراہم کے قرض والے کو اختیار ہے کہ وہ اس کے بدلے دینار لے لے اور اسی طرح اس کا عکس، اور یہ ظاہر اور کثیر الوقوع ہے اور دین کو مدیون کے ہاتھ بیچنے کا مسئلہ ہے۔ (ت)

یفہم من فروع الواقعات الحسامیة ان لصاحب الدراهم الدین استبدال الدنانیر بها وعکسہ وهو ظاہر وکثیر الوقوع وهی مسألة بیع الدین من المدیون

لے فتح القدر باب البیع الفاسد کتبہ نوریہ رضویہ سکر ۶/۱
لے غمز عیون البصائر مع اشباہ والنظائر الفن الثالث ادارة القرآن العلوم الاسلامیہ کراچی ۲/۴۱۳

اشباہ میں ہے :

فی وكالة الواقعات الحسامية لوقال وهبت
منك الدراهم التي لي على فلان فاقبضها منه
فقبض مكانها دنانير جانر لانه صار الحق
للموهوب له فيملك الاستبدال له

واقعات حسامیہ کے باب الوكالة میں ہے کہ اگر کسی
نے دوسرے کو کہا میں نے تجھے وہ درہم ہبہ کر دیئے
جو میرے فلاں پر ہیں تو ان پر قبضہ کر لے۔ پھر اس نے
دراہم کے بدلے دنانیر وصول کر لئے تو جائز ہے
کیونکہ یہ موهوب لہ کا حق بن گیا لہذا وہ تبدیل کر سکتا ہے۔ (ت)

نیز یہاں اگر عمر وہی نوٹ جو زید سے خریدا سو روپے کا نوٹ اپنے پاس سے ملا کر یوں گیارہ سو کے عوض دے
تو یہ بھی دونوں صورتوں میں جائز ہے، اگر زید نے بکر کو اس دین کا مالک کر دیا تھا جب تو ظاہر لان من
باع لم یشر ومن شری لم یبع (کیونکہ جس نے بیچا اس نے خریدا نہیں اور جس نے خریدا اس نے
بیچا نہیں۔ ت) اور اگر زید نے بکر کو وکیل کیا تو ہمارے امام مذہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک جائز
ہے کہ جو چیز کسی قیمت کو بیچی اور قیمت ہنوز ادا نہ ہوئی ہو کسی کو اپنا وکیل کر کے اس کے ذریعہ سے وہ چیز
کم قیمت کو خریدے، ہاں اگر بکر وکیل نہ ہو تا صرف رسول ہوتا مثلاً زید بکر سے کہتا کہ یہ تمسک لے جاؤ اور عمر و
سے میری طرف سے کہو کہ میرا روپیہ دے دے بکر آ کر اس سے کہتا کہ زید تجھ سے اپنا روپیہ مانگتا ہے اس
پر عمر وہی نوٹ جو زید سے خریدا تھا سو کا نوٹ ملا کر بھیج دیتا تو یہ زید کو ناجائز ہوتا کہ یہ خود زید کا خریدنا ہوتا
رسول تو بیچ میں نہ ایلچی تھا بخلاف وکیل کہ حقوق بیع اسی کی طرف راجع ہوتے ہیں تو یوں ہوا کہ عمر و سے اس نے
خرید اور اس سے زید نے لیا بیع میں ایک بیع کا توسط ہو گیا لہذا زید کو لینا حلال ہوا، غایۃ البیان علامہ
القافی میں مختصر امام ابو الحسن کرخی سے ہے :

ان وكل البائع من يشتريه باقل من
الثلث الاول فاشتراه، فالشراء
جائز عند ابی حنیفة رضی اللہ تعالیٰ
عنه وقال ابو یوسف الشیراء
لانہم للوکیل ولا یلزم الامر
وقال محمد للامر بشراء

اگر بائع نے وکیل بنایا کہ وہ بائع کی فروخت کردہ چیز
کو ثمن اول سے کم پر خریدے اور اس نے خرید لیا
تو یہ خریداری امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کے نزدیک جائز ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ
علیہ نے فرمایا کہ یہ خریداری وکیل کے لئے لازم ہوگی
آمر کے لئے لازم نہ ہوگی، اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

فاسد الی هنا لفظ الکرخی وجہ قول
محمد انه امره بمالو باشره بنفسه
یکون فاسدا ووجه قول الخ یوسف
العقد له زیادة فساد بدلیل ابطال
المجھاد فلم یجز التوکیل به ولا بی حنیفة
رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان المؤکل فی المعنی
مشتري من الوکیل قاصدا کما اذا اشتري
من غیرہ۔

نے فرمایا یہ خریداری فاسد ہے یہاں تک کرخی کے لفظ
ہیں، امام محمد کے قول کی وجہ یہ ہے کہ اس نے اس
کام کا وکیل بنایا جس کو اگر یہ خود کرتا تو فاسد ہوتا،
امام ابو یوسف کے قول کی وجہ یہ ہے کہ عقد میں زیادہ
فساد ہے اس دلیل کی وجہ سے کہ اس پر ابطال مجھاد
کی وحید حدیث میں آئی ہے لہذا اس کی توکیل جائز نہیں،
اور امام ابو حنیفہ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ مؤکل دراصل
وکیل سے خریدتا ہے تو یہ ایسے ہی ہوگا جیسے وہ
کسی غیر سے خریدے۔ (ت)

فتاویٰ خلاصہ و فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے،
لو باع ثم وکل لخرحتی یشتری باقل
جانر عندہ۔

اگر کسی نے کوئی چیز بیچی پھر کسی کو وکیل بنایا تاکہ وہ
اس کو پہلے سے کم قیمت پر خریدے تو امام ابو حنیفہ
رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک جائز ہے (ت)

تبیین الحقائق میں ہے،

لو اشتراه الوکیل صح لانه ما باع ولا بیع
له ولو باع الوکیل ثم اشتراه احدهما
لا یصح اما الوکیل فلانه باع واما المؤکل
فلانه بیع له اھ مختصراً۔

اگر وکیل نے اس کو خریدا تو درست ہے کیونکہ نہ تو
وکیل نے اس چیز کو بیچا اور نہ ہی اس کے لئے
بیچا گیا، اور اگر وکیل نے اس چیز کو بیچا پھر ان دونوں
میں سے کسی ایک نے اس کو (ثمن اول سے کم پر)

خریدا تو درست نہیں کیونکہ وکیل نے تو خود اسے بیچا اور مؤکل کے لئے وہ چیز بیچی گئی اھ اختصار (ت)

فتح القدر میں ہے،

لو اشتري وکیل البائع باقل من الثمن

اگر بائع کے وکیل نے ثمن اول سے کم پر خریدا تو

۱۔ حاشیہ الشلبی علی تبیین الحقائق بحوالہ مختصر الکرخی باب البیع الفاسد المطبعة الکبریٰ بولاق مصر ۵۴/۲
۲۔ فتاویٰ ہندیہ کتاب البیوع الفصل العاشر نورانی کتب خانہ پشاور ۱۳۳/۳
۳۔ تبیین الحقائق باب البیع الفاسد المطبعة الکبریٰ بولاق مصر ۵۵/۲

الاول جانر عنده خلافا لهما لان
تصرف الوكيل عنده يقع لنفسه الخ
اقول وبالجملة النقل في المسألة
فاش مستفيض فما وقع في
رد المحتار لو اشترى بالوكالة
عن البائع لا يجوز ولو كانوا اجانب
عنه كافي قول المصنف او بوكيله اه
سهو عظيم يجب التجنب عنه
ومنشأه ان المصنف قال فسد
شراء ما باع بنفسه او بوكيله الخ
والظروف كانت متعلقاته بباع
وحده وتوهم العلامة رحمه
الله تعالى تعلقه بكلام لفظ
الشراء وباع على سبيل التنازع
حيث قال قوله بنفسه او وكيله
تنازع فيه كل من شراء
وباع الخ، ثم نقل من
البحر كلاما لا يوهم
ما بتخيله اصلا انما
فيه منع شراء البائع

امام ابو حنيفة رضي الله تعالى عنه کے نزدیک جائز ہے
بخلاف صاحبین کے کیونکہ امام صاحب کے نزدیک
وکیل کا تصرف اپنی ذات کے لئے واقع ہوتا ہے اور
میں کہتا ہوں خلاصہ یہ کہ اس مسئلہ میں نقل عام
تواتر کے ساتھ ہے، اور جو رد المحتار میں واقع
ہوا ہے کہ اگر بائع کے وکیل ہو کر انہوں نے خریدا
تو ناجائز ہے اگرچہ وہ بائع سے اجنبی ہوں
جیسا کہ مصنف کے قول

”او بوكيله“ میں ہے اور یہ بہت بڑا سہو ہے
جس سے بچنا واجب ہے۔ اس سہو کا منشا یہ ہے
کہ مصنف نے کہا اس چیز کو خریدنا فاسد ہے جس کو
بائع نے بذات خود بیچا یا اس کے وکیل نے بیچا الخ
اس عبارت میں ظرف (جاء مجرور) صرف باع سے
متعلق تھا جبکہ علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے
وہم کیا کہ یہ بطور تنازع باع اور شرار دونوں لفظوں
سے متعلق ہے اسی لئے علامہ نے فرمایا کہ شرار اور
باع میں سے ہر ایک نے مصنف کے قول ”بنفسہ
او وکیلہ“ میں تنازع کیا الخ اس کے بعد علامہ
شامی نے بحر سے ایسا کلام نقل فرمایا جو علامہ شامی
کے تخیل کا وہم تک نہیں رکھتا کیونکہ اس میں تو بائع

۶۸/۶

مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

باب البیع الفاسد

لہ فتح القدير

۱۱۵/۴

دار احیاء التراث العربی بیروت

” ” ”

لہ رد المحتار

۲۶/۲

مطبع مجتہاتی دہلی

” ” ”

لہ رد المحتار

۱۱۴/۴

دار احیاء التراث العربی بیروت

” ” ”

لہ رد المحتار

سواء باع لنفسه او لغيره وصن باع له
وكيله وسواء كان شراء لنفسه او لغيره
اما الذي لم يبيع ولا يبيع له فلا تعرض
فيه لنتعه من الشراء اصلا سواء شري
لنفسه او لغيره كوكيل البائع بالشراء اما
ما في مختصر الكرخي في صدر الكلام المذكور
لا يجوز ان يشتري ذلك وكيل البائع
في قولهم جميعاً (مختصاً) فمعناه وكيله بالبيع
كما قد مناها عن التبيين وفيه لو وكل
رجلا ببيع غيره فباع ثم اساد الوكيل
ان يشتري باقل لنفسه او لغيره بامره
لم يجزأه (مختصاً) ومثله في الهمدية عن
المحيط نعم وكيل البائع في كلام الفتح
المذكور بمعنى وكيله بالشراء فتثبت
ولا تنزل وباللہ التوفیق، واللہ سبحانه و
تعالی اعلم۔

کی خریداری کو ممنوع قرار دیا گیا ہے چاہے بائع نے
ذات خود بیچا ہو یا اس کے وکیل نے اور چاہے
اپنے لئے خریداری کرے یا غیر کے لئے، لیکن وہ
شخص جس نے نہ تو خود بیچا نہ ہی اس کے لئے اس
چیز کو بیچا گیا اس کی خریداری کی ممانعت سے اس
عبارت میں بالکل کوئی تعرض نہیں چاہے
وہ اپنے لئے خریدے یا غیر کے لئے جیسے خریداری
کے لئے مقرر کردہ وکیل، اور وہ جو کلام مذکور کے شروع
میں مختصر کرخی میں مذکور ہے کہ بائع کے وکیل کا اس
چیز کو خریدنا تمام فقہائے کے قول میں ناجائز ہے
اس کا معنی وہ وکیل جس کو بیع کے لئے مقرر کیا گیا تھا
جیسا کہ تبیین کے حوالے سے ہم اس کا ذکر پہلے
کر چکے ہیں، اسی میں ہے کہ کسی نے دوسرے کو
کسی چیز کی بیع کا وکیل بنایا اور اس نے وہ
چیز فروخت کر دی پھر اسی وکیل کا ارادہ ہوا کہ اس
چیز کو ثمن اول سے کمتر ثمن کے عوض اپنی ذات کیلئے

یا کسی اور کے لئے اس کے حکم پر خریدے تو یہ ناجائز ہے اور اس کی مثل ہندیہ میں بحوالہ محیط ہے۔ فتح کے
کلام مذکور میں وکیل بائع سے مراد بائع کا وہ وکیل ہے جس کو خریداری کے لئے اس نے مقرر کیا چنانچہ ثابت قدم
رہ مت ڈگمگا، اور توفیق اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے اور اللہ سبحانه و تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ (ت)

(۳) جائز ہے اگر عمر و نے کہا خرید لاؤ اور اس نے زید سے خرید کر اسی جلسہ میں قبضہ کر لیا اس
صورت میں عمر و کا تمسک لکھ دینا خریداری نہیں بلکہ اس لئے ہے کہ دلال زید سے خریدنے کے بعد روپے کے
اطمینان کے لئے یہ تمسک اسے دے دے جیسا کہ سوال میں مذکور ہے ہاں اگر دلال نے آکر عمر و سے کہا اور
عمر و نے جواب دیا کہ میں نے خرید یعنی عقد بیع و شراہ یہیں ہو لیا اور تمسک لکھ گیا بعدہ دلال نے نوٹ زید سے

۱۷ حاشیہ الشبلی علی تبیین الحقائق بحوالہ مختصر الكرخي باب بیع الغاسد المطبعة الکبریٰ مصر ۵۴/۴
۱۸ تبیین الحقائق باب بیع الغاسد المطبعة الکبریٰ بولاق مصر ۵۴/۴

لاکرو یا تو حرام و باطل ہے کہ جلسہ بیع میں نہ نوٹ پر قبضہ ہو اور روپوں پر،

فکان افتراقاً عن دین بدین وقد نفی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن بیع الکائی بالکائی یٰۤاے واللہ تعالیٰ اعلم
تویہ دین سے دین کے بدلے جدائی ہے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ادھار کی ادھار کے بدلے بیع سے منع فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے (ت)

مسئلہ ۲۶۶ از بنارس محلہ کنڈی گر ٹولہ مسجد بی بی راجی شفاخانہ مرسلہ حکیم عبدالغفور صاحب

۱۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کلابتوں کی بیع ادھار جائز ہے یا نہیں، بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ناجائز ہوگی کہ گو اس میں تین جزو و شریک ہیں یعنی سونا چاندی ریشم لیکن چونکہ حصہ چاندی کا زیادہ ہے لہذا کلابتوں مذکور حکماً چاندی قرار دیا جائے گا اب بوجہ اتحاد جنس یعنی چاندی درمیان کلابتوں اور روپیہ کے بیع ادھار ناجائز ہونا چاہئے یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ ہزار یا بندہ خدا اس معاملہ میں مبتلا ہیں اگر واقعی بیع مرقومہ بالانا جائز ہے اور اشخاص مرتکب فعل ہذا بیع مذکور سے روک دے جائیں تو باب تجارت خصوصاً اہالیان بنارس پارچہ فروش کا مسدود ہو جائے گا نوبت فاقہ کشی کی پہنچے گی۔ بیٹنوا بالکتاب توجروا یوم الحساب۔

الجواب

کلابتوں میں سونے کا تو صرف رنگ ہی رنگ ہے اور نرے رنگ کا کچھ اعتبار نہیں جبکہ جلانے سے سونا اس میں سے جدا نہ ہو سکتا ہو،

فان ۛ تمویہ و التمیہ لا عبرة به لانه مستهلك كما صرحوا به قاطبة وفي كاف الامام الحاکم الشهيد اذا اشترى لجاما مموها بفضة بدراهم اقل مما فيه او اكثر فهو جائز لان التمیہ کیونکہ اس صورت میں یہ سونے کا پانی چڑھانا ہے اور اس کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ یہ ہلاک ہونے والی چیز ہے جیسا کہ تمام فقہائے نے اس کی تصریح کی ہے امام حاکم شہید کی کافی میں مذکور ہے اگر کسی نے ایسا لگام خریدا جس پر چاندی کا پانی چڑھایا گیا تھا کچھ درہموں کے بدلے میں جو اس چاندی سے کم

لہ سنن الدارقطنی کتاب البیوع حدیث ۲۶۹ نشر السنۃ لمعان ۳/۱

لا یخلص الا تری انه اذا اشتری الدار
الموهة بالذهب بثمان مؤجل یجوز
ذک وان کانت مافی سقوفها من
التویہ بالذهب اکثر من الذهب فی
الثمان اھ۔

ہوں جس کا پانی لگام پر چڑھایا گیا یا اس سے زیادہ
ہوں تو یہ بیع جائز ہے کیونکہ پانی چڑھانے میں مستعمل
چاندی لگام سے الگ نہیں ہو سکتی، کیا تو نہیں
دیکھتا کہ اگر کوئی ثمن مؤجل کے بدلے ایسا مکان خریدے
جس پر سونے کا پانی چڑھایا گیا ہے تو یہ بیع جائز

ہوگی اگرچہ پانی چڑھانے میں مستعمل سونا ثمن کے سونے سے زیادہ ہو اھ۔ (ت)

مگر چاندی کا خود عین مستعمل طور پر اس میں قطعاً موجود کہ وہ چاندی اور ریشم یا سوت کے تار ہیں
ایک دوسرے پر بٹے ہوئے تو اس کی بیع غایت یہ کہ چاندی اور اس کے ساتھ ایک اور چیز کی بیع ہوئی
یہ اسے حکم صرف سے خارج نہ کرے گا جبکہ دوسری جانب بھی ثمن خلقی یعنی سونا یا چاندی یا روپیہ یا اشرفی ہو
پس بصورت اتحاد جنس کہ روپیہ یا چاندی کے عوض کلابتوں بچیں تماثل و تقابض دونوں اور بحالت اختلاف
کہ سونے یا اشرفی سے مبادلہ کریں صرف تقابض بدلیں بلاشبہ لازم ہوگا تماثل یہاں یوں کہ ثمن کی طرف
چاندی ان تاروں کی چاندی سے جو کلابتوں میں ہیں وزن میں زیادہ ہوتا کہ اس میں سے ان کے مقابل اور باقی
اس دوسری چیز ریشم یا سوت کے مقابل ہو جائے اگر ثمن کی طرف چاندی اس کلابتوں کی چاندی سے وزن
میں کم یا برابر ہے یا کمی بیشی معلوم نہیں تو بیع حرام و باطل ہے، اور تقابض یوں کہ اسی مجلس میں خریدنے والا
کلابتوں اور بیچنے والا اس کی قیمت پر قبضہ کر لے اگر کسی طرف سے ایک لمحہ کے لئے بھی ادھار ہو تو بیع باطل
حرام ہے، درمختار میں ہے؛

قاعدہ یہ ہے کہ جب نقد کو غیر نقد کے ساتھ ملا کر
بیچا جائے جیسے مفضض اور مزرکش (جن چیزوں پر
سونے چاندی کے پتر چڑھائے گئے ہوں) تو اگر
نقد بیع کے ہم جنس نقد کے بدلے بیچا جائے تو

الاصل انه متى بیع نقد مع غیره کمفضض
ومزرکش بنقد من جنسه شرط زیادة
الثمان فلو مثله او اقل او جهل بطل ولو
بغیر جنسه شرط التقابض فقط۔

ثمن کا زیادہ ہونا شرط ہے، اگر برابر ہو یا ثمن اس سے کم ہو یا کمی بیشی مجہول ہو تو بیع باطل ہے اور اگر
غیر جنس کے نقد کے بدلے میں بیچا جائے تو فقط تقابض (دو طرفہ قبضہ) شرط ہے۔ (ت)

لے ردالمحتار بحوالہ کافی الحاکم کتاب البیوع باب الصرف وارجاء التراث العربی بیروت ۴/۲۳۶
سے درمختار کتاب البیوع باب الصرف مطبع مجتہدانی دہلی ۵۵/۲

احکام الہیہ جل و علا کے اتباع و امتثال سے ہرگز باب رزق مسدود نہیں ہو سکتا جبکہ وہ رب کریم
 روف رحیم احکام نفس و شیطان کی پیروی اپنی شدید شنیع نافرمانی پر دروازہ رزق بند نہیں کرتا صر
 گناہ بیند و ناں برقرار میدارد

(وہ گناہ دیکھتا ہے اور اس کے باوجود روزی برقرار رکھتا ہے۔ ت)

تو اپنے احکام کریمہ کے اتباع پر کیوں بند فرمائے گا مگر ہمارے مسلمان بھائیوں کی حالت سخت قابل افسوس
 ہے جو شخص جس کام میں ہاتھ ڈالے اس پر فرض عین ہے کہ اس کے متعلق جو احکام شرع ہیں انہیں سیکھ لے
 تاکہ معصیت الہی میں نہ پڑے ہمارے بھائیوں نے یہ مسئلہ دنیاوی قانون میں جاری کیا اور قانون ربانی میں
 چھوڑ دیا اگر کوئی مقدمہ دو روپے کا دائرہ کریں گے پانچ ویکلوں سے پوچھیں گے کہ اس میں کوئی خامی نہ رہ جائے
 کسی طرح قانون انگریزی کی مخالفت نہ آئے کہ مقدمہ ہاتھ سے جائے مگر کسی دینی کام میں علمائے دریافت کرنے
 کی اصلاً حاجت نہیں کہ یہ کیونکر حلال ہے کس طرح حرام کس صورت میں صحیح، کس طور پر فاسد، تو وجہ کیا کہ
 دو روپے استغفر اللہ بلکہ دو پیسے کا نقصان گراں گزرتا ہے اور نقصان دین کی پروا کیا ہے، یہاں بھی
 اپنی ناواقفی سے یہ گناہ عظیم سر پر لیا ہے، اگر علم رکھیں یا علماء سے پوچھیں تو یہ کارخانہ بدستوریوں ہی جاری
 رہے اور خالص حلال و طیب ہو فقط اتنا کریں کہ قیمت میں سونے چاندی، روپیہ، اشرفی، اٹھنی، چونی،
 دوئی نہ کہیں بلکہ جتنے روپوں کو بیچنا ہوا تے کے پیسوں یا نوٹ کا نام لیں مثلاً سو روپیہ کا کلابتوں بیچنا ہے تو
 یوں کہے کہ میں نے یہ کلابتوں تیرے ہاتھ ایک ہزار چھ سو آنے فلوس رائجہ الوقت کو بیچا، یا بعوض نوٹ
 احاطہ فلاں رقمی صدر روپیہ کے بیع کیا اب نہ اتحاد جنس ہے کہ تماشل بشرط ہو، ظاہر ہے کہ کلابتوں میں چاندی
 ہے اور یہاں پیسے یا کاغذ، نہ یہ بیع صرف ہے کہ قرضوں مطلقاً حرام ہوتا، بنا کاغذ اصل آفرینش میں ٹمن
 نہیں اور صرف وہی کہ ٹمن خلقی ٹمن خلقی سے بیع کی جائے، یہ صرف سونایا چاندی ہے و بس، ہاں از انجا
 کہ فلوس و نوٹ اصطلاحاً ٹمن ہیں ایک جانب سے قبضہ ضرور ہے کیلا یلزم الافتراق عن دین
 بدین (تاکہ دین کے بدلے دین سے جدا ہونا لازم نہ آئے۔ ت) لہذا اگر روپیہ کے پیسے خریدے روپیہ
 دے دیا اور پیسے پھر دئے جائیں گے تو مذہب رائج و معتد میں کچھ مضائقہ نہیں بعینہ یہی حالت کلابتوں اور
 پیسوں یا نوٹ کی ہے کہ صرف ایک طرف سے قبضہ ہو جانا کافی اگرچہ دوسری جانب قرض ہو۔ درمختار
 میں ہے۔

الصرف شرعاً بیع الثمن بالثمن ای
 ما خلت للثمنیۃ اھ ملخصاً
 صرف اصطلاح شرع میں ٹمن کے بدلے ٹمن کی بیع
 ہے یعنی جسے ٹمنیت کے لئے پیدا کیا گیا اھ تلخیص
 لہ درمختار کتاب البیوع باب الصرف مطبع مجتہاتی دہلی ۵۵/۲

فانه بيع عين بدین کان علیہ فیجوز برضاہ
وقد علمت انه لیس بصرف ولا سلم
قال فی الدر المختار لو باع ابلا بدر اہم
او بکر بر جاز اخذ بدلہما شیئا اخر و کذا
الحکم فی کل دین قبل قبضہ کمہر و
اجرة وضمان متلف و بدل خلع و عتق
بمال و موروث و موصی بہ و الحاصل
جوان التصرف فی الاثمان و الدیون
کلہا قبل قبضہما عینی سوی صرف و سلم
فلا یجوز اخذ خلاف جنسہ لفوات
شرطہ اھ۔

۶۳۱ کیونکہ عین کی اس دین کے بدلے میں بیع ہے جو بائع
پر ہے تو اس کی رضا مندی سے جائز ہے حالانکہ
تو جان چکا ہے کہ یہ صرف اور سلم نہیں ہے، در مختار
میں کہا کہ اگر کسی نے درہموں کے بدلے یا ایک بوری
گندم کے بدلے اونٹ بیچا تو ان دونوں کے بدلے
کوئی اور شے بھی لے سکتا ہے اور یہی حکم ہے قبضہ
سے پہلے ہر دین کا جیسے مہر، اجرت، ضائع شدہ
شے کا تاوان، خلع کا بدل، مال کے بدلے آزاد کرنا،
مال موروث اور وہ مال جس کی وصیت کی گئی ہو،
خلاصہ یہ ہے کہ تمام ثمنوں اور دینوں میں قبضہ سے
سے پہلے تصرف جائز ہے (عینی) سوائے صرف

اور سلم کے کہ ان میں خلاف جنس ثمن لینا ناجائز ہے بسبب فوت ہو جانے اس کی شرط کے اھ (ت)

ہاں یہ ضرور ہے کہ جس مجلس میں ان کے عوض روپیہ دینا ٹھہرے اسی مجلس میں تمام و کمال روپیہ
ادا کر دیا جائے ورنہ یہ معاوضہ یعنی پیسوں یا نوٹوں کے بدلے جو روپیہ دینا قرار پایا ہے ناجائز ہو جائیگا
لافتراق عن الکائی بالکائی فی ساد المحتار
قولہ جائز اخذ بدلہما شیئا اخر لکن
بشرط ان لا یكون افتراقا بدین کما یاتی
فی القرض اھ (وقال فی قرض الدر) جائز
شراء المستقرض القرض ولو قاسما من
المقرض بدر اہم مقبوضۃ فلو تفرقا قبل
قبضہا بطل لانه افتراق عن دین بزانیۃ
فلیحفظ۔

پر قبضہ سے پہلے متفرق ہو گئے تو خریداری باطل ہو جائے گی کیونکہ یہ قرض سے افتراق ہے (بزازیر) اس کو
خریدے اگر قائم ہو پھر اگر وہ دونوں ان درہم مذکورہ

۳۶ - ۳۸ / ۲	مطبوع مجتہاتی دہلی	فصل فی التصرف فی المبیع	کتاب البیوع	۳۶ - ۳۸ / ۲
۱۶۶ / ۴	دار احیاء التراث العربی بیروت	فصل فی القرض	کتاب البیوع	۱۶۶ / ۴
۳۹ / ۲	مطبوع مجتہاتی دہلی	فصل فی القرض	کتاب البیوع	۳۹ / ۲

محفوظ کر لینا چاہئے۔ (ت)

تو دیکھئے صورت بعینہا وہی رہی جو ان بالعمول میں جاری ہے صرف ایک لفظ کے تغیر میں حرمت سے علت ہو گئی، اس مسئلہ کو خوب شائع کرنا چاہئے کہ اہل اسلام جو بلا وجہ گناہ میں مبتلا ہیں معصیت سے نجات پائیں، وباللہ التوفیق، واللہ سبحنہ وتعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۶۷ از بخنورد در حدود ۱۳۰۰ھ مرسلہ مولوی غلام مصطفیٰ صاحب تلمیذ حضرت والا علام قدس سرہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بیع فلوس رائجہ کی جو حکم ثمن میں ہیں بمقابلہ روپیہ کے بیع صرف ہے یا نہیں؟ اور اگر صرف کو روپیہ دیا اس کے پاس کل روپیہ کے پیسے نہ تھے موجود دئے باقی کا وعدہ کر دیا تو یہ بیع جائز ہوگی یا نہیں؟ اور جبکہ یہ بیع صرف بسبب صدق تعریف کے کہ بیع الثمن بالثمن ہے قرار دی جائے گی تو اس میں شرائط بیع صرف کے کہ متحد الجنسین میں تماشل اور تعابض اور مختلف الجنسین میں تعابض ہے در صورت جواز کے پائے جائیں گے یا نہیں؟ یقیناً تو جروا۔

الجواب

بیع الفلوس بالدرہم صرف نہیں نہ اس میں سب احکام صرف جاری

فان الصرف بیع ما خلق للثمنیۃ بما خلق لہا کما فسره بذلک فی البحر وتبعہ فی الدر المختار واقرہ الشامی وغیرہ و معلوم ان الفلوس لیست کذا وانما عرض لہا حکم الاثمان بالاصطلاح مادامت سرائجہ والا فہی عروض کما فی اصل خلقہا و بعدم کونہ صرفا صرح العلامة الشامی عن البحر وصاحب البحر عن الذخیرۃ عن المشائخ فی باب الربو من رد المحتار

کیونکہ صرف تو خلقی ثمن کو خلقی ثمن کے عوض بیچنے کا نام ہے جیسا کہ اس کی تفسیر بیان کی جگر نے اور در مختار میں اس کی اتباع ہے اور شامی وغیرہ نے اس کو برقرار رکھا اور یہ بات معلوم ہے کہ پیسے ثمن خلقی نہیں انھیں تو جب تک وہ رائج ہیں اصطلاح میں ثمنوں کا حکم عارض ہے ورنہ تو یہ سامان ہیں جیسا کہ اصل خلقت میں تھے اور اس کے بیع صرف نہ ہونے کی تصریح علامہ شامی نے رد المحتار کے باب الربو میں جگر کے حوالہ سے کی اور صاحب جگر نے بحوالہ ذخیرہ عن مشائخ کفیل کیا۔ (ت)

۱۹۲/۶	ایچ ایم سعید پبلیشرز کراچی	کتاب الصرف	لہ بحر الرائق
۵۵/۲	مطبع مجتہدی دہلی	" کتاب البیوع	در مختار
۱۸۴/۲	دار احیاء التراث العربی بیروت	باب الربو	رد المحتار

مگر اس قدر میں شک نہیں کہ جب تا عین رواج ان کے لئے حکم اٹمان ہے تو احد الجانبین میں قبض بالید ہونا ضرور ہے،

واللکان افتراقاً عن دین بدین و
قد نہی اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
عن بیع الکائی بالکائی لہ

اختلاف اس میں ہے کہ آیا یہ قبضہ جانبین سے مشروط یا ایک ہی جانب میں کافی جس نے اصل خلقت پر نظر کی کہا صرف نہیں پھر تقابض کی کیا حاجت،

وہم الاکثرون وعلیہ نص محمد فی
المبسوط واعتمده فی المحيط والحاوی
والبزانریة والبحر الرائق والنہر
الفائق وفتاویٰ الحانوتی وتنویر الابصار
والدر المختار والفتاویٰ الہندیة وغیرہا
من متون المذہب وشروحه و
فتاویٰہ وهو مفاد کلام الامام الاسبجانی
کما نقلہ الشامی عن الزین عن الامام۔

اور جس نے ثمنیت مصطلح پر لحاظ کیا تقابض شرط ٹھہرایا

کما افتی بہ العلامة قاری الہدایة
وآولہ الفاضل عمر بن نجیم
بما یخرجہ عن الخلاف ونازعہ
المحقق الشامی قائلانہ محمول
علیٰ ما دل علیہ کلام الامام
محمد فی الجامع الصغیر من اشتراط التقابض من
الجانبین وکل ذلک مشروح فی رد المحتار

لحسن الدارقطنی کتاب البیوع حدیث ۲۶۹ نشر السنۃ طمان
رد المحتار کتاب البیوع باب الریو دار احیاء التراث العربی بیروت
۳ / ۱
۴ / ۱۸۴

وغیره من الاسفار قال العبد الضعیف غفر الله
تعالیٰ له وما جنح الیه الفاضل الشامی
سیدی محمّد بن امین الدین اُفندی
ابن عابدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
من دلالة كلام الجامع الصغير
على ذلك الاشتراط فقد تبع فيه صاحب
البحر والعلامة زين الدين عسول
على ما وقع في الذخيرة كما هو ايضا مذکور
في العاشية الشامية ولكن لي فيه تأمل بعد
فاني سراجعت الجامع فوجدت نصه هكذا
محمد عن يعقوب عن ابي حنيفة رضي الله تعالى
عنهم رجل باع رطلين من شحم البطن برطل
من الية اوباع رطلين من لحم برطل من شحم
البطن اوبيضنة بيضتين اوجوزة بجوزتين
اوفلسا بفلسين اوتمة بتمرتين
يدا بيد باعيا نهما بجوزة وهو
قول ابو يوسف رحمۃ اللہ علیہ
وقال محمد رحمۃ اللہ علیہ
لا يجوز فلس بفلسين و
يجوز تمة بتمرتين انتهى
كلامه الشريف نفعنا
الله تعالى ببركاته في
الدنيا والاخرة آمين

وغیرہ ضخیم کتابوں میں ہے یہ عبد ضعیف (اللہ تعالیٰ اس کی
مغفرت فرمائے) کہتا ہے کہ جس معنی کی طرف علامہ سیدی
محمد بن امین الدین اُفندی ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ
تعالیٰ علیہ مائل ہوئے اس میں انہوں نے صاحب البحر
کی پیروی کی اور علامہ زین الدین نے اس پر اعتماد کیا
جو ذخیرہ میں واقع ہوا جیسا کہ حاشیہ شامیہ میں بھی
مذکور ہے لیکن ابھی تک مجھے اس میں تامل ہے
بیشک میں نے جامع صغیر کی طرف رجوع کیا تو
اس کی نص کو یوں پایا کہ محمد نے یعقوب سے
اور اس نے ابو حنیفہ سے روایت کیا (رضی اللہ
تعالیٰ عنہم) کہ ایک شخص نے دو رطل پیٹ کی
چربی ایک رطل ایہ کی چربی کے عوض یا دو رطل
گوشت ایک رطل پیٹ کی چربی کے عوض یا
ایک انڈہ دو انڈوں کے عوض یا ایک اخروٹ
دو اخروٹوں کے عوض یا ایک پیسہ دو پیسوں کے
عوض یا ایک چھو ہارا دو چھو ہاروں کے عوض فروخت
کیا اس طور پر کہ ان تمام چیزوں کا لین دین ہاتھوں ہاتھ
ہوا اور یہ تمام چیزیں معین تھیں تو یہ بیع ہے اور یہی
قول ہے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ،
اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ ایک پیسے
کی بیع دو پیسوں کے عوض ناجائز اور ایک چھو ہارے
کی بیع دو چھو ہاروں کے عوض جائز ہے ، امام صاحب
کا کلام شریف ختم ہوا ، اللہ تعالیٰ ہمیں دنیا و آخرت

میں اس کی برکات سے نفع عطا فرمائے آمین، تو محل استدلال امام صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ”یدابید“ (ہاتھ ہاتھ) ہے لیکن فقہی مہارت والا جانتا ہے کہ بیشک یہ لفظ انگلیوں کے پوروں کے ساتھ قبضہ کرنے میں نص صریح نہیں کیا تو نہیں دیکھتا ہمارے علمائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے حدیث معروف میں اس کی تفسیر عینیت کے ساتھ فرمائی ہے جیسا کہ ہدایہ میں کہا کہ رسول انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قول ”یدابید“ کا معنی ”عیناً بعین“ ہے، یونہی روایت فرمایا ہے اس کو حضرت عباد بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے، انتہی۔ اور یہ کیسے ہو سکتا ہے حالانکہ ائمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے فرمایا ہے کہ بے شک باہمی قبضہ تو فقط بیع صرف میں شرط ہے اس کے علاوہ جس میں ربا جباری ہوتا ہے وہاں فقط تعیین معتبر ہے، اگر ہماری ذکر کردہ عبارت میں اس کے قول کو تعابض (دو طرفہ قبضہ) پر محمول کیا جائے اور اس سے ایک پیسے کی دو پیسوں کے عوض بیع میں تعابض کا شرط ہونا اخذ کیا جائے تو پھر ایک کھجور کی دو کے عوض، ایک انڈے کی دو کے عوض اور ایک اخروٹ کی دو کے عوض بیع میں بھی تعابض شرط ہوگا کیونکہ ان تمام مسائل کا سیاق ایک ہی ہے (لہذا حکم بھی ایک ہوگا) حالانکہ ہمارے ائمہ کرام اس کے قائل نہیں ہیں لہذا

فحمل الاستنباط انما هو قوله رضی اللہ تعالیٰ عنہ یدابید ولكن قد درى من مارس الفقهات هذا اللفظ ليس نصوصاً صريحاً في التقابض بالبراجم الا ترى علماءنا رحمهم الله تعالى فسروه في الحديث معروف بالعينية كما قال في الهداية ومعنى قوله عليه الصلوة والسلام یدابید عیناً بعین کذا رواه عباد بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ انتہی کیف وقد قال اصحابنا رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان التقابض انما يشترط في الصرف واما ما سواه مما يجرى فيه الربو فانما يعتبر فيه التعيين فان حمل قوله هذا في العبارة التي ذكرنا على التقابض واستجلب منه اشتراط ذلك في فلس بفلسين كان ايضا مشروطاً في تمرة بتمرتين و بيضة ببيضتين وجوزة بجوزتين فان المسائل كلها مسوقة بسياق واحد وهذا لم يقل به ائمتنا فوجب حملہ علی

على اشتراط التعین وکانت قوله
 رضی اللہ تعالیٰ عنہ باعیانہا
 تفسیر القولہ یدابید والا لکان حشوا
 مستغنی عنہ فات التقابض فیہ
 التعین مع شیء نرائد فذکرہ
 بعدہ حال عن الفوائد ولذا لما
 نقل الامام صاحب الہدایۃ ہذہ
 المسئلة عن الجامع الصغیر اسقط عنہا
 تلك الكلمة واقتصر علی ذکر العینۃ
 حیث قال قال (ای محمد کما صرح
 بہ العلامة بدر العینی فی البناۃ)
 یجوز بیع البیضة بالبیضتین والتمرة
 بالتمر تین والجوزۃ بالجوز تین
 ویجوز بیع الفلس بالفلسین باعیانہما
 انتہی، فلیس فی الجامع ان شاء
 اللہ تعالیٰ ذلیل علی ما ذکرہ هؤلاء
 الاعلام وان کانت فمع احتمال
 الغیر احتمالاً بیناً لا یرد ولا یرام بخلاف
 عبارة الأصل اعنی المبسوط فانہا
 نص ای نص فی عدم اشتراط التقابض کما
 ستری ان شاء اللہ تعالیٰ فعلیہ فلیکن التعویل
 واللہ تعالیٰ ولی التوفیق ہذا ما سئم للعبد القاصر

اس کو اشتراط تعین پر محمول کرنا واجب ہے اور امام
 صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول "باعیانہا"
 ان کے قول "یدابید" کی تفسیر ہوگا ورنہ یہ قول
 لغو اور بلا ضرورت ہوگا کیونکہ تقابض میں تعین کچھ
 اضافی سمیت موجود ہے تو پھر اس (تعین) کو
 تقابض کے بعد ذکر کرنا فائدہ سے خالی ہوگا، یہی
 وجہ ہے کہ جب امام صاحب ہدایہ نے اس مسئلہ کو
 جامع صغیر سے نقل کیا تو اس میں سے یہ کلمہ (یدابید)
 ساقط کر کے فقط عینیت کے ذکر پر اکتفا کرتے
 ہوئے کہا کہ انہوں نے یعنی امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ
 علیہ (بنایہ علامہ عینی) نے فرمایا کہ جائز ہے بیع ایک
 انڈے کی دو انڈوں کے عوض اور ایک کھجور کی
 دو کھجوروں کے عوض اور ایک اخروٹ کی دو اخروٹوں
 کے عوض اور ایک معین پیسے کی دو معین پیسوں کے
 عوض، انتہی۔ چنانچہ جامع صغیر میں تو ان شاء اللہ
 اس پر کوئی دلیل نہ ہوگی جو ان بزرگوں نے فرمایا اور
 اور اگر ہو بھی تب بھی غیر کا احتمال بین ہوتے ہوئے
 اس کا ارادہ نہیں کیا جائے گا بخلاف اصل یعنی
 مبسوط کی عبارت کے کہ وہ تقابض کے شرط نہ ہونے
 پر نص ہے جیسا کہ عنقریب ان شاء اللہ تو
 دیکھے گا چنانچہ اسی پر اعتماد کرنا چاہئے اور اللہ تعالیٰ
 ہی مالک توفیق ہے، یہ وہ ہے جو اس قاصر بنے

۱۵۴/۳ المكتبة الامدادية مكة المكرمة کتاب البيوع باب الربو لہ البناية في شرح الهداية
 ۸۳/۳ مطبع يوسفى لکھنؤ " " لہ الهداية

فامله فان وجدته حقا فعليك به ۶۳۷
والافاسم به المجدار۔

بالمجملہ مذہب راجح پر بیع الفلوس بالدرہم والدنانیر میں ایک ہی جانب کا قبضہ کافی، پس صورت مستفسرہ میں بیع بلا تردد صحیح اور صراف پر مشتری کے لئے باقی پیسے لازم۔

فی المبسوط اذا اشترى الرجل فلوسا بدرهم ونقد الثمن ولم تكن الفلوس عند البائع فالبيع جائزاً كذا في الهندية و فيها عن الحاوی وغيره لو اشترى مائة فلس بدرهم فقبض الدرهم و لم يقبض الفلوس حتى كسدت لم يبطل البيع قیاساً و لو قبض خمسين فلسا فكسدت بطل البيع في النصف و لو لم تكسد لم یفسد و للمشتري ما بقى من الفلوس اھ ملتقطاً و فی التنویر و شرحه باع فلوساً بمثلها او بدرهم او بدنانیر فان نقدا احدهما جائزاً و ان تفرقا بلا قبض احدهما لم یجز اھ و مسألة المقام يستدعی اكثر من هذا و فیما ذكرنا كفاية، والله تعالى اعلم۔

بمبسوط میں ہے کہ جب کسی نے درہموں کے عوض پیسے خریدے اور ثمن نقداً کر دیئے مگر بائع کے پاس اس وقت پیسے موجود نہیں تو بیع جائز ہے اھ ہندیہ میں یونہی ہے، اسی میں حاوی وغیرہ سے منقول ہے اگر کسی نے ایک درہم کے عوض سو پیسے خریدے، بائع نے درہم پر قبضہ کر لیا مگر مشتری نے ابھی پیسوں پر قبضہ نہیں کیا تھا کہ وہ کھوٹے ہو گئے تو قیاس کی رو سے بیع باطل نہیں ہوتی اور اگر پچاس پیسوں پر قبضہ کیا تھا کہ وہ کھوٹے ہو گئے تو نصف میں بیع باطل ہوگی اگر وہ کھوٹے نہ ہوتے بیع فاسد نہ ہوتی اور مشتری باقی پیسے لینے کا حقدار ہوتا اھ تلخیص، تنویر اور اس کی شرح میں ہے کہ کسی نے پیسوں کو ان کی مثل کے عوض یا درہموں کے عوض یا دیناروں کے عوض بیچا پس اگر دونوں میں سے ایک نے نقداً ایسی کو دی تو بیع جائز ہے اور اگر وہ دونوں قبضہ کئے بغیر متفرق ہو گئے تو ناجائز ہے اھ اس مقام کا مسئلہ اس سے زیادہ تفصیل کا تقاضا کرتا ہے اور جو کچھ ہم نے ذکر کیا اس میں کفایت ہے اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے (ت)

۱۔ المبسوط للخرسی کتاب البیوع باب البیع بالفلوس دار المعرفۃ بیروت الجزر الرابع عشر / ۲۴
۲۔ فتاویٰ ہندیہ کتاب الصرف الفصل الثالث فی بیع الفلوس نورانی کتب خانہ پشاور ۲۲۵ / ۳
۳۔ فتاویٰ ہندیہ کتاب الصرف الفصل الثالث فی بیع الفلوس " " " ۲۲۵ / ۳
۴۔ درمختار کتاب البیوع باب الربو مطبع مجتہاتی دہلی ۴۲ / ۲

مسئلہ ۲۶۸ از دھوراجی ملک کاٹھیاوار کوچہ کھٹرا سٹریٹ مسئلہ عبدالکریم ابن قاسم، ربیع الثانی ۱۳۳۱ھ
 بخدمت شریف جناب مخدوم و مکرم مجدد مائتہ حاضرہ، تکلیف دینے کا باعث یہ ہے کہ جو رسالہ کفل الفقیہ
 آپ کی جانب سے شائع ہوا ہے اس میں بعض لوگوں کو شک ہے کہ یہ رسالہ مولانا صاحب کے نام سے کسی
 دوسرے نے چھپو کر شائع کر دیئے ہیں اس بات کا بہت چرچا ہو رہا ہے کہ نوٹ کو مال قرار دیا ہے وہ کس
 طرح سے ہو سکتا ہے، ہمارا اعتماد آپ کے اوپر ہے، مطلب ہمارا یہ ہے کہ اگر حضور کی جانب سے کفل الفقیہ
 شائع ہوا ہو تو آپ اپنے دست مبارک سے ہم کو جواب دیں تاکہ ان پر عمل کریں اور شک دور ہو جائے اور
 جب تک آپ کی طرف سے جواب نہیں آئے گا وہاں تک لوگوں کو بحث بھی رہے گی اور ہم لوگوں کے دل پر
 شک رہے گا تو آپ برائے خدا جلد جواب تحریر کریں۔

الجواب

رسالہ کفل الفقیہ الفاہم فقیر ہی کی تصنیف ہے مکہ معظمہ میں وہاں کے ایک عالم جدہ نے فقیر سے
 اس کا سوال کیا اور فقیر نے وہیں تصنیف کیا اور متعدد علمائے کرام مکہ مکرمہ نے اس کی نقلیں لیں پھر بعد
 واپسی فقیر نے اسے طبع کرایا پھر حاجی عیسیٰ خاں محمد صاحب نے مع ترجمہ چھپوایا، مدینہ طیبہ میں مصر کے دو جلیل عالموں
 مدرسین جامع ازہر نے اسے دیکھا اور فرمائش کی کہ اس کے نسخے ہم کو ضرور بھیج دو، ان کو بھیج دئے گئے، نوٹ کا
 مال ہونا اس رسالہ میں دلائل ساطعہ سے روشن کر دیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

باب بیع التلجیہ

(دکھلاوے کی بیع کا بیان)

مسئلہ ۲۶۹

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین صورتِ مسئلہ میں کہ زید نے ایک قطعہ مکان جس کا وہ مالک تھا بدستِ عمر و اپنی کسی مصلحت سے بلا وصولِ زر ثمن فرضی طریق سے بیعنا مر تصدیق کر دیا اور قبضہ اپنا بیع پر نہیں دیا ہے اور عمر و کی اب یہ خواہش ہے کہ میں اسی مکان کو زید کے فوت ہونے پر اس کے ورثہ کو ہبہ کر دوں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا اسی مکان کا ہبہ کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں، اور اگر ہبہ جائز ہے تو کن کن وجوہات میں واپس ہو سکتا ہے اور کس صورت سے واپس نہیں ہو سکتا۔ بتیو التوجروا

الجواب

عمر و کو اگر اقرار و تسلیم یا بینه عادلہ شرعیہ سے ثابت ہے کہ یہ بیع محض بطور فرضی کی گئی جسے بیع تلجیہ کہتے ہیں تو بیع شرعاً منعقد ہوگی و لہذا اگر عاقدین اسے جائز کر دیں، نافذ ہو جائیگی۔

فی الدر المنثور انہ بیع منعقد غیر لازم کالبیع بالخیار الخ و فی رد المحتار در مختار میں ہے کہ وہ بیع منعقد ہے مگر لازم نہیں جیسے خیار کے ساتھ بیع الخ اور رد المحتار میں

انہما لو اجازتاہ جانرا والباطل لا تحقہ
الاجازۃ الخ وقولہم باطل ای سیبطل
ان لم یجز کما حقناہ فیما
علقناہ علی سدا المحتاس۔

ہے کہ اگر عاقدین نے اس کی اجازت دے دی تو
جائز ہوگی حالانکہ باطل کو اجازت لاحق نہیں
ہوتی الخ اور فقہار کا قول کہ وہ بیع باطل ہے اس
کا معنی یہ ہے کہ عنقریب باطل ہو جائے گی اگر اس
کی اجازت نہ دی گئی جیسا کہ ہم نے ردالمحتار پر
اپنی تعلق میں اس کی تحقیق کی ہے (ت)

مگر جبکہ قبل اجازت زید نے وفات پائی اب بیع باطل محض ہوگئی؛

فان البیع الموقوف یبطل بموت المالك
بل والعاقدا ان لم یکن مالکا
کالفضولی ولا تصح اجازۃ ورثہ
بعده فی الدر المختار حکمہ
قبول الاجازۃ اذا کانت البائع و
المشتری والمبیع قائما وکذا یشترط
قیام صاحب المتاع ایضا فلا تجوز اجازۃ
وارثہ لبطلانہ بموتہ (ملخصا)

کیونکہ موقوف بیع مالک کی موت سے باطل ہو جاتی
ہے بلکہ عاقد اگرچہ وہ مالک نہ ہو اس کی موت سے
بھی باطل ہو جاتی ہے جیسے فضولی کی موت سے،
اور اس کی موت کے بعد اس کے وارث کی اجازت
سے بیع صحیح نہیں ہوتی، درمختار میں ہے اس کا حکم
یہ ہے کہ یہ اجازت کو قبول کرتی ہے جبکہ بائع ہشتری
اور بیع قائم ہوں اور اسی طرح مالک کا قائم ہونا بھی
شرط ہے چنانچہ اس کی موت سے بیع کے باطل
ہوجانے کی وجہ سے اس کے وارث کی اجازت نہیں (ت)

تو عمرو غیر مالک کا اس مکان کو وارثان زید خود مالکان کے نام ہبہ کرنا محض بے معنی ہے اور اگر براہ دیانت و
امانت اپنے ورثہ یا آئندہ خود اپنی بریت کے اندیشہ سے چاہتا ہے کہ بیعنامہ مصدقہ جو محض فرضی تھا بے اثر
ہو جائے تو اس کے لئے بھی اس ہبہ بے معنی کی ضرورت نہیں اعلان کرے اور گواہ کرائے یا اقرار نامہ تصدیق
کرا دے کہ میں اس مکان کا مالک نہیں میرے نام بیع صرف فرضی تھی یہ اظہار ہبہ سے محکم تر بھی ہوگا کہ ہبہ
کے لئے شرط ہیں پھر جب تک موانع ہبہ سے کوئی مانع نہ ہو اختیار رجوع بھی ہوتا ہے اور اگر صورت ہبہ
ہی اختیار کرے اس کی شکلیں اس طور پر کر دے کہ کوئی شرعی اعتراض نہ رہے نہ آئندہ اختیار رجوع ہو تو یہ

بھی ایک صورت اس مقصود محمود کے حصول کی ہے،

بیشک غلوں کا دار و مدار تو نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی۔ (ت)

وانما الاعمال بالنیات وانما لكل امرئ ما نوى یه

جس طرح نظر خلق میں وہ بیع صحیح نافذ ظاہر کی گئی یونہی نظر خلق میں یہ ہبہ تامہ لازمہ ظاہر ہوگا تو اندیشہ سے تحفظ ہو جائے گا۔ واللہ سبحنہ و تعالیٰ اعلم

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے مثلاً ایک قطعہ مکان و ایک حصہ دکان بدست بکر کسی وجہ خاص سے بیع فرضی بکر کے قبضہ تام واسطے بکر کے حاصل کر دیا اور یافت طلب یہ امر ہے کہ آیا بکر بہ سبب اس عقد فرضی کے مالک مکان و حصہ دکان کا شرعاً ہوگا یا نہیں؟ بتینا تو جروا۔

الجواب

فی الواقع اگر بئینہ شرعیہ یا اقرار بکر سے ثابت ہے کہ بیع فرضی طور پر کی گئی ہے تو بکر ہرگز مالک بیع نہیں

اگرچہ قبضہ برضاے بائع کیا ہو،

کیونکہ یہ بیع منعقد عاقدین کی اجازت پر موقوف ہے اور موقوف میں قبضہ سے ملکیت حاصل نہیں ہو سکتی جیسا کہ ہم نے رد المحتار پر اپنی تعلیق میں اس کی تحقیق کر دی ہے، اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ بہتر جانتا ہے (ت)

فانه بیع منعقد موقوف علی اجازاتہما
الموقوف لا یقدر الملك بالقبض
كما حققناه فیما علقناه فی رد المحتار۔
واللہ سبحنہ و تعالیٰ اعلم۔

باب بیع الوفاء

(بیع و فاء کا بیان)

مسئلہ از ریاست رامپور بزرگ ملا ظریف بنگلہ متصل مسجد مرسلہ مولوی محمد علیم الدین صاحب
اسلام آبادی ۱۸ جمادی الآخر ۱۳۱۲ھ

ما قولکم رحمکم اللہ سبکم فی جواز
بیع الوفاء والانتفاع به
هل هو جائز ام لا ، بیئتوا
بادلة الكتاب توجروا من الله
الوهاب فی یوم الحساب۔

آپ کا کیا ارشاد ہے اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے
بیع الوفاء کے جواز اور اس سے نفع حاصل
کرنے کے بارے میں، کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟
کتابوں کے حوالوں سے مدلل بیان فرمائیں، حساب
والے دن بہت عطا فرمانے والے اللہ تعالیٰ
سے اجر دئے جاؤ گے۔ (ت)

الجواب

المسئلة طویلة الاذیال كثیرة الاقوال
وسیعة المجال بعيدة المنال
وقد فصلناها بتوفیق الله تعالى
فی بعض تحریراتنا والذی تقررو

یہ مسئلہ لمبے دامنوں والا، بہت زیادہ اقوال والا
اور وسیع مباحث والا ہے، اور ہم نے اللہ تعالیٰ
کی توفیق سے اپنی بعض تحریروں میں اس کی تفصیل
بیان کر دی ہے اور وہ بات جو اس میں ثابت و

تحریرات بیع الوفاء سہن لایزید علیہ
 بشئ ولا یخالفہ فی شئ قال
 العلامة خیر الدین سہلی فی فتاواہ الذی
 علیہ الاکثرانہ سہن لایفترق عن الرهن
 فی حکم من الاحکام قال السید الامام
 قلت للامام الحسن الماتریدی قد فشا
 هذا البیع بین الناس وفيه مفسدة عظيمة و
 فتواک انہ سہن وانا ایضا علی ذلك فالصواب
 ان نجمع الائمة ونتفق علی هذا ونظہرہ بین
 الناس فقال المعتبر الیوم فتونا وقد ظہر بین
 الناس ذلك فمن خالفنا فلیبرز نفسه ولیقم
 دلیله وفيه اقوال ثمانية وعلی کونہ سہنا اکثر
 الناس سہا وفيها ایضا بیع الوفاء
 سہن الخ وفي العقود الدریة
 من کتاب النکاح باب الولی بیع
 الوفاء منزل منزلة الرهن الخ
 وفيها من الرهن بیع الوفاء منزل
 منزلة الرهن كما صرحوا به ثم
 ذکر نصوصا تدل علیہ
 فاذا لا یجوز لہذا الذی

ثابت شد ہے یہ ہے کہ بیع الوفاء رہن ہے نہ اس سے کچھ
 زائد اور نہ ہی کسی شئی میں اس کے مخالف ہے، علامہ
 خیر الدین سہلی نے اپنے فتاویٰ میں فرمایا کہ اکثر فقہاء اسی
 پر ہیں کہ یہ رہن ہے اور کسی حکم میں رہن سے جدا نہیں ہے۔
 سید امام کا قول ہے کہ میں نے امام ابو الحسن ماتریدی
 سے کہا کہ یہ بیع لوگوں میں پھیل گئی اور اس میں فساد عظیم
 ہے، جبکہ آپ کا فتویٰ ہے کہ یہ رہن ہے اور میں بھی
 اسی کا قائل ہوں تو بہتر ہے کہ ہم ائمہ کو جمع کر کے اس
 پر متفق کریں اور اس کو لوگوں میں ظاہر کریں تو انہوں
 نے فرمایا کہ آج ہمارا فتویٰ معتبر اور لوگوں میں ظاہر
 ہے لہذا جو ہماری مخالفت کرے اس کو چاہئے کہ
 وہ خود کو سامنے لائے اور دلیل قائم کرے۔ بیع الوفاء
 میں آٹھ اقوال ہیں اور اس کے رہن ہونے پر لوگوں
 کی اکثریت متفق ہے اور یہ بھی اسی میں ہے
 کہ بیع الوفاء رہن ہے الخ عقود الدریہ کتاب النکاح
 کے باب الولی میں ہے کہ بیع الوفاء بمنزلہ رہن کے
 ہے الخ اور اسی میں ہے کہ بیع الوفاء رہن کے
 بمنزلہ ہے جیسا کہ فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے
 پھر اس میں ایسی نصوص ذکر کی گئی ہیں جو اس کے رہن
 ہونے پر دلالت کرتی ہیں، تو ایسی صورت میں اس

۲۲۵-۲۶/۱

دارالمعرفة بیروت

کتاب البیوع

۱۰ فتاویٰ خیریہ

۲۲۶/۱

"

"

۱۱

۱۸/۱

ارگ بازار قندھار افغانستان

باب الولی

کتاب النکاح

۱۲ العقود الدریة

۲۵۲/۲

"

"

"

کتاب الرهن

۱۳

هو مشترصورة مرتھن معنی الانتفاع
بمشریہ المرھون مطلقا علی ما هو
الفتویٰ الان للعلم بمقاصد اهل
الزمان وقد علم شرعا ان المعهود عرفا
كالمعهود شرطاً كما افاده ههنا العلامة
السید الطحطاوی ثم العلامة السید
الشامی فی حواشی الدرر وقد افیت به و
هو الحق الواضح جہا س ا۔ واللہ سبحانہ
وتعالیٰ اعلم۔

اس شخص کے لئے جو بظاہر مشتری اور درحقیقت
مرتبہن ہے بالکل جائز نہیں کہ وہ اس خریدی ہوئی
مرتبہن شے سے نفع حاصل کرے اور اب اہل زمانہ
کے مقاصد کو جانتے ہوئے اسی پر فتویٰ ہے، اور
تحقیق یہ بات شرعاً معلوم ہے کہ جو چیز عرف میں
طے شدہ ہو وہ ایسے ہی ہوتی ہے جیسے اس کی
شرط لگائی گئی ہو جیسا کہ اس مقام پر علامہ سید
طحطاوی نے پھر علامہ شامی نے در کے حواشی میں
اس کا فائدہ دیا اور بیشک میں نے اسی پر فتویٰ

دیا، اور یہی واضح اور کھلا حق ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۲۴۲ از قصبہ منڈوا ضلع فتحپور مرسلہ حافظ محی الدین صاحب ۱۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے عمر کی کچھ جائیداد اس طرح پر لیا کہ عمر جب روپیہ
زید کا ادا کر دے تو اپنی جائیداد واپس لے اور جب تک روپیہ ادا نہ ہو تب تک زید اس جائیداد کا لگان
گورنمنٹی اسی جائیداد سے ادا کرے اور جو روپیہ اس جائیداد کا لگان گورنمنٹی سے بڑھے وہ روپیہ زید اپنے
تصرف میں لاکر یا کرے تو روپیہ بڑھتی کا زید کو لینا جائز ہے یا نہیں، سود ہوگا یا نہیں؟ اگر سود ہوگا تو ان
لوگوں کی نماز جو سود لیتے نہیں ہیں صرف مہاجنوں کو سود دیتے ہیں زید کے پیچھے ہوگی یا نہیں؟

الجواب

یہ صورت بیع بالوفاء کی ہے اور اس کا حکم مثل رہن کے ہے اور اس سے جو منفعت حاصل ہو
حرام ہے، حدیث میں فرمایا،

حل قرض جرم منفعۃ فهو سلب۔ جو قرض نفع کھینچنے وہ سود ہے۔ (ت)

اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے اگرچہ مقتدی بھی سود لینے یا دینے والے ہوں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۲۴۳ از ریاست چھتاری مدرسہ محمودیہ ضلع بلند شہر مرسلہ امیر حسن طالب علم ۴ رجب ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی کوئی زمین یا مکان یا دکان عمر کے ہاتھ

بعض سو روپیہ کے فروخت کی اور باقاعدہ بیعنامہ لکھ پڑھ دیا مگر بیعنامہ سے پہلے یا بعد بائع نے مشتری سے یہ وعدہ پختہ لے لیا کہ جب میں تجھے تیرا زرمین پورا پورا ادا کروں تو تو مجھے میری بیع واپس کر دینا اور تاواپسی تو بیع سے فائدہ اٹھاتے جانا، مشتری نے اس بات کو لطیف خاطر پسند کر لیا تو کیا یہ بیع جائز ہے اور مشتری کو تاواپسی بیع سے فائدہ اٹھانا جائز ہے یا کیا؟

الجواب

اگر واقع میں انہوں نے بیع قطعی کی ہے اور اس میں یہ شرط ملحوظ نہیں، بیع سے جدا یہ ایک وعدہ ہو لیا تھا بیع صحیح ہوئی اور اس سے انتفاع مشتری کو جائز، ورنہ تحقیق یہ ہے کہ وہ بیع نہیں بلکہ رہن ہے اور مشتری کو اس سے انتفاع حرام، یہ بیع صحیح بلا وعدہ ہونے کی صورت یہ ہے کہ اگر یہ قرارداد عقد سے پہلے ہوا تھا تو عقد کرتے وقت یہ کہہ لیں کہ ہم اس قرارداد سے باز آئے اب بیع قطعی کرتے ہیں اور اگر عقد کے بعد یہ قرارداد ہو تو بصورت شرط نہ ہو بلکہ صرف ایک وعدہ، ردالمحتار میں ہے:

جامع الفصولین میں ہے کہ اگر بیع کا ذکر بلا شرط کیا پھر شرط کو بطور وعدہ ذکر کیا تو بیع جائز ہے (ت)

وفي جامع الفصولین ایضاً لودکر البیوع بلا شرط ثم ذکر الشرط علی وجد العدة جاز البیوع۔

اسی میں ہے:

جامع الفصولین میں یہ بھی ہے کہ اگر عاقدین نے عقد سے پہلے کوئی شرط فاسد لگائی پھر عقد کیا تو عقد باطل نہ ہوگا، میں کہتا ہوں کہ اگر وہ دونوں عقد کی بناء اس شرط فاسد پر کرنے پر متفق ہوئے تو عقد فاسد ہونا چاہئے جیسا کہ فقہاء نے بیع ہزل کے بارے میں تصریح کی ہے جیسا کہ عنقریب بیع کی بحث کے آخر میں آئے گا۔ علامہ خیر الدین رملی سے ان دو شخصوں کے بارے میں سوال کیا گیا جنہوں نے عقد سے پہلے بیع الوفا کی شرط ٹھہرائی پھر اس شرط سے خالی عقد کیا تو آپ نے

فی جامع الفصولین ایضاً لوشروطا شرطاً فاسداً قبل العقد ثم عقداً لم یبطل العقد اه قلت وینبغی الفساد لو اتفقا علی بناء العقد علیہ کما صرحوا بہ فی بیع الهزل کما سیاتی آخر البیوع وقد سئل الخیر الرملی عن رجلین تواضعا علی بیع الوفاء قبل عقده وعقداً البیوع خالیاً عن الشرط فاجاب بانہ صرح

وہی جواب دیا جس کی تصریح خلاصہ، فیض اور
تتارخانیہ وغیرہ میں کی گئی ہے یعنی یہ بیع اس شرط پر ہوگی
جو انھوں نے ٹھہرائی تھی۔ اور اللہ تعالیٰ بہتر
جانتا ہے۔ (ت)

فی الخلاصة والفیض والتتارخانیة
وغیرہا بانہ یكون علی ما تواضعنا۔ واللہ
تعالیٰ اعلم۔

باب متفرقات البیع

(بیع کے متفرق احکام)

مسئلہ ۲۴۴ از موضع دیورنیاں

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قیمت مقررہ اسٹامپ سے زیادہ لینا رشوت ہے یا نہیں؟
بیٹو اتوجروا۔

الجواب

یہ رشوت نہیں بلکہ اپنی خرید پر نفع لینا ہے مگر کلام اس میں ہے اسٹامپ بیچنا خود ہی کہاہت سے خالی معلوم نہیں ہوتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۲۴۵ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے اپنی جائداد بدست زید اپنے سوتیلے بیٹے کے فروخت کی اور قیمت اس کی وصول پا کر پھر زید کے پاس امانت رکھ دی زید نے عیب رہا ہوا مقرر کر دی، ہندہ نے کہا کہ مشاہرہ مجھے کیونکر دیتے ہو، کہا اسے آپ اس جائداد کی توفیر تصور فرمائیے، اس کا جواب ہندہ نے دیا کہ جب اس کی میں مالک نہ رہی تو توفیر کیسی، اس پر کہا کہ میں اپنے پاس سے یہ خدمت کرتا ہوں، ہندہ نے کہا یہ معطل بالغرض ہے اور میرے لئے ناجائز، آیا ہندہ کے لئے یہ رقم لینا ناجائز ہے یا جائز؟ بیٹو اتوجروا۔

الجواب

جاندا و طبیعہ کی توفیر یعنی تو صریح ناجائز جس سے ہندہ خود انکار کرتی ہے، اور بطور خدمت اگر دینا واقعی ہو لینا جائز، اور اس کی واقعیت کی یہ نشانی ہے کہ زید اس سے پہلے بھی ہندہ کی اس قدر خدمت کرتا ہو یا اب ہندہ اپنا یہ روپیہ واپس لے لے تو بھی بدستور خدمت کرتا رہے اور اگر ایسا نہ ہو تو اس کا یہ کہنا کہ بطور خدمت دینا ہوں زبانی کہنا ہے بلکہ اس صورت میں ہندہ کا خیال صحیح ہے کہ وہ اسی غرض سے دیتا ہے کہ ہندہ اپنی یہ رقم کثیر نہ مانگے اور تاحیات ہندہ اسی ماہوار پر ٹالے اس نیت سے دینا دینے والے کو تو صریح ناجائز، اور ہندہ اسے اگر اپنے زرامانت میں مجرا کر کے لیتی رہے تو مضائقہ نہیں ورنہ اس کا لینا بھی روا نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۷۶ مرسلہ مولوی احسان حسین صاحب از مسجد جامع ۹ رجب ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس صورت میں کہ ایک تاجر کتب فروش نے دوسرے تاجر مشتری کو بقلم خود یہ عبارت تحریر کی کہ قرآن مجید مرتضوی مترجم کی اگر آپ سو جلد طلب فرمائیں گے تو بارہ آنے فی جلد کے حساب سے دیا جائے گا اور قرآن شریف مرتضوی کا نرخ تاجر انہ خاص آپ کو لکھا گیا ہے انتہی عبارتہ اور اس کارڈ پر اپنے دستخط کئے علاوہ اس کے اور کارڈوں پر بھی ان کے دستخط موجود ہیں، جب ان سے جلدیں قرآن شریف کی حسب التحریر ان کے طلب کیں تو اپنی تحریر سے صاف انکار کر گئے کہ نہ میں نے لکھا اور نہ دستخط کئے، تو آیا شرع شریف میں ایسے شخص کے واسطے کیا حکم ہے اور ایفائے وعدہ واجب اور لازم ہے یا نہیں؟ اور معہود کو حتی مطالبہ پہنچ سکتا ہے یا نہیں؟ اور فیما بین تجاروں کے ہزار ہا روپیہ کا تبادلہ ہوا کرتا ہے اور اس سے کوئی منحرف نہیں ہوتا ہے، اور یہ فیما بین تجار کے قرارداد و ائق ہوتا ہے۔
بتینوا توجروا۔

الجواب

اگر واقع میں اس نے لکھا اور دستخط کئے تھے تو انکار کرنے سے جھوٹ بولنے کا گنہگار ہوا مگر وفائے وعدہ پر جبری مطالبہ نہیں پہنچتا۔ فتاویٰ خانہ و فتاویٰ ظہیریہ و فتاویٰ عالمگیریہ وغیرہا میں ہے :
ان انجز وعدہ کان حسنا و الا فلا یلزمہ الوفاء اور اگر وعدہ کو پورا کرے تو بہتر ہے ورنہ وعدوں کو بالمواعید۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔
پورا کرنا اس پر لازم نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مسئلہ ۲۷۷ از سرنیاں ضلع بریلی مرسلہ امیر علی صاحب قادری ۲ رجب ۱۳۳۱ھ
اکثر لوگ تزکاری خریدنے کے بعد جھگڑا کر کے زیادہ لیتے ہیں۔

الجواب

جھگڑے کی اجازت نہیں، اور زیادہ مانگنا بھی سوال میں داخل ہے، ہاں بطور خود اپنی خوشی سے زیادہ
دے دے تو حرج نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتاب الکفالة

(ضامن بننے کا بیان)

مسئلہ ۲۷۸ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی قدر قرض بکر کا ذمہ عمر کے ہے، زید نے کہا اسے میں ادا کر دوں گا، عمرو نے بھی اسے قبول کر لیا، بکر نے کہا عمرو میرے مطالبہ سے بری ہوا میں تجھ سے لوں گا، اس صورت میں بکر کو زید سے اس قرضہ کے مطالبہ کا اختیار ہے یا نہیں؟ بتینوا تو جروا۔

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں زید اس قرضہ بکر کا جس کے ادا کا اس نے وعدہ کیا اگر لفظ صرف اسی قدر تھے کفیل نہ ہوا کہ یہ مجرد وعدہ ہے اور وعدہ بے تعلق بشرط لازم نہیں ہوتا اور بکر کا اس سے کہنا کہ عمرو میرے مطالبہ سے بری ہوا میں تجھ سے لوں گا اور زید کا اس پر سکوت کرنا اول تو سکوت قول نہیں اور ہو بھی تو اس کی غایت اس قدر کہ زید نے قول بکر قبول کیا گویا اس نے کہا تو مجھ سے لینا یہ بھی ایک امر ہے جس کا حاصل وعدہ ہے کہ میں دوں گا اور اس قدر سے کفالت ثابت نہیں ہوتی۔ عالمگیری میں محیط سے ہے :
اذا قال انچه ترا بر فلان ست من بدہم فہذا وعد
لا کفالة لہ
اگر کہا جو کچھ تمہارا فلاں پر لازم ہے وہ میں دوں گا
تو یہ وعدہ ہے کفالت نہیں۔ (د)

اسی میں نقل محیط فتاویٰ امام نسفی سے ہے:

کسی نے دوسرے سے کہا تیرا وہ قرض جو فلاں پر ہے وہ میں دوں گا، میں تیرے سپرد کروں گا، میں ادا کروں گا، وہ کفیل نہیں بنے گا جب تک کوئی ایسا لفظ نہ کہے جو التزام پر دلالت کرتا ہو مثلاً میں کفیل ہوں، میں ضامن ہوں، مجھ پر لازم ہے یا میرے ذمے ہے۔ امام ظہیر الدین حسن بن علی مرغینانی کہتے تھے اگر یہ الفاظ بطور تنجیز کے تو کفیل نہ ہو گا اور اگر بطور تعلیق کے مثلاً یوں کہے کہ تیرا جو دین فلاں پر ہے اگر اس نے نہ دیا تو میں ادا کروں گا یا میں دوں گا، تو کفیل ہو جائے گا۔ (ت)

من قال لغيره ان الدين الذي لك على فلان انا ادفعه اليك انا اسلمه اليك انا اقصيه لا يصير كفيلا ما لم يتكلم بلفظ يدل على الالتزام نحو قوله كفلت ضمانت علي الى وكات الشيخ الامام ظهير الدين الحسن بن علي المرغيناني يقول اذا اتى بهذه الالفاظ منجزا لا يكون كفالة واذا اتى بها معلقا بان قال ان لم يؤد فلان مالك عليه فانا اودي فانا ادفع يصير كفيلا.

ایسا ہی خزانۃ المفتیین میں ہے اور اسی پر بزاز نے حرم فرمایا:

یہ کہتے ہوئے، یہ بات معلوم ہے کہ وعدے جب تعلیق کی صورت اختیار کریں تو ان کو پورا کرنا لازم ہوتا ہے اس کو حامد یہ میں نقل کیا اور عقود ذریعہ میں برقرار رکھا۔ (ت)

قائلا لما علم ان المواعيد باكتساء صورة التعليق تكون لانرامة اه ونقله في الحامدية واقرة في العقود الدرية.

ہاں اگر زید نے یہ کہا کہ یہ نہ دے تو میں ادا کروں گا تو بلاشبہ بجز اس قدر روپیہ کا زید سے مطالبہ کر سکتا ہے اور بکر کا عمر کو مطالبہ سے بری کر دینا زید کو بری نہ کر دے گا، اگر البتہ عمر کو قرضہ سے بری کر دیتا تو زید پر بھی مطالبہ نہ رہتا۔

در مختار میں قنیہ سے منقول ہے کہ قرض دہندہ نے کفیل سے قرض کا مطالبہ کیا تو اس نے کہا کہ صبر کرو تاکہ اصیل آجائے، اس پر قرض دہندہ نے

في الدر المختار من القنية طالب الدائن الكفيل فقال له اصبر حتى يجي الاصيل فقال لا تعلق

لی علیہ انما تعلق علیک هل یدراً اجاب
نعم وقیل لا وهو المختار۔

کہا میرا اس سے کوئی تعلق نہیں میرا تعلق تو تیرے
ساتھ ہے، کیا اس صورت میں اصل بری ہو جائیگا؟
جواب: یا ہاں، اور ایک قول یہ ہے کہ بری نہیں ہوگا اور
یہی مختار ہے۔ (ت)

اور جبکہ وقت کفالت عمر و نے بھی اسے جائز رکھا تو اب زید اس سے اس قدر زریں رجوع کر سکتا ہے گو یہ
کفالت بامر عمر و واقع نہ ہوئی،

در مختار میں ہے اگر مدیون کے امر سے کفیل بنا تو اس
پر رجوع کر سکتا ہے اور اگر اس کے امر کے بغیر کفیل
بنا تو رجوع نہیں کر سکتا تبرع اور احسان کی وجہ سے
مگر جب مجلس کے اندر مدیون نے اجازت سے دی
تو رجوع کر سکتا ہے، عمادیہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ت)

فی الدر المختار ولو کفل بامرہ مرجع علیہ
بما دی وان بغیرہ لایرجع لتبرعہ
الا اذا اجاز فی المجلس فیرجع عمادیہ
واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۷۹ از ریاست رام پور مرسلہ منشی محمد واحد علی صاحب پیشکار حاکم مال ریاست ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۱۶ھ
مطاع و مخدوم عالم جناب معظم و محترم زید افضالہ بصداب تسلیم اوصاف حمیدہ جناب عالی مخدومنا
جناب حافظ محمد عنایت اللہ صاحب سے سن کر عزم ہوا کہ خود ہی حاضر ہو کر اپنا ماہر عرض کروں لیکن ارادۃ اللہ
غالبہ علی ارادۃ العباد "اسی وقت ایک تار ضروری لکھنؤ سے آگیا جس نے اس وقت حاضری سے مجبور کر دیا
مجبوراً اپنے معتمد محمد رضا خان صاحب کو خدمت عالی میں ضرورت حال کے لئے بھیجا پڑا۔ ۶ فروری ۱۸۹۹ء
کو ایک شخص کی حاضر ضمانت کر لی ۱۸ فروری تک کے لئے، جس کے الفاظ بعینہ سوال فتویٰ میں درج ہیں،
۱۸ فروری گزر گئی نہ عدالت نے مکفول عنہ کو مجھ سے کسی وقت ۱۸ یا ۱۸ کے اندر طلب کیا نہ مدعی نے اس مدت
میں کسی قسم کی اطلاع عدالت میں کی، اب ڈھائی مہینے کے بعد ہنگام اجراء ڈگری مدعی مجھ سے روپیہ
طلب کرتا ہے اور شرعاً مدعی کا وکیل یہ ثابت کرتا ہے کہ چونکہ ضمانت نامہ میں لفظ "من" نہیں درج ہے
لہذا بعد ۱۸ فروری بھی یہ ضمانت باقی رہی، حضور والا! اس زمانے میں ان قیود کے ساتھ الفاظ کسی
جگہ ضمانت میں نہیں دیکھے گئے عرف کے مطابق یہ نیت خالص صرف ۱۸ فروری تک کے لئے ضمانت

۶۵/۲
۶۴/۲

مطبع مجتہاتی دہلی

کتاب الکفالت

لے در مختار
۶

کی تھی، مخدومی جناب حافظ عنایت اللہ صاحب کی خدمت میں ارادت ہے میں نے سچی کیفیت اپنی عرض کی، فرمایا کہ جو کچھ یہاں ممکن ہے لکھا جاتا ہے لیکن ہندوستان میں اگر کوئی قوت ان جزئیات کی کر سکتا ہے تو جناب مولوی احمد رضا خان صاحب ہیں، بنظر رحم حضور کی چشم کرم سے امید ہے کہ میری اس وقت کی پریشانی میں جو امداد ہو دیر لگ نہ فرمائیں گے تا بعد از محمد واحد علی عبارت ضمانت نامہ بعینہ درج ذیل ہے جو کہ محمد بیگم نے دعویٰ المال سے بنام سید محمد امیر دائر عدالت کیا ہے اور ان سے ضمانت حاضری طلب ہے لہذا اقرار کرتا ہوں کہ ۱۸ فروری سنہ حال تک ان کا حاضر ضامن ہوں ۱۸ تاریخ تک مدعا علیہ شہر سے نہیں بھاگیں گے اگر بھاگ گئے تو مطالبہ مدعیہ کا میں ذمہ دار ہوں۔ ۶ فروری ۱۸۹۹ء

الجواب

مکرمی محترمی منشی صاحب زید مجید بعد اوائے مراسم سنت ملتس، فتویٰ نظر فقیر سے گزرا میں اس امر میں یکسر متفق ہوں کہ صورت مذکورہ میں ضمانت حاضری ۱۸ فروری تک منتہی ہوگئی اگرچہ جواب ظاہر الروایۃ اس کے خلاف ہے مگر اب عرف و مقاصد ناس قطعاً اسی پر حاکم اور اتباع عرف واجب و لازم، تو یہ حقیقۃً مخالفت ظاہر نہیں بلکہ زمان برکت نشان حضرات ائمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں عرف دائر و سائر یوں ہوتا تو ہم جرم کرتے ہیں کہ حکم ظاہر الروایۃ ضرور مطابق روایت امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوتا ولہذا ائمہ تصحیح نے اس روایت پر اسی وجہ سے فتویٰ بھی دیا ہے کہ وہ اشبہ بعرف ناس ہے۔ اسی لئے علماء نے فرمایا:

من لم يعرف اهل زمانه فهو جاهل۔ جو اہل زمانہ کو نہیں جانتا وہ جاہل ہے (ت)
 علامہ محقق شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کی تحقیق بروجہ شافی و کافی فرمادی ہے مگر یہاں حقیقت امر یہ ہے کہ دو کفالتیں ہیں، ایک کفالتہ بالنفس یعنی حاضر ضامن، وہ ۱۸ فروری تک موقت ہے اور اس روایت و عرف کی رو سے بعد ۱۸ کے ختم ہوگئی۔ دوسری کفالتہ بالمال کہ اگر بھاگ گئے تو مطالبہ مدعیہ کا میں ذمہ دار ہوں اس میں اگر توقيت بنظر ماسبق ہے تو جانب شرط میں ہے یعنی اگر ۱۸ فروری تک بھاگ گئے تو مال کا ضامن میں ہوں، اور کفالت کی ایسی شرط کے ساتھ تعلیق جائز ہے، فی الہدایۃ الاصل انہ یصح تعلیقہا بشرط ملائم لہا مثل ان یکون شرطاً لوجوب ہدایہ میں مذکور ہے کفالت کو اس کی مناسب شرط کے ساتھ معلق کرنا صحیح ہے مثلاً وہ شرط و وجوب حتیٰ

الحق كقوله اذا استحق المبيع اولاً مكات
الاستيفاء مثل قوله اذا قدم من يرد وهو
مكفول عنه اولتغذر الاستيفاء مثل قوله
اذا غاب من البلدة

کے لئے ہو جیسے اس کا کہنا کہ جب طبع میں استحقاق
ثابت ہو جائے یا وہ شرط وصولی کے امکان کے لئے
ہو جیسے اس کا کہنا کہ جب زید آجائے جبکہ وہ زید
ہی مکفول عنہ ہو یا وہ شرط وصولی کے تغذر کے لئے
ہو جیسے اس کا کہنا کہ وہ شہر سے غائب ہو گیا (ت)

اور یہ صاحب جو آپ کا لطف نامہ لائے ان کے بیان سے معلوم ہوا کہ مدعا علیہ مدت کے اندر ہی فرار
ہو گئے اگر یہ حق ہے تو شرط مستحق ہوئی، پس اگر مطالبہ سے مراد زر دعویٰ تھا تو اس صورت میں فقیر کے نزدیک
مال لازم ہو گیا اگرچہ بعد ۱۸ فروری کے کفالت نفس زائل ہو جائے اگرچہ یہاں اصل وہی تھی اور کفالت بالمال
اس کی تابع و تاکید تھی کہ جب بوجہ وجود شرط مال لازم ہو گیا تو اب اس کی سبیل ادا ہونا ہے یا طالب کی طرف
سے معافی و گریح،

بزازیہ میں ہے کہ کوئی شخص کفل بالنفس بنا اس شرط
پر کہ اگر مکفول عنہ غائب ہو گیا تو مال اس (کفیل)
کے ذمے ہے بعد ازاں مکفول عنہ غائب ہو گیا پھر
لوٹ آیا اور کفیل نے اس کو دائن کے حوالے کر دیا
تب بھی بری نہ ہو گا کیونکہ مشروط کے پائے جانے
سے مال اس پر لازم ہو گیا تو اب ادائیگی یا صاحب حق
کی طرف سے معافی کے بغیر بری نہ ہو گا۔ واللہ تعالیٰ

فی البزازیة کفل بنفسه علی ان المكفول
عنه اذا غاب فالمال علیہ فغاب المكفول
عنه ثم رجع وسلمه الی الدائن لایبرأ
لان المال بحلول المشروط لزمه
فلا یبرأ الا بالاداء والایراء۔ و اللہ
تعالیٰ اعلم۔

اعلم (ت)

مسئلہ ۲۸۰ از ریاست رامپور متصل موتی مسجد مرسلہ منشی واحد علی صاحب پیشکار محکمہ مال
غزہ محرم الحرام ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے زید پر محکمہ دیوانی میں المال علیہ کی ناش کی،
حاکم نے بغرض امتحان زید سے حاضر ضمانتی طلب کی، خالد نے ۶ فروری ۱۸۹۹ء کو ضمانت نامہ باں عبارت

لہ الہدایۃ

کتاب الکفالتہ

مطبع یوسفی لکھنؤ

۱۱۸/۳

۸/۶

نورانی کتب خانہ پشاور

کتاب الکفالتہ

مکملہ فتاویٰ بزازیہ علی ہاشم فتاویٰ ہندیہ

لکھ دیا جو کہ محمدی بیگم نے دعویٰ الیحد سے، کا بنام سید محمد امیر دار عدالت کیا ہے اور ان سے ضمانت حاضری طلب ہے، لہذا اقرار کرتا ہوں کہ ۱۸ فروری سنہ حال تک میں ان کا حاضر ضامن ہوں ۱۸ تاریخ تک علیہ شہر سے نہیں بھاگیں گے، اگر بھاگ گئے تو مطالبہ مدعیہ کا میں ذمہ دار ہوں، بنا براں یہ حاضر ضامن لکھ دی کہ سند ہو، المرقوم ۶ فروری ۱۸۹۹ء، مگر جس وقت خالد نے زید کی ضمانت حاضری کی اور کفالت نامہ مذکور لکھا اس وقت نہ مدعیہ موجود تھی نہ اس کا کوئی وکیل نہ پیر و کار بلکہ حاکم دیوانی بھی نہ تھے، خالد نے بوجہ زید مکفول عنہ کفالت نامہ لکھا جس پر سرشتہ دار نے بہ حکم ضابطہ لکھ دیا کہ مقرر نے بحاضری خود اصالۃً شناخت گواہان حاشیہ تصدیق کی حکم ہوا کہ ناظر مدعا علیہ کو سپرد حاضر ضامن کریں ۶ فروری ۱۸۹۹ء، اس پر ناظر نے یہ کیفیت لکھی کہ منشی واحد علی صاحب ضمانت تصدیق کر اگر محکمہ مال میں چلے گئے مدعا علیہ بھی بعد داخل ہو جانے ضمانت کے عدالت سے چلا گیا لہذا تعمیل سپردگی سے معذور ہوں ۶ فروری ۱۸۹۹ء اس پر حکم لکھا گیا کہ شامل مسل ہو، ۶ فروری ۱۸۹۹ء اس کے سوانہ کوئی قبول منجانب مدعیہ واقع ہوا نہ اسے کوئی اطلاع اس کفالت کی دی گئی نہ ۱۸ فروری تک مدعیہ خواہ حاکم کسی نے مدعا علیہ کو کفیل سے طلب کیا نہ اس سے کچھ تعرض واقع ہوا ۱۸ فروری کو حاکم نے مدعیہ سے بوجہ کمی اسٹامپ دعویٰ نام مکمل قرار دے کر تکمیل اسٹامپ چاہی، جب مدعا علیہ نے دیکھا کہ ۱۸ فروری خالد کے منشاے کفالت تھی گزر گئی اور ضمانت ختم ہو گئی اور اس وقت تک کوئی مطالبہ نہ ہوا اپنے نفس کو قید ضمانت سے فارغ پا کر شہر سے فرار کیا ایک مدت کے بعد جب مدعیہ نے دیکھا کہ مدعا علیہ پر قابو نہ رہا بچیلہ کفالت خالد سے مواخذہ شروع کیا اب مدعیہ کی طرف سے اس اقرار پر زور دیا جاتا ہے کہ ضمانت نامہ میں صرف انتہائے مدت کا ذکر ۱۸ فروری تک میں ضامن ہوں ابتداءً مدت کا نام نہیں کہ اب سے یا آج سے یا فلاں تاریخ سے ۱۸ تک میں ضامن ہوں ایسی صورت میں ظاہر الروایۃ یہ ہے کہ ضمانت اس تاریخ پر منہی نہ ہوگی بلکہ اس کے بعد ہمیشہ کے لئے ضامن ہے لہذا ہمیں اس سے مطالبہ کرنا پہنچتا ہے مدعیہ نے جو فتویٰ لکھوایا اس میں بطور تقدم بالحفظ یہ بھی ذکر کیا ہے کہ مدعا علیہ ۱۸ فروری سے پہلے فرار ہو گئے حالانکہ اس وقت تک کچھری میں اس کا کوئی ذکر نہ کیا نہ ہرگز ۱۸ سے پہلے فرار کا کوئی ثبوت ہے بلکہ حاکم بالانے ۱۸ کے بعد ایک حکم میں زید کی نسبت اب فرار ہونا لکھا ہے، پس علمائے دین کی خدمت میں استفسار ہے کہ اس صورت میں بعد ۱۸ فروری کے مدعیہ کو خالد پر حاضر ضامن مدعا علیہ کا یا زید دعویٰ کا مطالبہ پہنچتا ہے یا نہیں، بتینا تو جہودا

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب صورت مستفسره میں کفالت بالنفس بھی بعد ۱۸ فروری کے زائل اور کفالت بالمال کا خالد سے مطالبہ بھی بے اصل و باطل تحقیق مقام یہ کہ کفالت دو ہیں۔

(۱) کفالت بالنفس یعنی حاضر ضامنی جو اس کفالت نامہ کا اصل مفاد و مقصود و مراد ہے۔
 (۲) کفالت بالمال یعنی مال ضامنی جو اگر مستفاد ہو تو ان لفظوں سے کہ ۸۱ تک مدعا علیہ شہر سے نہ بھاگیں گے مطالبہ مدعیہ کا میں ذمہ دار ہوں۔

ہم یہاں دونوں کفالتوں پر کلام محققانہ کریں کہ بعونہ تعالیٰ حکم شرعی واضح ہو وباللہ التوفیق۔
 کفالت بالمال کا مطالبہ ہندہ کو خالد پر اصلاً نہیں پہنچتا بوجہ :

وجہ اول : خالد نے یہ نہ لکھا کہ اگر زید بھاگ جائے تو ہندہ کے دین یا مال یا زر دعویٰ یا اس قدر روپے کا میں ذمہ دار ہوں بلکہ مطالبہ کا ذمہ دار ہوا اور مطالبہ و دین میں فرق بدیہی ہے ، بزازیہ میں فرمایا :

الكفالة في اللغة الضم و ذلك قد يكون
 في المطالبة لا في اصل الدين كما
 في الوكيل مع المؤكل الدين للموكل و
 المطالبة للوكيل
 کفالہ لغت میں ملانے کو کہتے ہیں اور وہ کبھی مطالبہ
 میں ہوتا ہے اصل دین میں نہیں ہوتا جیسے موکل کے
 ساتھ وکیل کہ دین موکل کے لئے ہے اور مطالبہ
 وکیل کے لئے۔ (ت)

اور مطالبہ کے معنی حقیقی طلب و تقاضا اصل زبان عربی میں بھی اسی لئے وضع ہے اور فارسی وارد
 میں بھی اس معنی حقیقی پر عام محاورات میں علی وجہ الاستہادۃ و سائر ، اگر چہ اردو میں مجازاً آتے ہوئے مال
 کو بھی کہتے ہوں مطالبہ یعنی مال قابل مطالبہ۔ مگر معنی حقیقی یقیناً معروف و مشہور ہیں جن کی نسبت کسی جاہل
 کو بھی ہجر کا وہم تک نہیں ہو سکتا اور اصول فقہ میں مبرہن ہو چکا کہ ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ
 کے نزدیک مطلقاً اور ایسی جگہ باتفاق ائمہ کرام حقیقت مجاز پر واجب التقدیم ہے جب تک معنی اصل
 بنیں مجاز پر حمل جائز نہیں ، تو حاصل کلام خالد صرف اس قدر ہوا کہ وہ ۸۱ تک شہر سے بھاگ گئے
 تو مدعیہ کے لئے ان سے طلب و تقاضے کا میں ذمہ دار ہوں اسے کفالت مال سے کچھ تعلق نہیں بلکہ
 صرف تقاضے کا وعدہ ہے خالد کو چاہئے زید سے تقاضا کرے نہ یہ کہ زید سے نہ ملے تو خالد اپنے پاس
 سے دے۔

ہندیہ میں محیط کے حوالے سے نوادر ابن سماعہ میں
 منقول امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول مذکور
 ہے کہ ایک شخص کا دوسرے کے ذمے کچھ مال

في الهندية عن المحيط عن نوادر
 ابن سماعه عن الامام محمد رضي الله
 تعالى عنه رجل له على رجل

لہ فتاویٰ بزازیہ علی ہاشم فتاویٰ ہندیہ کتاب الکفالتہ نورانی کتب خانہ پشاور ۲/۶

مال فقال رجل للطالب ضمانت لك ما على فلان انا قبضه منه وادفعه اليك قال ليس على هذا ضمان المال ان يدفعه من عنده انما هذا على ان يتقاضاه و يدفعه اليه وعلى هذا معاني كلام الناس و نحوه في الخلاصة وغيرها.

قرض تھا، ایک تیسرے شخص نے طالب قرض سے کہا جو تمہارا فلاں پر قرض ہے میں تیرے لئے اس کا ضامن ہوں، میں اس سے وصول کروں گا اور تجھے دے دوں گا۔ امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اس پر مال کا ضمان لازم نہ ہوگا کہ اپنے پاس سے دے بلکہ یہ مدیون سے طلب کر کے طالب کو دے گا اور انہی معانی پر لوگوں کا کلام جاری ہے اور خلاصہ وغیرہ میں اسی کی مثل ہے۔ (ت)

امام شمس الائمہ کردری و جیز میں فرماتے ہیں:

قال للطالب ضمانت لك ما على فلان ان قبضه منه وادفعه اليك ليس بكفالة ومعناه ان يتقاضاه له و يدفعه اليه اذا قبضه منه على هذا معاني كلام الناس اهـ۔

کسی شخص نے طالب دین سے کہا جو تیرا فلاں پر قرض ہے میں تیرے لئے اس کا ضامن ہوں کہ اس سے وصول کر کے تجھے دوں گا تو یہ کفالت نہیں بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ مدیون سے مطالبہ کرے گا اور جب اس سے وصول کر لے گا تو طالب قرض کو دے دیگا اور یہی مطلب ہوتا ہے لوگوں کے کلام کا (ت)

نیز اس میں اور فتاویٰ القرویہ وغیرہ میں ہے:

قال رجل لصاحب المال من ضمان كردم و پذیرفتم کہ باغ ویرا فروشم و ایس مال بتو دہم او قال ضمانت اخذ المال من ترکته و اوفیک لا تصح الکفالة وان ضمن على ان یبیع مال نفسه و یوفیه هذا المقدار صح و یجبر على البیع و قضاء المقدار۔

کسی شخص نے صاحب مال سے کہا میں ضامن ہوں اور میں اس بات کو قبول کرتا ہوں کہ میں مدیون کے باغ کو فروخت کروں گا اور یہ مال تجھے دوں گا، یا یوں کہا کہ میں اس کے ترکہ سے مان لے کر تجھ کو دوں گا تو کفالت صحیح نہیں اور اگر وہ ضامن بنا اس طور پر کہ اپنا مال بیچ کر قرض کی مقدار طالب قرض کو دے گا تو کفالت صحیح ہے چنانچہ اس کو مال بیچنے اور قرض کی مقدار طالب کو دینے پر مجبور کیا جائیگا۔ (ت)

۲۵۴/۳

نورانی کتب خانہ پشاور

لے فتاویٰ ہندیہ کتاب الکفالتہ الباب الثانی

۸/۶

” ” ” ” ” ” ” ”

لے فتاویٰ بزازیتہ علی ہاشم فتاویٰ ہندیہ کتاب الکفالتہ الباب الثانی

۱۴-۱۵/۶

” ” ” ” ” ” ” ”

” ” ” ” ” ” ” ”

وجہ دوم، اگر بالفرض برخلاف حکم متفق علیہ خواہی نخواہی معنی مجاز ہی پر حمل کیجئے تو یہ کفالت بالمال ۱۸ تک بھاگنے پر معلق تھی جب اس مدت میں فرار ثابت نہیں تو لزوم مال کی کوئی صورت نہیں کہ تعلیق کفالت کی ایسی شرط پر صحیح ہے اور اذافات الشروط المشروط اصل کلی صریح (جب شرط فوت ہو جائے تو مشروط بھی فوت ہو جاتا ہے، یہ واضح کلیہ ہے۔ ت)

وجہ سوم، یہ بھی فرض کیجئے کہ مطالبہ سے مراد مال ہی تھا اور فرار ۱۸ سے پہلے ہی ہوا تو مدعیہ خود اپنے بیان و تسلیم سے کفالت بالمال کو باطل محض مان رہی ہے اسے اپنی ہی قرار دادہ باتوں سے مطالبہ مال کا کوئی اسحقاق نہیں اس کی جانب سے یہاں عمل ظاہر الروایۃ پر زور دیا جاتا ہے اور ۱۸ سے پہلے فرار ظاہر کیا گیا جمہور ائمہ کرام کے نزدیک ظاہر الروایۃ کے یہ معنی ہیں کہ جب ابتدائے مدت مذکور نہ ہو صرف انتہا کا ذکر آئے تو کفالت اس وقت کے بعد محقق ہو کر تا حصول برات ہمیشہ رہے گی اور روز اقرار سے اس وقت تک اصلاً کفالت نہ ہوگی بالجملة ظاہر الروایۃ میں ایسی جگہ (تک) بمعنی بعد کے ہے ۱۸ فروری تک ضامن ہوں یعنی ۱۸ کے بعد ضمانت شروع ہوگی۔ فتاویٰ خانینہ و ظہیر یہ و خزائنہ المفتین میں ہے،

الكفالة متى جعلت الى اجل فانما يصير كفيلا
بعد القضاء الاجل له
سراجیہ میں ہے،

کفالت جب کسی مدت تک ٹھہرائی جائے تو اس مدت کے گزرنے کے بعد کفیل بنے گا (ت)

لو كفل بنفسه الى شهر يصير كفيلا بعد شهر
هو الاصل

اگر ایک ماہ تک کسی کا کفیل نفس بنا تو ماہ کے گزرنے کے بعد وہ کفیل بنے گا اور وہی صحیح ہے (ت)

خانینہ میں ہے،

ایک شخص دوسرے کے نفس کا تین دن تک ضامن ہوا تو اصل میں مذکور ہے کہ تین دن گزرنے کے بعد کفیل بنے گا، اور فقیہ ابو جعفر نے کہا کہ فی الحال کفیل بن جائے گا اور ایام ثلثہ کا ذکر تین دن تک مطالبہ کی تاخیر کے لئے ہے اور فقیہ ابو جعفر کے

سجل كفل بنفسه رجل الى ثلثة ايام
ذكر في الاصل انه يصير كفيلا بعد
الايام الثلثة، وقال الفقيه ابو جعفر يصير
كفيلا في الحال قال وذكر الايام الثلثة
لتاخير المطالبة الى ثلثة ايام

قلمی نسخہ
نو لکھنؤ
۵۹/۲
ص ۱۲۹

لے خزائنہ المفتین کتاب الكفالة الباب الثانی
لے فتاویٰ سراجیہ

وغیره من المشائخ اخذوا بظاہر
الکتاب وقالوا لا یصیر کفیلاً فی الحال
واذا مضت الايام الثلثة قبل تسلیم
النفس یصیر کفیلاً ابدا لا یشترک عن
الکفالة ما لم یسلم اھ مختصراً۔

علاوہ بعض دوسرے مشائخ نے ظاہر کتاب کو
اختیار کیا اور کہا کہ فی الحال کفیل نہیں بنے گا پھر
جب تین دن گزر گئے اور وہ مکفول لہ کے حوالے
اس شخص کو نہ کر سکا جس کا ضامن بنا تھا تو اب
ہمیشہ کے لئے کفیل بن جائے گا اور جب تک اس

شخص کو مکفول لہ کے حوالے نہ کرے گا کفالت سے خارج نہ ہوگا اھ مختصراً۔ (ت)

علامہ القروی نے اپنے مجموعہ میں اسے نقل فرما کر وغیرہ من المشائخ اخذوا بظاہر
الکتاب (اور اس کے علاوہ دیگر مشائخ نے ظاہر کتاب کو اختیار کیا۔ ت) یہ تحریر فرمایا:

اور سراجیہ میں ہے کہ وہی اصح ہے اور اسی پر
فتویٰ دیا جاتا ہے تا آنکہ خانہ اور تتمہ میں یوں ہی
ہے۔ (ت)

وفی السراجیة وهو الاصح و
به یفتی کذا فی السادس من التااریخانیة
وکذا فی التتمة۔

ویز کروری میں ہے:

کفل الی شهر طالبه بعد شهر و یصیر
کفیلاً فی الحال و به یفتی اھ
ملقطاً۔

ایک ماہ تک کفیل بنا تو ایک ماہ کے بعد اس کا مطالبہ
کرے اور فی الحال وہ کفیل بن جائے گا اور اسی پر
فتویٰ دیا جاتا ہے اھ التقاط۔ (ت)

جامع الفصولین او اخر فصل ثلثین میں ہے:

لو امر ادا ان یکفل بنفسه ولا یصیر کفیلاً
فالحیلة علی ظاہر الروایة
ان یقول کفلت بنفسه الی
شهر علی ان ابراً بعداً

اگر کوئی چاہے کہ دوسرے کا کفیل بالنفس اس طرح بنے درحقیقت
کفیل نہ بنے تو ظاہر الروایة پر اس کا حیلہ یہ ہے
کہ یوں کہے میں اس کے نفس کا ایک ماہ تک کفیل
بننا ہوں اس شرط پر کہ بعد میں اس سے بری ہو جاؤں گا

۵۸۳/۳	نوٹکشور لکھنؤ	کتاب الکفالة	سہ فتاویٰ قاضیخان
۳۱۴/۱	دارالاشاعة العربیة افغانستان	"	سہ فتاویٰ القرویہ
۳۱۴/۱	"	"	سہ حاشی " " "
۳/۶	نورانی کتب خانہ پشاور	نوع فی الفاظ	سہ فتاویٰ بزازیہ علی ہاشم فتاویٰ ہندیہ

تو وہ بالکل فی الحال ہی کفیل نہ بنے گا کیونکہ ظاہر الروایۃ کے مطابق ایک ماہ کے بعد اس نے کفیل بننا تھا مگر جب یہ شرط لگائی کہ ایک ماہ بعد اس سے بری ہو جائیگا تو کفالت اصلاً باطل ہوگئی (ت)

فلا یصیر کفیلاً اصلاً للحال فی الظاہر
اذ فیہ یصیر کفیلاً بعداً فلما شرط
ان یرأ بعداً بطل اصلاً

بائش القرویٰ میں ہے :

اور یہ جیلہ اس بنیاد پر جاری ہے جو عام مشائخ نے کہا کہ وہ فی الحال کفیل نہ ہوگا اور یہی ظاہر الروایۃ ہے ، جیسا کہ امام ابو جعفر نے کہا۔
(ت)

وهذه الحيلة انما تمشى على ما قال
عامه المشائخ انه لا يصير كفيلاً في
الحال وهو ظاهر الرواية على ما قاله
ابو جعفر

اور پُر ظاہر کہ یہاں اصل مقصود کفالتہ بالنفس تھی وہی مطلوب تھی وہی مکتوب ہوتی۔ خالد نے لکھا ان سے ضمانت حاضری طلب ہے لہذا میں حاضر ضامن ہوں ، حکم لکھا گیا ناظر مدعا علیہ کو سپرد حاضر ضامن کریں کفالت بالمال کا ذکر محض تبعاً بغرض توثیق و تاکید اصل کفالت بالنفس واقع ہوا اور تابع قبوع پر مقدم نہیں ہو سکتا کافی الدر المختار نہ بحال عدم قبوع موجود ہو لہذا ایسی صورت میں جب کفیل کفالت مقصودہ یعنی کفالت بالنفس سے بری ہو کفالت تابعہ یعنی کفالت بالمال سے بری ہو جاتا ہے۔ در مختار میں ہے :

اگر کہا کہ اگر میں اس کو کل نہ لے کر آیا تو اس پر جو مال ہے میں اس کا ضامن ہوں گا اب قدرت کے باوجود اس نے مطلوب کو حاضر نہ کیا تو کفیل اس مال کا ضامن ہوگا کیونکہ اس نے کفالت بالمال کو ایسی شرط کے ساتھ معلق کیا جو لوگوں میں

ان قال ان لم ات به غدا فهو
ضامن لما عليه من المال فلم
يؤان به مع قدرته عليه ، ضمن
المال لانه علق الكفالة بالمال بشرط
متعارف فصح ولا يبرؤ

علہ فی الاصل بیاض واظنہ الدر المختار ۱۲ (اصل میں بیاض ہے اور میسے گمان میں یہاں در مختار ہے۔ ت)

اسلامی کتب خانہ کراچی ۶/۶۶

دارالاشاعۃ العربیۃ قندھار افغانستان ۱/۳۱۶

الفصل الثلاثون

کتاب الکفالت

لمجامع الفصولین

لمہ حاشی فتاویٰ القرویٰ

عن كفالة النفس لعدم التنافي فلو
ابراه عنها فلم يواف به لم يجب
المال لفقد شرطه آه باختصار۔

متعارف ہے، تو یہ صحیح ہے، اور وہ کفالتِ نفس
سے بھی بری نہ ہوگا کیونکہ ان دونوں میں کوئی منافات
نہیں اگر طالب نے اس کو کفالتِ نفس سے بری

کر دیا حالانکہ اس نے مطلوب کو حاضر نہیں کیا، تو اب شرط فوت ہو جانے کی وجہ سے مال اس کے ذمے
واجب نہ رہا آہ باختصار (ت)
ردالمحتار میں ہے،

شرطه هو بقاء الكفالة بالنفس^۲۔ اس کی شرط یہ ہے کہ کفالتِ نفس باقی رہے (ت)
تو ظاہر الروایۃ کے لحاظ سے ۱۸ فروری تک نہ کفالتِ بالنفس تھی نہ بالمال، تو اس فرار پر کہ حصول
کفالت سے پہلے واقع ہوا ہو الزام مال محض خیال محال۔

وجہ چہا سہ : اس سے بھی تنزل کیجئے اور بفرض غلطیہ بھی مان لیجئے کہ یہاں کفالت بالمال
کفالتِ مستقلہ غیر تابعہ ہے تو کفالتِ بالنفس بنظر ظاہر الروایۃ گو بعد ۱۸ کے محقق ہو کفالتِ بالمال اول تھی
اور وہ اس کے حال ثبوت میں فرار واقع ہوا تو کیوں نہ موجب مال ہوگا مگر یہ خیال خیال اول سے زیادہ
فاسد و باطل ہے، ہمارے امام عظیم و امام ثالث رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مذہب مفتی بہ میں ایجاب
قبول دونوں رکن کفالت ہیں اگر مکفول لہ مجلس ایجاب میں حاضر نہ ہو اور اسی مجلس میں قبول نہ پایا جائے
کفالت باطل محض و بے اثر ہوتی ہے کہ اس کے بعد اگر مکفول لہ کو خبر پہنچے اور وہ قبول بھی کر لے جب بھی اصلاً
مفید نہیں، ملسوط امام محمد سے خلاصہ میں ہے :

اذا كفل رجل لرجل والمكفول له غائب
فهو باطل وقال ابو يوسف اخرا هو
جائز۔^۳

اگر کوئی شخص دوسرے کے لئے کفیل بنا دے اور انحالیکہ
مکفول لہ غائب ہے تو یہ کفالت باطل ہے اور
امام ابو یوسف نے دوسرے قول میں فرمایا کہ وہ
جائز ہے۔ (ت)

قدوری و ہدایہ میں ہے :

مکفول لہ کے مجلس میں قبول کے بغیر کفالت

لا تصح الكفالة الا بقبول المكفول له

مطبوع مجتہاتی دہلی ۶۱/۲

کتاب الكفالة

لہ درمختار

دار احیاء التراث العربی بیروت ۲۵۹/۴

جنس آخر

لہ ردالمختار

مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱۶۵/۴

لہ خلاصۃ الفتاوی

فی المجلس

صحیح نہیں ہوتی (ت)

بزازیہ میں ہے :

اذا كان المكفول له غائباً فهمي باطلة خلافا
للثاني

جامع الفصولين والقرويه میں ہے :

لا تصح الكفالة بلا قبول الطالب

تنوير میں ہے :

لا تصح (الكفالة) بلا قبول الطالب في
مجلس العقد

جب مکفول لہ غائب ہو تو کفالت باطل ہے بخلاف
امام ثنائی (ابویوسف) کے۔ (ت)

طالب کے قبول کے بغیر کفالت صحیح نہیں (ت)

مجلس عقد میں طالب کے قبول کے بغیر کفالت
صحیح نہیں۔ (ت)

منح الفقار میں امام طرطوسی ہے : الفتوى على قولهما (فتوى طرفين کے قول پر ہے۔ ت) ردالمحتار
میں ہے :

اور شیخ قاسم نے اس کو اختیار کیا کیونکہ انہوں نے
اہل ترجیح سے اس کا مختار ہونا نقل کیا جیسے محبوبی اور
لسفی وغیرہ، اور خیر الدین رملی نے اس کو برقرار رکھا
اور ظاہر ہدایہ سے بھی اس کی ترجیح معلوم ہوتی ہے
کیونکہ صاحب ہدایہ نے طرفین کی دلیل کو مؤخر کیا اور
اسی پر متون وارد ہیں الخ اور یہ بات مسلم ہے کہ
فتویٰ میں جب اختلاف ہو تو امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

واختاره الشيخ قاسم حيث نقل
اختيار ذلك عن اهل الترجيم
كالمحبوبى والنسفى وغيرهما و
اقره الرملى وظاهر الهداية ترجيحه
لتاخير دليلهما و عليه المتون
ومن المتقرر ان الفتوى متى اختلفت
وجب المصير الى قول الامام

نوع آخر	مطبع يوسفى لکھنؤ	۱۲۱ / ۳	لہ الہدایۃ
نورانی کتب خانہ پشاور	۶ / ۶	۱۲۱ / ۳	۱۲۱ / ۳
دار اشاعت العربیہ قندھار افغانستان	۳۱۴ / ۱	۶ / ۶	۱۲۱ / ۳
مطبع مجتباتی دہلی	۶۳ / ۲	۳۱۴ / ۱	۱۲۱ / ۳
دار احیاء التراث العربی بیروت	۶۳ / ۲	۶۳ / ۲	۱۲۱ / ۳
	۲۶۹ / ۴	۶۳ / ۲	۱۲۱ / ۳

مالم یکن الاختلاف اختلاف الزمان و
ان المتون مقدمة علی غیرها فترجح
من وجهین ولیس من العلم العدول
عن الراجح الی المرجوح كما قد تبین
فی محله۔

سراجیہ میں ہے :

اذا قال لقوم اشهدوا انی کفیل لفلان
بنفس فلان والمکفول به حاضر والطالب
غائب فالكفالة باطلة فان قبل انسات
عنه توقف علی اجازتہ یہ

ہندیہ میں محیط سے ہے :

مرکنها الايجاب والقبول عند ابی حنیفة و
محمد وهو قول ابی یوسف اولاحتی
ان الکفالة لاتتم بالكفیل وحده سواء
کفل بالمال او بالنفس مالم یوجد قبول
المکفول له او قبول الاجنبی عنه فی
المجلس العقد اما اذا لم یوجد شیء
من ذلك فلا تقف علی ما وراء المجلس
حتی لو بلغ الطالب فقبل له تصحیہ مختصراً

کہ اگر طالب (مکفول لہ) کو اس کی خبر پہنچی اور اس نے قبول کر لیا تو صحیح نہ ہوگا اور اختصار (ت)

یہاں کفالت بالنفس اگرچہ نائب حاکم نے قبول کر لی جس کے لئے اگر جانب ہندہ سے حاضر ضامنی لینے

کے قول کی طرف رجوع لازم ہوتا ہے جبکہ وہ اختلاف
اختلاف زمانہ کی وجہ سے نہ ہو، اور یہ بات بھی مسلم
ہے کہ متون غیر متون پر معتدم ہیں تو دو وجہوں سے
اس کو ترجیح ہوگی اور راجح سے مرجوح کی طرف
عدول کرنا علم نہیں جیسا کہ اپنے محل میں واضح ہو چکا ہے۔

جب کسی نے قوم سے کہا کہ گواہ ہو جاؤ میں فلاں کیلئے
فلاں کے نفس کا کفیل ہوں درانحالیکہ مکفول یہ حاضر
اور مکفول لہ غائب ہو تو کفالت باطل ہے اگر کسی شخص
نے مکفول لہ کی طرف سے قبول کیا تو اس کی اجازت پر
موقوف ہوگا۔ (ت)

کفالتہ کارکن امام اعظم ابو حنیفہ اور امام محمد رضی اللہ
تعالیٰ عنہما کے نزدیک ایجاب و قبول ہے اور امام
ابو یوسف علیہ الرحمۃ کا پہلا قول بھی یہی ہے یہاں تک
کہ ایکیل کفیل سے کفالتہ تمام نہیں ہوتا چاہے مال کا
کفیل بنے یا نفس کا جب تک کہ مجلس عقد میں مکفول لہ
یا اس کی طرف سے کوئی اجنبی شخص قبول نہ کرے اور
ان دونوں میں سے کسی کی طرف سے قبول نہ پایا گیا
تو کفالتہ مجلس سے خارج پر موقوف نہ ہوگا یہاں تک

کی توکیل ثابت ہو تو نافذ واقع ہوئی ورنہ اجازت ہندہ پر موقوف رہی مگر مجلس عقد میں کفالت بالمال کا قبول اصلاً کسی سے واقع نہ ہوا اور اسے قرار دیا مستقلہ کہ طے کفالت بالنفس من... لا جرم کفالت مال باطل محض ہوگی اور کسی وجہ پر ایجاب مال کی صورت نہ رہی، بالجملہ تحقیقاً والزاماً ہر طرح یہاں کفالت بالمال ممنوع و مدفوع ہی رہی کفالت بالنفس یہاں انظار ظاہرہ کا حصہ اس قدر کہ اگرچہ ظاہر الروایۃ وہ ہے مگر روایت امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ اذنی بالعرف ہے اور کلام کا عرف متکلم پر حمل واجب تو یہی مزج ہے اور اسی پر حکم و افا مناسب۔ خلاصہ و القرویہ میں ہے:

قول ابی یوسف اشبه بعرف الناس

امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول عرف کے زیادہ مناسب ہے۔ (ت)

تمہ و صغریٰ و القرویہ میں ہے:

هو اشبه بعرفنا و نفی انه اذا مضت المدة المذكورة فالقاضي يخرج عن الكفالة

وہ ہمارے عرف کے زیادہ مناسب ہے اور ہم فتویٰ دیتے ہیں کہ جب مدت مذکورہ گزر جائے تو قاضی اس کو کفالت سے خارج کر دے (ت)

ذخیرہ میں ہے:

قال وكان القاضي الامام الاجل ابو علي النسفي يقول قول ابی یوسف اشبه بعرف الناس اذا كفوا الى مدة يفهون بضرب المدة انهم يطالبون في المدة لابعدها الخ

قاضی امام الاجل ابو علی نسفی فرماتے تھے کہ امام ابو یوسف کا قول لوگوں کے عرف کے زیادہ مناسب ہے کیونکہ لوگ جب کسی مدت تک کفیل بنیں تو وہ بیان مدت سے ہی سمجھتے ہیں کہ مدت کے اندر ان سے مطالبہ کیا جائیگا نہ کہ اس کے بعد الخ۔ (ت)

خانیہ میں ہے:

قال شمس الاثمة الحلواني في قول ابی یوسف انه يطالب الكفيل بتسليم النفس في

شمس الاثمة حلوانی نے کہا امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کا یہ قول کہ کفیل سے تسلیم نفس کا مطالبہ تین دن کے

عہ فی الاصل ہذا و اظنہ کہ کفالت بالنفس کے ضمن میں حاصل نہیں ہو سکتی۔

۳۱۷/۱	دار اشاعة العربیة فنذھار افغانستان	کتاب الكفالة	لہ فتاویٰ القرویہ
"	"	"	لہ حاشیہ
۲۵۵/۲	دار احیاء التراث العربی بیروت	"	لہ رد المحتار بحوالہ ذخیرہ

اندز کیا جائے گا بعد میں نہیں، لوگوں کے عرف کے زیادہ مناسب ہے۔ (ت)

الایام الثلثة ولا يطالب بعدها اشبه بعرف
الناس به

اسی میں ہے :

قال شمس الاثمة الحلواني كان القاضي
الامام الاستاذ ابو علي النسفي يقول كان
الشيخ الامام ابوبكر محمد بن الفضل
يعجبه هذه الرواية وكان يقول
لو قال بالفارسية پذیرتم تن فلاں را تا ده
روز یصیر کفیلہ فی الحال و اذا مضت
المدة لا یبقی کفیلہ و لو قال پذیرتم تن فلاں
را ده روز یصیر کفیلہ بعد عشرة ایام، و
بعض المشائخ قالوا اذا قال پذیرتم تن فلاں
را تا ده روز ولم یسلم حتی مضت عشرة
ایام یرفع الكفیل الاموالی القاضي
حتى یمخرجه عن الكفالة و به كان
یفتی الشيخ الامام الاجل ظهیر الدین
ویحكي ذلك عن جدی رحمهم
الله تعالیٰ

ردالمحتار میں ہے :

قلت وینبغی عدم الفرق بین الصوم
الثلاث فی زماننا ای ما اذا قال شهرا

شمس الاثمة الحلواني نے فرمایا قاضی امام استاذ ابو علی
نسفی فرمایا کرتے تھے کہ شیخ امام ابوبکر محمد بن
فضل اس روایت کو پسند کرتے اور کہتے تھے کہ اگر
کسی نے فارسی میں کہا کہ میں نے دس روز تک
فلاں کے بدن کو قبول کیا، تو وہ فی الحال کفیل بن جائیگا
اور جب مدت گزر جائے گی تو دس دن کے بعد وہ
بطور کفیل باقی نہ رہے گا۔ اور اگر کہا میں نے دس
روز فلاں کے بدن کو قبول کیا تو وہ دس دن کے
بھی کفیل رہے گا۔ اور بعض مشائخ نے کہا کہ اگر کسی
نے یوں کہا کہ میں نے فلاں کے بدن کو دس دن
تک قبول کیا پھر دس دن گزر گئے اور اس نے
مطلوب کو طالب کے حوالے نہ کیا تو اب کفیل یہ معاملہ
قاضی کے پاس لے جائے گا تا کہ وہ اس کو کفالت
سے خارج کر دے، اسی پر شیخ امام اجل ظہیر الدین
فتویٰ دیتے تھے، اور میرے جد امجد سے بھی یہی
منقول ہے اللہ تعالیٰ ان سب پر رحم فرمائے (ت)

میں کہتا ہوں ہمارے زمانے میں ان تینوں صورتوں
میں فرق نہیں ہونا چاہئے (یعنی اگر کہے ایک مہینہ

۵۸۳/۳

۵۸۴/۳

نو لکھنؤ

۵

کتاب الکفالة

۵

لے فتاویٰ قاضی خان

۵

۵

اولیٰ شہرا ومن الیوم الی شہر) کما ہو
قول ابی یوسف والحسن لان الناس
الیوم لایقصدون بذلک الا توقيت الکفالة
بالمدة وانه لا کفالة بعدھا وقد تقدم
ان مبنى الفاظ الکفالة علی العرف
والعادة ان لفظ عندی للامانة وصادفی
العرف للکفالة بقرینة الدین وقالوا
ان کلام کل عاقد وناذر وخالف و
واقف یحمل علی عرفه سواء وافق
عرف اللغة اولا الخ

یا ایک مہینے تک یا آج سے ایک مہینے تک)
جیسا کہ امام ابو یوسف اور حسن کا قول ہے کیونکہ
آج کل لوگ اس سے سوائے کفالت کی توقيت
بالمدة کے کچھ ارادہ نہیں کرتے اور یہ کہ اس مدت کے
بعد کفالت نہیں، اور تحقیق گزر چکا ہے کہ کفالت کے الفاظ
کا دار و مدار عرف اور عادت پر ہے، بیشک لفظ
عندی امانت کے لئے ہے مگر عرف میں دین کے
قرینہ کے ساتھ کفالت کے لئے ہو گیا، اور فقہاء نے کہا
کہ ہر عقد کو نیوالے، تذرماننے والے، قسم کھانیوالے
اور وقف کرنے والے کا کلام اس کے عرف پر محمول ہوگا
چاہے اس کا عرف لغت کے موافق ہو یا نہ ہو الخ (ت)

وانا قول (اور میں کہتا ہوں۔ ت) حقیقت امر یہ ہے کہ ظاہر الروایۃ کو ان واقعات سے اصلاً
تعلق نہیں ان میں بلاشبہ روایت امام ابی یوسف ہی پر افتار و حکم واجب ہے اور اس کا خلاف محض باطل
آخر اس قدر پر تو اجماع ہے کہ ایجاب رکن کفالت ہے اور جب عرف میں قطعاً یقیناً دس روز تک یا فلاں
تاریخ تک کفیل ہونے سے یہی معنی مقصود مراد و مفہوم و مفاد ہوتے ہیں کہ کفالت اس وقت تک موقت کی جاتی
ہے اس کے بعد کفالت نہیں تو بالیقین کفیل نے ہرگز ایجاب نہ کیا مگر کفالت موقتہ ممدودہ کا، اب اگر بعد اس
وقت وحد کے کفالت باقی مانیں تو یہ وہ کفالت ہے جس کا ایجاب ہرگز نہ ہوا، اور کوئی عقد بے اپنے رکن کے
محقق ہونا بالاجماع باطل ہے تو ظاہر الروایۃ کو ہمارے عرف دائرہ سے اصلاً تعلق نہیں اور یہاں
اس پر حکم سراسر مقاصد شرع سے جدا و ظلم ہوگا و لہذا علامہ محقق نے فرمایا،

امام نسفی نے جو ذکر فرمایا وہ اس بات پر مبنی ہے
کہ مذکور ظاہر الروایۃ وہاں ہے جہاں کوئی عرف
نہ ہو کیونکہ متعاقدین پر ان کے مقصود کے خلاف
حکم کی کوئی وجہ نہیں چنانچہ یہ ظاہر الروایۃ کے

ما ذکرہ الامام النسفی مبنى علی ان
المذکور ظاہر الروایۃ انما ہو حیث
لا عرف اذ لا وجه للحکم علی المتعاقدین
بما لایقصد ا فلیس قضاء بخلاف

ظاہر الروایۃ۔

خلاف قضا نہ ہوئی۔ (ت)

پس صورت مستفسرہ میں قطعاً حکم یہی ہے کہ ۱۸ فروری کے بعد کفالت نہ رہی، بالجملہ اس مسئلہ میں حق ناصح یہ ہے کفالت بالنفس تو ۱۸ فروری کو جزماً حتماً ختم ہو گئی اور اس کے بعد مطالبہ ظلم ہے اور لفظ مطالبہ سے کفالت بالمال کا ایجاب محض بے دلیل ہے اگرچہ ۱۸ فروری سے پہلے فرار ثابت بھی ہو اور اگر اس کا ثبوت نہ ہو جب تو مطالبہ مال کا معنی مجازی پر بھی اصلاً احتمال ہی نہیں، غرض صورت مستفسرہ میں کفالت بالنفس یقیناً زائل، اور خالد پر مطالبہ مال کا بھی حکم باطل، یہ حکم قضا ہے، رہی دیانت اگر فی الواقع خالد نے مطالبہ سے مال مراد لیا اور یہی مقصود و مفہوم ہوا اور ۱۸ سے پہلے فرار کی شرط محقق ہوئی اور ہندہ کا زید پر دین دین صحیح تھا تو عند اللہ خالد پر مال لازم آچکا اگرچہ قاضی بوجہ مذکورہ حکم نہیں کر سکتا اللہ سے ڈرے اور بیجا حیلہ و عذر نہ کرے اور اگر ان تینوں امر سے ایک بھی منتفی ہو تو عند اللہ بھی وہ مطالبہ مال سے بری ہے، ہذا هو التحقیق واللہ ولی التوفیق وهو سبحانه وتعالى اعلم (یہ ہی تحقیق ہے اور اللہ تعالیٰ مالک توفیق ہے اور وہ سبحانہ وتعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ ت)

مسئلہ ۲۸۱ از رام پور مقام مذکور ۷ ربیع الاول شریف ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ہندہ دانہ کے لئے ایک مدت معمودہ تک عمرو مدیون کا کفیل بالنفس ہوا اور حسب تعارف و معنی مقصود و مفہوم بین الناس اس مدت کے گزرنے تک انتہائے کفالت قرار پایا، زید نے اس کفالت کے ضمن میں یہ بھی کہا تھا کہ اگر مدیون اس مدت تک شہر سے بھاگ جائے تو میں مطالبہ مدعیہ کا ذمہ دار ہوں، اب کہ مدت گزر گئی اور کفالت بالنفس ختم ہو چکی تو آیا وہ کفالت بالمال بھی جو اس کے ضمن میں ذکر کی تھی اس کے ختم سے منتفی ہو گئی یا وہ باقی رہے گی، بینوا تو جردا

الجواب

ہاں صورت مستفسرہ میں کفالت بالنفس کے ختم ہوتے ہی کفالت بالمال بھی ختم ہو گئی کہ یہ اسی کی تاکید و توثیق کے لئے اس کی تابع محض تھی جب اصل نہ رہی یہ بھی نہ رہی،

کیف وان نوال الموقۃ بسرور الوقت
کیسے کفالت بالمال ختم نہ ہوگی حالانکہ وقت گزرنے کے سبب سے کفالت موقۃ کا زوال ہر لحاظ سے
نوال من کل وجہ کلابراء
اس کا زوال ہوتا ہے جیسے کہ بری کرنا لہذا وہ
فیعمل فی الاصل والفرع

اصل و فروع دونوں میں عمل کرے گا بخلاف مطلوب کی موت کے، کیونکہ اس کی وضع فسخ کے لئے نہیں ہے جیسا کہ فتح وغیرہ میں اس کو بیان کیا ہے۔ (ت)

جیسا بخلاف موت المطلوب لعدم وضعه للفسخ كما بينه في الفتح وغيره.

در مختار ورد المختار میں ہے :

اگر طالب نے کفیل کو کفالتِ نفس سے بری کر دیا اور اس نے ادائیگی نہیں کی تو کفیل پر مال دینا واجب نہ ہوگا کیونکہ اس کی شرط یعنی کفالتِ نفس کی بقا فوت ہو گئی ہے۔ (ت)

لو ابرأه عنها فلم يواف به لم يجب المال لفقده شرطه وهو بقاء الكفالة بالنفس له

حواشی ہدایہ میں ہے :

جب کفالتِ بالنفس ساقط ہو جائے تو اس پر مرتب ہونے والی کفالتِ بالمال کا ساقط ہونا واجب ہے کیونکہ وہ تو کفالتِ نفس کی تاکید ہے مقصود نہیں، یہی وجہ ہے کہ اگر مدت گزرنے سے پہلے طالب نے کفیل کو کفالتِ نفس سے بری کر دیا کفالتِ بالمال باطل ہو جائے گی۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم (ت)

الكفالة بالنفس اذا سقطت وجب ان يسقط ما يترب عليها من الكفالة بالمال لكونها كالتأكيد لها وليست بمقصودة ولهذا لو ابرأ الكفيل الطالب عن الكفالة بالنفس قبل انقضاء المدة بطلت الكفالة بالمال والله سبحانه وتعالى اعلم۔

۲۸۲ مکملہ از ریاست رامپور مستولہ حاجی نوشہ علی و شیداعلی و چھنو ۲۸ ربیع الآخر ۱۳۳۴ھ (زید) ڈگری دار نے بصیغہ اجراء ڈگری (عمرو) اپنے کو گرفتار کرایا بکر خالہ و حامد عمرو مدیون کی حاضری عدالت کے بلا تعین تاریخ حاضر ضامن ہوئے اور ضمانت نامہ بایں شرائط لکھا گیا کہ جس تاریخ کو عدالت (عمرو) مدیون کو طلب کرے گی ضمانت اس کو حاضر کریں گے اگر نہ حاضر کریں گے تو زر ڈگری ذمگی مدیون مذکور ادا کرینگے ضمانت نامہ مذکورہ بعد تکمیل شامل مسل ہو کر مدیون سپرد ضمانت کیا گیا ہر سہ ضمانت نامہ

۶۱ / ۲

مطبع مجتہاتی دہلی

کتاب الکفالت

لے در مختار

۲۵۹ / ۴

دار احیاء التراث العربی بیروت

"

رد المختار

۱۱۵ / ۴

مطبع یوسفی لکھنؤ

"

مکملہ حواشی ہدایہ

اپنی اپنی ضرورتوں سے حدود عدالت مذکور یعنی اپنے مسکنوں سے باہر دُور دراز چلے گئے ان کی عدم موجودگی میں عدالت سے ایک حکم اس مضمون کا جاری ہوا کہ تاریخ اطلاع یا بی حکم ہذا سے ایک ہفتہ کے اندر مدیون کو حاضر عدالت کریں، یہ حکم بوجہ عدم موجودگی ضمانت ان کے مکانوں پر آویزاں ہوا ہے کسی ضامن کی ذات پر حکم مذکور کی تعمیل نہیں ہوتی ہے میعاد ہفتہ مندرجہ حکم مذکور گزر جانے پر ڈگری دار نے عدالت سے درخواست کی ہے کہ ضمانت نے مدیون کو میعاد مقررہ عدالت کے اندر نہیں حاضر کیا ہے پس بوجہ شرط مندرجہ ضمانت نامہ ڈگری کا ایفاء ضمانت سے کرایا جائے اور بذریعہ قرقی و نیلام جائداد ضمانت زر ڈگری وصول کرایا جائے اور ضمانت کے قصور نہ حاضر کرنے مدیون کی تائید میں چند اشخاص کے بیانات عدالت میں کرائے ہیں جنہوں نے بکلف بیان کیا ہے کہ تاریخ تعمیل حکم نامہ مجریہ عدالت پر ہم نے ضمانت کو اسی شہر میں جو ان کا مسکن ہے دیکھا ہے اس شہادت کے پیش نظر ہونے پر عدالت سے حکم قرقی مال احد الضامن جاری ہوا ہے اور قرقی حسب قاعدہ عمل میں آئی، قرقی سے دوسرے روز ہر سہ ضمانت نے مدیون کو حاضر عدالت کیا ہے اور میعاد مندرجہ حکم مجریہ عدالت کے اندر نہ حاضر کرنے مدیون کی نسبت یہ عذر کیا ہے کہ ہم ضمانت اپنے مسکنوں پر اس شہر میں موجود نہیں تھے بلکہ اپنے مسکنوں سے باہر دُور دراز گئے ہوئے تھے اس وجہ سے ہم کو اطلاع اجراء حکم عدالت کی نہیں ہوتی بہ یوم قرقی واپس آئے ہیں اور فعل قرقی سے علم اجرائے حکم عدالت کا ہوا ہے کہ بہ مجرد علم دوسرے ہی روز مدیون کو فوراً عدالت میں حاضر کر دیا ہے علم طلبی مدیون کے بعد کوئی توقف منجانب ضمانت وقوع میں نہیں آیا ہے اور اپنے عذر عدم موجودگی شہر یعنی بہ مساکن خود ہا موجودگی مقامات دیگر کی تائید میں ہر سہ ضمانت نے حلف نامہ جات اقراری خود ہا عدالت میں داخل کئے ہیں کہ عدالت نے مدیون حاضر کردہ کو ضمانت سے لے کر جیل خانہ دیوانی میں بھیج کر ضمانت بالنفس سے تو ضمانت کو بری کر دیا ہے مگر ضمانت بالمال کا مواخذہ ضمانت پر قائم رکھا ہے پس سوال قابل تصفیہ یہ ہے کہ جبکہ عدالت سے ضمانت کے وقت یا ضمانت نامہ میں کوئی تاریخ حاضری مدیون کی معین و مقرر نہیں ہوئی تھی اور حکم مجریہ عدالت جس کے ذریعہ سے طلبی مدیون کی ضمانت سے ہوئی ہے ضمانت کی ذات پر تعمیل نہیں ہوا ہے اور اسی حکم مجریہ عدالت میں بھی حاضری مدیون کے لئے کوئی تاریخ معین و مقرر نہیں کی گئی ہے بلکہ حکم مذکور کے یہ الفاظ ہیں (تاریخ اطلاع یا بی حکم ہذا سے ایک ہفتہ کے اندر مدیون کو حاضر عدالت کرو) اور ان کارروائیات کے مقابلہ میں ضمانت بذریعہ حلف نامہ جات تاریخ اجراء حکم نامہ عدالت اور اس میعاد ایک ہفتہ کے اندر جو اس میں نسبت حاضری مدیون مقرر تھی اپنی عدم موجودگی بمسکنہائے خود ہا و موجودگی بمقامات دیگر جو بفاصلہ واقع ہیں ظاہر و ثابت کرنے ہیں تو کیا ان حالات کی موجودگی میں بھی ضمانت پر مواخذہ ضمانت بالمال کا شرعاً عائد و قائم رہ سکتا ہے درحالیکہ مدیون کو بھی مجرد علم طلبی عدالت حاضر عدالت کر دیا اور وہ جیل خانہ دیوانی

میں بھی بھیج دیا گیا ہے اور قید بھگت رہا ہے یا یہ کہ بحالت مذکورہ بالا ضامنان پر مواخذہ ضمانت بالمال کا شرعاً قائم و باقی نہیں رہ سکتا ہے اور وہ سبکدوش ہو سکتے ہیں۔

الجواب

دارالافتار نے بیانِ سائل پر اکتفا نہ کر کے اظہارات گواہان کی نقول باضابطہ طلب کیں جو سائل ۱۳ جادی الاولیٰ کو حاضر لایا وہ سات گواہ ہیں جن میں ایک ہندو ہے اس کی شہادت تو مسلمانوں پر اصلاً مسموع نہیں لہذا اس سے بحث فضول ہے باقی چھ کا خلاصہ یہ ہے :

(۱) گمن خاں چراسی منظر نے بتا ریخ ۱۸ دسمبر میں قطعہ نوٹس بمکان شیخ چھنو و شیدا علی و نوشہ خاں چسپاں کر دیئے اس لئے کہ گواہان کی زبانی منظر کو معلوم ہوا کہ ضامن شہر میں نہیں نوٹس کی خبر معلوم کر کے روپوش ہو گئے ہیں، ہنگام دریافت عورات ضامنان نے کہا تھا کہ ضامنان گھر میں نہیں کہیں چلے گئے ہیں۔

(۲) جلن خاں گواہ تعمیل نوٹس ۴ جنوری عرصہ ۱۸ یا ۱۹ دن کا ہوا منظر اپنے کھیتوں پر جا رہا تھا چھنو خاں کے مکان پر شیدا علی نوشہ چھنو خاں کھڑے تھے منظر جنگل کو چلا گیا پھر جس وقت ادھر سے لوٹ کر آیا اس وقت گمن خاں نے کاغذ کچھری کے چھنو خاں کے مکان پر وہ لگا دئے منظر چھنو خاں اور شیدا علی کی ولدیت نہیں جانتا ان دونوں کو پہچانتا ہے بجواب سوال کچھری بیان کیا جس وقت کاغذ چسپاں ہوئے ہیں اس وقت شیدا علی جنگل کو بھینس لے کر گیا تھا اور چھنو خاں کی نسبت سنا کہ بابو کے یہاں گئے ہیں۔

(۳) چھن گواہ تعمیل نوٹس، کوئی انتیس دن کا عرصہ ہوا جمعہ کے روز منظر اپنے گھر کے باہر کھڑا تھا وقت دن کے ۱۰، ۱۱ بجے کا تھا شیدا علی و چھنو پسران چھن اپنے گھر کے پاس کھڑے باتیں کر رہے ہیں، تھوڑی دیر کے بعد اسی روز گمن خاں شیدا علی و چھنو مذکور کے مکان پر دو کاغذ لگا رہے تھے اس وقت شیدا علی جنگل کو بھینس لے گیا تھا اور چھنو کہیں گیا تھا۔

(۴) شرف الدین، عرصہ کوئی ۱۹ دن کا ہوا چھنو خاں شیدا علی خاں پسران چھن خاں نوشہ ولد بن خاں بیٹے کنویں کے پاس جہاں چھنو خاں و شیدا علی خاں کا مکان ہے کھڑے باتیں کر رہے تھے بس منظر نے اتنا ہی دکھا۔

(۵) لدن خاں، کوئی ۱۹ دن ہوئے گمن خاں سمن لئے محبوب جان کی مسجد کے پاس کھڑے تھے اور بھی کسی آدمی تھے مذکور نے کہا نوشہ خاں کے گھر پر چسپاں کرتا ہوں مذکور نے نوشہ خاں ولد بن خاں کے گھر پر آواز دی کہ نوشہ خاں کہاں ہیں گھر میں سے ایک لڑکی نکلی اس نے کہا یا تو بابو جی کے یہاں

گئے ہونگے یا قلعہ کو۔ مذکورہ نے سمن نوشہ خاں کے گھر چسپاں کر دیا منظر چلا گیا۔

(۶) امجد حسین، چیرا سی سمن لئے محبوب جان کی مسجد کے پاس ۱۹ روز ہوئے جمعہ کے دن پھر ہے تھے

نوشہ خاں کو معلوم ہوا کہ قلعہ کو گئے ہیں مذکورہ نے نوشہ خاں کے مکان پر سمن چسپاں کر دیا، منظر چلا گیا، منظر نوشہ خاں کی ولدیت نہیں جانتا ان کو پہچانتا ہے، یہ تمام شہادتیں بوجہ کثیرہ محض ناکافی ہیں،

اول چیرا سی ۱۸ دسمبر کو سمن چسپاں کرنا بتاتا ہے اور چھپن اور امجد حسین جمعہ کے دن، ۱۸ دسمبر کو

شنبہ تھا نہ کہ جمعہ۔

ثانی یہ شہادتیں چوتھی جنوری کو ہوتیں، حسب بیان چیرا سی آویزانی سمن کو اس وقت تک سترہ دن

ہوئے تھے، امجد حسین ۱۹ دن کہتا ہے، لڈن اور شرف الدین کوئی ۱۹ دن، اور اظہار چھپن کے باضابطہ

نقل میں صاف انتیس دن لکھے ہیں، جلن خاں ۱۸ یا ۱۹ کہتا ہے، یوں بھی کم از کم وہی جمعہ کا دن پڑتا ہے۔

ثالث شہادت علی الغائب میں بیان ولدیت بالاتفاق لازم ہے اور ہمارے امام اعظم رضی اللہ

تعالیٰ عنہ کے مذہب میں تو بیان جد بھی ضرور ہے جبکہ صرف ولدیت موجب معرفت نہ ہو، اور یہی صحیح ہے۔

عالمگیری میں ہے؛

میت اور غائب پر گواہی کے لئے ضروری ہے کہ گواہ

میت اور غائب کا نام ان کے باپ کا نام اور ان

کے دادا کا نام ذکر کریں اور امام ابو یوسف کے قول پر

صرف باب کا ذکر کافی ہے ذخیرہ میں یوں مذکور ہے

اور صحیح یہ ہے کہ دادا کی طرف نسبت کرنا ضروری ہے

یونہی البحر الرائق میں ہے۔ (ت)

يحتاج في الشهادة على الميت او الغائب

الى تسمية الشهود اسم الميت والغائب

وابيہما وجدہما وعلی قول ابی یوسف

ذکر الاب یکفی کذا فی الذخیرة والصحیح

ان النسبة الى الجد لا بد منه کذا فی

البحر الرائق

یہاں بیان ولدیت در کنار جلن خاں، چھنو و شیدا علی کی نسبت، امجد حسین خاں نوشہ خان کی

نسبت ولدیت جاننے ہی سے منکر ہیں، نہ مشہود علیہم کو ان کے سامنے لا کر شناخت کرائی گئی ایسی مجہول گواہی

ناقص و مختل ہے۔

رابع چیرا سی کہتا ہے گواہان کی زبانی معلوم ہوا کہ ضامن شہر میں ہیں یہ سماعی بیان ہے اور ان مستثنیات

میں نہیں جن میں شہادت بالتسامع مقبول ہے۔

خامس وہ بھی مجہول، کون گواہ کس کی زبانی۔

سادس کتا ہے عورات ضامنان نے کہا تھا چہر اسی نے کیونکر جانا کہ یہ کہنے والیاں عورات ضامنان ہیں۔

سابع عورات کا کہنا ضامنوں کے شہر میں نہ ہونے کے کیا منافی، گھر میں نہیں کہیں چلے گئے ہر طرح صادق ہے۔

ثامن جلن کا بیان کہ چھنو خاں کی نسبت کہ بابو کے یہاں گئے ہیں سماعی ہے۔
تاسع وہ بھی مجہول۔

عاشر لدن خاں ایک لڑکی کے بیان کا حاکی ہے۔

حادی عشر وہ بھی مجہول بلکہ بظاہر نابالغہ بھی۔

ثانی عشر امجد حسین کا بیان بھی سماعی ہے۔

ثالث عشر مجہول، نوشہ خاں کا معلوم ہوا کیونکر معلوم ہوا کس سے معلوم ہوا۔

رابع عشر شرف الدین کا بیان محض خالی ہے اس سے صرف اتنا نکلتا ہے کہ کوئی ۱۶ دسمبر کو

ضامن شہر میں تھے۔

خامس عشر ان چھ گواہیوں میں یہ بیس نقص ہیں، چہر اسی کے بیان میں چار یعنی ۴، ۵، ۶، ۷۔

جلن خاں کے بیان میں چار ۲، ۳، ۸، ۹۔ چھمن کے بیان میں دو ۱، ۲۔ شرف الدین کے بیان میں دو ۲، ۱۳۔

لدن خاں کے بیان میں تین ۲، ۱۰، ۱۱۔ امجد حسین خاں کے بیان میں پانچ ۱، ۲، ۳، ۴، ۱۲، ۱۳۔

ان سب سے قطع نظر کہ ان میں ایک شہادت بھی موافق دعویٰ نہیں۔ سماعی و مجہول بیان چہر اسی

کی تائید میں جتنی گواہیاں گزریں سب مدعا کے اجنبی و بے علاقہ ہیں۔ مدعا یہ ہے کہ ضامنوں نے نوٹس دیکھا

یا مضمون نوٹس پر اطلاع پائی اور وقت اطلاع سے سات دن کے اندر مدیون کو حاضر نہ کیا تاکہ حسب شرائط

مطالبہ مال ان پر عائد ہو شہادتوں میں اس کا کون سا حرف ہے، دو دن پہلے ۱۶ دسمبر کو شہر میں ہونا جو بیان

شرف الدین میں ہے یا ایک دن پہلے روز جمعہ کو شہر میں رہنا جو بیان چھمن و امجد حسین میں ہے اس سے تو

خود اس دن بھی شہر میں ہونا لازم نہیں آتا باقی حاصل اس قدر کہ نوٹس آنے سے پہلے اسی دن ضامن شہر

میں دیکھے گئے جب نوٹس آئے اور مکان پر چسپاں ہوئے اس وقت شدید علی جنگل کو بھینس لے گیا، چھنو خاں

کو سنا کہ بابو کے یہاں گئے ہیں، نوشہ خاں کا معلوم ہوا کہ قلعہ کو گئے ہیں ان سے زیادہ کوئی حرف بھی شہادتوں

میں ہے اس میں اصل مقصود یعنی جنگل یا بابو کے پاس یا قلعہ سے ضامنوں کے لوٹ کر مکان پر آنے اور مضمون

نوٹس پر اطلاع پانے پر شہادت کہاں ہے کیا قبل آویزانی نوٹس جنگل وغیرہ میں ہونا اسے وجوہاً مستلزم ہے کہ پٹ کر بھی آئیں اور مضمون پر اطلاع پائیں، کیا ممکن نہیں کہ وہی وقت ضامنوں کے باہر جانے کا ہو جانے وقت چھنو خاں بابو سے ملا، نوشہ خاں قلعہ میں گیا، شیداعلی جنگل میں بھینس کسی کو سپرد کرنے گیا اور ان کاموں سے فارغ ہو کر ویسے ہی باہر جہاں جہاں جانا تھا چلے گئے اور اس روز واپس آئے جس دن وہ اپنا آنا بتاتے ہیں کیا ہزار بار ایسا نہیں ہوتا کہ آدمی شہر سے جاتے وقت شہر میں کہیں ہوتا جائے، اور جب یہ یقیناً ممکن ہے اور شہادتوں میں اس کے خلاف کوئی حرف نہیں تو شہادات موافق دعویٰ کب ہوتیں لہذا واجب الرد ہیں، الشہادۃ ان وافقت الدعوی قبلت والا لا (شہادت اگر دعویٰ کے موافق ہو تو قبول کی جائے گی ورنہ نہیں۔ ت) اگر یہ کہتے کہ اگرچہ اس دن ان کی واپسی و اطلاع مضمون جو مدعا ہے شہادات سے ثابت نہیں مگر ظاہر تو ہے کہ ایسا ہی ہوا ہو، ہوا ہو سے دعویٰ ثابت نہیں ہوتا اور اگر اس کا ظاہر ہونا تسلیم بھی کر لیں تو قاعدہ مستمرہ فقہیہ ہے کہ الظاہر یصلح حجة للدفع لالاستحقاق (ظاہر دفاع کے لئے حجت ہے نہ کہ استحقاق کے لئے۔ ت) پھر کس بنا پر اسے استحقاق مال کی حجت بنا سکتے ہیں لاجرم حکم شرعی یہی ہے کہ ضامنین صورت مذکورہ میں ضمانت نفس و ضمانت مال دونوں سے مطلقاً بری ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۸۳ از ریاست رام پور مرسلہ میر سید انوار حسین صاحب بذریعہ مرزا انظر بیگ سابق نائب تحصیلدار
تا ۲۸۶ بریلی، ۹ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ :

(۱) کفالت بالمال یعنی کوئی شخص کسی کے مطالبہ میں اپنا مکان مکفول کرے تو یہ کفالت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(۲) نالش بر بنائے کفالت بالمال یعنی اس بنا پر کہ کفیل نے اپنا مکان دوسرے کے مطالبہ میں مکفول کیا تو شرعاً قابل سماعت ہے یا نہیں؟

(۳) زید نے ٹھیکہ کسی حقیقت کا لیا اور عمرو نے بلا استدعا و خواہش زید کے اپنا مکان کفالت میں دے دیا تو اس صورت میں عمرو مستحق پانے رقم کا زید سے ہے یا نہیں یعنی اس رقم کی ضمانت تبرع اور احسان سمجھی جائے گی یا کیا؟

(۴) جب کفیل یعنی ضامن خلاف معاہدہ مندرجہ کفالت نامہ کے دیگر بیچ پر روپیہ اٹن کو ادا کرے تو وہ مستحق لینے رقم مذکور کا مدیون سے ہے یا نہیں؟ صورت کفالت یہ ہے کہ زید نے ایک موضع مستاجر میں لیا

اور عمر و نے اپنا مکان ضمانت میں مستغرق کرادیا اور ضمانت نامہ میں یہ لکھا کہ اگر زید کے ذمہ روپیہ باقی مالگزاری کا رہ جائے اور وہ ادا نہ کرے تو جائیداد مکفولہ سے نیلام جائیداد مالک موضع وصول کر لے مجھ کو نیلام جائیداد مکفولہ میں کوئی عذر نہ ہوگا زید کے ذمہ کچھ باقی رہے مالک موضع نے بموجب شرط مندرجہ ضمانت نامہ نیلام کرنے کا قصد کیا تو عمر و مالک مکان نے اپنے مکان کو خلاف شرط مندرجہ ضمانت کے نیلام نہ ہونے دیا بلکہ روپیہ باقی ماندہ ذمگی زید عمر و نے قبل نیلام مالک موضع کو فے دیا اس وجہ سے اس روپیہ کا دینا خلاف دستاویز ضمانت کے وقوع میں آیا۔ بیٹو! توجروا۔

الجواب

(۱) کفالت بالمال تو یقیناً جائز ہے مگر شرعاً اس کے معنی یہ ہیں کہ زید کا جو مطالبہ مالی عمر و پر ہوا سے

اپنے ذمہ پر لے یوں کہ ایک مال کا مطالبہ عمر و و بکر دونوں کے ذمہ پر ہو۔ لہذا یہ میں ہے :

کفالت یا تو نفس کی ہوتی ہے اور وہ ان لفظوں سے

منعقد ہوتی ہے کہ میں اس کے نفس کا کفیل بنا ہوں

یا وہ میرے ذمے یا کفالت مال کی ہوتی ہے اور

یہ مال مکفول کے مجہول ہونے کے باوجود صحیح ہو جاتی

ہے جبکہ دین صحیح ہو مثلاً یوں کہ جو تیرا مال فلاں

پر ہے یا جو تجھے اس بیع میں حاصل ہوگا میں اس کا

ضامن ہوں (ملقطاً)۔ (ت)

الكفالة اما بالنفس وينعقد بكفالت

بنفسه او على اولى و اما بالمال

فتصح وان جهل المكفول به اذ

صح دينه نحو كفالت بمالك عليه

او بما يدركك في هذا البيع

(ملقطاً)

یہ جدید و محدث طریقتہ کہ جہاں میں رائج ہے کہ کوئی مکان دکان زمین جائیداد کسی کے مطالبہ میں کہ

اپنے اوپر یا دوسرے پر ہو مستغرق کرتے ہیں کہ وہ اس سے اپنا مطالبہ وصول کرے اور اس جائیداد کو

مکفول یا مستغرق کہتے ہیں اور بانکہ جائیداد قبضہ مالک ہی میں رہتی ہے اس وقت سے مالک کو اس میں

تصرفات انتظامیہ مثل بیع و ہبہ سے ممنوع جانتے ہیں اور اگر کرے تو باطل سمجھتے اور دائن کو اس کے واپس

لینے کا اختیار بتاتے ہیں، یہ سب محض بدعت و اختراع فی الشریعہ و ہوس باطل و مردود ہے شرعاً اس

جائیداد سے کوئی حق دائن کا کسی وقت متعلق نہیں ہوتا، نہ مالک اس کے بیع و ہبہ سے ممنوع ہو سکتا ہے

شرع مٹھرنے تو تین دین کے لئے صرف دو عقد رکھے ہیں کفالت و رہن۔ اس کا رہن نہ ہونا تو بدیہی کہ رہن

لے مختصر الوقایہ فی مسائل الہدایہ (الثقایہ) کتاب الکفالة نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲۲-۱۲۳

کی شرط قبضہ مرتہن ہے رہن بے قبضہ کوئی شے نہیں قال اللہ تعالیٰ فرہن مقبوضۃ (اللہ تعالیٰ نے فرمایا، تو رہن قبضہ کیا ہوا۔ ت) بدائع امام ملک العلماء میں ہے :

وصف سبحنہ وتعالیٰ الرهن بكونه مقبوضا
فیقتضی ان یكون القبض شرطاً فیہ صیانة
لخبرہ تعالیٰ عن الخلف ولانه عقد تبرع
للحال فلا یفید الحکم بنفسہ کسائر
التبرعات ولو تعاقد اعلیٰ ان یكون الرهن
فی ید صاحبہ لا یجوز الرهن حتی لو هلك
فی یدہ لا یسقط الدین ولو اراد المرتہن
ان یقبضہ من یدہ لیحبسہ سہنا لیس
لہ ذلک ۱

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے رہن کو مقبوض ہونے کے ساتھ
موصوف فرمایا تو یہ اس بات کا مقتضی ہے کہ قبضہ
رہن میں شرط ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کی خبر خلاف واقع
ہونے سے محفوظ رہے، اور اس لئے بھی کہ یہ تبرع و
احسان ہے لہذا باقی تبرعات کی طرح یہ خود مفید حکم
نہ ہوگا، اور اگر وہ دونوں اس شرط پر عقد کریں کہ
رہن مالک کے قبضہ میں رہے گا تو رہن جائز نہ ہوگا
یہاں تک کہ اگر وہ مالک کے قبضہ میں ہلاک ہو گیا
تو دین ساقط نہ ہوگا، اور اگر مرتہن ارادہ کرے

کہ وہ اس کو مالک کے قبضہ سے لے کر بطور رہن مجبوس رکھے تو اس کو ایسا کرنے کا اختیار نہیں۔ (ت)
یہ لوگ خود بھی اسے نہ رہن کہتے ہیں نہ رہن سمجھتے بلکہ کفالت، اور اس کا کفالت ہونا رہن ٹھہرنے سے
بھی باطل تر ہے کفالت بے کفیل محال اور اس عقد فخرع میں نفس جائد کفیل ٹھہرتی ہے نہ مالک جائد اکثر یہ
استغراقات صاحب جائداد ان دیون میں کرتا ہے جو خود اس پر ہیں اور کوئی شخص خود اپنا کفیل نہیں ہو سکتا
کہ کفالت ہے،

ضمّ الذمّة الی الذمّة^۲ كما فی البدائع
والهدایة وعامة الكتب۔

ایک ذمہ کو دوسرے ذمہ کے ساتھ ملانا، جیسا
کہ بدائع، ہدایہ اور عام کتابوں میں ہے (ت)

یہاں دو ذمہ کہاں ہیں کہ ایک دوسرے سے ضم ہو، ولہذا شرح جامع الصغیر لشیخ الاسلام
علی الاسیجانی پھر فصول استروشنی پھر فتاویٰ عالمگیری میں ہے :
اذا قال المطلوب للطالب ان لم او افك
جب مطلوب طالب سے کہے کہ اگر میں کل اپنے آپ کو

۱۳۵/۶
۱۱۲/۳

۲۸۳/۲
کتاب الرهن فصل آما الشرائط ایچ ایم سعید کمپنی کراچی
مطبع یوسفی لکھنؤ

۱۳۵/۶
۱۱۲/۳

کتاب الکنفالت
کتاب الہدایہ

بنفسی غدا فعلی المال الذی تدعی
فلم یواف لایلزمه شیء

تیرے پاس حاضر نہ کروں تو جس مال کا تو دعویٰ
کہ رہا ہے وہ مجھ پر لازم ہوگا پھر وہ اپنے آپ کو حاضر
نہ کرے تو اس صورت میں اس پر کچھ بھی لازم نہ ہوگا۔ (ت)

اور خود یہ اختراع کرنے والے بھی اتنا سمجھتے ہیں کہ آدمی آپ اپنا ضامن نہیں ہو سکتا، لاجرم
جاندا کو ذمہ دار مانتے ہیں، اور شک نہیں کہ جو معنی استغراق یہاں سمجھتے ہیں وہی دوسرے خود اس مدین
کے عوض جاندا مستغرق کرنے میں، لہذا جاندا وہی پر مطالبہ عائد مانتے اور اس میں مالک کے تصرفات
انتقال ناجائز جانتے ہیں لیکن جاندا جواد ہے اور ذمہ مکلفین کے ساتھ خاص جانور تو کوئی خاص ذمہ رکھتا
نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں :

جانوروں پر ضمان نہیں۔ اس کو امام مالک،
امام احمد اور ائمہ ستہ نے سیدنا حضرت ابو ہریرہ
رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ (ت)

العجماء جبار۔ سواة مالک و احمد
والستة عن ابی ہریرة رضی اللہ
تعالیٰ عنہ۔

نہ کہ سنگ و خشت۔ جامع الرموز میں ہے :

ذمہ لغت میں عہد کو کہتے ہیں اور شرع میں اس
عہد کے محل کو کہتے ہیں جو یوم میثاق کو اللہ تعالیٰ
اور اس محل عہد کے درمیان جاری ہوا یا اس
وصف کو کہتے ہیں جس کے ساتھ انسان مکلف ہوا۔ (ت)

الذمة لغة العهد و شرعا محل عهد
جری بینہ و بین اللہ تعالیٰ یوم الميثاق
او وصف صار به الانسان مکلفاً

تحریر امام ابن الہمام پھر نہر الفائق پھر ردالمحتار میں ہے :

ذمہ وہ وصف شرعی ہے جس کے ساتھ مالہ
اور ما علیہ کی اہلیت و جوب حاصل ہوتی ہے اور

الذمة وصف شرعی به الاهلية لوجوب
ماله و علیہ و فسرھا فخر الاسلام

- ۱۔ فتاویٰ ہندیہ کتاب الکفالات الفصل الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۲۷۷/۳
۲۔ صحیح البخاری کتاب الزکوٰۃ ۲۰۳/۱ و کتاب الديات ۱۰۲۱/۲ قدیمی کتب خانہ کراچی
صحیح مسلم کتاب الحدود قدیمی کتب خانہ کراچی ۷۳/۲
۳۔ مسند امام احمد بن حنبل حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دار الفکر بیروت ۲۲۸/۲
۴۔ جامع الرموز کتاب الکفالات مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱۹۵/۳

بالنفس و الرقبة التي لها عهدٌ

فخر الاسلام نے اس کی تفسیر یوں کی کہ وہ نفس یا وہ
رقبہ جس کے لئے عہد ہے۔ (ت)

تو جائداد کا ذمہ دار ہونا محال تو کفالت لغو و واجب الابطال۔ محترمین اسے مکفول کہتے ہیں، یہ بھی ان کا
اختراع ہے ورنہ وہ بھی ان کے طور پر کفیل ہے کما بیتنا و ایضا _____ یہاں
پانچ چیزیں ہیں: کفیل، مکفول، مکفول عنہ، مکفول لہ، مکفول بہ۔ مکفول بمعنی مضمون بہ تو ذمہ کفیل ہے
کما تقدم انفا من كتب المذهب (جیسا کہ مذہب کی کتب کے حوالے سے ابھی گزرا ہے۔ ت)
اور کفالت دیون میں مکفول عنہ مدیون مکفول لہ دائن مکفول بہ وہ دین۔ در مختار میں ہے:

الدائن مكفول له والمديون مكفول عنه
والنفس او المال مكفول به ومن لزمته
المطالبة كفيلاً
دائن کو مکفول لہ، مدیون کو مکفول عنہ، نفس یا مال
کو مکفول بہ اور جس پر مطالبہ لازم ہے اس کو کفیل
کہتے ہیں۔ (ت)

ظاہر ہے کہ جائداد نہ دین ہے نہ دائن نہ مدیون نہ وہ وصف شرعی کہ انسان مکلف کے لئے ہوتا ہے
تو وہ اخیر کے چاروں سے کچھ نہیں، لاجرم کفیل ہے، اور یہ باطل و مستحیل ہے، اگر کہیں کہ ہم صاحب جائداد
کو کفیل مانیں گے اور جائداد زیادت اطمینان کے لئے ہے کہ دائن اس سے وصول کرے۔

اقول اولاً یہ بدایت غلط ہے غالب استغراق صاحب جائداد مدیون کے دیون میں ہوتے
ہیں اسے کیونکر اپنا کفیل کہا جاسکتا ہے کما تقدم (جیسے پہلے گزرا ہے۔ ت)

ثانیاً ان استغراقوں میں جائداد ہی پر مطالبہ لکھا جاتا ہے، صاحب جائداد اپنا ذمہ اس سے مشغول
نہیں کرتا، کوئی حرف ایسا نہیں ہوتا جس سے اس کی ذات ذمہ دار ہو تو وہ کفیل کیونکر ہو سکتا ہے۔
جامع الفصولین پھر بحر الرائق اور فتاویٰ ظہیریہ پھر خزائن المفتین اور فتاویٰ نسفی پھر محیط پھر ہندیہ
میں ہے:

قال دينك الذي على فلان انا
ادفعه اليك انا سلمه اليك انا
اقضه لا يصير كفيلاً ما لم يتكلم
کسی نے دوسرے کو کہا کہ تیرا جو فلاں پر دین ہے
وہ میں تجھے دوں گا، میں تیرے حوالے کروں گا
میں اس کو وصول کروں گا، تو ان الفاظ کے

بلفظ یدل علی الالزامیہ

ساتھ وہ کفیل نہ ہوگا جب تک کوئی ایسا لفظ نہ بولے

جو الزام پر دلالت کرتا ہو۔ (ت)

مثلاً خود ان لوگوں کا مزعوم بھی یہی مقصود بھی یہی، جو شخص اپنے خواہ پرانے دین میں حسب نداد کا استغراق کرے اور دائن ڈگری پا کر مطالبہ میں اسے جلس کرانا چاہے ہرگز نہ سنیں گے اور یہی جواب دیا جائیگا کہ جائداد ذمہ دار ہے اس کی ذات ذمہ دار نہیں، صاف تصریح ہوتی کہ وہ کفیل نہیں جائداد کفیل ہے، ذمہ دار ہی کفیل ہوتا ہے۔

دابعاً بالفرض اگر یوں ہی کہتا کہ تیرا دین عسرو پر آتا ہے اس کا میں کفیل ہوں میں ضامن ہوں میں ذمہ دار ہوں اور یہ جائداد اس میں مستغرق کرتا ہوں جب بھی جائداد بلاشبہ آزاد رہتی کفیل کا ذمہ مشغول ہوتا اور اسے جائداد کے بیع و ہبہ سے کوئی نہ روک سکتا کہ حجر عن التصرف مقتضائے کفالت نہیں کیا واضحاً فی فتاویٰ (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاویٰ میں اس کی وضاحت کر دی ہے۔ ت) بلکہ فقہائے کرام تصریح فرماتے ہیں کہ اگر خود اس شرط پر کفالت کی کہ اپنے اس مکان کی قیمت سے زر کفالت ادا کروں گا جب بھی مکان آزاد ہے اور اس کا بیچنا کچھ لازم نہیں۔ وجہ امام کروری پھر بکر الرائق اور فتاویٰ ذخیرہ پھر عالمگیر یہ ہے:

ضمن الفاعلی ان یؤدیہا من ثمن
الدار ہذہ فلم یبیعہا لاضمان علی
الکفیل ولا یلزمہ بیع الدار

کوئی شخص ہزار روپے کا ضامن بنا اس شرط پر کہ وہ اس گھر کے ثمن سے ہزار روپے ادا کرے گا پھر اس نے وہ گھر فروخت نہ کیا تو کفیل پر ضامن لازم نہیں اور نہ ہی گھر کو فروخت کرنا اس پر لازم ہے۔ (ت)

بالجملہ یہ کفالت واستغراق سراسر بطلان میں مستغرق و باطل و بے اثر و خلاف حق ہیں ان سے اس جائداد پر کوئی مطالبہ اصلاً قائم نہیں ہو سکتا، اور اگر اپنی ذات کو ذمہ دار بنانے کا کوئی لفظ نہ کہا ہو جیسا کہ اکثر یہی ہے تو اس کی ذات و جائداد دونوں آزاد۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) ہرگز قابل سماعت نہیں ہم جو اب سوال اول میں تحقیق کر آئے کہ یہ کفالت باطل محض ہے تو باطل بنیاد پر دعویٰ بھی باطل اور دعویٰ باطلہ مسموع نہیں، نہ مدعا علیہ پر اس کا جواب واجب،

لہ فتاویٰ ہندیہ کتاب الکفالتہ الباب الثانی فورانی کتب خانہ پشاور ۲۵۷/۳
لہ بکر الرائق ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲۱۸/۶

درمختار میں ہے :

(یسأل القاضی المدعی علیہ) عن
الدعوی فیقول انه ادعی علیک کذا فما
ذا نقول (بعد صحتها والا) تصدر صحیحة
(لا) یسأل لعدم وجوب جوابه۔ و الله
تعالی اعلم۔

قاضی مدعا علیہ سے دعویٰ کے بارے میں سوال کریگا
اور کہے گا کہ اس شخص نے تجھ پر یہ دعویٰ کیا ہے تو
اس کے بارے میں کیا کہتا ہے بشرطیکہ دعویٰ صحیح ہو اور
اگر دعویٰ صحیح طور پر دائر نہ ہو تو قاضی سوال نہیں کریگا
کیونکہ اس کا جواب دینا مدعا علیہ پر واجب نہیں
اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ (ت)

(۳) ہم ثابت کر آئے کہ یہ تو کفالت ہی نہیں محض باطل ہے کفالت صحیحہ جبکہ بے اذن مکفول عنہ بطور خود
ہو نہ اول اس نے اس سے کفالت کو کہا نہ اسی مجلس میں دائن کے قبول سے پہلے اس پر رضادہی اگرچہ
بعد تبدیل مجلس اظہار رضا کیا یا مجلس ہی میں مگر مکفول لہ پہلے رضادے چکا تو ان سب صورتوں میں وہ تبرع
محض ہے اور کفیل کو اصیل سے رقم ادا کردہ لینے کا اصلاً استحقاق نہیں۔ درمختار میں ہے :

لو کفل بامر المطلب بشرط قوله عنی
او علی انه علی مرجع علیہ بما
ضمن وان ادی اسداداً عینی، وان
بغیرہ لا یرجع لتبرعه
الا اذا احب نافی المجلس
فی یرجع عمادیة (ملتقطاً)

اگر مطلوب کے امر سے کفیل بنا بشرطیکہ مطلوب نے
کہا ہو کہ تو میری طرف سے ضامن بن یا اس شرط پر
کہ وہ مجھ پر لازم الادا ہے تو ادا کردہ دین کے بارے
میں مطلوب مطلوب کی طرف رجوع کرے گا اگرچہ
اس نے مکفول بہ سے بدتر ادا کیا ہو (عینی) اور
اگر مطلوب کے امر کے بغیر کفیل بنا ہو تو رجوع نہیں
کریگا، کیونکہ یہ اس کی طرف سے تبرع و احسان ہے، مگر جب مجلس کے اندر ہی مطلوب نے اس کو کفالت
کی اجازت دے دی ہو تو رجوع کر سکتا ہے (عمادیہ) (ملتقطاً)۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے :

ای قبل قبول الطالب فلو کفل
بعضرتہما بلا امره فرضی

یعنی طالب کے قبول کرنے سے پہلے (مطلب
نے اجازت دی ہو) اگر وہ دونوں (طالب و

مطلوب) کی موجودگی میں بلا امر مطلوب کفیل بنا
پھر مطلوب نے پہلے رضا مندی ظاہر کر دی تو کفیل
اس کی طرف رجوع کر سکتا ہے اور اگر طالب نے
پہلے رضا مندی ظاہر کر دی تو رجوع نہیں کر سکتا

کیونکہ طالب کی رضا مندی کے ساتھ عقد تمام ہو گیا اب اس میں تبدیلی نہیں ہو سکتی (قستانی بحوالہ
خانیہ) ہم سراج کے حوالے سے بھی اس کا ذکر پہلے کر چکے ہیں۔ (ت)

اقول (میں کہتا ہوں۔ ت) ہمارے نزدیک یہ تفصیل بھی عند التحقیق قول طرفین پر مبنی ہے
کہ کفالت بے قبول طالب نا تمام مانتے ہیں قول مفتی بر پڑ جبکہ کفالت صرف قول کفیل سے تمام ہو جاتی
ہے اگرچہ طالب کی رضا نہ ہو تو مطلوب کی اجازت لاحقہ نہ ہوگی مگر بعد تمام عفت اور وہ تبرعاً واقع ہو لیا
تو اب متغیر نہ ہوگا۔ عالمگیریہ میں ہے :

کفالت کارکن طرفین کے نزدیک ایجاب و قبول ہے
اور امام ابو یوسف کا پہلا قول بھی یہی ہے
پھر آپ نے اس سے رجوع کرتے ہوئے کہا کہ
اکیسے کفیل سے ہی کفالت تام ہو جاتی ہے یونہی
محیط میں ہے، اور طالب کی رضا مندی شرط
نہیں ہے امام ابو یوسف کے نزدیک اور وہی
اصح ہے (کافی) اور وہی اظہر ہے (فتح القدير)
اور بزازیہ میں ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے۔ اسی طرح
النہر الفائق اور البحر الرائق میں ہے۔ (ت)

الكفالة ركنها الايجاب والقبول عند
ابي حنيفة ومحمد وهو قول ابي يوسف
اولا ثم راجع وقال تتم بالكفيل وحده
كذا في المحيط، ورضا الطالب ليس
بشرط عنده وهو الاصح كذا في الكافي
وهو الاظهر كذا في فتح القدير وفي
البيازية وعليه الفتوى كذا في النهر
الفائق، وهكذا في البحر الرائق بله

تو ثابت ہوا کہ صرف وہی کفالت موجب رجوع ہوتی ہے جو امر و حکم مدیون کے بعد ہو و لہذا جملہ متون و
عامہ شروح نے صرف امر پر بنائے کار رکھی اور تفصیل مذکور کی طرف توجہ نہ فرمائی بلکہ متن ملتقی و غرر
میں فرمایا،

لے ردالمحتار کتاب الكفالة دار احیاء التراث العربی بیروت ۲۴۲/۴
لے فتاویٰ ہندیہ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۲۵۲/۴

اگر کوئی حکم مطلوب کے بغیر کفیل بنا تو وہ مطلوب کی طرف رجوع نہیں کر سکتا اگرچہ مطلوب نے علم ہونے پر کفالت کی اجازت دے دی ہو اسے یہ عبارت اپنے اطلاق کے

وان كفل بلا امره لا يرجع عليه وان جازها بعد العلم^۱ وهذا باطلاقه يشمل العلم في المجلس وبعده -

ساتھ دونوں صورتوں کو شامل ہے یعنی مجلس کے اندر علم ہوا ہو یا بعد میں۔ (ت)
کافی امام نسفی سے بحر میں ہے؛

یہ حکم مطلوب کے بغیر کفیل بننے اور بعد میں مطلوب کے اجازت دینے کو شامل ہے کیونکہ کفالت اس حال میں لازم و نافذ ہو چکی ہے کہ وہ غیر موجب رجوع ہے لہذا اب موجب رجوع ہونے کی طرف منتقل نہیں ہوگی۔ (ت)

شمل ما اذا كفل بغیر امره ثم اجازها لان الكفالة لزمته و نفدت عليه غير موجبة للرجوع فلا تنقلب موجبة له^۲

اسی طرح درر میں غایہ سے ہے بلکہ خود فتاویٰ امام قاضیخان میں ہے؛

ایک شخص غیر حکم مطلوب کے اس کی طرف سے کفیل بالمال بنا پھر مکفول عنہ یعنی مطلوب نے کفالت کی اجازت دے دی اور کفیل نے اس کی طرف سے

رجل كفل عن رجل بمال بغیره امره ثم اجازها المكفول عنه الكفالة فادى الكفيل شيئاً لا يرجع على المكفول عنه^۳

قرض ادا کر دیا تو مکفول عنہ کی طرف رجوع نہیں کریگا۔ (ت)

بہر حال یہ حکم کفالت واقعہ کا ہے یہاں کہ شرعاً کفالت نہیں کچھ مہمل و باطل الفاظ ہیں جن کا نام کفالت و استغراق رکھا ہے یہاں اگر زید کا امر بھی ہوتا عمرو کو زید پر اس رقم کا دعویٰ نہ پہنچتا کہ اگر زید نے کفالت کا امر کیا تھا مثلاً فلاں کا جو مطالبہ مجھ پر ہے اس میں میرا کفیل ہو جایا اس میں میری ضمانت کر لے اور اس نے یہ مکان مستغرق کر دیا کوئی لفظ التزام کا جس سے اس کی ذات ذمہ دار ہونہ کہا جب تو ظاہر ہے کہ یہ اس کے امر سے نہیں کہ اس نے کفالت کا امر کیا تھا اور یہ کفالت نہیں اور اگر خود زید نے اس سے استغراق مکان ہی کو کہا تھا تو یہ ایک باطل کا حکم دیا نہ کہ اپنی طرف سے قضائے دین کا جس کے تضمن کے سبب کفالت بالامر کے سبب کفیل کو مکفول عنہ سے وصول کرنے کا اختیار ملتا ہے، ہدایہ میں ہے؛

۳۰۲/۲

مطبعة احمد کامل مصر

کتاب الکفالة

۱ غرر الاحکام متن الدرر الاحکام

۲۲۴/۶

ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

"

۲ بحر الرائق

۵۸۶/۳

نوٹکشور لکھنؤ

"

۳ فتاویٰ قاضیخان

ان کفل بامره سرجع بما ادى عليه لانه
قضى دينه بامره اليه

اگر کوئی مکفول عنہ کے امر سے کفیل بنا تو اس کی طرف
رجوع کر سکتا ہے کیونکہ اس نے مکفول عنہ کا قرض
اس کے حکم سے ادا کیا۔ (ت)

ایسے امر میں کفیل کو مکفول لہ یعنی دائن سے اپنی دی ہوئی رقم واپس لینے کا اختیار ہوتا ہے کہ اس نے اپنے آپ
کو کفیل سمجھ کر ادا کی اور یہ خیال باطل تھا،

اگر کسی نے دوسرے کو یہ سمجھتے ہوئے کوئی شے دی
کہ وہ دینا اس پر لازم ہے حالانکہ وہ لازم نہ تھی تو
اس کو واپس لینے کا حق ہے جیسا کہ عقود الدریہ
وغیرہ میں ہے۔ (ت)

ومن دفع شيئاً طائناً له عليه ولم يكن
عليه كان له ان يسترد كما في العقود
الدريه وغيرها۔

میدون پر اس کو کوئی دعویٰ نہیں پہنچتا، فتاویٰ قاضی خاں و فتاویٰ ہندیہ میں ہے :

ایک شخص نے دوسرے کو جو اس کا شریک نہیں ہے
کہا کہ فلاں کو ہزار روپے دے دو اور اس نے دے دئے
تو امر کی طرف رجوع نہیں کر سکتا البتہ قابض کی
طرف رجوع کر سکتا ہے کیونکہ مامور نے اس کو ایسی
وجہ سے ہزار روپے نہیں دئے جس وجہ سے دینے
جائز ہوں، اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ (ت)

رجل قال لغيره وليس بخليط له اذ فع
الى فلان الف درهم فدفع المامور
لا يرجع به على الامر كنت يرجع به على
القابض لانه لم يدفع اليه على وجه
يجوز دفعه۔ والله تعالى اعلم۔

(۴) اگر یہ کفالت صحیح و جائز ہوتی اور بامر مکفول عنہ وقوع پاتی تو صورت مذکورہ میں ضرور عمر و اس رقم
کو زید سے واپس لے سکتا نیلام نہ ہونے دیتا، اور روپیہ ادا کر دینا کوئی خلاف قضیہ کفالت نہیں بلکہ عین اس
کا مقتضا ہے کفالت تو شق دین کے لئے ہوتی ہے وہ حاصل ہے نہ کہ نیلام جائد ادا کفیل کے لئے۔ رہن
کے تو عین سے حتیٰ مرہن متعلق ہوتا ہے و لہذا اس میں اور سب دانتوں پر مقدم رہتا ہے اور رہن سے
غرض یہی ہے کہ رہن سے دین وصول نہ ہو تو اس کی قیمت سے وصول ہو جائے پھر اگر دین کی مباد

لہ الہدیۃ
کتاب الکفالہ
مطبع یوسفی لکھنؤ
۱۱۹/۳
کتاب الشرکۃ ۹۱/۱ و کتاب الوقف ۲۲۴/۱ و کتاب المدانیات ۲۲۹/۲ ارگ بازار قندھار افغانستان
کے فتاویٰ قاضی خاں کتاب الکفالہ فصل فی الکفالۃ بالمال مطبع نوکسور لکھنؤ
۵۸۹/۳

گزر جائے اور مرتہن اس کی بیع چاہے راہن باوائے دین بلا شک و شک رہیں کر سکتا ہے کفیل کیوں ممنوع ہوگا مگر ہم بیان کر آئے کہ نہ یہ کفالت ہے نہ یہاں زید پر عمرو کو کسی قسم کا دعویٰ پہنچتا ہے تو اس سے بحث کی حاجت نہ رہی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۸۷ از شہر بریلی مرسلہ حافظ حضور احمد خاں منصرم نقل ساکن ریاست رام پور وار و حال بریلی کہ زید کی درخواست پر عمرو نے اس کی ضمانت مستاجر جری اپنی جائداد سے کر کے باضابطہ تصدیق کرادی زید نے پہلے سال میں بدیتی سے سرکاری روپیہ ادا نہیں کیا اور جائداد مکفولہ کے نیلام کی درخواست دے دی عمرو نے مجبور ہو کر بعد زاری منجملہ الیٰہیہ زر ضمانت کہ بموجب پر تہ ماہ داخل سرکار کر کے جائداد مکفولہ اپنی نیلام سے واگراشت کرا لی اور عمرو کے نام عدالت دیوانی میں زر ضمانت ادا کردہ صما لے کی بر بنائے ضمانت نامہ مصدقہ و داخلہ سرکاری کی نالش رجوع کر دی زید مدعا علیہ کو یہ عذر ہے کہ کفالت بالمال شرعاً ناجائز ہے اور حکم دفعہ ۷۹ آئین حامدیہ قانون مجریہ اور عملد رآمد ریاست یہ ہے کہ صیغہ مال میں جو شخص مطالبہ سرکاری کی ضمانت کر کے روپیہ سرکار میں داخل کرے اس کو اصل مستاجر پر دعویٰ رجوع کر کے زر مدخلہ اپنا وصول کرانے کا اختیار حاصل ہے پس ایسے حکم قانون مجریہ اور عمل درآمد ریاست کے مقابلہ میں وہ ضمانت نامہ شرعاً جائز ہو سکتا ہے یا کیا؟ اور قاضی وقت حکم سلطان العصر کے خلاف تجویز فرمانے میں بموجب روایت در مختار، ولو امر السلطان بعد مسماع الدعوی فلا تسمع الدعوی الخ اگر سلطان دعویٰ کی عدم سماعت کا حکم دے تو دعویٰ نہیں سنا جائے گا الخ (ت) ممنوع ہے یا کیا؟

الجواب

کفالت بالمال بلاشبہ شرعاً جائز ہے مدعا علیہ کا عذر باطل ہے یہاں تک کہ ناجائز مطالبوں کی کفالت صحیح ہے تو مستاجر رائجہ دیہات کا شرعاً ناجائز ہونا صحت کفالت کا مانع نہیں، در مختار میں ہے:

صح ضمان الخراج و کذا النوائب
ولو بغير حق کجبايات من ماننا
فانها ف المطالبة كالديون
بل فوقها حتى لو اخذت

صحیح ہے ضمان خراج کا، اور اسی طرح نوائب (حکام کی طرف سے مقرر کردہ اموال) کا، اگرچہ وہ نوائب ناحق ہوں، جیسے ہمارے زمانے کے مظالم سلطانی، کیونکہ یہ مطالبہ میں دیون کی مثل ہیں بلکہ اس سے

من الاكافلہ الرجوع علی مالك الامرض و
علیہ الفتویٰ

فوق ہیں یہاں تک کہ اگر کاشتکار سے ایسے اموال
جبراً لے جائیں تو وہ مالک زمین کی طرف رجوع کر سکتا
ہے، اور اسی پر فتویٰ ہے (ت)

اور کفالت جبکہ بامر مطلوب ہو جیسا صورت سوال میں ہے تو بلاشبہ کفیل کو اصل سے وصول کرنے کا اختیار ہے
تنویر الابصار میں ہے،

لو کفل بامرہ مرجع بہ اادی وان بغیرہ
لا ولا یطالب کفیل بہاں قبل ان یودی
عنہ (ملقطاً)

اگر کوئی مطلوب کے حکم سے کفیل بنا تو قرض ادا کر کے
مطلوب کی طرف رجوع کر سکتا ہے اور اگر اس
کے حکم کے بغیر کفیل بنا تو رجوع نہیں کر سکتا اور مطلوب

کی طرف سے قرض ادا کرنے سے پہلے کفیل اس سے مطالبہ نہیں کر سکتا۔ (ملقطاً)۔ (ت)

اور یہی مطلب اس قانون کی عبارت منقولہ سوال کا ہے کہ اس کو مستاجر پر دعویٰ کر کے زبردخلہ وصول کرنے کا

اختیار ہے تو اصل منشا سوال کہ حکم شرع و قانون کا اختلاف ہے یہاں منتفی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۲۸۸ از مراد آباد محلہ کسرول متصل مسجد مولسری مرسلہ مولوی حفظ الرشید صاحب ۲۲ شعبان ۱۳۲۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ علاقہ ریاست پور میں حاکم وقت کا یہ حکم ہے کہ جو دیہات

مستاجری سرکاری میں جائداد ضمانت میں مکفول کرے اسے بیع و رہن و ہبہ نہیں کر سکتا، زید نے اپنی جائداد کا جو

ضمانت میں مکفول تھی ہبہ نامہ لکھ دیا اور قبضہ موہوب لے کر ادیا اور ہبہ نامہ میں یہ لکھ دیا کہ یہ جائداد موہوبہ پر جو مطالبہ

برآمد ہو ذمہ موہوب لے رہے سرکار نے بمنظوری اس امر کے کہ جائداد بدستور مکفول رہے اس ہبہ نامہ کو منظور کر لیا تو یہ

ہبہ جائز رہا یا نہیں اور وہ جائداد یا موہوب لے اس مطالبہ کے ذمہ دار ہوتے یا نہیں؟ بیٹھا تو جو وا۔

الجواب

ہبہ جائز و نافذ و تام ہو گیا لصد و رہا عن اهلها فی محلها وقد تمت بلحوق القبض (کیونکہ وہ ہبہ

کے اہل سے ہبہ کے محل میں صادر ہوا اور قبضہ کے لائق ہونے کے ساتھ وہ تام ہو گیا۔ ت) اور وہ کفالت اس

کے لئے مانع نہیں ہو سکتی کہ جائداد کی کفالت اصلاً کوئی چیز نہیں جب تک جائداد کسی دین موجود کے

مقابل قبضہ دین میں نہ دی جائے تو جائداد جسے لوگ آج کل مکفول یا مستغرق کہتے ہیں شرعاً آزاد محض ہوتی ہے

۶۶/۲

مطبع مجتہاتی دہلی

کتاب الکفالة

لے در مختار

۶۴/۲

" " "

"

لے در مختار شرح تنویر الابصار

مالک کو اس میں ہرگز نہ تصرف کا اختیار ہوتا ہے پھر ہیہ نامہ میں جو یہ شرط لگائی کہ جائداد موہوبہ پر جو مطالبہ برآمد ہو ذمہ موہوب لہ رہے ظاہر ہے کہ شرط باطل ہے مگر شرط فاسد سے ہیہ فاسد نہیں ہوتا بلکہ خود وہ شرط باطل و بے اثر رہتی ہے اور موہوب لہ کا اس ہیہ کو قبول کرنا اسے اس شرط فاسد کا پابند نہیں کرتا نہ اس کا یہ قبول کسی طرح بطور خود قبول کفالت کا اثر رکھتا ہے پس صورت مستفسرہ میں ہیہ قطعاً صحیح و تام ہے اور جائداد موہوبہ اور ذات موہوب لہ دونوں مطالبہ ریاست سے بری و آزاد۔ توضیح مقام یہ ہے کہ شرع میں کفالت کے معنی میں کسی کے ذمہ سے اپنا ذمہ ملا دینا دین میں جیسے بعض کا قول ہے یا مطالبہ میں جیسا کہ قول اصح ہے، ہدایہ و ہندیہ وغیرہما میں ہے:

قل ہی ضم الذمۃ الی الذمۃ فی المطالبۃ و
 قیل فی الدین والاول اصح انتھی ،
 اقول والمراد اعم من مطالبۃ
 حاضرة کما علی مدیون
 او متوقعة کما فی ضمان الدارک
 وغیرہ فی الہندیۃ عن محیط السرخسی
 لوقال لرجل ما بایعت فلانا فہو علی
 جانرلانہ اضاف الکفالة الی سبب
 وهو مبايعۃ و الکفالة المضافة الی
 وقت فی المستقبل جائزۃ لتعامل
 الناس فی ذلک اھ و فیہا عن
 الکافی یصح تعلیق الکفالة بالشروط
 کما لوقال ما بایعت فلانا فعلی وما
 ذاب لك علیہ فعلی وما
 غصبك فلان فعلی

ایک قول یہ ہے کہ کفالت دین میں ذمہ کو ذمہ کے ساتھ ملانا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ وہ مطالبہ میں ذمہ کو ذمہ کے ساتھ ملانا ہے، ... یا اول زیادہ صحیح ہے انتھی میں کہتا ہوں مطالبہ سے مراد عام ہے چاہے حاضر ہو جیسے مدیون پر یا متوقع ہو جیسے ضمان درک وغیرہ میں۔ ہندیہ میں محیط سرخسی کے حوالے سے ہے کہ اگر کسی نے دوسرے شخص سے کہا جو تم فلاں پر بیچو وہ مجھ پر لازم ہے تو یہ جائز ہے کیونکہ یہ کفالہ کی سبب و جو ب یعنی مبايعت کی طرف اضافت ہے اور وہ کفالہ جس کو مستقبل کے کسی وقت کی طرف منسوب کیا جائے جائز ہوتا ہے اس لئے کہ اس میں لوگوں کا تعامل جاری ہے اھ اور اسی میں کافی سے منقول ہے کہ کفالہ کو شرط کے ساتھ معلق کرنا صحیح ہے جیسے کہا کہ جو فلاں کے ساتھ بیچ کر وہ مجھ پر لازم ہے اور تیرا جو حق اس پر ثابت ہو وہ مجھ پر لازم ہے اور جو فلاں نے تجھ سے غصب کیا وہ مجھ پر لازم ہے۔ (ت)

۲۵۲/۳	نورانی کتب خانہ پشاور	ابواب الاول	کتاب الکفالة	لہ فتاویٰ ہندیہ
۲۵۹/۳	" "	ابواب الثانی	" "	" "
۲۶۱/۳	" "	الفصل الخامس	" "	" "

اور ظاہر ہے کہ جائداد کوئی صاحب ذمہ نہیں تو زید پر کے مطالبہ میں عمر و کا اپنی جائداد کو مکفول یا مستغزق کر دینا بے معنی ہے عمر و خود اس مطالبہ کا کفیل بنتا ہے یا نہیں، اور اگر نہیں تو وہ کون سا ذمہ ہے کہ ذمہ زید کے ساتھ ضم ہو اور اگر ہاں تو مطالبہ ذمہ عمر و پر ہوا نہ کہ جائداد پر، لہذا اگر کفیل کی کئی جائداد تلف ہو جائے کفیل مطالبہ سے بری نہیں ہوتا جب اس کے پاس مال آئے گا مطالبہ ممکن ہو گا بخلاف رہن اس میں حتیٰ مرتہن خاص شے مرہون سے متعلق ہو جاتا ہے حتیٰ کہ اگر مرہون اس کے پاس ہلاک ہو جائے تو بعد اس کی قیمت کے دین ساقط ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اگر روز قبضہ مرتہن قیمت مرہون دین کے برابر یا اس سے اکثر تھی اور شے مرہون اس کے پاس تلف ہو گئی تو کل دین جاتا رہا، ذخیرہ و ہندیہ میں ہے،

اگر مرہون شے مرتہن کے قبضہ میں ہلاک ہو گئی یا عادل کے قبضہ میں ہلاک ہو گئی تو قبضہ والے دن اس شے کی قیمت اور قرض کو دیکھا جائے گا اگر اس شے کی قیمت قرض کی مثل ہے تو قرض ساقط ہو جائیگا اور اگر قیمت زیادہ ہے تو قرض ساقط ہو جائے گا جو زائد ہے اس میں مرتہن امین ہو گا اور قیمت قرض سے کم ہے مرہون کی قیمت کے برابر ساقط ہو جائے گا اور باقی قرض کے سلسلہ میں مرتہن راہن کی طرف رجوع کرے گا۔ (ت)

اذا هلك المرهون في يد المرتهن او في يد العدل ينظر الى قيمة المرهون القبط والى الدين فان كانت قيمته مثل الدين سقط الدين بهلاكه وان كانت قيمته اكثر من الدين سقط الدين وهو في الفضل امين وان كانت قيمته اقل من من الدين سقط من الدين قدر قيمة المرهون ويرجع المرتهن على الراهن بفضل الدين۔

مگر یہ اس حالت میں ہے کہ وہ شے دائن کے قبضہ میں دے دی جائے اور دین موجود و مستحق ہونہ کہ موہوم و متوقع۔ قال اللہ تعالیٰ فرهن مقبوضۃ (اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تو رہن قبضہ کیا ہوا۔ ت) کافی و ہندیہ میں ہے:

نہیں صحیح ہے رہن مگر دین واجب کے بدلے میں، چاہے ظاہر ہو یا باطن، لیکن دین موہوم کے بدلے میں صحیح نہیں۔ (ت)

لا یصح الرهن الا بدین واجب ظاہرا و باطنا و ظاہرا فاما بدین معدوم فلا یصح۔

۲۲۷/۵	نورانی مکتب خانہ پشاور	الباب الثالث	کتاب الرهن	۲۸۳/۲	۱۔ فتاویٰ ہندیہ
۲۳۱/۵	نورانی مکتب خانہ پشاور	الباب الاول	کتاب الرهن		۲۔ القرآن الکریم
					۳۔ فتاویٰ ہندیہ

اس کفالت واستغراق مخترع میں کہ جائداد اس کے قبضہ میں نہیں دی جاتی اور بارہا کوئی دین بالفعل موجود بھی نہیں ہوتا جائداد کیونکہ اس کے حق میں مجبوس ہو سکتی ہے اس کا حاصل تو یہ ہوگا کہ کفیل کو اس کے اس مال مملوک میں تصرفات مالکانہ سے مجبور و ممنوع کر دیں حالانکہ خود وہ دیون بھی نہیں بلکہ بہت جگہ ابھی دین کا اصلاً وجود ہی نہیں اور شرعاً خود دیون بھی اور وہ بھی ایسا کہ دیون اس کے تمام املاک کو مستغرق و محیط ہوں اپنی ملک میں کسی تصرف مالکانہ سے ممنوع نہیں ہوتا حتیٰ کہ ہمارے امام عظیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک تو اگر قرضخواہ ناشی ہوں کہ یہ اپنی جائداد تلف کئے ڈالتا ہے حاکم اسے تصرفات سے روک دے اور قاضی ان کی ناشی قبول کر کے ممانعت کا حکم قطعی صادر کر دے جب بھی وہ اصلاً ممنوع نہ ہوگا جس مال کو ہبہ کرے گا ہبہ ہو جائے گا، بیع کرے گا پک جائے گا، وقف کرے گا وقف ہو جائے گا، قرضخواہوں کو جو حق جسس و ملازمت کا دیا گیا وہ اپنے ان طریقوں سے چارہ جوئی کریں اس کے تصرفات کہ اس کی اہلیت سے ناشی ہیں کسی کے روکے نہ رکھیں گے اور صاحبین کے نزدیک اگرچہ وہ صرف اپنے مال موجود میں بعض تصرفات سے ممنوع ہو سکتا ہے جبکہ دین اس کے اموال کو محیط ہو جائے مگر کب، جبکہ بعد ناشی قرضخواہان قاضی اس کے ممنوع ہونے کی قضا کر دے اور اسے اس قضا کی اطلاع بھی پہنچ جائے اس سے قبل بالاجماع وہ بھی کسی طرف سے ممنوع نہیں۔ محیط و عالمگیری میں ہے:

قرض کی وجہ سے تصرفات سے روک دینا اس طرح ہے کہ کسی شخص پر اتنے قرض ہو گئے جو اس کے تمام اموال کو محیط ہو گئے یا اس سے زیادہ ہو گئے اور قرضخواہوں نے قاضی سے مطالبہ کیا کہ وہ اس پر پابندی لگائے تاکہ وہ اپنے مال کو نہ تو ہبہ کرے نہ اس کو صدقہ کرے اور نہ ہی اس کے بارے میں کسی اور قرضخواہ کا اقرار کرے تو صاحبین کے نزدیک قاضی اس پر پابندی عائد کر دے گا جبکہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک پابندی عائد نہیں کرے گا اور نہ اس پر پابندی نافذ ہوگی یہاں تک کہ اس کے تصرفات مذکورہ صحیح ہوں گے اور صاحبین کے نزدیک اس پر یہ پابندی صحیح ہوگی اگرچہ وہ دیون جس پر پابندی لگائی گئی غائب ہو بشرطیکہ پابندی کے بعد اس کو

الحجر بسبب الدين ان يركب الرجل ديون تستغرق امواله او تزيد على امواله فطلب الغرماء من القاضى ان يحجر عليه حتى لا يهب ماله ولا يتصدق به ولا يقربه لغريم آخر فالقاضي يحجر عليه عندهما، وعند ابي حنيفة لا يحجر عليه ولا يعمل حجرة حتى تصح منه هذه التصرفات كذا في المحيط ويصح هذا الحجر عندهما وان كان المحجور المديون غائباً ولكن يشترط علم

پابندی کا علم ہو جائے یہاں تک پابندی کے بعد اس کا علم ہونے سے پہلے جو تصرف اس نے کیا وہ صحابین کے نزدیک صحیح ہوگا۔ (ت)

المخجور علیہ بعد الحجر حتی ان کل تصرف
باشرة بعد الحجر قبل العلم به یكون صحیحا
عندھما۔

فتاویٰ قاضیخان میں ہے :

بیشک دیون قاضی کے فیصلہ کے بعد ہی تصرفات سے پابند ہوگا اس سے پہلے نہیں۔ (ت)

انما یحجر بعد الحکم لا قبلہ۔

یہاں دین محیط ہونا درکنار، یہ شخص خود دیون بھی نہیں بلکہ ہنوز سرے سے دین ہی نہیں، نہ نالش نہ قضا اور اپنی جائداد میں اس کے تصرفات ناروا، یہ محض باطل و بے اصل و بے معنی ہے پھر یہ کلام بھی اس صورت میں تھا کہ زید پر مطالبہ ہو یا ہوگا، اور عمر و نے اپنی جائداد مکفول کی یہاں تو اس پر بھی طرہ یہ ہے کہ خود زید ہی کا معاملہ اور وہ آپ ہی اپنی جائداد مکفول کر رہا ہے یہاں کون سا دوسرا ذمہ اس کے ذمہ کے ساتھ ملایا گیا ایسی مخرع باتیں شرع مطہر کے نزدیک اصلاً قابل التفات نہیں ہو سکتیں، اس مسئلہ کو خوب سمجھ لینا چاہئے کہ آج کل یہ نئی وضع کی کفالت بہت شائع ہو گئی ہے حالانکہ وہ صرف ایجاد قانون ہے شرع مطہر میں اس کا کہیں نشان نہیں، پس روشن ہوا کہ زید کا وہ جائداد دوسرے کو ہبہ کر دینا قطعاً صحیح و نافذ تھا اور مکفول ہونے سے اس پر اصلاً کوئی اثر نہ آسکتا تھا۔ رہی ہبہ نامہ کی وہ شرط کہ جائداد موہوبہ پر جو مطالبہ برآمد ہو ذمہ موہوب لے لے، اولاً شرط فاسد ہے کہ نہ مقتضائے عقد ہبہ ہے کہ بلا شرط خود لازم ہو جاتی ہے نہ اس کے ملامت ہے کہ موجب ہبہ یعنی ملک موہوب لہ کی تاکید کرتی اور اس میں احد العاقدین یعنی واہب کا نفع ہے، ایسی شرط شرط فاسد ہوتی ہے اور ہبہ شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتا بلکہ وہ شرط ہی خود باطل ہو جاتی ہے، درمختار میں ہے :

فساد عقد میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ وہ شرط ایسی ہو جس کا تقاضا عقد نہیں کرتا اور نہ ہی وہ عقد کے ملامت ہے اور اس میں عاقدین میں سے کسی کا نفع ہو الخ (ت)

الاصل الجامع فی فساد العقد شرط لا یقتضیہ
العقد ولا یلائمہ و فیہ نفع لاحدھما الخ۔

ردالمحتار میں ہے :

۱۔ فتاویٰ ہندیہ کتاب الحجر الباب الثالث نوری کتب خانہ پشاور ۶۱/۵
۲۔ فتاویٰ قاضی خان " مطبع نو کشور لکھنؤ ۹۱۸/۴
۳۔ درمختار باب بیع الفاسد مطبع مجتہبائی دہلی ۲۴/۲

بحر میں کہا کہ شرط کے مقتضائے عقد ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ شرط ایسی ہو کہ شرط لگانے بغیر ہی عقد کے ساتھ واجب ہو اور اس کے ملامت ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ موجب عقد کی تاکید کرے، یوں ہی ذخیرہ میں ہے۔ (ت)

وہ جو صحیح ہوتی ہے اور شرط فاسد کے ساتھ باطل نہیں ہوتی بلکہ خود شرط لغو ہو جاتی ہے وہ قرض، ہبہ اور صدقہ ہے الخ (ت)

قال في البحر معنی کون الشرط يقتضيه العقد ان يجب بالعقد من غير شرط و معنی کونه ملائماً ان يؤكد موجب العقد كذا في الذخيرة۔

تنوير الابصار و درمختار و ردالمحتار میں ہے:

ما يصح ولا يبطل بالشرط الفاسد و يلغو الشرط القرض والهبة والصدقة الخ۔

عالمگیری میں ہے:

الهبة والصدقة والكتابة بشرط متعارف وغير متعارف يصح ويبطل الشرط۔

ہبہ، صدقہ اور کتابت بشرط متعارف اور غیر متعارف کے ساتھ صحیح ہو جاتے ہیں اور شرط باطل ہو جاتی ہے۔ (ت)

موسوب لہ کا اس ہبہ نامہ کو قبول کرنا اسے اس شرط کا پابند نہ کرے گا ورنہ شرط باطل نہ ہوتی بلکہ موثر ٹھہری حالانکہ باطل و لغو تھی، شرح السبجانی و فتاویٰ تاتارخانیہ و فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

کسی شخص نے دوسرے کو کوئی چیز ہبہ کی یا صدقہ دیا اس شرط پر کہ وہ اس کا تیسرا حصہ یا چوتھا حصہ یا بعض حصہ اس کو لوٹا دے گا تو ہبہ جائز ہے اور موسوب لہ واہب کو واپس نہیں لوٹائے گا اور نہ ہی اس کے عوض کوئی شے دے گا۔ (ت)

رجل وهب لرجل هبة او تصدق عليه بصدقة على ان يرد عليه ثلثها او ربعها او بعضها فالهبة جائزة ولا يرد عليه ولا يعوضه بشئ يـ

۱۲۱ / ۴	دار احياء التراث العربی بیروت	باب البيع الفاسد	ردالمحتار
۲۲۸ / ۴	"	باب السلم	"
۲ / ۲	مطبع مجتہبی دہلی	باب المتفرقات	درمختار شرح تنویر الابصار
۳۹۶ / ۴	نورانی کتب خانہ پشاور	الباب الثامن	فتاویٰ ہندیہ کتاب الہبہ
"	"	"	"

ثانیاً اس سب سے قطع نظر ہو تو اس نے قبول ہبہ نامہ سے کیا شرط قبول کی ہے وہ مطالبہ کہ جائداد پر برآمد ہونے
 ذمہ لینا اور ہم سب ثابت کر آئے کہ ایسی صورت میں جائداد پر کوئی مطالبہ برآمد ہو ہی نہیں سکتا تو اس نے
 ایک امر محال کو قبول کیا قبول ہبہ نامہ سے جدا اگر بطور خود وہ ایسی مہمل و باطل بات کو قبول کرتا تو باطل ہی
 ہوتا کہ باطل کسی کے قبول کئے سے حق نہیں ہو جاتا تو صورت مستفسرہ میں اس کی ذات و جائداد دونوں ایسے
 مطالبہ باطلہ سے قطعاً بری ہیں بلکہ اگر فرض کر لیں کہ اس نے (نہ وہ مطالبہ باطلہ کہ جائداد پر برآمد ہو بلکہ) خود
 وہ مطالبہ کہ واہب پر نکلے (نہ جائداد موہوبہ کے ذمہ باطلہ پر بلکہ) خود اپنے ذمہ پر (نہ قبول ہبہ نامہ میں بلکہ)
 خود مستقل طور پر قبول کیا ہوتا جب بھی صورت مذکورہ میں وہ کفالت محض باطل و بے اثر رہتی، ہم اگرچہ
 ایسے مطالبہ کی کفالت جائز مانیں حالانکہ یہ مطالبہ اس مستاجر سے بھی بارہا محض باطل طور پر ہوتا ہے
 اس لئے کہ دیہات کا ٹھیکہ جس طرح رائج ہے کہ زمین اجارہ مزارعان میں رہتی ہے اور توفیر ٹھیکہ میں
 دی جاتی ہے قطعاً باطل محض ہے جس کے بطلان کا روشن بیان ہمارے فتاویٰ میں ہے۔ فتاویٰ خیرہ
 میں ہے :

الاجارة اذا وقعت على استهلاك الاعيان
 قصد اوقعت باطله فعقد الاجارة المذكورة
 حيث لم يقع على الانتفاع بالارض بالزرع
 ونحوه بل على اخذ المتحصل من الخراج
 الموظف والمقاسمة وما على الاشجار
 من الدراهم المضروبة فهو باطل باجماع
 ائمتنا والباطل لاحكم له باطباق علمائنا۔

اجارہ جب اعیان کو قصداً ہلاک کرنے پر واقع ہو تو
 وہ باطل واقع ہوتا ہے چنانچہ اجارہ مذکورہ جب
 کھیتی سے انتفاع پر واقع نہیں ہوا بلکہ اخراج کی
 دونوں نوعوں یعنی موظف و مقاسمہ سے حاصل
 ہونے والی پیداوار لینے اور جو کچھ درختوں پر ہے
 بصورت رائج درہموں کے اس کی اجرت لینے
 پر واقع ہوا ہے اور یہ ہمارے ائمہ کے اجماع سے

باطل ہے اور ہمارے علماء اس پر متفق ہیں کہ باطل کا کوئی حکم نہیں۔ (ت)

تو جس سال جس قدر نشئت ہو اسی قدر تمام و کمال حق مالک ہے زیادہ حاصل ہو تو مستاجر کا
 اس میں کوئی پیسہ نہیں اور کمی پڑے تو مستاجر پر ہرگز اپنے گھر سے اس کا پورا کرنا نہیں اور یہ کفالتیں اسی وقت
 کے لئے رکھی جاتی ہیں جب مستاجر سے پوری رقم مقرر شدہ وصول نہ ہو اگر مستاجر خود نہ کھا گیا بلکہ فی الواقع کمی
 ہوئی تو اس سے پوری رقم یعنی حوام ہے اور مطالبہ باطل، مگر از انجا کہ مطالبہ ضرور ہوتا ہے اور قانونی طور

سے اس پر جبر پہنچتا ہے اور بزور کچھری حاصل کر لیتے ہیں تو اس کی کفالت کی گنجائش ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے :

وہ جو ناحق ہے جیسے ہمارے زمانے میں بادشاہ کیلئے درزی اور رنگساز وغیرہ پر یومیہ ماہانہ مقرر کردہ ٹیکس، یہ ظلم ہے، ان کی کفالت صحیح ہونے کے بارے میں ہمارے مشائخ میں اختلاف ہے فتح القدير میں یوں ہی ہے اور فتویٰ صحیح ہونے پر ہے، شرح وقایہ میں یوں ہی ہے اور صحت کی طرف میلان کرنے والوں میں سے شیخ الاسلام علی البزدوی ہیں یوں ہی ہدایہ میں ہے۔ نسفی، شمس الاممہ اور قاضی خان نے فخر الاسلام کے قول کی مثل کہا کیونکہ یہ توجہ مطالبہ میں تمام دیون سے فوق ہے اور کفالہ کے باب میں اعتبار مطالبہ کل ہے کیونکہ یہ اس کے التزام کے لئے مشروع ہو اسی واسطے ہم نے کہا کہ جو کوئی ان ٹیکسوں کی عا دلانہ تقسیم کے لئے کمر بستہ ہو ا ماماجور ہوگا اگرچہ لینے والا ان کو لینے میں ظالم ہو، معراج الدرایہ میں یوں ہی ہے۔ (ت)

مالیس بحق کالجبايات الموظفة فی زماننا علی الخياط و الصباغ و غیرہما للسلطان فی کل یوم او شهر فانہا ظلم، اختلف المشائخ فی صحة الكفالة بها کذا فی فتح القدير، والفتویٰ علی الصحة کذا فی شرح الوقایة، و ممن یميل الی الصحة الشیخ الامام علی البزدوی کذا فی الہدایة، وقال النسفی وشمس الائمة قاضیخان مثل قول فخر الاسلام لانہا فی حق توجہ المطالبة فوق سائر الدیون والعبارة فی باب الكفالة للمطالبة لانہا شرعت لالتزامها، ولهذا قلنا ان من قام بتو نزیغ هذه النوائب بالقسط یوجروان کانت الاخذ فی الاخذ ظالما کذا فی المعراج الدرایة

تو اس مطالبہ مشتبہہ کی جو کبھی صحیح کبھی باطل طور پر ہوتا ہے کفالت بدرجہ اولیٰ صحیح ہوگی لیکن ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب میں ایجاب و قبول دونوں رکن کفالت ہیں تنہا کفیل کے قبول و التزام مطالبہ سے وہ کفیل نہیں ہو جاتا جب تک اس کے ساتھ مکفول لہ کا اسے قبول کرنا بھی نہ ہو خواہ وہ خود قبول کرے یا اس کی طرف سے دوسرا اگرچہ فضولی۔ ولہذا اگر اس مجلس میں قبول نہ پایا جائے تو کفالت باطل ہو جاتی ہے پھر بعد مجلس اگر مکفول لہ سوا بار قبول کرے کچھ مفید نہیں۔ فتویٰ یہاں مختلف ہے، اور فتویٰ جبہ مختلف ہو تو قول امام پر عمل واجب،

جیسا کہ البحر الرائق اور خیرہ وغیرہ میں ہے اور ہم اس کو اپنے فتاویٰ کی کتاب النکاح میں بیان کر چکے ہیں۔ (ت)

کمانص علیہ فی البحر الرائق والخیرہ و غیرہما وقد بینا فی النکاح من فتاوانا۔

محیط و ہندیہ میں ہے،

اما رکنها فالایجاب والقبول عند ابی حنیفہ ومحمد رحمہما اللہ تعالیٰ وهو قول ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ اولاحق ان الکفالة لاتتم بالکفیل و حدہ سواء کفل بالمال او بالنفس مالہ یوجد قبول مکفول لہ او قبول اجنبی عنہ فی مجلس العقد او خطاب مکفول لہ او خطاب اجنبی عنہ اما اذا العیوجد شیء من ذلك فانها لاتقف علی ما وراء المجلس حتی لو بلغ الطالب فقبل لم تصح۔

امام ابو حنیفہ و امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما کے نزدیک کفالہ کا رکن ایجاب و قبول ہے اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ کا پہلا قول بھی یہی ہے یہاں تک اکیلے کفیل سے کفالہ تام نہیں ہوتا چاہے وہ مال کی کفالت کرے یا نفس کی جب تک مکفول لہ یا اس کی جانب سے کسی اجنبی شخص کا قبول یا خطاب نہ پایا جائے اگر ان میں سے کچھ بھی نہ پایا گیا تو یہ ماورائے مجلس پر موقوف نہ ہوگا یہاں تک کہ اگر طالب تک خبر پہنچی اور اس نے قبول کر لیا تو کفالہ صحیح نہ ہوگا۔ (ت)

منع الغفار میں امام طرطوسی سے ہے، الفتویٰ علی قولہما (فتویٰ طرفین کے قول پر ہے۔ ت) رد المحتار

میں ہے،

فی الدرر البزازیة و بقول الثانی یفتی و فی النفع الوسائل وغیرہ الفتویٰ علی قولہما۔

درر اور بزازیہ میں ہے کہ امام ثانی (ابو یوسف) کے قول پر فتویٰ دیا جاتا ہے اور النفع الوسائل وغیرہ میں ہے کہ فتویٰ طرفین کے قول پر ہے۔ (ت)

ظاہر ہے کہ قبول ہبہ یا اخذ ہبہ نامہ کے وقت ریس کی طرف سے کوئی قبول کرنے والا نہ تھا اور ہبہ نامہ کے لفظ اس کے ایجاب نہیں ہو سکتے کہ اس میں مطالبہ باطلہ ذمگی جائداد کا ذکر ہے نہ کہ مطالبہ ذمگی واہب کا۔

۲۵۲/۳	نورانی کتب خانہ پشاور	الباب الاول	لہ فتاویٰ ہندیہ کتاب الکفالة
۶۳/۲	مطبع مجتہدانی دہلی	کتاب الکفالة	لہ در مختار بحوالہ الطرطوسی
۲۵۱/۳	دار احیاء التراث العربی بیروت	”	لہ رد المحتار

اور اگر فرض کیجئے کہ جانب ریاست سے اس وقت اس کفالت جائزہ کا ایجاب یا قبول واجب خواہ کسی شخص اجنبی نے کیا تو اب ایک رکن کفالت جانب فضول سے پایا گیا کفالت منعقد ہو کر اجازت ریاست پر موقوف رہی۔ محیط و ہندیہ میں ہے :

قال اجنبی لغيره اقل بنفس فلان
او بمال عن فلان لفلان فيقول ذلك الغير
كفلت تصح الكفالة وتقف على ما وراء
المجلس على اجازة المكفول له و
لكفيل ان يخرج نفسه عن الكفالة قبل
ان يجيز الغائب كفالت له.
اجنبی نے غیر سے کہا کہ تو فلاں کے نفس کا یا فلاں کیلئے
فلاں کے مال کا کفیل بن جا، اور وہ غیر کہے کہ میں کفیل
بن گیا تو کفالت صحیح ہو گا اور مجلس کے بعد مکفول لہ کی
اجازت پر موقوف ہو گا اور کفیل کو اختیار ہو گا کہ مکفول لہ
کے کفالت کی اجازت دینے سے پہلے خود کو کفالت سے
خارج کر لے۔ (ت)

مگر ریاست کو اس امر جائز کی اطلاع نہ دی گئی نہ اس کی جانب سے اس کی منظوری ہوئی بلکہ منظوری
اسی امر باطل کی ہوئی کہ جائداد بدستور مکفول رہے پھر یہ کفالت بے اثر رہی۔ ہذا اینبغی التحقیق
واللہ سبحانہ ولی التوفیق (یونہی تحقیق چاہئے اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق کا مالک ہے۔ ت) و اللہ
تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۸۹ مرسلہ سید مقبول علیہ صاحب سادات نومحلہ از ریاست جاوہر ملک مالوہ ۱۳۲۷ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسلمان جو تابع شریعت
محمدی ہے جس کا نام جمعہ ہے اس نے مسماۃ بنت پیاری سے مہر شرعی پر عقد برضا مندی خود بہ اشتہار کہ
علاوہ نان و نفقہ زوجہ کے میں جمعہ اپنی خوشدامن کو بھی بوجہ عسرت خورد و نوش کے تکلیف ہوگی تو میں
ان کے خورد و نوش کا صرفہ بھی اپنے ذمہ لوں گا اور گھر میں صرفہ خورد و نوش خوشدامن یعنی مسماۃ پیاری
کا نہ دوں تو خدا بخش ضامن جس کے اقرار نامہ ہذا پر دستخط ہیں دے گا اب مسماۃ پیاری کو خورد و نوش
واقعہ ہوئے تو جمعہ اور اس کا ضامن بالاصالہ مضمون دستاویز سے اقراری ہیں مگر صرفہ خورد و نوش
دینے سے حجت و حیلہ حوالہ کرتے ہیں، چنانچہ نقل دستاویز بھی بنا پر ملاحظہ مفتیان کرام ارسال ہے
از روئے احادیث جواب مرحمت فرمایا جائے۔ بینوا تو جروا۔

الجواب

پیاری کالفقہ شرعاً ذمہ جمعہ واجب نہ تھا اور اس کا یہ لکھ دینا کہ اگر میری خوش دامن کو کبھی خورد و نوش کی تکلیف ہوگی تو ان کے خورد و نوش کا بھی صرفہ اپنے پاس سے دوں گا محض ایک احسان کا وعدہ تھا اور احسان پر جبر نہیں پہنچتا،

فقد صرحوا قاطبة ان لا جبر علی المتبرع
وقال اللہ تعالیٰ ما علی المحسنین
من سبیل ۱۰

تحقیق تمام فقہاء نے اس کی تصریح کی کہ احسان کر نیوالے پر کوئی جبر نہیں ہوگا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا، احسان کرنے والوں پر کوئی راہ نہیں (ت)

اور وہ جب خود جمعہ پر واجب نہ تھا تو خدا بخش جس نے ضمانت کی اور اقرار نامہ پر یوں دستخط کئے کہ بموجب اقرار نامہ نوشتہ جمعہ جی میں خدا بخش ضامن ہوں مجھ کو یہ ضمانت منظور ہے یہ ضمانت بھی محض باطل و بے اثر ہوئی کہ جب اصل ہی پر مطالبہ نہیں ضامن پر کیا ہوگا،

کما ہونی رد المحتار عن البحر عن البدائع
اما شرائط المكفول به فالاول ان یکون
مضوناً علی الاصل الخ ۲

جیسا کہ رد المحتار میں بحر سے بحوالہ بدائع منقول ہے کہ مکفول بہ کی شرطوں میں سے پہلی یہ ہے کہ وہ اصل پر قابل ضمان ہو (ت)

در مختار میں ہے،

شرطها فی الدین کونہ صحیحاً لا ضعیفاً کبدل
کتابۃ فما لیس دیناً بالاولیٰ نہریہ

دین میں کفالہ کی شرط یہ ہے کہ وہ دین صحیح ہو ضعیف نہ ہو جیسے بدل کتابت اور جو دین ہی نہیں اس کی کفالت بدرجہ اولیٰ صحیح نہیں، نہر۔ (ت)

البتہ جمعہ کے حق میں اولیٰ یہ ہے کہ اگر کوئی عذر صحیح نہ ہو تو اپنا وعدہ پورا کرے فان الوفاء من مکاسم
الاخلاق (کیونکہ وعدہ کو پورا کرنا اعلیٰ اخلاق کریمانہ میں سے ہے۔ ت) واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۹۰ مکملہ از ریاست رام پور مرسلہ سید محمد انوار حسین متوطن قدیم قصبہ کندر کی حال مقیم ریاست رام پور

۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۷ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم، بحضرت اقدس علامہ محقق و فہامہ مدق فاضل بریلی دام فیضہم العالی

۱۰/۹ القرآن الکریم

۲۵۱/م

دار احیاء التراث العربی بیروت

کتاب الکفالتہ

۱۰ رد المحتار

۵۹/۲

مطبع مجتہبی دہلی

۱۰

۱۰ در مختار

علیٰ کافۃ المسلمین، السلام علیکم۔ بصداد حضور والا میں عرض پرداز ہوں کہ حضور نے تین فتوے متعلق استغراق جائداد عطا فرمائے جو عدالت دیوانی ریاست رام پور میں پیش کئے گئے جن کی بنیاد پر جناب مفتی صاحب عدالت دیوانی ریاست رام پور نے بحوالہ فتووں حضور کے ڈگری بحق مدعا علیہ کے صادر فرمائی اور یہ تجویز فرمایا (یہ مقدمہ برہنائے کفالت مستاجر جری دائر ہے کہ مدعی نے مدعا علیہ کی مستاجر جری میں اپنی جائداد مکفول کی تھی لہذا سب سے پہلے اس امر کا انفصال ضروری ہے مدعا علیہ نے جناب مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی کے چند فتوے پیش کئے ہیں فاضل بریلوی نے اس امر کو ثابت کیا ہے کہ ایسی کفالت بالمال جو اس مقدمہ میں زیر بحث ہے شرعاً ناجائز ہے منجانب مدعی ان کی تردید میں کوئی شرعی استدلال یا حکم ریاست پیش نہیں کیا، عدالت نے مسائل شرعیہ پر غور کیا تو فتویٰ پیش کردہ مدعا علیہ صحیح و لائق پابندی ہیں، پس ایسی حالت میں جبکہ کفالت مذکورہ بھی جائز نہیں تو مدعی نے جو روپیہ بوجہ کفالت مذکور داخل سرکار کیا ہے اس کا دین دار مدعا علیہ شرعاً نہیں ہو سکتا اور دفعہ ۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، ۷، ۸، ۹ قانون حامد یہ مفید مدعی نہیں ہے بلکہ صورت مقدمہ سے غیر متعلق ہے) لچھی زائن مدعی ناکامیاب نے بنا راضی تجویز مفتی صاحب دیوانی اپیل دائر کیا اور عدالت اپیل میں ایک فتویٰ حضور والا کا اس تائید میں پیش کیا کہ ایسی کفالت شرعاً جائز ہے اور اپنے سوال میں چند واقعات غیر صحیح تحریر کر کے جناب والا سے فتویٰ حاصل کیا سوال مذکور میں جو امور خلاف واقعہ درج کئے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) دفعہ ۹، آئین حامد یہ کا یہ مضمون تحریر کیا ہے کہ صیغہ مال میں جو شخص مطالبہ سرکاری کی ضمانت کر کے روپیہ سرکار میں داخل کرے اس کو اصل مستاجر پر دعویٰ رجوع کر کے زر مدخلہ اپنا وصول کرنے کا اختیار حاصل ہے یہ مضمون دفعہ ۹، آئین حامد یہ کا ہرگز نہیں ہے بلکہ دفعہ مذکور تابع دفعہ ۷، ۸، ۹ کے ہے دفعہ ۷، ۸، ۹ کا منشا یہ ہے کہ جب کوئی جائداد مستاجر مکفول کرے تو مالک جائداد کو حق عذر داری کا مابین میعاد پندرہ روز حاصل ہے اور جب استغراق منظور ہو جائے تو حسب منشا دفعہ ۹، بعد منظوری ضمانت کے استغراق کی نسبت کسی شخص کی عذر داری با رجوع نالاش کسی عدالت میں قابل سماعت نہ ہوگی البتہ بمقابلہ مالگزار کی عذر دار مجاز دعویٰ ہر جہ کا عدالت دیوانی میں حسب ضابطہ ہو سکتا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر مستاجر کسی شخص کی جائداد بلا اس کی مرضی کے خود مکفول کر دے تو مالک جائداد بعد منظوری و الگداشت کی نالاش نہیں کر سکتا بلکہ ہر جہ کی نالاش کر سکتا ہے یہاں ایسا نہیں ہے کیونکہ مالک جائداد نے خود اپنی جائداد مکفول کرائی ہے جیسا کہ مفتی صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ دفعہ ۹، آئین حامد یہ متعلق نہیں۔

(۲) سائل نے اپنے سوال میں یہ بھی تحریر کیا ہے کہ عمرو نے ضمانت اپنی جائداد سے کی جس کا مفہوم ہوتا ہے کہ عمرو نے ضمانت کی حالانکہ عمرو نے ضمانت نہیں کی ہے بلکہ اپنی جائداد کو مکفول کر آیا ہے کفالت نامہ

بعد نہ زرقہ داخل کرنے کی ضرورت نہ جائداد کی ضرورت نہ ان کے ہونے سے ضمانت میں کوئی تخلل کہ یہ ایک امر زائد غیر متعلق ہیں۔ ہندو مدعی نے سائل ایک مسلمان کو ٹھہرایا اور اصلاً پتہ نہ دیا کہ سوال اس مقدمہ سے متعلق ہے کہ سال گزشتہ جس کی نسبت دارالافتاء سے فتویٰ جاچکا ہے نہ سوالات سابقہ و سوال مدعی میں مفصل صورت واقعہ یکساں بتائی گئی تھی جس سے دونوں کا خصومت واحدہ سے تعلق ظاہر ہوتا اور علماء کرام نے ہمیں حکم دیا ہے کہ جس عقد کا سوال میں ذکر ہوا سے صحت پر محمول کر کے جواب دیا جائے۔ و ہیز امام کردری میں ہے:

لو سئل عن صحته يفتي بصحته حملا على
استيفاء الشرائط اذ المطلق يحصل على
الكمال الخالي عن موانع الصحة
ايضا كمال پر محمول کیا جاتا ہے جو موانع صحت سے خالی ہو۔ (ت)

دو سوالوں میں ایسا اختلاف ہونے سے جواب مختلف ہو جانا لازم ہے جس کی ذمہ داری اس پر ہے جس نے سوال محل یا غلط پیش کیا، فتاویٰ خیرہ میں ایسے ہی اختلاف سوال کے بارے میں کہ علامہ دہلی سے ایک بار سوال ایک طور پر ہوا دوبارہ اس کے خلاف تھا ارشاد فرمایا،

لا شك في ان المفتي انما يفتي بما اليه
السائل ينهي
اس میں کوئی شک نہیں کہ مفتی اسی پر فتویٰ دیتا ہے جو خبر سائل اس کے پاس پہنچائے۔ (ت)

نیز دوبارہ ایسے ہی واقعہ میں فرمایا،

السؤال الاول لم يذكر لنا فيه ان الاجارة
وقعت على تناول الخراج و نحوه من
الاعيان و مسئلتنا فيه عن الاجارة
مطلقا فان صرفت الى تملك
المنفعة و قسمنا الاحكام على الصحيحة و الفاسدة
پہلے سوال میں ہمارے لئے اس بات کا ذکر نہیں کیا گیا تھا کہ اجارہ خراج یا اس کی مثل اعیان کے حصول پر موقوف ہے بلکہ اجارہ مطلقہ کے بارے میں سوال کیا تھا تو وہ تملك منفعت کی طرف لوٹا اور ہم نے احکام کو دو قسموں یعنی صحیح اور فاسد پر تقسیم کیا

۱۰۳ / ۲ دار المعرفۃ بیروت کتاب الصلح لہ فتاویٰ خیرہ بحوالہ البرازیلہ
۵۱ / ۶ الفصل السادس نورانی کتب خانہ پشاور فتاویٰ بزازیلہ علی ہاشم فتاویٰ ہندیہ
۳۹ / ۲ دار المعرفۃ بیروت کتاب الوکالۃ لہ فتاویٰ خیرہ

مگر جب وہ اعیان کے اتلاف پر واقع ہوا ہے
تو وہ باطل ہے۔ (ت)

اما حیث كان الواقع انهما على اتلاف
الاعیان فہی باطلۃ یٰ

اسی کے ایک تیسرے واقع میں ہے ،

کبھی فتویٰ پوچھنے والوں کے موضوع مرفوع میں اختلاف
کی وجہ سے جواب مختلف ہو جاتا ہے اس لئے اس
جواب میں مجیب پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا (ت)

قد یختلف الجواب باختلاف الموضوع
المرفوع لاهل الفتویٰ فلا اعتراض علی
المجیب فی الجواب یٰ

اسی میں ایک چوتھے واقع پر ہے ،

تحقیق اسی حادثہ میں سوال میں مذکور موضوع سے مختلف
صورت میں فتویٰ پوچھا گیا تھا لہذا اسی سبب سے
جواب مختلف ہوا چنانچہ اس میں افتاء کے معارضہ
کا وہم نہ کیا جائے۔ (ت)

قد استفتی فی هذه الحادثة بما هو مختلف
الموضوع فی السؤال فاختلف الجواب بسبب
ذلك فلا يتوهم معارضة الافتاء
فیه یٰ

ان سبب ارشادات شریفہ کا حاصل یہ ہے کہ پہلے اور طرح سوال کے گئے تھے پچھلے سوال ان کے خلاف
تھے لہذا جواب مختلف ہوئے کہ مفتی اسی پر فتویٰ دے گا جو اس کے سامنے پیش کیا جائے گا اس سے کوئی
فتووں میں تعارض کا وہم نہ کرے ، ہاں اگر اسی وقت معلوم ہوتا کہ یہ سوال مدعی اسی مقدمہ سوالات سابقہ سے متعلق
ہے جس میں اس نے صورت واقعہ غلط لکھی ہے تو ہرگز جواب نہ دیا جاتا کہ جب مفتی کو سوال کا خلاف واقع ہونا
معلوم ہو جائے تو حکم ہے کہ جواب نہ دے۔ عقود الدریہ میں ہے ،

جب مفتی کو معاملہ کی حقیقت معلوم ہو تو اس کو چاہئے
کہ وہ (جھوٹے) سائل کے لئے فتویٰ نہ لکھے تاکہ
وہ باطل پر اس کا مددگار نہ ہو۔ (ت)

اذا علم المفتی حقيقة الامر ینبغی له ان
لا یتب للسائل لئلا یكون معینا له علی
الباطل یٰ

ملاحظہ کفالت نامہ تجویز سے ظاہر ہے کہ سوال مدعی محض غلط و فریب ہے اس میں ضمانت اپنی جا بجا

لے فتاویٰ خیرہ	کتاب الاجارۃ	دار المعرفۃ بیروت	۱۳۶/۲
لے	"	"	۱۵۹/۱
لے	"	"	۱۸۳/۱
لے العقود الدریۃ	فوائد فی آداب المفتی قبل کتاب الطہارۃ	ارگ بازار قندھار افغانستان	۳/۱

سے کرنے کے یہ معنی نہیں کہ عمر و ضامن ہو اور زیادت و ثوق کو اپنی جائداد پیش کی جس کا حکم وہ تھا کہ ضمانت جب زید کی درخواست پر ہے بلاشبہ صحیح ہو گئی کہ ذکر جائداد نہ ہونا فضول ہے بلکہ یہ معنی ہے کہ آپ ضمانت نہ کی جو اپنا ذمہ مشغول نہ کیا خود نفس جائداد کو کفیل بنایا یہ قطعاً باطل محض ہے جیسا کہ جوابات سابقہ میں روشن کر دیا گیا مدعی نے کفالت بالمال کو پوچھا اس کا جواب قطعاً یہی تھا کہ صحیح ہے، اب ملاحظہ کاغذات سے ظاہر ہوا کہ یہ اس کی غلط بیانی ہے یہاں صورت واقعہ کفالت بالمال نہ تھی جسے شرع میں کفالت بالمال کہتے ہیں اور اس سے جو معنی خادمانِ شرع سمجھتے ہیں کہ مال مکفول بہ ہو یعنی وہ چیز جس کا مطالبہ کفیل نے اپنے ذمہ لیا بلکہ یہاں کفالت بالمال باضانت الی الفاعل تھی یعنی خود مال و جائداد کسی مطالبہ کی کفیل ہو یہ قطعاً باطل ہے اور وہ قطعاً صحیح۔ لاجرم فتویٰ کہ مدعی نے غلط بیانیوں سے حاصل کیا ہرگز متعلق مقدمہ نہیں متعلق مقدمہ وہی فتاویٰ سابقہ مدخلہ مدعا علیہ ہیں اور عذر مدعی باطل محض اور عذر مدعا علیہ صحیح و واجب القبول واللہ تعالیٰ اعلم

کتاب الحوالہ

(حوالہ کا بیان)

مسئلہ ۲۹۱ از خیر آباد ضلع سیٹاپور محلہ میانسرانے مدرسہ عربی قدیم مدرسہ سید فخر الحسن صاحب
اوائل رمضان المبارک ۱۳۲۷ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مستمی زید سنی و حنفی المذہب ہے اور نسبت حرام و ناجائز ہونے لین و دین سودی و جملہ کارروائی متعلقہ معاملہ سود کے اپنے ملت کے موافق عقیدہ رکھتا ہے، اتفاق زمانہ سے ایک ضرورت نے زید کو ایسا مجبور کیا کہ باوجود عقیدت و حرمت معاملہ سودی مبلغ پانچزار روپیہ بحساب ۱۲ فیصدی ماہواری سود زید نے مستمی منوسنگھ مہاجن سے قرض لئے بوجہ حاجتمندی زید کے مہاجن مذکور نے دستاویز میں یہ شرط تحریر کرائی کہ ڈیڑھ سال کے وعدہ پر یہ روپیہ دیا جاتا ہے ششماہی وار تنوہ ادا کرنا ہوگا بصورت عدم ادائے سود ششماہی وہ زر سود شامل اصل ہو کر سود و زر سود دینا پڑے گا اگر زید اندر ڈیڑھ سال زر اصل دینا چاہے گا تو سود پورے ڈیڑھ سال کا لیا جاوے گا تحریر دستاویز کے ایک ماہ بعد زید کو اس قدر روپیہ مل گیا کہ پانچزار روپیہ زر اصل و چھ سو نو اسی روپیہ ایک آنہ زر سود ڈیڑھ سال جملہ صمد مالک اصل و سود دے کر منوسنگھ مہاجن سے دستاویز واپس لے لے مگر قید کو یہ پریشانی لاحق ہے کہ مہاجن کا روپیہ صرف یک ماہ میرے پاس رہا ہے جس کا سود صرف مہینے ہوتے ہیں بجائے اس کے صمد مالک دے کر سماہ کا تاوان اٹھانا پڑتا ہے زید نے اپنی

پریشانی کی کیفیت مسیحاں محمود قوم سید و بدری پرشاد کھتری مہاجن سے بیان کی، مسمی محمود نے یہ صلاح دی کہ بالفعل اس روپیہ سے ٹھیکہ داری یا تجارت کی جائے اور بعد القضاے ایک سال و پانچ ماہ بقیہ مدت مندرجہ دستاویز سلسلہ ٹھیکہ داری وغیرہ منقطع کر کے اور منوسنگھ مہاجن کا قرضہ ادا کر کے دستاویز واپس کر لی جائے امید ہے کہ ٹھیکہ داری یا تجارت کے ذریعہ سے مقدار تاوان سماہیہ سے زائد منفعت حاصل ہو جائیگی مسمی بدی پرشاد مہاجن یہ مشورہ دیتا ہے کہ سلسلہ ٹھیکہ داری یا تجارت قائم کرنے میں احتمال نفع و نقصان دونوں قسم کا ہے نقصان کی صورت میں جائداد موجود کے جو ظاہری ذریعہ ہے تلف ہو جانے کا اندیشہ ہے پس اگر شریعت اجازت دے تو مبلغ پانچ ہزار اصل اور ^{۴۰} زر سود یکماہہ جملہ ^{۳۰} جو اس وقت آپ کے واجب الادا ہیں مجھ کو دے کر قرضہ کی اتروائی مجھ پر کر دیجئے اب منوسنگھ میرے ذمہ عائد ہو جائیگا میں شخص مہاجنی پیشہ ہوں مبلغ ^{۳۰} جو آپ سے ملیں گے اس کو سودی قرضہ میں لگا کر تھوڑے عرصہ میں کل روپیہ ^{۳۰} پورا کر کے اور منوسنگھ کو دے کر دستاویز واپس کر لوں گا یہ ایسی تدبیر ہے جس سے آپ کو قرضہ سے سبکدوشی بھی ہو جائے گی اور جائداد موجودہ کا بھی کچھ نقصان نہ ہوگا بلکہ اس حیلہ میں یہ نفع ہوگا کہ آپ جس قدر دینے سماہیہ ^{۱۲} زر سود کے مواخذہ میں مبتلا ہوتے اس سے محفوظ رہیں گے بظاہر مشورت مسمی بدری پرشاد مناسب اور موجب منفعت دینی و دنیوی معلوم ہوتی ہے لہذا استصواب ہے کہ مسمی زید کو بروئے ملت حنفیہ و شریعت غرامشورہ بدری پرشاد پر عمل کرنا جائز ہے یا اس صورت میں علاوہ مواخذہ سود دینے کے مواخذہ سود خوری مبتلا ہونا ہوگا، جواب تفصیلی بحوالہ کتب ملت حنفیہ بہت جلد ارقام فرمایا جائے کہ اس مسئلہ کے دریافت ہونے کی سخت ضرورت درپیش ہے نیز یہ بھی ہدایت فرمایا جائے کہ اگر زید کو صرف دو ہزار روپیہ مل جائے اور موافق مشورہ بدری پرشاد کے بقدر مبلغ دو ہزار روپیہ کے قرضہ کی اترائی بدری پرشاد پر کر دی جائے تو اس صورت میں وہی حکم ہوگا جو کل قرضہ کی اترائی میں ہوگا یا اس کے علاوہ کچھ دوسرا حکم ہوگا؟

الجواب

قرض تحویل کر دینے کی رائے بالکل خیر ہے زید اس دوسرے ہندو کو پانچ ہزار اڑتیس حوالہ قرض کی نیت سے دے پانچ ہزار سے جتنا زیادہ دیتا ہے اس میں پہلے ہندو کے سود کی نیت نہ کرے پھر پہلے ہندو سے کہہ کر اس کا قرضہ دوسرے پر اتروادے اور اس میں قانونی احتیاط کر لے کہ دھوکا نہ پائے یوں بالکل سود دینے سے زید بچ جائے گا چالیس پچاس روپیہ جو زیادہ جائے گا وہ یوں ہوگا کہ قرض دیا تھا اور مارا گیا یا قرضدار پر چھوڑ دیا سود دینے میں محسوب نہ ہوگا۔ رہا یہ کہ وہ دوسرا ہندو اس روپے کو سود پر چلائے گا یہ اس کا فعل ہے بلکہ تنہا اس کا بھی فعل نہیں جب تک اسے کوئی قرض لینے والا نہ لے تو اس کا الزام زید پر نہیں

آسکتا ہے ،

قال تعالیٰ لا تزر وازرة وزر اخرى ^{یہ}
اللہ تعالیٰ نے فرمایا ، کوئی بوجھ اٹھانے والا نفس
دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ (ت)

ہدایہ میں ہے :

انما المعصية بفعل المستاجر وهو مختار
فیه فقطع نسبتہ عنہ ^{یہ}
بیشک گناہ تو مستاجر کے فعل سے ہے اور وہ مختار
ہے (مکروہ نہیں) لہذا اس کی نسبت مالک مکان
سے منقطع ہوگئی۔ (ت)

یوں ہی اگر بعض قرض کے ساتھ ایسا کر سکے تو بعض ہی سے سہی کہ جتنی معصیت سے بچے یا جتنا مال حرام میں دینے
سے محفوظ رہ سکے اس قدر کی تدبیر واجب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹۲ مکملہ از خیر آباد مقام مذکور مرسلہ مولوی سید فخر الحسن صاحب ۱۹ شوال ۱۳۲۷ھ

شریعت پناہ جناب مولانا مولوی احمد رضا خاں صاحب ادام اللہ تعالیٰ فیوضکم ، تسلیم !
اپنی بے استعدادی کو مجبوری میں جائے پناہ اگر نظر آتی ہے تو صرف ذات بابرکات قدسی صفات عالی
ہے لہذا باوجود وقوف عدم الفرصتی تکلیف دہی والا پر مجبور ہو کر نہایت ادب سے معافی کا مترصد ہوں استغنا
منسلک عریضہ ہذا اولاً حضور اقدس میں بھیجا تھا دیررسی جواب کی وجہ سے اس کی نقل راپور بھی بھیجی تھی پیشگاہ والا
سے جواز صورت مستولہ کا حکم پا کر سائل کو ہدایت تدبیر فراہمی روپیہ کی کی گئی تھی کہ سہ
قسمت کو دیکھئے کہ کہاں ٹوٹی جاگمنہ

دو چار ہاتھ جبکہ لب بام رہ گیا

پورے روپے کی تدبیر نہ ہونے پائی تھی کہ راپور سے جواب خلاف حکم والا ملا ، یہ امر میرے عرض کرنے
کا محتاج نہیں ہے کہ امور خیر و اصلاح کار میں بھی کچھ وساوس و ابلیس آدم رو و مانع پیش آتے ہیں صاحب
معاملہ کے خیالات و جوابات راپور سے ایسے تبدیل کئے گئے کہ وہ کہتا ہے کہ جب تک راپور کی تردید میں
براہین قاطعہ و دلائل مستحکم از روئے ملت حنفیہ نہ دیکھوں گا کسی طرح جواز تحویل کو تسلیم نہیں کر سکتا مجھ، سچپان کو بجز
اس کے کہ ذات بندگان عالی سے پناہ چاہوں کوئی چارہ کار نہیں ہے لہذا نقل جوابات مرسلہ علمائے راپور

ارسال خدمت کر کے گزارش ہے کہ جس قدر جلد ممکن ہو کمترین کو اس ضغطہ سے نجات دیجئے۔
 پناہ جو بدرت آدم بجز و نیاز کہ آستانِ تو حاجت روائے من باشد
 (پناہ ڈھونڈتے ہوئے عجز و نیاز کے ساتھ تیرے دروازے پر آیا ہوں تاکہ تیرا آستانہ
 میرا حاجت روا بن جائے۔ ت)

زیادہ بجز تمنائے حصول قدمبوسی کے کیا عرض کروں، عرضہ ادب کمترین فخر الحسن عفا عنہ از خیر آباد
 ۱۹ شوال ۱۳۲۷ھ۔

(جواب علمائے رایست رامپور)

الجواب واللہ سبحنہ موفق للصدق والصواب (اللہ سبحانہ و تعالیٰ سچائی اور درستگی کی توفیق عطا
 فرمانے والا ہے۔ ت) ایسی صورت میں زید کو بروئے ملت حنفیہ مشورہ بدری پر شاد پر عمل ناجائز و حرام ہے
 بیشک اس صورت میں علاوہ مواخذہ سود دینے سے مواخذہ سود خوری میں مبتلا ہونا ہے، تفصیل یہ ہے کہ
 زید کا مبلغ ^{۳۰۰} بدری پر شاد کو دے کے منوسنگھ کے قرضہ کی اترائی بدری پر شاد پر کر دینے کے معنی بظاہر
 یہ ہیں کہ زید مبلغ ^{۳۰۰} بدری پر شاد کو اس شرط پر قرض دے کہ وہ منوسنگھ والے قرض مبلغ ^{۳۰۰} سالہ
 ذمگی زید کو زید کی طرف سے ادا کر کے دستاویز واپس لے لے اور منوسنگھ کے دین کو بدری پر شاد پر حوالہ کرے،
 قال فی تنویر الابصار فی تفسیر الحوالہ ہی تنویر الابصار میں حوالہ کی تفسیر میں کہا کہ وہ دین کو
 نقل الدین من ذمۃ المحیل الی ذمۃ محیل کے ذمہ سے محیل علیہ کے ذمہ کی طرف منتقل
 المحتال علیہ انتہی۔ کرنا ہے انتہی۔ (ت)

تو بدری پر شاد کا ^{۳۰۰} لے کے اور سامہ ^{۱۰۰} بڑھا کے ^{۴۰۰} ادا کرنا زید کو سامہ
 سود دینا ہے کیونکہ یہ سامہ جو بدری پر شاد زید کی طرف سے منوسنگھ کو ادا کرے گا یہ رقم کسی مال کے
 عوض میں ثابت نہیں ہوتی تو بالضرور زید کے ^{۳۰۰} قرض دئے ہوئے روپوں کا نفع ہوگا،
 وفي الاشباہ کل قرض جو نفعاً حراماً انتہی اشباہ میں ہے کہ جو قرض نفع کھینچے وہ سود ہے
 در مختار، فی جواهر الفتاویٰ اذا کات انتہی (در مختار)، جواہر الفتاویٰ میں ہے کہ اگر
 مشروطاً صار قرضاً فیہ منفعة وہ مشروط ہو تو ایسا قرض ہوگا جس میں نفع ہو اور

وهو ربا انتهى شامی ، قال في الكفاية الربو
في الشرح عبارة عن فضل مال
لا يقابله عوض في معاوضة مال بمال
انتهى۔
وهو سود ہے انتہی (شامی) ، کفایہ میں کہا سود شرع
میں اس مالی زیادتی کو کہتے ہیں جس کے مقابل کوئی
عوض نہ ہو جبکہ یہ مالی معاوضات میں ہو
انتہی (ت)

اور اس صورت میں سود دینے کا مواخذہ تو ظاہر ہے کیونکہ سال علیہ جو منجانب زید منو سنگھ کو
پہنچیں گے یہ رقم سود ہے جو زید نے اپنے ذمہ دین تسلیم کر کے بدری پر شاد پر حوالہ کئے ، غایت یہ ہے کہ زید
نے خود نہیں دئے دلوائے اور چونکہ بقتدیر صرف دو ہزار کی اترائی کے موافق شرط مذکور بقدر دو ہزار کے
سود بھی بدری پر شاد اپنے پاس سے ادا کرے گا تو اس صورت میں وہی وجہ عدم جواز کی ہے جو پہلی صورت
میں تھی لہذا یہ اور وہ دونوں ناجائز ہیں ، ہذا صورت الجواب واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

المجیب فقہ الدین عفا عنہ

اصاب من اجاب	ذلك كذلك	ذلك كذلك
محمد معز اللہ مدرس مدرسہ عالیہ امپور	محمد منور علی مہر	محمد عنایت اللہ عفی عنہ
الجواب صحیح والرأی نجیم واللہ تعالیٰ اعلم	الجواب الجواب واللہ سبحانہ اعلم بالصواب	الجواب الجواب واللہ سبحانہ اعلم بالصواب
محمد لطف اللہ	ابوالافصال محمد فضل حق	ابوالافصال محمد فضل حق
مہر		

بیشک صورت مذکورہ میں دونوں صورتیں ناجائز ہیں فقط

ہدایت اللہ خاں ولد حافظ عنایت اللہ خاں

استفتاء برضیمیر معدلت پرائے ارباب شریعت غرا محنتی مباد کہ ایک سوال کے دو جواب متضاد
موصول ہوئے یعنی حضرات دار الافتاء اہل سنت و جماعت بریلی نے جواز صورت مسئلہ کا حکم دے کر بنظر
عمل بالخیر ہونے کے اس امر کو واجب العمل فرمایا اور حضرات علمائے رامپور نے اس امر واجب العمل کو
ناجائز و حرام تحریر فرمایا ہے زیادہ مصیبت یہ ہے کہ جس ضرورت کے واسطے استفتاء کیا گیا تھا اس کا
کچھ چارہ کار نہیں بتلایا حالانکہ لفظوائے الدین لیسر پیر و ملت اسلام کے واسطے آسانی کا دروازہ کھول دیا
گیا ہے اب نہایت ضرور ہوا کہ منجملہ ہر دو جوابات کے ایک جواب غلط ہو کر اس کی غلطیاں برائین قاطعہ سے

۱۶۴/۴

۱۴۷/۶

دار احیاء التراث العربی بیروت

مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

فصل فی القرض

باب الربا

لے ردالمحتار

کے الکفایہ مع فتح القدر

ثابت کی جائیں اور بعد قائم ہو جانے امر حق کے اس کی تعمیل کی ہدایت فرمائی جائے۔ بینوا تو جبروا۔

الجواب

اللهم هداية الحق والصواب ، بملاحظه مولانا المكرم جناب مولوی سید محمد فخر الحسن صاحب
اکرمکم اللہ تعالیٰ السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ۔

نوازش نامہ اس وقت تشریف لایا ایالی دارالافتاء بعزم آ رہ شاہ آباد جلسہ مدرسہ فیض العسرہ با
پا برکاب ہیں اجمالی جواب فوری گزارش ہے کہ تکلیف انتظار بھی نہ ہو اور ایک مسلمان کہ سود کی بلا سے بچتا
ہے مبادا تاخیر میں وہ معاملہ ہاتھ سے نکل جائے اگر ضرورت ہوگی ان شاء اللہ تعالیٰ اور تفصیل کر دیکھائیگی
وباللہ التوفیق۔

مولانا آپ نے بنظر عجلت سوال و ہاں ارسال فرمایا اگر یہ جواب لکھ کر بھیجتے تو مامول تھا کہ ان صاحبوں
کی نظر غرضش نہ کرتی بطور خود زلت نظر بعید نہیں مگر بعد علم بالحق مخالفت مظنون نہیں ہوتی الا من عند
وہو اہ عبداً (سوائے اس شخص کے جو عناد اختیار کرے اور اپنی نفسانی خواہش کی پرستش کرے۔ ت)
ان صاحبوں کا بڑا منشا غلطیہ ہے کہ بعد اس حوالہ کے بھی زید ہی کو دیون سمجھے ہوئے ہیں اور وہ دوسرا
ہندو جو ادا کرے گا اسے زید کی طرف سے ادا کرنا گمان کر رہے ہیں کہ لکھتے ہیں بدری پر شاد منوسنگہ والے
قرضہ ذمگی زید کو زید کی طرف سے ادا کر کے دستاویز واپس لے لیتے ہیں یہ صاحب بدری پر شاد
زید کی طرف سے منوسنگہ کو ادا کرے گا نیز لکھتے ہیں صاحب منجانب زید منوسنگہ کو پہنچیں گے ان کے
سارے خیالات کا منبع بلکہ سراپا تحریر کا محصل یہی زعم ہے اور وہ اصلاً صحیح نہیں حوالہ میں (جسے قرضہ
کی اتراتی کہتے ہیں) اصل دیون (جسے محیل کہتے ہیں) دین سے بری ہو جاتا ہے دین اس پر نہیں رہتا
اس دوسرے پر ہو جاتا ہے جس نے اپنے اوپر لیا (جسے محال علیہ کہتے ہیں) محال علیہ وہ دین محیل کی
طرف سے ادا نہیں کرتا بلکہ خود اپنے اوپر کا دین دائن کو (جسے محال و محال لہ کہتے ہیں) دیتا ہے۔
تنویر الابصار میں ہے :

المحوالة نقل الدين من ذمة المحيل
الى ذمة المحال عليه
نہر الفائق پھر عالمگیری میں ہے : هو الصحيح۔
حوالہ محیل کے ذمہ سے دین کو محال علیہ کے ذمہ کی
طرف منتقل کرنے کا نام ہے (ت)

لہ درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الحوالة مطبع مجتہبی دہلی ۶۹/۲
لہ فتاویٰ ہندیہ بحوالہ نہر الفائق " نورانی کتب خانہ پشاور ۲۹۵/۳

تتوزر میں ہے :

برئ المحیل من الدین بالقبول

محتاج علیہ کی طرف سے قبول کے بعد محیل قرض سے
بری ہو جاتا ہے۔ (ت)

فتح القدر ودر مختار میں ہے :

هل توجب البرأة من الدین المصحح
نعم

کیا حوالہ دین صحیح سے برات کا موجب ہے، جواب
ہاں۔ (ت)

محیط السخسی وفتاویٰ عالمگیریہ میں ہے :

اما احکامها فمنها برأة المحیل عن
الدین

حوالہ کے احکام میں سے ایک یہ ہے کہ محیل قرض سے
بری ہو جاتا ہے۔ (ت)

یہاں تک کہ اب اگر دائن اصل مدیون کو دین بخش دے یا معاف کرے تو باطل ہے کہ جو دین اس پر رہا ہی
نہیں اس کی بخشش یا معافی کیا معنی، اور اگر محتمل علیہ کو معاف کر دے معاف ہو جائے گا۔ فتاویٰ ظہیریہ و
فتاویٰ ہندیہ میں ہے :

فلو ابرأ المحتال المحیل عن الدین او
وهبه له لا یصح علیه الفتوی

اگر محیل کو محتمل علیہ قرض سے بری کرے یا قرض اس
کو ہبہ کرے تو صحیح نہیں، اسی پر فتویٰ ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے :

اجماع علی ان المحتال لو ابرأ المحتال علیہ
من الدین او وهبه منه صح ولو ابرأ المحیل
او وهبه لم یصح

اس پر اجماع ہے کہ اگر محتمل محتال علیہ کو قرض سے
بری کر دے یا اس کو قرض ہبہ کر دے تو صحیح ہے
اور اگر محیل کو بری کیا یا اس کو قرض ہبہ کیا تو صحیح
نہیں۔ (ت)

۶۹ / ۲	مطبع مجتہاتی دہلی	کتاب الحوالہ	۱۔ در مختار شرح تنویر الابصار
۶۹ / ۲	"	"	۲۔ در مختار بحوالہ فتح القدر
۲۹۶ / ۳	نورانی کتب خانہ پشاور	الباب الاول	۳۔ فتاویٰ ہندیہ بحوالہ محیط السخسی
۲۹۶ / ۳	"	"	۴۔ فتاویٰ ہندیہ بحوالہ الظہیریہ
۲۸۸ / ۴	دار احیاء التراث العربی بیروت	"	۵۔ ردالمحتار

تنویر الابصار و در مختار میں ہے،

لا يرجع المحتال على المحيل الا بالتوى و
هو باحد امرين ان يجحد المحال عليه
المحواله ويحلف ولا بينة له او يموت مفسلا
بغير عين و دين وكفيل و قال بهما و
بان فلسه الحاكم

ہلاکت کی صورت کے علاوہ محتمل محیل کی طرف رجوع
نہیں کر سکتا اور ہلاکت دو میں سے ایک امر کے
ساتھ ہوتی ہے یا محتمل علیہ حوالہ کا انکار کر کے قسم
کھا جائے اور محتمل لہ کے پاس گواہ نہ ہوں یا
محتمل علیہ مغلط ہو کر مر جائے اور کوئی عین، دین یا
کفیل نہ چھوڑے، اور صاحبین نے کہا ان دو صورتوں سے بھی اور ہلاکت متحقق ہوتی اور حاکم کے اس (محتمل علیہ)

کو مفسس قرار دینے سے بھی۔ (ت)

ردالمختار میں ہے،

ظاہر کلامہم متونا و شروحا تصحيح
قول الامام ونقل تصحيحه العلامة
قاسم ولم ار من صحح قولهما

متون و شروح میں فقہاء کے کلام سے ظاہر امام ابوحنیفہ
کے قول کی تصحیح ہے اور علامہ قاسم نے امام صاحب
کے قول کی تصحیح کو نقل کیا، میں نے کسی کو نہیں دیکھا
جس نے صاحبین کے قول کی تصحیح کی ہو (ت)

ان تصریحات و تصحیحات و هو الصحيح و علیہ الفتوی (وہی صحیح ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ ت)

کے بعد پھر یہ گمان کرنا کہ بدری پر شاد زید کی طرف سے ادا کرے گا وہ سود زید کی طرف سے منوسنگھ کو دیا جائے گا کیسی
فاحش غلطی ہے، سبحان اللہ! جب نہ یہ دیون رہا نہ اس پر مطالبہ، نہ یہ دیتا ہے نہ دائن اب اس سے لے سکتا
ہے تو یہ سود دینے والا کس حساب سے ٹھہرا، طرفہ یہ کہ تنویر الابصار کی عبارت خود نقل کی کہ حوالہ اس کے ذمہ
سے اس کے ذمہ پر دین کا کر دینا ہے، جب دین منتقل ہو گیا تو وہ اپنی طرف سے ادا کرے گا کہ اس کا ذمہ
دین سے مشغول ہے یا اس کی طرف سے ادا کرے گا جس کے ذمہ پر دین نہیں اور اس صورت میں زید کو سود خور
ٹھہرانا اور بھی عجیب تر ہے، بفرض غلط ہوتا تو اتنا ہوتا جس کا خود ان صاحبوں نے اعتراف کیا کہ زید نے خود
نہیں دئے دلوائے، نہ یہ کہ معاذ اللہ اس نے خود سود لیا، تفصیل کے لئے عرض کر چکا ہوں کہ ضرورت ہوتی تو
پھر گزارش ہوگی، ذی انصاف کے لئے اسی قدر کافی ہے وباللہ التوفیق واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

۶۹/۲

مطبع مجتہبی دہلی

کتاب الحوالہ

لے در مختار شرح تنویر الابصار

۲۹۳/۴

دار احیاء التراث العربی بیروت

”

لے ردالمختار

۲۹۳ مسلمہ از کاٹھیاواڑ مستولہ حاجی عیسیٰ خان محمد صاحب ۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۰ھ

(۱) زید نے عمرو سے کہا میرے بکر پر روپے آتے ہیں تم وصول کر کے اپنے پاس جمع اور تصرف کا تمہیں اس میں اختیار ہے جب مجھے ضرورت ہوگی لے لوں گا، یہ جائز ہے یا نہیں؟

(۲) زید نے عمرو کے ہاتھ ہزار کانوٹ بارہ سو کو چار مہینے کے وعدہ پر بیچا اور تمسک لکھا لیا پھر زید نے بکر سے گیارہ سو کانوٹ بارہ سو کو خریدا اور کہہ دیا کہ عمرو پر میرے بارہ سو آتے ہیں وصول کر لو اور اطمینان کے لئے وہ تمسک کہ عمرو نے لکھا تھا بکر کو دے دیا، یہ جائز ہے یا نہیں؟

(۳) زید نے ہزار کانوٹ گیارہ سو کو عمرو کے ہاتھ وعدہ پر بیچا اور یہ شرط کر لی کہ سو روپے نقد ابھی لوں گا اور باقی ہزار روپے میعاد پر اور ہزار کا تمسک لکھا لیا پھر زید نے بکر سے ہزار کانوٹ ساڑھے دس سو کو خریدا اور پچاس فوراً ادا کر دئے اور ہزار کا عمرو پر حوالہ کر دیا اور اطمینان کے لئے وہی عمرو کا لکھا ہوا تمسک بکر کو دے دیا، یہ جائز ہے یا نہیں؟

(۴) ہنڈی کی کیا تعریف ہے؟

(۵) جبکہ ہنڈی حرام ہے تو کوئی صورت شرعاً ایسی ممکن ہے کہ جائز طور پر ہنڈی کا مطلب اس سے حاصل ہو جائے۔

الجواب

(۱) جائز ہے فانہ توکیل بالقبض و تسویغ للقرض (کیونکہ قبض کے لئے وکیل بنانا اور قرض دینا ہے۔ ت) واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) جائز ہے

لانہ حوالہ و مقابلة الاجل بقسط من الثمن والکل یجوز کما فی فتح القدیور۔
واللہ تعالیٰ اعلم۔
کیونکہ یہ حوالہ ہے اور اجل کے مقابلہ میں ثمن کا کچھ حصہ ہے اور یہ سب جائز ہے جیسا کہ فتح القدیور میں ہے (ت) واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) جائز ہے، یہ وہی صورت سابقہ ہے فقط اتنا فرق ہے کہ اس میں بعض ثمن معجل اور باقی مؤجل ہے اور اس میں کل مؤجل اور بحال اختلاف جنس و قدر یہ سب جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۴) زید عمرو کے پاس کچھ روپیہ بطور قرض اس شرط پر جمع کرے کہ یہ روپیہ فلاں شہر میں فلاں شخص کو ادا کیا جائے یا یہ کہ میں خود فلاں شہر میں پاؤں، اس کا نام ہنڈی ہے، یہ ناجائز و گناہ ہے اور اس پر جو بعض وقت کمی بیشی ہوتی ہے جسے متی کہتے ہیں وہ نر اسود اور حرام قطعی ہے اور بطور قرض دینے سے

یہ مراد نہیں کہ قرض کہہ کر دے بلکہ جب معاملہ یوں ہو کہ اگر یہ روپیہ عمرہ کے پاس سے بے اس کے قصور کے گم جائے چوری ہو جائے کسی طرح جاتا رہے جب بھی زید اپنا روپیہ اس سے بھروالے تو اسی کا نام قرض ہے اگر چہ دیتے وقت قرض کا لفظ نہ کہا ہو جمع کرنا کہا ہو جو امانت کو بھی شامل ہے اور یہاں عام طور پر یہی ہے کہ عمرہ کو ہر طرح اس روپے کا دینا جائے گا اور کسی طرح ضائع ہو جائے تو اس کے لئے نہ مانیں گے تو معلوم ہوا کہ امانت نہیں بلکہ قرض ہے امانت ہوتی تو بے اس کے قصور کے اگر روپیہ جاتا رہتا تو اس سے کچھ نہ لیا جاتا معہذا یہاں جمع کرنا اور دوسری جگہ اس کا عوض لینا یہ خود ہی حاصل قرض ہے امانت تو بعینہا واپس لی جاتی ہے نہ اس کا عوض اور جب یہ قرض دینا ہوا اور زید اس میں یہ فائدہ پاتا ہے کہ اگر روپیہ کسی کے ہاتھ اس شہر کو بھیجتا یا اپنے ساتھ لے جاتا تو راستے میں جاتے رہنے کا اندیشہ تھا عمرہ کو بطور قرض دینے سے یہ اندیشہ جاتا رہتا تو یہ ایک نفع ہے کہ زید نے قرض دے کر حاصل کیا اور قرض دینے والے کو قرض پر جو نفع جو فائدہ حاصل ہو وہ سب سود اور زراعت حرام ہے۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں :

کل قرض جرم منفعۃ فہو ربنا ۔

قرض سے جو فائدہ حاصل کیا جائے وہ سود ہے۔

لہذا ہنڈی ناجائز ہوتی ۔ رد المحتار میں ہے :

اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص تاجر کو کچھ مال قرض دے تاکہ وہ اس کے دوست کو دے دے تو بلاشبہ یہ مال اس کو بطور امانت نہیں بلکہ بطور قرض دیتا ہے اور اس سے راستہ کے خطرہ کے سقوط کا فائدہ اٹھاتا ہے ، اور ایک قول میں اس کی صورت یہ ہے کہ کسی کو قرض دے تاکہ مقروض

صورتہا ان یدفع الی تاجر ما لا قرضا لیدفعہ الی صدیقہ وانما یدفعہ قرضا لا امانۃ لیستفید بہ سقوط خطر الطريق وقیل ہی ان یقرض انسانا لیقضیہ المستقرض فی بلد یریدہ المقرض لیستفید بہ سقوط خطر الطريق کفایۃ۔

وہ قرض اس شہر میں قرض دہنہ کو واپس کرے جس شہر میں وہ لینا چاہتا ہے تو اس سے وہ راستہ کے خطرہ کے سقوط کا فائدہ اٹھاتا ہے (کفایہ) ۔ (ت)

(۵) ہاں ممکن ہے روپیہ نہ دے بلکہ نوٹ اور قرض نہ دے بلکہ بیع کرے اس شرط پر کہ حسیب دار اس کی قیمت کا حوالہ فلاں شہر کے فلاں تاجر پر کر دے کہ ہم خود یا اپنے کسی وکیل کے ذریعے سے وہاں وصول

لے کز العمال حدیث ۱۵۵۱۶ فصل فی لواحق کتاب الدین موسستہ الرسالہ بیروت ۲۳۸/۶
لے رد المحتار کتاب الحوالہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲۹۵/۴

کر لیں یہ جائز ہے اور مطلب پورا حاصل ہے اور اب کمی بیشی بھی روا ہے سو کا نوٹ تنا نوے کو بچیں خواہ ایک سو ایک کو۔ کماحقناہ فی کفل الفقیہ (جیسا کہ اس کی تحقیق ہم نے کفل الفقیہ میں کر دی ہے۔ ت) درمختار میں ہے :

باع بشرط ان یحیل علی المشتوی بالثمن
غریبالہ ای للبائے بطل ولو باع بشرط
ان یحتال بالثمن صح لانه شرط ملائم
کشرط الجودۃ بخلاف الاول لہ

اگر کسی نے کوئی چیز اس شرط پر فروخت کی ثمن کے بدلے
میں بائع اپنے کسی قرضخواہ کا حوالہ مشتری پر کرے گا
تو بیع باطل ہے اور اگر اس شرط پر بیع کی مشتری
ثمن کا حوالہ کسی اور شخص پر کرے گا تو جائز ہے کیونکہ

یہ شرط عقد کے مناسب و ملائم ہے جیسے کہ جودت کی شرط بخلاف پہلی صورت کے۔ (ت)
ردالمحتار میں ہے :

قوله لانه شرط ملائم لانه یؤکد موجب
العقد اذا الحوالۃ فی العادۃ تکون
علی الاملا والاحسن قضاء فصار کشرط
الجودۃ درر۔

ماتن کا قول کہ بیشک یہ شرط عقد کے ملائم ہے، اس
کی وجہ یہ ہے کہ یہ موجب عقد کو پکا کرتی ہے کیونکہ
حوالہ عام طور پر صاحب ثروت اور بہتر ادا کیگی
کرنے والوں پر کیا جاتا ہے، تو یہ شرط جودت کی مثل
ہو گیا، درر۔ (ت)

ہاں اس شرط پر بچنا کہ تو اس کی قیمت فلاں شہر میں مجھے دینا، یہ ناجائز ہے۔ ردالمحتار میں ہے :

ومنه (ای من الشروط الفاسدة المفسدة
للبيع) ان یدفع الثمن فی بلد اخر او
یهب البائع منه کذا بخلاف ان یحط من
ثمنه کذا، لان الحط ملحق بما قبل
العقد بحراہ مختصراً۔

بیع کو فاسد کرنے والی شرط فاسدہ میں سے یہ ہے
کہ شرط لگائی جائے کہ مشتری کسی دوسرے شہر
میں ثمن ادا کرے گا یا بائع ثمن میں سے اتنے مشتری
کو ہبہ کرے گا بخلاف اس کے کہ بائع ثمن سے
اتنے گھٹائے گا کیونکہ گھٹانا عقد کے ماقبل کو لاحق
ہوتا ہے، بحراہ مختصراً (ت)

۷۰/۲

مطبع مجتہبائی دہلی

کتاب الحوالہ

۱۷ درمختار

۲۹۴-۹۵/۴

دار احیاء التراث العربی بیروت

”

۱۷ ردالمختار

۱۳۱/۴

”

”

”

باب بیع الفاسد

۱۷ ”

یہ فرق خوب یاد رہے کہ غلطی ہو کر حرام میں وقوع نہ ہو جائے واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ جل مجدہ اتم۔

۲۹۸ مکملہ از چنور گڑھ علاقہ اودے پور راجپوتانہ، مستولہ عبدالکریم صاحب ۱۶ ربیع الاول شریف ۱۳۳۴ھ شنبہ
 زید نے پانچ سو روپے بکر کے پاس اس غرض سے جمع کئے کہ بذریعہ ہنڈی کے سالم کے نام بمبئی پہنچ جائے
 اور تجربے ہنڈی کو سالم کے پاس بمبئی روانہ بھی کر دیا اور سالم کو مل بھی گیا اور سالم اس ہنڈی کو خالد سا ہوکار کے
 پاس لے گیا اور کہا کہ اس ہنڈی کے روپے دیجئے، خالد سا ہوکار نے روپے دینے سے انکار کیا لہذا سالم نے
 ہنڈی مذکور کو واپس کیا اور واپس آنے میں پندرہ یوم کی دیر بھی ہوئی، اور سا ہوکاروں کا قاعدہ ہے کہ جتنے
 روز میں ہنڈی واپس آتی ہے اتنے روز کا ہر جامع کفندہ کو دیا جاتا ہے تو آیا اس ہر جا کا لینا جائز ہے یا
 نہیں؟ اگر جائز نہیں ہے تو زید کو بہت نقصان پہنچے گا کیونکہ کافر تاجر مسلمان تاجر سے اپنے مذہب کے موافق
 ہر جانہ ضرور لے گا اور مسلمان اس سے باز رہے گا، اور ایسا ہو نہیں سکتا کہ تمام مسلمان تجارت کو چھوڑ
 دیں، تجارت تو کتاب و سنت سے ثابت ہے، علاوہ اس کے تمام علماء و دانشمندان اہل اسلام اس وقت
 مسلمانوں کو تجارت کرنے پر زور دے رہے ہیں تو اگر یہ ہر جانہ مذکور ناجائز رکھا جائے گا تو مسلمانوں کو
 دو طرفہ نقصان ہوگا ایک تو دینے کی وجہ سے اور دوسرے نہ لینے کی وجہ سے فقط۔

الجواب

ہنڈی سرے سے خود ہی ناجائز ہے متون میں السفنجة حرام (ہنڈی حرام ہے۔ ت) حدیث
 میں ہے، کل قرض جو منفعة فہوربا (جو قرض نفع حاصل کرے وہ سود ہے۔ ت) اور پھر اس پر
 جرمانہ دوسرا ناجائز ہے مگر یہ عمل اگر محض کفار سے ہے کہ اس دکان میں اصالۃً یا بالواسطہ کسی مسلمان کی شرکت
 نہیں تو نہ بنیت اس عقد فاسد کے بلکہ اسی نیت سے کہ یہ مسلمان سے لیتے ہیں اور غیر مسلم کا بلاعدر ملتا ہے
 لینے میں حرج نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

نوٹ

سترھویں جلد کتاب الحوالہ پر ختم ہوتی،
 اٹھارھویں جلد کا آغاز کتاب الشہادۃ سے ہوگا۔

اہل علم حضرات کے لئے خوشخبری

فتاویٰ رضویہ

۷۱ جلدیں

خصوصیات جدید ایڈیشن

- عربی فارسی عبارات کے مقابل سلیس اردو ترجمہ
 - نادر اور قیمتی حوالہ جات کی تخریج، بقیہ جلد، صفحہ اور برج مطبع کتاب
 - عبارات کی پیرا بندی قائم و ڈیش کے ساتھ
 - کتابت اعلیٰ، کاغذ بہترین، آفسٹ طباعت، جلد مضبوط ڈائی دار
 - ہر جلد کے ساتھ ماخذ و مراجع کے عنوان سے سینکڑوں کتب اور ان کے مصنفین بمع سن وفات
 - سائز ۲۰ × ۳۰، صفحات ہر جلد اوسطاً ۷۰-۷۵
- باقی جلدوں پر تیز رفتاری سے کام جاری ہے

ملنے کے پتے

رضا فاؤنڈیشن ○ مکتبہ تنظیم المدارس ○ مکتبہ قادریہ
جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری گیٹ، لاہور